چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت منیجر صدق سے کیجائے

ایڈیٹر :- عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

قیمت فی پرچہ ۱؎

صدق
لکھنؤ

نمبر (۱) دوشنبہ ۱۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء جلد ۹

سچی باتیں

ڈیوِنڈ فارسٹر کا انگریزی "تاریخی جغرافیۂ عرب" (ہسٹاریکل جیاگرفی آف عربیا) ایک مشہور کتاب ہے ۔ جلد دوم کے صفحہ ۔۔ پر ابن ہشام کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

حفر سیل عن قبر بالیمن فیہ امراۃ فی عنقہا سبع مخانق من در وفی یدیہا ورجلیہا من الاسورۃ والخلاخیل والدمالج سبعۃ سبعۃ وفی کل اصبع خاتم فیہ جوہرۃ مثمنۃ وعند رأسہا تابوت مملو مالا۔

| ملک یمن میں سیلاب کے اثر سے ایک قبر کھل گئی ۔ لاش ایک عورت کی نظر آئی ۔ گلے میں موتیوں کے گلوبند سات تھے ۔ ہاتھوں اور پیروں میں بازوبند، کڑے اور چھڑے بھی سات سات تھے ۔ ہر ہر انگلی میں ایک انگوٹھی بیش قیمت نگینہ کی تھی ۔ اور سرہانے ایک صندوقچہ تھا زر و مال سے لبریز ۔

ظاہر ہے کہ ایسی ۔ خاتون کوئی امیر کبیر ہی ہو سکتی ہیں ۔ عجب نہیں کہ ملک یمن کی ملکہ رہی ہوں ——— عورت کی حکمرانی اور فرماں روائی تہذیب جدید کی ایجاد نہیں ۔ اسلام سے قبل ، ایران میں ، روم میں ، سب ہی کہیں عورت بادشاہ رہ چکی ہے ۔ یمن میں بھی کوئی ملکہ رہی ہو تو کچھ عجب نہیں ۔

قیاس و گمان کی حاجت نہیں ۔ اتفاق سے ایک کتبہ بھی قبر ہی میں موجود تھا ۔

لوح فیہ مکتوب
باسمک اللہم الہ حمیر
| اور ایک تختی ملی جس پر یہ لکھا تھا
تیرے نام سے ، اے خدا ، اے خدائے حمیر ۔

یادگار اسلام سے بہت قبل کا ۔ جب دنیا خدائے رب العالمین کے تخیل ہی سے آشنا نہ ہوئی ۔ خدا ۔۔ ہر قوم ۔۔ ہر قبیلہ کا جدا جدا تھا ۔ کتبہ پانچ شعر کا ہے ۔۔۔۔ مکمل خبر کتاب میں دیکھیے ۔ یہاں صرف ترجمہ درج ہو رہا ہے ۔

۱ - میں تاجہ بنت ذوشفر ہوں ، میں نے اپنے شاہی داروغہ کو یوسف کے پاس بھیجا ۔ پھر جب واپسی میں دیر ہوئی تو میں نے اپنی

۲ - چاندی کی ایک مقدار دے کر ، کہ اس کے عوض میں آٹا لائے ۔ پھر جب وہ نہ مل سکا تو پھر میں نے سونا دے کر

۳ - جب اس سے بھی نہ مل سکا ، تو پھر میں نے موتی بھیجے ۔ جب بھی نہ مل سکا تو میں نے ان موتیوں کو پسوا ڈالا ۔

۴ - وہ کسی کام نہ آ سکے ۔ سو اب میں یہاں دفن ہوتی ہوں ۔ جو خبر پائے ، اسے چاہیے کہ میرے اوپر ترس کھائے ۔

۵ - اور اگر کوئی عورت میرے ان زیوروں پر طمع کر کے انھیں ۔۔۔ تو اسے میری ہی جیسی موت نصیب ہو !

حضرت یوسفؑ (سال وفات غالباً سنہ ۔۔۔ ق م) کے زمانہ میں جو عظیم الشان قحط پڑا تھا ۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور توریت میں بھی ۔ عرب کا شمال ، علاقہ فلسطین تک تو اس سے متاثر تھا ہی ۔ جنوب کے علاقہ یمن تک بھی اس کا اثر پہونچ گیا ہو ، تو کچھ بعید نہیں ۔ وہ قحط تھا ہی اسقدر اہم و عظیم الشان کہ قرآن مجید نے اس کی تاریخ محفوظ رکھی ۔ کتبہ سے جہاں قرآن پاک کے بیان کی تائید و توثیق کے رنگ میں روشنی پڑ رہی ہے ، وہاں یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ، کہ روپیہ ، اشرفیاں ، زر و جواہر حقیقۃً کتنی بے قدر و قیمت چیزیں ہیں ! ملکہ کا خزانہ خالی نہیں بھرپور تھا ۔ چاندی ، سونا ، موتی ، سب کچھ موجود ۔ زیورات سے جسم لدا ہوا ۔ لیکن بھوک کی تسکین تو غلہ اور آٹے ہی سے ہو سکتی تھی ، وہ نہ میسر ہو تو کسی نے کچھ کام نہ دیا ! ——— کاش ہم چیزوں کی صحیح قدر و قیمت سمجھ لیں ، یہ جان لیں کہ کتنا قیمتی ہے پیٹ بھر آٹا ! اور کیسے ہیچ اور محض نمائشی ہیں سونے اور چاندی اور لعل و یاقوت کے خزانے !

تاریخ کا اعادہ

نظامی کا سکندر نامہ، فارسی کی رزمیہ نظم کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں ایک موقع پر دارا، شہنشاہ ایران کی زبان سے یہ شعر ادا کیا ہے ؎

فلک بیں چہ ظلم آشکارا کند
کہ اسکندر آہنگ دارا کند!

معلوم ہے کہ ایران کی عظمت دنیا کی نظر میں مسلم ہے۔ ایران کو خود اپنی قوت کا زعم ہے۔ یونان (قدیم اصطلاح میں روم) اسکے مقابلہ میں ایک نوخیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسکا نوجوان فرماں روا سکندر، دارا جیسے عظیم الشان تاجدار کو چیلنج دینے کی ہمت کرتا ہے، اس سے مقابلہ کی ہمت کرتا ہے! دارا فلک پیر کی اس ستم ظریفی پر ہنستا ہے۔ سکندر کا پیام مبارزت اہل دربار کے سامنے پیش کر کے کہتا ہے کہ ذرا تماشہ دیکھو! سکندر اور مجھ سے مقابلہ کا خیال دل میں لائے! آخر اسکو اسکی جرأت ہی کیسے ہوئی!— دارا کے اس زعم باطل کا انجام جو کچھ ہوا، تاریخ کے صفحات پر خون کی روشنائی سے ثبت ہے۔ لیکن یہ زعم کی سرنگونی کیا کوئی پہلی یا آخری مثال ہے؟ دنیا میں کتنی بار یہ تجربہ دہرایا نہیں جا چکا ہے، کتنی مرتبہ، پر قوت، اپنے اقتدار کے نشہ میں بدمست قومیں دم بھر میں زیر و زبر ہو کر نہیں رہی ہیں؟ تازہ ترین مثال فرانس کی ہے۔ کیا کیا دعوے تھے؟ کیسی کیسی تیاریاں تھیں، میجینو لائن پر کیا غرہ تھا۔ اس سلسلہ کے قلعے کتنے ناقابل تسخیر تھے! جرمن اسکے مقابلہ میں کل کا نوخیز نو دولت ہی تھا۔ کشتی شروع ہوئی، تو دنیا نے آناً فاناً کس کو گرتے اور کس کو پچھڑتے دیکھا؟ ولہ الکبریاء فی السموات والارض۔

لکھنؤ روس میں

روس کے مشہور ادیب و رہنما میکسم گورکی کے نام سے اب اردو خواں بھی ناآشنا نہیں رہے ہیں۔ گورکی کی قلمی تصویر انکے ایک ہندی معتقد اور جہاں گرد سیاح ایک رسالہ میں یوں کھینچتے ہیں:—

"ایک روز میں اپنے کمرے میں بیٹھا سمندر کی سیر کے ارادہ سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ اتنے میں میری نظر سامنے کے چمن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ایک بڈھا، آرام کرسی پر دراز، اخبار پڑھ رہا ہے۔ اسکی وضع ظاہر کر رہی تھی کہ وہ یورپین نہیں ہے۔ وہ کرتے پاجامے میں ملبوس تھا۔ کرتے کے گلے کی پٹی اور سامنے کے حصے پر کشیدے کا کام تھا۔ یہ کشیدہ ویسا ہی تھا جیسا لکھنؤ کی دوپلی ٹوپیوں پر ہوتا ہے۔ اور پاجامہ دھاریدار مہین کپڑے کا تھا، جیسا ہمارے ملک کے مسلمان خانساماں کبھی کبھی پہنتے ہیں۔" (رسالہ اردو۔ جنوری ۴۲ء ص ۱۲۱)

ان صاحب نے کبھی کسی "صاحب" کو لکھنؤ کے لباس میں کب دیکھا تھا؟ قدرۃً یہ سمجھے کہ گورکی کی عدم موجودگی میں شاید انکا باورچی آرام کرسی پر لیٹا ہے۔ "ہیڈ بیرے" نے بتایا! کہ نہیں، وہی تو گورکی بابا ہیں! —

لکھنؤ کی کشیدہ کاری کا کرتا، اور مسلمان خانساماؤں کی وضع کا پاجامہ یقیناً

تو ہے کہ اب اس واقعہ کے بعد اتنا ذلیل نہ رہ جائے، جتنا اسکے قبل تھا!

"ترقی پسند ادب"

اردو میں "ترقی پسند ادب" اور "ترقی پسند مصنفین" کا غلغلہ ہم آپ سب چند سال سے سن رہے ہیں۔ اس اجمال کی شرح آج خود ایک "ترقی پسند" ادیب کی زبان سے سنیے۔ یہ "ترقی پسند" ادیب خواجہ غلام السیدین ایم۔ اے، ایم۔ ایڈ، ڈائرکٹر تعلیمات ریاست کشمیر ہیں۔ آپ اقبال کو ایک "ترقی پسند ادیب" کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور اسکے ضمن میں فرماتے ہیں:—

"ہندوستان میں "ترقی پسند ادب" کی اصطلاح چند ہی سال میں اس قدر راندۂ درگاہ ہوئی ہے، اور اسکو اسقدر غلط معنی پہنائے گئے ہیں کہ بعض سنجیدہ ادبی حلقوں میں اسکے خلاف ایک قسم کا تعصب پیدا ہو گیا ہے۔ ترقی پسند ادب کی تحریک گزشتہ جنگ عظیم کے بعد اکثر مغربی ممالک میں پیدا ہوئی اور دنیا کی بیداری کے ساتھ پھیلی۔ اس کی بدولت ادب اور زندگی میں ایک نیا اور زندہ رشتہ قائم ہو گیا۔ لیکن ہندوستان کے بعض نوجوان ادیبوں نے اس کی اصلی معنویت کو نہیں سمجھا۔ بلکہ محض اسکی بعض خارجی اور سطحی علامتوں کو نقل کر کے انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ وہ ترقی پسند ادیب بن گئے ہیں، اور انھیں حق حاصل ہے کہ وہ اور تمام لوگوں پر ادبی کفر یعنی رجعت پسندی کا فتویٰ لگا دیں۔ انھوں نے چند الفاظ کو انقلابی خیالات اور جذبات دونوں کا بدل سمجھ لیا اور اپنی نظم و نثر میں انقلاب، دھواں، آگ، شعلے، بھوک، کسان، مزدور کے الفاظ کو بچوں کے کھلونوں کی طرح جا اور بیجا استعمال کرنا شروع کر دیا۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اقبال کا شمار ان غلط اور ادنیٰ قسم کے ترقی پسندوں میں نہیں ہو سکتا۔" (رسالہ اردو دہلی جنوری ۴۲ء ص ۲۴-۲۵)

خدا بھلا کرے خواجہ صاحب کا۔ وہ چشم بد دور، خود ترقی پسندوں کے طبقہ میں ہیں، گھر کے بھیدی ہیں، محرم اسرار ہیں، جو چاہیں کہہ لیں۔ ورنہ اور کسکی ہمت تھی، کہ ترقی پسندی کی ایک قسم "غلط اور ادنیٰ" بھی قرار دے! اور کیسے کیسے ہونہار اور روایت نواز نوجوانوں کو اسی طبقہ میں شمار کر ڈالے!

سرکار کی طائفہ نوازی

"ہم نے کوشش کی کہ سال بھر بہتر سے بہتر اور دلچسپ پروگرام اپنے سننے والوں کو سناتے رہیں۔ اس میں ہماری بہت سی بہنوں نے مدد کی۔۔۔۔ [چنانچہ] بہن زہرہ ممتاز نے جو اودے شنکر کے کلچر سنٹر کی ایک آرٹسٹ ہیں ہمارے ہاں سے اس پر بات چیت کی کہ میں نرتکی [رقاص] کیوں ہوئی؟ اور یہ بات چیت بہت پسند کی گئی۔"

لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کی لیڈی اناؤنسر نے ۱۹-اپریل کی شام کو زنانہ پروگرام کی تیسری سالگرہ کے جشن کے موقع پر کہا۔ اور فخر و اطمینان کی سانس لی — گویا ارباب نشاط کی دلالی اور طائفہ نوازی ایک خاص خدمت اور

روشن کارنامہ ہے سرکار دولت مدار کے عالی شان محکمۂ ریڈیو کا! —
آہ! غریب واجد علی شاہ!

اور اس تقریر دلپذیر کے ساتھ بیدلی محفل آوازیں آنے لگیں ادھر کے اونچے اونچے گھرانوں کی معزز بیگموں اور شریف بہو بیٹیوں کی "ہمیں" فلاں بائی جی اور "ہمیں" فلاں آرٹسٹ نے کے ساتھ! —— خوب ہے قول اور عمل کی یہ ہم آہنگی!

بدل جائیگا معیار شرافت چشم گردوں میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب کم ہونگے (اکبر)

زہر کا لیبل

امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کے ۱۹۵۱ء کے اجلاس میں ڈاکٹروں نے یہ تجویز پیش کی کہ امریکہ میں فروخت ہونے والی شراب کی ہر بوتل پر زہر کا لیبل جلی حروف میں لگا ہونا چاہیئے۔

ڈاکٹر میرل مور نے اس سلسلہ میں کہا کہ الکحل مغربی تہذیب کی ایسی کثیرالاستعمال زہر مخفی دوا ہے جسکی لوگوں کو آسانی سے عادت ہوسکتی ہے۔ .. اسلیے جس طرح سنکھیا، کاربولک ایسڈ اور دوسرے سمیات پر زہر کا لیبل لگانا قانونی طور پر ضروری ہے الکحل پر بھی یہ لیبل لگانا قانوناً ضروری قرار دیا جانا چاہیئے۔

"گڈ ہیلتھ" رسالہ جامعہ میں لکھتا ہے کہ "لیکن یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہم شہد دھونے کے منجنوں پر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور وہسکی جیسی مضرت رساں چیز کو نظر انداز کر دیں"۔ (نوید صحت۔ دہلی)

امریکہ اور لندن کے محققین کو شاید علم نہیں کہ دنیا میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جسکے ہاں آج سے نہیں، ماشاءاللہ تیرہ سو سال قبل سے وسکی اور برانڈی کی اور شمپین کی ہر بوتل پر، شراب کے ہر شیشہ پر لیبل رجس (یعنی گندی چیز) کا، اور رجس عمل الشیطٰن (شیطانی حرکت) کا لگا چلا آرہا ہے! ضرورت اس کی بھی کہیں مصالح دصلح قوم آگے بڑھتی اور دنیا کی اصلاحی رہنمائی کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہوتی!

تمباکو کی لت

برٹش میڈیکل جرنل میں ڈاکٹر اے' روز ایبرسنی میں تمباکو کے خلاف سرگرم تحریک کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں، کہ اب وقت آگیا ہے کہ اس ملک کے ڈاکٹر بھی اجتماعی طور پر تمباکو نوشی کی وبا کے خلاف جہاد کریں۔ مطب کے کمروں میں تمباکو نوشی کے نتائج ضعف اعصاب، بینائی کی خرابی، اور دوسرے تباہ کن امراض کی شکل میں ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں سگرٹ کی وبا انتہا کو پہونچ گئی ہے۔ اور ہم ہر لمحہ اسکے "نفع بخش" اثرات کا مشاہدہ کر رہے ہیں ... اگر ہم ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں، تو ہمیں سگریٹ کی عادت کم کر دینی چاہیئے یا اسے بالکل ہی ترک کر دینا چاہیئے۔ جرمنی، روس، آئرلینڈ، ویلز، ہالینڈ، پرو دیگینڈہ کے ذریعہ سے تمباکو نوشی کے خلاف جہاد جاری ہے۔ رقبا و رات، تھیٹر، سینما، اور تمام اجتماع کے مقامات، ہر جگہ تمباکو کے خلاف پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے"۔ (نوید صحت، دہلی)

جرمنی میں تو یہ وقت آئے بہت مدت ہو چکی ہے۔ برطانیہ میں بھی یہ وقت آرہا ہے یا "اب وقت آگیا ہے"۔ رہا غلام در غلام ہندوستان، تو یہاں شاید اس قدر کافی ہے، کہ بس اس طرح کے اقتباسات کبھی کبھی ولایتی طبی رسالوں سے لیکر شائع کر دئیے جائیں!

بجھی ہوئی شمع

"ہمارے یہاں بہ حقیقت نگار رہا ہے ہیں لیکن انکے قلم کی شوخیاں گستاخی کی حد تک پہونچ جاتی ہیں۔ بعض حضرات آرٹ اسی کو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ گذر رہا ہے اسکو من وعن بیان کیا جائے لیکن ادب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ واقعات کی جانچ پڑتال کے بعد اسکے بیان میں کسی افسانہ اور کہانی کا ہونا لازمی ہے "حسن و شباب" ایک افسانہ رسالہ ... میں شائع ہوا۔ ایک شخص ذوالفقار اپنی بیوی کی بیماری اور بچی سالی کی معصومیت سے فائدہ اٹھا کر ایک ناجائز حرکت کرتا ہے لیکن افسوس افسانہ نگار نے اس واقعہ کے بیان میں اشارہ و کنایہ کافی نہ سمجھا، بلکہ رتمطراز ہیں: ...... اس میں شک نہیں کہ حق گذر ہوتا ہے اور اس قسم کے واقعات ہر روز ہوتے ہونگے لیکن ادب اس بار گراں کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ یہ تفصیل کسی ... شاستر کے لیے زیادہ موزوں تھی" (ایک مشہور مسلم ادارہ کا ماہنامہ۔ بابت مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۳۲)

ڈاکٹر اسلم عمر صاحب صدق اور سچ کے قدیم کرم فرما اس ورق کو تراش کر بھیجتے ہیں، اور اپنے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں: —

"کیا ایسی بیہودہ تحریر کی نقل کسی وجہ سے بھی ایک اسلامی درسگاہ کے رسالہ میں جائز ہوسکتی ہے؟ جس شاستر کے لیے اسکو زیادہ موزوں خیال فرمایا گیا ہے، کیا اس کی کوئی تصویر بطور مثال بھی ایسے رسالہ میں گوارا کی جاسکتی ہے"؟

"رذیل تحریر" کا کوئی اقتباس صدق میں نقل نہیں ہونے پایا۔ بعض اور مقامات پر بھی صرف نقطے دیدیے ہیں۔ دونوں رسالوں کے نام بھی ظاہر نہیں ہونے دیے گئے ہیں۔ لیکن یہ صدق نواز ڈاکٹر صاحب بھی "جہد" میں بری طرح مبتلا معلوم ہوتے ہیں دنیا کہاں سے کہاں پہونچ گئی، ہر بے شرمی عیب نہیں، ہنر بن چکی، شریف زادیوں کے لیے بسواؤں سے ملنا جلنا، شرم کی نہیں، فخر کی چیز بن چکا، عورت کا مرد سے شرمانا، الگ رہنا نہیں، ان میں گھل مل کر رہنا، ان سے آزادانہ خوش وقتی کرتے رہنا، دلیل اعزاز قرار پا چکا، فحش لفظی ہی نہیں، فحش عملی گھر گھر پہونچ چکا، اور ان غریب کو اس پر اصرار ہے کہ بیہودہ تحریریں شریف نوجوانوں اور لڑکوں کی نظر سے نہ گزرنے پائیں! —— پشتہا پشت کا اندوختہ شاطر عیار لگیں ہوا ہیں چکے ہیں، اور وہ ابتک اس فکر میں ہیں، کہ الماری پر قفل کوئی اچھا مضبوط سا ڈالنا چاہیے! —— جن لڑکوں کو انھیں بچانا منظور ہے، ان میں کتنے ایسے نکلیں گے، جو ایسی ہی نہیں، اس سے بدرجہا زائد عریاں اور گندی تحریریں دیکھ نہ چکے ہوں گے۔ کتنے ایسے نکلیں گے جو عملاً ان گندگیوں سے آلودہ نہ ہو چکے ہوں گے۔؟

شمع خاموش کو فانوس کی حاجت کیا ہے؟

امتحان کا امتحان

امتحانات ظاہر ہے کہ ہر یونیورسٹی، ہر کالج، ہر چھوٹے بڑے اسکول کا لازمی اہم جزو ہیں۔ یہی طلبہ کی قابلیت کا معیار، انہیں کے نتیجوں پر انکی قسمت کا مدار۔ حال میں مسلم یونیورسٹی کے صدر رئیس چانسلر اور صدر شعبۂ تعلیمات، اور دو اور استادوں نے مل کر خود امتحان کا امتحان لینا شروع کر دیا ہے۔ اور جو نتیجہ اب تک نکلا ہے وہ مسلم یونیورسٹی گزٹ میں شایع بھی کر دیا ہے۔

ہائی اسکول کے امتحان کی دو کاپیاں، انگریزی، جاگرافی، اور تاریخ کے مضمون کی زیادہ سے زیادہ حاصل کر کے دو، مختلف تجربہ کار و صاحب اہلیت ممتحنوں کی خدمت میں اس طرح پیش کی گئیں، کہ کسی ایک ممتحن کو دوسرے کے فیصلہ کا پتہ نہ چلا۔ پہلے دور میں ممتحنوں سے کہا گیا کہ کاپیوں کی تقسیم صرف چار طبقوں میں کر دیں، فیل، پاس، اچھے نمبر، بہت اچھے نمبر۔ دوسرے دور میں نمبر بھی لگوائے گئے۔

پہلے دورہ میں، انگریزی کے امتحان میں ۱۵ میں ۲ طالب علم ایسے نکلے، جنھیں اوپر کے تین مختلف طبقوں میں جگہ ملی! جاگرافی کے پرچہ میں ایک طالب علم ایسا ہے جسے ایک ممتحن صاحب نے فیل کر دیا، ۶ صاحبوں نے اسے پاس کیا۔ ۲ صاحبوں نے اچھے نمبر کے طبقہ میں رکھا، اور دو صاحبوں نے "بہت اچھے" نمبر کے طبقہ میں۔ یہ تین طلبہ ایسے نکلے جنھیں تین ممتحنوں کے ہاتھوں "فیل" کے طبقے میں بھی جگہ ملی، "پاس" میں بھی، اور "اچھے نمبروں" میں بھی!

دوسرے دور میں، جاگرافی کے ایک طالب علم کو ایک ممتحن کے ہاتھ سے $\frac{11}{8}$ نمبر ملے، اور دوسرے کے ہاتھ سے [illegible]! گویا فرق ۵۱ فی صدی کا رہا! اسی طرح انگریزی امتحان میں فرق ۴۴ فی صدی اور تاریخ میں ۳۶ فی صدی کا نکلا!

سوال صرف اتنا ہے کہ جو پیمانہ خود اتنا ناقابل اعتبار ثابت ہو رہا ہے، اسکے بھروسہ پر جو اب تک لاکھوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوتا رہا ہے اور قابلیت ناقابلیت جانچی جاتی رہی ہے، سو ان بیچاروں کا اب کیا حشر ہوگا؟ —— ظلم کا وزن باٹوں سے کرتے ہیں لیکن باٹ خود ہی جب ڈھوکے کی ٹٹی ثابت ہوں، جب؟

پرانا مال اور نئی قدر

ہوائی حملوں سے بچاؤ کے ایک اعلان کا اقتباس:

"مکانات کے اندر بھی خندقیں کھودی جا سکتی ہیں ... خندق کے اوپر ایک مضبوط تخت رکھا جائے، تاکہ اگر کوئی چیز اس پر گر جائے، تو یہ وزن سنبھال سکے۔ خندق اس طرح کھودی جائے، کہ تخت کے چاروں پائے زمین ہی پر رہیں ...
خیال ہو سکتا ہے کہ تخت یا لکڑی کے تختوں کی بنی ہوئی یا لکڑی کی بنی ہوئی ایسی کوئی چیز آپ کو بم کے اثرات سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انگلستان میں ہوائی حملوں کے دوران میں بہت سے لوگ میز اور پلنگ کے نیچے پناہ گزیں ہو کر بچ گئے۔ لیکن یاد رکھیے کہ کوئی میز یا پلنگ ہندوستان کے تخت سے زیادہ کارآمد و مضبوط نہیں ہوتا!"

انشاءاللہ! تہ خانے اور تخت! مشرقی تمدن کے باقیات، مٹی ہوئی تہذیب کے کھنڈر، آج انکے دن بھی پھرے! تہ خانے تو پرانی حویلیوں کے لازمی جزو ہوتے تھے۔ سول لائنس اور مال روڈ کی کوٹھیوں میں انکا گزر کہاں! اب مدتوں کے بعد پھر انکی قسمت جاگی، انکی یاد ہوئی۔ تخت تو فرش و قالین کے ساتھ مشرقی معاشرت کے جزو لاینفک تھے۔ مدت ہوئی کہ میز اور کرسیاں، اور کوچ اور صوفے انھیں بے دخل کر چکے تھے۔ اب جا کر پھر انکا نصیبہ بیدار ہوا، "صاحب" کی زبان پر انکا نام آیا! —— شر میں خیر پیدا ہونا اسے کہتے ہیں۔ دیگر قوموں اور سلطنتوں کی طرح، فیشن کی دنیا میں بھی جنگ عالم کتنے مقبولوں کو متروک اور کتنے متروکوں کو مقبول بنا رہی ہے!

مسلم لیگ کی قوت

ضمنی انتخابات نے بعض دفعہ حکومتوں کی قسمتیں پلٹ دی ہیں۔ اور [illegible] کے ضمنی انتخاب کا نتیجہ بھی کوئی معمولی نتیجہ نہیں۔ مسلم لیگ کے امیدوار کو ۱۰۸۴۳ ووٹ ملے، اور فضل الحق صاحب والے امیدوار کو کل ۸۱۴۰۔ پھر اب تک اس نشست پر فضل الحق صاحب ہی کا فریق غالب تھا، اور یہ ایک نمونہ و مثال قرار پا کر دونوں فریق اپنی اپنی فتح یقینی سمجھ رہے تھے۔ دونوں میں عظیم الشان فرق ظاہر ہے۔ اور یقینی ہے کہ اگلے انتخاب میں فضل الحق پارٹی کا مسلم بازو بالکل ہی شکست کھا کر رہیگا" (اسٹیٹسمین۔ دہلی۔ ۱۹ اپریل ۴۲ء)

مسلم لیگ کا کوئی اور کارنامہ اس چار پانچ سال کی مدت میں ہو یا نہ ہو، لیکن یہ بجائے خود کیا کم ہے، کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اس نے ایک نقطے پر جمع کر دیا۔ اور تفریق و انتشار کی کیفیت، کہ ہر شخص کی الگ ٹولی ہے، ایک بڑی حد تک دور کر دی۔ کاش لیگ کے لیڈر اس مرکزیت اور اجتماعیت سے کوئی خاص نفع حاصل کرتے۔ اور اس جوش و خروش کو کسی ٹھوس اور تعمیری کام میں لگا دیتے۔ اصلاح معاشرت کے لیے مسئلے، اور وہ بھی غیر اختلافی، کوئی ایک دو نہیں ڈھیروں موجود ہیں۔

گزارش

ناظرین صدق سے التماس ہے کہ وہ صدق کی توسیع اشاعت پر خاص توجہ مبذول فرمائیں کیونکہ جنگ کی وجہ سے نہ صرف کاغذ غیر معمولی گراں ہے بلکہ صدق کو بہت سے خریداروں کی سرپرستی سے بھی محروم ہونا پڑا ہے۔

"مہتمم"

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(از عبد الماجد)

[مقالہ جو رضا لائبریری رامپور کے جلسہ میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پڑھا گیا، اور اب بعد نظرِ ثانی و اضافہ یہاں درج ہو رہا ہے]

نمبر (۱)

قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ دنیا کی ایک اہم ترین علمی کتاب بھی۔ مطالعہ کے قابل مسلم کے لیے بھی غیر مسلم کے لیے بھی۔ ان تیس پاروں کی صفحات کے اندر اللہ اکبر، کیا کچھ بھرا ہوا ہے؟ توحید و رسالت کے عقیدے ہیں، روح و جزائے عمل کے مسئلے ہیں۔ تمدن و قانون کی دفعات ہیں، معاشرت و اخلاق کی تعلیمات ہیں، سیاسیات کے ضابطے ہیں، معاشیات کے قاعدے ہیں۔ اگلوں کی حکایتیں ہیں۔ پچھلوں کے لیے ہدایتیں ہیں۔ اشخاص کے تذکرے ہیں، امثال پر تبصرے ہیں —— ایک بے علم دیہاتی، خدمتِ قرآن میں اپنی بساط کے لائق کئی سال سے لگا لپٹا ہوا، جب ایسی آیتوں پر پہنچا جنکا تعلق نظر آیا اسی دنیا کے گزرے ہوئے واقعات سے، اسی کائنات کے اشخاص و مقامات سے، تو طبیعت میں کرید قدرۃً یہ پیدا ہوئی کہ یہ تذکرہ کب کا ہے؟ کہاں کا ہے؟ یہ شخص کون ہے؟ یہ قوم کون سی ہوئی ہے؟ یہ واقعہ جو پیش آیا، کس کیفیت کے ساتھ پیش آیا؟ تاریخ اپنی روشنی کی کوئی کرن ان واقعات پر ڈالتی ہے؟ جغرافیہ کوئی پتہ نشان ان مقامات کا اپنے نقشہ پر بتاتی ہے! —— سوالات کے جوابات جو ملے، انکا ایک مختصر سا حصہ اس مجلس علمی کے روبرو پیش ہو رہا ہے۔ مقالہ کسی محقق کا اپنے ہمسروں اور ہمعصروں کے سامنے نہیں، آموختہ ایک ادنیٰ طالب علم کا اہل علم کے سامنے، وہ بھی کچھ کچا کچھ پکا۔

قرآن کا خطاب ہے دنیا کی ساری قوموں سے۔ لیکن ذکر ایک خاص قوم کا، اور ذکر بھی اس پر الطاف خداوندی کی بارش کا، اس تفصیل اور اس تکرار کے ساتھ آتا ہے کہ گویا وہ قوم جوہر ہے، دوسری قومیں عرض۔ وہ اصل ہے اور دوسری فرع۔

یہاں تک کہ اس قوم کو مخاطب کر کے صاف صاف ارشاد ہو گیا ہے کہ

انی فضلتکم علی العالمین | میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی تھی

آخر اس قوم کا (یعنی اسرائیل) —— تاریخ والوں کے کان کھڑے کیے۔ طبیعت کے کھوج نے سوال کیا کہ دعوے پر دلیل؟ ذوقِ تجسس نے بیدار ہو کر پوچھا کہ بیان کا کوئی ثبوت؟

آثارِ قدیمہ کے ماہروں کا بیان ہے کہ اسرائیل لقب ہے یعقوب بن اسحٰق کا۔ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر اسلامی عقیدہ میں، مسیحی عقیدہ میں، یہودی عقیدہ میں۔ نام لفظ ہے عبرانی زبان کا۔ لغوی معنی خدا کے بندے کے، یا خدا کے پہلوان کے۔ پوتے تھے حضرت ابراہیم پیغمبر کے۔ سال پیدائش [illegible] ق۔م۔ یعنی آج سے ۳۹۴۱ سال قبل۔ وطن فلسطین، یا قدیم بولی میں کنعان۔ اُس وقت ملک شام کا ایک سرسبز صوبہ۔ دو بیاہتا بیویاں، دو شرعی باندیاں۔ اولاد کُل ملا کر بارہ بیٹے ہوئے۔ ان سے جو عظیم الشان نسل چلی تیزی کے ساتھ پھیلی اور بڑھی۔ اسی کا نام بنی اسرائیل پڑا۔ دنیا کے اُتار چڑھاؤ جس طرح سب دیکھتے ہیں، انھوں نے بھی اپنی تاریخ میں دیکھے۔ کبھی گرے، کبھی ابھرے۔ آج جیتے، کل ہارے۔ ابھی حکومت کی، ابھی محکومیت سہی۔ اس حیثیت سے انکی تاریخ ویسی ہی ہے جیسے دنیا کی اور ساری قوموں کی۔ اور اس معنی میں انھیں کوئی افضلیت کسی پر نہیں۔ لیکن عروج و زوال کے سارے چکروں کے باوجود ایک چیز انکی ہمیشہ قائم رہی۔ نبوت کی شمع جو اُنکے خاندان میں ایک بار جل چکی تھی، کبھی نہیں برابر روشن رہی۔ نبی انکے ہاں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ افراد انبیاء سے عداوتیں انھوں نے برابر کیں، آج اس نبی کو جان سے مار ڈالا، کل اُس نبی کو وطن سے نکال دیا۔ لیکن نفس نبوت کے قائل برابر رہے۔ عملاً چاہے باغی، غدار، کیسے ہی ثابت ہوئے ہوں، لیکن عقیدہ میں مسلّم نبوت۔

معاصر قومیں، ترقی کرنے والی قومیں، دولت و حکومت والی قومیں، پڑھی لکھی قومیں، مصر میں بھی بعضیں اور ہندوستان میں بھی، عراق میں بھی اور ایران میں بھی —— انکے کان رسول کے پیام اور نبی کے کلام سے ناآشنا رہے۔ انکے ہاں "اوتار" آتے رہے۔ یعنی بھگوان خود کسی نہ کسی قالب میں ظاہر ہوتا رہا۔ کسی مخلوق کے جسم کے اندر حلول کرتا رہا۔ اس ساری مدت میں بس ایک قوم ایسی دیکھی، جس میں برابر نبی پر نبی، اور رسول پر رسول آتے رہے۔ محض پیامبر تھے۔ کسی کا پیام لاتے رہے، کسی کا کلام سناتے رہے —— جو خود بلند تر ہو زمین کی ساری پستیوں سے آسمان کی ساری بلندیوں سے۔ منزہ ہو جسم سے، جان سے، مکان سے، ممکن اس کی شان کے لیے یہ کیونکر ہے کہ وہ اپنے کو قالبوں میں منتقل کرتا رہے! —— یہی راز ہے اس کا کہ یہی ایک قوم بہ حیثیت قوم جمی رہی عقیدۂ توحید پر، ورنہ یہی مظاہر پرستی سے، عناصر پرستی سے، حجر پرستی سے، شجر پرستی سے، حیوان پرستی سے، بچی نہ مصر و کلدانیہ کے، ایران و ہند و شام کے، اور آخر میں یونان کے۔ ان سب کے درمیان انھیں سے گھری ہوئی، لیکن ان سب سے الگ تھلگ، یہی ایک قوم ایسی رہی، جو تنزیہ کا کلمہ پڑھتی رہی، اس حال میں کہ ہمعصر قومیں تشبیہ اور تجسیم کی بھول بھلیاں میں پڑی گم کرتی گئیں، اور توحید کا جھنڈا اسی کے ہاتھ میں لہراتا رہا۔ تنزیہ و توحید کا ہے ہی چولی دامن کا ساتھ۔

۱؎ واضح رہے کہ کتب خانہ مذکور مذہبی نہیں ایک علمی ادارہ ہے۔ (۱۱) مقالہ

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(۲)

(از جناب مولوی مجیب احمد صاحب کیرانوی)

مودودی صاحب نے حقوق الزوجین میں جو خیالی عمارت قائم کی ہے اُسکا سنگ بنیاد انکا یہ خیال ہے کہ فقہاء کا قانون نہایت سخت ہے۔ اور وہ اپنی سختی کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا - انکو بداخلاقیوں کا شکار کرنے والا - اور انکو مرتد بنانے والا ہے - اس لیے وہ خدا کا قانون نہیں ہو سکتا - اب دیکھنا یہ ہے کہ انکا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے - سو ہم کہتے ہیں کہ انکا یہ خیال سراسر غلط ہے - جسکی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اُن لوگوں کا مرتب کیا ہوا ہے جن کی نیک نیتی اور قانونی مہارت تمام عالم اسلامی کے نزدیک مسلم ہے - اور جو قانون ایسے حضرات کا بنایا ہوا ہو وہ ہرگز غیر اسلامی نہیں ہو سکتا - اور جبکہ وہ غیر اسلامی نہیں ہو سکتا، تو نہ وہ سخت ہو سکتا ہے نہ عورتوں کو بداخلاق بنانے والا - اور نہ انکو مرتد کرنے والا - لہذا مودودی صاحب کا یہ خیال سراسر باطل اور محض بیہودہ ہے - اور اس باطل بنیاد پر جو خیالی عمارت قائم کی گئی ہے وہ محض بے بنیاد اور سراسر غیر اسلامی ہے - اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ان مفاسد کی بنیاد قانون کی سختی نہیں تو اور کیا چیز ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان مفاسد کا اصل منشا مسلمان مردوں اور عورتوں کا قانون الٰہی کے احترام کو ترک کر دینا اور کسی ایسی قوت کا نہ ہونا ہے جو انکو اسکے احترام پر مجبور کر سکے - اسکی ناقابل تردید دلیل یہ ہے کہ بداخلاقی اور ارتداد کچھ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ دونوں باتیں جس طرح عورتوں میں پائی جاتی ہیں - ویسی ہی مردوں میں بھی پائی جاتی ہیں - اور یہ ظاہر ہے کہ مردوں کی بداخلاقی اور ارتداد کا سبب کسی قانون کی سختی نہیں بلکہ انکا منشا خود مردوں کی بددینی ہے - تو پھر کیوں نہ کہا جائے کہ عورتوں کی بداخلاقی اور ارتداد کا سبب بھی قانون کی سختی نہیں بلکہ انکا منشا خود مردوں کی بد دینی ہے - مودودی صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مرد عورتوں کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے یا اُن پر دوسرے قسم کے مظالم کرتے ہیں۔ اور عورتیں اپنے ناکارہ یا ظالم شوہروں سے قانون کے ذریعہ سے نجات حاصل نہیں کر سکتیں، اس لیے یا تو مرتد ہو کر پیچھا چھڑاتی ہیں یا انکی قید میں رہ کر بداخلاقی کی مرتکب ہوتی ہیں یا مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا رہتی ہیں - اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ہی مسلم نہیں کہ جو عورتیں بدکار اور آوارہ ہوتی ہیں یا مرتد ہو جاتی ہیں اُنکے ارتداد و بدچلنی کا سبب ہمیشہ مردوں کا ناکارہ یا ظالم ہونا ہوتا ہے - کیونکہ انکی بدکاری اور ارتداد کے وہ اسباب بھی ہوتے ہیں جو مردوں کی بدکاری اور ارتداد کے ہوتے ہیں - لہذا نہ ہم اس قاعدہ کو کلیہ ہونے کی حیثیت سے تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ اکثریہ ہونے کی حیثیت سے - لیکن اگر اسکو کلیہ ہونے ہی کی حیثیت سے تسلیم کر لیں تب بھی ہم اسکو تسلیم نہیں کر سکتے کہ انکی بداخلاقی اور ارتداد کا ذمہ دار قانون ہے - کیونکہ قانون اگر مرد و عورت کے درمیان عورت کی خواہش کے موافق تفریق نہیں کرتا - تو وہ ناکارہ مردوں کو اس پر بھی مجبور نہیں کرتا کہ تم عورتوں کو اپنی قید میں رکھو - اور نہ وہ ظالم مردوں کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ تم ان پر ظلم کرو - بلکہ اسکے خلاف وہ انکو اخلاقی طور پر تاکید کرتا ہے کہ تم عورتوں کو بلاوجہ تکلیف نہ دو - اور اسکی خلاف ورزی پر وہ انکو سزا کی دھمکی دیتا ہے - اب اگر مرد اسکی پروا نہیں کرتے ہیں تو یہ انکی بے دینی ہے - پھر جس طرح مرد اس قانون کا احترام نہیں کرتے تو قانون عورتوں کو صبر کی تلقین کرتا ہے - اور اس صبر کے لیے آخرت کے اجر کا وعدہ کرتا ہے - اور ان تکالیف سے متاثر ہو کر بداخلاقی یا ارتداد کے ارتکاب سے نہایت سختی کے ساتھ روکتا ہے - اور انکو دنیا و آخرت میں سزا کی دھمکی دیتا ہے - اب اگر عورتیں ان ہدایتوں پر عمل نہیں کرتیں اور وعدہ و وعید کی پروا نہیں کرتیں اور باوجود اسکے بھی وہ بداخلاقی یا ارتداد کی مرتکب ہو جاتی ہیں تو یہ انکی بے دینی ہے - پس ثابت ہوا کہ ان مخصوص صورتوں میں بھی عورتوں کی بداخلاقی یا ارتداد کی ذمہ داری خود مردوں اور عورتوں کی بے دینی ہی پر ہے نہ کہ قانون الٰہی پر - آخر یہ قانون آج تو نہیں بنا ہے صدیوں سے چلا آ رہا ہے - پھر یہ بداخلاقیاں اور ارتداد آج کیوں پیدا ہوئے اگر اسکا منشا قانون کی سختی تھی تو انکو اسی وقت سے موجود ہونا چاہیے تھا - جس وقت سے یہ قانون رائج ہوا ہے - اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی بداخلاقی اور انکے ارتداد کی ذمہ داری قانون پر ڈالنا سراسر غلط فہمی ہے - اور اس سے یہ [illegible] ان مفاسد کا علاج قانون کا بدلنا نہیں ہے بلکہ اسکا علاج مردوں اور عورتوں کی بے دینی کو دور کرنا ہے اور انکے اندر قانون کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا ہے - اور اس سے معلوم ہوا کہ نہ مودودی صاحب کی تشخیص صحیح ہے نہ تجویز - جسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس فن کو کسی ماہر فن سے حاصل نہیں کیا بلکہ انھوں نے قانون کا از خود مطالعہ کیا ہے - اور وہ بھی اسلامی ذہنیت کے ماتحت نہیں بلکہ فرنگی ذہنیت کے ماتحت - کیونکہ جس وقت انکو ہوش آیا ہے اور انکو اسلام کی تحقیق کا خیال پیدا ہوا ہے - اُس وقت اُنکے دماغ پر فرنگیت پورا تسلط کر چکی تھی، اس لیے وہ اسی ذہنیت کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کرنے کے لیے مجبور رہے - اگر وہ اس فن کو کسی ماہر فن سے حاصل کرتے تو ممکن تھا کہ وہ ذہنیت بالکلیہ زائل ہو جاتی - اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ [illegible] ثابت ہوتی - اس سے ثابت ہوا کہ قانون اسلامی درحقیقت وہی ہے جو فقہاء کا مرتب کیا ہوا ہے - اور جو قانون مودودی صاحب نے اپنی اجتہادی قابلیت اور فرنگی ذہنیت کے ساتھ حقوق الزوجین میں مرتب کیا ہے وہ سراسر غیر اسلامی اور انکا خود ساختہ ہے - اس جگہ یہ بات بھی ظاہر کر دینا چاہیے کہ آج [illegible] صرف یہی خرابی نہیں ہے کہ اسکا تار و پود ناقص ہے [illegible]

اسکے نقصان کو تسلیم کر لیا جائے) بلکہ اس میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جنھوں نے آج خدا کے دین کو یہود و نصاریٰ کے دین سے بدتر بنا رکھا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان تمام خرابیوں کو چھوڑ کر اپنی خرابیوں کی اصلاح پر زور دیتے ہیں - جنکا تعلق عورتوں سے ہے - سو اسکی وجہ وہی آزادیٔ نسواں کا فرنگی تخیل ہے جسکو انھوں نے یورپ سے حاصل کیا ہے - یورپ کے اثر سے اس تخیل نے انکے نزدیک وہ اہمیت حاصل کر لی ہے جو دین کے کسی حصہ کو حاصل نہیں ہے - اس لیے وہ تمام خرابیوں کو نظر انداز کر کے ان خرابیوں کی اصلاح کو اہم سمجھتے ہیں جو عورتوں کی آزادی پر اثر انداز ہوتی ہیں - چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے پردہ کے مسئلہ کو اٹھایا اور اس میں بظاہر پردہ کے حامی بنکر اندرونی طور پر اسکی بیخ کنی کر دی اسکے بعد حقوق الزوجین تصنیف فرمائی - جسمیں مرد کی قوامیت کو مٹا کر عورتوں کی قوامیت قائم کر دی - اور گو وہ مردوں کے ہاتھ سے حق طلاق کو نہیں چھین سکے - مگر اپنی مخصوص تشریح کے ساتھ خلع کا ہتھیار انکے ہاتھ میں دے کر انکو بھی طلاق کا مالک بنا دیا - اور جو مصلحتیں شریعت نے مرد کی قوامیت اور عورت سے حق طلاق کو سلب کرنے میں پیش نظر رکھی تھیں ان سب پر پانی پھیر دیا - آپ نے اسکا نام عورتوں اور مردوں کے حقوق میں صحیح توازن رکھا ہے - لیکن ابھی تک وہ پورے طور پر عورتوں اور مردوں کے حقوق میں صحیح توازن قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے - اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زمین ہموار کر رہے ہیں - جب یہ بات مسلمانوں کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیگی کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق کے درمیان صحیح توازن یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے بالکل مساوی حقوق دیے جائیں - تو اب وہ مردوں سے چار عورتوں سے نکاح کا حق سلب کر لیں گے یا عورتوں کو چار مردوں سے نکاح کا حق دینگے - کیونکہ اسکے بغیر عورتوں اور مردوں کے حقوق میں صحیح توازن قائم نہیں ہو سکتا - آپ شاید حیران ہونگے کہ مودودی صاحب ایسا کیونکر کرینگے - لیکن حقوق الزوجین میں جو اصول اجتہاد انھوں نے قائم کر دیے ہیں، انکو دیکھنے کے بعد یہ بات کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتی - صرف زمین کے ہموار ہونے کی دیر ہے - جہاں زمین ہموار ہوئی اور یہ اجتہاد نافذ ہوا - مثلاً یہ کہ وہ فرمائینگے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں' ان اللہ لا یظلم مثقال ذرة ' یعنی خدا ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا - اور اسکی تائید اپنی طرف سے یہ مقدمہ لگائیں گے کہ یہ صریح ظلم ہے کہ مرد تو اپنی خواہش کے مطابق چار عورتوں سے شادی کر سکے اور عورت بیچاری اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی ایک سے زائد شادی نہ کر سکے - اور اس قیاس سے یہ نتیجہ حاصل کرینگے کہ یہ غلامانہ قانون خدا و رسول کا قانون نہیں ہو سکتا یہ صرف مجتہدوں کے اجتہادات ہیں - پھر وہ کہیں گے کہ اجتہاد کوئی وحی نہیں ہے - لہذا اس غلط اجتہادات کو دوسرے صحیح اجتہاد سے بدلا جا سکتا ہے - اور اگر بالفرض یہ وحی بھی ہو - تو اس کو آنکھ بند کر کے ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے حجت بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جاہل عطار بقراط اور جالینوس کے نسخوں کو بلا لحاظ موسم اور طبائع بلحاظ مزاج و آب و ہوا وغیرہ ہر جگہ برتنا شروع کر دے یا ایک ڈاکیہ ایک ہی مُہر کو ہر جگہ چلانا شروع کر دے - لہذا یہ استعمال سراسر غلط ہے - لہذا یہ استعمال سراسر غلط ہے - جس زمانہ کے لیے یہ قانون بنا ہوگا وہ ہمارے زمانہ سے بہت مختلف تھا - اسی لیے اسکو ہمارے زمانہ میں استعمال کرنا سراسر نادانی ہے - اس لیے ہماری تجویز ہے کہ اگر مرد ایک عورت پر قناعت کرے تو اسکی عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ ایک سے زیادہ شوہر رکھے - لیکن اگر ایک مرد ایک عورت سے زیادہ رکھنے کی خواہش کرے تو اسکی عورت کو قانوناً یہ حق ہوگا کہ وہ ایک شوہر سے زیادہ شوہر رکھے - اسی کا نام توازن حقوق ہے اور یہی عین انصاف ہے اور یہی قانون اسلام کی اسپرٹ ہے - لیکن افسوس ہے کہ مجتہدین اسلام نے ان چیزوں کی کوشش نہیں کی - اور دنیائے اسلام میں یہ قانون جو سراسر غیر اسلامی ہے نافذ ہو گیا - اسکے بعد جوں جوں زمین ہموار ہوتی جائیگی - تمام احکام اسلامیہ مودودی صاحب کے اجتہاد کی زد میں آکر ختم ہوتے جائیں گے اور اس طرح دنیا میں ایک نیا اسلام رونما ہوگا - اور اگر خود مودودی صاحب کو اتنا وقت نہ مل سکا کہ وہ اپنی زندگی میں اسلام کو ختم کر سکیں تو انھوں نے حقوق الزوجین لکھ کر اپنے جانشینوں کے لیے اسلام کی تباہی کا اتنا مواد فراہم کر دیا کہ وہ بہت آسانی سے اسکو ختم کر سکتے ہیں - ہمارے اس بیان سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو گئی کہ یہ رسالہ حقوق الزوجین اور اسکا مصنف اسلام کے لیے کس قدر خطرناک ہے -

---

خوشخبری

شائقین صدق کو اس مژدہ سے مطلع کیا جاتا ہے کہ میرے پاس جریدہ "سچ" کے سابقہ مجلدات ۱ سے ۹ تک مکمل اور مجلد و نفیس، فروخت کے لیے موجود ہیں - شائقین صدق سے ہر ایک جلد کی قیمت رعایتی پانچ روپیہ لیا جائیگا - مکمل سٹ کے خریدار کے ساتھ خاص رعایت ہوگی - درخواست اس پتہ پر آنی چاہیں

قاضی محمد صادق مدرس مدرسہ اسلامیہ - ٹلا کانیار - ضلع حیدرآباد سندھ

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ - رعایتی قیمت ساڑھے چار آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ ہوگی - پتہ :- محمد نقی خاں دریاباد ضلع بارہ بنکی

جسارت کی انتہائی مثال - اس قسم کی تمام گمراہیوں کا مفصل، جامع و شافی جواب آپ کے پنجاب ہی سے ایک کتاب "محمدیہ پاکٹ بک" (لاہور) میں شایع ہو چکا ہے - یہاں مختصراً صرف اسقدر عرض کرنے کی گنجایش ہے، کہ پہلی آیت یعنی انعمت علیہم (سورۂ فاتحہ) میں تو صرف اسقدر مضمون ہے کہ ہم کو انعام پائے ہوؤں (یعنی پیمبروں) کی راہ چلا، نہ یہ کہ ہمیں پیمبر بنا! انعام تو فرشتوں پر بھی ہوا ہے - پھر کیوں نہیں فرض کر لیا جاتا، کہ اس دعا سے ہم فرشتہ بھی بن سکتے ہیں؟ جس طرح فرشتہ بننا دوسرے دلائل سے ممنوع ہے اُسی طرح نبی بننا بھی دوسرے دلائل قرآنی ہی سے ممنوع ہے۔ رہی دوسری آیت سورۂ نساء والی فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم الخ، یہ ذکر "معیت و رفاقت" کا ہے جو عام مومنین کو جنت میں انبیاء و صدیقین وغیرہ کے ساتھ نصیب ہوگی، نہ کہ نفس نبوت - غیرہ میں شرکت تیسری آیت سورۂ اعراف کی ہے (رکوع ۴) یابنی آدم اما یاتینکم الخ "اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر رسول آئیں الخ"۔ یہ آیت تو ہبوط آدم کے متصلاً بعد ساری اولاد آدم کو ہوئی تھی (جیسا کہ بقرہ رکوع ۴ میں بھی ہے) سو یہ کہاں سے نکلا کہ سلسلۂ رسل قیامت تک رہیگا اور اسکو ختم رسالت کے بعد کے زمانہ سے متعلق لیا؟ - بہر حال مراسلہ نگار کا شکریہ - ان شاء اللہ کسی مناسب موقع پر ان پہلوؤں کا بھی جو شرح میں رکھ لیا جائیگا۔

نیا معیارِ اہلیت

نینی تال فوج کی مشرقی کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ حال میں یہاں ایک اہم اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لیے ایک لیڈی سٹینوگرافر (ٹائپسٹ) کی ضرورت ہوئی۔

"اشتہار یہ شایع کیا گیا، کہ جو خاتون اس خدمت کی امیدوار ہوں وہ درخواست کے ہمراہ علاوہ اپنا تازہ فوٹو بھی بھیجدیں۔ اس سے اُنکی اہلیت کا اندازہ کرنے میں مدد ملیگی اور اُمیدوار کے لیے انھیں گورنمنٹ کے صرفہ پر آنے کی ضرورت نہ رہیگی"۔

(لیڈر - ۱۸ - اپریل ۱۹۴۳ء)

خاتونوں کی اہلیت اور کارکردگی کے لیے یہ نیا معیار، فوٹو اور حُسن صورت کا خوب حل آیا! ——— کون کہتا ہے کہ فوج کے اعلیٰ افسر حسنِ شناس، آرٹ نوازی کے جذبات سے بے بہرہ، اور ذوقِ جمالیات سے کورے ہوتے ہیں؟

ایک غلط استدلال

قادیان سے قادیانی جماعت کا ایک رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام سے نکلتا ہے - کچھ عرصہ ہوا، اُسکے اردو ایڈیشن کا ایک نمبر موصول ہوا - ساتھ ہی ایڈیٹر صاحب کا عنایت نامہ تھا کہ اس نمبر کا فلاں مضمون غور و توجہ سے پڑھیے اور اس پر اپنی رائے لکھیے - مضمون حیدرآباد کے نواب اکبر یار جنگ بہادر کا تھا - قانون کے مشہور ماہر ہیں - ہائیکورٹ کے جج رہ چکے ہیں - اور اب قانونی پریکٹس میں ہزارہا روپیہ کی کماتے ہیں، مگر بدقسمتی سے عقائد قادیانی رکھتے ہیں - مضمون کا ماحصل یہ تھا کہ انبیاء ہندوستان میں بھی ہوئے ہیں - چنانچہ ایک نبی یہاں کے کرشن جی تھے جیسا کہ بعض اور رسالے کے فلاں فلاں صاحبوں کا خیال ہے ——— یہ کرشن جی کی نبوت پر اصرار نواب قادیانی کلامیات کا جزو بن چکا ہے شاید اس لیے کہ ہندی نبوت مسلّم ہو جانے کے بعد قادیانی نبوت کا راستہ کچھ صاف ہو جاتا ہے ——— بہر حال مضمون پڑھکر، ایڈیٹر صاحب کی خدمت میں حسب فرمایش مکتوب ذیل روانہ کر دیا گیا :-

"رسالۂ مرسلہ موصول ہوا - اکبر یار جنگ بہادر میرے قدیم اور خاص کرم فرما ہیں - ذاتی تعلقات میرے اُنکے گھرے اور مخلصانہ ہیں - اُن کے مضمون کے لیے میں نے وقت ملتے ہی جلد نکالا - یوں بھی اُنکی مشہور قانون دانی اور قانون فہمی کی بنا پر توقع یہی تھی کہ مقالہ فاضلانہ و محققانہ ہوگا۔

لیکن امید پوری نہ ہوئی - موصوف کی شہرت میں اس مضمون سے اضافہ نہ ہوا - زیادہ سے زیادہ یہ کہ کرشن جی کی نبوت کو امکاناً تسلیم کیا جا سکتا ہے - لیکن امکان اور وقوع کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے، حیرت ہے کہ کوئی صاحب نظر طالب تحقیق اسے نظر انداز کر جائے! حوالے جو پیش کیے گئے ہیں، وہ عجیب ہی ہیں - عقائد کے باب میں قابل اعتناء صرف کتاب و سنت کے نصوص ہو سکتے ہیں، نہ ابتکارات اولیاء وغیرہا - یہ جا ئیکہ بیچ والوں کے مجرد قول جنکا شمار نہ علماء راسخین میں ہو سکتا ہے نہ صوفیہ محققین میں!

تفصیلی تنقید کے لیے بہت وقت دینے کی ضرورت ہے، اسکا میں معافی چاہتا ہوں - باقی نواب صاحب موصوف کے حق میں مثل سابق دل سے دعا ہے کہ اللہ انھیں جزئی و کلی ہر امر میں راہ ہدایت دکھائے اور ہر غلطی سے نجات دے۔"

شرمیں خیر

۱۶ - اپریل کے ایک انگریزی روزنامہ کے افتتاحیہ کا اقتباس :-

"سر کنگسلی وڈ نے اپنی بجٹ والی تقریر میں مختلف قسم کی شرابوں اور نشیلی عرقوں اور تمباکو اور سگرٹ پر جو بھاری بھاری ٹیکس لگا دیے کا اعلان کیا ہے، اُمید ہے کہ اس سے انگریزی قوم کے بڑھتے ہوئے تعیشات میں کمی، اور قوم کی صحتِ عامہ میں اضافہ رہیگا۔ اب تک تو انگریزی قوم مختلف قسم کی شرابوں اور تمباکو پر اتنی کثیر رقم خرچ کرتی رہی ہے، جس سے صحتِ عامہ کو نقصان پہونچنا لازمی تھا"۔

۱۰ - اپریل کو لندن سے چلا ہوا تار :-

"کل پارلیمنٹ میں وزیر ہند سے سوالات کیے گئے، کہ

(۱) کلکتہ میں اس سال کے اندر کتنے جلسے گھوڑ دوڑ وغیرہ کے سلسلہ میں ہو چکے ہیں؟

(۲) کلکتہ کی یوروپین آبادی پر انکی دعوتوں، تفریحوں، ٹیبروں اور تعیش کے دوسرے سامان پر پابندیاں عائد کر کے جنگی زندگی کے قانون کہاں تک نافذ کیے گئے ہیں؟

وزیر ہند نے جواب دیا کہ وہاں کی گورنمنٹ جلد اس معاملہ

صابئین کہنے لگے۔ (عبرانی میں اسکے معنی غوطہ دینے والے کے ہیں)

مسیحی تاریخوں میں آتا ہے کہ کوئی دو صدیوں تک اور یہ فرقہ، بہ حیثیت ایک مستقل فرقہ کے گم ہوگیا۔ یہ بھی لکھا ہوا موجود ہے کہ موجودہ انجیلوں کے علاوہ کوئی انجیل یونانی و لاطینی میں ترجمہ کی ہوئی نہیں اپنی اصل زبان میں اس فرقہ کے پاس موجود تھی۔ اور عجب نہیں کہ حضرت مسیحؑ والی اصل انجیل یہی ہو۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ دو جگہ قرآن میں ایک تیسرا نام اور بھی آیا ہے۔ صابیوں کا۔ اور ان دو فرقوں کی طرح انھیں بھی بعض حالات کے ماتحت نجات کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ یہ صابی کون تھے، اقوال اسکے باب میں مختلف نقل ہوئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشرکوں کا کوئی فرقہ تھا۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ قرآن کسی مشرک فرقہ کی نجات افزائی کسی درجہ میں بھی کرے۔ عراق و اہل عراق کے متعلق یورپ و انگریزی کی کتابوں سے بہت سے [illegible] اسکے پڑھنے کے بعد ابھی حال ہی میں یہ کھلا کہ یہ اصل توحید کا ایک باطنی فرقہ تھا۔ عراق میں آباد۔ پہلے یقیناً بڑی آبادی رکھتے تھے۔ چند ہزار کی تعداد اب بھی باقی ہے۔ [illegible] انگریزی میں انھیں Mandaeans لکھتے ہیں، (عربی میں [illegible])

مندیہ [illegible] چونکہ توحید کے پوری طرح قائل ہیں اس لئے لازمی طور پر سلسلۂ نبوت کے بھی۔ بعض انبیاء کو عظمت کے ساتھ مانتے ہیں، مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام کو۔ ایک مذہبی غسل، عیسائیوں کے بپتسمہ کی طرح، انکے ہاں بھی بار بار ہوتا ہے، اور اسی مناسبت سے مغتسلہ بھی کہلاتا ہے

—— اب ملاحظہ ہو امام ابو حنیفہؒ کے اس فتوے کی کہ صابیوں کا ذبیحہ بھی جائز ہے، اور انکی عورتوں سے شادی بھی۔ گویا عملاً یہ اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں۔ آخر امام صاحب بھی تو اسی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ خداداد فراست، ذہانت، تبحر کے علاوہ مقامی واقفیت اور باخبری بھی آپ سے بڑھ کر کس کو ہوسکتی تھی؟

(بقیہ صفحہ ۳)

طرز زندگی کو یہاں کے رسم و حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فاصلے بہت زیادہ زیادہ ہیں، اور بجز موٹر کے اور کوئی آرام دہ سواری موجود نہیں۔ تاہم پٹرول پر قیدیں لگا کر اب وہاں کے تعیشات کو بہت ہی محدود کردیا گیا ہے۔

گویا عیش پرستیوں سے چونکانے کے لیے ضرورت تھی [illegible] کے لیے اتنی مہیب اور ہولناک جنگ کا [illegible] ہوا۔ البتہ انتظار اسکا ہوتا رہا کہ وہ جنگ بھی مع اپنی ساری ہولناکیوں کے اتنی قریب آجائے اور بالکل سر پر پہنچ جائے!

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(۲)

(از جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

خدا کے رسول نے خدا کے دین کو خدا کے بندوں تک اسکی اصلی شکل میں پہونچا دیا تھا۔ اسکے بعد جاہلوں اور ہوا پرستوں نے مرضی خداوندی کر اس میں مختلف طور سے تصرف کیا۔ اور بعض چیزوں کو جو دین میں داخل نہ تھیں، دین میں داخل کردیا اور بعض چیزوں کو جو کہ دین میں داخل تھیں اس سے خارج کردیا۔ اور بعض احکام کی اصلی صورت بگاڑ کر غیر اسلامی صورت پہنادی۔ ایسی حالت میں جو خدا کا بندہ ان جاہلوں اور ہوا پرستوں کے ان ناجائز تصرفات کو مٹاکر دین کو اسکی اصلی شکل کی طرف لوٹانا چاہتا ہے اسکو مجدد کہتے ہیں۔ مجدد سے اوپر مجتہد کا درجہ ہے۔ جسکا کام ادلۂ شرعیہ سے احکام غیر منصوصہ کا استخراج و استنباط ہوتا ہے۔ چونکہ مجدد اور مجتہد دونوں کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لیے نہ مجدد کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے نہ مجتہد کے لیے مجدد ہونا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں صفتیں ایک شخص میں جمع ہو جائیں۔ اور ایک شخص مجدد بھی ہو اور مجتہد بھی۔ مجتہد سے اوپر رسول کا مرتبہ ہے۔ اسکا کام یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ سے احکام اخذ کرکے بلا کم و کاست اسکے بندوں تک پہونچادے۔ اسکے اندر صفت رسالت کے ساتھ صفت اجتہاد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ رسول سے اوپر حق تعالیٰ کا مرتبہ ہے۔ اسکی شان یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید۔ اور لایسئل عما یفعل ہے۔ اس لیے وہ قانون سازی میں بجز اپنی صوابدید کے اور کسی چیز کا پابند نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے ادنیٰ مرتبہ مجدد کا ہے اسکے اوپر مجتہد کا اسکے اوپر رسول کا اور اسکے اوپر حق تعالیٰ کا۔ اب آپ حقوق الزوجین کی طرف آئیے اور اسکو بہ نظر غائر ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں آپ کو چند چیزیں ملینگی۔ کبھی آپ دیکھینگے کہ آپ مجتہدین کے مستنبط و مستخرج احکام کو غیر اسلامی قرار دیکر انکو اسلام سے چھانٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کبھی آپ دیکھینگے کہ آپ کتاب سنت کو ہاتھ میں لیکر ان سے براہ راست احکام کا استخراج و استنباط فرما رہے ہیں۔ اور کبھی آپ دیکھینگے کہ آپ کتاب و سنت دونوں سے بے نیاز ہوکر فرمارہے ہیں کہ ہماری تجویز یہ ہے۔ سو آپ کا پہلا طرز عمل آپ کی شان مجددیت ہے اور دوسرا شان اجتہاد اور تیسرا شان الوہیت۔ اس لیے مودودی صاحب صرف منصب تجدید کے ادنیٰ مرتبہ پر نہیں رہنا چاہتے، بلکہ وہ اس سے ترقی کرکے مرتبۂ اجتہاد تک پہونچتے ہیں پھر اس مرتبہ کو اپنی شان سے کمتر سمجھ کر مرتبۂ الوہیت پر پہونچ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کسی نے یہ کہدیا کہ مودودی صاحب مجددیت کے مدعی ہیں تو اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اس نے مودودی صاحب پر جھوٹا الزام لگایا۔ ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس نے مودودی صاحب کے دعوے کی نوعیت کو نہیں سمجھا۔ اور اس نے انکو ایک اپنے

مرتبہ ٹھہرا دیا جو انکے دعاوی میں سب ہی ادنیٰ درجہ کا تھا - ہمارے اس مدلل اور مبرہن بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اخبار مسلمان لاہور مورخہ ۱۵ - مارچ میں جو شذرہ بہ عنوان دینداروں کی دیانتداری شائع ہوا ہے - وہ سراسر سخن شناس نئہ دلبرا خطا اینجاست کا مصداق ہے -

یہ ہم نہیں سمجھتے کہ جب مودودی صاحب منصب اجتہاد کے کھلے لفظوں میں مدعی ہیں - تو منصب تجدید جو کہ اس سے کم ہے - اسکے مدعی ہونے میں کیا استبعاد ہے - اور اس بارے میں انکی صفائی کی سعی لا حاصل کا کیا نتیجہ ہے جبکہ انکے دعاوی کی نوعیت ظاہر ہوگئی - تو اب ہم کہتے ہیں کہ اس حقیقت کو وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کسی انسان کو قانون سازی کا حق نہیں - اگرچہ علماً وہ اسکو تسلیم نہیں کرتے اور قانون سازی کو عمل میں لاکر خود اپنے دعوے کی تکذیب کر رہے ہیں اس لیے اسکے متعلق تو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں - اب رہ گیا دعوئے تجدید و اجتہاد سو اسکے متعلق معروض ہے کہ انکے یہ دعوے بھی سراسر باطل ہیں کیونکہ ہم قبل کہہ چکے ہیں کہ مجدد کا کام یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو اسلام سے جدا کرے جو جاہلوں اور بدعتیوں نے اسلام میں شامل کر دی ہیں - اسکا کام یہ نہیں ہے کہ وہ مجتہدین کے مستخرج و مستنبط مسائل کو غیر اسلامی قرار دے کر انکو جھٹلانے کی کوشش کرے - علیٰ ہٰذا مجتہد کو یہ تو حق ہو سکتا ہے کہ کسی مختلف مسئلہ میں کوئی خاص رائے اختیار کرلے - لیکن یہ حق اسکو بھی نہیں کہ اجماع مجتہدین کی مخالفت کرے یا کسی مجتہد کی رائے کو غیر اسلامی قرار دے کر اسکو مٹانے کی کوشش کرے - اس سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب کو اب تک تجدید اور اجتہاد کے معنی بھی معلوم نہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کسی ماہر فن سے علم دین کو حاصل نہیں کیا - بلکہ بطور خود مذہبی کتابوں کے تراجم وغیرہ کا مطالعہ کرکے اسلام کے متعلق کچھ غلط کچھ صحیح معلومات حاصل کرلی ہیں - اور ایسی حالت میں نہ انکا دعوئے تجدید صحیح ہو سکتا ہے اور نہ دعوئے اجتہاد اور اس بنا پر وہ اس بنا پر وہ اس سلسلہ میں جو قدم بھی اٹھائینگے وہ لامحالہ غلط ہوگا - اور وہ الفقوا بغیرہم فضلوا و اضلوا کا مصداق ہونگے - اس حقیقت کو مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجتہاد بے علم موجب گمراہی ہے - مگر وہ اپنے کو عالم سمجھے ہوئے ہیں - لیکن یہی انکی غلطی ہے - کیونکہ اب تک انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم کسے کہتے ہیں - انھوں نے جہل کا نام علم رکھ لیا ہے - اور اس بنا پر وہ اپنے کو عالم سمجھ گئے ہیں - وہ مجھے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ جو کتابیں تم نے پڑھی ہیں - اب اگر تم ان کتابوں کو پڑھ کر عالم بن سکتے ہو تو میں انھیں کتابوں کو پڑھ کر عالم کیوں نہیں بن سکتا - لیکن خود انکا یہ استدلال ہی ان کی بے علمی کی دلیل ہے - اولاً اس لیے کہ انکا یہ کہنا غلط ہے کہ انھوں نے وہ کتابیں پڑھی ہیں - یہ ممکن ہے کہ انھوں نے انکا ادھورا اور ناقص مطالعہ کیا ہو - تو اسکو پڑھنا نہیں کہتے - ثانیاً اس لیے کہ اگر اسکو تسلیم کر لیا جائے کہ انھوں نے وہ کتابیں پڑھی ہیں تو یقیناً انھوں نے انکو سمجھ کر نہیں پڑھا ہے - پھر بے سمجھے پڑھنے سے کیا فائدہ - اور ثالثاً اس لیے کہ جب میں ان کتابوں کو پڑھ کر مجتہد نہیں ہو سکا - تو وہ ان کتابوں کو پڑھ کر کیونکر مجتہد بن گئے - پس ثابت ہوا کہ انکی اس دلیل سے انکا عالم ہونا ثابت نہیں ہوتا - بلکہ اس سے بھی انکی بے علمی ثابت ہوتی ہے

پس جبکہ انکا بے علم ہونا ثابت ہوگیا تو اب اگر وہ اجتہاد کرینگے تو لامحالہ وہ اجتہاد بلا علم ہوگا - اور اجتہاد بلا علم کا موجب گمراہی ہونا خود انکو مسلم ہے تو اب انکے اجتہاد کا نتیجہ سوا گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے - اسی وجہ سے انکا رسالہ حقوق الزوجین شروع سے آخر تک گمراہیوں سے لبریز ہے - جب ہم نے اس رسالہ کا مطالعہ کیا اور اسکو گمراہیوں سے لبریز پایا تو اب ہمارے لیے دو صورتیں تھیں - ایک یہ کہ ہم اسکے مضامین کی غلطیاں ظاہر کریں - اور دوسری یہ کہ ہم ان غلطیوں کے منشا کو دور کرنے کی کوشش کریں - پہلے طریق کو ہم نے چنداں مفید نہیں پایا - کیونکہ ہم نے سمجھا کہ اگر ہم نے ان غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور انکے منشا کو دور نہ کیا تو اگر وہ دور بھی ہو جائیں تو کچھ مفید نہیں - کیونکہ جب انکا منشا موجود ہے تو اس قسم کی اور غلطیاں پیدا ہو سکتی ہیں - ہم ہر غلطی کو دور کرنے کی کہاں تک کوشش کریں گے - اس لیے ضرورت اسکی ہے کہ انکے منشا کو دور کیا جائے اگر وہ منشا دور ہو جائے تو آئندہ کے لیے ایسی غلطیوں سے امن ہو سکتا ہے - اور چونکہ انکی تمام غلطیوں کا منشا انکا یہ خیال باطل ہے کہ وہ دین سے واقف ہیں - اور وہ اس واقفیت میں درجۂ اجتہاد کو پہونچے ہوئے ہیں - اس لیے ہم انکو اس زعم باطل کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انکو دین سے مجتہدانہ واقفیت تو درکنار اتنی واقفیت بھی نہیں ہے جتنی کہ ایک طالب علم کو ہوتی ہے - اگر یہ بات مودودی صاحب کی سمجھ میں آجائے تو انکی تمام غلطیاں دور ہو سکتی ہیں - اور اگر وہ اپنے دعوے اجتہاد پر مصر رہیں تو پھر انکی اصلاح کی کوئی صورت نہیں - یہ غلطی خود مودودی صاحب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام طور پر روشن خیال حضرات اسی بلا میں مبتلا ہیں - اور انکا یہ مرض پرانے نمونہ کے علماء تک میں متعدی ہوگیا ہے - اور وہ بھی اسی خبط میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے مجتہد ہیں - ان دونوں جماعتوں کے اس غلط تخیل نے دین الٰہی کو جو نقصان پہونچایا ہے وہ نہایت شدید ہے اور اس نقصان سے کہیں زیادہ کہ جو پہلے زمانوں کے مبتدعوں نے پہونچایا ہے جنکی پیدا کردہ خرابیوں کی اصلاح کیلئے مختلف اوقات میں مجددین آتے رہے ہیں اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان حضرات کے دماغ سے اس غلط تخیل کو نکالنے کی امکانی کوشش کی جائے - لیکن مودودی صاحب آگے چل کر ہر شخص کو اسکا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اسکے اندر اجتہادی شان موجود ہے - لہذا اس تقلید کو ترک کرکے اجتہاد کا جھنڈا بلند کر دینا چاہیے اور جس قدر دین مجتہدین اسلام کی کوششوں اور تقلید کی برکت سے ہم تک بھی پہنچا ہے اسکو بھی اپنے جس ذریعہ سے فنا کر دینا چاہیے - اس سے زیادہ گمراہ اور مسلمین بنا شدہ کیا ہو سکتا ہے

(باقی آئندہ)

"آج" کی مشکلات کا حل "کل" کے آئینے میں

(از جناب مولانا مناظر احسن صاحب مدظلہٗ جامعہ عثمانیہ)

"کہہ دیجیے یہ "فرار" اگر تمھیں نفع نہیں پہونچا سکتا، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے، نہ تمتع حاصل کر سکو گے ایسی صورت میں لیکن بہت کم۔ کہہ دیجیے کون ہے جو بچا لیگا تمھیں اللہ سے اگر چاہے اللہ تمھارے لیے کوئی برائی، یا چاہے مہربانی فرمانا، نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی پشت پناہ اور نہ مددگار۔ اللہ جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو روک پیدا کر رہے ہیں اور انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں آؤ ہماری طرف یہ لوگ جنگ کی سختی کے پاس نہیں آتے لیکن کم تمھارے ساتھ تنگدلی دکھاتے ہیں، پھر جب خوف اور ڈر کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تم دیکھو گے دیکھتے ہیں کہ تم کو، ان کی آنکھیں اُنکی چکرا رہی ہیں، اس طریقے سے جیسے موت کسی پر چھا جائے۔ پھر جب ڈر کا وقت گزر جائے تو مجروح کرتے ہیں تمھیں اپنی تیز زبانوں سے، بھلائی اور مال کے حاصل کرنے میں تمھارے سامنے سخت حرص اور لالچ کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے ہیں، پس برباد کر دیا خدا نے انکے اعمال کو اور یہ بات خدا پر آسان ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ گھیرنے والے غول ابھی ٹلے نہیں ہیں اور اگر دشمنوں کا غول آ جائے تو چاہتے ہیں کہ دیہاتوں میں جا کر دہقانیوں میں مل جائیں اور تمھارے متعلق خبروں کی ٹوہ لگاتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اگر تم میں ہوتے بھی تو لڑائی نہ کرتے لیکن کم"

یہ قرآن مجید کی سورۂ احزاب کے دوسرے رکوع کی آیتوں کا مآل ترجمہ ہے۔ جی چاہے تو خود اس مقام کو قرآن میں پڑھ لیجیے۔ میری غرض اسکے پیش کرنے سے دراصل اسکے بعد کی آیتوں کی طرف توجہ دلانی ہے مسلمان بکثرت "اسوۂ حسنہ" "اسوۂ حسنہ" کے الفاظ اس زمانہ میں سنتے ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید میں "اسوۂ حسنہ" یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو پیش کر کے اسی کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی اپنی راہ بنانے کا جو حکم دیا گیا ہے اگرچہ ہے تو عام بات لیکن قرآن نے جس موقع پر اسکو استعمال کیا ہے وہ زندگی کی کون سی پیچیدگی ہے، میں نے جن آیتوں کا ترجمہ اوپر نقل کیا ہے اُسے بار بار غور سے پڑھیے، سوچیے کہ یہ آیتیں مشکلات حیات کی کس شکل پر زیادہ منطبق ہیں۔ اور اسی کے بعد اب سنیے، ارشاد ربانی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیراً۔	تحقیقاً تمھارے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید کرتے ہیں اور یاد کیا اُنھوں نے اللہ کو بہت۔

قاضی بیضاوی اسی "اسوۂ حسنہ" والی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

ای خصلۃ حسنۃ من حقہا ان یؤتسی بہا کالثبات فی الحرب ومقاساۃ الشدائد	یعنی (رسول اللہ کی) یہ اچھی خصلت اس بات کی مستحق ہے کہ اُسکو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنا لیا جائے (وہ اچھی خصلت یا اسوۂ حسنہ کیا ہے) جیسے لڑائی کے موقعوں پر ثبات قدمی اور سختیوں کا برداشت کرنا۔

جسکا یہی مطلب ہوا کہ گو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر شعبہ اہل ایمان کے لیے اپنے اندر بہترین نمونے رکھتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کو مانتے اور جانتے ہیں کہ موجودہ زندگی ہی پر انسانی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آج کا دن کسی کل اور الیوم الآخر کی ابتدا ہے، اور اپنے ہر معاملہ میں تمام اسباب سے پہلے (مسبب الاسباب یعنی) اللہ کو یاد کرتے ہیں، ایسے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اُس وقت جب جنگ کی دہشت پیدا ہو، اور لڑائیوں کے جھیلنے کا وقت آئے، رسول اللہ کی زندگی میں اپنے لیے پاکیزہ اور سکون بخش، تسلی بخش، تشفی آمیز، سکینت بخش طمانیت ریز نمونے پائینگے۔

مہینہ اسی رسول پاک کی ولادت یا سعادت کا ہے۔ قدرتاً ایمان والوں کا رجحان اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ جاتا ہے کم و بیش ہر مومن اور مسلم کو اس مہینے میں موقع ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کے سننے اور سنانے کا، پڑھنے اور پڑھانے کا۔ چاہتا ہوں کہ اس وقت مختصر لفظوں میں "حیات طیبہ" کے ایک خاص رخ کو پیش کروں کہ "کل" کے آئینہ میں حلقہ بگوشان نبوت اور نیازکیشان رسالت کو "آج" کے مشکلات کا اگر حل مل سکتا ہو تو بجائے اسکے جو چیز جہاں گھر میں ہے خدارا چند لمحات اسکے لیے بھی دیجیے، عمل نہ کیجیے نہ کیجیے لیکن اللہ کے لیے جہاں بیسیوں شوروں سے آپ سن چکے ہیں سن رہے ہیں سنتے رہیں گے، ایک دیوانہ کی بھی سن لیجیے۔ آپ ہی کی بات ہے جو آپ کو سنانا چاہتا ہے کہ اسکا تعلق بھی ان واقعات سے وہی ہے جو آپ کا ہے۔ اب سنیے جو کچھ آپ کو سنایا جائے۔ لیکن استفادہ کی پہلی شرط وہی ہے کہ آپ کا دل اللہ کی جناب میں بھی کچھ امید رکھتا ہو، نظر میں اتنی وسعت ہو کہ اس زندگی کی واپسیں سانس کو دائمی زندگی کی واپسیں اور آخری سانس نہ یقین کرتا ہو، اپنی ضرورتوں میں اس کی جستجو کا پہلا قدم اللہ ہی کی طرف اُٹھتا ہو، اُسکو سب سے پہلے: معاذ اللہ اُسی کی یاد اُسی کا ذکر سب کی یاد، سب کے ذکر پر غالب رہتا ہو جن میں یہ خصلتیں پائی جاتی ہیں اُن ہی کو اللہ کے رسول کے اسوہ میں بھلائیوں اور خوبیوں کے چشمے چھلکتے معلوم ہوں گے، پردہ جو خالق سے ٹوٹ کر صرف مخلوقات میں ڈوبا ہو، اتنا تنگدل اور تنگ سینہ ہو کہ اس زندگی کے پیچھے زندگی کا خیال اسکی تنگ نگاہوں میں صرف افسانہ ہو، مشکلوں کے وقت سہارے مادی اسباب اور محسوس تدبیروں کے سوا کسی چیز میں کچھ الٰہی اور ہو تو نہ نظر آتی ہو، ظاہر ہے کہ ایسوں کے لیے رسول اللہ کی زندگی میں نہیں، ابوجہل، ابولہب، عبداللہ بن سلول رئیس المنافقین کی زندگیاں ہی اپنے اندر بہترین نمونے رکھتی ہیں، چاہیے کہ اپنے ان ہی بزرگوں کی قبریں کریدیں، ان ہی کے نمونوں کو تلاش کریں۔ اور آپ دیکھ رہے

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی۔
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشدآباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ...
بیرونِ ہند سے سالانہ ...
قیمت فی پرچہ امر

صدق
لکھنؤ

نمبر ۳	دوشنبہ۔ یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۸۔ مئی ۱۹۴۲ء	جلد ۸

از مذہب من گبر و مسلماں گلہ دارد

(از عبدالماجد)

پنجاب کے ایک سرگرم و پرجوش اور بڑے صوبے کے مذہبی حلقوں میں خاصے معروف، مسلمان اپنے تازہ عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:-
"مدحِ صحابہ کے جلوس کے بارے میں آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہم غریب سنیوں کے لیے کافی حوصلہ افزا تھا۔ آپ نواب بہادر یار جنگ کا خطبہ شائع کر رہے ہیں۔ یہ یادگارِ حسینی کیا چیز ہے؟ اور بہادر یار جنگ کب سے قائدِ ملت بن گئے؟ کیا کبھی فاروقی یادگار بھی قائم ہوئی؟ کیا کبھی کسی صحابی کی بھی سیزدہ صد سالہ برسی منائی گئی؟ آپ روافض کی بدعت کو فروغ دینا چاہتے ہیں، اور شرقی کے نائب بہادر یار جنگ کو ملت کا قائد تسلیم کرکے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔ بہادر یار جنگ فرقۂ مہدویہ کا ایک فرد ہے۔ اسکا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں، وہ مشرقی کا چیلا ہے۔ لہذا سیزدہ صد سالہ اسلام کا دشمن ہے۔ صدق جیسے پرچہ میں اس کے نام و لقب کا پروپیگنڈا کسی طرح جائز نہیں۔ یہ سطور جذبۂ اخلاص کی بنا پر تحریر کی گئی ہیں"
نفس کی اصلاح، تادیب و احتساب کے لیے اس قسم کے خطوط کا ورود ایک بڑی نعمت ہے، اور میں اس لحاظ سے خوش قسمت ہوں، کہ ہر ہفتہ ڈاک میں جہاں متعدد خطوط داد و تحسین اور حوصلہ افزائی کے ہوتے ہیں، وہاں دو ایک مراسلے ملامت و سرزنش کے بھی ضرور موجود رہتے ہیں۔ اکثر نام سے اور کبھی گمنام بھی!۔۔۔۔ ہر ہفتہ اگر نہیں، تو ہر مہینے تو یقیناً خدا معلوم کتنی دوستیاں ختم ہوتی رہتی، کتنے تعلقات ٹوٹتے رہتے، اور کتنی ملاقاتیں، تلخیوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں! گو!

ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو!

یہ قلم کچھ واقع ہی ہوا ہے ایسا دوست آزار، دشمن نواز، مخلصوں، معتقدوں کے حق میں صبر آزما، کہ اہلِ اخلاص کے ہاتھ سے عنانِ ضبط و تحمل بار بار چھوٹ چھوٹ جاتی ہے

از دستِ جنونِ چاکِ گریباں گلہ دارد!

اس اجمال کی مختصر شرح بھی اگر تحریر ہونے لگے، تو یقین کیجیے کہ مضمونچہ، بحرِ طویل کی ایک غزل بن کر رہے! لہذا اس داستانِ ناتمام کو بس تمام ہوجانے دیجیے، البتہ صرف ایک تازہ مثال سننے چلیے۔ پچھلے دنوں معاصر رہبرِ دکن کے مسلمان دل، مسلمان دماغ، مسلمان قلم ایڈیٹر کا جو ایک ناگہانی انتقال ہوا، اس پر صدق نے متاثر ہو، دو تین ماتمی نوٹ دیے۔ کسی کے وہم میں بھی یہ بات آسکتی تھی، کہ یہ بھی کوئی اختلافی و نزاعی مسئلہ ہے؟ لیکن سنیے، کہ چند ہی روز بعد ایک طویل ملامت نامہ "نذیر" (دکن) سے موصول ہوا۔ اس میں اُس مرحوم کے حق میں جیسے جیسے "شریفانہ" کلمات تھے وہ تو تھے ہی، ایک جگہ مدیر صدق کو مخاطب کرکے یہ گوہر افشانی کی گئی تھی "تم جیسا خوشامدی بھانڈ"! اور یہ ایک نمونہ، صرف ایک نمونہ ہے "اس ادنیٰ ادب" اور "معاش" قسم کی انشا و گفتار کا!

کیا بات ہے ہماری روشن خیال بہنوں کی! مصر قدیم کی مشہور روشن خیال خاتون زلیخا کے بعد سے آج تک کسی دُکھیاری کو یہ کیوں سوجھی ہوگی، کہ اپنے اصلی یا خیالی دُکھ درد کی سرگزشت کو نشر (Broadcast) کرنے کے لیے یہ طریقہ دعوت و ضیافت کا اختیار کرے! —— زنانِ ہند جدید کا قدم کون کہتا ہے کہ ذہانت، صناعی، جدت دماغی میں زنانِ مصر قدیم سے پیچھے ہے؟

پتھروں کی بارش

لکھنؤ کے ایک روزنامہ کا اقتباس:-

لکھنؤ ۲۳ رمئی۔ آج شام کو انتہائی گرمی اور تپش کے بعد ایک سخت قسم کی ژالہ باری ہوئی جس میں بہت بڑے بڑے اور کافی وزنی مقدار میں اولے گرے جو بالکل خشک سے تھے۔ اور جس وقت وہ اولے گر رہے تھے تو ٹین کی آوازیں ایک ایسی خشک کھڑکھڑاہٹ تھی کہ جس نے تھوڑی دیر کے لیے لوگوں کو بہت زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ یہ اولے تقریباً ۵ منٹ تک بالکل خشک صورت میں جس طرح کنکر پھینکے گئے ہوں گرتے رہے۔ اولے باری کے بعد چند منٹ تک ترشح بھی ہوتا رہا لیکن اس سے گرمی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔"

خیر، اس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ وہ غیبی قدرت، جس نے پچھلی سرکش قوموں کو آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر ڈالا ہے "معطل" اور بے جان اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ اور بارش کے اولوں کو دم کے دم میں خشک مہلک کنکر پتھر بنا دینا اللہ میاں کے لیے آج بھی کچھ مشکل نہیں ہے!

عورت کا راج

علیگڈھ سے ایک "تجدد نواز" ہفتہ وار نکلتا ہے "سرگزشت"، یکم مئی کے پرچہ کے پہلے صفحہ پر ایک طویل و نمایاں عنوان ہے،

"پیشکش ایڈیٹر ..... بہ تقریب عقد ثانی ڈاکٹر....."

(نام کے بجائے نقطے یہاں بڑھائے گئے ہیں۔ سرگزشت میں یونیورسٹی کے ایک اُستاد کے نام کی تصریح ہے) اور پورا صفحہ اسی پیشکش، یعنی شاعر خاتون صاحبہ کی نظم کی نذر ہے، مع ایک تمہیدی ایڈیٹوریل نوٹ کے! —— یہ گویا اعلان ہے خاتون جدید کی طرف سے، کہ وہ مرد کی حاکمیت کے نظریہ سے باغی ہے۔ کہ اب وہ حاکم ہی نہیں، آمر ہے۔ اور اب وہ خود تو پردہ میں کیا رہیگی، جو باتیں پردہ میں رکھنے کی ہیں اُنھیں بھی پردہ میں نہ رہنے دیگی۔ اور خانگی زندگی کے ہر راز کو طشت از بام کر کے رہیگی!

عقل کا فتوےٰ تھا اور شریعت کی ہدایت، کہ میاں بیوی کے معاملات گھر کے اندر رہنے کی چیز ہیں۔ اس نے نکاح کیا، یا اُس نے طلاق دی، پبلک کو اس سے بحث نہ سروکار۔ لیکن یہ فتوے اور ہدایتیں تو اُس دورِ قدیم کی ہیں، جب حاکمیت مرد کی تھی، اور پیغمبر مرد ہوا کرتے تھے۔ نظام نو میں عورت اپنے ہر معاملہ کو ایک عصبی چیخ کے ساتھ پبلک میں لائیگی۔ ریڈیو پر آئیگی، اخبارات میں چھپ جائیگی! —— شریعت کے مجرم آزادانہ گلے بندے پھرینگے، مجال نہیں کہ کسی کی شرابخواری پر احتساب ہو سکے، کسی کی حرامکاری پر اُنگلی اُٹھ سکے، کسی کی سود خواری عرض تشہیر پر لائی جائے، کہ یہ سب "ذاتی" اور "شخصی" معاملات ہیں۔ لیکن کوئی بدنصیب شوہر اگر اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کی بنا پر اُس حق سے فائدہ اُٹھانا چاہے جو اُسے شریعت نے پورے طور پر دیا ہے، تو یہ "جرم" اتنا شدید ہے کہ اس کی رپورٹ فوراً پبلک اخبار کے صفحات میں تو ضرور ہی نکل کر رہے! —— گویا عورت کے راج (Reign of woman) میں ایک نیا فریضہ مرد کے ذمہ یہ عائد ہوتا ہے کہ جب وہ نیا نکاح کرنا چاہے تو اسباب و دواعی کی ایک فہرست بھی شایع کر دیا کرے!

مطالعۂ جرم سے ارتکاب جرم!

"بمبئی - ۶ رمئی۔ شہر کے ایک ہوٹل میں چوریوں کا سلسلہ عرصہ سے قائم تھا۔ ایک روز ایک بیم صاحب کا ایک بہت قیمتی کا نذ چوری گیا۔ دو دن بعد بیم صاحب کو گمنام خط ملا، کہ اس کا نذ کی واپسی اگر منظور ہو تو اسکی قیمت ۵۰۰ ادا کرو، اور اپنی رضامندی کا اعلان کسی روزنامہ کے "ذاتی" کالموں میں کر دو۔ خاتون نے پولیس کو اطلاع دیدی۔ بڑی تدبیروں کے بعد آخرکار مجرم صاحب پکڑے گئے۔ ایک خوش پوش یورپین لاڈ ہیں۔ ایک جہاز پر تجارتی کا کام کرتے ہیں۔ مکان کی تلاشی لی گئی، تو کوئی پانچ سو کے قریب ناول جرائم سے متعلق نکلے!" (پانیر - ۷ - مئی ۱۹۴۳ء۔ لکھنؤ)

پانچ سو کی تعداد میں مجرمانہ ناولوں کا مطالعہ بہرحال ایک دن کا کام تو نہیں۔ پڑھنے میں برسوں لگے ہونگے۔ اسے قسمت کہ اتنے طویل مطالعہ کے بعد جب "علم" پر "عمل" کا وقت آیا، تو گردش تقدیر نے بے رحم پولیس کے پنجے میں جا پھنسایا!

صاحب کشف حیوانات

انجمن ترقی اُردو دہلی نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے شعبۂ حیوانیات کے ایک اُستاد سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب لکھوا کر "حیوانی دنیا کے عجائبات" کے نام سے ابھی حال میں شایع کی ہے۔ اس میں ایک باب جانوروں کی پیشبینی و پیشگوئی پر ہے۔ ذیل میں اس سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں،—

"پہاڑی جانوروں میں موسمی حالات کو قبل از وقت معلوم کرنے کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسکی مثالیں پہاڑی ہرنوں، پہاڑی خرگوشوں اور دوسرے بہت سے پہاڑی جانوروں سے مل سکتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ پہاڑوں کی اونچائیوں سے ہرن اُتر کر نیچے گئے ہیں، حالانکہ موسمی اعتبار سے کسی طوفان کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی۔ آسمان بھی صاف ہوتا تھا اور بادپیما (بیرومیٹر) میں پارہ بھی اونچا ہی رہتا تھا۔ لیکن اُنکے اُترنے کے چند گھنٹوں کے بعد، اور بعض اوقات ایک دن کے بعد وہاں سے اُنکے اُترنے کا سبب ظاہر ہو جاتا ہے۔" (ص۱۸)

گویا سائنس [illegible]

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(از عبد الماجد)

نمبر (۳)

بنی اسرائیل سے مفصل تعارف، کچھ قبل ہو چکا۔ اب آیئے کچھ دیر انکا ساتھ انکی دشت نوردیوں میں بھی دے لیں۔ ولادت مسیح سے کوئی ڈیڑھ ہزار سال قبل کا زمانہ ہوگا، یا سر چارلس مارسٹن کے جدید تخمینہ کے مطابق سنہ ۱۴۴۷ ق، م، کہ اس قوم نے اپنے وطن اختیاری ملک مصر سے نکل ہجرت کی اپنے ملک آبائی شام کی طرف۔ مصر میں چین کے ساتھ چار ساڑھے چار سو برس سے رہتے چلے آرہے تھے، حضرت یوسفؑ کے وقت سے۔ مگر اب فرعونی راج کی سخت گیریوں سے تنگ آ چکے تھے۔ فرعون نام کسی فرد واحد کا نہیں، لقب ہے اس عصر کے مصری ملوک و سلاطین کا۔ جیسے اب شاہ مصر 'خدیو' کہلاتے ہیں، یا کچھ روز قبل تک روسی سلاطین "قیصر" اور روس کے "زار" کہلاتے تھے۔ فرعون کے لفظی معنی مصری زبان میں تھے 'راع' دیوتا کے اوتار کے، اور 'راع' یا انگریزی املا میں Ra مصر کا سب سے بڑا دیوتا تھا ہندوستان کے سورج دیوتا اور ایران اور روم کے Mithras دیوتا کے مرادف۔ بہرحال اسرائیلی اب مصر سے چلے۔ حضرت موسیٰ بن عمران پیغمبر انکے رہبر و رہنما ہوئے۔ تعداد ان کی حسب روایت توریت ۶ لاکھ تھی۔ بوڑھے، بچے، مرد، عورت سب ملاکر۔ سڑکیں کچھ اس زمانہ میں آجکل کی سی صاف، شفاف آئینہ کی طرح بڑی چمکتی ہوئی تو تھیں نہیں۔ پھر رات کا وقت۔ اور تعاقب کی دہشت اس پر مستزاد۔ چلے تو راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اسکے کہ شمال کی طرف ابھی اور بڑھتے چلے جاتے، اور اسکے بعد اپنے داہنے ہاتھ کو، یعنی مشرق کی طرف مڑتے، اور اس طرح خشکی ہی خشکی فلسطین پہونچ جاتے، یہ پہلے ہی سے مشرق کی طرف مڑ گئے۔ اب سامنے سمندر تھا۔ سمندر سے مراد دریا نیل نہیں، واقعہ اسرائیلی آبادی کے علاقہ جاشان سے مغرب جانب تھا۔ بلکہ مراد ہے بحر قلزم۔ یا اور زیادہ صحیح پتہ جاننا چاہیے تو بحر قلزم کے شمالی سرے کا وہ مغربی دو شاخہ جسکے بعد اب نہر سویز شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت خشکی تھی۔

یہاں پہونچے ہی تھے کہ پیچھے سے امپیریل فوج کے دستوں نے آ لیا۔ مصریوں کا پورا لشکر جرار موجود، اور خود ہز امپیریل مجسٹی فرعون بسر اس کے کمانڈر۔ گھوڑوں کے فوجی رتھ اور گھوڑے اسوقت کے خاص جنگی سامان تھے، یہ سب حاضر۔ اسرائیلی اسی حیص بیص میں تھے کہ اب کیا کریں اور کہاں اپنے کو چھپائیں، کہ اشارہ غیبی پا، انکے رہبر اور رفیق پیغمبر حضرت موسیٰ نے اپنی مخلص قوم سمندر میں ڈال دیا، اور آپ کے نقش قدم پر آپ کی ساری قوم 'بھیڑ کی بھیڑ' ہولی۔ سمندر نے راستہ دیدیا۔ پانی پھٹ کر بیچ میں خشکی ہوگئی۔ اب بھی زلزلہ کے اثر سے دریا کا پانی کبھی کبھی منٹ تک بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ سبب ہو یا کوئی اور سبب اس سے بھی خفی تر، مسبب الاسباب کی تائید غیبی سے قوم اسرائیل سمندر پار کر گئی۔ لیکن جب اسکی تقلید فرعونیوں نے کرنی چاہی، تو وہی پانی کی کھڑی ہوئی دیواریں پھر آپس میں مل گئیں، اور جسطرح پچھلی جنگ میں مشہور جہاز Hampshire باوجود ہر قسم پیرن احتیاط کے غرقابی سے نہ بچ سکا تھا، فرعون اور فرعونیت کا سفینہ بھی ڈوب کر رہا! فلسطین ابھی دور تھا۔ لیکن اسرائیلی اب جزیرہ نمائے سینا میں پہونچ چکے تھے۔ یہ وہ علاقہ ہے، جو ملک عرب اور بحر روم اور صحرائے فلسطین کے چوراہے پر واقع ہے۔ اور اسرائیلی اسی علاقہ میں سالہا سال اپنے خیمے ڈیرے لیے ہوئے آج یہاں، کل وہاں خانہ بدوش اور بدویانہ تمدن کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ اس نیم متمدن زندگی میں کھانے پینے کے سارے انتظامات کہاں ممکن تھے؟ حالانکہ مصر میں رہ کر یہ خوگر انھیں کے ہو چکے تھے۔ لیکن قدرت کے انتظامات ہر تدبیر پر غالب اور ہر انسانی عقل سے ماوراء ہی ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کا ایک خاص پرندہ بٹیر ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آتا ہے۔ اڑتا اونچا نہیں، بہت نیچا رہتا ہے۔ زیادہ اڑنے کا نام بھی نہیں رکھتا، تھک کر نیچے گر جاتا ہے۔ غرض شکار کر لینا اسکا ہر حیثیت سے آسان۔ شمالی سفر اسکا مصر سے فلسطین کی طرف عموماً مارچ میں ہوتا ہے، اور جنوبی سفر فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ عربی میں اسی جانور کو سلویٰ کہتے ہیں۔ اسرائیلیوں کو یہ نعمت گھر بیٹھے ملنے لگی۔ نہ طویل سفر کی دقتیں، نہ سامان شکار تیار رکھنے کی زحمتیں۔ آرام سے اپنے پڑاؤ میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ بٹیر آ کر خود بخود گرنے لگے۔ اور یہ لگے انھیں پکڑنے اور بھون بھون کر کھانے۔ مارچ و اپریل میں اپنی شمالی پرواز پر ان کے وقت ہوتے تھے۔ سمندر کی تیز ہواؤں کے تھپیڑے انھیں بآسانی اسرائیلی کیمپ تک پہونچا دیتے۔ گوشت انکا چربی دار ہوتا۔ دیکھنے سے جلد خراب ہو جاتا، تازہ ہی کھانے کے قابل ہوتا۔ اس مزیدار گوشت کے ساتھ ساتھ ایک اور انتظام بھی انکے لیے قدرت کے مطبخ سے ایک خاص قسم کی روٹیوں کا ہو گیا۔ ایک چیز ہوتی ہے منّ۔ یہی نام عربی میں بھی ہے اور یہی اسرائیلیوں کی زبان میں بھی۔ سفید سفید دیکھنے میں گوندکی سی۔ لیکن مزے میں بہت اچھی۔ رات کو اوس کے بعد یہ بھی درختوں پر گرتی، اور صبح کو پتوں پر اسکی ٹکیاں جمی جاتی کھانے کو ملجاتیں۔ یہ چیز بالکل نایاب اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ان علاقوں میں کچھ نہ کچھ اب بھی مل جاتی ہے۔

سینا کا علاقہ زیادہ متمدن اور سرسبز تو کہیں بھی نہ تھا۔ لیکن بعض خطے تو بالکل ہی بے آب و گیاہ تھے، خشک محض۔ چلتے چلتے ایک بار قیام ایک ایسی منزل پر ہوا، جہاں کھانا تو کھانا، پانی تک نظر نہ آتا تھا۔ — پیاس کی شدت جیسی ہوئی ہوگی ظاہر ہے۔ نام اس مقام کا توریت میں

آتا ہے۔ انگریزی لفظ میں Horeb۔ سب نے آکر گھیر لیا اپنے پیغمبر کو۔ [illegible] بندہ کا سہارا ہوا۔ موسیٰ نے دعا کی اس حاجت روا سے جس پر یہ پہاڑ کا خوف اور ہر پتھر کا باطن آئینہ ہے۔ حکم ہوا کہ اس وادی کو ہماری رحمت کے چشموں سے محروم نہ سمجھو۔ سامنے کی چٹان پر جاؤ، اُس پر اپنے عصا کی ضرب لگاؤ، پھر دیکھو کیسا پانی اُبلتا ہے۔ آپ گئے۔ تعمیل ارشاد کی۔ پانی نکلا اور نکلا بھی تو اس تجلی حکمت کے ماتحت، کہ ایک نہیں، پورے بارہ۔ بارہ چشمے پھوٹ بہے! ٹھیک بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی مناسبت سے!

توریت میں ذکر تعداد کا نہیں، اس لیے قرآن کے معترضین سائنٹیفک بول اُٹھے کہ قرآن نے یہ ذکر بارہ کی تعداد کا کہاں سے کر دیا! خدا کی شان کہ اگلوں کے اس انکار کا جواب پچھلوں نے اپنی تصدیق سے دے دیا۔ جارج سیل قرآن مجید کا پہلا انگریزی مترجم ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اپنے حاشیہ میں لکھتا ہے:-

"ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے، صراحت سے بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا"

اور ایک دوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ نقل کرتا ہے:-

"چٹان میں اس وقت بھی چوبیس سوراخ موجود ہیں، ۱۲ ایک پہلو پر ہیں، اور بارہ اُنکے مقابل جانب"

یہ شہادتیں [illegible] اور اٹھارویں صدی کی تھیں۔ انیسویں صدی میں دنیائے مسیحیت کے ایک ممتاز رکن پادری ڈین اسٹینلی (Dean Stanley) ہوئے ہیں۔ صدی کے وسط میں ارض توراۃ کے مقامات مقدسہ کی جغرافی تحقیق کے سلسلے میں بنفس نفیس سفر کیا، اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کیا، قرآن کی نہیں، بائبل کی تائید و نصرت میں۔ اُس میں اس چٹان کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:-

"یہ چٹان دشت اور پہاڑ کے درمیان لمبی ہے۔ آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے۔ وادی صفصفہ کے قریب۔ لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔ شگاف اور رخنے جا بجا پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ ٹوٹے ہوئے ہیں، کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے۔ گنتی میں اگر سب کو لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، اور اگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے" (ص ۴۶، ۴۷)

صدی دو صدی نہیں، ۲۳، ۲۴ صدیاں گزر جانے کے بعد اگر شگافوں کے نشان بجائے ۲۴ کے ۲۰ یا ایک رخ پر نشان بجائے ۱۲ کے ۱۰ رہ گئے ہوں، یا دیکھنے والے کو اتنے ہی نظر آئے ہوں تو یہ بیان قرآنی کی عین تائید و توثیق ہی ہوئی!

تعطیلات

سرکاری دفتروں میں

گزشتہ سال ایک مدرسہ کے کم عمر طلبہ نے صرف اس بات پر ہڑتال کر دی تھی کہ انکو شب قدر کی تعطیل نہیں دی گئی۔ اور جب ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ آخر کم عمر بچوں کو شب قدر کی تعطیل کیوں درکار ہے تو مختلف گوشوں سے ہمارے پاس غضبناک خطوط آنے شروع ہوئے تھے اور ہماری تنقید کو مذہب میں مداخلت قرار دیا گیا تھا۔ یہ ذہنی کیفیت اُسی عام آسان پسندی کا نتیجہ ہے جسکا سب سے بڑا مرکز ہمارے دفتر بن گئے ہیں۔

دفتر کے اُن نصف تعطیلات سے قطع نظر کیجئے جو افسران بالا کی صوابدید کے مطابق دی جایا کرتی ہیں۔ اب بھی انکی تمام تعطیلات کا شمار سال کے ۳۶۵ دنوں میں ۳۳ فیصدی اور ۵۰ فی صدی کے درمیان ہے۔ ملازمت سرکاری کی ان آسائشوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو دن کام کرنے کے ہوتے ہیں ان میں بغیر تعطیل کے بھی مشکل سے تین چار گھنٹے کام ہوتا ہے۔ کارکردگی کے اس کمی کا اندازہ اہل دفاتر کی روزانہ زندگی سے ہو سکتا ہے۔ منتظم صاحب یا سررشتہ دار صاحب ۱۰ بجے تک تو دفتر پہنچتے ہیں۔ اسکے بعد کم از کم آدھا گھنٹہ اپنی میز کی درازوں کے کھولنے، دفتر کے دوسرے لوگوں سے بات چیت کرنے، پان کھانے، سگریٹ سلگانے، اور اس قسم کے تمہیدی مشاغل میں ہو جاتا ہے تب کہیں ۱۱ بجے کے بعد کچھ کام شروع ہوتا ہے۔ پھر اگر نصف تعطیل کا کوئی موقع نہیں ہے تو ۱۲ بجے کے بعد دوپہر کے کھانے کے لیے تھوڑا وقفہ ضروری ہے۔ کھانا کھا لینے کے بعد اگر ایک بجے کام شروع ہوا تو پھر تین بجے چائے پینے کا وقفہ آجاتا ہے، اس سے فارغ ہونے کے بعد دفتر کی اختتامی کارروائیاں شروع ہو جاتی ہیں اور چار بجتے بجتے روانگی کا وقت آجاتا ہے۔ ایسی اگر دفاتر کی صحیح تنقید کی جائے تو معلوم ہوگا کہ دن میں تین چار گھنٹے سے زیادہ دفتری کام نہیں ہو سکتا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر ان "آسائشوں" کا ایک گھنٹہ روزانہ اور نکال لیا جائے تو کام کرنے کے دو سو یوم میں سے تعطیل کے دو سو گھنٹے اور نکل گئے۔ یہ دفتری کاروبار کی عام حالت ہے۔ البتہ چند دفاتر ایسے بھی ہیں جو مقررہ اوقات سے زیادہ کام کرنے پر مجبور ہیں اور جہاں اکثر تعطیلات میں بھی کام کرنا پڑتا ہے، لیکن ایسے دفاتر چند ہی ہیں۔ باقی سب کی صحیح تصویر تو وہی ہے جو ہم نے [illegible] سطور میں پیش کی ہے۔ ان حالات کا دفتری کارکردگی پر جو اثر پڑتا ہوگا اُسکا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

(پیام)

بنیا دیں۔ مودودی صاحب کے تجدید اور اجتہاد سے ملا کر دیکھیے اور
بتلایئے کہ کیا یہ دونوں ایک ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ جسکو ذرا سی
بھی عقل ہوگی وہ یہی کہیگا کہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک
جاہل اور ایک عالم، یا ایک خدا پرست دقیانوسی اور ایک روشن
خیال فرنگی المشرب کے خیالوں میں ہوا کرتا ہے۔ اور اسلیے یہ کہنا
کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا طریق تفکر وہی ہے جو
حضرت شاہ صاحب یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ یا امام محمد غزالی کا تھا۔
ہمیں حیرت ہے کہ یہ حضرات جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں وہ اس
بات کو کیوں نہیں دیکھتے کہ جن مسائل فقہیہ کو آج قانون اسلام کی
میرٹ کے خلاف اور سراسر غیر اسلامی، وہ عقلاً و نقلاً ہر طرح قابل
اعتراض قرار دیا جا رہا ہے۔ وہی مسائل ان حضرات کے زمانہ میں
بھی موجود تھے۔ پھر ان حضرات نے ایسی جرأت کیوں نہ کی۔ کیا یہ
اسکی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا طریق تفکر ان
حضرات کے طریق تفکر سے بالکل مختلف ہے۔ جسکی وجہ صاف ظاہر
ہے کہ انھوں نے ماہرین فن سے اس علم کو حاصل کیا تھا۔ برخلاف
مودودی صاحب کے کہ انکے پاس جو کچھ ذخیرہ ہے وہ انکی ذاتی
جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ پھر ان حضرات کے دماغوں پر دقیانوسیت
چھائی ہوئی تھی۔ برخلاف مودودی صاحب کے کہ انکے دماغ پر
روشن خیالی کا استیلا ہے۔ اچھا اور سنیے۔ تقلید کے متعلق حضرت
شاہ صاحب کا خیال یہ ہے۔ امت محمدیہ یا ان لوگوں نے جو امت
میں قابل اعتبار ہیں ان پر اتفاق کیا ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید
جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریروں میں آچکے ہیں فی زمانا جائز اور
درست ہے۔ اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ خاصہ اس زمانے
میں جس میں لوگ نہایت ہی قاصر الہمت ہو گئے ہیں اور نفسوں
میں خواہشیں جم گئی ہیں اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہے۔ اسکے
بعد ابن حزم کا کلام نقل کر کے اسکے جوابات دیے ہیں۔ انھیں جوابات
کے ضمن میں تقلید شخصی کے جواز کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں فتوے لینے اور
فتوے دینے کا طریقہ جاری ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ ایک
شخص سے ہمیشہ مسئلے پوچھا کرے یا کبھی اس سے دریافت کرے اور
کبھی اس سے۔ اسکے بعد آپ نے اپنے قول اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں
ہیں الخ میں اسکے وجوب بالغیر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسکے بعد
اپنے قول خاصۃً اس زمانہ میں الخ سے بتا دیا کہ اجتہاد و تقلید کا حکم تغیر
زمانہ سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ حکم شرعی بدلتا نہیں ہے کیونکہ
حکم شرعی یہ ہے کہ جس شخص کے اندر اجتہاد کی اہلیت ہو اسکے لیے اجتہاد
جائز ہے اور جسکے اندر اہلیت نہ ہو اسکے لیے اجتہاد جائز نہیں بلکہ اسپر
مجتہد کی تقلید واجب ہے۔ پس جس وقت تک لوگوں میں اہلیت رہی
اس وقت تک اجتہاد جائز رہا۔ جب یہ اہلیت باقی نہ رہی تقلید
واجب ہو گئی

پھر تقلید کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔ ہم کسی فقیہ پر ایمان
نہیں لاتے کہ خدا تعالیٰ نے اسکو فقہ کی وحی بھیجا ہے اور خدا نے
اسکی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے۔ اور وہ بالکل معصوم ہے۔ اگر ہم کسی
فقیہ کا اتباع کرتے ہیں تو صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ قرآن اور
حدیث سے واقف ہے۔ اسکا قول یا قرآن و حدیث کا صریح حکم
ہوگا یا کسی طریقہ سے اس نے قرآن و حدیث سے اپنے قول کو مستنبط
کیا ہوگا۔ الخ (آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۲۹) شاہ صاحب
نے اس کلام میں مطلق تقلید اور تقلید شخصی دونوں کے جواز کی تصریح
فرمائی ہے اور تقلید کی حقیقت بھی بتلادی ہے۔ اب آپ شاہ صاحب
کے اس بیان کو مودودی صاحب کے ان خیالات سے ملا کر دیکھیے جو
انھوں نے علماے زمانہ کو قانون سازی کی دعوت دیتے ہوئے تقلید کے
بارے میں ظاہر فرمائے ہیں۔ دونوں میں آپ کو زمین و آسمان کا
فرق معلوم ہوگا۔ پھر انھوں نے مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز کا
فتویٰ دے کر انکے مسائل کے اسلامی ہونے پر رجسٹری کر دی ہے۔ اس
میں مودودی صاحب کے اس دعوے کی صراحۃً تکذیب ہے کہ فقہاء
نے جو قوانین ازدواج بیان کیے ہیں وہ اسلامی نہیں ہیں اور اسلامی
قوانین وہ ہیں جو مودودی صاحب کے خود ساختہ ہیں۔ پس یہ مودودی
صاحب کے حقوق الزوجین کے سراپا گمراہی ہونے پر ایک مجدد و مجتہد
کی ناقابل رد شہادت ہے۔ ایک بات اس جگہ قابل تنبیہ ہے کہ حجۃ اللہ
البالغہ مودودی صاحب کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے انھوں
نے اس میں وہ مضمون بھی پڑھا ہوگا جس میں شاہ صاحب نے تقلید
کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم فقیہ کو نہ صاحب وحی
سمجھتے ہیں اور نہ معصوم۔ اور نہ ہم اس کی اطاعت اس لیے کرتے ہیں
کہ خدا نے ہمیں اسکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اسکی اطاعت اس لیے
کرتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ماہر قانون ہے۔ اور ہمارے اندر یہ صفت
موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے اوپر لازم ہے کہ قانون کی جو تشریح
وہ کرتا ہے ہم اسکو صحیح سمجھیں اور اسکی تشریح کے مطابق قانون پر عمل
کریں۔ پس ہمارا مقصود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا ہوتا ہے
نہ کہ خود اسکی رائے پر۔ اور ہم اسکے فتاوے پر تنقید سے اس لیے
نہیں احتراز کرتے کہ ہم انکو ناقابل تنقید سمجھتے ہیں بلکہ اسکی
وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے اندر تنقید کی اہلیت نہیں دیکھتے۔ اور ایسی
حالت میں کے فتاوے پر تنقید کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے
کہ ایک جاہل عطار کا ایک طبیب حاذق اور امام فن کے نسخوں پر یا
ایک غیر قانون داں شخص کا ہائیکورٹ اور پریوی کونسل کے فیصلوں پر تنقید
کرنا۔ لیکن باوجود اسکے بھی وہ فرماتے ہیں کہ مقلدین نے تقلید کے معنی یہ
سمجھے ہیں کہ اپنے مذہب فقہی کو بمنزلہ دین اور اس مذہب کے امام
کو بمنزلہ نبی اور اس مذہب کے مسائل کو نصوص کتاب کی طرح اٹل
سمجھا جائے۔ اور یہ بات عقیدہ کے طور پر دل میں بٹھالی جائے کہ اس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق
لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگس- گولہ گنج- لکھنؤ
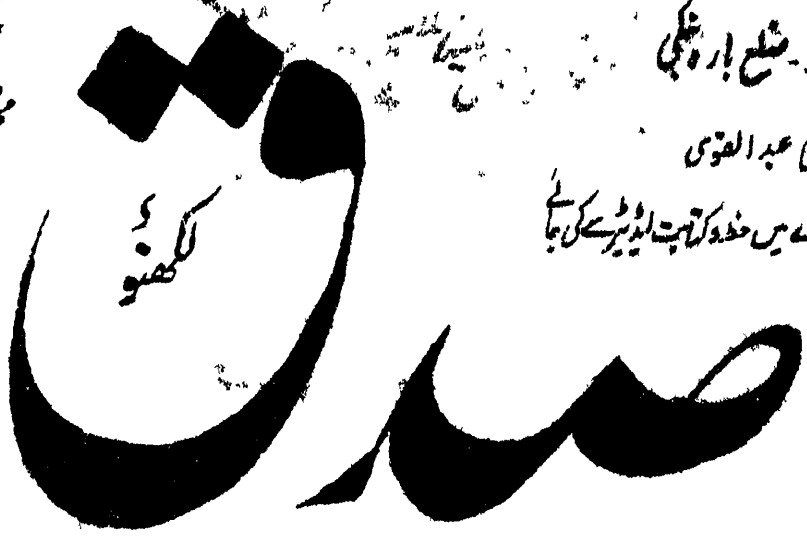
چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؎
ممالک غیر سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؍

نمبر ۴	دوشنبہ- ۹- جمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۵- مئی ۱۹۴۲ء	جلد ۸

اقبالؒ کے آخری لمحے

[محمد شفیع صاحب کے قلم سے انگریزی ہفتہ وار "ڈان" (دہلی) میں ملخص و مقتبس]

اقبالؒ کی موت ۲۱- اپریل ۳۸ء کو ۵ بجے صبح واقع ہوئی یعنی وقت پر کل تین آدمی موجود تھے- ایک علی بخش قدیم خدمتگار، دوسرے دیوان علی، مالش کرنے والے، اور تیسرے یہ خاکسار- حالت ۲۴ گھنٹے قبل سے ردی ہو چکی تھی، اور سارا گھر تشویش میں مبتلا تھا، بجز خود حضرت اقبالؒ کے- آج وہ کبھی اداس ہو جاتے کبھی چاق، اور کبھی سوچ میں پڑ جاتے- لیکن ہمت و جرأت ہر حال میں رفیق تھی- نیند کا پتہ رات بھر نہ ملا- ایک بجے شب کو جب پشت میں درد زیادہ بڑھا، تو میں نے نیند لانے والی ڈاکٹری دوا پیش کی- بولے "اسے تو ہرگز نہ پیونگا- اس میں افیون کا جزو ہے- بیان ہوش و حواس کے ساتھ دنیا سے جانا چاہتا ہوں"—— پانچ بجنے سے کل ۱۰ منٹ قبل فروٹ سالٹ کا پورا گلاس نوش فرمایا- اور بس چند ہی منٹ بعد قلب کے مقام پر اپنا ہاتھ رکھ کر زور سے آہ کی- علی بخش نے مستعدی کے ساتھ اُٹھ کر اپنی گود میں بٹھا لیا، اقبال نے کہا "معلوم ہوتا تھا کسی نے قلب میں خنجر بھونک دیا ہے"۔

اسکے بعد اقبالؒ نے اپنی آنکھیں کھول دیں، چھت کی طرف دیکھا، اور زبان سے نکلا "اللہ"- یہ آخری لفظ تھا، جو اس شاعر اسلام کی زبان سے نکلا- علی بخش نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی، اور اقبال کو پلنگ پر چت لٹا دیا- شاعر کا سر جوں ہی تکیہ پر پہنچا، کہ منہ قبلہ کی طرف پھر گیا- اب معاملہ منٹوں کا نہیں، سکنڈوں کا تھا- چند ہی سکنڈ میں روح قالب سے بالکل پرواز کر چکی تھی- انا للہ——

صبح وفات کی شام کو ناصر کی چھوٹی بچی جاوید کے ساتھ اُن کے کمرے میں باپ کے پاس آئی تھی- باپ کی بے نور آنکھوں نے اُسکی طرف دیکھا، اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا- اور جب وہ چلی گئی، تو ہم لوگوں سے کہا کہ دیکھو بچی کا دل خود بخود گواہی دے رہا ہے کہ اب وہ یتیم ہونے کو ہے۔ بعد مغرب زنانہ اسلامیہ کالج کی پرنسپل فاطمہ بیگم حاضر خدمت ہوئیں- اقبال دیر تک اُن سے یہ کہتے رہے کہ مسلمان طالبات کو قرآن کا علم خوب حاصل کرنا چاہیے- ۱۱ بجے شب کو جب تکلیف بہت بڑھ گئی تھی، خادم قدیم علی بخش نے سامنے آکر رونا شروع کر دیا- اقبالؒ بولے "بیچارہ بیسے نہ روئے، جانتا ہے کہ ۴۰ سال کی رفاقت ختم ہو رہی ہے"۔

آدھی رات کو سب دوست احباب رخصت ہوگئے اسکے بعد طبیعت بہت بگڑتی- کچھ دیر بعد دیوان علی نے پنجابی میں صوفی بزرگ بلھے شاہ کا کلام سنانا شروع کیا- اقبال پر رقت طاری ہو گئی، آنسو بہ کر رخساروں پر آگئے- ۳ بجے حالت اور نازک ہوئی- میں سائیکل پر حکیم صاحب کو لینے گیا- وہاں سب سو رہے تھے، کسی نے میری آواز نہ سنی- مایوس لوٹا چند منٹ بعد دیکھتا کیا ہوں کہ اقبال خود اپنی رباعی گنگنا رہے ہیں:-

سرود رفتہ باز آید کہ ناید ۔۔۔ نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سر آمد روزگار ایں فقیرے ۔۔۔ دگر دانائے راز آید کہ ناید

۵ بجے جسم و روح کی آخری کشمکش شروع ہوئی اور ختم ہوئی- آفتاب طلوع ہو رہا تھا، اور شاعر اسلام کا آفتاب زندگی غروب- خوف و دہشت کا مطلق نام و نشان نہ تھا- آخری سانس جسم سے نکلی، آخری لفظ لب پر اللہ تھا!

پیشاور اور سرحد کے غیور مسلمانوں میں بہرحال غیرتِ اسلامی اب بھی باقی ہے، اور اسی کے خوف سے یہ "شیر دل" ڈاکٹر اب پبلک سے اپنا منہ چھپانے پر اپنے کو مجبور پا رہا ہے۔ کاش حکومت اسلامی ہوتی! اُس وقت اس دماغ کے باپ بیٹی دونوں کو نظر آجاتا کہ شریعتِ اسلام سے تمسخر اتنا آسان نہیں ہے!

"تہذیب" کے کرشمے

"لاہور - ۲۴ - مئی کی شام کو ایک نوجوان شریف عورت ایمپریس روڈ اور نکلسن روڈ کے چوراہے کے پاس سے گزر رہی تھی، کہ یکایک چند فوجی گورے اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے گود میں اٹھا ایک قریب کے ہوٹل میں لے گئے۔ عورت کی چیخ پکار سن کر دوسرے راہگیر ہوٹل کی طرف لپکے۔ اور قبل اسکے کہ گورے کسی شیطانی حرکت کا موقع لیں، وہ زبردستی کے بعد عورت کو چھڑا لائے۔ پانچوں گورے بھاگ نکلے، لیکن پولیس نے انھیں پکڑ لیا۔ اور اب وہ اسپتال میں ہیں۔ ... شہر بھر میں اس واقعہ سے غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ طلبہ نے جلوس نکالا، اخبارات نے سخت مضامین لکھے، پبلک میٹنگ میں کہا گیا کہ یہ حرکت اُن لوگوں کی ہے جنکا کام ہماری جان اور عزت کی نگہبانی ہے! ... ۲۶ مئی کو حکومت پنجاب نے ایک سرکاری اعلان میں اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا۔ اور پبلک کو اطمینان دلایا کہ تفتیش پوری طرح کی جائیگی، اور بعد تحقیق و ثبوت مجرموں کو انکے کیے کی پوری سزا ملیگی۔"

"ترقیوں" کے یہ نمونے، جو آج اگر لاہور میں رونما ہوتے ہیں تو کل بمبئی میں، کبھی ہمارے دور میں بھی پیش آئے تھے؟ اپنوں اور دوستوں کے ملکوں کو چھوڑیے، دشمنوں کے ملک میں بھی؟ عرب کے بھی "جاہل" "اجڈ" "خونخوار" سپاہی، جب کبھی آتش پرست ایران کے حدود میں فاتحانہ قدم رکھتے، اور کبھی تثلیث پرست روم کے حدود میں ڈیرے کرتے، کیا راہ چلتی شریف عورتوں کو گود میں اٹھا لے جاتے؟ شریف عورتوں کو نہ سہی، پیشہ ور عورتوں کو بھی بری نظر سے دیکھتے؟ کبھی انکی طرف نگاہ التفات بھی کرتے؟ سیکڑوں نہ سہی، بیسیوں نہ سہی، کوئی ایک واقعہ بھی ہماری تاریخ میں ایسے ملیں گے؟ — لیکن وہ عمر اور خالد اور سعد اور ابو عبیدہ کے سپاہی "مہذب" تھے ہی کب؟ کسی کو لے بھاگتے تو سمجھتے ہی نہیں۔ انکی "تہذیب" "شائستگی" مستند ہوئی کب؟

حیوانیت کی ترقیاں

"آج کل انسان نے لڑائی کے لیے نئے نئے حربے ایجاد کرلیے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ پہلے اسکے پاس سوائے تلوار یا تیر کے کچھ بھی نہ تھا۔ ... آج کل کے تعجب انگیز اور حیرت کن ایجادات سے وہ بالکل ناواقف تھا۔ لیکن اُس وقت بھی بہت سے ایسے جانور جنھیں وہ اپنے سے بہت کمتر سمجھتا ہے ایسے حربات کا استعمال شروع کرچکے تھے۔ زہریلی گیس کا استعمال بہت سے چھوٹے چھوٹے پتنگوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک پتنگا جسے چھپ گندیا کہتے ہیں اور جسکے اوپر سونے جیسے زرد گول نشان ہوتے ہیں، خطرہ کے وقت اسی گیس کا استعمال کرتا ہے۔" (حیوانی دنیا کے عجائبات۔ شائع کردہ انجمن ترقی اردو - ص ۲۲)

لیجیے، فن حرب کی جن "شاندار ترقیوں" کا اتنا غلغلہ بلند تھا، انکی کائنات کل اتنی نکلی! "زیادہ سے زیادہ مقدار میں اور زیادہ سے زیادہ بےپناہ زہریلی گیس کے مالک ہم ہیں" یہ دعوے کس فخر و ناز کس بلند آہنگی سے ابھی ابھی اہل سائنس اپنے اپنے ملک کے حق میں کر رہے تھے! اب معلوم ہوا کہ اس کمال فن اور ذہنیت کا فخر حقیر سے حقیر کیڑے مکوڑوں، پتنگوں کو حاصل ہے! — سائنس کے دعووں کی اتنی رسوائی خود سائنس کی زبان سے کبھی کیوں ہوئی ہوگی؟

کالوں کا خون

"الہ آباد کی اطلاع ہے کہ کانپور کے تین فوجی گوروں کو ہائیکورٹ سے دائم الحبس (عمر قید) کی سزا ہوگئی، جن پر اودھ بہاری لال کے قتل اور دوسرے ہندوستانیوں کو زخمی کرنے کا الزام تھا" (ایک خبر)

انقلاب زندہ باد! کالوں کے خون کے جرم میں گوروں کو پھانسی نہ سہی، عمر قید کی سزا سہی، یہ لازمی ہند کی تاریخ میں یقیناً ایک حد تک ایک نادر واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے! — ورنہ ابتک کوئی پنکھا قلی کسی گورے کی ٹھوکر سے مرتا ہی کب تھا؟ موت تو ہمیشہ تلی ہی پھٹ جانے سے واقع ہوتی تھی! اب یا تو ہندوستانیوں کی تلیاں کچھ زیادہ مضبوط ہوگئی ہیں، یا پھر گوروں کی ٹھوکروں اور گھونسوں میں کچھ زیادہ قوت آگئی ہے!

کامیابی کا راز

ایک اردو روزنامہ کے افتتاحیہ کا اقتباس:-

"ہمیں غور کرنا چاہیے کہ آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ ہماری فوجیں کہیں بھی جاپانیوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئیں۔ ایک انگریز مبصر نے جو اسکا سبب بتایا ہے ہمارے خیال میں وہی صحیح ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اول تو جاپانی قسمت کے بڑی سختی سے قائل ہوتے ہیں یعنی ایک جاپانی بلا تامل یہ سمجھ کر آگ میں پھاند پڑیگا کہ اگر اُسکی موت اسی طریقہ سے آنے والی ہے تو وہ اسکو روک نہیں سکتا اور اگر اس کی زندگی ہے تو پھر کوئی قوت اُسکو ہلاک نہیں کرسکتی - دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے بےخوف اور جان دینے میں بڑے حاتم ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن کے مقابلہ میں وہی سپہ سالار اور وہی فوج کامیابی حاصل کرسکتی ہے جسمیں ایسا ہی جذبہ ہو"

وہ اسباب جو الگ الگ کرکے لکھے گئے ہیں، حقیقۃً دو نہیں ایک ہی ہیں۔ یعنی دوسرا سبب تو خود فرع ہے پہلی اصل کی۔ توکل و تفویض کے بعد تو موت سے بےخوفی خود بخود بطور نتیجہ کے لازم آجائیگی، لیکن

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(از عبد الماجد)

(۴)

اسرائیلیوں کے ساتھ وحشت پہلی ہی سے طبیعت اول ہو گئی ہوگی۔ اس قوم کے عہد ترقی و تمدن کی طرف آئیے۔ قرآن مجید اس قوم کو مخاطب کرکے کہتا ہے

ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین	تم اپنے لوگوں میں سے ان لوگوں سے تو خوب واقف ہی ہو جنھوں نے سبت کے بارے میں احکام سے تجاوز کیا تھا۔ سو ہم نے انھیں حکم دیا کہ ہوجاؤ ذلیل بندر۔

سبت کہتے ہیں ہفتہ کے ساتویں دن، شنبہ یا سنیچر کو۔ شریعت یہود میں یہ ایک بڑا مقدس دن تھا۔ اور تقدس کے معنی یہ تھے کہ اس روز سارا دنیوی کاروبار بند رہے (اور اس میں شکار کھیلنا بھی آگیا) اور یہ دن تمامتر عبادت الٰہی کے لیے وقف رہے۔ یہود اس قانون کو بار بار توڑتے تھے۔ مچھلی کا شکار ایک حیلہ کے ساتھ اس روز بھی کیا کرتے تھے۔ آخر جب انھیں اپنی اس قانون شکنی کا خمیازہ بصورت عذاب بھگتنا پڑا۔ آیت قرآنی میں تذکرہ اسی عذاب کا ہے۔ لیکن تفصیل اس کی نہ قرآن میں درج ہے، نہ تاریخ میں نظر سے گزری۔ روایتوں سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ کا ہے۔ وہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ ان کا سال وفات ۹۶۱ ق م ہے۔ ان کے عہد کی مفصل و مکمل تاریخ محفوظ نہیں۔ اس لیے اگر اور بہت سے واقعات کی طرح اس کا تذکرہ بھی گم ہو گیا ہو، تو کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں۔

روایتوں میں ذکر مچھلی کے شکار کا بار بار آیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ مقام کوئی لب سمندر ہوگا۔ اور قیاس کی حاجت بھی نہیں، خود قرآن نے بھی دوسری جگہ کانت حاضرۃ البحر کہہ کر اسے صاف کر دیا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا رقبۂ سلطنت، تاریخ کے طلبہ کو معلوم ہے کہ بحر روم (Mediterranean Sea) اور بحر قلزم (Red Sea) دونوں کے شرقی ساحلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے وہ مقام بھی جہاں یہ واقعہ پیش آیا، یہیں کہیں ہوگا۔ اسلامی روایتوں میں نام ایلہ کا آیا ہے اور توریت میں ذکر ایلات (Elath) کا آتا ہے۔ یہ ایک بندرگاہ تھا خلیج عرب کا علاقہ ادوم میں۔ اور یہ واضح رہے کہ خلیج عرب خود نام ہے بحر قلزم کے شمالی مشرقی شاخسانہ کا۔ اب نقشہ میں ان ناموں کا کوئی شہر نہیں ملتا۔ نہ ہمارے مفسرین کے ایلہ کا، نہ بائبل کے ایلات کا۔ جغرافیہ کی اصطلاحیں بھی آخر ابدیت لیے نہیں ہوتیں۔ ۲۹ صدیوں کے بعد جغرافی نام اگر اپنی قدیم صورتوں میں [illegible] قائم نہ رہ سکے تو کوئی بات نہیں۔ اب نقشہ پر جو نظر ڈالیے تو اس میں بحر قلزم کے شمالی حصہ کا جو شرقی ریشہ خلیج ہے اس کے شرقی ساحل پر ایک مشہور بندرگاہ عقبہ نظر پڑے گی۔ یہی عقبہ پرانی یونانی میں ایلانا یا ایلہ تھا۔ درمیان میں رومیوں کے عہد حکومت میں کچھ اور نام بھی رہ چکا ہے۔

زمان و مکان کے اس تعین کے بعد قدرۃً سوال نفس واقعہ کی کیفیت وقوع سے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ یعنی آیا مسخ حیوانی ہو گیا تھا، جیسا کہ قرآن کی ظاہر عبارت سے مترشح ہوتا ہے اور عموماً اہل تفسیر نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے، یا مسخ ذہنی و اخلاقی حدود تک رہا تھا، جیسا کہ مجاہد تابعی کا قول شروع سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ سو اس کے جواب میں قرآن کے متعلق کچھ زیادہ دیدہ ریزی کی حاجت ہی نہیں۔ قرآن واقعہ کے نفس واقعہ کے نفس وقوع کی خبر دیتا ہے، اپنی ذمہ داری پر نہیں دے رہا ہے۔ صرف ایک مسلم و متعارف واقعہ کی یاد دہانی مخاطبین کو کر رہا ہے۔ مجرم سے اشارہ اس کے ایک پچھلے اور انتہائی جرم کی جانب کر رہا ہے۔ طرز بیان ملاحظہ ہو۔ لقد علمتم، علمتم خود ہی کافی تھا۔ یعنی تم تو علم رکھتے ہو، واقعہ تمہارا جانا بوجھا ہوا ہے، کوئی سنی سنائی روایت یا افواہ نہیں۔ پھر اس پر تاکید اور وہ بھی دوہری، ل کے ساتھ بھی اور قد کے ساتھ بھی! یعنی وہ واقعہ جس سے تم خوب اچھی طرح واقف ہو۔ جس سے انکار کیا معنی، شک و شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ —— بس اب اس سے زیادہ تفصیل سے کسی کو بحث کیا۔ وہ جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ بھی پیش آیا ہو، بہرحال تاریخ اسرائیل کا کوئی معلوم و معروف واقعہ تھا اور اسی سے تو قرآن کے معاصرین کو اس پر زبان کھولنے کا حوصلہ نہ ہوا!

داؤد نبی کے ان کے فرزند و جانشین سلیمان نبی کی طرف آئیے۔ سال وفات ۹۳۳ ق م۔ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے، جیسے کسی اہم واقعہ کی خبر دے رہا ہو، کہ

وماکفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا	کفر سلیمان نے تو نہیں کیا، البتہ شیطان کفر کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ بات کیا ہوئی؟ قرآن تو خود ہی ان کے نبی اور برگزیدہ ہونے کی شہادت بار بار صاف صاف دے رہا ہے۔ اور اب یہ کہہ رہا ہے کہ وہ کافر نہ تھے۔ نبی کو جو کافر سمجھے وہ خود ہی کافر۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ جو منصب نبوت سے سرفراز ہوگا، اسے کفر سے نسبت کیا؟ یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی کہ شاہ انگلستان کسی کو وائسرائے ہندوستان کا بنا کر بھیجیں، اور پھر یہ بھی اعلان کرنے لگیں کہ وہ باغیوں اور غداروں میں نہیں!—— تو کیا قرآن نے حشو بھی اپنے اندر جائز رکھا ہے؟

اس منزل پر پہنچکر اس حقیقت کو یاد کر لیجیے کہ قرآن سے قبل دو اور قومیں نبوت کا کلمہ پڑھتی ہوئی اس دنیا میں آباد ہوئی تھیں، اور اس وقت تک آباد تھیں۔ ایک یہود، دوسرے نصرانی۔ ان دونوں نے ایک طرف تو سلیمان بن داؤد کا شمار انبیاء میں کیا، ان کے نام کے صحیفے کو اپنے صحائف آسمانی کے مجموعہ میں جگہ دی، اور دوسری طرف ان کی بدکرداری اور فسق کا معمول اس زور سے پھیلایا کہ انھیں دائرۂ ایمان و حلقۂ توحید ہی سے

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(۵)

(از جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

اور کسی مسئلہ میں اس مذہب کے کسی جزئیہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب فقہی سے کوئی جزئیہ اخذ کرنا زمانہ اجتہاد یعنی چوتھی صدی تک تو حلال تھا مگر اسکے بعد حرام ہو گیا۔ لیکن اس طرح کی تقلید زمانہ سلف میں کسی کی بھی یہ ثابت نہیں اور نہ اسکے لیے کوئی شرعی ثبوت کسی سے مل سکتا ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ یہ معلومات کس قدر عظیم الشان افترا ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ نہ کوئی مقلد تقلید کے یہ معنی سمجھتا ہے اور نہ اسکے ایسی تقلید کے جواز کے لیے کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ تقلید کے جو معنی وہ سمجھتا ہے اسکا ثبوت شاہ صاحب خود دے چکے ہیں۔ اور اگر زیادہ ثبوت کی ضرورت ہوگی تو اسکے لیے ہم حاضر ہیں۔ لیکن ہم مودودی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اجتہاد کے معنی جو جناب سمجھے ہیں کہ ایک شخص جو قانونی مہارت اصابت رائے اسلامی ذہنیت سے محروم رہنے کے باوجود قانون میں غور کرے۔ اور اس غور کرنے سے اسکا مقصود یہ نہ ہو کہ وہ صاحب قانون کا اصلی منشا معلوم کرنے کی کوشش کرے بلکہ اسکا منشا صرف یہ ہو کہ وہ کس طرح اسکو اپنے جذبات اور ذاتی تخیلات پر منطبق کرے۔ اسکا ثبوت سلف میں کہاں سے ملتا ہے۔ اور قرآن و حدیث سے اسکا ثبوت کیا ہے۔ اور کیا آپ سلف میں اسکی کوئی نظیر بتا سکتے ہیں۔ کہ کسی نے کسی پر کوئی حکم شرعی نافذ کرتے ہوئے اس امر کا لحاظ رکھا ہو کہ جس اسلامی جماعت میں اسکو نافذ کیا جا رہا ہے۔ اسکی اخلاقی، تمدنی معاشرتی اور معاشی حالت کیا ہے۔ اور اسکے اجتماعی حالات اور خصائل اور رسم و رواج کس قسم کے ہیں اور کس ماحول میں وہ رہتے ہیں۔ اور اس ماحول کے ان پر کیا اثرات ہیں اور انکی سیرت اور انکے معاملات میں اسلام کا اثر کس قدر قوی اور ضعیف ہے اور بیرونی اثرات سے انکے اسلامی خصائص میں کسقدر فرق واقع ہوا ہے۔ اور عام تمدنی حالات سے معاملات کی فقہی حیثیت میں کیا تغیر رونما ہوئے ہیں اور کیا انھوں نے کسی خاص مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے فریقین کی سیرت عمر تعلیم جسمانی حالات معاشی و تمدنی حیثیت گزشتہ تاریخ خاندانی روایات اور ان کے طبقہ کی عام حالت۔ ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھنا ضروری سمجھا ہے! قرآن و حدیث میں کہیں کوئی ایسی ہدایت کی گئی ہے کہ تم خدا کے احکام کو نافذ کرنے میں ان چیزوں کو پیش نظر رکھا کرو۔ انکو بھی جانے دیجیے۔ آپ ہمیں اتنا بتلا دیجیے کہ کیا امام غزالی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان چیزوں کے لحاظ رکھنے کے متعلق کوئی ہدایت جاری کی ہے۔ جس نے کتاب اللہ میں اسکا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ حدیث نبوی میں اور نہ عمل سلف میں اور نہ امام محمد اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات میں۔ اسکا اگر کچھ پتہ ملتا ہے تو

جسٹس گارتھ کے فیصلے میں ملتا ہے۔ جسکو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ پس کس کی جرأت ہے کہ وہ اس طریق اجتہاد کو اسلامی کہہ سکے یا اس بنیادی اصول پر کتاب و سنت اور فقہ میں اجتہاد کر سکے بجز ان لوگوں کے جنکو نہ خدا کا خوف ہے اور نہ قیامت کی بازپرس کا۔ نیز کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر دنیا میں ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کو واپس کر دیا جائے تو کیا وہ ان شرائط کی پابندی کرتے ہوئے کسی ایک مقدمہ کا بھی شرعی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ انکو اُن باتوں کا کوئی علم ہی نہیں جنکا فیصلہ میں لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ناواقف اور نافہم لوگ شاہ صاحب کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاہ صاحب اجتہاد کے مدعی تھے۔ لیکن انکا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے تقلید کی دو قسمیں بتلائی ہیں۔ ایک تقلید شخصی اور دوسرے تقلید غیر شخصی۔ اور آپ نے دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر خود آپ کا عمل تقلید غیر شخصی پر تھا۔ کسی مسئلہ میں وہ ایک امام کے قول پر عمل کرتے تھے اور کسی میں دوسرے کے قول پر۔ کیونکہ جو شخص بھی کسی مجتہد کی تقلید کریگا وہ لامحالہ کسی نہ کسی وجہ سے اسکے قول کو دوسرے مجتہدوں کے اقوال پر ترجیح دیگا۔ تو آپ نے اپنے نزدیک وجہ ترجیح یہ اختیار فرمائی تھی کہ جسکے قول کو وہ اپنے نزدیک اقرب الی الکتاب والسنۃ سمجھتے تھے اسکو اختیار فرماتے تھے۔ خواہ انکا خیال صحیح ہو یا غلط کیونکہ اسکی کوئی ضمانت نہیں کہ جو شاہ صاحب نے سمجھا ہے وہ لامحالہ صحیح ہے اور جسکو وہ اقرب الی الکتاب والسنۃ سمجھا ہے وہ واقع میں بھی ایسا ہی ہے۔ سو یہ درحقیقت تقلید ہی ہے نہ کہ اجتہاد۔ مگر ناسمجھوں نے اسکو اجتہاد سمجھ لیا۔ اور اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ ہمارے لیے اجتہاد جائز ہے۔ حالانکہ وہ بنیاد ہی غلط ہے جس پر اس تخیل کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور چونکہ تقلید غیر شخصی کا طرز عمل انھوں نے اپنے نزدیک اقرب الی التقویٰ سمجھ کر اختیار فرمایا تھا اس لیے اسکے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ اس کوشش کو اسکی اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ نہ ہر شخص کے اندر وہ علم ہے اور نہ وہ تقویٰ۔ تو وہ ہر شخص کو اسکی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔ پس شاہ صاحب کے اس طرز عمل سے کسی کو اسکا استحقاق نہیں کہ وہ تقلید شخصی کو چھوڑ کر تقلید غیر شخصی کو اختیار کرے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ شاہ صاحب کا سا علم اور انکا سا تقویٰ رکھتا ہو۔ چہ جائیکہ وہ بلا علم دین کے مجتہد بن بیٹھے۔ اور مجتہدین اسلام کے مذاہب فقہیہ کو غیر اسلامی بتا کر ان پر ناروا طعن و تشنیع کرے اور دوسروں کو اجتہاد باطل کی دعوت دیکر اور خود غلط اجتہاد کر کے خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ اور انتوا بغیر علم فضلوا واضلوا کا مصداق بنے۔ شاہ صاحب کا یہ طرز عمل گو فی نفسہ صحیح تھا لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ آپ نے اسکے مفاسد کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی اور اگر وہ اس میں مزید تدبر سے کام لیتے تو شاید وہ ایسا نہ کرتے۔ کیونکہ اس میں مصلحت تو کوئی نہیں اور مفسدہ بہت زیادہ ہے اس لیے انکو اختیار کرنا مناسب نہ تھا۔

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر عبد الماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم) عبد القوی
مضامین کے لیے خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے
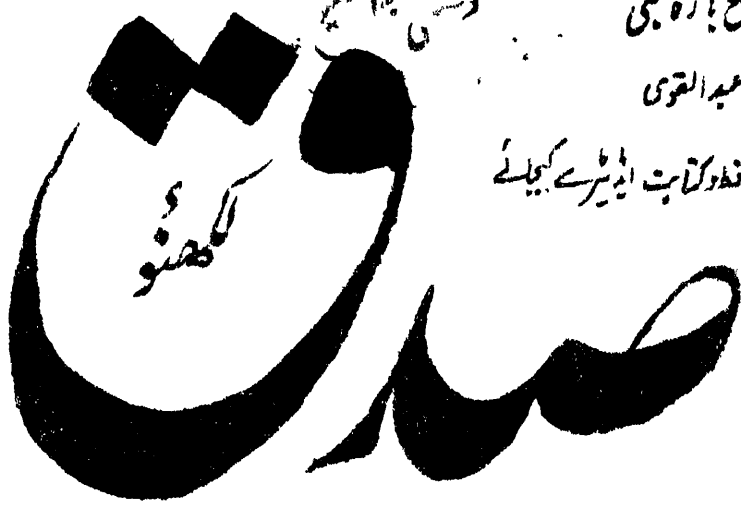
چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلات اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلیس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
" ششماہی عہ
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ امر

صدق
لکھنؤ

نمبر ۷ | دوشنبہ - ۲۹ - جمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۵ - جون ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

"بارہ بنکی - آج مسٹر بی، این، زتشی، ایڈیشنل سول جج کے اجلاس سے تعلقہ ... کے مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا - مسماۃ .... کا دعویٰ انکے بھائی چودھری ... تعلقدار کے خلاف، خارج ہوگیا - عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ تعلقہ کی جائداد ناقابل تقسیم ہے، اور لڑکے کی موجودگی میں قانون رواج کے بموجب لڑکیاں حصہ پانے سے محروم ہیں -

مدعیہ کی طرف سے پیروکار ... [صوبہ کے مشہور ترین مسلمان ایڈوکیٹ] اور مدعی علیہ کی جانب سے [ایک دیندار مسلمان ایڈوکیٹ]" (پائنیر - ۵ - جون ۱۹۴۲ء)

ایک اور شکست! رواج خاندانی کے مقابلہ میں شریعت اسلامی کو ایک اور شکست! ناکامیوں اور شکستوں کی طویل فہرست میں ایک اور عنوان کا اضافہ! —— قرآن کی تعلیم، رسولؐ کے ارشاد کو ٹھکرانے، پامال کرنے کا ایک اور اعلان، کسی غیر مسلم کے نہیں، ایک مسلمان کی زبان سے!

ایک مسلمان بہن کا تقاضا مسلمان بھائی پر، آبائی جائداد کے حصہ کے لیے - مدعیہ اور مدعی دونوں مسلمان، وکیل اور پیروکار مسلمان - مسلمان بہن نے کہا کہ میری کتاب ہدایت کے مطابق میرا حصہ مجھے دلوایا جائے - للذکر مثل حظ الانثیین - مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ کسی مجتہد کا قیاس، کسی فقیہ کا استنباط نہیں، کتاب اللہ کی صاف و صریح، قطعی اور غیر اختلافی نص ہے —— مسلمان بھائی نے جواب دیا، چوری چھپے نہیں، عدالت میں پاس پکار کر شرم اور حجاب کے بغیر کہ ہم تو پابند رواج کے قانون کے ہیں - اور خاندانی رواج ہم لوگوں کے ہاں، ہم تعلقہ داروں کے ہاں، یہی ہے کہ بھائی کے ہوتے بہنوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا، ہمارا عملدرآمد آج سے نہیں پشتہا پشت سے اسی پر ہے - ہمارے ہاں کی "واجب العرض" دیکھ لی جائے - ہمارے معتبر مسلمان گواہوں شاہدوں سے دریافت کر لیا جائے، تحقیق کر لی جائے —— گواہیاں گزریں، ثبوت پیش ہوئے - اور آخرت کی عدالت میں فیصلہ جو کچھ بھی ہو، دنیا کی عدالت نے یہ حکم سنایا کہ یہاں تو رواج، دستور اور عملدرآمد کو بہرحال کتابی شریعت پر مقدم رکھا جائیگا، اور جو جائداد لڑکیوں کو کبھی نہیں ملی ہے، اور آئندہ بھی نہ ملیگی - فیصلہ سنانے والا غیر مسلم تھا - لیکن کوئی مسلمان جج ہوتا، جب بھی اسکا عدالتی فیصلہ کیا اس سے کچھ مختلف ہوتا؟

جس صوبہ میں یہ فیصلہ صادر ہوا ہے، وہاں مسلم لیگ ماشاء اللہ زوروں سے قائم ہے - اور سنتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء کی کوئی شاخ بھی موجود ہے - عجب نہیں کہ احرار بھی زندہ و سلامت ہوں - اور فرنگی محل اور ندوہ اور دوسرے دینی ادارے تو بہرحال وجود رکھتے ہی ہیں - لیکن دین و شریعت کی اتنی کھلی ہوئی توہین پر شاید کسی کو ... کی ضرورت نہیں! —— کیا فرق ہے بیسویں صدی کے مجرموں اس ڈھٹائی اور إِنَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا اور إِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی روش پر پایا، اور ہم تو انھیں کے رواج و دستور پر چلنے والے) کہنے والوں کی ذہنیت میں؟ —— "معقول سوال"

ارتباطِ خاص سے شبلی کے خیالات میں وسعت و کشادگی پیدا ہوگئی تھی"۔

کیا ایک ناواقفِ دنیا کی رہنمائی کے لیے از راہِ کرم ارشاد ہوگا کہ "مولانا" نیاز فتحپوری کو مولانا شبلی مرحوم سے نسبتِ تلمذ کس زمانہ میں، کتنے دنوں تک، کس فن میں حاصل رہی ہے؟ شبلی کی صحبت میں بیٹھنے والے تو ابھی ایک دو نہیں، بیسیوں کی تعداد میں بحمد اللہ موجود ہیں، ان میں سے کسے اس "ارتباطِ خاص" سے گواہ ہیں؟ ارتباطِ خاص نہیں، ارتباطِ عام ہی کس نے دیکھا ہے! کس نے سنا ہے؟ کس کے علم میں ہے؟ مکاتیبِ شبلی و خطوطِ شبلی کے نام سے ایک نہیں، تین جلدیں شایع ہو چکیں، ان میں کتنے خط "مولانا" نیاز فتحپوری کے نام ہیں؟ کنوں میں ان بزرگ کا ذکرِ خیر ہے؟ حیات و سوانحِ شبلی پر متعدد مستند و مبسوط تحریریں نکل چکیں، کن کن سوانح نگاروں نے شبلی اور "مولانا" نیاز کے "ارتباط" کا ذکر کیا ہے؟ "مولانا" کے اثر سے "شبلی کے خیالات میں وسعت و کشادگی" کا پیدا ہونا، — تخیل کی اس بلند پروازی کی داد نہ دینا ظلم ہے — کون کہتا ہے کہ [illegible] قلم میں اب وہ "جولانی" باقی نہیں رہی؟

قدیم ٹرکی

پچھلے ہفتہ اتفاق سے لکھنؤ کے ایک مشہور قدیم ہفتہ وار کی پرانی فائلیں نظر سے گزریں۔ ایک پرچہ پر تاریخ ۴؍ اکتوبر ۱۸۹۷ء کی پڑی تھی۔ اس میں ایک انگریز سیاح کے قلم سے ٹرکی، خلیفۃ المسلمین والیِ ٹرکی مرحوم کے چشم دید حالات درج ہیں۔ اس تحریر کا ایک اقتباس:۔

"میں ترکوں کو وحشی جانتا تھا۔ اب میں بلند آواز سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ یہی قوم ہے جو گری حالت میں بھی دوسروں سے بہتر ہے ... قسم نہیں کھاتے، اور جب کھاتے ہیں، تو اُن پر پابندی فرض ہو جاتی ہے ..... ایک دن میں نے دیکھا، ہر ایک ترک اپنی دوکان سے اٹھ کر چلا گیا۔ نہ کوئی محافظ دوکان نہ نگہبان۔ لاکھوں کا مال کھلا ہوا رکھا ہے۔ گھبرا کر میں نے سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ نماز کو جا رہے ہیں، اور مال و اسباب کی ذمہ دار گورنمنٹ ہے۔ اگر مہینوں دوکانیں کھلی ہوئی پڑی رہیں، کوئی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ..... یہاں حسن بلا کا ہے، پر سوا زنا کا مقدمہ نہیں ہوتا۔ چوری اور ڈاکہ زنی سے قسطنطنیہ بالکل محفوظ ہے"۔

اس ۴۰ - ۴۵ سال کے عرصے میں "ترقیوں" کا قدم کہاں سے کہاں پہنچا؟ "حسن بلا کا ہے"۔ لیکن پہلے اسکا قدرداں ہی کون تھا؟ حسن گھروں کے اندر، چار دیواریوں میں بند، یا برقع و نقاب میں چھپا پڑا سڑا کرتا تھا۔ اب البتہ نظارہ سرِ بازار کا علانیہ عام ہے! ظاہر ہے "زنا کا مقدمہ نہیں ہوتا"، لیکن خود زناکاری، جب تک اس میں جبر و تشدد کی آمیزش نہ ہو، آخر کوئی جرم ہی قابلِ تعزیر کیوں قرار پائے؟ "شہر چوری اور ڈکیتی سے بالکل محفوظ ہے۔ لوگ سارا بازار کھلا چھوڑ کر نماز کو چلے جاتے ہیں"۔

صدیوں قبل کے لیے باعثِ رشک و [illegible] تو ہو، اس بیسویں صدی کے تمدن کے لیے، تمدن کے لیے کس قدر ناموزوں و بے محل! ایسی بے جان اور مردہ دل سوسائٹی بھی کوئی سوسائٹی ہے؟

ترقیوں کی ایک جھلک

بمبئی کی مشہور انگریزی دوا ساز کمپنی پارکے ڈیوس اینڈ کو کے زیرِ اہتمام ایک طبی رسالہ "تھراپیوٹک نوٹس" Therapeutic Notes کے نام سے نکلتا ہے، اسکے جنوری نمبر کے مضمون "آتشک بحالتِ حمل" کا ایک اقتباس:

"پیدایشی آتشک ایک ایسا مرض ہے جسکا وقوع روکا جا سکتا ہے اور اسکا علاج معلوم و معروف ہے۔ تاہم کوئی ۶۰ ہزار بچے آتشک لیے ہوئے ہر سال پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور کوئی ۵ ہزار حمل یا تو ساقط ہو جاتے ہیں، یا اولاد مُردہ پیدا ہوتی ہے۔ امریکہ میں زچگی کے قابل عمر میں کم از کم ۱۰ لاکھ کی تعداد میں ایسی عورتیں ضرور ملینگی جو آتشک میں مبتلا ہیں یا مبتلا رہ چکی ہیں، اور انکے بچوں میں آتشک منتقل ہو جانا بالکل غالب و قرینِ قیاس ہے"۔

علاج کی اتنی صورتیں اور سہولتیں، اور امتناع کی اتنی تدبیریں نکل آنے کے بعد بھی امریکہ میں ہلکے سے ہلکے تخمینہ کے مطابق ۱۰ لاکھ آتشک زدہ خواتین کا وجود! ---- اعداد بدچلنی یا حرام کاری کے نہیں، صرف اسکے ایک، اور صرف ایک ظاہر ہونے والے نتیجہ کے ہیں! ---- حقّا کہ حق ادا کر دیا "روشن خیال" امریکہ نے آزادیِ نسواں کا، مخلوط تعلیم Co-education کا، دعوائے مساواتِ مرد و زن کا! اور سبق دے دیا ہندوستان کو کہ باوجود اپنی کنواری ماؤں، باوجود بے حجاب و بے نقاب رنگین ساڑیوں والی گریجویٹ خاتونوں، باوجود زرق برق لباس اور چمکتے ہوئے لپ اسٹک والی سنیما ایکٹرسوں کے، ابھی اسکا قدم "ترقی" کی بلند ترین منزلوں سے کتنا پیچھے ہے!

(بقیہ صفحہ ۷)

شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے۔ کسی افغان کے متعلق یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی لڑکی کسی غیر مسلم کے قبضہ میں دیکھ کر امن و چین کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پوری تاریخِ افاغنہ اس قسم کی بے غیرتی کا ایک واقعہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سرخ پوشوں کے وہ لیڈرانِ عظام جو قرآن کو آزاد کرانے کے دعوے کیا کرتے تھے۔ آج خود قرآن سے آزاد ہو رہے ہیں۔ ان میں عصبیت نام کو باقی نہیں رہی۔ اور غیرت و حمیت کے جنازہ میں ملتِ افاغنہ کے ان ناخلف بچوں نے وہ آخری کیل لگا دی ہے کہ جسے نہ صرف آئندہ نسلیں دیکھ دیکھ کر ان پر ملامتیں بھیجیں گی بلکہ انکے بزرگوں کی روحیں بھی قبروں میں تڑپ تڑپ کر اس فعل پر ماتم کناں نظر آ رہی ہوں گی۔

(سرحد - پشاور)

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(۷)

(از عبد الماجد)

قرآن بیان کرتا ہے، اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اسلام سے قبل جتنے بھی پیمبر آئے، سب اپنی یا دوسری کسی ایک ہی قوم کی جانب، اپنے یا دوسرے کسی ایک ہی ملک کے لیے۔ بائبل میں بھی ذکر صرف اسرائیلی انبیاء کا آتا ہے جو قوم اسرائیل کے لیے آئے۔ پھر ان چند انبیاء کا جو اس قسم کے اسلاف اور معاصروں یا عزیزوں میں تھے۔ حضرت ہودؑ صرف قوم عاد کے لیے تھے، ہندوستان سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔ حضرت یونسؑ نینوا والوں کے لیے تھے، چین سے انھیں علاقہ نہ تھا۔ حضرت مسیحؑ کا معاملہ صرف یہود تک محدود تھا، جین اور پارسی، بودھ اور ہندو مذہب انکے قلمرو سے باہر تھے۔ اسلام نے پیمبر عرب اور رہبر عالم کے پیکر میں آکر اس عام قاعدہ کو توڑ دیا۔ اور قرآن نے آکر صاف صاف دعوی کر دیا کہ میرا پیام کل دنیائے انسانیت کے لیے ہے، میری مخاطب ساری نسل آدم ہے۔ لیکن اسلام تو خود مدعی انبیاء قدیم کی سنت پر چلنے اور قائم رہنے کا ہے۔ پھر اس اہم ترین باب میں خود دائرۂ دعوت کے باب میں یہ جدت، یہ ندرت، یہ بدعت کیسی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اسکی بھی دعوت مخصوص رہتی اہل حجاز یا زیادہ سے زیادہ اہل عرب کے ساتھ، اور اسکا پیام محدود رہتا نسل اسمٰعیل کے لیے!

مسئلہ کے سمجھنے کے لیے ایک اجمالی نظر دنیائے قدیم کے نقشہ پر کر جائیے۔ ہر ملک دوسرے ملک سے کٹا ہوا، ہر قوم دوسری قوم سے بچھڑی ہوئی۔ ہر سرزمین اپنے مخصوص جغرافی، طبعی حدود کے اندر سمٹی ہوئی، سکڑی ہوئی۔ پہاڑ ہیں تو ناقابل گزر، دریا ہیں تو ناقابل عبور۔ ندی، نالوں تک کو پار کرنا دشوار، بلکہ برسات کے موسم میں تو کہنا چاہیے کہ محال۔ اور بحر، بحیرہ، سمندر کا تو خیر نام ہی نہ لیجیے۔ کوئی ایسا ہی شدید سبب دشمنی کا، اور قومی محرک فوج کشی کا پیدا ہو گیا، جب تو مجبوری ہے، ورنہ ہر خطۂ زمین کی جو قدرتی چاردیواری تھی، بس وہ قوم اسی کے اندر محصور، اور گویا نظربند[1]۔ مسافروں کا آنا جانا تو الگ رہا، باہر سے خبروں تک کے آنے کا انتظام نہیں، اور ڈاک کا موجودہ مفہوم تو گویا کسی کے ذہن ہی میں نہیں۔ مہینوں میں کوئی باہمت قافلہ، برسوں میں کوئی بھولا بھٹکا سیاح آنکلتا، تو ایک نعمت ہاتھ آجاتی۔ اور تھوڑی بہت خبریں آس پاس کے ملکوں کی معلوم ہو جاتیں۔ مشرق و مغرب کا فاصلہ رکھنے والے، اور دور افتادہ ملک تو اتنے سہارے سے بھی محروم! خود ایک ہی وسیع ملک کے اندر ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتا، وہاں کی خبریں لاتا، وہاں پیام پہونچاتا، کام تھا صرف ہمت مردوں کا، نصیبہ والوں کا! اور تو اور کسی باقاعدہ سڑک کا وجود بھی ۳۰۰ ق م سے قبل کم از کم یورپ میں تو نہیں ملتا۔

اس صورتِ حال کو وضاحت کے ساتھ ذہن میں لاکر سوال کیجیے کہ کسی عالمگیر پیام نبوت کے امکانات ہی اسوقت کیا تھے؟ عالمگیر تو یہی ایک براعظم کی بھی دوسرے براعظم سے ملانے والی، جوڑنے والی اسوقت کونسی راہیں، سڑکیں تھیں؟ براعظم کو بھی چھوڑیے، ہندوستان، چین، روس جیسے لق و دق کسی ایک ہی ملک کے ایک گوشہ کو دوسرے گوشہ سے جوڑے رکھنے کی صورت تھی؟ —— اسوقت تو حالات تکوینی کے لحاظ سے بھی تقاضا تھا حکمت تشریعی کا، کہ پیام اور پیامبری کو محدود رکھا جاتا چھوٹے چھوٹے خطوں، مختصر علاقوں کے اندر۔ اور یہی ہوا۔

لیکن رفتہ رفتہ اسی دنیا کے موسم نے پلٹا کھایا۔ مشینی دور کا آغاز ہوا۔ اور اس نے گویا ملکوں اور اقلیموں کی طنابیں کھینچ کر رکھ دیں۔ فاصلہ کا لفظ اب بے معنی ہو گیا، اور کوئی مقام پرانے معیار سے اب کہنا چاہیے کہ کہیں سے دور نہیں رہا۔ پہلے باقاعدہ سڑکیں بننا شروع ہوئیں، تیز رفتار گھوڑوں، سانڈنیوں کی نسلیں پرورش پانے لگیں۔ ڈاک اور ہرکارے کے تصور سے دماغ آشنا ہونے لگے۔ نئی نئی سواریاں، بگھیوں، ٹمٹموں، شکرم گاڑیوں کے نام سے وجود میں آنے لگیں۔ پھر اسی خشک زمین پر ریل کی پٹریاں بچھنے لگیں۔ پہلے دخانی، اور پھر برقی قوتوں کے قابو میں آجانے سے ریل، لاری، ٹریم، موٹر سائیکل، خدا جانے کتنی اور کیسی کیسی صبا رفتار سواریاں وجود میں آگئیں۔ ادھر ڈونگیاں کشتیوں نے پہلے بادبانی اور پھر دخانی جہازوں کی شکلیں اختیار کرنا شروع کیں۔ اور بڑے بڑے عظیم الشان جہاز سمندر کا جگر چیر چیر کر رکھنے لگے۔ مشرق کے میوے مغرب کی منڈیوں میں ڈھیر ہونے لگے، اور شمال کے میوے جنوب میں بکنے لگے۔ ڈاک نے سیکڑوں میل پر رہنے والوں کی خیریت دنوں بلکہ گھنٹوں میں سنا دی۔ تار نے ہزاروں میل کی خبر منٹوں میں منگا دی۔ ٹیلیفون نے جنوب کے ڈانڈے شمال سے ملا دیے، اور ریڈیو نے مشرق کی آواز مغرب میں پہونچا دی۔ غرض اب ہر ملک کھنچ کر دوسرے سے اتنا قریب آگیا کہ گویا ایک بڑے شہر کے دو محلے ہیں۔ دنیا کا رقبہ گویا سمٹ گیا۔ کرہ کا قطر گویا سکڑ گیا۔ پریس کی ایجاد نے کتابوں، رسالوں، اخباروں کی بھرمار نے، سینما کی گرم بازاری نے، ریڈیو کی محفل آرائی نے، ایک نئی قسم کی وحدت میں گوروں اور کالوں کو، زنگیوں اور فرنگیوں کو، حبشیوں اور تاتاریوں کو جکڑ دیا۔ جو بچھڑے ہوئے تھے، مل گئے۔ جو بکھرے ہوئے تھے، جڑ گئے۔ ایک نئی قسم کی یگانگی کی لہریں یہاں سے وہاں تک دوڑ گئیں۔ انسانیت کی مستقل تقسیم اب ملکوں اور قوموں کی ٹکڑیوں ٹولیوں میں باقی نہیں رہی، نسل انسانی ایک ہی قبیلہ، ایک ہی خاندان بن گئی۔ مختلف ملکوں کیا!

حکمت کاملہ کا عین تقاضا اس دور کے لیے یہی تھا کہ پیام مختلف قوموں، قبیلوں کے بجائے اب صرف ایک آئے، سارے عالم انسانی

[1] بلکہ اُس وقت کی بعض ترقی یافتہ قوموں نے تو اس علیحدگی اور کنارہ کشی میں غلو و مبالغہ سے کام لیکر اپنے افراد کے لیے باہر کا سمندری سفر حرام کر دیا تھا، مثلاً اہل ہند نے۔

کے لیے۔ اور پیمبری دعوت کی مخاطب اب نہ قوم عرب ہو نہ قوم عجم نہ بنی اسرائیل نہ بنی اسمٰعیل، بلکہ ساری نسل آدم ہو! قدرت کے انتظامات گرمی کے زمانہ میں کچھ اور رہتے ہیں سردی کے وقت کچھ اور۔ بہار کی رت میں کچھ اور خزاں کی فصل میں کچھ اور۔ نظام تکوینی کا بندوبست، موسم کی ہر گردش کے ساتھ، آفتاب یا زمین کے ہر چکر کے ساتھ خود بھی بدلتا رہتا ہے —— عالم اور اہل عالم کے ناموں کے اتنے عظیم الشان انقلاب کے بعد لازمی تھا کہ طریق پیام و پیامبری بدلے، اور تشریعی دعوت اس تکوینی نظام نو سے مطابقت اختیار کرے! گویا وہی قانون حکمت جسکا تقاضا تھا مدت دراز تک ہزارہا سال تک یہ رہا کہ نبوت، نسلی، قومی، ملکی ہو اُسی کے ٹھیک رہی قانون حکمت کے ماتحت یہ لازمی ہو گیا۔ کہ جو پیمبری ہو عالمگیر ہو۔ اور اب جو کتاب اور جو پیام آسکے، وہ نوع انسان کے کسی جزو کے لیے نہیں نوع انسان کے لیے ہو!

لیکن قدرت کے نظام تکوینی کا ایک دستور یہ بھی ہے کہ اصل ضرورت کے پیش آنے اور محسوس ہونے سے قبل ہی اسکے متعلق انتظامات ہر طرح کے ہو جاتے ہیں۔ پیاسا انسان بعد کو پیدا ہوا۔ بہتے ہوئے دریا، اُبلتے ہوئے چشمے اُسکی پیاس بجھانے کو مدتوں قبل سے وجود میں آ چکے تھے۔ دیکھنے والی آنکھ بعد کو کھلی، روشنی پیدا کرنے والی، روشنی پھیلانے والی کرنیں بہت قبل سے اندھیرے کو اُجالا بنانے ہوئے تھیں۔ دوڑنے کی مشق انسانی ٹانگوں نے بہت بعد کو کی، پیشوائی کے لیے کھلے ہوئے میدان مدتوں قبل سے حاضر تھے۔ انسان کے پتلے کے لیے مٹی کا خمیر بھی ابھی تیار نہیں ہوا تھا کہ سورج اور چاند، ہوا اور ستارے، دریا اور پہاڑ، چرند پرند سب اُسکی خدمت کے لیے مستعد اور کمربستہ، خلعت وجود سے مشرف، خدا معلوم کتنی صدیوں اور کتنے قرنوں قبل سے ہو چکے تھے!

مخلوق کی ضرورتوں کا اندازہ داں خالق سے بڑھ کر، اور مظاہر فطرت کے لیے وقت و ساعت کا مصلحت شناس فاطر کائنات سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے؟ ریل اور تار کی ایجاد میں ابھی صدیوں کا عرصہ باقی تھا، ٹیلیفون اور ریڈیو کے خوابوں سے بھی ابھی بشر کا دماغ بیگانہ تھا، چین اور عرب ابھی اپنے درمیان بُعد المشرقین ہی سمجھ رہے تھے کہ ندا کرنے والے نے پکار دیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ وقت آ گیا اے آدم کے فرزندو، خدائی پروگرام میں کہ تمہیں ایک کامل و مکمل دین، ہر ضرورت کے لیے کافی اور ہر احوال کے مطابق دیدیا جائے، چنانچہ دیا جا رہا ہے۔ اور تم سب کے ہاتھ میں بلا امتیاز رنگ و نسل، بلا تفریق حال و مستقبل، ایک نظام نامہ پہنچایا جا رہا ہے، زندگی کے ہر شعبہ، ہر پہلو سے متعلق جامع، مکمل، ہمہ گیر اور ناقابل نسخ و تبدیل! ہر آب و ہوا کے لیے ہر طول البلد کے لیے، ہر عرض البلد کے لیے۔ یہ قائم رہیگا قیامت تک، اور اسی چشمہ ہدایت سے استفادہ کرتے رہینگے، غلام و آزاد، شہری و دیہاتی، مشرقی اور مغربی، گورے اور کالے! —— الیوم والی آیت بڑے دعوے کا اعلان ہے۔ انسان کی بنیادی وحدت کا اعلان ہے اور اُس وقت جبکہ یہ حقیقت مخفی تھی۔ وقت کے بڑے بڑے مفکروں، فلسفیوں، حکیموں، سب کی نظر سے۔

قرآن والوں کو اس سے جھجکنا نہیں اس پر فخر کرنا چاہیے۔ اور داد دینا چاہیے اُس یہودی کی حقیقت سنجی کو، جو آیت کو سُن کر بول اٹھا تھا کہ کہیں ہماری کتاب میں ایسی آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم تو اُس دن کو یوم عید، یوم جشن بنا لیتے!

مراسلہ

تنقید پر تنقید

السلام علیکم۔ کچھ عرصہ سے صدق میں "تنقید مضمون حقوق الزوجین" شائع ہو رہا ہے۔ آخری پیش نظر پرچہ میں اسکا پانچواں نمبر سامنے ہے۔ مگر اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو تنقید مودودی صاحب کے مضمون پر کرنا ہے یا کہ خود اُنکی ذات پر، کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی مضمون (مراد مذہبی مسائل سے ہے) پر تنقید کرتے وقت لازم ہے کہ مضمون کے اقتباسات درج کر کے اُن پر بحث کی جاوے۔ اُنکے غلط یا درست ہونے کے متعلق راے قائم کر کے اسکو دلائل سے ثابت کیا جاوے۔ اور دلائل بھی خانہ زاد نہ ہوں بلکہ قرآن پاک، حدیث نبوی و اقوال و اعمال سلف صالحین سے اخذ کردہ ہوں۔ مگر جو انوکھا طریقہ ان مولوی صاحب نے اختیار کیا ہے اُس سے کیا حاصل۔
چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح مضمون نگار نے قرآن و حدیث سے مثالیں دیکر مسائل کو پیش کیا ہے اُسی طرح مولوی صاحب موصوف بھی قرآن و حدیث سے مثالیں دے کر مسائل کو پیش کیا ہے اُسی طرح مولوی صاحب موصوف بھی قرآن و حدیث سے احکام لے کر جو تفسیر و تعبیر اول الذکر نے کی ہے اُسکو غلط ثابت فرماتے اور درست کو نادرست سے ممیز کرتے لیکن یہاں تو مقصود کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ اور تو اور تنقید کی رد اب مودودی صاحب سے گذر کر حضرت شاہ ولی اللہؒ تک جا پہنچی ہے۔ میرا کہنا یہ نہیں ہے کہ مودودی صاحب یا حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات تنقید سے بری ہے، لیکن ان ذاتی عقائد کو "تنقید مضمون حقوق الزوجین" کے ذیل میں لانا آپ ہی فرما دیں کہ کہاں تک درست ہے۔ کسی قول کو یہ کہکر رد نہیں کیا جا سکتا کہ اسکے قائل میں فلاں فلاں عیب ہے بلکہ اُس قول کی نامعقولیت کو دلائل سے ثابت کرنے سے ہی اصل مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی منکر خدا کو یہ کہکر خاموش نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دہریت پسند خرابی ہے یا اسی قسم کا کوئی اور اعتقادی یا اخلاقی عیب اس میں ہے، بلکہ خدا کی ہستی کے ثبوت وشواہد پیش کر کے ہی اسکی زبان بند کی جا سکتی ہے۔

طالب دعا، احقر رشید احمد میر عفی عنہ مقیم بنگلور

صدق۔ صاحب تنقید کو شروع ہی میں اس طرز تنقید پر توجہ دلائی گئی تھی۔ مگر اُنھوں نے ارشاد فرمایا کہ جزئیات کو لیکر ان پر گفتگو کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ مودودی صاحب کا منصب اجتہاد، مثلاً تسلیم کر لیا گیا۔ [illegible] میں وہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اُن میں سرے سے منصب کی اہلیت ہی [illegible] (اور کلا ثانی) بہر حال اب مراسلہ کا [illegible] تھوڑے ہی صبر سے [illegible]

گداگری اور اسکی شرعی حیثیت

(از مولوی محمد علی صاحب ایجرا جامعہ عثمانیہ)

ہمارے آبادی میں گداگروں کے غول سے ہم حیدرآبادیوں کو ملک کی طرح شہر میں بھی اتفاق ہو رہا ہے اسکے انسداد کا احساس تھا لیکن اس کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے کوئی ٹھوس عملی شکل اختیار نہیں کی گئی تھی۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقع پر عالیجناب مولوی سید عبدالعزیز صاحب صدر المہام عدالت و امور مذہبی کے شکر گزار نہ ہوں جنھوں نے اپنی عدالت و قابلیت اور حسن تدبیر سے اس گتھی کو سلجھا دیا - انسداد کی تدابیر کے سلسلہ میں جو لائحہ عمل مرتب فرمایا ہے وہ کچھ ایسا پسندیدہ ہے جس پر عملدرآمد کرنے پر سارا ملک آمادہ دکھائی دیتا ہے - خدا چاہے وہ دن دور نہیں کہ عذاب کی یہ شکل جو عرصہ سے ہم پر مسلط ہے آسانی سے دور ہو جائے۔ اس سلسلہ میں بعض چند پڑھے لکھے حضرات سے گفتگو میں شرکت کا موقع ملا مجھے "معلوم" ہوا کہ بعض حضرات کی بحثوں کا رخ کچھ تو بیا سا ہے - قرآن و حدیث سے جو شبہات پیدا کیے گئے تھے وہ درحقیقت تصور صحیح پر مبنی نہ تھے نیتوں میں گو خلوص اور صداقت تھی لیکن فہم مسائل میں کچھ لغزشیں ہو رہی تھیں۔

(۱) کسی کا خیال تھا کہ قرآن عزیز میں تصریح ہے کہ "وفی اموالہم حق للسائل والمحروم" انسداد گداگری سے انکا یہ حق آزادی زائل ہو جائیگا۔

(۲) کسی نے ابوداؤد شریف کی یہ روایت سنائی کہ "للسائل حق وان جاء علی فرس" یعنی اس گداگر کا بھی ہمارے مال میں حصہ ہے جو بظاہر غنی معلوم ہوتا ہے - انسداد گداگری کی صورت میں اسکو اسکے جائز حق سے محروم کر دینا ہے۔

(۳) کسی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے بعض کے بعض فرقے اپنے بھیک مانگنے کو حسن عمل اور عبادت تصور رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو قانون پاس ہوا ہے اسکے نفاذ سے ایک نوع کی مداخلت فی الدین ہوگی۔

(۴) کچھ یہ بھی سننے میں آیا کہ قرآن پاک کی یہ آیت "واما السائل فلا تنہر" میں فقیر کو کچھ نہ کچھ دینے کی طرف اشارہ ہے اور اس امر کی تصریح ہے کہ اسکو ڈانٹنا نہ چاہیے - جبکہ زجر و توبیخ سے روکا گیا تو ایسی صورت میں اسکے لیے ابتدائی حالات میں چھ ماہ کی سزائے قید کب روا ہو سکتی ہے۔

ان شبہات پر غور کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول غنی اور فقیر، مسکین اور سائل کے معانی اور مطالب کا تعین اسلامی نقطۂ نظر سے کر دیا جائے تاکہ قرآن اور احادیث کی مراد اور انکے مفاہیم سمجھنے میں کوئی الجھاؤ نہ پیدا ہو۔

غنی: بحر الرائق اور محیط میں غنی کے اقسام بیان کیے گئے ہیں - جن میں ایک قسم غنی کی یہ بھی ہے کہ جس کے پاس ایک دن کی روزی کا سامان اور بقدر ستر عورت کپڑا ہو - اور وہ بھی غنی ہے جو ایک دن کی روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہو - ایسا شخص اسلام کی نظر میں غنی سمجھا جائیگا اور اس پر سوال کرنا حرام ہوگا۔ (شرح نقایہ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے غنی کی یہ حد بیان کی ہے جسکے پاس پچاس درہم کے بقدر مال ہو (جسکے کم و بیش بارہ روپئے ہوتے ہیں) یہ دونوں قسم کی ہیں جو اختلاف احوال پر محمول ہیں - امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تطبیق دی ہے کہ قوت یوم ولیلۃ والی روایت حق میں مجرد اور منفرد کے ہے اور پچاس درہم والی روایت صاحب عیال کے بارے میں ہے۔

فقیر: "والفقیر من لہ ادنی شئی" (ہدایہ) یعنی فقیر کا شمار اس حد تک متصور ہوگا جب تک وہ مذکورہ بالا غنی کی حد کو نہ پہونچے۔

مسکین: "والمسکین من لاشئی لہ" (ہدایہ) یعنی جسکے پاس کچھ نہ ہو۔

یہی طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور یہی مذہب اصحاب لغت میں سے اخفش اور فراء کا ہے - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ابو اسحق مروزی بھی اسی کے قائل ہیں۔

سائل: غنی کی ضد ہے جسکا اطلاق حقیقی حاجتمند پر آتا ہے - غنی کا مصداق متعین ہو جانے کے بعد "سائل" کے مفہوم اور معنی کی خود بخود تعیین ہو جاتی ہے - ان اجزاء معانی کے ذہن نشین کرنے کے بعد سوچنے اور سمجھنے کی یہ بات ہے کہ اسلام جو نوع انسانی کا بیحد احترام کرتا ہے اور جس نے اسکو خودداری کی تعلیم دی اور عزت نفس کے سبق پڑھائے اسکے مفہوم سے وہ سارے طریقے خارج ہیں جن سے عزت نفس کو ٹھیس لگے اور نفس انسانی کی تحقیر اور تذلیل لازم آئے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات زیبا نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل و خوار کرے - سوال کرنا ذلت بتایا گیا - صحابہ کرام سوال کرنے کو اس درجہ معیوب خیال فرماتے تھے کہ اگر راہ میں انکا کوڑا گر جاتا تھا تو خود سواری سے اتر کر اسکو اٹھا لیتے تھے کسی راہرو سے اٹھا کر دینے کی خواہش کا اظہار سوال کا ہم معنی سمجھتے تھے - آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص باوجود غنی ہونے کے سوال کرے وہ روز قیامت اس طرح پیش ہوگا کہ اسکا منہ چھلا ہوا ہوگا - آپ نے یہ بھی بتایا کہ وہ شخص مسکین نہیں جو در بدر ایک ایک دو دو لقمے مانگتا پھرتا ہے - شرح نقایہ میں ہے کہ "ولو کان الفقیر مکتسباً قویاً لایحل لہ السوال" یعنی جو تنومند قوی اور جثہ کے اعتبار سے توانا و تندرست ہو اسکے لیے بھیک مانگنا جائز نہیں - بھیک مانگنے کی مذمت اور برائی میں ایک دو نہیں دس پانچ نہیں بکثرت احادیث مروی ہیں - کیا اسکے بعد یہ تصور کیا جا سکتا ہے اسلام نے گداگری کو جائز رکھا - کیا یہ پیشہ ور گداگر فقیر یا مسکین یا سائل کی تعریف میں آ سکتے ہیں انکا حال کم و بیش سب ہی کو معلوم ہے کہ جنکی گودڑیوں میں اغنیا کا استر لگا ہوتا ہے ایسے گداگروں کو دینا ثواب نہیں معصیت ہے اور جو لوگ انکی مدد کرتے ہیں وہ بجائے نیکی کے جرم شرعی کے مرتکب ہو رہے ہیں - ایسے ہی سائلوں کی بابت الاشباہ والنظائر میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "ان السائل والمعطی آثمان وانما اثم المعطی فلکونہ معینا علی الحرام" (... الشدی) جن احادیث و آیات سے سائلوں کو دینے کی ترغیب

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(از مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

(۶)

اس بات کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خوب سمجھا تھا - اسی وجہ سے انہوں نے تقلید شخصی کو ترک کرنا پسند نہیں فرمایا - اس تفصیل سے حضرت شاہ صاحب اور مودودی صاحب کے دونوں میں فرق بھی معلوم ہو گیا - اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب کی خود مودودی صاحب [illegible] اور انکے اجتہاد اور انکے حقوق الزوجین کے متعلق [illegible] خیالات ہیں۔

[illegible] آفتاب کے حال سے آفتاب کے حال پر استدلال تھا، اب براہ راست آفتاب کی حالت دکھائی جاتی ہے [illegible] جب قدر کسی صاحب علم کے کلام پر تبصرہ آسان ہے اسی قدر کسی بے علم کے کلام پر تبصرہ مشکل ہے - کیونکہ صاحب علم اگر کوئی غلطی کریگا تو اس کی غلطی بھی کسی اصول کے ماتحت ہوگی - جب اس اصول کی غلطی بتلا دی جائیگی مقصد حاصل ہو جائیگا - لیکن بے علم کی غلطیوں کا کوئی اصول ہی نہیں ہوتا، اس لیے ان پر تبصرہ نہایت دشوار ہوتا ہے پھر جبکہ بے علمی کے ساتھ غرض بھی شامل ہو جاتی ہے تب تو یہ دشواری اور بھی بڑھ جاتی ہے - کیونکہ آپ نے سنا ہوگا صاحب الغرض مجنونٌ اور ہر شخص جان سکتا ہے کہ کسی مجنونانہ گفتگو پر تنقید کسقدر کٹھن اور دشوار ہے - حقوق الزوجین میں چونکہ یہ دونوں باتیں جمع ہو گئی ہیں، اس لیے اس پر تبصرہ میں جسقدر دشواری ہم کو پیش آ رہی ہے اسکا اندازہ خود ہمیں کو ہو سکتا ہے - لیکن زمانہ کی حالت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس زحمت کو گوارا کیا جائے اور جس طرح بھی ہو سکے اور جسقدر بھی ممکن ہو اس پر تبصرہ کیا جائے - اس لیے کیا جاتا ہے - اسکی مفصل حالت تو اس پر تفصیلی تبصرہ سے معلوم ہو سکتی ہے - مگر مختصراً اتنا کہا جاتا ہے - کہ اس میں مسلمانوں کی گمراہی کا اسقدر سوا د جمع کر دیا گیا ہے کہ اسکے ذریعہ سے تمام دین کو درہم برہم کیا جا سکتا ہے - اب ہم اپنے اس دعوے کو چند مثالوں کے ذریعے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) وہ کہتے ہیں کہ مسائل فقہیہ میں اختلاف مسلک نہ گمراہی ہے نہ فساد فی الدین - گو یہ انکی غلط فہمی ہے - انہوں نے کسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھ لیا ہے اور بغیر اسکو سمجھے ہوئے رٹنا شروع کر دیا ہے - لیکن اگر تھوڑی دیر کے لیے اسکو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اسکا مقتضا یہ ہے کہ کسی فقہی مسئلہ میں کوئی خاص مسلک رکھنے والے کسی شخص پر کوئی اعتراض نہ کیا جاوے - لیکن جب انکی کتاب حقوق الزوجین کو دیکھا جاتا ہے تو وہ تمام کی تمام انھیں حضرات پر ناروا حملوں سے بھری ہوئی ہے - جو مسائل فقہیہ میں انکے خلاف مسلک رکھتے ہیں۔

تابعین پر حملوں کی نوعیت بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ اس قدر سخت کہ انکے تصور سے بھی بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے - اب یہ کس قدر بے اصولی ہے کہ جس چیز کو اصولی طور پر صحیح مان لیا جاتا ہے اسی کی صحت سے انکار کر دیا جاتا ہے اور جس چیز کو اپنے لیے گمراہی اور فساد فی الدین نہیں سمجھا جاتا ہے - اب ہم کو کوئی تبلائے کہ اسکا نتیجہ اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جو شخص دین کو تباہ کرنا چاہتا ہے وہ مودودی صاحب کی اس بے اصولی کو اصول بنا کر اپنے لیے مسائل فقہیہ میں ہر قسم کے اختلاف کی گنجائش پیدا کرے - اور اپنے مخالفین کو گمراہ اور مفسد قرار دیدے اگر وہ چاہے تو نماز - روزہ حج اور زکوۃ کی فرضیت کا منکر ہو جائے اور اگر وہ چاہے تو زنا شراب خواری اور دوسرے محرمات کی حرمت کا انکار کر دے اور یہ کہے کہ یہ مسائل فقہیہ ہیں اور مودودی صاحب فرما چکے ہیں کہ مسائل فقہیہ میں انکے مخالف رہے - کہتے تھے - گمراہ اور گمراہ کن قرار دیا ہے - اس لیے مجھے بھی حق ہے کہ میں ان تمام مسلمانوں کو جو فرضیت نماز روزہ وغیرہ اور حرمت زنا و شراب وغیرہ کے قائل ہیں گمراہ اور گمراہ کن قرار دوں - الغرض یہ غلط اصول اسقدر خطرناک ہے کہ اس سے تمام دین کو برباد کیا جا سکتا ہے - اب ہم یہ تبلاتے ہیں کہ جہاں کسی نے کسی مقام پر یہ فقرہ استعمال کیا ہے اسکا کیا مطلب ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مسائل فقہیہ میں مجتہدین کا اختلاف باہمی گمراہی اور فساد فی الدین نہیں اور اسکی بنا پر ان میں سے کسی کو گمراہ نہیں کیا جا سکتا - کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کونسا مسئلہ قابل اختلاف ہے اور کونسا قابل اختلاف نہیں ہے - اس لیے وہ اسی میں اختلاف کریں گے - جس میں وہ اختلاف کی گنجائش دیکھیں گے - اور جس میں وہ گنجائش نہ دیکھیں گے - اس میں اختلاف ہی نہ کریں گے - اسکا یہ مطلب نہیں کہ فقہ کے کسی مسئلہ میں بھی خواہ وہ قطعی ہو یا ظنی کسی شخص کا اختلاف خواہ وہ اختلاف کا اہل ہو یا غیر اہل گمراہی نہیں - لیکن مودودی صاحب نے اسکو غلط معنی پہنا کر اپنے لیے اختلاف کی گنجائش نکال لی - پھر ان غلط معنی پر بھی قائم نہ رہے - اور اپنے مسلم اصول کے خلاف مجتہدین کے مسائل پر گمراہی کا حکم لگا کر انکے تخریب کے درپے ہو گئے - اسکی وجہ سوا بے علمی کے اور ہوا پرستی کے اور کوئی نہیں ہو سکتی -

(۲) مودودی صاحب فرماتے ہیں - قانون میں سب سے اہم چیز اسکا مقصد ہے - مقصد ہی کو پورا کرنے کے لیے اصول مقرر کیے جاتے ہیں - اور ان اصول کے ماتحت احکام دیے جاتے ہیں - اگر کوئی مقصد کو سمجھے بغیر احکام نافذ کریگا تو بہت ممکن ہے کہ کسی جزئی مسئلہ میں وہ ایسا حکم نافذ کر دے جس سے قانون کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے - اسی طرح جو قانون کے مقصد سے واقف نہ ہوگا وہ قانون کی صحیح اسپرٹ کے مطابق اتباع نہ کر سکیگا - لہذا ہم پہلے اُن مقاصد کی تشریح کرینگے جنکے لیے اسلام میں ازدواجی معاملات کے لیے قانون مقرر کیا گیا ہے -　　(باقی آئندہ)

نمبر ۹ | دوشنبہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

پروفیسر وائز مین (Weizmann) کا نام آپ نے سنا ہے؟ سنا ہو یا نہ سنا ہو، بہرحال اپنی چشم تصور کو ۲۵-۲۶ سال قبل کی طرف پھیر دیجئے ۔۔۔ دور پہلی جنگ عظیم کے عذاب الیم میں گزر رہا ہے۔ لڑائی بگڑی جا رہی ہے۔ اور برطانیہ مع اپنے اتحادیوں کے بُری طرح گھِرتا جا رہا ہے۔ جنگ اسوقت دراصل انسان کی انسان سے نہیں، بلکہ سائنس کی سائنس سے ہے۔ جرمنی اپنی سائنسی ایجادات میں شہرۂ آفاق، انھیں تدبیروں سے اپنے حریفوں پر غلبہ پاتا جا رہا ہے۔ اسے زیر کرنے کی کوئی تدبیر بجز اسکے نہیں، کہ اسی میدان میں اُسے نیچا دکھایا جائے۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں کیمسٹری کے اُستاد پروفیسر وائزمین ہیں۔ لائڈ جارج وزیر اعظم اور دوسرے وزراے سلطنت اُنھیں کا دامن پکڑتے ہیں۔ وہ ایجاد ایک نئی چیز کرتے ہیں۔ لکڑی سے الکحل تیار کرتے ہیں۔ اصطلاحی زبان میں اسکا نام Acetone ہے۔ ایک خاص قسم کا سرکہ یا ماء تعفینی مادہ!

نئی ایجاد لڑائی کا رُخ پلٹ دیتی ہے۔ جو بڑھ رہا تھا وہ دبنے لگتا ہے، جو غالب تھا، مغلوب نظر آنے لگتا ہے۔ لڑائی ابھی فتح نہیں ہوتی، لیکن اتحادیوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں، اور فتح انھیں یقینی نظر آنے لگتی ہے۔ پُرانے بادشاہ جب کسی پر مہربان ہوتے تھے، تو اُس سے پوچھتے تھے "مانگ، کیا مانگتا ہے"؟ اور جو انعام وہ مانگتا، اُس سے اُسے مالامال کر دیا کرتے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم نے بھی سرخوشی کے عالم میں Acetone کے موجد سے پوچھا، "مانگ، کیا مانگتا ہے"۔ — وائزمین جواب دیتا ہے کہ "انعام اپنی ذات کے لیے نہیں، اپنی قوم کے لیے چاہتا ہوں۔ میری قوم آوارہ و بے وطن ہے، خدا کی سرزمین پر خانہ بدوش ہے۔ اُسے رہنے کا وطن، ٹکنے کو سرزمین عطا ہو"۔ — وائزمین نسباً یہودی، نسلاً اسرائیلی تھا۔ وطن اپنی قوم کے لیے طلب کیا۔ — درخواست کے قبول ہونے میں دیر کیا تھی۔ تحریک صہیونیت میں جان پڑ گئی۔ فلسطین "وطن الیہود" قرار پا گیا۔ — ۱۹۱۷ء کی کوئی تاریخ تھی، کہ برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ بالفر کی زبان سے وہ تاریخی اعلان شائع ہو گیا، جو تاریخ میں اعلان بالفر کے نام سے مشہور ہے۔

دنیا بھر کے بچھڑے بکھرے ہوئے یہود اب جوق جوق فلسطین کی طرف رُخ کرنے لگے۔ اور اپنی دولت کے زور سے عربوں سے بڑی بڑی زمینیں خریدنے لگے۔ اُن میں رہنے بسنے لگے۔ اور عربوں کی جان پر طرح طرح کے ستم ٹوٹنے لگے۔ کہاں یہود کی آبادی پوری ایک لاکھ کی بھی نہ تھی، کہاں اب پانچ لاکھ تک پہونچ گئی! — چھوڑیے اس سارے سیاسی قصہ کو۔ کام کی بات ہمارے آپ کے لیے صرف اُس یہودی فرد کا ایثار ہے۔ اپنی قوم و ملت کے لیے اپنے آپ کو کس طرح مٹایا، اپنی ذات کو کس طرح دبایا، اپنی قوم کو کس طرح بڑھایا، چمکایا۔ اپنی ملت کی فلاح کو کس طرح مقدم رکھا! ایسے ایسے فرد جس قوم میں پڑے ہوں، حیرت کیوں کیجیے، کہ وہ ترقی کر رہی ہے، اقبالمندی سے بہرہ ور ہو رہی ہے؟ اور جو قوم ایسے ایسے افراد کے وجود سے خالی ہو، حیرت کیوں کیجیے، کہ دنیا کے ہر معرکہ میں ہار رہی ہے، پِٹ رہی ہے، اور تنزل و ادبار کے غار میں گرتی جا رہی ہے!

نئی دنیا کا آمد و خرچ

نیویارک (امریکہ) میں ایک ٹرسٹ ایسا ہے، جہاں دس دس ہزار پونڈ (دو دیہہ نہیں پونڈ) سالانہ آمدنی رکھنے والوں کا

شمار غریبوں مفلسوں میں ہوتا ہے!

اسی سڑک پر کوئی چار ہزار گھر گھرانے ایسے ہیں جنکے مجموعی مصارف ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ تک پہونچتے ہیں!

اس اجمال کی چند تفصیلی مدیں ملاحظہ ہوں:—

۳½ ہزار پونڈ	روزانہ	پھولوں پر ۔
۴۵ ہزار پونڈ	روزانہ	زنانہ پوشاک پر ۔ (سموری لباس کے علاوہ)
۳۲½ لاکھ پونڈ	سالانہ	نئی نئی وضع کی ٹوپیوں پر
۸ لاکھ پونڈ	سالانہ	حسن افزا دواؤں اور سامان پر
۱۰ لاکھ پونڈ	سالانہ	تھیٹر وغیرہ کھیل تماشہ پر
۳۰ لاکھ پونڈ	سالانہ	شراب پر ۔
۳۰ لاکھ پونڈ	سالانہ	سیر و سفر پر ۔

سی، ای، ام، جوڈ (Joad) وقت کے مشہور برطانوی مفکر ہیں، اعداد و معلومات بالا انھیں کی تازہ کتاب دیو جانس Diogenes or the Future of Leisure صفحہ ۱۵ سے ماخوذ ہیں ۔ — آپ کہینگے کہ قانون اور قانون والوں نے اسراف کے رستے کیسے کیسے نکالے ہیں! لیکن اسے بھی تو پیش نظر رکھیے، کہ آمدنی کے ذریعہ کون سے صاف، طاہر، حلال اور پاک تھے! جو مال ٹھیک حرام کے راستوں سے آئے، اسکی نکاسی بھی بجز حرام کے دروازوں کے اور کدھر سے ہو سکتی ہے!

مذہب کی ناگزیری

برطانوی مفکر سی، ای، جوڈ اور انکی تازہ کتاب کا ذکر ابھی اوپر کے نوٹ میں آچکا ہے ۔ اس کتاب میں ذرا آگے بڑھ کر کہتے ہیں:—

"..... اس پر حیرت نہ کرنا چاہیے کہ حصول مسرت کے یہ طریقے پوری طرح کامیاب نہیں ہوتے ۔ نوع انسانی بہ حیثیت مجموعی ابھی ارتقاء کی اس منزل پر پہونچی بھی نہیں ہے کہ بالکل اپنی ذمہ داری پر خیال اور عمل کر کے مصیبت میں پڑنے سے بچی رہے"

(ص۱۸۱)

برطانوی مفکر جس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کر رہا ہے، مذہب نے اسکو اپنی زبان میں یوں ادا کیا ہے: وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً ۔ انسان کا علم ہی کتنا؟ وہ بیچارہ اس قابل ہے کہاں کہ اپنا فلسفۂ حیات اپنا نظام زندگی آپ مرتب کر سکے؟ جب کبھی کریگا، قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیگا، ایک فساد کو روکیگا، دس فساد اور کھڑے ہو جائینگے ۔ امن و فلاح کی راہ صرف یہ ہے کہ جہاں تک قوانین و شرائع اور کلی ضابطوں کا تعلق ہے، اپنے کو تمامتر وحی الٰہی کے، "عقل برتر" کے سپرد کر دے!

عورت کے نادان دوست

تعدد ز دجات ایک اہم قومی مسئلہ ہے جسکے رواج کے متعلق مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے ۔ چالیس سال قبل مصر میں بھی عورتوں کے حقوق اور ناموس کے متعلق ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تھی ۔ تجدد نوازی اور قدامت پسندی میں تصادم نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی تھی ۔ خوش قسمتی سے مصر میں ایک روشن خیال عالم علامہ قاسم امین نے اس مسئلہ کو قومی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، اور اپنی زندگی عورتوں کے حقوق کی حمایت میں صرف کر کے مصری قوم کو ایک خطرۂ عظیم سے بچا لیا ۔ آج ہم علامہ قاسم امین کی رسالہ تعدد ازدواج کے متعلق اس اشاعت میں درج کرتے ہیں۔" (سرگذشت، علیگڈھ، ۸۔ جون ۳۶ء)

لیکن یہ "ایک اہم قومی مسئلہ" جسکے رواج کے متعلق مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے" تنہا تعدد ازدواج ہی کیوں؟ قربانی، غلامی، معجزات انبیاء، مرد کی حاکمیت، تقسیم ترکہ، جہاد، طلاق، حجاب، وغیرہ غرض وہ تو بہت سے اسلامی مسئلے ہیں جن پر "صاحب" نے ہندوستان میں قدم رکھتے ہی مضحکہ کیا تھا، وہ سبھی تو "سنجیدگی کے ساتھ قابل غور" ہو گئے ہیں! اور انکی تعداد یقیناً ایک یا دو نہیں، فہرست خاصی طویل ہے!

اور ان پر "نظر ثانی" کی تاریخ کا آغاز چالیس! پینتالیس! پچاس سال قبل کیوں؟ تعیین کے ساتھ کہیے، صاف لفظوں میں یہ کیوں نہ فرما دیجیے کہ بس اسی دن سے، جب سے مشرق کی روح اور عقل پر فرانس و انگلستان کا قبضہ ہوا!

جان سپرد ڈاکٹر، مال سپرد آنجناب

عقل سپرد ماسٹر، روح سپرد وارڈن!

"خوش قسمتی سے مصر کے ایک روشن خیال عالم علامہ قاسم امین نے اس مسئلہ کو قومی نقطۂ نگاہ سے دیکھا" ۔ یہ مصر کے "روشن خیال" "عالم" "علامہ" کس فن میں یہ تھے؟ فقہ میں، حدیث میں، علوم قرآنی میں؟ جانے دیجیے علوم اسلامیہ کو، علوم حاضرہ میں کس فن میں انھیں تبحر حاصل تھا؟ فلسفہ میں، منطق میں، سائنس کی کسی شاخ میں؟ انکی "علامیت" کی کل کائنات تو یہی اتنا "روشن خیال" رسالہ "تحریر المرأة" جسکا اردو ترجمہ بھی علیگڈھ ہی سے ایک زمانہ میں شائع ہوا تھا؟ اور اس رسالہ کے بھی پرزے پرزے کر کے مصر ہی کے دوسرے اور ان سے کہیں مشہور تر عالم فرید وجدی بک نے المرأة المسلمہ میں رکھ دیے تھے! یہ رسالہ بھی اردو دنیا مولانا ابو الکلام آزاد کے قلم کی وساطت سے، وکیل بک ایجنسی (امرتسر) ذریعہ سے منتقل ہو چکا ہے — اگر مسئلہ پر حکم (Authority) کی حیثیت ہر مصری "روشن خیال" اہل قلم رکھ سکتا ہے، تو آخر ادارے مد ی "روشن خیالوں" نے کیا قصور کیا ہے؟ اور فیصلۂ ناطق صادر کرنے کے لیے ہماری زبان کے ایک مرحوم ادیب سید سجاد حیدر یلدرم کیا برے تھے؟

خلط مبحث

صدق کے ایک پچھلے شذرہ کے جواب میں:—

"اس نے نکاح کیا، یا اس نے طلاق دی، یا ایک کو اس نے

بحث "سرد کار" یہ نظریہ اگر صحیح مان لیا جائے تو ہم معزز ایڈیٹر صدق سے دریافت کرتے ہیں کہ ڈاکٹر خان صاحب کی صاحبزادی کی شادی کو آپ نے کیوں اس قابل سمجھا کہ اپنے اخبار صدق کی ۵ - مئی کی اشاعت میں اسکے متعلق اس شدت کے ساتھ رائے ظاہر کی گئی، اور "خان زادی" کے ارتداد کو تشہیر دی گئی۔ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ڈاکٹر خان کی طرح پبلک لائف میں ممتاز درجہ رکھتا ہو تو ضرور پڑتا ہے۔ اور پبلک کو یہ حق حاصل ہے کہ اُسکے کردار کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کرے۔ بجنسہ یہی حالت یونیورسٹی کے ایک "شادی" کی ہے۔" (سرگزشت۔ علیگڈھ ۸، جون ۱۹۴۲ء)

سوال معقول ہے۔ لیکن جواب جو فرض کر لیا گیا، وہ صحیح نہیں۔ اصل فرق اس شذرہ کے عنوان ہی سے ظاہر ہو رہا ہے، یعنی "خان زادی کا ارتداد"۔ محض عملی فسق، خواہ کتنے ہی بڑے شخص سے صادر ہو رہا ہو، عام حالات میں ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اخبارات میں اُسکی اشاعت کی جائے یا زبانوں پر اُسکے چرچے خواہ مخواہ لائے جائیں ——— ہم میں کون ہے جو عملی فسق کی سخت سے سخت صورتوں کا اپنی اپنی جگہ مرتکب نہیں ہوتا رہتا؟ ——— شریعت و عقل دونوں کی ہدایت ایسے موقعوں پر پردہ دری کی نہیں پردہ داری کی ہے۔ لیکن جہاں گناہ محض گناہ نہ ہو، کسی عملی کمزوری کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ اعتقادی گمراہی ہو، قانون اسلام سے غفلت نہیں بلکہ بغاوت کا اعلان ہو، اور ناموس اسلام خطرہ میں پڑ رہی ہو، اور اس کے باعث دین و شریعت میں رخنہ پڑ رہا ہو، وہاں خاموشی گناہ ہو جاتی ہے۔ خان زادی کا جرم، ڈاکٹر خان کی اعانت و شرکت کے ساتھ، اسی آخری قسم کا تھا۔ گناہ محض عنداللہ نہ تھا، جرم ملت اسلامیہ کے خلاف بھی تھا۔ ایسے موقع پر ہر غیرتمند فرزند و دختر اسلام کی غیرت کا حرکت میں آنا لازم تھا۔ علیگڈھ کا واقعہ اس سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا، کوئی جرم سرے سے تھا ہی نہیں، نہ شریعت کے خلاف نہ ملت کے خلاف۔ یہاں ایک مرد نے وہ عمل کیا، جو اصلاً اُسکے لیے بالکل جائز تھا۔ اگر اجازت سے فائدہ ناجائز اٹھایا گیا، تو صرف میاں بیوی کے آپس کا معاملہ تھا۔ ایک شریف گھرانے کے اندر کا بالکل خانگی معاملہ تھا۔

اس میں پبلک کا دخل دینا ایسی ہی بدذوقی اور بے غیرتی ہے جیسے کوئی میاں بیوی کی خلوت کو جھانکنا شروع کر دے یا کم از کم [illegible] Peeping Tom کا پارٹ ادا کرنے لگے!

"بے وفا اور ناشکر گزار"

"... ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں۔ اور پہلی بیوی کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں، بیوفا اور ناشکر گزار، شوہر کی اس ناانصافی سے قدیم وضع کی بیوی کا دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ... کیا یہ عورت کی تحقیر نہیں کہ خود شوہر اپنی زوجہ کے واقعی یا مصنوعی مظالم کی شکایات لوگوں میں کرتا پھرے۔ اور اگر زوجہ اپنے بے وفا شوہر کے عقد ثانی کرنے پر دلی جذبات کا اظہار ایک نظم کی صورت میں کرے، تو اُسے قابل اعتراض سمجھا جائے"

سرگزشت نے اپنے ایک لمبے چوڑے اڈیٹوریل میں کہا! گویا کل تک تو محض ایک رپورٹ پولیس میں درج ہوئی تھی۔ آج محض اس استغاثہ کی بنا پر، بغیر فریق ثانی کا بیان لیے، بغیر فریقین کی گواہیاں گزرے، بغیر بیانات پر جرح ہوئے، فیصلہ ناطق بھی یکطرفہ صادر ہو گیا! "عورت کی تحقیر" کی وسیع و ہمہ گیر دفعہ کے ماتحت "شوہر بے وفا" اور "ناشکر گزار" اور "ناانصاف" سب کچھ قرار پا گیا! ——— سرگزشت کی معدلت گاہ میں انصاف کے یہی معنی ہیں!

"تاریخ سے بے نیازی"

ایک مصری "علامہ" کے مضمون کا ترجمہ سرگزشت میں:—

"جو قوم تعدد زوجات کی عام طور پر خوگر ہے، اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بلحاظ اپنی کمال عقل کے اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال و اولاد میں اپنی عورت کے مرتبہ کو سمجھنے لگتا ہے، اور اس بات کو معلوم کر لیتا ہے کہ شریعت اور فطرت کے مطابق جس مرتبہ کی وہ مستحق ہے اُس پر پہونچانا اُسکا ایک الٰہی حق ہے، تو وہ صرف ایک ہی زوجہ پر اکتفا کرتا ہے"

"ہم دیکھتے ہیں" کا دعویٰ کر گزرنے والے نے یہ گرہ نہیں کھولی کہ یہ ماجرا کہاں، اور کب پیش آیا ہے؟ تاریخ کے کس دور میں یہ ہوا ہے؟ دنیا کے کس خطہ میں یہ صورت پیش آئی ہے؟ کیا ہزاروں سال قبل کے ہندوستان میں جب رامچندر جی کے والد راجہ دسرتھ ایک وقت میں تین تین رانیاں رکھتے تھے؟ جب یدھشٹر کے والد راجہ پانڈو ایک سے زائد رانیوں کے شوہر تھے؟ جب کرشن جی کی گوپیاں ایک دو کی نہیں بہت بڑی تعداد میں ہوتی تھیں؟ کیا چار ہزار سال قبل کے عراق میں، جہاں ابراہیم خلیل اللہ کے تین تین زوجات مبارک تھے؟ کیا ۳½ ہزار سال قبل کے شام میں، جہاں یعقوب علیہ السلام تین تین بیویوں کے شوہر تھے؟ کیا ۳۳ سو سال قبل کے مصر میں، جہاں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تعدد زوجات جائز ہی نہیں، دلیل فضیلت تھی؟ کیا تین ہزار سال قبل کے فلسطین میں، جہاں داؤدؑ اور سلیمانؑ کے محلات مبارک کی تعداد صیغہ واحد میں یقیناً نہ تھی؟ کیا ساڑھے تیرہ سو سال قبل کے عرب میں، جہاں رسول اللہ صلعم کے ازواج مبارک کا تعدد آج تک فرنگیوں اور فرنگی زدوں کا ہدفِ ملامت بنا ہوا ہے؟ کیا ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور حسنؓ کا طرز عمل تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ ——— تجدد نام ہی شاید عقل و نقل، شریعت و تاریخ سے بے نیازی کا ہے!

مسیحیت کی ناکامی

"مسیحیت کی تاریخ پر نظر کر جائیے، دو ہزار سال سے، ایک لاکھ گرجا کے منبروں سے، دس لاکھ وعظ یہی ہوتے چلے آ رہے ہیں کہ انسان پر لازم ہے کہ خاکساری

فروتنی، شفقت، بے غرضی اختیار کرے۔ طلب متاعِ دنیوی کی نہیں، آسمانی چیزوں کی کرے، بدی کا بدلہ بدی سے نہیں نیکی سے دے، اپنے ہمسایہ کا خیال اپنے نفس سے زیادہ رکھے، خدا کے حقوق مخلوق کے حقوق سے برتر رکھے۔ لیکن اس وعظ و تلقین کا نتیجہ؟ دو ہزار سال کے اس وعظ و نصیحت کے بعد بھی جدید لندن، بلکہ جدید نیو یارک تک کی آبادی اخلاقی حیثیت سے بس اُسی منزل پر ہے جہاں قدیم ایتھنز کی آبادی تھی! بعض جزئیات کے اعتبار سے بہتر سہی، لیکن دوسرے جزئیات کے لحاظ سے بدتر۔" (سنڈے جیو لیڈر، ۲۳ رمئی ۱۹۴۲ء)

برطانوی مفکر، پروفیسر سی، ای، ایم، جوڈ نے حال میں امریکہ سے اپنے ایک نشریہ میں کہا —— آفریں ہے دینِ مسیحی کے مبلغوں کو۔ اپنے گھر میں کلیسا کی یہ ناکامیاں صدیوں سے مشاہدہ کرتے چلے آ رہے ہیں، اور اس پر بھی ہمت ہے ہندوستان اور مشرق کو اپنے دین میں لانے کی!

تو برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی؟

جنگ اور موسم

اخبارات میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ ڈیوک آف گلوسٹر اسوقت ہندوستان میں وارد ہیں۔ بادشاہ سلامت جارج ششم کے حقیقی بھائی ہیں۔ آنجہانی جارج پنجم کے بیٹے۔ یہ جون کا مہینہ ہے، گرمیوں کے شباب کا زمانہ، اور ابکی گرمی پڑ بھی معمول سے کچھ زائد ہی۔ انھیں انگلستان چھوڑے ہوئے ہفتوں ہو چکے۔ افریقہ کا صحرائے لیبیا اسوقت کرۂ جہنم بنا ہوا ہے۔ وہاں انھوں نے مئی کا زمانہ صرف کیا۔ عراق کی تپتی ہوئی سرزمین اسی موسم میں انھوں نے گزاری۔ اور اب دہلی، کراچی وغیرہ کی تمتاتی ہوئی زمین اسی بادِ سموم میں طے کر رہے ہیں۔

زیادہ دنوں کی نہیں، ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے کہ وائسرائے جادہ گرمیوں کا زمانہ دہلی میں بسر فرما چکے۔ شملہ کی برفستانی چوٹیوں پر تشریف لے گئے، ہندوستان ہی کی کمائی کا ہزارہا ہزار روپیہ صرف کرکے اور تنہا وائسرائے نے تھوڑے ہی اس تکلف کو روا رکھا، وزیر قانون، وزیر فوج، وزیر مال، اور سارے دوسرے وزراء اپنے اپنے محکمہ کے سکرٹریوں، اُنکے نائبوں، اُنکے مددگاروں کے! دفتر کا عملہ بیسیوں کی نہیں، سیکڑوں کی تعداد میں! اور اُن میں انگریز ہی نہیں، بکثرت ہندوستانی بھی! اور تنہا دہلی ہی کیوں؟ اُن بڑے لاٹ صاحب کی طرح کتنے چھوٹے لاٹ صاحب بھی مع اپنے سارے "خدم و حشم" کے کب گرمی کی تاب لا سکے تھے؟ اُن سے اگر شملہ نہیں، تو ان سے نینی تال کب چھوٹ سکا تھا؟ —— اُف یہی جنگ کی گرما گرمی، جس نے صاحب کے احساسِ موسمی میں آگ لگا دی!

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(۹)

(از عبد الماجد)

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ہی کے ہیں مشرق اور مغرب۔ لیکن اللہ کے نہیں، تو اور کس کے ہوتے؟ اتنی کھلی ہوئی اور صاف حقیقت کو اتنی صراحت سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ضرورت تھی۔ صاف اور کھلی ہوئی حقیقت تو یہ اب قرآن کے نزول کے بعد، اور قرآن کے ماننے والوں کو معلوم ہوئی ہے۔ اس سے پہلے یہ کھلی ہوئی حقیقت تھی ہی کب؟ مصری، ہندی، رومی، قوموں نے کہا کہ مشرق، سورج دیوتا کے طلوع کی جگہ ہے، اس لیے یہ جہت خود بھی مقدس ہے۔ رومیوں کی تقلید میں مسیحی بھی آفتاب پرستی کے، بہت سے عنصروں کی طرح مشرق کے تقدس کے قائل ہوگئے، اور مشرق رخی Orientation وغیرہ مسئلے اپنے ہاں گڑھ لیے۔ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ان سب کے خلاف اعلانِ جہاد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان میں تقدس اور شانِ الوہیت ہونا تو کیا، دوسروں کا حاجت روا ہونا تو الگ رہا، جہت مشرق و جہت مغرب خود اپنی جگہ پر بھی تو آزاد و مطلق العنان خود مختار نہیں۔ اللہ کے مخلوق ہیں، مغلوب ہیں، محکوم ہیں۔ اپنے وجود میں اُسکے محتاج، اپنی بقا میں اُسکے محتاج، اپنے قیام میں اُسی کے قاعدوں، ضابطوں کے تابع! —— نام انھیں دو سمتوں کا صراحت کے ساتھ اس لیے لیا گیا کہ یہی دو سمتیں سب سے زیادہ شرک پرور رہی ہیں، مشرکانہ عقائد کی سب سے بڑی اُمیدگاہیں رہی ہیں؟

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔ سوا اے خدائے واحد کے پرستار اور شرک و شبہ شرک سے بیزار مسلمانو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ خدا بھی وابستہ ہے کسی سمت کا، مقید ہے کسی جہت کے ساتھ۔ تم جدھر بھی اپنا مُنہ کرو، نماز، دعا، عبادت کے لیے، بس خدا اُسی طرف ہے۔ وہ پاک ہے ہر سمت سے، منزہ ہے ہر جہت سے۔ اُسکی ذاتِ پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں۔ سب کہیں ہیں۔ جدھر بھی رخ کرو، جلوہ اُسی کا پاؤگے۔ کون سی جہت، کونسا مکان، کونسا گوشہ اس سے خالی ہے؟ ——

یہ سب تردید ہو رہی ہے عقیدۂ تجسیم (Anthropomorphism) کی۔ وہی عقیدۂ تجسیم، جو جزوِ لاینفک رہا ہے نہ صرف وحشی قوموں کے مذہبوں کا، بلکہ جہاں تک پتہ چلتا ہے انگریزی میں لکھے ہوئے تذکرۃ الادیان سے، چینی مذہب کا، مصری مذہب کا، کلدانی مذہب کا، ہندی مذہب کا، یونانی مذہب کا، رومی مذہب کا، مسیحی مذہب کا، خصوصاً اسکی لاطینی شاخ کا، اور سب سے بڑھ کر حیرت یہ ہے کہ خود اسرائیلیوں کے بھی مذہبِ توحید کا!

آیت کے خاتمہ کے الفاظ ہیں ان اللہ واسع علیم۔ اللہ تو خود ہی انتہائی وسعت رکھنے والا ہے، ہر شے پر وسعت رکھنے والا ہے۔ ساری وسعتیں خود اُسکے اندر سمائی ہوئی ہیں، وہ کس وسعت کے اندر سما سکتا ہے۔ ساری سمتوں، جہتوں کو تو وہ خود ہی احاطہ میں لیے ہوئے ہے، اُسکا احاطہ کون سمت، کون جہت کر سکتی ہے، وہ کس طرح کسی جہت سے مقید، کسی سمت سے محدود ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ انتہائی علم والا بھی ہے۔ کامل علم رکھنے والا ہے، مخلوق کی ہر ضرورت کا، کائنات کی ہر مصلحت کا۔ وہ اپنے اس علم کامل کے لحاظ سے جس مکان کو چاہے قبلہ مقرر کر دے، جس عمارت کو چاہے مرکز توجہ ٹھہرا دے سارے عبادت گزاروں کا۔ اسی مرکزیت و یکسوئی کے تعین میں مصلحت مضمر ہے، نہ کسی جہت کے تقدس کا، کسی سمت کے خدائی ہونے کا!

آیت ۱۱۵ ختم ہو گئی سورۂ بقرہ کی۔ سلسلہ وہی صفاتِ خداوندی کا چل رہا ہے۔ آیت ۱۱۶ میں ارشاد ہوتا ہے: وقالوا اتخذ اللہ ولدا سبحنہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے بنا رکھا ہے ایک بیٹا۔ یہ کہنے والے اس قول کے قائل کون ہیں؟ وسیع معنی میں بہت سے اہل باطل مراد ہو سکتے ہیں، کہ خداوند تعالیٰ کی فرزندی کا عقیدہ بہت سی قوموں میں عام و مشترک ہے۔ لیکن خصوصی معنی میں مراد انھیں سے ہے جو اپنے کو مسیحی کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ "خدا کے ایک بیٹا ہے" الفاظ قرآنی میں اتخذ اللہ ولدا "خدا نے بنا رکھا ہے ایک بیٹا" ——— قرآن آخر خدا کا کلام ہے،

غریب مفسر، غریب شارح، ہر ہر اشارہ، ہر ہر تلمیح کو کہاں تک اپنے فہم و ادراک کی گرفت میں لا سکتا ہے! ——— مسیحیوں کا عام عقیدہ جو اس باب میں ہے معلوم و معروف ہے۔ یعنی یہ ایک خدا ہے، اور ایک خدا کا بیٹا ہے۔ وہ بھی قدیم یہ بھی قدیم، وہ بھی غیر مخلوق، یہ بھی غیر مخلوق، وہ بھی ازلی، یہ بھی ازلی، لیکن انھیں مشرک مسیحیوں کے اندر، گو نسبتًا ان سے لبندتر، ایک فرقہ قدیم و زبردست مسیحیوں کا ایسا بھی گزرا ہے، جو کہتے تھے، کہ عیسیٰ نہ اصلًا خدا تھے، اپنی سرشت کے لحاظ سے انسان ہی تھے، جیسے ہم آپ ہیں۔ البتہ روح القدس کی روحانیت کا فیضان اُن پر شروع سے تھا۔ اور اس کی شدت اس درجہ ہوئی کہ وہ ہمہ تن تقدس کے رنگ میں ڈوب گئے۔ اور خدا نے جب اُن میں خدائی رنگ اس نوبت پر پایا تو اُنھیں اپنا بیٹا بنا لیا، اپنی خدائی میں شریک کر لیا، اپنی تبنیت سے مشرف کر دیا۔ انگریزی میں اصطلاحی نام اس عقیدہ کا Adoptionism ہے۔ اسکا ترجمہ "تبنیت" ہو سکتا ہے اور اس فرقے کو انگریزی میں Adoptionists کہتے ہیں۔ مسیحیت کی قدیم تاریخیں اس فرقہ کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ مسیحیت کی ابتدائی صدیوں میں اس فرقہ کا خاصہ زور تھا۔ حال میں جرمن محقق Harnack نے اپنی "تاریخ العقیدہ" History of Dogma میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ۱۸۵ء میں رسوڈوٹس بازنطینی نے اس عقیدہ کو روم میں خاص طور پر چمکایا تھا۔ خود اُس پر تو ۱۹۵ء میں حکم تکفیر لگ گیا لیکن اُسکے شاگرد ارٹیمن نے اس تعلیم کو جاری رکھا۔ اور مشرق میں برسوں نسطوری اور پولوس سموسطوی اسکے علمبردار ہو گئے۔ یہاں تک کہ یادریوں بھی Arians اور نسطوریس Nestorians کے واسطے سے ہمیں ظہور اسلام تک کا دم خم قائم رہا۔ اور آٹھویں صدی اور بارھویں صدی عیسوی میں ظہور اسکا بار بار ہوتا رہا۔ شرک تثلیثی کی اور صورتوں سے نسبتًا یہ صورت خفی ہے۔ قرآن نے اشارہ اسی فرقہ کے عقائد کی جانب کیا۔ اور قرآن کی بلاغت معنوی کی داد دیجیے، کہ ایک لفظ اتخذ ولدا کر کے تاریخ مسیحیت کے کتنے اہم وسیع باب کو اپنے اندر سمیٹ لیا!

سبحٰنہ۔ معاذ اللہ سبحٰنہ! خدا پاک ہے اس قسم کی مادی قرابتوں، رشتہ داریوں سے۔ ایسے ایک طرف خدا بھی کہے جاتے ہو، اُسکی قدرت کا کلمہ پڑھتے ہو، اور پھر محتاج سمجھتے ہو، اسے اسکا، کہ وہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی کے نقصانات محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح، کسی کو گود لیکر اپنی لاولدی کی تلافی کرے! یہ کیا مہمل خیالی اور کیسی پریشاں دماغی ہے۔ بل لہ ما فی السموت والارض۔ اُسکا تو سب ہی کچھ ہے، اعلیٰ و ادنیٰ، جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ صحیح رشتہ اُسکے اور اُسکی مخلوقات کے درمیان ملک کا ہے۔ وہ سب کا مالک، سب اُسکے مملوک جس سے جو چاہے کام لے۔ اسے ضرورت کیا کسی کو اپنا بیٹا بنانے کی! ملک کا تعلق تو فرزندی و تبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی و وسیع۔ آخر اسکے لیے ممکن ہی کونسا امر ہے کہ جسکے پورا کرنے کے لیے کسی کو متبنٰی بنانے کی حاجت پیش آئے!

کل لہ قانتون۔ سب اسکے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں۔ بڑے سے بڑے گردن کش بھی اطاعتِ اضطراری و طبعی پر مجبور۔ احکام شریعت نہ سہی، قوانین تکوینی کی فرماں برداری سے تو کسی کو بھی چارہ نہیں۔ بدیع السموات والارض اور یہ ہیبتناک آسمان اور لق و دق زمین۔ کہ بیسیوں قوموں کی پیشانیاں انھیں کے آگے جھک گئیں، یہ نہ دیویاں ہیں نہ دیوتا۔ نہ صاحب اختیار، نہ صاحب تصرف۔ یہ تو خود مخلوق، مجبور، بےکس و بے اختیار ہیں۔ اللہ موجد ہے ان سب کا۔ لفظ 'بدیع' خیال میں رہے۔ وہ انھیں نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ عدم محض سے وجود میں لانے والا ہے۔ بغیر کسی آلہ کی مدد کے، بغیر کسی سابق الوجود مادہ کے، بغیر کسی سابق الوجود نمونہ کے! وہ محض صانع یا کاریگر نہیں، کہ ایک نمونہ کو دیکھ کر اُسکی نقل اصل سے ملا دی۔ کوئی مادہ پہلے سے موجود تھا، اُسے اپنی ترتیب اور ترکیب سے ایک خاص صورت دیدی ہے! ——— اس ایک لفظ میں رد آگیا ان سارے مشرکانہ مذہبوں کا، جو خدا کو محض ایک صناع یا کاریگر کا درجہ دیتی ہیں۔ اور تردید ہو گئی اُن سارے منکر فلسفیوں کی جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے ہیں اور دوسری طرف اسکے ساتھ ساتھ روح کو قدیم اور مادہ کو غیر حادث قرار دیے جاتے ہیں! قرآن کے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فقروں، مفرد لفظوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے، جب دنیا کی باطل پرستیوں کی مثالیں اور نمونے تفصیل کے ساتھ نظر کے سامنے ہوں!

ہماری شاعری

(دہلی کے مشہور زنانہ رسالہ عصمت میں ایک تعلیم یافتہ خاتون کے قلم سے)

ہندوستانی معاشرت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہاں کی عورتیں الفت و محبت گیت گاتیں، نغمہ و غلط اندازیں بھی کبھی غیر کی جانب نہ اٹھاتیں، مگر افسوس کورانہ تقلید مغرب کا نتیجہ خیال فرمائیے یا ہندوستانی ذہنیت کا خمیازہ کہیے ہندوستانی خواتین پر تعلیم کا اثر بیحد ناخوشگوار پڑا۔ انھوں نے جہاں برقع اور پردہ کو بالائے طاق رکھدیا وہاں حیا اور شرم کو بھی خیر باد کہہ کر سلام کیا اور "لیڈیز فرسٹ" کا نعرہ لگاتی ہوئی یہ خواتین جب حرم سرا سے باہر تشریف لائیں تو مردوں کے بھی کان کاٹ لیے۔ کانگریس کا پلیٹ فارم، موسیقی کانفرنسیں، تعلیمی سوشل سوسائٹی کے اجلاس، سینما اور تھیٹر کے اسٹیج، پرائیویٹ ڈنر اور ایٹ ہوم، غرض کہ کوئی چیز اس سے محفوظ نہ رہ سکی۔ شوہر صاحب بغیر اپنی اقتصادی اور معاشرتی حالت کا اندازہ کیے بیگم صاحبہ یا دیوی جی کے ہمراہ آزادی کے نعرے لگاتے دکھائی دیے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ابھی تک مردوں کا ہوا تھا کہ بجز دوسرے مردوں میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ جہاں تک ادب کا تعلق تھا وہاں بھی عورتیں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ یہاں تک غزل گوئی کی اور اس شان سے کہ اللہ توبہ! کہتے ہیں کہ جب سچائی اور حسن مل جاتے ہیں تو شیریں جام ہے مگر اردو شاعری کا بوجھ آدم ہی نے اٹھایا۔ یہاں کے شعرا نے بھی سچائی اور اظہار و تعبیر کی طرف رخ ہی نہ دیا۔ بلکہ غلو اور جھوٹ کو بھی ایک صنف قرار دے کر خوب اپنا داخل کر لیا۔ اور اسکے بعد وہ جھوٹ بولا کہ توبہ ہی بھلی۔ اسی کا اثر خواتین پر بھی پڑا۔ اور انکی بھی شاعری تمام تر جھوٹ بن کر رہ گئی۔ مثلاً

شراب:- ہماری ہر شاعرہ کے لیے شرابی ہونا ضروری ہے خواہ اس نے عمر بھر شراب کی شکل بھی نہ دیکھی ہو، مگر وہ ہمیشہ اور دن رات گلابی منہ سے لگائے رہنے کی رٹ لگائے رہتی ہے۔ اسکو اپنے دوست کی آنکھیں شراب کے دو جام نظر آئیں گے۔ اور ناصح اور محتسب کو گالیاں دینا اسکا فرض عین ہوگا۔

دیوانگی:- شراب کی طرح دیوانہ ہونا بھی اردو شاعرہ کے لیے ضروری ہے۔ جب تک وہ مجنوں اور فرہاد کو زک نہ دیدے اس وقت تک وہ شاعرہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ چنانچہ وہ دوست کی تلاش میں جنگل جنگل ماری ماری پھرتی ہے، کانٹے اسکے دامن میں الجھتے ہیں، پیروں میں آبلے پڑ جاتے ہیں، مگر اس پر بھی سودا رہتا ہے لوگ اسکو قید خانے میں ہتکڑی اور بیڑی ڈال کر باندھ دیتے ہیں اور وہ دیواروں سے سر ٹکراتی ہے۔ اس کے کپڑے تار تار ہو جاتے ہیں، وہ جیب و گریباں (جسکے صحیح معنی بھی ہماری بہت سی شاعرات نہیں جانتی ہیں) اسے ہمیشہ الجھتی رہتی ہے اسکی آنکھوں سے جیحون اور سیحون جاری ہو جاتے ہیں، جب وہ وحشت میں نعرہ لگاتی ہے تو اسکی آہ سے اتنا دھواں نکلتا ہے کہ بادل بنجاتا ہے اور فلک پر اسکی آہ کی سوزش سے آگ لگ جاتی ہے۔ مجنوں اور فرہاد اسکے شاگرد ہوتے ہیں۔

چڑیماری:- شاعری بغیر چڑیماری اختیار کیے آ ہی نہیں سکتی۔ عورت اور مرد دونوں اپنے کو چڑیا خیال کرتے ہیں۔ صیاد انکا گھونسلا پھونک دیتا ہے۔ بجلی بار بار اسی شاخ کو جلا دیتی ہے جہاں انکا گھونسلا ہوتا ہے، کبھی چڑیمار پکڑ بھی لیجاتا ہے اور پنجرے میں بند کر دیتا ہے پھر وہ پر نوچ کر آزاد کر دیتا ہے اور چڑیا شاعر یا شاعرہ اپاہج بن کر لوٹ آتی ہے۔ اسی پنجرہ میں اپنا لہو پیتی اور جگر کھاتی ہے۔

قصائی:- شاعر کی طرح شاعرہ کا دوست بھی قصائی ہوتا ہے جو اپنے ہر دوست کو قتل کرکے اسکے دل و جگر اپنے تلواروں سے کاٹتا ہے۔ سیکڑوں نذر اور رہا در اسکی نگاہوں کے تیروں سے جہنم رسید ہو جاتے ہیں اور ان کے کوچے ہولی کھیلی جاتی ہے۔

گور کنی:- شاعری کی ضروریات میں "ماہر گورکن" ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک ہماری شاعرہ دو چار دفعہ زندہ گاڑ دی جاتی اور برباد کی کامل نہیں تھوڑی سی کسر باقی رہ کر اسکی لاش قبر سے نکال کر گھوڑے پر جانوروں کی غذا کے لیے ڈال دی جاتی جب تک مکمل امتحان نہیں ہوتی، مرگھٹ پر وہ بھوت بن کر گھوم سکتی ہے۔ باتیں کرتی ہے، راہگیروں کو بلا کر درد ام بیان کرتی ہے۔ اسکے بعد جب اسکا دوست ادھر سے گزرتا ہے تو وہ سرمہ بن کر اس کی آنکھوں میں سما جاتی ہے، کبھی گرد بن کر اسکے دامن سے لپٹ جاتی ہے۔ وغیرہ

معیار حسن۔ شاعر کی طرح اسکا دوست بھی ہرن جیسی آنکھیں رکھتا ہے۔ جس میں شراب ابلتی نظر آتی ہے۔ اسکے منہ کے بجائے "نقطہ دہن" ہوتا ہے۔ اسکی انگلیاں لکھنؤ کی گنڈیاں ہوتی ہیں۔ اسکی چال ہاتھی کی طرح مست ہوتی ہے۔ اسکے ہر قدم پر سیکڑوں ہنگامے ہوتے چلتے ہیں۔ اسکے کمر نہیں ہوتی۔ اسکے بالوں کی لمبائی دو چار میل تو کیا بلکہ لا انتہائی ہوتی ہے، جو تارکول سے زیادہ سیاہ ہوتے ہیں جسم اتنا نازک اور خستہ ہوتا ہے کہ چھوتے ہی ٹوٹ جاتا ہے اور چاندنی پڑ جانے سے میلا ہو جاتا ہے۔

شمع و پروانہ:- ہماری شاعرہ کے یہاں اب بھی اٹھارویں صدی کی چیزیں رائج ہیں۔ اسکو گھر کی بجلی کا قمقمہ شمع نظر آتا ہے۔ جہاں سیکڑوں پتنگے سر کے بل آتے ہیں۔ مگر وہ انکو حقارت سے دیکھتی ہے اور اپنی سیکڑوں جانیں آن واحد میں اسکے اشارہ ابرو پر نچھاور کر دیتے ہیں۔

محفل:- اسکے دوست کا گھر گویا میونسپلٹی کی کچہری یا شفاخانہ ہوتا ہے۔ جہاں سیکڑوں لاوارث موجود رہتے ہیں۔ اور وہ دن رقیبوں یا لاوارثوں کی شکایتوں کے باعث "بھری محفل میں رسوائی" کے ساتھ نکالی جاتی ہے۔ کبھی اسکو جوتوں کے پاس جگہ ملتی ہے، کبھی دربان صاحب کی مار کھانا پڑتی ہے اور دنیا کی تمام ذلتیں صرف اسکے لیے

زوجہا یا رسول اللہ انی اعطیتہا افضل مالی حدیقۃ فلترد علی حدیقتی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تقولین قالت نعم وان شاء زدتہ تفرق بینہما

(ابن جریر ج ثانی صفحہ) اس روایت میں صاف مذکور ہے کہ عورت خلع کی مدعی ہو کر نہیں آئی تھی۔ بلکہ خلع کی درخواست خود شوہر نے کی تھی۔ اسکے بعد آپ نے عورت سے پوچھا اُس نے بھی اپنی رضامندی دیدی۔ اسوقت خلع ہوا ہے۔ نیز ابن جریر میں ہے۔ عن حبیبۃ بنت سہل انہا کانت عند ثابت بن قیس فشکت علیہ فارسل الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا حبیبۃ اکرہت من ثابت الخ اس سے ثابت ہوا کہ وہ خود شکایت کرنے ہی نہ آئی تھیں۔ بلکہ انکو شوہر کی جوابدہی کے لیے بلایا گیا تھا۔ ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ملاحظہ ہو کہ مودودی صاحب نے کس طرح واقعہ کی صورت بدل کر بدترین تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جمیلہ کے خلع کا واقعہ تو سراسر اسکے خلاف ہے اب رہا حبیبہ بنت سہل کا واقعہ۔ سو وہ بھی کسی طرح اسکی تائید نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلع کا دعویٰ لیکر آئی تھیں۔ بلکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ وہ اس ضرب شدید کی شکایت کرنے آئیں تھیں جو ثابت کی طرف سے انکو پہونچی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے ثابت کو خلع کا مشورہ دیا۔ اور ثابت نے اسکو قبول کر لیا پس آپ کا یہ ایک مربیانہ مشورہ تھا، نہ کہ قضائے قاضی۔ مودودی صاحب نے اس میں یہ تحریف کی کہ عورت کو خلع کا مدعی بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مربیانہ مشورہ کو قضائے قاضی بنایا۔ اس قسم کے مربیانہ مشوروں کی اور بھی نظیریں موجود ہیں لیکن مودودی صاحب یا تو اپنے جہل کی وجہ سے اُن سے واقف نہیں یا وہ اپنی غرض کی وجہ سے انکو قصداً چھپانا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ قضائے قاضی کے لیے دعوے پہلے شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔ اس لیے یہ قضائے قاضی کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نوعیت مختلف ہوتی تھی۔ کبھی وہ محض مشورہ کی حیثیت رکھتے تھے اور کبھی صرف فتوے کی اور کبھی قضائے قاضی کی وغیرہ وغیرہ اور یہ سمجھنا کہ اس موقع پر اس حکم کی کیا نوعیت ہے، یہ مجتہدین کا کام ہے اور ہر جاہل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے اسکی نوعیت تجویز کرلے اور ظاہر ہے کہ کسی مجتہد نے انکو قضائے قاضی نہیں سمجھا تو یہ حضرت مودودی صاحب کا ایک من گھڑت اختراع ہوگا جو کسی درجے میں بھی قابل اقتداء نہیں ہو سکتا۔ اسکے بعد آپ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے۔ لیکن اس میں بھی سراسر تحریف سے کام لیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت کے خاوند نے اپنی بیوی کے نشوز کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اسکو پکڑوا بلوایا۔ اور اسکو سمجھایا کہ وہ نشوز سے باز آجائے مگر وہ نشوز سے باز آنے پر راضی نہ ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اسکو نشوز کی سزا میں قید کر دیا۔ مگر اس پر بھی وہ نشوز سے باز نہ آئی تب حضرت عمرؓ نے خاوند کو مشورہ دیا کہ وہ اُس سے خلع کرلے۔ خاوند نے اسکو قبول کر لیا۔ کذا فی ابن جریر۔ سو اس واقعہ میں بھی نہ عورت خلع کی مدعی ہوکر آئی تھی۔ اور نہ حضرت عمرؓ کا حکم قضائے قاضی تھا۔ مگر مودودی صاحب نے زبردستی عورت کو مدعی اور حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قضائے قاضی بنا دیا۔ جو کھلی ہوئی تحریف ہے۔ اسکے بعد حضرت عثمانؓ کے فیصلے کے بیان میں تو تحریف کی انتہا کر دی۔ چنانچہ اُنھوں نے فرمایا ہے۔ ربیع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام املاک کے معاوضہ میں خلع کرنا چاہا۔ شوہر نے نہ مانا حضرت عثمانؓ کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے اُسکو حکم دیا کہ اُسکی چوٹی کا موباف تک لے لے اور اسکو خلع دیدے (عبد الرزاق) حالانکہ یہ واقعہ جس شکل سے بیان کیا گیا ہے بالکل غلط ہے۔ ابن جریر میں خود عبد الرزاق ہی کی سند سے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ ربیع نے اپنے خاوند سے اپنی تمام املاک کی عوض میں خلع کرنا چاہا۔ خاوند نے منظور کر لیا۔ لیکن ربیع کے چچا نے اسے منظور نہ کیا اور حضرت عثمانؓ کے یہاں مقدمہ لے گئے حضرت عثمانؓ نے خاوند اور بیوی کے باہمی فیصلے کو بحال رکھا اور اُنکے چچا کے دعوے کو خارج کر دیا۔ اب آپ غور فرمائیں کہ یہ مودودی صاحب کی کس قدر عظیم الشان تحریف ہے۔ (باقی)

عــہ مودودی صاحب نے اس روایت کو اپنے خلاف سمجھ کر بالکل چھوڑ دیا ہے۔ یہ دوسرا نمونہ ہے انکی دیانتداری کا۔

ســہ ابن ماجہ کی روایت میں حجاج ابن ارطاۃ سیئ الحفظ ہے اس نے غلطی سے جمیلہ کے واقعہ کو حبیبہ کی طرف منسوب کر دیا۔ مودودی صاحب کو اُن کی غلطی سے فائدہ اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ اور اُنھوں نے فرمادیا کہ راجح یہ بھی ہے کہ انکو بھی ثابت کی بدصورتی کی شکایت تھی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ وہ ضرب شدید کی شکایت کرنے آئی تھیں۔ یہ تیسرا ثبوت ہے انکی دیانت کا۔

(بقیہ صفحہ ۶)

وقف ہو جاتی ہیں۔

لیلیٰ مجنوں وغیرہ۔ وہ بنیر لیلیٰ مجنوں۔ فرہاد اور شیریں وغیرہ کے نام لیے زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ اب بھی اسے جنگلوں میں لیجاتے ہیں اور ہماری شاعرہ انکو نازکی بانیں بتا دیتی ہے۔ حضرت موسیٰ اسکے نزدیک طفل مکتب ہوتے ہیں۔ وہ اب بھی اونٹ پر سفر کرتی ہے۔ سارباں اب بھی اسکو ملتے ہیں آوازیں اب بھی اسکے لیے مضراب کا کام کرتی ہیں وہ کارواں سے اکثر بچھڑ جاتی ہے اور چھاؤں سے سر ٹکرایا کرتی ہے۔ اُسکے پاس دل دجگر نہیں ہوتے۔ آنکھوں سے دریا جاری رہتے ہیں خون اور پیپ اس کی آستین کی زینت رہتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ خدا کرے اُسکا دوست تو غیر مرد ہوتا ہے۔ مگر وہ خود مرد بنکر اظہار دوستی کرتی ہے وہ اپنے کو عورت کہتے ہوئے شرماتی ہے۔ وغیرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جآء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون ۔ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم عبدالقوی)
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ للعہ
" ششماہی ۔ؔ/
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
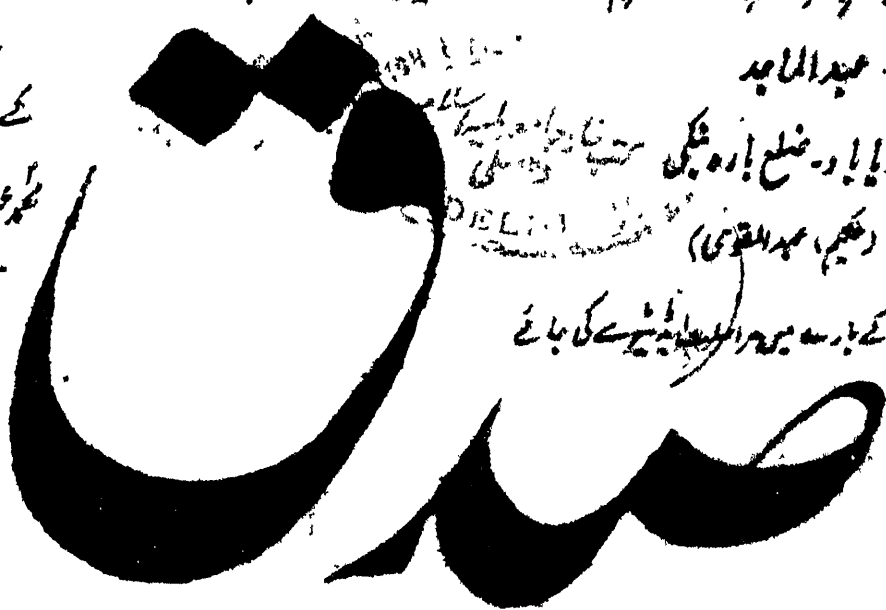
نمبر ۱۱ | دوشنبہ - ۲۸ - جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳ - جولائی سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر (لقمان - آیت ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اُسکے والدین کے حق میں (خدمت واطاعت کی) تاکید کی، اُسکی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اُسے (پیٹ میں) اُٹھائے رکھا - اور دو برس میں اُسکی دودھ بڑھائی ہوتی ہے - اور (ہم نے حکم دیا کہ) میری اور اپنے والدین کی شکرگزاری کیا کر - میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے ۔

مقصود والدین یعنی باپ اور ماں دونوں کے مرتبہ کی اہمیت کا بیان ہے لیکن شان اہتمام کے ساتھ ذکر صرف ماں ہی کی منزلت کا ہو رہا ہے، کہ دیکھو تو وہ انسانیت کو جنم دینے کے لیے نو نو مہینے تک کیسے دکھ پر دکھ سہتی ہے، کیسے ضعف پر ضعف اُٹھائے جاتی ہے' اور پھر وہ دو برس تک رضاعت کی کیسی کیسی صبر آزما منزلوں سے ہو ہو کر گزرتی ہے! —— عورت کی عزت یوں ہی نہیں رکھ دی گئی ہے - دنیا میں جتنے بھی قابل عزت انسان گزرے ہیں آخر سب اُسی کے فرزند تو ہوئے ہیں' سب اُسی کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں' سب نے اُسی کی چھاتیوں سے دودھ پیا ہے - ہر مرد کی گردن اُسکے احسان سے جھکی ہوئی ہے!

اسلام نے عورت کی عزت کا حکم دیا ہے - جی ہاں' اس دین فطرت نے جہاں بیوی کو شوہر کے زیر دست اور شوہر کو اُسکا نگران' اُس پر حاکم' اُس پر قوام بنایا ہے' وہاں عالم انسانیت کو ماں کے آگے جھکنے کا' اُس کی مادریت کی عظمت کا حق ادا کرنے کو بھی کہا ہے' اسکے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت دی ہے - اسلام نے عورت کی عزت کے معنی یہ نہیں سمجھے ہیں کہ بازاروں میں اُسے کُھلے ہوئے چہرہ کے ساتھ' کُھلے ہوئے بازوؤں کے ساتھ' کُھلے ہوئے جسم کے ساتھ پھرایا جائے - کلبوں اور ہوٹلوں میں مردوں کے ساتھ نچایا جائے - اُس نے عورت کی عزت کے یہ معنی لیے ہیں کہ مرد اسے اپنی زندگی کا لازمی جزو سمجھے' اپنی راحت وتسلی کا سرمایہ اسکی ذات سے حاصل کرے - اور

جز تو ہے وہی میں دل

کا مصداق اسکو قرار دے — قرآن کی آیت نے کھول دیا کہ عورت کو یہ مرتبہ آپ ہی آپ حاصل نہیں ہو گیا' انسانیت کی تخلیق وتربیت میں محنت بھی اسے کیسی شدید کرنی پڑتی ہے - اپنے کو کیسا کیسا مٹانا' کیسا کیسا گھلانا پڑتا ہے - عضویات (فزیالوجی)' بیالوجی (حیاتیات) کی کتابوں میں دوران حمل ورضاعت کی جو اور جو تکلیف کی مفصل تشریح لکھی رہتی ہے' یہ سب بجائے خود تفسیر ہے قرآن کے وہنا علی وہن وفصالہ فی عامین کی!

محمد علی مرحوم اپنا لطیفہ بیان کرتے تھے' کہ ۱۹۱۳ء میں جب مسجد کانپور کے سلسلہ میں بھاگ کر لندن پہونچا' تو یہی وہ زمانہ تھا ولایت میں suffrogist movement (عورتوں کی تحریک حریت وحقوق) کا' اخبار والوں نے مجھ سے بڑھ بڑھ کر پوچھنا شروع کیا' کہ تمہاری کیا رائے ہے اس معاملہ میں؟ میں نے جواب دیا کہ بھلا میرا جیسا شخص کبھی بھی عورت کے حقوق کا مخالف ہو سکتا ہے؟ ایک نہیں آٹھ دلیلیں رکھتا ہوں' ان میں سے چار بڑی دلیلیں major reasons ہیں' اور چار چھوٹی دلیلیں minor reasons چار بڑی دلیلوں

کے نام سنیے، ایک ماں، دو بہنیں، ایک بیوی، چار پھوپھی زاد بہنیں، چار بیٹیاں ؟ ——— مقصد مرحوم کے لطیفہ کا یہ تھا کہ جس مسلمان کو ان آٹھ عورتوں کے شرعی حقوق یاد ہوں، وہ حقوقِ نسواں کی طرف سے غافل ہو کیسے سکتا ہے ؟ اور اگر کوئی اتنا خوش قسمت نہیں کہ آٹھوں یا ان سے کچھ کم و بیش والا ہو، وہ کم از کم ایک بڑی دلیل سے تو کوئی فرزندِ آدم آج تک محروم رہا ہی نہیں ہے، یعنی اپنی ماں کے وجود سے۔ اور وہی ایک دلیل مسلمان کے لیے بالکل کافی ہے!

کام کی رفتار

یہ سطریں حالتِ علالت میں لکھی جا رہی ہیں۔ ان سطور کی تحریر کے وقت تک ایک عشرہ بخار کو ہو چکا ہے۔ بعض دن اتنا شدید کہ ساری ساری رات تڑپ کر صبح ہوئی ہے۔ اسکا اثر قدرۃً کلامِ مجید کے کام پر بھی پڑا، اور اس ہفتہ اردو خدمتِ قرآن کا کام تا ستر رکا رہا ——— تاہم بحمد اللہ اسوقت تک ۸ - ۹ پاروں کا ابتدائی مسودہ ہو گیا۔

انگریزی کام کے سلسلہ میں مدت دراز کے بعد تاج کمپنی کا خط موصول ہوا کہ حاشیوں میں جو عربی الفاظ اور عبارتیں جا بجا آ گئے ہیں انھیں بجنسہ عربی خط میں (نہ کہ رومن خط میں جیسا کہ مولوی محمد علی لاہوری کے ترجمہ میں ہے) رکھنے کے لیے ضرورت عربی ٹائپ کی تھی۔ اسکے لیے دروس، بمبئی وغیرہ کی ایک ایک دکان چھاننا پڑی۔ اور اسی میں چھپائی اب تک نہ شروع ہو پائی۔ اب الحمد للہ کہ ٹائپ مل گیا ہے، اب ان شاء اللہ پاروں کے چھپنے میں دیر نہ ہوگی۔ composing شروع ہو گیا ہے۔

یہ تو امانت، پشاور کالج سے ایک مخلص کے ہاں ہر مہینے باقاعدہ مقرر کی رقم وصول ہوتی، رہتی، اور قبول ہوتی رہتی ہے۔

شیطانی صنعتوں کو اطمینان

"لندن .... اب یہ امر صاف ہو گیا ہے کہ اس ملک میں تھیٹروں کی طرح سنیما کی فلمیں بھی منجملہ تفریحات کی دوسری صورتوں کے، بڑی حد تک سرکاری مداخلت اور تخفیف کے اثر سے بچ جائینگی۔ اور امریکہ میں پریسیڈنٹ روزولٹ نے تو اسکا پورا فلسفہ ہی بیان کر دیا، جبکہ انھوں نے اپنے بیان میں کہا کہ عام تفریحات کو زمانۂ جنگ میں بالکل ختم ہو کر رہنا چاہیے۔ لیکن فلموں کی صنعت تو ایک بہترین اور ضروری جزو ہے کوشش دفاع کا، اور جنگ کا! ۔ جو طبائع پر پیدا ہو جاتا ہے، اُسے دور کرنے کی حیثیت سے اجرائے کارِ جنگ کا بہترین ذریعہ ہے۔"

(سنڈے اکسپریس - ۲۸ - جون ۴۲ء)

چلیے، اب اطمینان ہو گیا۔ کپڑا جتنا بھی گراں ہوتا جائے، غلہ کی دوکانوں پر دوکانیں بند ہوتی جائیں، ہندوستان جیسے ملک میں مٹی کا تیل وغیرہ کمیاب سے نایاب ہوتے چلے جائیں، کوئی سے بھی پیشے مٹتے رہیں، کوئی

بھی کارخانے ٹوٹتے رہیں، سنیما اور تھیٹر پر آخر تک کوئی آنچ نہ آنے پائیگی! نہ امریکہ و انگلستان میں اور نہ پھر ہندوستان میں! ——— فسق کو یہ آزادی آج سے قبل کب میسر تھی؟ فسق نظامِ زندگی کا جزو اس سے قبل کب اس طرح بن چکا تھا!

دو منظر

لکھنؤ میں حال میں اہلِ سنت کے ایک مشہور و معروف عالم و عارف بزرگ مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی ثم لکھنوی گزرے ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ اس سے قبل ۱۹۰۸ء وغیرہ میں سنیوں نے حفاظتِ خود اختیاری کی جو جو کارروائیاں کیں، مولانا بھی اُن میں شریک و شامل رہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُنکے مرتبۂ علم و عرفان کی طرح اُنکی سنیت بھی ہمیشہ نمایاں رہی۔ اُنکے ایک شاگرد عزیز تھے لکھنؤ کے مشہور خوشگو شاعر مرزا محمد ہادی عزیز (سُنی نہیں، شیعہ۔ اعلوم میں شیعہ طلبہ سنی اساتذہ سے اور سُنی طلبہ شیعہ اساتذہ سے اُسوقت تک مستفید ہوتے رہتے تھے) ——— اور آج کس کو یقین آئیگا کہ اس "مدحِ صحابہ" والے شہر میں اس متقدائے اہلِ سنت کے لوحِ مزار پر قطعۂ تاریخ اخلاص و عقیدت کی ترجمانی کر رہا ہے، وہ صد ہا عقیدتمند سُنی شاعروں کے بجائے اُسی شیعہ شاعر کا ہے!

یہ تخیل دل کو اکثر مزہ دیتا رہتا۔ پچھلے ہفتہ ذیل کی تصریحات ایک مستند مقالہ میں نظر سے گزر کر روح کو تازہ کر گئیں:—

> "اُس زمانہ [دوسری صدی ہجری کا وسط اول] میں رواج تھا کہ ہر بڑا عالم بیسیوں اساتذہ کے درس میں شریک رہتا، اور اُنکی تربیت سے فیضیاب ہوا کرتا ..... امام ابوحنیفہ کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات نہ صرف زیدیہ مذہب کے بانی امام زید بن علی بن زین العابدین سے تھے، بلکہ امامیہ مذہب کے بانی جعفر صادق اور انکے والد محمد باقر کے بھی کہتے ہیں وہ بہت دنوں تک شاگرد رہے۔" (ڈاکٹر حمید اللہ، اُستاد جامعہ عثمانیہ کا رسالہ "ابوحنیفہ کی تدوینِ قانونِ اسلامی")

نئی "تخویفِ مجرمانہ"

صدق کے بیانات پر پیام کے تبصرے یقیناً اس کے سبق آموز ثابت ہوں یا صحافت کے روزمرہ میں "بصیرت افروز":—

> "جرم اب بدکاری نہیں۔ فحش و بدکاری تو روز بروز پروان چڑھ رہی ہے" (صدق)
>
> "کیا یہ مسلمان خواتین پر بہتان باندھا جا رہا ہے؟" (پیام)
>
> "اور بدکاری بازار سے گزر کر گھر میں آگ لگاتی ہے" (صدق)
>
> "کیا مولانا مسلمانوں کے گھروں کا ذکر فرما رہے ہیں؟" (پیام)
>
> "بلکہ اب جرم مرد و عورت کے تعلق کی صرف عادلانہ و صالحانہ صورت کو قرار دیا جائے" (صدق)
>
> "بیچارے مسلمانوں کو مولانا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے انکی زندگی کی کیا کیا اچھی تصویر اسعد رہنے قلم سے بنائی ہے!" (پیام)

گویا اگر شریعت نے تخویفِ حاکمانہ کی صورت یہ قائم رکھی ہے، کہ جو مسلمان،

کہ اہل اسلام مرد یا عورت، بدکاری میں مبتلا ہوا اُسے اتنا سنگسار کیا جائے کہ جسم میں جان باقی نہ رہ جائے، تو متجددین نے بھی اُسکے جواب میں "تو بیٹ مجرمانہ" یہ قائم کر رکھی ہے، کہ جو کوئی بہ حیثیت مسلمان بھائیوں بہنوں کے اندر، فسق عملی کے وجود کا ذکر نہ کرے، ذکر کرنے کی خاطر بیٹھیں، اصلاح و علاج کی فرض سے خود اسی کا ناطقہ اس طرح بند کر دو کہ آئندہ کبھی پھر کسے دکھ ہی کو زبان پر لانے کی ہمت نہ ہو! ——— مرض سے بچنے کا کتنا سستا اور کیسا دلچسپ ہے یہ نسخہ کہ مرض کے ازالہ کی تدبیروں کے بجائے، مرض کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے، اور جو طبیب بن کر آئے، اُسی کو عصبی چیخ کے ساتھ کوسنا شروع کر دیا جائے!

تحریک و تجدید

ترجمان القرآن جلد ۲۰ عدد ۲ یعنی تازہ نمبر میں:-

"اہل عقل کا کام یہ نہیں ہے کہ الفاظ و عبارات کو خوردبین لگا کر دیکھیں اور شبہات و اعتراضات کی گنجائش ڈھونڈیں، انہیں مدعا کو دیکھنا چاہیے اور مدعا اگر برحق ہو تو محض اس بنا پر کہ ایک حق بات کی مخالفت نہ کرنی چاہیے کہ اسے بیان کرنے کے لیے وہ طریقہ نہیں اختیار کیا گیا جو انکے مذاق کے مطابق ہوتا"۔

اسی عبارت کو یوں بھی لکھا جا سکتا تھا کہ

"اہل حق کا کام یہ نہیں کہ اپنی ایجاد کی ہوئی تعبیرات پر اصرار کیے جائیں، اپنے مخلص سے مخلص رفیقوں کی تنقیدوں سے بے پروا رہیں، اخلاص و صداقت کا اجارہ دار صرف اپنے ہی کو سمجھے رہیں، اور چونکہ انکی تحریک کے متعدد اجزاء صحیح و صالح ہیں، اس لیے نتیجہ یہ نکال لیں کہ باقی سب اجزاء بھی سالم و صالح ہی ہونگے۔ اور جو کوئی ان آخری اجزاء کی تصحیح کا مشورہ دیتا ہے، وہ لازمی طور پر بجائے مغز کے چھلکے پر نگاہ کر رہا ہے!"

انشائے اشرفی

ملک کے مشہور فاضل مولانا سید سلیمان ندوی کی صاحبزادی کی شادی ابھی چند ماہ ہوئے مولوی محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی کے ایک مسترشد سے انھیں کے حسب مشورہ مہر فاطمی پر ہوئی۔ مولانا نے اسکی اطلاع اپنے اور انکے دونوں کے شیخ حضرت مولانا تھانوی کو دی۔ حضرت کا مذاق یہ ہے اور تحقیق بھی یہی کہ مہر فاطمی محض سنت ہے، برخلاف اسکے مہر مثل (دستور خاندانی کے مطابق) کی رعایت لڑکی کے دل کے ذمے فرض ہے۔ ان فقہی حقیقتوں کو دیکھیے، مولانا اپنے جواب میں کتنے بلیغ ادبی رنگ میں ادا فرماتے ہیں:-

"اس میں ایک جزو یعنی واقعہ مہر قابل تفصیل ضروری رہ گیا۔ اس رہ جانے کا سبب زہد عیسیٰ ہے، جسکو ملک سلیمان نے اختیار کرکے اپنے ادب پر ترجیح دیدی۔ اس سے اس خاص محل میں رعیت سلیمان کا ایک حق کم ہو گیا۔ جسمیں رعیت کی رضا..."

اعتراض بھی نہیں رہا، لیکن فی نفسہ کمی ہوگئی"۔

یہ وہی مولانا سے تھانوی ہیں جو اپنی مولویانہ خشک نویسی کے لیے بدنام ہیں!

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا!

انشائے اشرفی پر کئی ماہ قبل شذرات ان صفحات میں نکل چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی صاحب تھوڑی سی محنت گوارا کرکے کام کی تکمیل کر دیں۔—

"غلامانہ ذہنیت"

"یہ شکست خوردگی و پست ہمتی ایک علامت ہے غلامانہ ذہنیت کی"۔ صوبۂ آسام کے گورنر نے شیلانگ میں اپنی ایک تازہ تقریر میں ارشاد فرمایا!——— لیکن غلاموں سے خطاب کرتے وقت اسی "غلامانہ ذہنیت" کے نشو و نما پر افسوس کی کیا بات ہے! لاٹ صاحب کو تو اور خوش ہونا چاہیے کہ انھیں کا اور انھیں کے ہم قوموں کا لگایا ہوا درخت اب خوب تناور ہو چکا ہے، اور خوب پھل پھول لا رہا ہے۔ سارا سرکاری ماحول آخر تھا کس دن کے لیے!

سید ظہور احمد مرحوم

جون کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ لکھنؤ لیڈر بار کے اور ایک زمانہ کے نامور لیڈر و کبیشٹ سید ظہور احمد بی۔ اے، ایل ایل بی نے وفات پائی۔ اور عبرت کی آنکھ کو دنیوی جاہ و حشم کی بے ثباتی کی ایک اور مثال ہاتھ آئی۔ مرحوم رہنے والے ضلع الہ آباد کے تھے، اپنے عزیز قریب سید نبی اللہ بیرسٹر لکھنؤ کے ساتھ کمسنی میں لکھنؤ آگئے، یہیں تعلیم لکھنؤ کینگ کالج میں پائی۔ اور اسی وقت سے اپنی بصیرت و مذاق کے موافق قومی تحریکوں میں بڑے جوش و خلوص کے ساتھ حصہ لینے لگے۔ وکالت یہیں کی جوڈیشل کمشنری اور پھر چیف کورٹ میں شروع کی۔ شدھی گیدڑ ستھ کی ہر تحریک کے روح رواں تھے۔ مذہب سے بھی لگاؤ اُسی وقت سے تھا۔ اور اسکی علامت یعنی داڑھی چہرے پر نو عمری ہی سے نظر آنے لگی۔ لکھنؤ ہی کی نہیں، صوبہ کی بھی جتنی چھوٹی بڑی تحریکیں شروع ہوئیں، انکا ان میں نمایاں حصہ لازمی تھا۔ ایک زمانہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی سکرٹری شپ انکے ہاتھ میں آئی اور عرصہ تک رہی۔ مرحوم مہاراجہ بہادر محمود آباد کے زمانہ میں نہ معلوم کتنی شخصیتیں ابھریں اور ابھی گریں، سید صاحب اپنی سلامت روی کی بنا پر افراط و تفریط سے الگ رہے۔ آخر زمانہ میں مشغولیت کا خاص ادارہ ندوہ اور دار العلوم ندوہ رہ گیا تھا۔ ارکان انتظامیہ میں سب سے زیادہ دفاتر رکن مرحوم ہی تھے۔ امیر الدولہ ہائی اسکول کو انٹرمیڈیٹ کالج کے بھی بڑے آرزومند تھے۔ اور اسکول اسی ہفتہ سے کالج میں تبدیل ہے۔ انتقال حرکت قلب کے بند ہونے سے کہنا چاہیے کہ دفعتًا ہوا۔ بیماری اور موت کی خبر زیادہ پھیلنے نہ پائی۔ خلق سے تعلقات یوں بھی ٹوٹ چکے تھے۔ جنازہ کے ہمراہ بس گنتی کے چند عزیز مخلصین تھے، اور اللہ کی رحمت کے فرشتے!——— انھیں کے ایک ... خاندان نے چند سال یونیورسٹی میں اپنا نام غیر مسلم کی حیثیت سے درج کرا کے مرحوم کا دل توڑ دیا

اسکی طرح ایک مدت سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے —— بہرصورت وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔

بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیلی اپنے آپ کو آتش دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے۔

چنانچہ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے۔

"آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئیگی بھی نہیں اس لیے کہ وہ جہنم پر پہونچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر لینگے اور خدا کے پاس واپس آجائینگے"۔ (جلد ۵ - ص۵۸۳)

یہود کے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں Everyman's Library کے مرتب کیے Everyman Series میں شایع ہوا ہے اُس میں یوں آیا ہے:-

"قیامت کے دن ابراہیم درِ دوزخ پر تشریف رکھتے ہونگے اور کسی مختون اسرائیلی کو اُس کے اندر نہ جانے دینگے (ص۴۰۴)

"جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی (ص۴۰۵)

حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دلاری سمجھے ہوئے تھے اور اسی پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔

ص۱۴۸ (اے پیغمبر ان یہود سے) بطور الزام)

ص۱۴۹ یہود سے سوال ہو رہا ہے کہ اپنی قوم کی محبوبیت کا، عذاب آخرت سے محفوظیت کا، عدم مسئولیت کا عقیدہ و آخر تم نے کہاں سے گڑھ رکھا ہے؟ آیا یوں ہی اپنے دل سے؟ یا اسکی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھلا سکتے ہو؟

ص۱۵۰ قال کا صلہ جب علیٰ آتا ہے جیسا کہ تقولون علی اللہ میں ہے تو معنی ہوتے ہیں کسی پر کوئی چیز جوڑ لینا یا بہتان باندھنا

قال علیہ اے افتریٰ (تاج)

ص۱۵۱ نجات و عدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے۔ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔

ص۱۵۲ قصداً بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ نور ایمان کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے صرف انھیں کے حق میں ممکن ہے جو سرے سے اہل باطل ہوں، اور انکی موت کفر و شرک ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل سہی بہرحال احاطت بہ خطیئۃ کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا وصف تو اس میں موجود رہا ہوگا۔

لے الشرک باللہ والموت علیہ (ابن عباسؓ) والسیئۃ الکفر والشرک قال ابن عباس

ومجاہد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ہذہ الآیۃ (معالم - عن الواحدی) فسروا السلف بالکفر (بیضاوی)

ص۱۵۳ خلود کے معنی اگرچہ مدت طویل کے بھی ہیں، لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ مراد اس سے دوام و ہمیشگی ہے، اور اسی کی تاکید و تائید میں قرآن میں خالدین فیہا کے ساتھ ساتھ جابجا ابداً بھی آیا ہے۔

ص۱۵۴ دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی اپنے قصد و اختیار سے بد عقیدگی و ...

تنقید مضمون حقوق الزوجین

نمبر (۱۰)

(از مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی)

پھر وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس قانون کی موجودگی میں تہذیب و تمدن کے مقاصد کیسے پورے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں خود نکاح کا بقاء ہی خطرہ میں پڑ جائیگا، جو کہ ذریعہ تھا تمدن و تہذیب کا، تو پھر تمدن و تہذیب کہاں۔ اگر کہا جائے کہ یہ خطرہ تو اُس وقت بھی ہے جبکہ مردوں کو طلاق کا اختیار رہے، کیونکہ اسکی وجہ سے نکاح کا بقاء ہر وقت خطرہ میں ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس وقت جو خطرہ ہے تو وہ اکہرا ہے، اور جب طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں آ جائیگا اُس وقت یہ خطرہ دوہرا ہو جائیگا۔ پھر تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرد اپنے اس اختیار کے استعمال میں اس قدر محتاط واقع ہوئے ہیں کہ وہ جائز طور پر بھی اسکو کام میں لانے میں دریغ کرتے ہیں چنانچہ مردوں کے اسی بخل کی وجہ سے مودودی صاحب کو حقوق الزوجین تصنیف کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن عورتوں کی یہ حالت نہیں ہے چنانچہ خود مودودی صاحب نے اقرار کیا ہے کہ جس وقت یورپ میں زنا کی بنا پر فسخ نکاح کا قانون پاس ہوا ہے، تو عورتوں کی طرف سے فسخ نکاح کے اس قدر دعوے دائر ہوئے کہ عدالتیں اُنکی سماعت سے عاجز آ گئیں۔ اب اگر قانون خلع اس شکل میں نافذ ہو جائے جس شکل میں مودودی صاحب اُسکو رائج کرنا چاہتے ہیں، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی مسلمان کا گھر آباد رہ سکتا ہے۔ اگر نہیں تو اس سے تہذیب و تمدن اور تحفظ اخلاق کیونکر ممکن ہے؟ ایسی حالت میں ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے اپنے مخترع قانون خلع کی حمایت کرنے کا منشا، بجز اسکے کچھ نہیں ہو سکتا کہ انکے سر پر یورپین تہذیب و تمدن کا بھوت سوار ہے۔ اور وہ اسلام کے دوست بن کر اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر قوانین عنین وغیرہ کی وجہ سے اور قانون خلع کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی عورت زنا کا ارتکاب کر لیتی ہے یا مرتد ہو جاتی ہے، تو وہ اسکو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دے کر اسکے بجائے دوسرے اسلامی قوانین بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن ان قوانین سے قطع نظر کر کے جو زناکاریاں اور اغلام بازیاں اور ارتداد اور دیگر فواحش کا ارتکاب ہو رہا ہے اُسکی انکو کوئی پرواہ نہیں۔ کیا اسکی وجہ اسکے سوا کچھ اور ہو سکتی ہے کہ ان پر یورپین تہذیب و تمدن کا غلبہ ہے اس جگہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں خلع کا قانون اُسی شکل میں ہوتا جس شکل میں مودودی صاحب اُسکو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین کے زمانہ میں نشوز وغیرہ کے واقعات ہی نہ پیش آتے۔ مثلاً اگر جمیلہ کو

علم ہوتا کہ اسلام میں خلع کا قانون ہے، تو وہ نشوز کی مرتکب نہ ہوکر عدالت میں مجرمانہ حیثیت سے نہ پیش ہوتیں، بلکہ براہ راست خلع کا دعوےٰ کرکے اپنے کو قید نکاح سے آزاد کرا لیتیں - علیٰ ہذا اگر حبیبہ بنت سہل کو معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے، تو وہ خاوند کی ضرب شدید کی شکایت نہ کرتیں - بلکہ خلع کا دعوےٰ کرکے اپنا پیچھا چھڑا لیتیں - اسی طرح اگر اس عورت کو جو نشوز کے الزام میں گرفتار ہوکر حضرت عمرؓ کے روبرو پیش ہوئی تھی یہ معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے، تو وہ نشوز کی مرتکب ہوکر سزائے قید نہ بھگتتی، بلکہ براہ راست خلع کا دعویٰ کرکے اپنا پیچھا چھڑا لیتی - اگر ربیع بنت معوذ کو معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے تو وہ اپنی تمام املاک دے کر خاوند کو ہتنی کرنے کی ضرورت نہ سمجھتیں، بلکہ حضرت عثمانؓ کے یہاں خلع کا دعوےٰ کرکے صرف مہر کے عوض میں خلع کرا لیتیں - اگر اس عورت کو جس کا مقدمہ حضرت علیؓ کے یہاں پیش ہوا تھا، یہ معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے تو وہ حضرت علیؓ کے یہاں آکر خلع کا دعوےٰ کر دیتی - اور حضرت علیؓ کو مقدمہ کو حکمین کے سپرد کر دینے کی ضرورت نہ ہوتی - علیٰ ہذا اس قانون کی موجودگی میں قوانین عنین و خیار بلوغ و مفقود وغیرہ کی ضرورت نہ ہوتی - مثلاً اگر کسی عورت کا خاوند نامرد ہوتا، تو وہ براہ راست خلع کا دعویٰ کر سکتی تھی اور اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ شوہر کی نامردی کا دعویٰ کرتی، اور نہ اسکی ضرورت ہوتی کہ عورت کو ایک سال تک معلق رکھا جائے، جس میں وہ مودودی صاحب کے اصول پر تین مرتبہ زنا کے لیے مجبور ہو سکتی ہے - علیٰ ہذا اگر کسی عورت کا شوہر گم ہو جاتا تو وہ براہ راست خلع کا دعوےٰ کرکے اپنا پیچھا چھڑا سکتی تھی - اور اسکی ضرورت نہ تھی کہ اسکو چار سال تک معلق رہنے پر مجبور کیا جائے - جس میں وہ مودودی صاحب کے قاعدہ کے موافق ۱۶ دفعہ زنا کے ارتکاب پر مجبور ہو سکتی ہے، کیونکہ انھوں نے ایلا کی بحث میں تسلیم کیا ہے کہ عورت چار مہینے کے بعد زنا کے لیے مجبور ہو جاتی ہے - الغرض یہ تمام واقعات اور دلائل اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ مودودی صاحب کا قانون خلع ہرگز قانون اسلامی نہیں ہے اور وہ اسلامی معاشرہ کے لیے نہایت خطرناک - اور انتہا درجہ کی گمراہی ہے - اب ہمکو مودودی صاحب کی قوت عقلیہ کا جائزہ لینا ہے - اگرچہ گزشتہ مباحث سے بھی اس بحث پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے - اس لیے کہا جاتا ہے کہ اگر خدا انکو عقل دیتا تو وہ سمجھتے کہ صرف قانون خلع انکے اس مقصد کو پورا کر سکتا ہے اور انکو مذاہب فقہا کو اور دوسرے قوانین پر دست درازی کی ضرورت نہیں ہے - اس لیے انکو چاہیے تھا کہ وہ دوسرے مسائل کو ہاتھ نہ لگاتے اور جس قدر زور دینا تھا وہ اسی قانون کے اثبات پر زور دیتے - اس سے انکے جرائم میں بہت کچھ کمی آسکتی تھی - لیکن یہ انکی عقل کا قصور ہے کہ وہ بیک وقت تمام قوانین ازدواج پر حملہ کر رہے ہیں - اور ان سب کو بدل کر انکے بجائے اپنے من گھڑت قوانین جاری کرنا چاہتے ہیں - ایسی حالت میں ہماری خیر خواہانہ رائے یہ ہے کہ اگر مودودی صاحب خود بھی مسلمان رہنا اور دوسروں کو بھی مسلمان رکھنا چاہتے ہیں تو انکا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دماغ سے انگریزی ذہنیت کو نکالیں اور اپنے اجتہاد کے جاہلانہ تخیل کو دور کریں - اسکے بعد وہ کسی ماہر فن سے صحیح طور پر اسلام کو سمجھیں اور اسکو صحیح طور پر عمل کر کے دوبارہ تجدید اسلام کریں اور صحیح معنی میں مسلمان ہوکر صحیح طور پر اسلام کی اشاعت کی خدمت کریں اسوقت انکی یہ خدمت عنداللہ مشکور ہوگی ورنہ اس حالت میں جو کچھ بھی وہ اسلام کے نام سے کرینگے وہ محض ریچھ کی دوستی ہوگی - وہ اسکا تحسین معلوم کرینگے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ جواب ہوگا - ہم انکو دلائل کے ذریعہ سے اسکا اطمینان دلانے کی کوشش کر چکے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اسکے لیے مزید کوشش کر سکتے ہیں کہ ان میں اجتہاد کی قابلیت تو درکنار ابھی انکے اندر طالبعلمانہ استعداد بھی نہیں ہے اور وہ اب تک یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کیا چیز ہے - اس لیے انکو چاہیے کہ وہ اپنی اجتہادی قابلیت قابلیت کے تخیل کو دماغ سے نکالیں، ورنہ انکا علاج ناممکن ہوگا، اور وہ ہمیشہ افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا کا مصداق رہینگے - یہ تنقید حقوق الزوجین پر صرف اجمالی ہے - اور اس میں بھی اختصار کو بہت کچھ پیش نظر رکھا گیا ہے اور بہت سے پہلو بحث کے چھوڑ دیے گئے ہیں - اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر حقوق الزوجین پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے تو اس میں ہم کو کس قدر زحمت برداشت کرنی پڑیگی اور کتاب کس قدر مبسوط ہو جائیگی - اس لیے اسوقت ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں - اور حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں امتیاز کرکے ہدایت کو اختیار کریں اور ہر قسم کی گمراہی سے اجتناب کریں - جن میں سب سے بڑی گمراہی جہل مرکب ہے - یہ وہ مرض ہے جو علاج کم قبول کرتا ہے - مگر اس زمانہ میں یہ مرض وبا کے طور پر تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے - اسی وجہ سے اسوقت عام اصلاح قریب قریب ناممکن ہو رہی ہے - اور اسکے ساتھ اتباع ہوی نے مل کر اسکو اور بھی خطرناک بنا دیا ہے - اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے - اذا رأیت شحا مطاعا و ہوی متبعا و اعجاب کل ذی رای برایہ فعلیک بخاصۃ نفسک و دع عنک امر العامۃ - اسی مرض میں بنی اسرائیل مبتلا ہوگئے تھے - جسکے علاج سے مایوس ہوکر اس زمانہ کے اہل حق کی ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا تھا لم تعظون قوما اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا - جسکے جواب میں انھوں نے کہا تھا معذرۃ الی ربکم و لعلہم یرجعون - اب وہی حالت امت محمدیہ کی ہوگئی ہے - اور اسی وجہ سے اہل حق کی ایک جماعت مایوس ہوکر گوشہ نشین ہوگئی ہے - اور کوئی کوئی معذرۃ الی ربکم و لعلہم یرجعون پر عمل پیرا ہوکر اس موہوم امید پر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے - اب نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے - والسلام

اپنے مراسلہ نگاروں سے

حکیم انصاری صاحب (گونڈا) مرحمت نامہ بابری پر کافی بحث صدق میں ہو چکی - مقالہ مرسلہ کی اشاعت سے معذوری ہے - از سر نو ایک بحث و مباحثہ کا قائم ہو جائیگا -

اسلام نظامِ حیات ہے

(از مولوی سید عبد القادر صاحب مبلغ دینداراں چمن حیدرآباد دکن)

سادھو کا دھونی رمائے بیٹھنا۔ رات کو دن کر دینا۔ کبھی اعضائے جسم کا سکھا دینا۔ پارسی کی شعلہ نوازیاں۔ عیسائی کی کلیسائی دعائیں۔ راہب کی رہبانیت۔ مسلم کے سجدے اور دالہانہ مناسک حج۔ کیا یہ ایسی چیزیں ہیں جو نظر انداز کر دی جائیں؟ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں کہ انسانیت ماورائی ہستی کی تلاش میں ہے۔ گویا وہ اسے کھو چکی ہے اور اسکی وہ میں گداز ہونا چاہتی ہے اور اپنا سب کچھ کھو کر اپنے محبوب حقیقی کو حاصل کرنا چاہتی ہے کائنات کی ہر چیز کا انسان سے نذرِ عقیدت حاصل کرنا کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ انسانیت اپنے گم شدہ محبوب کی تلاش کر رہی ہے؟ کیا یہ محض پروپیگنڈہ ہے؟ کیا انسانیت باوجود اختلاف رنگ و ملک و نسل و زبان اس ایک چیز پر متفق نہیں؟ کیا زمانہ قدیم میں ایسے وسائل تھے کہ اقوامِ عالم ہر بات میں مختلف ہونے کے باوجود مل کر آپس میں تبادلۂ خیالات کر کے اس عقیدہ پر متفق ہو جائیں؟ اگر نہیں تھے تو کیا ایسا عظیم الشان اجماع اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ انسان کی فطرت میں یہ عقیدت ودیعت ہے؟

مذہبی احساس کے اسقدر ہمہ گیر اور عالمگیر ہونے کے باوجود مفہوم مذہب کے مختلف نظریے ہیں۔ بعضوں نے انسان کو اتنا ذلیل سمجھا کہ اسکی فطرت میں گناہ ہے اور وہ موروثی گناہگار ہے۔ وہ کسی صورت میں گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ وہ کسی خیر کے قابل نہیں۔ اس پست فطرتی سے اسکی نجات اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ وہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے۔ اس تخیل نے عمل کو ہیچ سمجھا اور انسانوں کے ایک گروہ کثیر کو عملی دنیا سے الگ کر دیا۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ انسان اپنی ہستی کے قابل نہیں۔ اسکا نروان (نجات) اسی میں ہے کہ خود کو ہلاک کر دے۔ ہندو فلسفہ میں انسان کی ہر قسم کی جسمانیات کو روحانی ترقی کی روک سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں طرح طرح کی جانگداز و تکلیف دہ ریاضتوں کی تعلیم دی گئی۔ فلسفۂ یونانی نے مذہب کی بنیاد "اعیان ناشہود" پر رکھی جو معلق الفنا نہ طور پر انسانی زندگی پر عائد کیے گئے ہیں۔ انسان ذاتی جدوجہد سے اپنی زندگی میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتا۔ قدیم ایرانیوں نے انسان کو خانقاہ یزدان و اہرمن (خیر و شر) کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سمجھا۔ انہیں تخیلات مذہب نے جا بجا نفس کشی اور ناقابل برداشت ریاضتیں پیدا کر دیں۔ جسکے نتیجہ میں انسان مادی زندگی سے گریز کرنے لگا اور مذہب صرف روحانی زندگی کا نام ہو گیا۔ مادی دنیا سے علیحدگی ہی عین مذہب سمجھی جانے لگی۔ جسکی وجہ سے پیروان مذاہب مادی و جسمانی ترقیات سے محروم ہو گئے۔ فلسفۂ جدید نے ان سابقہ تخیلات کے نتیجہ کی وجہ سے مذہب کا مفہوم ہی بدل دیا۔ اسکے نزدیک مذہب صرف خدا و بندہ کے تعلق کا نام ہے۔ اس لیے مذہب کو انفرادی و پرائیویٹ حیثیت دی گئی۔

مفہوم مذہب کے جدید تخیل کا علمبردار سیکولرزم ہے جس نے ان کے نظریۂ "ثنویت روح و مادہ" کو بلا تنقید قبول کر لیا۔ جسکے نتیجہ میں یہ تخیل پیدا کیا کہ روح کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور مادہ کا دنیوی زندگی سے ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ اس نے مذہب کی اجتماعی حیثیت سے انکار کر دیا۔ اور مذہب کو سیاست سے جدا رکھنے کی تعلیم دی۔ اس نے صاف صاف کہا کہ مملکت کو مذہب و اخلاق سے بالاتر ہونا چاہیے اور ہندوستان میں قانوناً مذہبی آزادی کا بھی حکومت کے نزدیک یہی مفہوم ہے۔ زمانہ حاضرہ میں یہ خیال بالکل عام ہو گیا ہے کہ مذہب ایک انفرادی چیز ہے جسکو عبادت گاہ اور گھر تک محدود رہنا چاہیے۔ اور دنیوی معاملات میں مذہب کو دخل نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ بھولا بھائی ڈیسائی نے ایک مرتبہ کہا

"اب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظامِ حکومت قائم کیا جائے جسکی بنیادیں مذہب پر ہوں۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کریں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر، مذہب، خدا کو انکے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔" (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۵ ۹/۴۸ ۶)

اگر اس تخیل کے پس منظر کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل سابقہ مذاہب کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ مذاہب و شریعتیں لوگوں کے لیے بطور نسخہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخہ تجویز کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق نسخہ تجویز کر چکا۔ چھٹی صدی عیسوی سے پیشتر تعلقات بین الاقوام نہ تھے۔ ایک قوم دوسری قوم سے جدا تھی۔ ایک ملک دوسرے ملک سے علیحدہ تھا۔ اس لیے جتنے مذاہب و شریعتیں ہوئیں وہ عالمگیر اور ابدی نہ تھیں۔ اس لیے اقتضائے زمانہ کے مطابق تعلیمات نازل کی گئیں۔ مثلاً جب بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم و کر بے عزت ہو گئے تو اسوقت انکو غلامی سے نجات کے لیے خدا نے یہ نسخہ بھیجا کہ تم ہر شرارت کا انتقام لو۔ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اسی طرح پر زور تحریکوں سے ان میں جوش انتقام پیدا کیا گیا۔ جب چودہ سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت مسیح کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اسوقت انکے لیے یہ نسخہ دیا گیا کہ کوئی اگر تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اسکے آگے کر دے۔ چونکہ یہ مذاہب موقتی اور محدود المقام تھے۔ اس لیے اسوقت مخاطب اقوام کی زندگی کا جو شعبہ بھی بگڑ چکا تھا صرف اسکی اصلاح کی گئی۔ اور کسی مذہب کی بھی تعلیم انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر مشتمل نہ تھی۔ لیکن جب ان مذاہب کے پیروؤں نے انکو باقی رکھنے کی کوشش کی تو بجائے ترقی کے تنزل کی طرف جانے لگے۔ چنانچہ سولھویں

صدی عیسوی تک جبکہ جیب پر رہبانیت کا مل تسلط رہا - اقوام یورپ نے ترقی کی راہیں مسدود رہیں - جسکی وجہ سے میکیاولی نے مذہب کے نظام محبت ہونے سے انکار کر دیا - کیونکہ اسکے پیش نظر سولھویں صدی عیسوی کی عیسائیت تھی - جس میں کسی ہوشمند انسان کے لیے روحانی تسکین کا سامان مشکل ہی سے مل سکتا تھا - اسکے پیش نظر مسیحیت دیا پاپائیت کی دائمی جنگ اور خود کلیسائی گروہوں کا انتشار بھی تھا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں تعلقات بین الاقوام کی راہیں مسدود تھیں - جبکہ ایران وروما کی ترقی حکومت کی ہوس نے انکو بھی سرحدیں فتح کرنے اور توسیع مملکت پر مجبور کیا - جسکے نتیجہ میں ایک ملک دوسرے ملک سے متعلق اور ایک قوم دوسری قوم سے قریب ہو گئی - لیکن یہاں انسانیت میں جوں جوں ذرائع بڑھ رہے تھے وہیں مرور زمانہ کے سبب مذاہب کی تعلیمات اصل حیثیت میں باقی نہیں تھیں - اور تمام مذاہب اخلاقی بند کھولکر توڑ چکے ہو - سر اسر طرح کے روحانی امراض پھیل چکے تھے - اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو بگڑ نہ چکا ہو - تب ایک عالمگیر اور اول نسخہ ہدایت اسلام نامی لایا گیا - جسکی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہیں یا انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسکے متعلق اسلام نے مکمل تعلیم دی ہو۔

اسلامی فلسفہ نے ثنویت روح و مادہ کو ایک بڑی فلسفیانہ کشمکش قرار دیا - کیونکہ اسلام ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے جسکو روح و مادہ میں منقسم کرنے کے بعد اسکی اصل حیثیت باقی نہیں رہ سکتی - کیونکہ جسم بغیر روح بیکار ہے اور روح کے بغیر جسم ایک بے جان چیز ہے - روح و مادہ انسانی زندگی کے لیے لازم و ملزوم ہیں - ہماری ظاہری زندگی باطن سے عبارت ہے - باطن جو سرچشمہ اعمال ہے گندا ہو جائے تو ظاہر صاف نہیں رہ سکتا - ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے - مثلاً ہمارے جسم کو چوٹ لگے تو حالانکہ ہمارے باطن کو مار نہیں لگتی اگر پھر بھی ہمیں باطنی و روحانی تکلیف ہوتی ہے - ہمارا کوئی عزیز دار انتقال کر جائے تو اس سے باطنی تکلیف ہوتی ہے - مگر ظاہر پر یہ اثر ہوتا ہے کہ چہرہ مکدر و غم آلود ہو جاتا ہے اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں - ہمارا باطن و ظاہر ایک دوسرے سے متعلق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام جہاں باطن کے لیے ہدایت دیتا ہے وہیں ظاہر کے لیے بھی اس میں تعلیم موجود ہے - مذہب محض جذبہ نہیں بلکہ وہ شعوری و وجدانی کیفیت ہے - جذبہ مادی حرکت کا نتیجہ ہوتا ہے اور وجدان و شعور مادہ نہیں - کیونکہ مادہ زمان و مکان میں محدود ہوتا ہے اور شعور زمان و مکان میں محدود نہیں - جذبہ و وجدان میں فرق یہ ہے کہ جذبہ صرف اپنے تک محدود ہوتا ہے دوسرے جذبات کو ابھار نہیں سکتا - غصہ ایک جذبہ ہے جو رحم کے جذبہ کو پیدا نہیں کر سکتا - وجدان مختلف اوقات میں مختلف جذبات پیدا کرتا ہے - ہمارے بعض جذبات کو ابھارتا ہے اور بعض کو دباتا ہے - وجدانی

کیفیت میں جذبات کی دھوپ چھاؤں ہوتی ہے - عشق ایک وجدانی کیفیت ہے جس میں مختلف جذبے پیدا ہوتے ہیں - کبھی محبوب کی بے التفاتی رنج و غم کا باعث ہوتی ہے - کبھی ادنی سی توجہ خوشی و انبساط پیدا کرتی ہے - اور کبھی رقیبانہ تعلقات غصہ و انتقام کے جذبہ کو ابھارتے ہیں - جبکہ مذہب شعور و وجدان سے ہے تو ہماری زندگی ایک شعبہ نہیں ہو سکتا - وہ ہیئت اجتماعی ہے جو ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے - وہ ایک نظام حیات ہے جو ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے - اسلام میں مذہب کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ بندے و خدا کے تعلق کا نام مذہب ہے اس لیے ہماری زندگی کا شعبہ ہے بلکہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ و کائنات سے تعلق کا نام مذہب ہے - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ ارشاد ہوا، الطاعۃ لامر اللہ و شفقت علی خلق اللہ - اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اسکی مخلوق پر شفقت - یہی وجہ ہے کہ اسلام ہماری زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق تعلیم دیتا ہے - وہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا اکمل مذہب ہے - جس سے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ باہر نہیں رہ سکتا - تمدن، معاشرت، سیاست، معاشیات و اقتصادیات - غرض کوئی پہلو ایسا نہیں جسکے متعلق اسلام نے تعلیم نہ دی ہو - یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ غیر مذہبی نہیں ہو سکتا - کیونکہ اسکا مذہب نظام حیات ہے - جو اسکی دنیوی زندگی سے علیحدہ نہیں - اور نہ انفرادی و پرائیویٹ ہے - اگر مسلمان کی سیاست مذہب سے آزاد ہو گئی تو وہ سیاسی غیر مسلم ہوگا - اگر اسکی معاشی زندگی اسلامی نہ ہوئی تو وہ معاشی غیر مسلم کہلائے گا۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریداروں کی میعاد خریداری اسی ماہ جولائی ۱۹۴۲ء میں تمام ہو رہی ہے، براہ کرم سال آیندہ کے لیے چندہ ارسال ہو۔ اور اگر خدانخواستہ کسی صاحب کو آیندہ خریداری منظور نہ ہو تو دفتر کو ایک کارڈ لکھ دیں تاکہ ۱۰ کم اگست کو وی۔پی نہ روانہ کیا جائے ورنہ غریب دفتر کو بلا وجہ مصارف وی۔پی کا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔

نمبر ۶۲	و ۹۲	و ۱۱۰	و ۱۱۳
و ۱۲۷	و ۲۶۴	و ۲۶۵	و ۲۶۹
و ۳۶۲	و ۴۰۵	و ۴۵۳	و ۵۲۹
و ۵۳۰	و ۵۳۸	و ۵۴۶	و [illegible]
و ۸۲۶	و ۸۲۸	و ۸۳۵	و ۸۳۶
و ۱۰۳۲	و ۱۰۳۳	و ۱۰۳۶	و ۱۰۳۷
و ۱۰۳۸	و ۱۰۳۹		(مہتمم)

سچی باتیں

تقویم مسیحی کے لحاظ سے جون ۶۳۶ء تھا، کہ خلیفہ برحق عمر فاروقؓ کے عہد میں اور صحابی رسول سعد بن وقاصؓ کے زیر قیادت، عرب فوجیں ایران کے پایۂ تخت اور اکثر شہروں میں فاتحانہ داخل ہوگئیں۔ ایران صدیوں سے آریائی تہذیب و تمدن کی نمائندگی کرتا چلا آرہا تھا، دنیا کی دوسری بڑی شہنشاہی روم سے برابر ٹکروں پر ٹکر لے رہا تھا، اور اپنے تکلفات اور نفاستوں کے لحاظ سے گویا دنیائے قدیم کا فرانس یا امریکہ تھا۔ عرب فاتحین، اور تمدن نا آشنا عرب آکر اسے فتح کرتے ہیں ——— فاتحوں کی سادگی کی کیفیت کافور کو نمک سمجھتے ہیں، زرد رنگ کی دھات (سونے) کو بے تکلف سفید چاندی (چمکدار) سے بدل لیتے ہیں، اور جب میدہ کی چپاتیاں عمر میں پہلی بار دیکھتے ہیں، تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں، "ماہذہ الرقاع البیض؟ = سفید سفید کاغذ کیا چیز ہیں؟" ——— یہ فاتح پوچھ رہے ہیں بے تکلفی سے سوال کر رہے ہیں، اپنی ہی مفتوح رعایا سے!

یہ منظر ساتویں صدی عیسوی کے ثلث دوم کا تھا۔ دوسرا منظر چند صدیاں پھاند کر اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کا دیکھیے:-

"غازی الدین حیدر شاہ اودھ کو پراٹھے پسند تھے۔ ان کا رکابدار ہر روز چھ پراٹھے پکاتا۔ اور فی پراٹھا پانچ سیر کے حساب سے ۳۰ سیر گھی روز لیا کرتا۔ ایک روز وزیر سلطنت آغا میر نے پوچھا کہ ارے بھئی! یہ تیس سیر گھی کیا ہوتا ہے؟ کہا "حضور پراٹھے پکاتا ہوں" کہا "بھلا میرے سامنے پکاؤ" جتنا گھی کھپا، اور جو باقی بچا پھینک دیا۔ اور کہا "اب یہ گھی بالکل تیل ہوگیا۔ اس قابل تھوڑے ہی ہے کہ کسی اور کھانے میں لگایا جائے"۔ (شرر، "گزشتہ لکھنؤ" صفحہ)

"مرزا دل شاہ اودھ کے ہمراہ مٹیا برج میں ایک رئیس تھے، جنکا منشی السلطان بہادر خطاب تھا۔ بچپن میں چھ سات برس تک میں انھیں کے ساتھ رہا اور اُنکے دسترخوان پر برابر شریک ہوتا رہا۔ میں نے اُنکے دسترخوان پر تیس چالیس قسم کے پلاؤ اور بیسیوں قسم کے سالن کھائے۔ جن میں بعض ایسے تھے کہ پھر کبھی کھانے نصیب ہوئے"۔ (صفحہ)

[پلاؤ کے سلسلہ میں یہ اور سن لیجیے کہ] "شوقین امیروں کیلیے مرغ مشک و زعفران کی گولیاں کھلا کھلا کے تیار کیے جاتے۔ یہاں تک کہ اُنکے گوشت میں ان دونوں چیزوں کی خوشبو سرایت کرجاتی، اور ہر رگ و ریشہ معطر ہوجاتا۔ پھر اُنکی یخنی نکالی جاتی، اور اُس یخنی میں چاول دم دیے جاتے"۔ (صفحہ)

لکھنؤ کا دسترخوان تو صرف نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ دلی کا، لاہور کا، بھوپال کا، رامپور کا، مرشد آباد کا، کہاں کا دسترخوان اس سے کچھ گھٹ کر رہا ہے۔ ذکر صرف شاہی دسترخوان کا نہیں، امیروں کے، وزیروں کے، اونچے عہدیداروں کے، اودھ کے ایک ایک رئیس و تعلقدار کے دسترخوانوں کا کیا رنگ انیسویں صدی میں رہا ہے، اور اس بیسویں صدی میں کیا ہے؟ بلکہ متوسط طبقہ بھی اس رنگ سے کہاں تک بے نیاز رہا ہے؟ جنکے بزرگ کافور اور میدہ کی شکل تک سے بیگانہ تھے، انھیں کی اولاد، محض پلاؤ کی تیس تیس چالیس چالیس قسموں کی اور سالن کی بیسیوں قسموں کی

کوئی خالص علمی اور مذہبی اخبار ہے"۔

"صدق کی مسلہ میں گالی بھی اصلاح کی آواز ہے - اور دریاباد کا فتویٰ یہی ہے کہ جب اصلاح مقصود ہے تو مغلظات شروع کرو"

"اصلاح کی شدت میں اگر خود اپنے منہ پر بھی سیاہی ملنے کی ضرورت ہے، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، اور اگر خود اپنی قوم کی عورتوں پر کیچڑ اچھالنی پڑے تو یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں"۔

"جس بے پروائی کے ساتھ موصوف نے مسلمان عورتوں کو گالی دینے کے جواز پر اپنا فتویٰ مرتب کیا ہے، یہ ہنسی کھیل کی بات نہیں"۔

"ہمیں یقین ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں گالیاں دیکر اصلاح کا یہ طریقہ جسکی تائید دریاباد نے فرمائی ہے" (پیام - ۳۱ جولائی کی اشاعت)

یہ سب کچھ پیام نے "مہراور" نہیں اپنے پورے دو کالم کے "سنجیدہ" اداریہ میں فرمایا، صدق کے اس شذرہ کے جواب میں جو "تجدد عالم جلال میں" کے زیر عنوان نکل چکا ہے! خیریں زبانی اور لطافت کلام کے ان نمونوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ قلم تجدد رقم صرف تفریح و تفنن پر قادر ہے، اور جب چاہے تو برخود کی پوری قوت کے ساتھ چیخ نہیں سکتا، آستینیں نہیں چڑھا سکتا، منہ پر کف نہیں لا سکتا، اور قلم سے لٹھ کا کام نہیں لے سکتا؟

اس لا یعنی بحث میں نہ پڑیے کہ "مغلظات" اور مسلمان عورتوں یا مردوں کو "گالی" دینے کا فتویٰ صدق کی کس اشاعت میں کس صفحہ پر کس سطر میں نکلا ہے -

بہر حال یہ روایت مرادآباد کی ہے، اور کس کی مجال ہے کہ مرادآباد کی روایت پر شک شبہہ کا اظہار کر سکے؟ اس سے بہتر اخباری پروپیگنڈے کا موقع اور کیا مل سکتا ہے کہ مرادآباد اس فن لطیف میں آنکلا اور آموختہ ہے؟ حقیقۃً یہ انشاپردازی کا کمال ہے، کہ جو لوگ اس نظام معاشرت کے علمبردار ہیں، جسکا نتیجہ فسق کے تمام شعبوں کی طرح بے حیائی اور بے حجابی کی صورت میں اب تک ہر قوم، ہر ملک ہر زمانہ میں نکلتا رہا ہے، خود ایک معصومیت کی ادا کے ساتھ چلانے لگیں، کہ دیکھو، عورتوں کے دشمن اور انکے بدنام کرنے والے یہ لوگ ہیں جو عورت کو بیحیائی اور بے حجابی کے نزدیک جانے سے بھی روک رہے ہیں! —— کیا خوب ہے وہ شاطر چور کہ جب اسکا تعاقب کیا جانے لگے، تو وہ خود ہی چور چور پکارنا شروع کر دے! لیکن معاصر موصوف یقین کرے کہ اب اسکا یہ پروپیگنڈا کچھ یونہی اور بے اثر سا ہو گیا ہے۔ اہل حق کو اپنے اس کہنے پر اصرار ہے، کہ تجدد جس طرح مردوں میں فسق پھیلا رہا ہے اور انکے لیے شراب خواری، سود خواری، بدنیتی اور حرامکاری کی راہیں کھول رہا ہے، اسی طرح عورتوں پر بھی اسکا اثر بے غیرتی، بے حیائی، بدکاری کی صورتوں میں ظاہر ہونا لازمی ہے، اور یہ اگر نہ ہو، تو شریعت اسلامی کے تنبیہ و تہدید کے کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتے۔ یہ سفید کو سفید اور سیاہ کو سیاہ کہنا اگر "گالی" ہے، تو یقیناً تجدد کے حق میں ہے۔ اسے بجائے اپنے "مسلم" خواتین کی طرف منتقل کر دینا، یقیناً مرادآبادی صحافت کے کمالات اور اولیات میں سے ہے! —— کون کہتا ہے کہ "لیلیٰ کے خطوط" اور "مجنوں کی ڈائری" کے مصنف کی قوت خلاقی اور ذہانت صحافت کے بعد ضعیف و مضمحل ہو گئی ہے؟

صدق نوازوں سے

(از عبدالماجد)

صدق کے منتظم صاحب کو، جو صدق کے البلاغ کے بھی کفیل ہیں، اپنے تازہ مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ صدق کی مالی حالت ادھر اور زیادہ گر گئی ہے۔ سامان طبع خصوصاً کاغذ کی گرانی، ہوشربا گرانی، معاملہ کی نزاکت اضعافاً مضاعفہ کیے ہوئے ہے - پائیدار لیڈر جیسے صوبہ کے نامور اور دولتمند انگریزی روزناموں کو اپنی قیمتوں میں ۵۰ فی صدی کا اضافہ کرنا پڑا ہے۔

اس ششماہی، یعنی جنوری تا جون میں کل خریدار ۲۰۳ کی تعداد میں بڑھے - ان میں بھی ایک رعایتی شرح پر، اور ۴ ششماہی ہیں - اسکے مقابلہ میں جو خریدار کسی نہ کسی وجہ سے گھٹے انکی تعداد اس ششماہی میں ۲۰۵ رہی - سب سے زیادہ تعداد فروری اور مئی کے مہینوں میں گھٹی۔ گویا اضافہ اگر فی ماہ ½۶ خریداروں کا ہوتا ہے، تو کمی ½۹ کی ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ نقصان اگر ۱۵۰ کا ہوتا ہے، تو تلافی صرف ۱۰۰ کی ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی کشمکش کو کب تک برداشت کیا جا سکتا ہے - میری طرف سے اپیل شائع ہو رہی ہے، لیکن جب تک آپ اپنے قلم سے نہ لکھیں گے، کچھ نہ ہوگا"۔

لیکن "اپنے قلم سے" بھی لکھا کیا جائے؟ کیا ایک مستقل کالم "کشکول گدائی" کا کھول لیا جائے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

قیمت میں اضافہ کا تو تصور کرنا بھی دشوار ہے —— لے دے کر وہی ایک صورت خریداروں میں ایسے معقول اضافہ کی ہے، کہ موجودہ شرح آمد و خرچ الٹ جائے۔ اور یہ بجز مقلب القلوب کے اور کس کے اختیار میں ہے؟

تجارت و ملازمت

ایک ندوی عزیز، وطن (اودھ کے ایک گاؤں) سے نکل کر ہندوستان کے مغربی ساحل کے ایک آباد مقام پر پہنچے ہیں، وہاں پہنچنے کے چند ہفتہ بعد اپنے محبت نامہ میں لکھتے ہیں:—

"یہاں آنے سے جہاں نئی نئی چیزوں کے دیکھنے کا موقع ملا، ایک بہت بڑا فائدہ ہوا کہ یہاں آنے سے پہلے میں یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ لوگ ترقی تجارت کر کے کر سکتے ہیں، مگر یہاں کے مسلمانوں کی حالت دیکھ، اور انکی تجارت کے حالات سن کر بڑی حیرت ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں کے ہر شخص کی ترقی اور اسکی خوشحالی کا سبب صرف اسکی تجارت ہے۔ [illegible] سے معلوم ہوا کہ یہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو چند سال قبل معمولی ملازمت پیشہ تھے، اور اب چوٹی کے تاجروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ معلوم ہوئے جو ابھی دو سال قبل تک ملازمت کر رہے تھے اور تجارت شروع کیے ابھی پورے دو سال بھی انھیں نہیں ہوئے، کہ اس وقت وہ لاکھوں کے بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگے ہیں۔ یہاں کا جو مسلمان بچہ بھی ترقی کرنا چاہتا ہے، وہ ملازمت کا کبھی خیال بھی نہیں لاتا

جدید قصص الانبیاء

چند باب

نمبر (۲)

پھر ایک اور گوشہ سے روشنی اس حقیقت پر ڈالیے ۔ ایک اور زاویہ سے اسے جانچیے ۔ ایک اور پیمانہ سے اسے ناپیے ۔ آفرینش تو جس طرح آدمؑ کی ہوئی ہے اُسی طرح آخر ساری مخلوق کی ہوئی ہے ۔ جمادات نباتات کی بھی، ملائکہ اور جنات کی بھی، عرش کی بھی، کرسی کی بھی ۔ لیکن اور کسی کے بھی اسلوبِ تخلیق کا ذکر قرآن نے اہتمام کے ساتھ کیا ہے ؟ یہ فخر تو صرف خلقتِ آدم کے موضوع کو ملا ۔ اور کیوں نہ ملتا ؟ نائب السلطنت کا ورود اور عوام الناس کی نقل و حرکت کہیں ایک درجہ کی چیزیں ہیں ؟ ——
اللہ اللہ ! خاک کے پتلے کا یہ شرف و مرتبہ ! مذاہبِ شرکیہ کا تو خیر ذکر ہی کیا، انسان کے شرف و احترام کا یہ مقام یہودیت نے کب جانا ہے، مسیحیت نے کب پہچانا ہے ؟ اہل کتاب کی کتاب کا حوالہ ابھی اوپر گزر چکا ہے ۔

اچھا اب پھر آ جائیے اصل قصہ کی طرف ۔ آدمؑ خلیفۃ الارض ہو چکے ۔ اب فرشتے بلائے گئے، کہ یہی مخلوقات میں سب سے دانا تر، عالم تر، کامل تر تھے ۔ ارشاد ہوا کہ اچھا، اشیاء کے کائنات کے خواص تو بیان کرو ۔ نہ بیان کر سکے، کہ اس علم سے کورے تھے ۔ اس علم سے کام اُنھیں پڑنے والا ہی نہ تھا —— ذکر و شغل میں لگے ہوئے صوفیوں اور زاہدوں کو حدیث کے نقد سے، رجال کی جرح سے، فقہ کے فتاویٰ سے قانون کے احکام سے آخر واسطہ ہی کیا ؟ —— اشارہ آدمؑ کو ہوا ۔ آپ نے سبق فرفر سنا دیا ۔ تسبیح و تقدیس کرتی رہنے والی معصوم مخلوق بے اختیار نعرہ لگا اُٹھی : ۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۔

پاک ہیں آپ اے ہمارے سرکار، پاک ہیں اس سے کہ آپ کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی ہو، مصلحت سے عاری ہو، ہمیں علم ہی کیا ہے ؟ اِلّا بس وہی تھوڑا بہت جو آپ ہی نے ہمیں عطا کر رکھا ہے ۔ ہمارے علم جزئی کو آپ کے علم کلّی سے نسبت کیا ؟ حقیقۃً علم والے تو آپ ہیں، کہ آپ کے لیے حاضر و غائب، قریب و بعید، ماضی و مستقبل سب یکساں ۔ عالمِ کُل آپ ہر مخلوق کے ظرف کے، استعداد کے، صلاحیتِ طبع کے ! اور حکمت والے بھی آپ ہی، کہ بشر و ملک ہر مخلوق میں تقسیمِ علم اُسی کی استعداد کے مطابق، اسی کے ظرف کے متناسب کر دی !

یہ منظر برخاست اب پردہ دوسرے منظر سے اُٹھتا ہے ۔ آدمؑ کے سر پر اب خلافتِ الٰہی کا تاج ہے ۔ حکم فرشتوں کو ملتا ہے کہ ہمارے اس نائب کے آگے جھکو، نذرانۂ عقیدت اسکے سامنے پیش کرو ۔ اُسجُدوا لآدم میں سجدہ اپنے لغوی معنی میں ہے ۔ سجدہ سے خضوع ۔ نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں ۔ اس سجدہ کو بھی سجدہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلّل اور تواضع کا بہترین مظہر ہے ۔ اور پھر اہل تحقیق کی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ لآدم میں صرف لام بمعنی الیٰ یا سمت و جہت کے ۔

سجدہ آدم کو نہیں، صرف سمتِ آدم میں تھا ۔ آج عالمِ اجسام میں، تکلیفاتِ شرعیہ کے پورے ظہور کے وقت بھی، سجدہ کعبہ کو نہیں، رب کعبہ کو کیا جاتا ہے ۔ کعبہ صرف سمت ہے ۔ کل اسی طرح عالمِ ارواح میں جب تکلیفاتِ شرعیہ کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا ۔ مسجود آدم نہیں آدم آفریں ہی تھا ۔ پیکرِ آدم صرف سمتِ سجدہ تھا ۔

بہرحال حکم اظہارِ اطاعت کا فرشتوں کو ملا ۔ اور جب فرشتوں کو ملا تو ظاہر ہے کہ اُن سے ادنیٰ مخلوق کو پہلے ہی سے مل چکا ۔ (اور یہ بات بھی کھلی ہوئی اور اتنی بولی ہے کہ اسکی صراحت قرآن مجید نے ضروری نہ سمجھی) خیر ۔ حکم کی تعمیل سب نے کی ۔ ایک نہ کی تو آگ کے بنے ہوئے ایک جن ابلیس ملعون نے ۔ انانیت کی آگ سے جل کر بولا " میں آتشی ہو کر خاکی کے آگے جھکوں ؟ ادنیٰ کے آگے اعلیٰ اپنے کو جھکائے، گرائے ؟ ناممکن !" اپنی عقل پر نازاں بے وقوف، اتنا نہ سوچا کہ خود اسی کی کیا دلیل ہے، عقلی یا نقلی ۔ کہ آگ ہر حال میں خاک سے افضل ہی ہے ۔ اور بالفرض ہو بھی، تو یہ کس قاعدہ سے ثابت ہے، کہ کسی خاص مصلحت سے، کسی مخصوص حکمت کی بنا پر بھی بڑا چھوٹے کے آگے نہ جھکے ؟ غرض اس منطق ابلیس کے صغرے، کبرے دونوں غلط ۔ نکالا گیا ملأ اعلیٰ سے، پھینکا گیا آسمان سے، حکم کی نافرمانی کی علت میں ۔ حکم بھی کس کا ؟ حاکم برحق کا ۔ حکیم مطلق کا !

ابلیس نکلنے کو تو نکلا، لیکن اکڑ کے ساتھ ۔ اکڑ وہی جسکا نام آج کی ادبی بولی میں پندارِ تفوق ہے ۔ کہتا ہوا نکلا کہ " میں تو جا رہا ہوں لیکن اپنے ساتھ اور بھی تیرے بہت سے بندوں کو لیے مرونگا ۔" ارشاد ہوا ؛ چل دور ہو ۔ جو تیری راہ چلنا چاہیں گے، وہ اپنا کیا ہوا خود ہی بھگتیں گے ۔ باقی جو لوگ اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام لیتے رہیں گے اور ہمارے نازل کیے ہوئے پیمبروں کی راہ پر قائم رہیں گے، اُن پر تیرا جادو نہ چل سکے گا ۔ تیرے پاس قوت ہی کونسی ہے بجز وسوسہ اندازی کے ۔"
ادھر یہ ہوا ! ادھر آدمؑ مع اپنی صاحبہ حوّا کے مزے چین سے جنت میں رہنے بسنے لگے ۔ ممانعت صرف ایک خاص درخت کے پاس جانے کی تھی ۔

دونوں قابل اُسی عیش میں تھے ۔ کہ موقع مل گیا ابلیس کو داؤ کھیلنے کا ۔ ابلیس کا صفاتی نام اب شیطان تھا ۔ پٹی ایک روز یہ پڑھائی کہ مزے سے جائیے اُس درخت کے پاس، وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو عارضی تھی ۔ اُس وقت آپ کے قویٰ میں پختگی نہیں آئی تھی، اب آپ ہر طرح پختہ ہو چکے، جائیے اور بے تکلف کھائیے پھل اس درخت کے ۔ ادھر سنیے، کان ادھر لائیے، بات کان میں کہنے کی ہے ۔ اس پھل میں تاثیر یہ ہے کہ ایک بار زبان پر رکھ لیجیے تو بس سمجھ لیجیے کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت کے ہو گئے ۔ بس یہیں تم سمجھے آپ کو میری بات کا اور میری خیر خواہی کا یقین کیوں آنے لگا، تو لیجیے قسم کھا کر کہتا ہوں اپنے اور آپ کے پروردگار کی ۔ اور آپ تو عاشق ٹھہرے اُنکے نام کے ۔

عاشق محبوب کا نام سن کر پھسل پڑا۔ اسکا طائر فکر یہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا کہ اُسکے محبوب کا نام کوئی بے وقعتی یا بے قدری کے ساتھ لے سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ حریص تو تھے ہی دل و جان سے مقام قرب حق میں قیام کے۔ او مغرور ہی ہو گئے کہ دیا ہے کون؟ اور کس نیت سے یہ افسوں پھونک رہا ہے؟ بس اسکے پھسلاوے میں پھل کھا بیٹھے۔ پھل کا کھانا تھا کہ جسم کے طبعی اثرات ظاہر ہونے لگے۔ برہنگی اب تک چھپی ہوئی تھی، اب ظاہر ہو گئی۔ اور گزری جو کچھ گزری۔ اب احساس ہوا غلطی کا، اور دَور شروع ہوا توبہ کا، ندامت کا، استغفار کا۔ بس یہ قصور معاف ہوا۔ مرتبۂ مقبولیت پر بحال ہوئے۔ لیکن بہرحال طبعی اثرات، گناہ و عمل ہو جانے کے بعد قانون تکوینی کے ماتحت ظاہر کر ہی دیتے ہیں۔ سکھایا گیا کہ توبہ و ندامت میں غرق ہو جانے سے تو کسی کا گناہ ممکن ہے معاف ہو جائے، لیکن جسم پر موت کے مادی اثرات تو طاری ہو کر ہی رہیں گے۔ جنت کی آب و ہوا تمھیں ناموافق اور وہاں کی فضا کے لیے غیر مناسب و غیر صالح غذا کھا کر وہاں مزید قیام کی گنجایش نہ تھی۔ حکم ہوا "میاں بیوی دونوں زمین پر اُتر جاؤ۔ اب دنیا تمھارے پاس رہنے بسنے کی۔ ہر ایک کے لیے ایک مقدار عمر کی مقرر ہو گی۔ اسکے بعد ہماری طرف واپس آنا ہو گا۔ وہاں ہماری ہدایتیں ہمارے قاصدوں کے ذریعہ سے پہونچتی رہینگی۔ جو کوئی ہمارے قانون کے مطابق گزر بسر کریگا وہ یہاں آکر ہر طرح آرام پالے گا —— دنیا کھیتی ہے اور یہ حرث حاصل کشت!"

انھیں خدائی قاصدوں کا نام پیمبر پڑا۔ اور سب سے پہلے پیمبر حضرت آدمؑ ہی ٹھہرے۔ وہی سب سے پہلے انسان بھی ہیں جو زمین پر آئے۔ وہی سب سے پہلے انسان بھی ہیں جو زمین پر آئے۔ اور وہی سب سے پہلے نبی ہیں، جو خدا کا قانون زمین پر لائے —— آدم کا زمانہ تاریخ کی پیدایش سے قبل کا زمانہ ہے، ہمارا آسمانی نوشتہ انکی اپنی زندگی کے متعلق بے نتیجہ تفصیلات میں نہیں پڑتا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ روے زمین پر لنکا سراندیپ میں آباد ہوئے۔ آج اسی کو سیلون کہتے ہیں۔

اہل فن کے قرائن و قیاسات یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے انسانی آبادی کی بنیاد ملک عراق، یا دجلہ و فرات کے دوآبہ میں پڑی۔ اولادیں آپ کی حضرت حواؑ کے بطن سے متعدد ہوئیں۔ توریت میں نام تین بیٹوں کا آتا ہے۔ قابیل۔ ہابیل۔ شیث۔ اور یہ حضرت شیثؑ آگے چل کر پیمبر بھی ہوئے۔ توریت ہی کی روایت ہے کہ آپ نے عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سرگزشت حیات نبی اول کی ختم ہو گئی۔ قرآن مجید نے چند سبق جو اس سادہ روداد حیات کے ذریعہ سے دیئے ہیں، کچھ ضمناً اور کچھ مستقلاً وہ بجائے خود اس قابل ہیں کہ ایک ان پر کبھی ہوتی چلے۔ پہلی عبرت تو یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کی ہستی ذات باری سے بالکل جدا اور متغائر ہے۔ اور وہ ذات پاک اس سے بالکل منزہ ہے کہ انسان اسکے ساتھ کوئی رشتہ شارکت یا مجانست کا رکھے۔ آدم بس آدمی تھے۔ خدا یا ہونا، معبود اکبر یا معبود اصغر کسی معنی میں بھی نہ تھے۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی؟ کیا کسی نے انسان کو خدا یا جزو خدا بھی سمجھا ہے؟ جی ہاں اس دنیا میں ایسے دانشمند بھی آباد ہیں۔ قوموں کی قومیں مشرکوں کی ایسی گزر چکی ہیں جنکے نزدیک انسان اول جو تھا، دیوتا ہی تھا۔ اب بھی قبیلے در قبیلے ایسے ہیں، جو انسان کے جد اول کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن نے آفرینش آدم کا قصہ بیان کرکے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب کاری لگا دی اور تعلیم عام کر دی کہ مخلوق اور خالق کے درمیان رشتہ اگر کسی ہے آدم اور آدم آفریں کے درمیان بجز وجود کوئی مشترک ہی نہیں۔

دوسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ آدمؑ خلق ہوئے ہیں۔ بلکہ نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی مادہ موجود تھا، آدمؑ کا قالب اس سے ترکیب دے لیا گیا۔ نہ یہ کہ پہلے سے حیوانی نوعیں موجود تھیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ نوع کے سب سے ترقی یافتہ فرد کا نام آدمؑ ٹھہرا گیا۔ عقیدہ اُن دونوں گمراہیاں پہلے بھی عام رہ چکی ہیں، اور آج بھی خدا معلوم کتنے مشرک اور کتنے مشرک مزاج انھیں گمراہیوں کے شکار ہیں۔

تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ آدمؑ اللہ کے عبد اور خلیفہ تھے۔ اسکے مظہر یا اوتار نہ تھے۔ قوانین تکوینی کے پابند، احکام شرعی کے مکلف، بالکل اسی طرح جیسے آپ کے بعد سے سارے آدمزاد آج تک چلے آرہے ہیں۔ مشرک قوموں کے نزدیک انسانیت اور الوہیت گویا ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔ فرق صرف ادنیٰ اور اعلیٰ کا ہے۔ قرآن نے شرک کی یہ ریڑھ کی ہڈی توڑ کر رکھ دی۔

چوتھی ضرب اس قصہ نے ملائکہ پرستی پر لگا دی۔ مشرک قومیں اپنے عقیدہ میں دیوتا انھی ہستیوں کو کہتی تھیں۔ اور انھیں عالم میں متصرف اور کائنات کے مختلف شعبوں میں حاکم سمجھتی تھیں۔ اسلام نے آکر بتایا کہ قوت تصرف اور قدرت تو الگ رہی، ملائکہ کا علم بھی کامل نہیں۔ انسان کی طرح وہ بھی قیاس اور فراست ہی سے کام لے سکتے ہیں، اور انسان ہی کی طرح انکا علم بھی خدائی تصحیح کا محتاج رہتا ہے۔

پانچواں علم یہ حاصل ہوا کہ بشر کی ہستی اپنے خالق کے مقابلہ میں اس سے بھی زیادہ حقیر و پست ہے۔ جتنی آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی ہوتی ہے۔ تاہم مخلوقات میں بشر کا مرتبہ سب سے افضل سب سے اعلیٰ ہے۔ یہاں تک کہ ملائکہ کو حکم ہوا ہے اسکی تعظیم کا۔ اسکا جھکنا ملائکہ پرستی کی جانب، عناصر پرستی کی جانب، کواکب پرستی کی جانب، اصنام پرستی کی جانب، ذہن کی پستی کا انتہا کے اسفلاط کا آخری نقطہ ہے۔

چھٹا پہلو یہ ہے کہ کوئی انسان بزرگ سے بزرگ بھی خطا و میلان عصیاں سے محفوظ نہیں۔ اجتہادی لغزشیں پیمبروں تک سے ممکن ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جسکا تعلق اس سے جتنا زیادہ جڑا ہوا اور مضبوط ہوتا ہے اُسی نسبت سے جلد تر وہ سنبھل جاتا ہے، اور نبی کو معصیت پر جمنے نہیں دیا جاتا۔

(باقی آیندہ)

مناظرۂ عزرائیل و ابلیس

از توفیق الحکیم مصری — ترجمہ لفٹنٹ خواجہ عبدالرشید آئی-ایم-ایس

(۲)

عزرائیل :- تجھ کو ان کے ساتھ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔

ابلیس :- سنو تو سہی کیا کہہ رہا ہے؟

[عمرؓ بن خطاب لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں]

عمرؓ :- میں کسی کو یہ کہتے سننا نہیں چاہتا کہ محمد مصطفیٰؐ فوت ہوگئے ہیں، وہ تو خدا کے پاس چلے گئے ہیں، جس طرح موسیٰ گئے تھے۔ خدا کی قسم اگر کہتے سن پایا تو اسکے ہاتھ پاؤں کاٹ دونگا۔

عزرائیل :- (حیران ہوکر) یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

ابلیس :- دیکھا؟ انھیں بھی موسیٰ کی طرح بنا دیا!

عزرائیل :- تو جھوٹ بولتا ہے۔ اور یہ تیری عادت ہے۔

ابلیس :- ذرا چپ تو رہو۔ سنو یہ ایک اور آدمی کچھ کہنا چاہتا ہے۔

[ان میں سے ایک آدمی بولتا ہے]

ایک آدمی :- اللہ کا رسول عیسیٰ کی طرح چلا گیا ہے۔ اور وہ پھر آئینگے۔

عزرائیل :- خدایا میں کیا سن رہا ہوں۔

ابلیس :- دیکھا! انھوں نے بھی انکو عیسیٰ کی طرح بنا دیا؟

عزرائیل :- میں ہرگز تیری بات پر یقین نہیں کرتا۔

ابلیس :- تم کو تو پہلے ہی میں نے بتا دیا تھا کہ میں ان لوگوں کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔

عزرائیل :- اے خدا تمھارا نور کہاں ہے؟ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟

ابلیس :- آج کتنا ہی اچھا دن ہے۔ واہ دوست۔ ذرا اب میرا گانا تو سنو

ذھب عدوی الی الفناء

الیوم عیدی فالی الغناء

عزرائیل :- آہ اگر تجھکو میں موت مار ڈالوں تو؟

ابلیس :- ہوں اگر میری روح کو قبض کرنا تمھارے لیے مشکل ہے تو مار ڈالو!

عزرائیل :- تجھ میں تو روح ہے ہی نہیں جسکو قبض کیا جاسکے

ابلیس :- مجھ میں روح تو ہے مگر تمھارے نازک ہاتھ اسکو قبض کرنے سے لاچار ہیں۔

عزرائیل :- ہاں یہ درست ہے کہ میرے ہاتھ نہیں کرسکتے۔ مگر ایک بچہ کے ہاتھ ضرور کرسکتے ہیں۔ تیری روح تو روزمرہ ہزاروں مرتبہ قبض کی جاتی ہے۔ ہر مومن کے دل میں تیری روح مرتی ہے۔ تیری روح ایک دھوئیں کی طرح ہے جسکو ایک بچہ ایک برتن میں بند کرسکتا ہے۔

ابلیس :- گر میں تو مرتا نہیں اور نہ ہی اگلی دنیا میں پہنچتا ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ میں اس جہان میں روحوں کا بادشاہ ہوں۔ اور جب تک اس دنیا میں عبادت نہ کرا دونگا، چین سے نہیں بیٹھونگا۔

عزرائیل :- جہاں مرضی ہو رہ، مگر تو اپنے دشمن پر غلبہ نہ پا سکیگا۔

ابلیس :- تم اتنے حیران کیوں ہو؟ ابھی دیکھا نہیں میں نے محمدؐ کے پیغام کا مقصد بدل دیا ہے۔ کیا یہ محمدؐ نے نہیں کہا تھا کہ وہ تم ہی کی طرح ایک انسان ہے جسکو خدا نے اپنا پیغام دے کر ان میں بھیجا، اور وہ انھیں کی طرح رہتا تھا، اور مرا بھی۔ اسکا مذہب زندگی کا ایک اعلیٰ ترین قانون ہے۔ اور اس دنیا کے لیے بہترین خوراک ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انسانی فطرت کے لیے ایک ایسے سانچے کا کام دیتا ہے جس میں وہ ڈھل کر اپنا نشو و ارتقا منشاء الٰہی کے مطابق بنا سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جس طرح مسیح کو عیسائیوں نے اپنا خدا بنا لیا تھا، اور انکی مرنے کی صلیب کو بھی پرستش کرنے لگ گئے تھے۔ کیا یہی مطلب ہے اس دین کا؟

عزرائیل :- ان لوگوں نے تو کوئی تبدیلی نہیں کی۔ تو نے جو کچھ عمرؓ بن خطاب کی تقریر سے اخذ کیا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو انھوں نے کہا ہے وہ سب درست ہے۔ اور وہ سب اس لیے تھا کہ کہیں لوگ محمدؐ کے مر جانے کے بعد غافل نہ ہو جائیں۔

ابلیس :- تو پھر یہ کیوں اسقدر ڈر گئے کہ لوگ غافل ہو جائیں گے؟

عزرائیل :- اے میرے خدا تو اپنا نور لوگوں کے دلوں میں ڈال دے۔ اور انکے دل دین الٰہی سے منور ہوکر روشنی کی طرح چمکنے لگ جائیں

ابلیس :- معاف کیجیے حضرت۔ یہ جو وسوسہ ان لوگوں کے دلوں میں ہے یہ ایک قدرتی امر ہے۔

عزرائیل :- لعنت ہو تجھ پر۔ تو اب لاچار ہوگیا ہے۔۔۔ دیکھو۔۔۔ دیکھو۔۔۔

ابلیس :- کیا؟ دیکھوں۔ کون آرہا ہے وہ؟

عزرائیل :- یہ ابوبکر صدیقؓ ہیں اور لوگوں کو مخاطب کر رہے ہیں۔۔۔ ذرا سنو تو؟

[ابوبکرؓ لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں]

ابوبکرؓ :- لوگو! تم میں سے جو لوگ محمدؐ کو خدا بناتے تھے، تو وہ سن لیں کہ محمدؐ فوت ہوگئے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خدا کو خدا سمجھتے تھے اور محمدؐ کو پیغمبر، تو سمجھ لو کہ انکا خدا موجود ہے!

عزرائیل :- سنا کیا کہتے ہیں؟ میں کسقدر خوش ہوں۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔

ابلیس :- ؟ ؟ ؟

عزرائیل :- یہ بھی دیکھو۔۔۔ یہ عباسؓ آرہے ہیں۔۔۔ دیکھو کیا کہتے ہیں۔

[عباسؓ لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں]

عباس :- لوگو! خدا کی قسم، اس رب العرش کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسکا پیغمبر مرگیا ہے اور اسکو دفنا دو۔ اور تمام جو کچھ اس نے تمھارے تک پہونچانا تھا پہونچا دیا ہے اور تمھارا دین مکمل ہوچکا ہے۔ اس نے تم کو حلال اور حرام کی شناخت بتا دی ہے۔ اس نے شادیاں کیں، جنگیں لڑیں، دوستانہ تعلقات پیدا کیے، وہ تم سب میں تمھاری ہی طرح ہوکر رہا۔ اور تمھاری ہی

طلباء کے لیے گانا بجانا لازمی

مولانا عبدالماجد کے ایک گرامی نامہ سے ہمیں سررشتہ تعلیم یوپی کے ایک سرکلر کا علم ہوا جس کا منشا یہ بتایا جاتا ہے کہ سال رواں سے صوبہ کے سرکاری اسکولوں میں تیسرے درجے سے پانچویں درجہ تک تمام طالبعلموں کے لیے گانے اور طبلہ بجانے کی تعلیم لازمی ہوگی۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ جس طرح اب تک ہر طالبعلم زبان، تاریخ، جغرافیہ، حساب وغیرہ پڑھتا تھا اور اُس میں امتحان دیتا تھا، اب گانا اور طبلہ بجانا بھی سیکھے گا اور اُسکا بھی امتحان دیگا۔ ہمیں محکمہ تعلیم کے اس سرکلر پر سخت حیرت ہے۔ ہماری سمجھ میں مطلق نہیں آتا کہ گانے بجانے کو "لازمی مضمون" قرار دینے کی کونسی ضرورت داعی ہوئی اور کب پبلک نے کوئی وفد بھیجا تھا اور کب کوئی یادداشت یا مطالبہ پیش کیا تھا کہ اسکولوں میں گانا بجانا لازمی قرار دیا جائے۔ ہندو مذہب اور چند مذاہب میں بلاشبہ گانے بجانے کو ایک اہمیت حاصل ہے لیکن مسلمانوں کے مذہب اور تہذیب و معاشرت میں "فن شریف" کی کوئی گنجائش نہیں۔ کوئی مسلمان بھی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتا کہ اُسکے بچے اُسکے سامنے تال سُر نکالیں اور اسکول میں اُسکی تعلیم حاصل کریں۔ مسلمانوں کے نزدیک اسکولوں میں گانے بجانے کی تعلیم کے معنی اسکے سوا کچھ نہیں کہ اُنکے بچوں کے اخلاق کی تخریب کا سامان مہیا کیا جائے۔ ہم محکمۂ تعلیم کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس سرکلر کو واپس لے لے۔ ورنہ اس سے مسلمانوں میں سخت ناراضگی پیدا ہوگی۔ اگر حکومت سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں کرسکتی اور طلباء کے اخلاق و کردار کی درستی کے لیے مسلمانوں کے مطالبہ مطالبہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے تو اسے ہرگز وہ طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے مسلمانوں کو نئی شکایات پیدا ہوں اور جس سے اسکولوں میں اُنکی تہذیب اور مذہب کا استخفاف ہوتا ہو۔ ہم مسلم تعلیمی کانفرنس، مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء اور ہر ہوشمند مسلمان کو حکومت یوپی کے مذکورہ سرکلر اور اسکے اجراء و نفاذ کے نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ اسکو منسوخ کرانے کے لیے احتجاج و ناراضگی کا مناسب مظاہرہ کریں گے۔ (مدینہ)

اسکولوں میں راگ باجے کی تعلیم

ایک محترم بزرگ لکھتے ہیں:—

"پاینیر ۸ جولائی کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اگلی سال سے اسکول کلاسوں میں راگ باجے کی تعلیم لازمی قرار پاگئی ہے۔ اسکے بعد اب ناچ ہی کا قدم باقی رہ جاتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب پر ہندو اور فرنگی تہذیبوں کا متحدہ حملہ ہے۔ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے سارے اسلامی پریس کو اس تجویز کے خلاف پُرزور طریقہ سے لکھنا چاہیے۔ مسلم لیگ، جمعیۃ وغیرہ سب اس محاذ پر متحد ہوسکتے ہیں۔"

"پاینیر" کا یہ اعلان ہماری نظر سے نہیں گزرا، ورنہ ہم اس سے قبل ہی لکھتے۔ بہرحال ہمیں اپنے محترم بزرگ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے کہ یہ کوئی نزاعی مسئلہ نہیں ہے۔ جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ دونوں کو اور بالخصوص اول الذکر کو اسکے خلاف موثر قدم اُٹھانا چاہیے!! (حقیقت)

(بقیہ صفحہ ۳)

نہیں لاتا۔ اگر میرا کوئی ملازمت کرتا بھی ہے تو ملازمت کو محض ایک ذریعہ خیال کرتا ہے۔ مقصود اصلی تجارت ہی کو بنائے رکھتا ہے۔

یہاں کی یہ تمام باتیں دیکھ کر اور سُن کر جو میرے لیے بالکل نئی ہیں، اب مجھے بھی یقین ہوگیا ہے کہ کوئی کام کرنے کا ہے تو وہ تجارت ہی ہے۔ اور اب مجھے آپ کی اُس ہدایت کی قدر ہوئی جو آپ نے فرمائی تھی، کہ مسلمان کے لیے بہترین راہیں تجارت اور زراعت کی ہیں، اور ملازمت تو ادنی درجہ کی چیز اور حالت مجبوری کی ہے۔ اسکی حقیقت اب جاکر مجھ پر کھلی۔ اس لیے میری بھی طبیعت اب دوسرے مشاغل کو چھوڑ کر تجارت ہی کی طرف آمادہ ہوئی ہے۔"

ملازمت کو ذریعہ فلاح و ترقی کا سمجھنا افسوس ہے کہ انھیں علاقوں میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے جو مسلم ملوکیت کے مرکز رہ چکے ہیں، یا اب تک ہیں۔ مثلاً نواح دہلی، صوبۂ اودھ، ملک دکن۔ یہاں مسلمان شرفا اور شریف زادوں کی سمجھ میں کوئی اور راہ بجز ملازمت یا زمینداری کے نہیں آتی۔ پنجاب وغیرہ جو علاقے نسبۃً آزاد رہے ہیں، وہ بحمداللہ اس جذبہ سے آزاد اور بالکل صحیح طور پر تجارت ہی کی طرف مائل ہیں۔ قومی اور شخصی ہر قسم کی فلاح کا اصلی راز تجارت ہی ہے، اور اُس سے اُتر کر زراعت۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

مولوی عبدالحفیظ صاحب۔ بریلی۔ ایسے عادی اور شوخ چشم مجرم کے حق میں بہتر ہوگا کہ آپ اللہ ہی سے دعا کریں۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ - (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبد الماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب (منیجر) حکیم عبد القوی

مضامین وغیرہ کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ عمر

ششماہی ۳

بیرونی ممالک سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق

نمبر ۱۵ | دوشنبہ - ۲۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۰ اگست سنہ ۱۹۲۳ء | جلد ۸

سچی باتیں

خدانخواستہ اگر کوئی آپ سے یہ سوال کر بیٹھے، کہ آپ کے خاندان میں شرابی کتنے ہوے ہیں؟ یا یہ کہ آپ کے کنبہ میں چور اور سزایافتہ کتنے گزرے ہیں؟ یا یہ کہ حرام کاری کے باب میں آپ کے بزرگوں کا ریکارڈ کیا رہا ہے؟ یا یہ کہ جعلسازی میں آپ کا گھرانا کیسا ممتاز رہا ہے؟ تو سنجیدگی و تفصیل سے جواب دینا الگ رہا، آپ ان سوالات کو صبر و تحمل سے سن بھی سکتے ہیں؟ بس چلنے پر آپ سوال کرنے والے کو بے مار چھوڑینگے؟ ——— اور پھر فرض کیجیے کہ یہ سوالات آپ سے تنہائی میں نہیں، بند کمرے میں نہیں، سرعام، بھرے مجمع میں، دوست و دشمن موافق مخالف سب کے سامنے ہو رہے ہیں! آپ کے غصہ، اشتعال، ناگواری کی کوئی حد رہیگی؟

لیکن اتنی ناگواری کیوں؟ محض اسی لیے نہ، کہ سائل نے بعض ایسی چیزیں آپ کے بزرگوں کی جانب منسوب کرنا چاہیں، جنکے انتساب کے محض امکان ہی کو آپ اپنی حد درجہ توہین سمجھتے ہیں۔ لیکن پھر یہ کیا ہے، کہ بھری عدالت کے کھلے ہوے کمرہ میں، دوست دشمن سب کے مواجہہ میں جب وکیل آپ سے سوال کرتا ہے، کہ بتائیے، لڑکیوں کو ترکہ دینے میں، بہنوں کو حصۂ شرعی دینے میں، آپ کا خاندانی رواج کیا ہے، آپ کے بزرگوں نے یہ حصے دیے ہیں یا کاٹ لیے ہیں؟ تو آپ کوئی ناگواری کوئی خفت اپنے اندر نہیں محسوس کرتے، بلکہ بڑے اطمینان و سکون قلب کے ساتھ سوال کا جواب دینے میں لگ جاتے ہیں! ——— کیا کسی اہل حق کا حق مار لینا، کسی شرعی حصہ دار کا حصہ کاٹ لینا، اپنے فعل حرام ہونے کے لحاظ سے، اللہ اور رسول کی نگاہ میں قابل نفرت ہونے کے لحاظ سے، کچھ کم ہے شراب خواری سے، جعلسازی سے، زناکاری سے، چوری کا مال لانے سے، کسی کے گھر کی دیوار پھاند جانے سے؟

فرق صرف یہ ہے کہ جن چیزوں کو رواج نے بھی معیوب قرار دے دیا ہے، آپ کے دل میں نفرت صرف انھیں سے باقی رہ گئی ہے، شرم صرف انھیں سے آتی ہے ——— باقی جو چیزیں شریعت کے نزدیک قطعی حرام ہیں، لیکن دوسری قوموں کی صحبت کے اثر سے، مشرکوں اور کافروں کی ہمسایگی کے اثر سے، آپ کے ہاں بھی چل چکی ہیں، اور آپ کی سوسائٹی میں معیوب نہیں رہی ہیں، اُن سے متعلق آپ کی حس مردہ ہو چکی ہے اور اُنکے بارے میں کوئی سوال و استفسار آپ کی غیرت و حمیت میں حرکت نہیں پیدا کرتا! بلکہ اُلٹے آپ خوش ہوتے ہیں، اور فخریہ عدالتوں میں جواب وہی کرتے ہیں، کہ ہم آج سے نہیں پشتہا پشت سے غاصب اور لٹیرے چلے آرہے ہیں! یہ دیکھیے ہمارے باپ دادا کا عمل ہے اور یہ ہمارے گانوں کی کھیوٹ ہے، یہ رواج ہی ثبوت ہے اسکا کہ ہمارے باپ دادا خوب خوب حرام کھاتے رہے ہیں، خوب خوب گلا اپنی سگی بہنوں، اپنی حقیقی بیٹیوں کا کاٹتے رہے ہیں، اور ہم نالائق ہونگے اگر ہم انھیں کی روایات پر نہ چلے!

صدق کو قادیانی بحث و مباحثہ سے نہ کوئی خاص دلچسپی ہے' :
وہ کسی مناظرہ میں پڑنا چاہتا ہے، لیکن مندرجۂ بالا عقائد، منجملہ اُن ۱۴ عقائد کے ہیں جنکی فہرست مرزا صاحب نے خود اپنے دستخط اور اپنے ذیل کے دستخط سے ۱۶ - نومبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کی فوجداری عدالت میں ایک مقدمہ کے دوران میں داخل کی تھی - (رسالہ فرقان قادیان - جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۷) دوسروں کی زبان سے ان عقائد کی نقل سُن کر ہمیشہ حیرت ہوتی تھی - اور دل بعض بے اعتباری کے کانوں سے سنتا تھا، لیکن اب یہ تصریحات تو مرزا صاحب کے خود اپنے قلم کی ہیں!

میں اپنی چشم شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں!

دینداروں کی دنیا امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے اُستادوں کے کالج کے اُستاد، ڈاکٹر لنڈ ون واٹسن کے حوالے سے طبی رسالہ نوید صحت (دہلی) جولائی نمبر میں لکھتا ہے :-

"ڈاکٹر واٹسن طویل مطالعہ اور تحقیق و تفتیش کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ .... جو لوگ تجرد کی زندگی گزارتے ہیں یا جن پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہوتی، اُن پر وہ لوگ اخلاقی حیثیت سے بہت فوقیت رکھتے ہیں جو شادی شدہ ہوتے ہیں، یا جن پر اپنے لواحقین کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں - پھر جو لوگ کسی مذہب پر ایمان رکھتے ہیں اُنکے اخلاق اور حوصلے اُن لوگوں سے بلند ہوتے ہیں جو کوئی مذہب نہیں رکھتے "

گویا مذہب محض آخرت کے کام کی نہیں، اس دنیا کے بھی بہت کام کی چیز ہے! اور یہ شہادت اب اُنکی زبان سے ادا ہو رہی ہے، جنکی قوم حبِ دنیا، دنیا طلبی، دنیا پرستی میں شاید سب سے بڑی بڑھی ہے -

ایک غیر مفید تنقید ایک صاحب جو خود عالم دین اور ایک مذہبی درسگاہ کے صدر المدرسین اپنے ۳۱ جولائی کے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں :-

"دو ہفتے ہوئے کہ یہ ایک وقت صدق کے ذریعہ سے رنج و خوشی کی خبروں سے واقف ہوا تھا - رنج کی خبر آپ کی علالت کی خبر تھی - خوشی کی خبر (حالی نہ کہ لفظی) تنقید حقوق الزوجین والے سوقیانہ اور مغالطات سے بھرپور مضمون کے ختم کی خبر تھی - اُس دن سے باوجود بار بار ارادہ کے آج نوبت خط لکھنے کی آ رہی ہے "

مولانا بڑا ہی کرم ہوتا اگر "سوقیانہ اور مغالطات سے بھرپور مضمون" کی کچھ تشریح کم علموں کے استفادہ کے لیے کر دی گئی ہوتی - یا کم از کم اسکی سوقیت اور مغالطہ پروری کی ایک ہی دو مثالیں دیدی گئی ہوتیں! اصل مضمون حقوق الزوجین میں ائمہ فقہ کے خلاف جس بغاوت کا اظہار تھا، اُسکے لحاظ سے اسکی توقع تو ہو نہیں سکتی کہ مولانا، صاحب مضمون کے ہم نوا اور ہم مسلک ہونگے - لیکن جب وہ اور اُن جیسے دوسرے حضرات تنقید کے لیے وقت نہ نکال سکے، تو لامحالہ یہ فرض کفایہ ایک ایسے صاحب نے ادا کیا جو اپنی خوش تحریری کے لیے ممتاز نہیں - یہ تو کچھ عجیب سی بات ہے کہ ضروری تنقید نہ خود کی جاسکے، اور نہ دوسرے کی لکھی ہوئی تنقید کو گوارا کیا جاسکے! بلکہ اُس تنقید پر خود ایک ایسا نقد کر دیا جائے، جو کسی کے بھی کام نہ آسکے!

زاہد نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی!

ایک مقدمہ کی واپسی لکھنؤ میں فحش نویسی کی بنا پر اُردو کے ایک افسانہ نویس پر مقدمہ چلنے کا ذکر صدق میں آ چکا ہے - مقدمہ مصنف پر نہیں حسب ضابطہ ناشر پر تھا - بڑی مسرت کا مقام ہے کہ ناشر نے معذرت نامہ داخل کر دیا، اور گورنمنٹ نے اسے قبول کرکے مقدمہ اُٹھا لیا - ناشر کے معذرت نامہ بنام ڈپٹی سکریٹری انفارمیشن ڈپارٹمنٹ صوبہ متحدہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

"بسلسلہ میری درخواست مورخہ ۵ جولائی جو کتاب "شرمناک افسانے" کے باب میں ہے اور پر مقدمہ چلنے سے متعلق تھی، میں اُس کتاب کی اشاعت پر اپنا تاسف عرض کرتا ہوں -
اسکے علاوہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ شایع شدہ کتابوں میں سے جو واپس ملنا ممکن ہونگی، میں واپس لے لونگا -
آخری عرض ہے کہ میں نہ اس کتاب کو دوبارہ شایع کرونگا نہ اسکے مضامین کی اشاعت کلی یا جزوی صورت میں کرونگا -
مہربانی کرکے اب مقدمہ اُٹھا لیا جائے - جسکے لیے میں ہمیشہ آپ کا ممنون ہونگا "

اپنی غلطی پر ندامت و معذرت کا اظہار ہرگز دلیل ذلت کی نہیں، دلیل عزت کی ہے، اور یہ بار نہیں، عین جرأت ہے -

جدید قصص الانبیاء

چند باب

نمبر (۴)

از عبدالماجد

توریت میں ہے کہ کشتی اراراط کے پہاڑوں پر جا لگی۔ اور توریت کے شارحین کا کہنا یہ ہے کہ توریت کا یہ حوالہ تو مبہم [illegible] ہو چکا ہے (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲، صفحہ ۶۱) عرب کے اُمی کی لائی ہوئی کتاب نے اس ابہام کو صاف کر دیا۔ تعیین طور پر نام جودی کا لے دیا اور آرش بیانات قرآن کے مفسروں کا [illegible] ہے کہ کردوں کے رہنے والے اور مقامی واقفیت رکھنے والے کردوں کا خیال کشتی کے رکنے کے مقام کے لیے اسی (جودی) کا ہے۔ (ہیسٹنگز ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۱) اور زمین کی زبان یہ گواہی بھی دے رہی ہے کہ

"شہادت ابھی موجود ہے کہ جس پہاڑی پر کشتی رکی تھی، وہ جبل جودی ہی ہے۔ جھیل [illegible] کے جنوب مغرب میں"

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، کالم ۲۹۰)

ایک زمانہ تھا، اور اسے ابھی بہت روز نہیں ہوئے ہیں، کہ طوفان نوح کا نام زبان پر لانا "روشن خیالی" کو تمسخر و استہزا کی دعوت دینا تھا۔ پر اللہ کا کرنا کہ انیسویں صدی کی "روشن خیالی" اس بیسویں صدی میں خود قابل مضحکہ ٹھہر گئی۔ اور جو زبانیں انکار و تکذیب پر دلیر تھیں، فرشتوں کی لائی ہوئی وحی کی، انھیں گنگ ہو جانا پڑا۔ زمین والوں کی شہادتیں سن سن کر طبقات الارض (جیالوجی)، اور اثریات (آرکیالوجی) والوں کے بیانات پڑھ پڑھ کر! کل تک انکار طوفان عظیم کے نفس وقوع سے تھا۔ آج مشہور و معروف ماہر اثریات سر لیونارڈ وولی لکھتے ہیں:-

"اُور کی سرزمین سے معقول شہادت اسکے وقوع کی بہم پہنچ گئی ہے
... سیلاب بہت وسیع لیکن مقامی تھا" (وولی کی ابراہیم[ف])

اور علاقۂ عراق کا قدیم مشہور شہر تھا۔ گویا طوفان کا نفس وقوع اور بہت بڑے پیمانہ پر وقوع سائنس کے اس نمایندہ کو بالکل تسلیم ہے۔ دوسرے محقق "سر چارلس مارسٹن" لکھتے ہیں:-

"اثری تحقیقات نے ... طوفان کے وقوع کو ثابت کر دیا ہے"

اور ویلشا من کی تازہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:-

"لینگڈن نے جو کھدائی شہر کش میں اور وولی نے شہر اُور میں ۱۹۲۹ء میں کی۔ اس نے ایک عظیم الشان اور بے مثال طوفان کے وقوع کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے" (صفحہ ۳۲۶)

ایک نہیں متعدد شہادتیں آپ نے سائنس کی زبان سے سُن لیں۔ اب صرف تعیین باقی رہ جاتا ہے۔ وقت، مقام کا امکان اور زمانہ کا، توریت کے نسخہ ([illegible]) کی جو ترجمہ عبرانی سے ہوا ہے

[ف] [illegible] ترجمہ بہتر علماء و ماہرین عبرانیہ نے [illegible]۔

میں کوئی تین سو سال قبل پیش ہوا تھا۔ اسکے حوالہ سے مشہور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش [illegible] طوفان کے [illegible] میں ہوئی تھی۔ اور حضرت ابراہیم کی تاریخ ولادت قبل مسیح کے حساب سے معلوم ہے۔ اس حساب سے طوفان کی تاریخ تقریباً ۳۲۰۰ ق۔م قرار پاتی ہے۔ یعنی آج سے سمجھیے کوئی ۵۱۴۲ سال قبل! بعض اور تخمینے اور روایتیں ۲۳۴۸ ق۔م سے متعلق بھی ہیں۔

طوفان کی عالمگیری کی مدعی بائبل ہو تو ہو، قرآن مجید کا یہ دعویٰ نہیں۔ قرآن تو صرف یہ کہتا ہے کہ نوح کی امت دعوت یعنی نافرمانوں کی ساری قوم ڈبو دی گئی۔ اور وہ قوم عراق عرب اور نواح آرمینیا کے علاقوں میں آباد تھی۔ طوفان خود عذاب تھا، اور ظاہر ہے کہ صرف نافرمانوں پر آتا ہے۔ اس لیے اگر آج پانچ ہزار سال قبل کے دریائی جانوروں کے ڈھانچے [illegible] کی چوٹیوں پر نظر آتے ہیں اور [illegible] برفستان میں یا [illegible] ریگستان میں نظر نہیں آتے ہیں، تو اس سے منکر قرآن کو اپنے کسی دعوے کو [illegible] بھی نہیں۔ یہاں تک کہ لفٹنٹ کرنل [illegible] کے خیال کے مطابق اگر طوفانی علاقہ کا رقبہ ۴۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں ثابت رہے، جب بھی مطلق مضائقہ نہیں۔

وہ قوم بس اتنے ہی رقبہ میں آباد ہوگی — البتہ ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ خود نسل آدم کی آبادی بھی تو اس وقت اسی خطہ تک محدود تھی، اور انسان کا خاندان اسکے آگے پھیلا ہی نہ تھا۔ اس لیے سچ کہا جس نے بھی کہا، ہمارے مفسروں میں سے، بعض قدما میں سے، کہ طوفان نوح نے سارے عالم انسانی کو غرق کر دیا!

حدیث میں نوح کے لیے لفظ 'اول الرسل' کا آیا ہے۔ یعنی آپ دنیا کے سب سے پہلے رسول تھے۔ نبی کہتے ہیں ہر صاحب وحی کو (وحی لغوی معنی میں نہیں (اصطلاحی معنی میں)) اور رسول کے لیے ضروری ہے کہ صاحب وحی ہونے کے ساتھ ہی صاحب شریعت بھی ہو۔

حضرت آدم کے وقت میں تمدن اپنی انتہائی سادہ شکل میں تھا۔ احکام بھی وقت کے مناسب حال ویسے ہی سادہ۔ مستقل شریعت کی، مفصل و مکمل احکام کی ضرورت تو حضرت نوح کے زمانے سے پڑی۔ اور آپ پہلی شریعت لے کر آئے۔ اب جو انسانی آبادی ہے، آپ ہی کی نسل سے ہے۔

حکمتیں، عبرتیں اور بصیرتیں آپ کے قصہ میں بھی بہت سی ہیں۔ سب کو بیان کرتے اگر بن نہیں پڑتا، تو سب کو چھوڑتے بھی نہیں بنتا۔

پہلی بات یہ ہے کہ پتھر میں جونک جس طرح مادی دنیا میں نہیں لگتی، روح و اخلاق کی دنیا میں بھی نہیں لگتی۔ انبیاء سے بڑھ کر پُر اثر تبلیغ اور مخلصانہ کوشش کس کی ہو سکتی ہے۔ لیکن مخاطبین کے دل میں جب بد عملی و بد اعتقادی کی کثرت و شدت سے پتھر بن جائیں، تو ہر آواز اسکے کانوں کے لیے بیکار رہتی ہے۔

حضرت نوح کو تبلیغ کے لیے مدت کتنی وسیع ملی، لیکن سننے والوں کو اپنی اصلاح منظور نہ ہوئی، اسے پیغمبر کی بھی ساری کوششیں بیکار ثابت رہیں۔ انسان خود جب تک قبول حق کے لیے نہ تیار ہو، [illegible] ہر تبلیغ [illegible]

چلتے گھڑے پر پانی کا پڑنا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ غفلت و انکار کے لیے مہلت ملتی ہے لیکن وہ مہلت بھی غیر محدود نہیں ہوتی۔ ایک مدت مقررہ کے بعد عذاب الٰہی کے حرکت میں آنے کا وقت آجاتا ہے۔ یہ وقت موعود فرد و جماعت دونوں کے گزرنے کی چیز ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کا پاسپورٹ (پروانہ راہداری) نسل و خاندان نہیں بلکہ ایمان و عمل ہے۔ کنعان سے بڑھ کر بدقسمت اور کون ہوگا؟ پیر زادہ، مرشد زادہ، بلکہ شیخ زادہ نہیں پیغمبر زادہ تھا لیکن [illegible] جب اس طرح نافرمانی پر تل گیا تو سابقہ اسی قانون سے پڑا جو عام آدمیوں کے لیے رکھا گیا ہے۔ ہلاکت سے نہ کوئی اس کی تدبیر بچا سکی، نہ کوئی نسبی قرابت۔

چوتھا سبق یہ ہاتھ آیا کہ اس عالم اسباب میں جو کچھ بھی کیا جاتا ہے [illegible] واسطہ [illegible] سبب کا پابند ہی رکھا جاتا ہے۔ نوح وقت آنے پر طوفان سے بچائے گئے تو سفینۂ نوح ہی کے واسطہ سے۔

پانچویں تعلیم یہ حاصل ہوئی کہ پیغمبر بھی علم، قدرت، اختیار میں بشریت کے حدود سے باہر نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کا اتنا بھی [illegible] کہ اپنے ڈوبتے ہوئے فرزند ہی کو بچا لیتے یا اسے ایمان لانے پر مجبور کر چھوڑتے، اور یہ تو پھر دور کی چیزیں ہیں۔ لڑکے کے انجام کا علم تک آپ کو قبل سے نہ ہوسکا۔

داستان نوح ختم ہوئی، اب دنیا ازسرنو آباد ہے۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ چل رہا ہے، پھیل رہا ہے، بڑھ رہا ہے۔ سلسلے ہدایت کے اور ضلالت کے، دونوں کے جاری ہیں، نئے نئے ملک آباد ہوچکے ہیں، قومیں بن چکی ہیں، بگڑ چکی ہیں اور ابھر چکی ہیں۔ حضرت ادریس اور انکی تعلیمات، حضرت ہود اور انکی امت، قوم عاد۔ حضرت صالح اور انکی امت قوم ثمود۔ یہ سب عنوانات دلچسپ بھی ہوسکتے تھے اور سبق آموز بھی۔ لیکن آج کی مختصر و سرسری صحبت میں اتنی گنجائش کہاں؟ تاریخ مسلسل کے ان سارے درمیانی اوراق کو الٹ جائیے، اور اب نبی محترم ابوالانبیاء حضرت ابراہیم کے دور میں آجائیے۔

جہل و بے خبری بھی عجیب چیز ہے، اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ جو دین کے منکر ہوتے ہیں، وہ خود علم و عقل کے بھی دشمن ہوجاتے ہیں۔ زیادہ نہیں، چالیس ہی پچاس برس پہلے کی بات ہے کہ "روشن خیالوں" نے حضرت ابراہیم کے وجود ہی سے انکار کردیا تھا۔ اور یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ اس نام کی کوئی شخصیت ہی نہیں گزری ہے، اور یہ نام تو نوعی نام یعنی قبیلہ کا ہے۔ حضرت ابراہیم، یہود و مسیحی دونوں قوموں کے مستند پیغمبر و مسلم امام ہیں، ان دونوں کے "عقلیت زدہ روشن خیالوں" [illegible] اپنی انشا [illegible] پیدا [illegible] کرنا شروع کردیا تھا۔ اور کچھ عجب نہ تھا کہ [illegible] جاتی کہ زمانہ نے ایک اور کروٹ لی۔ تحقیقات کا رخ بدلا۔

اور زبردست اثری شہادتوں کی بنا پر حضرت ابراہیم، انکا وطن، انکا مذہب، یہ سارے نظریات پھر از سر نو حقائق بن گئے۔

پیدائش آپ کی قدیم کلدانیہ یا موجودہ عراق کے شہر اُر میں ہوئی۔ صرف شہر کا نام اب تک توریت کے صفحات میں محفوظ تھا۔ نقشہ شہر جغرافیہ کے نقشوں سے مدت ہوئی غائب ہوچکا تھا۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں سال غائب رہنے کے بعد اب پھر نمودار ہوگیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل تو ۱۸۵۴ء ہی میں پڑ چکی تھی۔ ہوتے ہوتے آخر ۱۹۲۲ء میں جو زبردست اثری مہم برٹش میوزیم اور امریکہ کی Pennsylvania یونیورسٹی کے مشترکہ سرپرستی روانہ ہوئی۔ اس نے کھدائی کا کام برابر سات برس تک جاری رکھا۔ اور اسکے خاتمہ پر دسمبر ۱۹۲۹ء میں اس مہم کے صدر سر [illegible] وولی Mr. Woolley نے ایک مستقل کتاب Ur of the Chaldees کے نام سے لکھ دی۔

عراق کے محکمۂ آثار قدیمہ نے پورے شہر کو نمائش خانہ کے حکم میں لاکر اسے محفوظ کردیا ہے۔ خلیج فارس کے ساحل سے شمال و مغرب کے رخ پر دریائے فرات کے کنارے کنارے چلیے، تو پایہ تخت یعنی شہر بغداد ابھی آدھی دور باقی ہوگا کہ آپ اُر کے محاذ میں پہونچ جائینگے۔ اب دریا کا ساتھ چھوڑ کر جانب مغرب [illegible] چلیے۔ ۸½ میل پر بغداد بصرہ ریلوے لائن کو عبور کرینگے۔ اور یہاں تک آپ کو جابجا آبادی ملتی رہیگی، کہیں کہیں کھیتی باڑی اور کہیں کہیں کچے مکان اور جھونپڑے۔ آپ اسی سمت قدم بڑھاتے چلے۔ اب بالکل ویرانہ شروع ہوجائیگا۔ دشت و میدان، ایک ہو کا عالم، ڈیڑھ میل اور چلیے۔ لیجیے اب آپ کے قدم اُر کے قدیم پر پڑنے لگے۔

یہ تھا وہ مقام جو آپ کی ولادت سے مشرف ہوا۔ کسی زمانہ میں بڑا مقدس شہر تھا۔ آثار قدیمہ کثرت سے [illegible] توریت کی روایت ہے کہ آپ کے اور حضرت نوح کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہے۔ یعنی آپ انکی گیارہویں پشت میں ہیں۔ البتہ دوسرے قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توریت کے دیے ہوئے نسب نامہ میں کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔ سال ولادت آپ کا سر چارلس ازٹن کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق۔م ہے، اور عمر شریف آپ کی، جیسا کہ توریت میں درج ہے، ۱۷۵ سال کی ہوئی۔ سنہ وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق۔م ٹھہرتا ہے۔

دنیا، متمدن دنیا، کا مذہب اسوقت بھی شرک کا تھا۔ حکومت کا مذہب مشرکانہ، قوم کے رسوم و آداب مشرکانہ، جس گھرانے میں آپ نے آنکھیں کھولیں، اس میں چرچے ہر طرف شرک کے پھیلے ہوئے۔ شرک و بت پرستی کا بھی، کواکب پرستی کا بھی۔ اصل معبود آسمان میں لٹکے ہوئے، ان کی مورتیں پتھروں کی گھڑی اور تراشی ہوئی زمین پر مندروں کی رونق، دیوی دیوتاؤں کی مورتیں اس لیے کہ خود انکی پوجا کی جائے، ان پر چڑھاوے چڑھائے جائیں۔

(باقی آئندہ)

منکسر، سچے متواضع - اتباعِ سنت اور پابندیٔ شریعت میں ممتاز تھے - انکی نماز خضوع و خشوع اور سکون و طمانیت کی تصویر ہوتی تھی - دارالعلوم کی مدرسی کے زمانہ میں لکھنؤ کے اکثر اہلِ علم انکے معتقد و مداح تھے - اور مسائل میں انکا فیصلہ قولِ فیصل کا حکم رکھتا تھا - اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ خوبی کو اپنے فضل و کرم سے نوازے، اور درجاتِ عالی عنایت فرمائے -
(معارف)

اسکولوں میں موسیقی

سُنا ہے - یو - پی کے محکمۂ تعلیم نے ایک سرکلر جاری کیا ہے - جسکی بنا پر سال رواں سے تیسری جماعت اور پانچویں جماعت تک کے طالب علموں کو گانا اور طبلہ بجانا سکھایا جائیگا - اور یہ مضمون اختیاری نہیں بلکہ لازمی ہوگا - اور اسکا امتحان بھی دوسرے مضامین کی طرح ہر لڑکے کو اس میں بھی پاس ہونا پڑیگا - یعنی اگر کوئی لڑکا باقی تمام مضامین میں پاس ہوگا، اور طبلہ نہیں بجا سکیگا، تو فیل کر دیا جائیگا -

سچ یہ ہے کہ کسی قوم کی عزت و عظمت کا معیار اُسکا "آرٹ" ہے اور موسیقی کو فنونِ لطیفہ میں جو درجہ حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں - اسکے علاوہ آج کل ہندوستان میں فلم کمپنیوں اور ریڈیو اسٹیشنوں کی بھرمار ہے - اور گانے بجانے والوں کے لیے معاش کے کئی دروازے کھل رہے ہیں - پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری درسگاہیں طلبہ کو ہر اعتبار سے روٹی کمانے کے قابل بنائیں - آخر دستکاریاں بھی حصولِ معاش کے لیے سکھائی ہی جاتی ہیں - پھر گانا اور طبلہ بجانا کیوں نہ سکھایا جائے - جن لڑکوں کو پڑھ کے کسی فلم کمپنی یا ریڈیو اسٹیشن پر کام نہ مل سکیگا وہ کسی طوائف کے طبلچی بن کر ہی چار پیسے پیدا کر لیں گے - اگر یہ موقع بھی میسر نہ ہوگا تو گا بجا کر بھیک مانگنا تو کہیں گیا ہی نہیں -

ذرا مقابلہ کیجیے - دوسرے ملک تو اپنے بچوں کو اسکولوں ہی میں بندوق چلانا، مشین گن استعمال کرنا، اور ہوائی جہاز چلانا سکھاتے ہیں - یہاں ہمارے ہاں "سارے گاما پادھانی" اور "تاکِٹ دِھنّا" کی تعلیم دی جاتی ہے - اسی سے ظاہر ہے کہ ہندوستان آرٹ اور اہنسا کا گھر ہے - اور یہ وہ دولت ہے جسے کوئی دشمن بھی چھین نہیں سکتا -

چونکہ یو - پی کے محکمۂ تعلیم کا یہ حکم آرٹ، تہذیب، اقتصادیات کے اعتبار سے بہت مفید ہے، اس لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کو حکومت کا دلی شکریہ ادا کرنا چاہیے - آئندہ انکے بچے گا بجا کر پیٹ پال لیا کرینگے اور بھوکے نہیں مرینگے -

ہمارے نزدیک بڑی جماعتوں میں بھی موسیقی کا انتظام ہونا چاہیے اور اس علم کی بھی ڈگریاں ملنی چاہییں - مثلاً درجہ بدرجہ اتائی - ڈوم کلاونت - طبلہ نواز جنگ بہادر کے القاب بہت موزوں رہیں گے - لڑکیوں کے اسکولوں میں تو اکثر رقص اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے اور آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں ناچ اور گانے کی بڑی بڑی ماہر موجود ہیں - یقین نہ ہو تو پنجاب لٹریری لیگ کے کسی کانسرٹ میں جاکر شریف زادیوں کا نخرہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیجیے - اب لڑکے بھی گانا اور طبلہ بجانا سیکھ لیں گے تو وہ اُستاد جی ہونگے، اور ان کی بہنیں "بائیاں" ہوں گی - گویا ہر گھر میں ایک مستقل "طائفہ" مہیا ہو جائیگا - رنڈیوں اور میراسیوں کو اب کوئی اور کام اختیار کرنا چاہیے - کیونکہ ناچ اور گانے کی تعلیم اسکولوں میں شروع ہو گئی ہے - اور ہر شریف گھرانے کا "ڈرائنگ روم" "بزمِ نشاط" بن چکا ہے - جب لڑکوں کو گھر بیٹھے طبلچی اور ہیرامنڈی سے بہتر سامانِ عیش میسر ہوگا تو وہ بھلا بازار میں کیوں بھٹکتے پھریں گے - بلے نقصانِ مایہ و دیگر شماتتِ ہمسایہ -
(انقلاب)

خریدارانِ صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل خریداروں کی میعادِ خریداری اسی ماہ اگست ۱۹۴۲ء میں ختم ہو رہی ہے - براہِ کرم سال آئندہ کیلیے چندہ ایسے وقت میں روانہ کر دیا جائے کہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر کو وصول ہو جائے ورنہ یکم ستمبر ۱۹۴۲ء کو حسبِ معمول وی پی روانہ ہوگا :-

نمبر خریدار			
۱۲۹	۱۳۰	۱۳۸	۱۴۰
۲۴۳	۲۸۲	۲۸۸	۲۹۰
۵۴۹	۵۶۲	۶۳۵	۶۳۶
۶۳۸	۸۵۶	۸۵۷	۸۶۱
۸۶۶	۸۶۸	۸۶۹	۸۷۰
۸۷۲	۸۷۵	۱۰۱۴	۱۰۴۲
۱۰۴۳	۱۰۴۴	۱۰۴۵	۱۰۴۶
۱۰۴۸	۱۰۴۹	۱۰۵۰	۱۰۵۱
۱۰۵۲	۱۰۵۳	۱۰۵۵	۱۰۶۹
۱۱۰۷			

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف)

قرآن مجید حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام، اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ - ساڑھے چار آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر روانہ ہوگا -

ملنے کا پتہ :- محمد تقی خاں - دریاباد ضلع بارہ بنکی

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ - (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق
لکھنؤ

مدیر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔
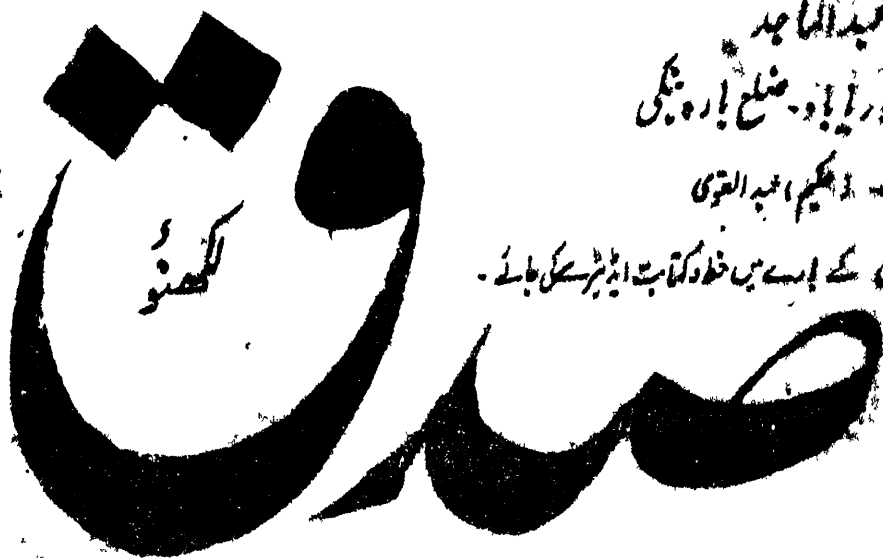
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
" ششماہی ہیر
بیرون ہند سے سالانہ ۵ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱؎ ر

نمبر ۲ | دوشنبہ - ۳۰ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۴ - دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۸

۲۵ - اگست۔ لندن کی بجلی ہوئی خبر ہے کہ ڈیوک آف کنٹ شاہ برطانیہ کے حقیقی چھوٹے بھائی، ہوائی فوج کے ایک اعلیٰ افسر، مع اپنے رفیقوں کے، فوجی مہم پر اسکاٹ لینڈ سے آئس لینڈ روانہ ہوئے، بہترین ہوائی جہاز پر۔ جہاز شاید سا ٹھ میل گیا تھا کہ گرا۔ غالباً پہاڑ سے ٹکرا کر۔ شمالی اسکاٹ لینڈ کے ایک بالکل ویرانہ میں۔ اور جہاز کے فولادی جسم کے ساتھ ساتھ شاہی جہاز نشین کا انسانی جسم بھی پاش پاش ہو کر رہ گیا! ——— ڈیوک کی عمر پورے چالیس سال کی بھی نہ تھی۔ تندرستی و توانائی اپنے شباب پر تھی۔ دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ کے محبوب و عزیز بھائی تھے۔ خود بھی اعلیٰ ڈیوٹی عہدہ دار تھے۔ جہاز لق و دق، ۸۵ فٹ لانبا، پر ملا کر ۱۱۲ فٹ چوڑا، ۲۳ فٹ بلند، بہترین قسم کا تھا۔ ایک انجن نہیں، چار چار انجن رکھتا تھا۔ ہوا پر اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے رہ سکتا تھا۔ عام اڑان ۱۸۰ میل کا تھا۔ گنجائش ۲ ہزار میل تک کی تھی۔ اٹلانٹک جیسے بحر اعظم کو عبور کیے ہوئے تھا۔ جہاز پر فن ہوا بازی کے بہتر سے بہتر ماہرین موجود۔ غرض انسانی کاریگری، صنعت، دانائی، تدبیر، دور بینی و پیش بینی حد پروانہ تک پہونچی ہوئی۔ مرنے کی نہ ابھی عمر نہ صحت۔ پر موت اپنے وقت پر آئی، تو تدبیر کے سارے قلعوں کو توڑتی پھوڑتی ہوئی آئی۔ حفاظت و پیش بندی کے قند سمندروں کو چیرتی پھاڑتی، پھاندتی ہوئی آئی! اور عظیم الشان محل اور پرتکلف قصر میں رہنے والے کے پاس بھی اُسی طرح آئی، جس طرح جنگل بیابان میں گزر کرنے والوں، ٹوٹی جھونپڑیوں میں بسر کرنے والوں کے پاس آتی ہے!

---

۲۹ - اگست۔ آج ونڈسر کے شاہی قبرستان میں نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ میت بادشاہ کے بھائی کی آ رہی ہے۔ جنازہ کو کاندھا محکمۂ ہوائی کے اعلیٰ افسر دیے ہوئے ہیں۔ جنازہ کے پیچھے بادشاہ سلامت خود ہیں اور اُنکی والدہ ملکہ میری، اور ڈیوک کی بیوہ (شادی کو ابھی چند ہی سال تو ہوئے تھے)۔ سب کے سب سیاہ پوش۔ اور اُنکے پیچھے ناروے، یونان، یوگوسلاویہ، ہالینڈ ایک نہیں چار چار ملکوں کے بادشاہ اور ملکہ! جنازہ کے اوپر مرنے والے کی فوجی ٹوپی رکھی ہوئی۔ میت تابوت کے اندر سے نکالی گئیں، اور ڈیوک کی بیوہ فرط غم سے زمین پر گر گئیں۔ ملکۂ سلامت نے سنبھالا۔ اب میت قبر میں اُتاری جا رہی ہے۔ بیوہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اسے بیچی، دوبارہ غش آ گیا۔ نعش قبر کے اندر پہونچ گئی، اور بادشاہ سلامت مٹی دیتے جاتے ہیں، اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں! ——— بادشاہ کے آنسو! بھی ہا! کیا بادشاہ کا دل پتھر کا ہو جاتا ہے؟ ——— اب پادری صاحب کی باری آئی۔ دعاے جنازہ شروع ہوئی، اور بآواز بلند یہ کلمے دوہرائے:-

"مٹی کو مٹی سے، راکھ کو راکھ سے، خاک کو خاک سے ملایا جا رہا ہے"

بیوہ کی حالت پھر غیر ہوئی۔ اپنی بے اختیار چیخیں مار مار کر رونے لگیں۔ پادری کی دعا ہے کہ ختم ہونے کو نہیں آتی، اور بیوہ کی نظر ہے کہ سر جھکائے ہوئے، قبر پر جمائے ہوئی، آنکھوں سے آنسو مل رہے ہیں، اور زبان پر اپنے عقیدہ و ایمان کے مطابق دعائیں مغفرت کی ہیں!

زور اور قوت والوں کو، عاجزوں اور بیکسوں کی طرح گریہ کرتے گڑگڑاتے دیکھا ہوگا؟ آج نظارہ سب کے سامنے عیاں و بے پردہ تھا۔ لمن الملک الیوم کا! اور محسوس ہو رہا تھا کہ حکومت اور قوت کس کی ہے! ——— پادری صاحب کی دعا خدا خدا کرکے ختم ہوئی۔ اب شاہی نقیب نے شہزادہ کے القاب و خطابات کی، ہوائی، بحری، بری، فوج کے عہدوں کی، منصب و اعزاز کی طویل فہرست سنانی شروع کی۔ اور سادہ شاہی

خاندان بھر بے اختیار رو پڑا۔ ہائے! وہ منصب اور عہدے اور خطابات و القاب اس وقت کیسے ہیچ نظر آ رہے تھے! —— شاہی خاندان کے ارکان ایک ایک کر کے روانہ ہونے لگے۔ بادشاہ سلامت اور بیوہ شہزادی نے ایک بار پھر نعش پر نظر ڈالی، اور حسرت نصیب شہزادہ کے حق میں دعائیں مانگتے اور زار و قطار روتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ اپنی اور شہزادہ کی والدہ کو بادشاہ خود سنبھالے ہوئے تھے —— راوی کہتا ہے کہ منظر بڑا ہی گداز اور دردناک تھا۔ جو جو دلخراش اور شرکاء ماتم تھے، وہ تو تھے ہی، اس منظر عبرت کے دیکھنے والوں پر کیا گزر گئی!

اصلاح میں غلو

"مسلم لیگ ہو یا مجلس احرار دونوں کے حالات اسلامی نقطۂ نگاہ سے ویسے ہی ناقابل اطمینان ہیں جیسے کانگریس کے۔ جس طرح کانگریس میں شامل ہونے کے لیے صرف ہندوستانی ہونا ضروری ہے اسی طرح مسلم لیگ اور مجلس احرار میں صرف مسلمان کہلانا۔ اسلامی زندگی، اسلامی ذہن اور اسلامی کیریکٹر کہیں بھی ضروری نہیں۔" (ایک مخلص مسلمان اخبار نویس)

آخر کا فقرہ صحیح ہے، اور بہت افسوس ہے کہ صحیح ہے۔ لیکن اس صحیح مقدمہ اور قابل صد افسوس واقعیت سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک طرف کانگریس اور دوسری طرف مسلم لیگ، مجلس احرار وغیرہ نام کی مسلمان جماعتیں یکساں، ہم سطح ہیں، افسوس ہے کہ یہ کسی قاعدہ سے بھی صحیح نہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان میں سے ایک انجمن ایسی ہے، جسکی معمولی ممبری سے لیکر صدارت تک، کسی مرحلہ میں کوئی قید کفر و اسلام کی نہیں، اور شرک و توحید دونوں اسکی نظر میں بالکل یکساں ہیں۔ اور دوسری قسم کی انجمنیں ایسی ہیں جنکے اندر قدم رکھنے کی، داخلہ کی، پہلی شرط داخلہ کی، پہلی شرط توحید و رسالت کا اقرار اور کفر، شرک، والحاد کی ہر شق سے بیزاری کا اظہار ہے، یعنی کلمۂ شہادت کا تلفظ —— کیا یہ دونوں قسم کی مجلسیں، اسلامی نقطۂ نظر سے قیامت تک کہیں یکساں یا تقریباً یکساں ہو سکتی ہیں؟

بے عملوں کو آمادۂ عمل یقیناً کیجیے۔ نافہموں کو جھنجھوڑ کر تازیانہ لگا کر، بیدار ضرور کیجیے۔ لفظ اسلام کے معنی و حقیقت سے خبردار بلاشبہ کیجیے۔ لیکن خدا کے لیے اس سعی اصلاح میں اتنا غلو بھی نہ کیجیے، کہ تلفظ شہادت کو بے معنی قرار دیدیجیے، اور مسلم و غیر مسلم کو عملاً ہم سطح سمجھنے لگیے۔ کلمۂ شہادت کا مجرد تلفظ بھی، عمل سے بالکل خالی سہی، (تاوقتیکہ نفاق کا قطعی ثبوت نہ مل جائے) اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، حقارت کی نہیں، عزت کی مستحق —— یہی وہ منزل ہے جہاں صدق کو بہت سے دوستوں کی شدید خفگی کے باوجود، مولانا مودودی کی تحریک کا ساتھ چھوڑنا پڑا تھا۔ کلمہ کی عزت بڑی اہم چیز ہے۔ اور اصلاحات کی راہ میں غلو سے بچنا اور توازن و اعتدال قائم رکھنا ایک دشوار مرحلہ ہے۔

بزم دینیات (دکن)

جامعۂ عثمانیہ (دکن) کی بزم دینیات نے حال میں ایک موتمر علوم اسلامیہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۹ روز، شہر کو یقین ہے کہ موتمر مذکور کے اجلاس ہو گئے ہوں —— ذیل کا پیام جلسہ کے لیے مدیر صدق نے روانہ کیا: —

"آپ لوگوں کی ہمت قابل داد و مستحق صد شکر ہے کہ آپ کو اپنے علوم کے احیاء کی طرف توجہ ہوئی، اور آپ نے اپنے علوم کو دوسروں کے علوم کے مقابلہ میں حقیر و فروتر سمجھنے سے انکار کر دیا ——

اصل شے آپ کی یہی احساس کی بیداری ہے ——

دینیات کا شعبہ تو تمام شعبوں سے افضل، اعلیٰ، اشرف ہونا چاہیے تھا، اور ہے۔ لیکن ہماری شامت اور بدبختی کہ اب تک ہم نے اسی کو سب سے ادنیٰ بلکہ حقیر و ذلیل سمجھ رکھا تھا۔ فلسفہ کا مضمون عالی، ریاضیات کا مضمون معزز، انگریزی ادب کا مضمون قابل عزت، تاریخ ادب کا مضمون اچھا اور اونچا، غرض یہ کہ دینیات کے سوا اور ہر مضمون مکرم و محترم! ذلت، پستی، حقارت صرف صیغۂ دینیات سے لپٹی ہوئی! —— دوسرے فخر کرتے ہیں، کہ مورخ بنکر نکلیں گے، فلسفی مشہور ہونگے، ادیب کہلائے جائینگے اور آپ شرمائے جا رہے ہیں کہ ہماری قسمت میں صرف مولوی یا عالم ہونا لکھا ہے!

اس احساس کمتری (inferiority complex) کو اٹھا پھینکنا [illegible] کی دنیا میں وقت کا سب سے بڑا جہاد ہے۔ —

اس میدان میں قدم مردانہ وار بڑھائیے —— اور دنیا پر ثابت کر دیجیے کہ دنیا کے مسلّم علم کے وارث و مالک حقیقۃً آپ ہی لوگ ہیں، علوم کی دنیا میں قطعیات و یقینیات کے مالک صرف آپ ہیں اور دوسروں کی قسمت میں صرف ظنیات و تخمینات کے اجتہاد ہیں۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ اور تکمیل ایمان کی ایک فرد، اور اعلیٰ فرد، علوم ایمانی کا حصول اور فروغ ہے۔"

نقیب الحاد کا رد

ایک پچھلے نمبر میں جناب جگر مرادآبادی کی ایک نظم "نقیب الحاد" کے عنوان سے درج ہو چکی ہے۔ ایک دو خط بھی اس پر نکل چکا ہے۔ اب ایک صاحب خیرآباد (ضلع سیتاپور) سے لکھتے ہیں: —

"صدق میں حضرت جگر مرادآبادی کا رد الحاد دیکھ کر ایک عجب روحانی مسرت حاصل ہوا۔ نظم پر آپ کا نوٹ بھی دیکھا۔ جی چاہتا ہے کہ یہ بھی آپ کے علم میں لے آؤں کہ ... کے الحادی کلام کی تردید سب سے پہلے ہمارے ہم وطن جناب عقیل جعفری (نبیرۂ حضرت ریاض مرحوم) نے کی ہے۔ انہوں نے کم از کم پچیس الحادی نظموں کا جواب انھیں کے کلیات سے نکال نکال کر اسی ردیف و قافیہ میں التزام کے ساتھ لکھا ہے ...... افسوس اسکا ضرور ہے کہ ہمارے ہم وطن کی اولیت چھپ گئی۔ لیکن بہر حال اب جگر صاحب کی نظم دیکھ کر مسرت ہی ہوئی۔"

عقیل خیرآبادی ذہین و خوش فکر ہیں۔ یقیناً انکی نظموں میں وہی جوش ہوگا، وہی خروش، وہی کڑک اور وہی گرج، وہی تڑاقا دھماکا، جو شاعر "انقلاب" کا سرمایۂ حیات ہیں۔ غرض اس نقیب الحاد کی "ترکی کا پودا

جواب "اِس ترکی" ہیں۔ وہ اور زرقری اور سب سے بڑھ کر استادِ جگر اگر ہمت و استقلال کے ساتھ اگر مقابلہ کریں، تو یقین ہے کہ باطل کا زعم و معدودے دونوں پاش پاش ہوکر رہ جائیں۔ ضرورت صرف دو باتوں کی ہے ایک یہ کہ یہ اصلاحی اور ترقی نظمیں اشاعت زیادہ سے زیادہ پاتی رہیں، اور انکی پہنچ بڑے سے بڑے حلقوں تک ہوتی رہے، دوسرے یہ کہ شخصی حملے حتی الامکان نہ چھڑنے پائیں، اور حملے صرف خیالات و تخیلات پر ہوتے رہیں!

بعض تفسیری حقائق ایک ندوی متعلم قرآن صدق سے پڑھ کر لکھتے ہیں:-

"ابکی صدق میں مولانا گیلانی کے نکات قرآنی پڑھکر جی بہت ہی خوش ہوا۔ اسی سلسلہ کی ایک چیز اور یاد پڑگئی۔ حنفیہ عشرہ ابن جبیرہ حنبلی (۵۶۰ھ) کی کتاب الافصاح جو تفسیر ہے، ضرور دیکھ رہا تھا۔ شروع میں مصنف کے حالات میں ایک نفس انکے استنباطات قرآن جو قطرہ کی اور طبیعت جیسے پھڑک اٹھی۔ آیت یہ ہے لا قوۃ الا باللہ۔ لکھا ہے کہ اسکے تین معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ کہنے والا اپنی قوت سے انکار کرتا ہے، اور سب کچھ خدا کے سپرد کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اقرار کرتا ہے کہ مخلوق میں جو کچھ بھی طاقت ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ اس لیے اصل خوف کی مستحق مخلوق نہیں، بلکہ خالق ہے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ یہ ٹکڑا ان فلاسفہ کی تردید میں ہے جو اشیاء میں بالطبع قوت کے قائل ہیں"۔

یہ تینوں استنباطات تو خیال پڑتا ہے کہ کسی مشہور تفسیر میں بھی نظر سے گزر چکے ہیں، باقی اصلی خوشی اسکی ہے کہ یہ کم سواد نیاز مند، نامہ سیاہ، جس قسم کے استنباطات کا عادی ہے اُس کی سند بزرگانِ سلف میں سے بھی ایک بزرگ کے ہاں مل گئی ——— اس نیم طبیب، ناکردہ کار کی مسرت کا کیا پوچھنا، جسکی تجویز کی ہوئی دوا کسی مستند و حاذق طبیب کے نسخے سے لڑ جائے!

یہ دیوبند ہے! مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک تازہ بیان کے چند اقتباسات:-

"۹ اگست کے بعد جبکہ ملک میں نئی تحریک شروع ہوئی، طلبہ کا جوش و جذبہ ادھر منتقل ہونے لگا.... یہاں تک کہ تحریری امتحان کا وقت آپہونچا۔ طلبہ نے درخواست کی کہ انکے امتحان میں تخفیف کی صورتیں پیدا کی جائیں۔ اسے منظور کیا گیا۔ اور آئین میں رہ کر جتنی سہولتیں دی جاسکتی تھیں وہ دے دی گئیں۔ لیکن طلبہ کی بھاری تعداد.... یہ درخواست لے کر پہونچی کہ امسال چار امتحان بالکل ساقط کردیا جائے.... دائرہ اہتمام کی طرف سے اُن سے کہا گیا کہ ہم اس مسئلہ پر غور کررہے ہیں اور انشاءاللہ فیصلہ تیسرے دن ہوجائیگا.... لیکن طلبہ باوجود وعدہ کرلینے کے اتنی دیر کیلیے بھی اس وعدہ پر قائم نہ رہ سکے....

طلبہ کی طرف سے دوپہر ہی کو ایک جلسہ کا اعلان کیا گیا اور گھنٹہ بجا کر انھیں جمع کیا گیا۔ جس میں یہ طے ہوا کہ اس جماعت دورہ کے بھی امتحان کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ اور کوئی ایک طالب علم بھی امتحان نہ دے۔ حتی کہ اس جلسہ میں منجملہ اور نعروں کے ایک نعرہ یہ بھی ایجاد کیا گیا کہ "امتحان نہیں دینگے!".... چنانچہ جب دائرہ اہتمام کے ارکان مدرسہ میں پہونچے تو یہ نعرہ انکی آمد پر بھی پورے زور شور سے لگایا گیا....

اس فیصلہ کے سوا چارہ کار نہیں رہا کہ طلبہ کی درخواست کے پیش نظر ان خصوصی حالات کے ماتحت امتحان نہ لیا جائے.... طلبہ نے نہایت جوش و مسرت سے پوری بلند آوازی کے ساتھ خوشی کے نعرے لگائے اور مدرسہ بتعطیل عام ہوگئی"!

گویا مبتدا تھا تحریک کانگریس کے سلسلہ میں طلبہ کا جوش و خروش اور خبر نکلی امتحان کی موقوفی اور تعطیل عام! یہ ہے آپ کا دیوبند! یہ ہے آج کا دیوبند ——— طلبہ کا پُرجوش طبقہ "وقت کے پیام پر لبیک کہنے والے" طلبہ، نعرے لگا لگا کر امتحان کو موقوف اور مدرسہ کو بند کرادینے والے "طالبین علم" سے تو کس کی مجال ہے کہ کچھ عرض کیا جاسکے، انکے زہرہ گداز نعرے یوں ہی صدہا میل کے فاصلہ سے دل کو ہلائے دے رہے ہیں۔ البتہ یہ "دقیانوسی" مہتمم و صدر مہتمم! یہ "رجعت پسند" مجلس انتظامیہ و مجلس علمیہ و مجلس شوریٰ! آخر انھیں سوجھی کیا ہے کہ ہر دیوبند کو قدیم دیوبند بنائے رکھنے پر اصرار کیے چلے جارہے ہیں! ——— "تجدد" اور "ترقی" کی حاجت کیوں اتنی ہے کہ انگریزی اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، ہندی پاٹھ شالوں، سنسکرت ودیا مندروں تک محدود ہے!

کرنے کا کام پنجاب سے ایک نوجوان گریجویٹ لکھتے ہیں:-

"میرے ذہن میں ایک اور صورت خدمتِ قرآن کی آئی ہے۔ جسکی اسوقت اشد ضرورت ہے۔ اقبالؒ نے سچ فرمایا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن ہے۔ مسلمانوں نے قرآن پر یہی ظلم نہیں کیا کہ اسکو نظرانداز کردیا، بلکہ قرآن کی آیات کو توڑ مروڑ کر غلط تاویلات کرکے بیسیوں فرقے اور الحاد کی بنیاد رکھدی۔ مجھے جستجو کی، اور میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ہر عامی مسلمان کو جو محض ترجموں سے استفادہ کرتے ہیں، بہت سے مقامات پر اشکالات پیش آتے ہیں۔ تو ایسی آیات کی جن سے غیر مذاہب اور فرقہائے باطلہ مثل منکرین حدیث، شیعہ، باطنی، قادیانی، مشرقی وغیرہ نے فائدہ اٹھایا ہے، انکی شرح و تفسیر ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کی جائے یہ تجویز نشر الطیب کی اُس فصل کو دیکھ کر ذہن میں آئی، جس میں مولانا تھانوی نے "وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ" وغیرہ بعض

آیات کو صاف کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ کام بھی آپ ہی سرانجام دیں۔ یا صدق ہی میں یہ سلسلہ شروع کر دیا جائے۔"

تجویز ہر طرح معقول و مناسب ہے۔ دراصل یہ کام تھا تو مولانا تھانوی ہی جیسے محقق کے کرنے کا۔ لیکن اکابر جب کسی نہ کسی سبب سے معذور رہ جاتے ہیں تو قدرتِ حق وہ کام چھوٹوں ہی سے لے لیتی ہے۔ زندگی، صحت و فرصت نے اگر ساتھ دیا، تو ان شاء اللہ اس خدمت کی سعادت بھی انھیں بزرگوں کی تحقیق کی روشنی میں صدق کو حاصل ہو جائیگی۔ بہت مدت ہوئی، غالباً ۱۹۲۶ء میں سچ میں ایک تمہیدی مضمون "پاکوں کی سرشت" کے عنوان سے عصمت انبیاء پر لکھا تھا۔ اسکے بعد سچ اور پھر صدق میں صدیق کی عصمت، مریم کی عصمت، خلیل کی عصمت، وغیرہ کے عنوان سے اور متعدد مضامین بھی اس سلسلہ میں شایع ہو چکے ہیں۔ حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت ابراہیمؑ پر جو مشہور روایات الزامات و اعتراضات یہود کے زمانہ سے چلے آ رہے ہیں، بحمد اللہ بعض ان مضامین میں صاف کر دیا گیا ہے۔ مخلصوں کی دعائیں اور اللہ کا فضل اگر شامل رہا، تو ان مضامین کی نظرثانی اور باقی مضامین کی تکمیل کا سامان ان شاء اللہ ہو جائیگا۔

گانے بجانے کی تعلیم

مولوی خیرالدین صاحب وکیل، حیدرآباد دکن سے اس عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:—

"صوبۂ متحدہ کی حکومت کے صیغۂ تعلیم نے موسیقی کی تعلیم کا اپنے مدارس میں انتظام کر کے اپنے علاقہ کی رعایا کو پریشان کر رکھا ہے اور صدق میں اسکی نسبت ایک سے زیادہ مرتبہ شکایت آ چکی ہے۔ آج [illegible] ایسی سلطنت کے ایک شعبے کا حال لکھ رہا ہوں جو [illegible] اسلامی سلطنت ہے۔ حیدرآباد کی نشرگاہ نشریات سے [illegible] کے پروگرام میں ہفتہ ایک گانے کا سبق [illegible] شروع کیا ہے۔ بچوں کی دلچسپی کے لیے نظمی گانوں کے [illegible]

"پی نے [illegible] دوزخ سے دور"

کیا کم زہریلے تھے جو اب گانوں کے سبق بھی شروع کرا دیے گئے۔ جب خطوط سے اس قسم کے امور کی شکایت ہوتی ہے تو ہر جگہ کے ریڈیو اسٹیشن سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم کو ہر قسم کے لوگوں اور ہر قسم کے خیالات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ یہ جواب بالکل صحیح نہیں ہے، نشریات کا انتظام سرکار کی جانب سے ہوتا ہے جو اپنی رعایا کی ہمدرد اور ہر طرح خیرخواہ ہے اور اسکو ہر بُرے راستہ سے روکنے کی ذمہ دار ہے۔

ہر مقام کی نشرگاہ میں ان امور کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔"

آل انڈیا ریڈیو کے متعدد اسٹیشن تو گویا وقف ہی ہیں ارباب نشاط کی لات کی دلالی کے لیے۔ دکن کی نشرگاہ بھی آخر ان سے کہاں تک متاثر نہ ہوتی۔

دورِ گردوں کی یہاں تک کوئی آتا تو دیکھ!

لیکن دکن میں تو جذبۂ اسلامی ماشاء اللہ اب بیدار ہو گیا ہے۔ انجمن اتحاد المسلمین کے ذریعہ سے اگر منظم کوششیں وہاں کے محکمۂ ریڈیو کی اصلاح کے لیے جاری رہیں، تو کوششوں کا کارگر ہو جانا کچھ ایسا دشوار نہیں۔

محمد علی کی خود نوشتہ سوانح عمری کا کچھ حصہ

(۲)

تیسرے باب کا عنوان "میری مشکلات اور انکا علاج" ہے۔ محمد علی مرحوم کی قومی زندگی کا آغاز صحافت نگاری سے ہوتا ہے لیکن انکی بیباکانہ صحافت نگاری نے ان کو بلاؤں میں گرفتار کر دیا۔ جنگ بلقان میں ترکوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ محمد علی مرحوم اپنی تحریروں کے ذریعہ مسلمانوں کی سیاست میں ایک طوفان بپا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پریس ایکٹ کی پابندیاں انکے حوصلوں کو کچلنا چاہتی تھیں۔ حکومت کی بندشوں اور انکے جذبات کی آزادی میں تصادم ہوا اور وہ پہلے مہرولی پھر لینسڈاؤن اور پھر چھندواڑہ میں نظربند کر دیے گئے۔ یہ تمام واقعات کل اٹھائیس صفحوں میں ختم ہو گئے ہیں۔ محمد علی مرحوم جیل کی کوٹھریوں میں بیٹھ کر جیلر کی نگرانی میں یہ حالات قلمبند کر رہے تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ دل کھول کر اپنے جذبات کو کاغذ پر منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جملوں اور سطروں کے درمیان وہ تمام چنگاریاں موجود ہیں جن سے انکی آتشیں طبیعت کی تشکیل ہوئی تھی۔

چوتھے باب کی سرخی "انکشاف" ہے۔ مولانا محمد علی چھندواڑہ میں ساڑھے تین سال نظربند رہے۔ یہاں کی "فرصت" اور "اطمینان کلی" میں وہ حقانیت کے ایسے سرچشمے میں غرق ہو گئے، جو تیرہ سو سال کے گرد و غبار سے نہ اَٹ سکا ہے اور نہ خشک ہو سکا ہے (ص ۸۸)۔ پورا باب کلام پاک کے محاسن پر ہے۔ کہیں ذاتی تاثرات بیان کیے گئے ہیں، کہیں یورپین اہل قلم کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیے گئے ہیں، کہیں کلام پاک کے رموز و نکات آشکارا کیے گئے ہیں، کہیں عیسائی مذہب کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں دکھائی گئی ہیں۔ تحریر کا انداز بہت ہی والہانہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جام الست کا سرشار بیخودی میں لکھ رہا ہے۔ کلام اللہ کے مطالعہ سے جو اثرات محمد علی کے قلب پر مترتب ہوئے، اسکے لطف و اثر کا اندازہ تو اصل انگریزی ہی سے ہو سکتا ہے۔ ہم صرف انکا مطلب پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:—

"میں نے خدا کو پا لیا، اس نے بنی نوع انسان کو جو پیام دیا تھا، اسکو سمجھنے کے بعد میں نے اپنے کو پا لیا، میری زندگی میں نئے معنی پیدا ہو گئے۔ زندگی کا اصلی راز مجھ کو معلوم ہو گیا، جسکا احساس اب تک نہ ہوا تھا۔ [illegible] میری گذشتہ زندگی جو میرے نزدیک فرد [illegible] متوالے [illegible]

جدید قصص الانبیاء

چند باب

(از عبد الماجد)

نمبر (۷)

یہی ذبیح اللہ جب ذرا اور بڑے ہوئے، تو باپ اور بیٹے دونوں نے مل کر دنیا کے شورستان میں عزلت و زہد کی عبادت کا گھر تعمیر کیا۔ آپ کی نگاہ کشف نے دیکھ لیا کہ تجلیات جلالی و کمالی کا مرکز، بیت المعمور کے مقابل روئے زمین پر عرب کے ملک میں حجاز کے علاقے میں وادی مکہ ہے۔ بیٹے کو ساتھ لے، بغیر انجینیروں اور معماروں اور مہندسوں کی مدد کے ایک مربع نا مستطیل عمارت کھڑی کر دی۔ وہی عمارت کعبہ کہلاتی ہے۔ آج تک ہر ابراہیمی کا قبلہ، ہر توحید والے کا قبلہ، عمارت کیا، بس ایک عظیم الشان کمرہ ہے۔ کوئی ۵۰ فٹ لمبا، ۴۰ فٹ چوڑا، اور ۸۰ - ۸۰ فٹ اونچا۔ اسمٰعیلؑ کی عمر اسوقت اگر ۲۰ سال کی فرض کی جائے۔ تو اس بنائے ابراہیمی کی تاریخ کوئی ۲۰۵۸ ق۔م قرار پاتی ہے۔ یعنی آج سے کوئی چار ہزار سال قبل۔ یہ محض تخمینہ ہے۔ باقی نفس قدامت اس بیت العتیق کی تو اُسکے مخالفین میں دو نصاریٰ تک کو تسلیم ہے۔

مزدوروں[1] کو اکثر دیکھا ہوگا [illegible] کام کرتے ہیں تو کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے مزدور [illegible] بیت اللہ کے تعمیر [illegible] بیا دیں بھر رہے تھے۔ دیواریں کھڑی کر رہے تھے [illegible] زبانوں پر لہر لیے ہوئے نہ تھے۔ جسکا ذکر نہ ہو سکتا [illegible] گنگنے بھی نہ جاتے تھے۔ ہاتھ مشغول تعمیر میں بیت کے، اور دل باد رب البیت کے، دل میں جسکی یاد، زبان پر اُسی کا نام۔ سبحان اللہ! گیا وہ سرزمین کی چلچلاتی دھوپ میں دنیا کی کسی طمع کے بغیر، پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے، اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ تو یقیناً، اور آنکھوں کی تراوٹ کے ساتھ غالباً، زبانیں اسی ذکر میں مشغول تھیں،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اے رب ہمارے، ہم سے (ہماری یہ خدمت) قبول فرما! بے شک تو ہی ہے سننے والا (منہ سے نکلے ہوئے بولوں کا) اور جاننے والا (دلوں کی نیتوں کا)۔ اللہ اللہ! یہ شان ہوتی ہے۔ اللہ پر قربان ہونے والوں کی! اللہ کے خلیل کہلانے والوں کی! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی یہی دھڑکا لگا ہوا، کہ دیکھیے اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

---

[1] یہاں سے لے کر تین پیروں تک کا بیشتر حصہ ماخوذ ہے راقم سطور کے سفر حجاز ص ۲۲۱، ۲۲۲ سے۔ (مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ)

دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری مانگی جو بیت اللہ کے اس بڑے مزدور نے مانگی؟ کس نے وہ مزدوری پائی جو بیت اللہ کے اس بڑے مزدور کے حصہ میں آئی؟ مزدوری کی طلب، مزدوروں کو تنہا اپنے لیے نہ تھی، ہمارے لیے تھی، آپ کے لیے تھی، اُن سب کے لیے تھی، جو آج اپنی کوئی بھی نماز بغیر اس معمار مزدور پر درود و سلام بھیجے نہ تمام کرتے ہیں نہ تمام کر سکتے ہیں۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ اے پروردگار ہمارے، ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بندہ اپنا کر لے اور ہماری اولاد سے ایک امت پیدا کر اپنی فرمانبردار، اپنی مسلم، ہمیں ہمارے حج کے احکام بتا، اور ہم پر رحمت بہ توجہ فرما۔ بیشک تو ہی توبہ بڑا توبہ قبول کرنے والا۔ (ماضی میں) اور بڑا مہربان (مستقبل میں) ابراہیم کی دعا کہیں خالی جا سکتی تھی؟ مزدور کو تو جو مزدوری ملی، اسکا حال وہ خود جانے، یا اسکا دینے والا۔ البتہ اسی گھر کا طواف کرنے والوں کو، اسکی محبت و عظمت کو دل میں جگہ دینے والوں کو کیا کچھ نہیں مل سکتا؟ کیا کچھ نہیں مل جاتا؟ کیا کچھ نہیں مل چکا ہے؟

گھر کی عزت اور عظمت کو، برکت و رحمت کو، سب دیکھتے ہیں دوست مانتے ہیں۔ دشمن صرف جانتے ہیں۔ کم لوگ یہ ذہن میں رکھتے ہیں کہ بنانے والے کا خمیر کس اخلاص یا فنائیت کی مٹی سے بنا تھا۔ روم کا مشہور و معروف عارف کہتا ہے

کعبہ را کش ہر دمے عزت فزود آں ز اخلاصات ابراہیم بود
فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست لیک در بنّاش حرص و جنگ نیست

اور اصل یہ کہنا ہے کہ کعبہ کی عزتوں اور فضیلتوں میں تم ہر لحظہ جو ترقی دیکھتے ہو، یہ ابراہیم کے اخلاص و صدق نیت کا ثمرہ ہے۔ ورنہ پتھر اور روڑی کی [illegible] ہر جگہ ملا کرتا ہے [illegible] تو لگے ہوئے ہیں، انکے علاوہ اس میں کوئی اور ہی چیز تھی [illegible] چیز یہی ہے کہ اسکا بنانے والا نہ کوئی انجینیر تھا نہ کوئی مہندس، نہ کوئی بادشاہ نہ امیر، وہ تھا جو خودی کو مٹا چکا تھا، اپنے کو خدا کا بنا چکا تھا۔

تصوف کی ان لطافتوں سے اور ملاحتوں سے پھر آ جائیے۔ تاریخ کی ٹھوس خارجیت کی طرف جا دو۔ قصیبت کی طرف حضرت سارہؑ کی عمر جب ایک سو ستائیس سال کی ہوئی تو حسب روایت توریت انھوں نے انتقال فرمایا۔ اور حبرون میں مدفون ہوئیں۔ اب اسی کو خلیل الرحمٰن یا صرف الخلیل کہتے ہیں۔ بیت المقدس سے کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر جنوب و مغرب میں ایک چھوٹا سا شہر کوئی ۱۸ ہزار کی آبادی کا ہے۔ انکے انتقال کے بعد آپ نے ایک شادی بی بی قطورہ کے ساتھ کی۔ ان سے چھ اولادیں ہوئیں اور انکی نسل سے ۱۶ قبیلے چلے۔ قرآن نے جنھیں [illegible] مدین کہا ہے [illegible] یہی لوگ تھے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر تفصیل اور اکثرت سے اور اتنے موقعوں پر آیا ہے کہ سب کو سمیٹنا اس مختصر [illegible]

احادیث اور تفسیری روایات کا جو ذخیرہ ہے وہ اسکے علاوہ ۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ ہم نے امتحان لیا ابراہیم کا چند باتوں میں وَ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ۔ وہ باتیں کون سی تھیں، اور امتحان کی نوعیت کیا تھی، یہ تفصیلات مندرج ہیں، نہ انکے معلوم ہونے کی ضرورت ۔ سب امتحانات میں پورے اُترے ۔ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ انعام یہ ملا کہ عالم انسانیت کی امامت انکے سپرد کر دی گئی ۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ امامت بھی اللہ اللہ کیسی امامت! سال سیکڑوں نہیں ہزاروں گزر چکے، بابل و نینوا کا نام و نشان تک مٹ چکا، اور اہل توحید میں کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں، نماز کی نیت جب باندھینگے منہ کرینگے ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف ۔ سالانہ قربانی جہاں کہیں پیش کرینگے، حوالہ زبان پر ابراہیم کے نام کا لائینگے (کما تقبلت من خلیلک ابراہیم) حج کرنے جائینگے تو سجدہ کرینگے مقام ابراہیم پر، نماز کے آخر میں سلام و رحمت بھیجتے ہیں تو نام اپنے رسول سے بھی پہلے لیتے ہیں، اُنکے اُنھیں پدر مکرم کا ۔ اور اکیلے اہل توحید ہی نہیں، یہود بھی اپنی بگڑی ہوئی توحید، اور مسیحی بھی انہی کے نام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں ۔ قوم بھر رہے ہیں اللہ کے اسی برگزیدہ بندہ کا! ——— کوئی حد ہے انعام کی؟ اور کیوں نہ ہو؟ جب بندہ کی طرف سے کمی ہوا خلاص و صداقت میں، تو مولیٰ کی طرف سے کوئی کسر کیوں اُٹھا رکھی جاتی انعامات میں!

حد یہ ہے کہ قرآن میں یہ آگیا ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ۔ اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنا لیا ۔ خلیل کا ترجمہ دوست سے کرنا، حقیقت کے مرتبہ کو بہت ہلکا کر دینا ہے ۔ توریت میں بھی ایک نہیں، دو مقامات پر لیکن دونوں جگہ ضمناً، ابراہیم کو خدا کا دوست کہا ہے ۔ (یسعیاہ ۴۱: ۸ اور ۲ - تواریخ ۲۰: ۷) اور اسی طرح انجیل والوں کا بھی بیان ہے ——— خالق اپنے مخلوق کو، معبود علی الاطلاق اپنے بندہ عاجز کو اپنا خلیل کہکر پکارے! سرافرازیوں اور عزت افزائیوں کی بس انتہا ہے! خود قرآن ہی میں نہ آگیا ہوتا تو کوئی بندہ اپنی طرف سے ایسا لقب تراشنے کی جرأت بھی نہ کر سکتا!

نیاضی، مہمان نوازی، نرم دلی، شفقت خلق کی روایتوں اور حکایتوں سے یہودی اور اسلامی لٹریچر دونوں لبریز ہیں ۔ قرآن مجید ایک دوسرے قصہ کی ضمن میں تصریح ہے کہ فرشتے انسانی لباس میں آپکے پاس آئے ۔ آپ کیلئے وہ اجنبی محض تھے ۔ لیکن فوراً آپ سامانِ ضیافت میں لگ گئے ۔

سنہ ۱۹۸۵ ق ـ م میں بیٹوں اور پوتوں کی موجودگی میں سکینت اور اطمینان کے ساتھ، ۱۷۵ سال کی عمر میں جان، جان آفریں کے سپرد کی ۔ اور اب الخلیل کے مقبرہ میں حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف وغیرہم کے ساتھ زیر تہ خاک آسودہ ہیں ۔ یہ تربتیں ایک تہ خانہ کے اندر ہیں، اور غار کا دروازہ بند ہے! ویسے ایک روایت مشہور رہی ہے، کہ ترکوں کے عہد حکومت میں ایک نے غریب عقیدت سے وہاں اُترنا چاہا ۔ جانے کو تو چلا گیا، لیکن باہر آیا تو اپنے حواس میں نہ تھا ۔ کسی نے مجذوب قرار دیا، اور کسی نے کہا معلوم ہوتا ہے عالم برزخ کا کچھ حصہ مشاہدہ میں آگیا ۔

جدید قصص الانبیاء ان شاء اللہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہوگی ۔ اسکے ابتدائی چند ابواب آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے ہیں ۔ آپ ہی کی تحریک پر خود اس موضوع کا خیال آیا ۔ عجب نہیں کہ آپ ہی کی دعائیں تکمیل کا بھی سامان بہم پہونچا دیں ۔ ارادہ تھا کہ کم از کم ایک نبی کا حال تو اور اس سلسلہ میں پیش کر دیا جائے، اور اسکے لیے انتخاب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسم گرامی کا کر لیا تھا ۔ لیکن وقت کے حدود کا بھی لحاظ رکھنا بہر حال ضروری تھا ۔ اب تحیت تصدیہ ۔ السلام علیکم ۔

(بقیہ صفحہ ۴)

(یعنی ہندوستان) میں بہت مشغول گزری تھی، بالکل خالی اور بےکیف معلوم ہوئی“

پانچواں باب ”یورپ کا دنیاوارانہ رنگ“ کے عنوان سے شروع ہوا ہے ۔ اس میں رینن اور ایچ، جی، ویلز کی بعض تصانیف پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ عیسائیت، مذہبیت اور روحانیت سے دور ہو کر کس طرح دنیاوی آلایشوں سے آلودہ ہو گئی ہے، حالانکہ شروع میں عیسائی مذہب کی تعلیم وہی تھی جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو پیش کی ۔ لیکن عیسائی مذہب یونانی خیالات سے ملوث ہو کر اپنے اصلی سرچشمہ سے دور ہو گیا ۔ اسلام پر بھی یہ دور آیا، لیکن سوائے فلسفیوں کی ایک خاص جماعت پیدا ہو جانے کے خدا کے آخری نبی کا پیغام اسکے اثرات تمام خطرات سے محفوظ ہیں (باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری اسی ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۲ع میں تمام ہوتی ہے ۔ براہ عنایت اپنا چندہ جلد روانہ فرما دیں ۔ اور اگر خدانخواستہ آیندہ سلسلۂ خریداری جاری رکھنا منظور نہیں ہے تو ایک کارڈ لکھکر اطلاع دیدیں ۔ تاکہ تکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ع کو حسب معمول وی، پی نہ روانہ کیا جاسکے ورنہ بلا وجہ دفتر کا نقصان ہوگا ۔

خریدار نمبر ۶۱ و ۱۵۹ و ۱۷۵ و ۲۱۱
و ۲۴۲ و ۵۵۴ و ۵۵۵ و ۶۳۹
و ۸۷۹ و ۹۰۰ و ۹۰۳ و ۹۰۵
و ۹۱۰ و ۹۹۰ و ۱۰۵۶ و ۱۰۵۰
و ۱۰۵۹ و ۱۰۶۰ و ۱۰۶۱ و ۱۰۶۲
و ۱۰۶۳ و ۱۰۶۴ و ۱۰۶۵ و ۱۰۰۵
و ۱۰۰۸ و ۱۰۱۲ و ۱۰۱۳ و ۱۰۵۸

(منیجر)

رویتِ ہلال

(مجلس علماء دکن میں ڈاکٹر حمید اللہ کی بصیرت افروز تقریر) —

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری معتمد مجلس علماء دکن نے مجلس کا حسب ذیل بیان جو مجلس کے اجلاس ۱۵ / صفر ۱۳۸۱ھ میں زیر صدارت مولانا سید شاہ محمد صاحب شطاری دیا گیا، بغرض اشاعت روانہ کیا ہے۔

"رویت ہلال کا مسئلہ بہت دیر تک ارکان میں زیر بحث رہا۔ اور متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ امور مذہبی کی یہ تجویز کہ تمام ہندوستان میں عید ایک ہی دن منائی جایا کرے شرعاً ممکن نہیں۔ البتہ اس نتیجہ پر پہنچنے کے استدلال مختلف، علماء کے مختلف تھے۔ بعض ارکان نے یہ فرمایا کہ مطلع کا کوئی لحاظ نہیں اور ایک جگہ کی رویت باقی پوری دنیا پر پابندی عائد کر دیگی لیکن ایک جگہ کی رویت ہو چکنے کا دوسری جگہ شرعی ثبوت حاصل ہونا آسان نہیں۔ کیونکہ تار اور لاسلکی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بعض دیگر ارکان نے شہادت و ثبوت کے نکتے کو تسلیم کرتے ہوئے بتایا کہ مطلع کا بھی لحاظ ضروری ہے۔

اس بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب معزز رکن نے فرمایا۔ اور ان کے بیان سے بعد میں واقف ہو کر حضرت مولانا عبد القدیر صاحب صدیقی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ نے اس سے کامل اتفاق ظاہر فرمایا کہ

مطلع کا فرق

حیدرآباد کی رویت کا بلحاظ اور باقی ہند کو پابند کرنا ہم سے تعلق نہیں رکھتا۔ بحث اس امر میں ہے کہ بلحاظ ہند کی رویت کی اطلاع سے حیدرآباد پابند ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تمام دنیا میں ایک ہی دن عید کا منایا جانا کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے۔ اب بھی افطار اور نماز کے اوقات دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف ہیں۔ کیونکہ قدرت خود تنوع چاہتی ہے۔ حتیٰ کہ دن بھی تمام دنیا میں ایک نہیں ہوتا۔ سلفِ صالحین میں عہد صحابہؓ کے متعلق صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ملک شام کی رویت کی موثق اطلاع ملنے کے باوجود وہ مدینہ منورہ میں بے اثر قرار دی گئی۔

زمین کی گولائی کے اثرات

زمین کا گول ہونا تقریباً ہزار سال سے مسلمان مفسرین و فقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے۔ اس گولائی کے باعث زمین کے ایسے مقامات آباد بھی ہیں۔ اور اب سمندر میں سفر کرتے وقت ہر روز مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ ایک خاص خط طول البلد کو عبور کریں تو مسافر کو پورے چوبیس گھنٹوں کا فرق ہو جاتا ہے اور اسی خط کے ایک رخ مثلاً جمعہ کا دن دوپہر ہو تو دوسرے رخ چند ہی گز کے فاصلہ پر عین اسی وقت جمعرات کا دن دوپہر یعنی پورے ایک دن کا فرق ہوتا ہے زمین کا محیط جو فلسفہ دانوں کی پیمائش سے اب تک چوبیس ہزار اور کچھ میل مانا جاتا ہے۔ اس کے باعث اگر کوئی شخص ہوائی

ہوائی جہاز کے سفر کے مشاہدات

جہاز پر کم و بیش ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے خط استواء پر مشرق سے مغرب یا مشرق کے لیے سفر کرے تو زمین کی گولائی اور ساتھ ہی محوری گردش کے باعث ایک رخ میں سفر کریں تو یہ ہوگا کہ وہ قبل زوال نکلا تھا تو چاہے کتنی ہی دیر تک کیوں نہ اسی دن وہ پرواز کرتا رہے زوال آفتاب نہیں ہوگا۔ گویا ظہر کا وقت نہیں آئیگا۔ اور دوسرے رخ میں اسی طرح پر اڑنے کا اثر یہ ہوگا کہ ۲۴ گھنٹوں میں سورج دو مرتبہ طلوع اور دو ہی مرتبہ غروب ہوا کریگا۔ حالانکہ ہم لوگوں کو چھوڑ کر کسی جگہ بھی ہوں تو چوبیس گھنٹوں میں سورج کا طلوع و غروب ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے۔ یہ تو خط استواء پر پرواز کا اثر ہے۔ دوسرے علاقوں میں پرواز کے سلسلے میں مناظر قدرت کے اور بھی مشاہدے ہوتے ہیں۔

قطبین پر طول اوقات

کرۂ ارض کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں دن اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ معتدل علاقوں کے اوقات نماز و روزہ وہاں بالکل کام نہیں دیتے۔ اور عین قطبین پر تو ایک دن کا سلسلہ چھ مہینے سورج ڈوبے بغیر نظر آتا رہتا ہے۔ اور ایک دن کم سلسلہ چھ مہینے سورج ڈوبا ہوا اور رات رہتی ہے۔

دنیا میں ہر جگہ رویت یکساں نہیں ہوتی

اسی طرح رویت ہلال کے متعلق یہ مشاہدہ ہے کہ چند مقامات پر نظر آتا ہے۔ چند مقامات پر نہیں۔ یہ امر اصول میں بیہودہ قانون قدرت کے تابع ہے۔ [illegible] نے بھی بتایا کہ رویت کے مقام کے مغرب کے مقاموں پر رویت ہونی ضروری ہے۔ بجز اس کے کہ بادل وغیرہ مانع ہوں۔ اور رویت کے مقام مغرب کے جملہ مقاموں پر رویت کے مقام کے مشرق ایک محدود فاصلہ کے سوا دوسرے مقاموں پر اسی دن رویت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر انتیس تاریخ کو ہلال زیادہ سے زیادہ اونچائی پر ہو تو اسے پانچ سو میل مشرق میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ پست ہو تو عین رویت کے مقام کے مشرق میں اس دن رویت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ مشرق و مغرب کی طرح مقام رویت کے شمال اور جنوب کا بھی رویت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ یہ ایک مشاہدہ ہے اور ناقابل انکار حقیقت سے انکار معقول نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ یا کسی اور امام نے صراحت سے ہرگز نہیں فرمایا کہ تمام دنیا کا مطلع ایک ہے۔ یہ محض اتہام ہوگا۔ اصل میں بعض متاخرین نے یہ نتائج اخذ کیے۔ اور ان متاخرین میں خود باہم اتفاق نہیں۔ اگر کسی نے یہ فرمایا کہ ایک جگہ کی رویت سب لوگوں پر پابندی عائد کر دیتی ہے تو ان کے پیش نظر ہرگز ساری دنیا نہ تھی۔ بلکہ انہوں نے اپنی مملکت کو محدود ذہنی بنا کر یہ رائے دی تھی۔ اگر کسی نے یہ فرمایا کہ اہل مشرق کی رویت تمام اہل مغرب کے لیے واجب التعمیل ہے تو یہ علم ہیئت کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ لیکن بالعکس اہل مغرب کی رویت تمام اہل مشرق کے لیے لازمی قرار دینی غلط ہوگی۔ مزید برآں اسلام عزیمت اور عوام کی آسانی کا حکم دیتا ہے جو حدیث شریف کے مصداق

(انا ءامۃ امیۃ لانکتب ولا نحسب) کے لیے بھی قابل عمل ہو۔ مذہب کو مشین کا محتاج تابع کر دینا کسی طرح موزوں نہیں۔ ایک جگہ کی رویت آس پاس کے اتنے علاقہ تک ضرور قبول کرنے کے قابل ہے جتنے دور تک رات بھر میں تیز قدرتی سواری سے اطلاع دی گئی ہو ورنہ اصل شرعی معیار تو مقامی رویت ہے۔

فقہ میں مختلف فنون سے مدد لی جاتی ہے۔ بلوغ وغیرہ کے لیے طب کی، تعین سمت کے لیے علم ہیئت و جغرافیہ کی اور یہ نہیں ہوتا کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے ہمیشہ جنوبی رخ میں سمت کعبہ کی ناز ادا فرمائی اس لیے تمام دنیا میں قبلے سمجھے کعبے کے رخ کے جنوبی رخ میں قرار دیئے جائیں۔ اسی طرح کرمنی مسائل میں معمولی قیاس کام نہیں دیتا بلکہ یقینی معاملہ والے ہی شرعی رائے دیں گی۔ اس لیے اختلاف مطالع کے رویت پر اثر کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

حنفی مذہب کی معقولیت

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے آخر میں یہ بھی کہا کہ حنفی مذہب اپنی معقولیت کے لیے ممتاز رہا ہے۔ اب اگر کوئی ایک غیر معقول اور مشاہدہ کے خلاف چیز کو جس کا قرآن، حدیث، ائمہ کبار کے اقوال، کسی میں بھی ذکر نہیں ہے، محض کسی ایک یا چند متاخرین کی رائے پر حنفی مذہب قرار دیں تو یہ خود حنفی مذہب کے لیے مضر ہوگا"۔

چونکہ ماحصل ایک تھا اس لیے مطلع کے متعلق اختلاف رہنے کے باوجود سب نے بالاتفاق طے کیا کہ تمام ہندوستان میں لازماً ایک ہی دن عید منانا شرعاً درست نہیں۔ ایک جگہ کی رویت کی اطلاع بطور اخبار شائع کیا کہنے میں مقام روایت سے علاوہ بعض دوسروں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ہے۔ مجلس علماء دکن کو یہاں اس سے بحث نہیں جناب ناظم صاحب امور مذہبی سرکار عالی نے دکن نیوز کے ذریعے جو بیان شائع فرمایا ہے کہ حیدرآباد کی رویت کا برطانوی ہند کو پابند کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ اب اسی طرح دیگر مقامات کی رویت کا بھی خواہ مخواہ حیدرآباد کو پابند نہیں کرنا چاہیے۔ (رہبر دکن)

جمیل الرحمن کی وفات

حیدرآباد ۲۹ اگست۔ پروفیسر جمیل الرحمن صاحب استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ شب میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ آج صبح تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم تاریخ اسلام کے مطالعہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ تاریخ اسلام میں آپ کی تحقیقات، مقالوں، تراجم اور تحقیق کا مواد کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں اور بہت کچھ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ شائع شدہ تحقیقی مقالوں میں اسپین کے اسلامی دور، آل عثمان اور خاندان طولون پر اکثر مضامین اور کتب موجود ہیں۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاشی اور سیاسی سیاسی پالیسی پر بھی گراں قدر تحقیقات کی ہے۔

جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ میں یکساں طور پر آپ اپنی خاموش علمی زندگی کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آج سب کو بڑا صدمہ اور قلق ہوا۔ جامعہ میں اساتذہ اور طلبہ کے ایک جلسۂ تعزیت میں مرحوم کی زندگی کے حالات بیان کیے گئے اور قرارداد تعزیت منظور کی گئی۔ اس سلسلہ میں اظہار رنج و احترام کے طور پر جامعہ کے درس بند رہے۔ (رہبر دکن)

مدرسہ جھنڈے نگر (راج نیپال)

کا سالانہ امتحان ۱۲۔ شعبان سے شروع ہو کر ۱۵ کو ختم ہو گیا۔ ۶۰ طالب علم شریک امتحان ہوئے۔ بحمد اللہ نتیجہ شاندار اور حوصلہ افزا رہا۔ بجز ایک طالب علم کے باقی سب کامیاب ہوئے۔ تحریر و تقریر جماعت اور مدرسہ میں اول آنے والے طلبہ کو معقول انعام دیا گیا۔ یہاں مدرسہ رحمانیہ دہلی کے نصاب کے مطابق اولی سے چوتھی جماعت تک تعلیم کا انتظام ہے۔ حافظ کا شعبہ بھی قائم ہے۔ تین مدرسین اور ایک باورچی ملازم ہیں۔ مدرسہ سے خوراک پانے والے ۳۰ طالب علم ہیں۔ باقی طلبہ مقامی اور گرد کے ہیں۔ یہ مدرسہ اپنے علاقہ کی عشری آمدنی سے چل رہا ہے۔ ریاست نیپال سے کچھ امداد نہیں ملتی اور حدود برطانیہ میں نہ ہونے کے باعث سرکاری تعلیمی بورڈ وغیرہ کی طرف سے بھی کوئی امداد نہیں حاصل ہوتی اس لیے ماہ رمضان کی تقریب میں اہل خیر بزرگوں سے درخواست ہے کہ وہ اس دینی مدرسہ کی جانب بھی توجہ مبذول فرمائیں گے۔

مدرسہ کے عین مقابل زمین پر ریاست نیپال بازار بسا رہی ہے جس میں لکھنؤ فیض آباد تک کے مہاجن آ رہے ہیں۔ موقع سمجھ کر مدرسہ کے لیے چار مکانوں کے قابل زمین کی درخواست دیدی گئی ہے قیمت و رجسٹری فیس داخل کر کے رسید لی گئی ہے۔ چونکہ یہ مکانات مدرسہ کے لیے مستقل جائداد کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے اہل کرم مخیر بزرگوں سے درخواست ہے کہ فوری امداد فرما کر صدقۂ جاریہ کا ثواب حاصل کریں اور مدرسہ کو استحکام بخشیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ترسیل زر کا پتہ:۔ ضلع بستی، ڈاکخانہ رادت گنج مدرسہ جھنڈے نگر واقع راج نیپال نائب ناظم عبد الرؤف خاں رحمانی۔

صدق ۔ مدرسہ کی حالت تو اللہ کو معلوم، باقی نائب ناظم مولوی عبد الرؤف خاں صاحب تو اپنی ذات سے بڑے مستعد و کارگزار معلوم ہوتے ہیں، اور صدق سے اکثر مراسلت رکھتے ہیں۔

ہمدردانِ صدق

(۱) ایک گمنام عہ

(صدق کے ۵ خریداروں کا نصف چندہ کہ وہ روپیہ رعایتی خریداروں سے لیکر ایک سال کے لیے اخبار جاری کر دیا جائے)

بہ سلسلۂ تبرّا ۔ جب اکثر جا کر تبرا کی مجلسوں کی توجیہ میں آخر خود شیعہ حضرات کیا بتاتے ہیں ۔ اتفاق سے ایک شیعہ رسالہ میں جو لکھنؤ ہی سے نکلتا ہے؛ اس میں فراہم الفاظ لعنہم اللاعنون سے لعنت کو ایک فریضۂ قرآن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی ۔ اس وقت بھی دل نے یہی کہا تھا، کہ اگر آمادہ ہو جائے، تو کس چیز کو نفس نقلی کا جامہ نہیں پہنا سکتا ۔ اب معلوم ہو گیا کہ لعنت کرنا بھی ایک قرآنی نیکی ہے ۔ ایک طرف یہ ہے ۔ دوسری طرف نعرے لگا کر آوازیں بلند کرنا، اسکا نام تبلیغ حق ہے اور یہ تبلیغ ارشاد الٰہی کی تعمیل ہے! آدھر

ابو القاسم محمد زندہ بود ہے!

جب عاملان قرآن و حدیث ہی کے قلب سے امانت مرتفع ہو گئی تو [illegible] کے سوا اور کس چیز کا انتظار کیا جائے؟ قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ حاصل کرنے کے لیے الغاء (شور و ہنگامہ) کا [illegible] طریقہ ہے ۔ وہی والغوا فیہ لعلکم تغلبون کا مشورہ ایک دوسرے کو دیتے تھے ۔ اور مسلمانوں کو حکم اذا مروا باللغو مروا کراما کا ملا تھا ۔ مگر [illegible] نام تبلیغ رکھ دیا گیا اور تبلیغ کے سارے فضائل اسکے [illegible] دیے گئے ۔ صخب فی الاسواق اگر اسکا نام نہیں تو اور کس چیز کا نام ہے؟ اگر [illegible] کرنے کی [illegible] ہے تو صخابا فی الاسواق بن کر ہم اپنے نبی کریم صلعم کے اسوۂ حسنہ کو ترک کر رہے ہیں!"

کاش ہمارے بھائی بند اپنے ہمدرد و مخلص صاحب علم و خبر [illegible] کی آواز کو تحمل و سکون قلب کے ساتھ کان دھر سکیں ۔ ورنہ ہمیں ڈر ہے ہمیشہ نعروں اور جلوسوں اور جھنڈوں کے بادل ہی میں [illegible] کرتا!

تجدد کی نئی قسط

"استنبول ۔ ۱۵ ستمبر ۔ ترکی زبان سے غیر زبانوں کے الفاظ خارج کرنے کے لیے جو مجلس بنائی گئی ہے، آج اسکا اجلاس ہوا ۔ اس میں کئی بین الاقوامی شہرت کے ماہرین لسانیات بھی شامل ہیں ۔" (خبر)

"غیر زبانوں" کا ابہام آپ سمجھے؟ مراد ہے کہ ترکی زبان کو عربی الفاظ کی آمیزش سے پاک کیا جائیگا ۔ جس طرح چند سال پہلے ترکی رسم الخط کو عربی رسم الخط کی "غلامی" سے پاک کر کے لاطینی (فرنگی) رسم الخط "آزادی" میں تبدیل کیا جا چکا ہے! [illegible] اچھا ہے جب ایک عرصہ سے [illegible] قانون سے "خود مختاری" دیدی گئی ہے کہ ہر صیغہ میں [illegible] حاصل کی جائیگی، جب [illegible] عبا و قبا، جبہ و عمامہ، کے بجائے "صاحب" کا سوٹ حکماً و جبراً زیب تن ہو چکا ہے، جب عورت، عائشہؓ و فاطمہؓ کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے جارج ایلیٹ [illegible] اسٹیل بننے پر فخر کرنے لگی ہے، تو عربی [illegible] بصورت "آزاد ترکیہ" [illegible] زبان پر کیوں [illegible] خواہ مخواہ سینہ زوری ۔ خوب ہوا جو "ترقی" کی راہ سے یہ کانٹا بھی دور ہو جا رہا ہے!

میسور میں اردو

ایک صاحب ذوق [illegible] میسور سے لکھتے ہیں:

"اس ریاست میں عام طور پر مسلمان اردو ہی بولتے ہیں، بلکہ یہ ۹۹ فی صدی مسلمانوں کی مادری زبان ہے ۔ مسلمانوں کے علاوہ بازاروں میں بھی عام طور پر اردو ہی سے کام چلتا ہے ۔ عوام اور خواص میں اردو پڑھنے اور سیکھنے کا بہت شوق ہے ۔ پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت کم شاید ۵ فیصدی ہوگی ۔ عام طور پر مسلمان غربت کا شکار ہیں ۔ اسی لیے ابھی انکی انفرادیت باقی رہی ہے ۔ یہاں کی اردو قدیم اردو سے بہت کم مختلف ہے، جس میں کنڑی کے الفاظ داخل ہو گئے ہیں، اور لہجہ پر بھی کنڑی کا اثر زیادہ ہے ۔

اردو پڑھے لکھے لوگ یا عالم زیادہ تر لفظوں اور محاوروں کی بھول بھلیوں میں پڑے ہوئے ہیں ۔ شاعروں کی تعداد کافی ہے، زیادہ تر غزل ہی پر طبع آزمائی کرتے ہیں ۔ اکثر مشاعرے بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں ۔ انجمنیں بھی مرتی جیتی کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اردو کے لیے شہر میسور سے زیادہ جگہ بنگلور [illegible] ہے، کیونکہ اکثر ذی اثر مسلمان رہتے ہیں ۔ بنگلور ہی سے تین اخبار اور تین معمولی رسالے نکلتے ہیں [illegible] ایک نقاد [illegible] اردو اور انگریزی پر مشتمل ہوتا ہے ۔ دوسرا [illegible] ہے ۔ تیسرا کالج کا ایک رسالہ ہے ۔

جامعہ میسور میں اردو کی حیثیت ثانوی اور اختیاری زبان کے طور پر ہوتی ہے ۔ اردو میں بی اے آنرز [illegible] طالب علم ہیں ۔ جن میں سال دوم اور سال سوم [illegible] ۔ بی اے میں ثانوی زبان اردو لینے والوں کی تعداد ۱۰۰ کے قریب ہوگی ۔ [illegible] میں کل طلبہ [illegible] سے زیادہ ہونگے ۔ مہاراجہ کالج میں ۴۰ کے قریب ہیں ۔ اسکے علاوہ بنگلور اور اضلاع کے کالج بھی ہیں ۔ کوئی ہندو طالب علم اردو نہیں لیتا ۔ پہلے یہاں فارسی کے استاد شوستری صاحب تھے ۔ انکی وجہ سے [illegible] فارسی کے [illegible] چلے گئے ۔ مگر اب فارسی کا شوق بہت کم ہو گیا ہے ۔ اب اردو پڑھنے کی طرف رجحان زیادہ ہے ۔ ۴۰ کے قریب لڑکیاں بھی زنانہ کالجوں میں زیر تعلیم ہیں ۔ سروری صاحب حال ہی میں حیدرآباد سے اردو کے استاد ہو کر مہاراجہ کالج میں آئے ہیں ۔ انھوں نے آتے ہی آیندہ سال سے اردو میں ایم اے کھولنے کی تجویز پیش کر دی ہے ۔ جامعہ عثمانیہ ہی کے ایک قدیم طالب العلم "میسور میں اردو" کے نام سے ایک مختصر کتاب کا مسودہ تیار کر چکے ہیں ۔ میسور اور بنگلور میں کئی مہینے رہ کر انھوں نے کافی مواد فراہم کر لیا ہے ۔"

اردو کے ہوا خواہ یقیناً [illegible] اس تفصیلی بیان کو مسرت اور دلچسپی سے پڑھیں گے ۔ میسور اردو کے لحاظ سے اب تک ایک بہت ہی دور افتادہ علاقہ بلکہ کورہ سمجھا جاتا ہے ۔ شکر ہے کہ وہاں بھی اردو [illegible] زندہ ہے ۔ امید ہے کہ پروفیسر سروری صاحب کے پہنچ جانے سے یہ زندگی اور زیادہ زندہ ہو جائیگی!

سائنس اور مسلمان

سائنس کے ایک نوجوان [illegible] لکھتے ہیں:

"اگر مسلمانوں کا مقصد ہی قرآنی نظام" اور حکومت الٰہیہ کا قیام ہے

اور ہندو گرلس اسکولوں میں ہندو لڑکیوں کو داخل کرو۔ موسیقی اور رقص و سرود کی حالت پہ فخر کرو۔ یہی ہے ترقی کا راز۔ یہ ہے نیا نسخہ !

محمد میاں عفی عنہ ناظم مجلس جمعیۃ علماء ہند۔ (گرم) اندیا

(بقیہ صفحہ ۴)

تین قراردادیں

موتمر علوم اسلامیہ (جامعہ عثمانیہ) نے اپنے حال کے اجلاس میں تین تجویزیں پاس کی ہیں، اور تینوں اپنی اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہیں۔ پہلی تجویز کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبۂ دینیات جامعہ کے فارغ التحصیل سارے ملک کے اسکولوں اور کالجوں میں اسلامیات کا پروفیسر مقرر کیا جانا چاہیے۔ دوسری دونوں سے اہم تر ہے، اور اسکے الفاظ یہ ہیں:-

"ایسی صورت میں جبکہ ملک کے مختلف مرکز نسوانی تعلیم نسواں کی اعلیٰ تعلیم کا نظم کریں گے، جامعہ عثمانیہ نے علم کی ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں اسلامی علوم و فنون کے اعلیٰ مدارج کا انتظام بھی کلیات اناث میں اسی طرح کیا جائے جیسے جامعہ کی یونیورسٹی کالج میں ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ علوم اسلامیہ کی تعلیمات و خصوصیات سے جتنا فائدہ ملک اور قوم کو پہنچ سکتا ہے غالباً اتنے فائدہ اُن عورتوں سے نہیں پہنچ سکتے جنھوں نے ادب یا شاعری یا اسی قسم کے ادنیٰ یا ذہنی علوم میں اعلیٰ قابلیت فراہم کی ہے۔"

تیسرا رزولیوشن، کانفرنسوں کی دنیا اور تجویزوں اور قراردادوں کی عام فضا سے بالکل الگ اصلاحی قسم کا ہے، اپنی اصلاح نفس کے لیے۔ اور اس لحاظ سے اہم ترین ہے۔ وہ ان الفاظ میں ہے:-

"شعبۂ دینیات دنیا کے سب مقدس اور پاک مذہب کے اعلیٰ علوم و فنون کی نمایندگی کرتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس شعبہ کے اساتذہ و طلبا اپنی ظاہری و باطنی خصوصیتوں سے ان اصولوں کی توثیق کریں جن پر اسلام اصرار کرتا ہے۔ سخت افسوسناک بات ہوگی اگر خود ہماری زندگی اس آئین کی مجسم تردید بن جائے جسکی ہم تعلیم پاتے ہیں، اور جسکی حرمت و عزت دنیا ہماری زندگی کا سب سے بڑا نصب العین اور اہم تاریخی سنت کا معاہدہ ہے جب جامعہ کی طرف سے ہمیں ڈگری عطا کی جاتی ہے۔"

قرارداد اول و دوم کا تعلق تو حکومت سے ہے، لیکن یہ تیسری تحریک تو تمامتر اپنے بس اور اختیار کی ہے۔

ایک کتاب کی اشاعت

محمد زاہد حسینی صاحب ادارۃ الاشاعت شمس آباد۔ ضلع (اٹک) کی کتاب ضرورۃ القرآن کا مسودہ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہما کی نظر ثانی سے گزر چکا ہے، اور فیال پیدا ہوتا ہے کہ مدیر صدق کا مختصر سا دیباچہ اس میں شامل ہے۔ اب قاضی صاحب موصوف اپنے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:-

"ضرورۃ القرآن کے پیشگی خریدار بنانے کی اسکیم جاری کی گئی تھی تاکہ اسکی طباعت ادارہ کی ہوا و آسانی سے ہو۔ چند ایام میں کامیابی کی امید معلوم ہوتی ہے۔ ان معاونین کی فہرست پشت خط پر درج کر رہا ہوں۔ اگر جناب بھی اہل ثروت کی توجہ کے لیے چند کلمات تحریر فرما دیں تو پوری کامیابی کی امید ہو جائے۔"

صدق کے لکھنے کی بنا پر اہل ثروت سے یہ توقع قاضی صاحب کا تمامتر حسن ظن ہے، حقیقت سے خالی۔ بہرحال تعمیل اُنکی فرمائش کی کی جا رہی ہے۔ تجربہ اُنھیں خود ہو جائیگا۔ خود اُنکی خدمت میں بھی یہ التماس ہے کہ یہ وقت تو مشاہیر کی بھی کتابوں کی طبع و اشاعت کے مساعد نہیں۔ خدا کرے جنگ جلد بخیر و خوبی ختم ہو، اور قیمتیں اعتدال پر آئیں، تو چھاپنے والوں کی بھی ہمتیں بڑھیں۔ یوں سب میں تو طبع و اشاعت کی ساری ذمہ داریاں ناشرین کے سر رہتی ہیں۔ مصنفین کو ان کھیڑوں سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہتا۔

ایران میں احترام رمضان

ترکی کی طرح ایران میں بھی سابق شاہ رضا خاں کے عہد میں مذہب کی طرف سے بے اعتنائی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بہت سی مذہبی تقاریب کو بجبر روک دیا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب نئے شاہ ایران کے عہد میں مذہب کی طرف سے پہلی سی بے اعتنائی نہیں رہی ہے۔ چنانچہ حال میں ایران کے وزیر اعظم نے ایک گشتی چٹھی کے ذریعہ خواہش کی ہے کہ ایران میں رمضان پوری مذہبی پابندی کے ساتھ منایا جائے۔ منظر عام پر سگرٹ پینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ہم اس تبدیلی پر موجودہ شاہ اور انکی گورنمنٹ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ (حقیقت)

> **اعلان تعطیل**
>
> حسب معمول قدیم، آیندہ ہفتہ دفتر صدق میں عید الفطر کی وجہ سے پرچہ شایع نہ ہوگا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔

سچ اور صدق کی سالانہ جلدیں

ناظرین صدق میں ہفتہ وار سچ کی تعریف و تعارف کی چنداں ضرورت نہیں، صدق کا نقش اول، ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق کی ادارت میں لکھنؤ سے شایع ہوا۔ اسکے بعد ۱۹۳۵ء میں اسکی جگہ صدق نے لی۔ پرچے مجلد اور بہت اچھی حالت میں ہیں۔

قیمت فی جلد للعہ ڈاک یا ریل کا محصول ذمہ خریدار۔ مصارف کے لیے کچھ رقم پیشگی ضرور بھیجیں۔ خط و کتابت ذیل کے پتہ پر فرمائی جائے۔

محمد صدیق۔ معرفت منیجر صاحب صدق مرشد آباد بلیس گولہ گنج لکھنؤ

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

نمبر ۲۶ | دوشنبہ ۲۲ ۔ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۲ ۔ نومبر ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

آپ اگر نوعمر ہیں جب تو خیر، لیکن اگر سن رسیدہ ہیں اور بچپن اپنا کسی کسی قدیم طرز کے کتب یا مدرسہ میں گزار چکے ہیں، تو ممکن نہیں کہ "یوسف زلیخا" کے نام سے واقف نہ ہوں۔ پچاس برس ادھر تعلیم عام تھی اس کی ہر شریفانہ کتب، اور خانگی مدرسہ میں، اور بچے بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کے مجبور کیے جاتے تھے اسکے پڑھنے پر، سمجھنے پر، یاد کرنے پر۔ کتاب تاریخ کی نہیں ادب کی تھی۔ افسانہ کے طول طویل پلاٹ کا مختصر خلاصہ یہ تھا کہ یوسف پیمبر اور پیمبر زادے تھے، حسن میں بے نظیر، جمال میں بے عدیل، بچپن میں باپ اور بھائیوں سے جدا ہو گئے، بالغ ہو کر مصر میں آکر بکے۔ ایک کی بیوی فریفتہ ہو گئی۔ نوجوان حسین خاتون کے ایک ایک عضو کے حسن کی تشریح، سراپا کا مکمل نقشہ، فریفتگی کی تفصیل۔ عورت نے کام نکالنا چاہا، یوسف بچے رہے۔ قصہ کے پیچ پھیلے۔ انقلابات ہوئے۔ آخر یوسف خود بادشاہ ہوئے۔ زلیخا سے شادی ہوئی۔ شادی کے بعد وصل و وصال کے ایک ایک جزئیہ کا چرچہ!

کتاب فارسی میں تھی کہا یہ جاتا تھا کہ اسکے پڑھنے سے فارسی آجائیگی، اور سمجھا یہ جاتا تھا کہ اس سے اخلاق درست ہو جائیں گے۔ اخلاق درست ہو جائینگے مرد و عورت کے تعلقات کی عریاں گندہ تفصیلات میں جانے سے! ایسی تفصیلات جو کوئی شریف نہ اپنے لیے جائز رکھ سکتا تھا نہ اپنی بیوی کے لیے، نہ بہن کے لیے، نہ بیٹی کے لیے۔ بے تکلف جائز سمجھ لی گئی تھیں ایک پیمبر اور اُنکی حرم محترم کے لیے ——— پیمبر کے حرم اگر نامحرم کے لیے اساتذہ مرتب کیئے ہیں، تو گویا خود اپنی ماں کے لیے! ——— لڑکے یہ سبق بڑی بڑی ڈاڑھی والے اُستادوں سے پڑھتے تھے، اور لڑکوں کے باپ اس میں کوئی مضائقہ نہیں خیال کرتے تھے! وہی چیزیں جو آج کسی معمولی شخص سے متعلق بھی علانیہ بیان کی جائیں تو دو آگ بگولا ہو جائے، بالکل پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں ایک معصمت مجسم اور پیکر حیا و غیرت پیمبر بر حق اور اُنکے حرم محترم سے متعلق، اور بڑے بڑے دیندار ان مولوی ہوں کا اور اس خود نصیحتے کا تماشا دیکھتے رہتے تھے! ——— تو پھر کیا؟ وجہ یہی کہ تصنیف "ملا جامی" کی تھی، اور بھلا ممکن ہے کہ جامی کی کسی بات پر گرفت ہو سکے! جامی معمولی تھے "بزرگ" تھے، صاحب دل تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تین صدی قبل کے آدمی تھے، مجال تھی کسی ستافر کی، جو اپنے کسی متقدم پر نکتہ چینی کی جرأت کر سکے؟

اخلاق اور غیرت کا خون ہوتا تھا، ہوا کرے۔ پیمبر کی توہین ہو رہی تھی، ہوتی رہے۔ پیمبر کی توہین کے بعد خود اپنا ایمان خطرہ میں پڑ رہا تھا، پڑنے دیجیے۔ یہ سب گوارا، لیکن بھلا کسی "مقدس" محترم شخصیت کو کوئی ٹوک سکتا ہے؟ اُسکے کسی فعل پر اعتراض کا خیال بھی دل میں لا سکتا ہے؟ ——— "تقدس" کی جگہ ہم نے افعال کے ساتھ، اعمال کے ساتھ باقی ہی کب رکھی ہے؟ تقدس تو ہمارے عقیدہ میں شخصیتوں کا مستقل اور غیر منفک جزو ہے! علماء رجال اپنے زمانہ کی بہتر سے بہتر، پاکیزہ سے پاکیزہ، شخصیتوں پر تنقید کر گئے ہوں، کرنے دیجیے۔ رسولؐ کے معاصرین میں مثال شراب نوشی کی ملتی ہو، ملا کرے۔ صحابی تک پر آپؐ نے حد زنا جاری کی ہو، ہوا کرے۔ یہ سارے واقعات ہم پڑھیں گے، اور آنکھیں بند کر لینگے۔ فرط عقیدت سے ہم صدائیں لگاتے جائیں گے، کہ حق پابند ہے رجال کا اور اشخاص کا۔ اشخاص و رجال حق کے پابند نہیں!

یہ پہلی ڈاکٹریٹ ہے جو عربی کے مضمون میں عطا ہوئی ہے۔ موصوف دو سال سے شیخ عبد العزیز میمن کی رہنمائی میں ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، اور مقالہ کا موضوع مہلب بن ابی صفرہ تھا۔ جو پہلی صدی ہجری کا مشہور عرب جنرل گزرا ہے۔ —— یونیورسٹی اور طالبعلم دونوں کی خدمت میں مخلصانہ ہدیۂ تبریک پیش ہے۔ اللہ دونوں کو صحیح دینی خدمت کی توفیق دے۔

جرائم کا ریکارڈ "شکاگو۔ ۱۹۔ اکتوبر۔ مشہور جرائم پیشہ اوڈن کیمپ [illegible] کو آج گرفتار کر لیا۔ یہ پہلے ممالک متحدہ کی فوج میں تھا۔ لیکن فوج چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسکے جرائم کی فہرست، کل سات ہفتوں کی مجرمانہ زندگی کے اندر حسب ذیل ہے۔—

ڈاکہ کی واردات	۱
زنا بالجبر کی واردات (رتیں)	۳
ڈاکے	۱۴
موٹروں کی چوریاں	۱۶

(اسٹیٹسمین، ۲۱۔ اکتوبر ۴۶ء)

یہ کرتوت صرف ایک بدمعاش کے ہیں، اور وہ بیس سال و برس کے نہیں، کل ۷ ہفتے کے اندر! یہ حضرت امریکہ کی فوج کے سپاہی تھے! اللہ اللہ! کیسے کیسے بدمعاش فوج میں داخل ہو جاتے ہیں! یا یوں کہیے کہ فوجیوں میں بھی کیسے کیسے بدمعاش بھرے ہوتے ہیں! —— سچ ہے بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں! ہمارے ہاں کے پاسیوں، گڈریوں، منگتوں، کنگلوں، نٹوں کو بھلا یہ کارنامے کہاں نصیب!

بے پناہ پروپیگنڈا "ہماری ۲۶ سال کی لگاتار کوششوں اور دو کروڑ ۳۴ لاکھ کی رقم پروپیگنڈہ پر بے دریغ صرف کر ڈالنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے، کہ ملک میں چائے کی سالانہ کھپت کی مقدار ۳ کروڑ ۵ لاکھ پونڈ سے بڑھ کر اب ۱۱ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ تک پہونچ گئی ہے" (اسٹیٹسمین، ۱۳ ستمبر)

یہ مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ مائلز نے کلکتہ روٹری کلب میں اپنی تقریر میں کہا۔ اور یہ نہ کہا کہ چائے کے اس سیلاب کا اثر، ملک والوں کی صحت پر، قویٰ پر، زندگیوں پر کیا پڑا، اور اعصاب پر، دل پر، دماغ پر، معدہ پر، گردہ پر، مثانہ پر کیا گزر رہی! دو دو ڈھائی ڈھائی کروڑ روپیہ جب بے دریغ پروپیگنڈا پر بہایا جانے لگے تو دماغ قطعاً بے پناہ ہو جاتا ہے۔ اسکے مقابلہ کی سکت بھلا کسی بھی قومی یا کسی اخلاقی پند و موعظت میں باقی رہ جاتی ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

[illegible] صاحب وکیل نانڈیڑ (دکن) آپکا مراسلہ درباره تحقیق بیانِ صلح موصول ہوا۔ مگر مدیر صدق اس کو چھاپنے سے بالکل نا اہل ہے۔ اسکی خود کوئی تحقیق نہیں۔ ویسے مقصد کو [illegible] بہتر ہوگا کہ آپ اپنے ہاں کے محکمۂ امور مذہبی کو دوبارہ توجہ دلا کر مجلس علمائے دکن کو متوجہ کرکے اس مسئلہ کو حل کرائیں۔

سورۂ بقرہ - رکوع (۱۱)

(بہ سلسلۂ صدق ۲۳ ماقبل)

از عبد الماجد

۸۸۔ وقالوا قلوبنا غلف بل لعنهم الله بكفرهم فقليلا ما يؤمنون۔	اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں (۲۸۵) (نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے انکے کفر کے باعث (۲۸۶)۔ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں (۲۸۷)
۸۹۔ ولما جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين۔	اور جب پہونچ گئی انکو کتاب (۲۸۸) اللہ کے پاس سے اس کی تصدیق کرنے والی جو کچھ انکے پاس پہلے سے موجود ہے (۲۸۹)، اور اسکے قبل (خود ہی) بیان کرتے تھے ان لوگوں سے جو کافر ہیں (۲۹۰) — سو جب وہ آگیا انکے پاس جسکو وہ (خوب) پہچانتے ہیں (۲۹۱) تو اسی سے کفر کر بیٹھے (۲۹۲)۔ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر (۲۹۳)۔

---

۲۸۵ (دعوت اسلام ہمارے اوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی)

یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے، کہ یہ "نئے پیمبر" جو کچھ بھی کر ڈالیں، ہم انکے کہے میں نہیں آنے کے۔

غلف کو بعض مفسرین نے غلاف کی جمع قرار دے کر معنی یہ کیے ہیں کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارف موسوی سے لبریز ہیں۔ ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ ہی جمع غلاف (راغب) ای ہی اوعیة للعلم تنبيها انا لا نحتاج ان نتعلم منك فلنا غنية بما عندنا (راغب)

دوسری ترکیب یہ مانی گئی ہے کہ غلف جمع ہے اغلف کی۔ قیل ہو جمع اغلف (راغب) اور اغلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اسے جسکا ختنہ نہ ہوا ہو۔ مستعار عن الاغلف الذي لم يختن (کشاف) قیل واصله ذو القلفة الذي لم يختن۔ (روح) اپنے کو نامختون کہنے کا محاورہ یہود کی زبان پر خاص طور پر چڑھا ہوا تھا۔ اور توریت میں بار بار استعمال ہوا ہے، بلکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی:—

"پس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیونکر سنیگا" (خروج۔ ۶ : ۱۲)

"تب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی زادوں کو میرے مقدس میں لائے" (حزقی ایل۔ ۴۴ : ۹)

"اے گردن کشو، اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو" (اعمال۔ ۷ : ۵۱)

قرآن کا یہ انداز بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے، کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی انھیں کی اختیار کی۔

۲۸۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ کے جواب میں کہتا ہے کہ جس "محفوظیت" پر انھیں اسقدر غرہ ہے، یہ تو کوئی فخر و مباہات کی چیز نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک نشان ہے

نئی کتابیں

(۱) **معلم القرآن** پہلا پارہ - ترجمہ مختصر تفسیر قرآن - از مولوی مظہر احمد اویسی - صفحات ۱۱۰ ہدیہ ۸ر محصول ڈاک ۲ر مصنف کے پاس سے بگنج نمبر ۱ جہانگیر ہائی اسکول - بھوپال سے ملیگا -

قرآن مجید کے ترجمے اور عام ترجمے اور کثرت سے نکل چکے اور نکل رہے ہیں - اس تفسیری ترجمہ میں خاص بات یہ ہے کہ پرائمری اسکول کے کلاسوں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور ریاست بھوپال کے اسکولوں کے لیے منظور بھی ہو چکا ہے۔

اس تفسیر کی ترتیب یہ ہے کہ ہر سورۃ کی پہلے شان نزول لکھی ہوتی ہے پھر ایک ایک لفظ بلکہ حرف کے معنی الگ الگ دیے ہوتے ہیں - اس کے بعد عنوانات دے کر متن کے مقابل آیتوں کا ترجمہ درج ہوتا ہے اور آخر میں تفسیری نوٹ ہوتے ہیں - ترجمہ و تفسیر کا بیشتر حصہ مفسر تھانوی مدظلہ کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے، اس لیے اسکے استناد میں کلام کی گنجایش نہیں - زبان بھی ایسی ہے جو نویں اور دسویں کلاسوں کیلیے تو یقینا موزوں ہے - البتہ اس سے نیچے درجہ والوں کی استعداد سے ممکن ہے کہیں بلند تر ہو -

سب سے آخر میں قدیم قوموں کا جنکا ذکر قرآن مجید میں آچکا ہے، ایک رنگین نقشہ درج ہے - یہ بدعت حسنہ ہر طرح مفید و مستحسن ہے، البتہ اسکی صفائی و صحت کا اہتمام اور زیادہ رکھنا تھا - تاکہ مقامات اور سنین کے پڑھنے میں دقت کہیں بھی نہ ہوتی - جس مقام پر الحجر دکھایا ہے، وہاں سے قوم ثمود کے مسکن کا فاصلہ بھی زیادہ ظاہر ہو رہا ہے - حالانکہ ثمود کے دار الحکومت ہی کا نام الحجر تھا - اور مصنف نے خود ہی صفحہ پر اسکا ذکر کیا ہے - شان نزول کی روایتیں عموماً بہت قوی اور مستند نہیں ہیں، اس لیے اُن کی جانب اتنے زیادہ اعتنا کی ضرورت نہ تھی - اصل ضرورت کی چیز تو تفسیر ہے - کہ بہترین انداز میں مخاطبین کی ذہنیت کے اور زیادہ مطابق رہنا چاہیے -

کتابت کی غلطیاں جابجا افسوسناک ہیں - ابھی تو ۲۹ پارے باقی ہیں - امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ باقی پارے اور بھی بہتر صورت میں نکلینگے - مصنف کی کوشش ہر طرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہے -

(۲) **رسول کی باتیں** (حصہ اول) ۱۴۱ صفحے - قیمت ۱۲ر پتہ دفتر موتمر المصنفین، بیت السعید - کوچہ چیلان - دہلی -

دہلی کے مشہور واعظ شیوہ بیاں اور جمعیۃ العلماء کے سابق ناظم مولانا احمد سعید صاحب نے موتمر المصنفین کے نام سے جو اشاعتی ادارہ حال میں قائم کیا ہے، اُسکے تازہ مطبوعات میں سے یہ رسالہ ہے - یہ حدیث کی مشہور و مستند کتاب مشکوۃ کے ابتدائی حصہ کا گویا تشریحی ترجمہ ہے - ترجمہ مشکوۃ کا مکمل و مفصل اس سے قبل بھی ہو چکا ہے، لیکن اب اسکی زبان سو برس کی پرانی ہو چکی ہے - یہ ترجمہ موجودہ اردو میں ہے - اور اس حصہ اول کا تعلق صرف عقائد سے ہے -

شروع میں فہرست مضامین کا نہ ہونا بہت کھل رہا ہے - کتاب میں یہ بھی صاف طور پر نہیں کھلتا ہے کہ کہاں سے اصل ترجمہ شروع اور ختم ہوتا ہے اور کہاں کہاں شارح کا اضافہ ہے - دونوں کے درمیان نمایاں امتیازی علامات ہونا لازمی تھا - باقی خدمت دینی کی سعی محمود میں کسے شبہہ ہو سکتا ہے -

(۳) **ہماری ریلیں اور سڑکیں** - از ڈاکٹر جعفر حسین صاحب (استاد عمرانیات جامعہ عثمانیہ) ۱۲۸ صفحے - تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت عہ پتہ انجمن ترقی اُردو - دہلی -

ہندوستان کے ذرایع حمل و نقل پر انگریزی میں جتنا بھی ذخیرہ موجود ہو، اُردو میں تو اب تک بمنزلہ صفر کے تھا اور اُردو داں غریب اس معاملہ میں بالکل اندھیرے میں تھا - انجمن ترقی اُردو قابل مبارکباد ہے کہ اس نے اس موضوع کے لیے ایک اچھے اور اہلیت رکھنے والے صاحب قلم کا انتخاب کیا، اور اس سے ایک خاصی اور متوسط ضخامت کی دلچسپ مفید پُر معلومات کتاب لکھوا دی -

راستوں اور سڑکوں کی ابتدا، ہندوستان میں سڑکوں، شاہراہوں، آب راہوں کی تاریخ اور اُن پر تبصرہ، ریل کی ایجاد، رواج و ترقی، ہندوستان میں ریلوں کی سرگزشت، اس پر تبصرہ، ہندوستان کے ہوائی رستے، جدید ذرائع نقل و حمل کی اہمیت، اسکے معاشی اثرات، ریلوں سے نقصانات، ان میں سے ہر سلسلہ سے متعلق آپ کو مفصل و مستند معلومات، اور جنچی تلی رائیں ان صفحات میں مل جائینگی - انکی تلاش و فراہمی ... انگریزی کے ہزارہا اوراق آپ کو اُلٹ پلٹ کرنا ہوتے، اور پھر ... بیانی شاید اس ...

پچھلی صدی میں فرانس میں ایک مشہور مستشرق گارساں دتاسی گزرا ہے۔ اسکی خاص توجہ اردو پر تھی۔ اور ایسے وقت میں جبکہ کوئی اردو کو بہت کم قابل توجہ سمجھتا تھا۔ اسکے خطبات وغیرہ تو ترجمہ کے ذریعہ سے اس سے قبل اردو میں منتقل ہو چکے ہیں، لیکن خود اس کے کارناموں پر ابتک اردو میں کوئی کتاب نہ تھی۔

اردو زبان کے مشہور خدمت گزار ڈاکٹر زور نے آج سے ۱۰-۱۲ سال قبل اسی موضوع کو اپنے مطالعہ کے لیے تاکا۔ اور ایک مختصر رسالہ اردو میں اسی محسن اردو کی شخصیت اور خدمات زبان پر تیار کردیا۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں نکلا تھا۔ تازہ ایڈیشن اب نکلا ہے۔ لیکن پہلے سے کہیں بہتر، اور کیفیت و کمیت دونوں میں کہیں بڑھ کر۔ اور اب یہ رسالہ تنہا گارساں دتاسی ہی کا تذکرہ نہیں، بلکہ اسکے ہمعصر مستشرقین نیز اسپرنگر، بینز، شیکسپیر، فیلن، فوربز، لائٹنر، الراسٹ، گلکرسٹ وغیرہ کا جو خواہان اردو، اس کے متعدد شاگردوں . . . . اسکے معاصر شناسان اردو، اور یورپ میں اردو درسگاہوں پر ایک دلچسپ اور خاصہ مفصل تبصرہ بھی ہے —— اردو زبان و ادب کے ہر طالب علم کے لیے یہ رسالہ ایک قیمتی تحفہ ہے۔ اور طالب علم سے مراد صرف مبتدی نہیں ہوتے، متوسط اور منتہی سب اس میں شامل ہیں۔

(۲) **مجموعہ مقالات علمیہ** (نمبر۲) ۱۹۲ صفحات۔ قیمت درج نہیں
پتہ: حیدرآباد اکاڈیمی۔ حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد اکاڈیمی جو "اعلیٰ علمی و تحقیقاتی مذاق کی پرورش و حفاظت کے لیے چند سال سے قائم ہوئی ہے، اور جسکا ایک مقصد اپنے ارکان کی تحقیقات کو سادہ علمی زبان میں انھیں کی زبانی عوام تک پہونچانا ہے" اس نے اپنا علمی ہفتہ نومبر ۱۹۳۱ء میں منایا تھا۔ یہ مجموعہ ان مقالات کا ہے جو اس ہفتہ میں پڑھے گئے تھے۔ عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عدم نسخ قرآن — از مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی حیدرآبادی۔
(۲) قرآن اور سیرت سازی — از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب
(۳) امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی — از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب
(۴) قرون وسطیٰ میں علماء عرب و عجم کی علمی تحقیقات — از عبد الرحمٰن خاں صاحب (سابق صدر جامعہ عثمانیہ)
(۵) کائنات کا ارتقا — از ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی۔ (نوبل پرائز والے)
(۶) تعلیم کی دو رنگی کا نظام تعلیم (ترجمہ از انگریزی) — از پروفیسر میر احمد علی خاں صاحب

فہرست سے ظاہر ہے کہ اکاڈمی نے مذہبی اور سائنسی دونوں قسم کے عنوانات کو قابل توجہ سمجھا ہے۔ اور مقالہ نگار بھی اپنے اپنے فن کے ماہر ہیں۔ نمبر(۲) و (۳) الگ رسالوں کی شکل میں نکل چکے ہیں، اور نمبر(۲) پر ریویو ان صفحات میں اسکے قبل ہی نکل چکا ہے۔ مضامین سب کے سب جی لگاکر لکھے گئے ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔

(۷) **خلق و حق**۔ از ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی ایچ ڈی (استاد فلسفہ، جامعہ عثمانیہ) ۴۸ صفحات۔ تقطیع کلاں۔ قیمت اور پتہ درج نہیں، غالباً مصنف ہی سے مل سکے۔

حق کیا ہے، اور خلق کیا ہے؟ اور دونوں میں باہمی نسبت کیا ہے؟ وحدۃ الوجود جو صوفیہ کی چلائی ہوئی ایک اصطلاح ہے اسکا محمل شرعی کیا ہے؟ رویت باری اس عالم عنصری میں ممکن ہے؟ یہ اور اس قسم کے بیسیوں سوالات کے جوابات، اور متعدد آیات قرآنی مثلاً والاول والآخر والظاہر والباطن کی تفسیر، نیز متعدد احادیث نبوی مثلاً کنت سمعہ الذی یسمع بہ الخ وغیرہ کی شرح، اور نفی و اثبات کا صحیح مفہوم، اگر ایک مختصر رسالہ کے اندر اور دلکش زبان میں درکار ہو، تو اس فلسفی کے اس رسالہ کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ اصطلاحات تصوف و شریعت اور آیات قرآنی، احادیث نبوی اور کلام صوفیہ کی کثرت کے باوجود رسالہ ہے اتنا دلچسپ کہ ایک بار شروع کردینے کے بعد پھر چھوڑنے کا جی نہ چاہیگا — اور متوسط درجہ کی استعداد کے لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکتے ہیں —— ڈاکٹر میر ولی الدین کے اور بھی متعدد رسالوں پر تبصرہ ان صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ بھی انھیں رسائل کے معیار کا ہے۔ اور اسرار شریعت و تصوف کے ہر مذاق رکھنے والے کے ہاتھوں میں جانے کے قابل۔

رسید کتب

(۱) **صحابہ رسول** — از عبد الماجد دریابادی۔ ۱۵۰ صفحے قیمت ار

مسیح موعود کہاں ہے!

(۱)

(مولانا سید شاہ محمود شاہ قادری شطاری۔ خانقاہ جیلانیہ مسعود پورہ حیدرآباد دکن کے قلم سے[۲])

یہ وہ آواز ہے جو اس فقیر کے کانوں تک جناب مدیر صدق کے ذریعہ سے الحال پہونچی ہے۔

جہاں تک اس فقیر حقیر کا خیال ہے' اس سوال کا جواب "مرحوم مسیح" کے ایک مضمون "یورپ اور اسلام" پر جو کئی سال تک اخبار مذکور میں چھپتا رہا' دیا گیا ہے۔

مجھے اسوقت تاریخ اشاعت و نمبر پرچہ یاد نہیں۔ مگر اسقدر ضرور یاد ہے کہ میں نے اس سوال کے جواب میں کہ "جب آپ نے المسیح الدجال کو پہچان لیا ہے تو ضرور ہے کہ المسیح ابن مریم موعود کو بھی ضرور پہچان لیا ہوگا" یہ عرض کی تھی کہ مرحوم صاحب نے جس طرح مسیح دجال کو پہچانا ہے اسی طرح المسیح المہدی موعود کو بھی بخوبی پہچان لیا ہے کہ وہ عالیجناب مرزا صاحب مرحوم نہیں' بلکہ وہ محمد نام اہلبیت رسالت سے ایک شخص یعنی فاطمی ہوگا بلکہ حسب تصریح بعض احادیث وسلف محققین علمائے کرام وہ حسنی ہوگا کیونکہ حضرت ابراہیم کی آل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی آل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قرآن پاک کے اس ارشاد پر کہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما صحابہؓ نے عرض کی کہ عرفنا السلام علیک فکیف الصلوٰۃ علیک۔ اس سوال کے جواب میں یہ درود ابراہیمی سکھایا گیا۔ اور ان کو نماز کے تشہد میں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں تو درود فرض ہے نماز اسکے بغیر نہیں ہوتی۔

خیر مطلب عرض کرنے کا یہ ہے کہ درود کیا ہے؟ درحقیقت دعا ہے کس بات کی؟ اس بات کی کہ حضرت ابراہیمؑ اور انکی آل اسحاقی فرزند اصغر اور آل اسماعیلی فرزند اکبر پر جس طرح تو نے اپنی خاص عنایتیں مبذول فرمائیں کہ رشد و ہدایت وتبلیغ دین اللہ اور توحید و نبوت و معارج قرب و ولایت سے اور خلافت و امامت سے معزز و مفتخر فرمایا۔ اسی طرح محمد رسول اللہؐ اور انکی آل حسنی سبط اکبر وآل حسینی سبط اصغر کو ویسی ہی پیشوائی و ارشاد و ہدایت وتبلیغ دین اللہ و معارج قرب و ولایت و معارف واسرار دین اللہ کے فضائل و مفاخر سے سرفراز فرما۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسل اسحاقی یعنی بنی اسرائیل کو نبوت و خلافت (امامت کے ساتھ ظاہری اقتدار حکومت جیسے داؤدؑ و سلیمانؑ) اور محض امامت (جیسے دیگر انبیائے بنی اسرائیل) سے نیز تمام کمالات رشد و ہدایت و معارج پیشوائی دینی سے سرفراز و مخصوص بنا دیا گیا (و فضلنا کم علی العالمین) یہ سلسلہ رشد و ہدایت حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوگیا جنھیں المسیح کہا گیا یعنی نجات دہندہ "کیونکہ انکو نبوت یعنی ملکوت کی تعلیم دینے اور ملکوت السماء کی حکومت آسمانی یعنی خلافت وامامت یعنی وہ حکومت جس میں بادشاہت کا کوئی لگاؤ نہ ہو بلکہ وہ دینی پیشوائی کا ادارہ ہو جو خدا کا نائب بنکر اسکے بندوں پر اور اسکی زمین پر اسکی مرضی کو اور حکومت کو چلانے کا نام ہے" کی منادی کرنے بھیجا گیا تھا مگر بنی اسرائیل کی بار بار کی شرارتوں اور آخر نعوذ باللہ مسیح کو سولی پر چڑھوا دینے (بزعم خود) کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کیلئے اس نسل اسحاقی سے امامت و خلافت کا ذہن و منصب اٹھا لیا گیا۔ اور فرزند اکبر اسمٰعیل کی اولاد کو چن لیا گیا یعنی عرب قریش میں اس نبی کو پیدا کیا گیا جو تمام انبیائے نسل اسحاقی سے افضل و اعلیٰ اور انکی تمام تعلیمات و معارف رشد و ہدایت کا جامع و مانع تھا۔

(کما صلیت علیٰ ابراہیم وآل ابراہیم)

درود کا مطلب یہ دعا کرنا ہے کہ بالکل اسی طرح حضور محمد صلعم کی نسل حسنی و حسینی میں ان تمام امور و معارف و اسرار رشد و ہدایت اور امامت و پیشوائی و خلافت کے صیغوں کو جمع کر دیا جائے جو نبوت تو نہیں مگر اسکی وراثت و نیابت ہوں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام کو تعلیمات رشد و ہدایت و قرب و ولایت و معارف و اسرار دین سکھانے والے اولیاء اللہ وورثائے انبیا ائمہ حق سب اسی نسل حسینی سبط اصغر سے ہوئے انکے خلفاء علیہم علیٰ خلیفہ ہوتے چلے آئے مگر سبط اکبر سیدنا الامام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سوائے چند حضرات (مثلاً حضرت امام محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ منصور عباسی کے خلاف انکے بیعت ہو چکے تھے اور اسی وجہ سے جیل میں ڈالے گئے تھے اور روزانہ کوڑے کھا کھا کر انتقال فرمایا۔ نیز امام مالک بھی انہیں کی وجہ سے معتوب حکومت منصور ہوئے۔ نیز کئی لوگ صالحین نے تو انھیں امام مہدی سمجھا اور غالباً واللہ اعلم حدیث نام امام مہدی کہ وہ محمد ابن عبد اللہ ہے انھیں کے لیے بنائی گئی یا ان پر چسپاں کی گئی!) ایسے مشہور و معروف اور کوئی نہ ہوئے۔ اب ایک شخص ہوگا اسی نسل سے ہوگا جو ان تمام ائمہ و اقطاب و ابدال سب علوم و معارف و اسرار سے بڑا ہوگا۔ یہ خاص ہدایت یافتہ مہدی منجانب اللہ ہے۔ اس واسطے اسے مہدی کا خاص لقب دیا گیا اور اسکی تعلیم ... [illegible]

---

[۱] پیغام صلح (لاہور) کے جواب میں۔

[۲] مقالہ نگار جناب پہلی بار اپنے نام کے ساتھ بزم صدق میں جلوہ فرما ہو رہے ہیں مگر "مرحوم مسیح" کے فرضی نام سے ایک طویل سلسلہ مضامین یورپ اور اسلام اور مسائل متعلقہ پر لکھتے رہے ہیں اور اب بھی دفتر صدق میں انکے مسودات گنجائش کے انتظار میں محفوظ ہیں۔ ان مباحث میں وہ ایک مخصوص نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وہ مسلک مدیر صدق کا ہو۔ ناظرین اگر شروع ہی سے صبر و تحمل کا ارادہ نہ کرینگے تو درمیان میں جا بیجا فیصلہ استعجال رائے کا امکان بہت پیدا ہوگی۔ (صدق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایڈیٹر عبدالماجد دریابادی

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۹۱

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

صدق لکھنؤ

نائب حکیم عبدالقوی

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد پیلس گولہ گنج۔ لکھنؤ

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ سالانہ للعہ

چندہ ششماہی عامر

بیرون ہند سالانہ مختلف

قیمت فی پرچہ ۱ر

نمبر ۲۷ دوشنبہ ۲۹ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۹ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء جلد ۸

سچی باتیں

فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبا بنبا یقین

پھر زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ آگیا اور) بولا کہ میں ایک ایسا علم لیکر آیا ہوں جو کہ آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ملک سبا سے ایک پختہ خبر لے کر آیا ہوں

(نمل آیت ۲۲)

یہ کہنے والا کون ہے؟ انسان معمولی انسان بھی نہیں، ایک جانور پرندہ چڑیا کی عقل ہی کیا۔ انسان کے مقابلہ میں اس کا علم ہی کیا لیکن یہ دعویٰ اسکی زبان سے ادا ہو رہا ہے، اور قرآن اسے نقل کرکے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا ــــ پرندہ کہہ کس سے رہا ہے؟ اس کا مخاطب کون ہے؟ انسان ہی نہیں ایک غیر معمولی انسان اپنے وقت کا پیغمبر۔ دنیاوی اعتبار سے بھی انتہائی جاہ و حشم، عظمت و اجلال رکھنے والا پیغمبر سلیمان ابن داؤد (دونوں پر اللہ کی رحمتیں ہوں) ہاں وہ پیغمبر جس کے لئے چند ہی آیتیں قبل ہی۔ یہ صراحت آچکی ہے کہ وہ "علم" سے ممتاز تھا، ولقد آتینا داؤد وسلیمان علما

پیغمبر یوں ہی اعلم الناس اپنے زمانہ کا عالم ترین انسان' ہوتا ہے چہ جائیکہ ایسا پیغمبر جس کا وصف امتیازی ہی "علم" ہو اس کے علم و معلومات کا ٹھکانا ہی کیا۔ اور پھر ایک تاجدار اعظم ہونے کی حیثیت سے مخبروں کے کتنے ذریعوں کا مالک! اس پر بھی دربار کا ایک مشت پر پرندہ بیدھڑک اسی سے کہہ گزرتا ہے کہ مجھے فلاں چیز معلوم ہے جو آپ کے علم میں نہیں۔ اور اس پر نہ خود پیغمبر گرفت کرتے ہیں کہ یہ کیسی گستاخانہ گفتگو ہے اور نہ قرآن ہی اس کی مذمت کرتا ہے! ــــ "علم" خدا کی دین ہے، کوئی دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کہ وہی ہر حیثیت سے دوسروں سے عالم تر ہے اور کسی کو اس باب میں اس پر جزوی فضیلت بھی حاصل نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی بھی جزیہ میں مرید شیخ کی یا رہنمائی کر دے اور شاگرد استاد کو سبق دے بیٹھے، سلف سے حسن اعتقاد بے شک ایک اچھی چیز ہے، بزرگوں کی بزرگداشت یقیناً واجب ہے، اکابر کا احترام قطعاً لازم ہے لیکن اس تعظیم و احترام کو سلف پرستی کے درجہ تک پہنچا دینا، اکابر کو عملاً معصوم سمجھ لینا، اور بعد کے آنے والوں سے پہلے گذر جانے والوں پر تنقید کا حق ہی سلب کر لینا، نہ مذہب کی تعلیم کے مطابق ہے نہ شہادت کے تجربہ کے، نہ عقل کے موافق ہے نہ نقل کے،

بات سوچئے تو معمولی سی ہے لیکن اسی ایک حد کے نہ ملحوظ رکھنے سے کتنی خرابیاں ملت میں پیدا ہو گئی ہیں! ہر متقدم کا فعل ہر متاخر کے لئے پتھر کی لکیر بن گیا ہے اور آیت و حدیث کا حکم رکھنے لگا ہے۔ مفاسد پر مفاسد روزمرہ مشاہدہ میں آتے ہیں لیکن مجال نہیں کہ زبان ہل سکے کہ اس سے فلاں بزرگ پر اعتراض لازم آتا ہے، فلاں بزرگ کی تنقیص نکلتی ہے! ــــ بزرگوں کی تعظیم کیجئے یقیناً کیجئے، اکابر کے کسی قول یا فعل سے انکار کرنے میں جلدی ہرگز نہ کیجئے خوب اچھی طرح غور و فکر کر لیجئے، ان کی شخصیتوں سے متعلق بہتر سے بہتر تاویل کر لیجئے، لیکن ان ساری احتیاطوں اور پیش بندیوں کے بعد بھی ان کی کوئی راہ خدا و رسول کی راہ سے الگ اور اس کی مخالف نظر آئے تو آپ اپنی آنکھیں بھی بند نہ کر لیجئے، جو معصوم نہیں ہیں انہیں معصوموں کے درجہ پر نہ رکھئے، اور اللہ والوں سے اللہ ہی کیواسطے لڑ پڑیئے

غلط فہمیاں

"ایک مخلص نوجوان لاہور سے لکھتے ہیں:۔ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا مودودی جب تک محض باتیں ہی باتیں بناتے رہے تو مولانا عبدالماجد صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب ان کو سراہتے تھے، اُن کی تعریفیں اور قصائد پر قصائد باندھتے چلے جاتے تھے، مگر جونہی عملی قدم اٹھایا ان سب حضرات نے علی الاعلان ان کی مخالفت شروع کردی، ان کی طرف سے بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ اگر یہ حضرات جانتے تھے کہ مولانا کا نصب العین وہی ہے جو ہمارا ہے تو کیوں نہ انہوں نے حضرت مودودی کا ساتھ دیا۔ اچھا مان بھی لیا جائے کہ اُن کی مخالفت حق بجانب ہے تو کیوں نہیں مولانا عبدالماجد اور سید سلیمان میدان میں آتے اور کہتے کہ آپ کو مودودی جس طرف لئے جا رہا ہے وہ غلط راستہ ہے اور صحیح راستہ یہ ہے یہ ہے ہمارا پروگرام اور ہم اس کو اس طرح کرنا چاہتے ہیں اور یہ صورت عین اسلامی ہے۔ اگر مولانا مودودی کچھ بھی نہ کرتے محض تصانیف چھوڑ جاتے تو یہی حضرات ان کی وفات پر آنسو بہاتے اور یہ کہتے کہ فلاں بڑی کار آمد والا بہت اچھا نیک مجاہد صاحب علم و بصیرت تھا، خدا مغفرت کرے۔"

خط گو ایک مخلص کے قلم سے نکلا ہے لیکن نمونہ ہے اس پریشاں دماغی کا جس میں ساری کی ساری قوم مبتلا ہے یعنی صحیح تنقیحات سے گریز، مغز سخن کی طرف سے بے التفاتی، مسائل کے اندر خلط مبحث، اور حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ـــ "جب تک مولانا مودودی محض باتیں ہی باتیں بناتے رہے" "اگر مولانا مودودی کچھ نہ کرتے محض تصانیف چھوڑ جاتے" اس قسم کے فقرے جملے کس ذہنیت کے غماز ہیں؟ اس کے کہ مسائل اسلام کی توضیح، حقائق دین کی تشریح، عقائد و کلام پر گفتگو، معاندین حق کے بہترین جوابات، قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی، یہ سب لایعنی بے معنی مشاغل ہیں، ان کا دوسرا نام "محض باتیں بنانا ہے" اور تصنیف و تحریر "عمل کی دنیا" میں ہر قدر و قیمت سے محروم ہے! اس ذہنیت کی پرزور تردید تو کی جاسکتی ہے لیکن اپنے تبصرہ میں اس ذہنیت کی رعایت رکھنا، اس کی پاسداری کرنا ممکن نہیں، نہ مدیر صدق کے لئے نہ مدیر معارف اور نہ خود مولانا مودودی کے لئے!

مراسلہ کا آخری جزو بالکل صحیح ہے، مولانا مودودی کی جن خدمات کا اعتراف صدق کو ہمیشہ کی طرح آج بھی ہے، وہ ان کی کلامی خدمات ہیں، انہوں نے جانشینی کا حق ادا کرو یا غزالی اور رازی اور باقلانی اور اشعری اور ولی اللہ دہلوی کی۔ "متکلم اسلام" انہیں خدمات کی بنا پر صدق نے اُنھیں لکھنا شروع کیا تھا۔ اب اگر ملک میں ایک جماعت ایسی موجود ہے جس کی نظر میں وقعت ان خدمات کی کچھ بھی نہیں، اور وہ محض انجمن سازی کو، اور سیاسی روزمرہ میں اس کے "پروگرام سازی کو اصل کام سمجھ رہی اور "میدان میں آنے" کے مرادف قرار دے رہی ہے، تو یقیناً اسے اپنے کو صدق کی حقیر و ناچیز ہمدردیوں سے محروم سمجھنا چاہئے ـــ "جب نصب العین ایک ہے تو ساتھ کیوں نہ دیا" سوال بجائے خود مغالطہ آمیز ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی مسلمانوں کے اندر بیسیوں پارٹیاں بیسیوں مسلک، بیسیوں انجمنیں ایک دوسرے کے مقاصد سے مختلف موجود ہیں، مقاصد کا اختلاف، طریق کار کا اختلاف، بلکہ محدود معنی میں خود نصب العین کا اختلاف کیا کوئی چیز ہی نہیں؟ صدق نے تو مولانا مودودی کا ساتھ اس وقت تک برابر دیا جب تک اس کے خیال کے مطابق وہ صراط مستقیم پر قائم رہے اور ان کے قلم سے اصلاحی مقالات نکلتے رہے، لیکن جب اسے اپنی بصیرت کے مطابق نظر آیا کہ غلو اور افراط پسندی انہیں حدود سے تجاوز پر لئے جا رہی ہے، تو وہ ایکبارگی خانگی سعی افہام و تفہیم کے بعد ساتھ چھوڑ دیا کہ اب تعاون رکھنا تعاون علی الاثم والعدوان تھا، اور ساتھ دینا حق کا نہ تھا بلکہ ایک خاص شخصیت کا تھا۔

صدق و معارف سے کسی نئے "پروگرام" کی اشاعت کی فرمائش بھی عجیب ہے، کم از کم صدق غریب کے پاس تو یقیناً کوئی نیا پروگرام نہیں، وہی قدیم پروگرام ساڑھے تیرہ سو قبل والا ہے، اور اس کے مختلف اجزا تو نئے نئے عنوانات کے ساتھ ہر ہفتہ ان صفحات میں پیش ہوتے رہتے ہیں۔

مولانا مودودی کی تحریریں اب بھی حقائق و معارف سے یکسر خالی نہیں ہوتیں۔ تمام تر دجل کا نمونہ ہرگز نہیں، ان کی تفسیر میں بہت سے قابل قدر نکتے اب بھی موجود ہوتے ہیں۔ لیکن اب مفاسد کے پہلو بھی ان کی تحریروں میں غیر مخفی بلکہ غیر نمایاں نہیں، اور اب رفتہ رفتہ وہ اثمہما اکبر من نفعہما کی مصداق ہوتی جا رہی ہیں۔ بلکہ ان کے بعض نادان معتقد غلو و بے اعتدالی میں ان سے بھی کہیں آگے نکل گئے ہیں (چنانچہ لکھنؤ میں ایک صاحب نے تو ایک ضخیم کتاب انہیں کے رنگ میں ان سے کہیں آگے قدم بڑھا کر لکھ ڈالی ہے) اس لئے اس فتنہ کی بقدر استطاعت روک تھام کرنا اس طرح فرض ہوگیا ہے جس طرح وقت کے دوسرے مفاسد و فتن کا ہے (فرض کے لئے دلکش و خوشگوار ہونا ہرگز ضروری نہیں لیکن ناخوشگوار ترین فرض بھی بہرحال فرض ہی ہوتا ہے) لیکن انہیں کی جماعت کے بعض نمایاں افراد اب بھی احتیاط، اعتدال، توازن کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی تحریروں سے صدق کو مطلق اختلاف نہیں ـــ دعا فرمائیں مراسلہ کے کاتب اپنے حق میں بھی اور مکتوب الیہ کے حق میں بھی کہ حق کی دوستی ہر دوستی پر، حق کا تعلق ہر تعلق پر غالب رہے، زندگی میں بھی اور زندگی کے خاتمہ پر بھی۔

دیوانوں کی عید

عیدیاں بہت سی دیکھنے اور سننے میں آچکی ہوں گی۔ ایک عیدی صاحب "نغمہ زندگی" جناب فضلی کے کلام میں بھی موجود ہے ؎

شمع پر جل مرنا ہے جس طرح پروانوں کی عید ـ عظمت اسلام پر مٹنا مسلمانوں کی عید

زیر خنجر ہوتی ہے جن کی نماز عشق ادا ـ عید ہے ان عید تو ایسے ہی دیوانوں کی عید

کل انہیں دیوانوں کے ہاتھوں میں تھا جام حیات ـ آج ایک پیالہ سویوں کا مسلمانوں کی عید

ان اشعار کا حوالہ دیکر آئی سی ایس کے ایک عہدہ دار اپنے خاص نام میں لکھتے ہیں:۔

"یہاں جام حیات کہاں وہ تو کب کا افیاد چھین کیا لے گئے اچھا لگیے کیونکہ

سُورۃُ البَقَرۃ

رکوع ۱۱

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۲۶ ماقبل)

از عبدالماجد

۹۱۔ واذا قیل لھم اٰمنوا بما انزل اللّٰہ قالوا نؤمن بما انزل علینا ویکفرون بما وراءہ وھو الحق مصدقا لما معھم قل فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ من قبل ان کنتم مؤمنین

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس (کلام) پر جو اللہ نے نازل کیا ہے ۴۹۹ تو کہتے ہیں ہم ایمان تو رکھتے ہیں اُس پر جو نازل کیا گیا ہمارے اوپر ۵۰۰ اور یہ کفر کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اس کے علاوہ ہے ۵۰۱ درانحالیکہ وہ (خود بھی) حق ہے ۵۰۲ (اور) تصدیق کرنے والا (بھی) اُس (کلام) کا جو ان کے پاس ہے ۵۰۳ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں قتل کر ڈالتے تھے انبیاء کو قبل کے زمانہ میں، اگر تم (واقعی) ایمان رکھنے والے تھے ۵۰۴ ؟

۹۲۔ ولقد جاءکم موسیٰ بالبینات ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظالمون

اور بالیقین موسیٰ تمہارے پاس آئے کھلے ہوئے نشانوں کے ساتھ ۵۰۵ اس پر بھی تم نے تجویز کرلیا گوسالہ ۵۰۶ کو ان کے پیچھے ۵۰۷ اور تم ہی ہو ظالم ۵۰۸

۹۳۔ واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اٰتینٰکم بقوۃ واسمعوا قالوا سمعنا وعصینا واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین

اور (یاد کرو وہ وقت) جب ہم نے تم سے قول قرار لیا تھا ۵۰۹ اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا ۵۱۰ (کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے ۵۱۱ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو ۵۱۲ (اسے توجہ سے) انہوں نے کہا تھا کہ (ہاں) ہم نے سُن (تو) لیا مگر ہم نے مانا نہیں ۵۱۳ اور ان کے دلوں میں گوسالہ بہ سبب ان کے کفر (سابق) کے پیوست ہوگیا تھا ۵۱۴ آپ کہئے (کہ سہی) بُری ہے وہ بات جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دے رہا ہے اگر تم ہو ایمان والے ۵۱۵

ف ۴۹۹ (اپنے بندہ اور آخری رسول محمدؐ پر)

ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے انہیں سے کہا جاتا تھا کہ ایمان آخری کتاب الٰہی قرآن پر لاؤ۔

ف ۵۰۰ (اور وہ ہمارے لئے بالکل کافی ہے)

"ہمارے اوپر" سے مراد ہے ہماری قوم ونسل کے اوپر۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سلسلۂ وحی یا مسئلہ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیلی کے انبیاء کے قائل ہیں

ف ۵۰۱ یہ یہود کے قول بالا کا تتمہ ہے۔ قرآن نے یہ اضافہ کردیا کہ وہ لوگ اپنے سلسلۂ اسرائیلی کے باہر کسی اور کے قائل نہیں۔

ایک عرصہ دراز تک الطاف وعنایات الٰہی کے مورد خاص بنے رہنے، اور انبیاء کے لگاتار اسی نسل کے اندر پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے باہر کیسی؟

ف ۵۰۲ اور اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے۔

ھُو کی ضمیر قرآن یا کلام الٰہی کی جانب ہے

ف ۵۰۳ یعنی کتاب توریت کا، اور انبیاء اسرائیل کے دوسرے صحیفوں کا قرآن نے یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کئے ہیں

(۱) ایک یہ کہ قرآن فی نفسہ حق ہے اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے اس لئے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ توریت اور دوسرے صحف بنی اسرائیل کے ساتھ تعلق منافات کا نہیں رشتہ اتحاد وتصدیق کا ہے۔

ف ۵۰۴ تیسری بات قرآن نے بنی اسرائیل سے یہ کہی کہ خود یہی دعویٰ تمہارا کب صحیح ہے کہ ہم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں؟ ایمان وتصدیق تو الگ رہی تم نے اس زور وشور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت وعداوت پر اس حد تک اتر آئے کہ انہیں قتل تک کر کر ڈالا۔ تمہاری قومی تاریخ تو رنگین ہے قتل انبیاء سے

قتل انبیاء اسرائیل پر مفصل حواشی رکوع (۷) کے ذیل میں گزر چکے ہیں ایک حوالہ بائبل کا اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبی کے زمانہ میں بنی اسرائیل خود اپنی زبان سے مناجات میں کہتے ہیں

"تیرے نبیوں کو جو ان کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھر لادیں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا" (نحمیاہ ۹ : ۲۶)

ف ۵۰۵ (اور ان کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہئے تھا کہ تم سچے دل سے لگ جاتے خدا کی طاعت اور نبی کی طاعت میں)

حضرت موسیٰؑ کے کھلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے وہ تو مشہور ہی ہیں، عصا ید بیضا وغیرہا۔ اس آیت میں ضمیر کُم سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے کھلے ہوئے نشان یا معجزات خود بنی اسرائیل کے سامنے بھی تھے۔

ف ۵۰۶ (پرستش کے واسطے) یہ ہے تمہاری توحید کی کل کائنات!

گوسالہ پر مفصل حواشی رکوع ۶ میں گزر چکے۔

ثُمّ یہاں محض تاخر زمانی کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لئے کہ تم کیسی پستی میں اتر گئے۔ ثم للتراخی الرتبۃ، والدلالۃ علی نہایۃ قبح ما صنعوا (ابوسعود) اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل وشواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ ای بعد قیام الحجۃ علیکم (فتح القدیر)

ف ۵۰۷ یعنی حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔

حضرت موسیٰؑ اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر ستر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طور پر گئے ہوئے تھے، تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی رکوع ۶

ف ۵۰۸ (اپنے حق میں) تمہاری تاریخ خود گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی روحوں پر ظلم

کرنے کے کیسے عادی ہو!

یہ گویا جواب سابق کا تتمہ ہے، اور اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر جو کچھ بھی تم نے کیا، کیا ہی۔ شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰ ہی کے زمانہ میں شروع کر دیا تھا، اور شرک بھی کیسا شرک جلی، گوسالہ پرستی کا! اور وہ بھی ان کی عارضی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر! تمہارے لیے مانع نہ ان کے لائے ہوئے کھلے نشانات بن سکے، اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ و سلامت موجود ہیں! غرضیکہ نافرمانیوں میں دلیر تو تم آج سے نہیں شروع سے ہو۔

ـــــــــــــــــــــــــ

(تمہارے اوپر نزول شریعت کے وقت) ملاحظہ ہو حواشی رکوع سات

اس پر بھی مفصل حواشی رکوع ۔ میں گزر چکے

یعنی یہ احکام و شرائع جو ابھی تم پر نازل کیے گئے ہیں۔

(گویا دل سے ان احکام و شرائع کو) قال الماتریدی یعنی اسمعوا بالفوٰہ وقیل اعلموا (بحر)

مفسر تھانوی مدظلہ کا خیال ہے کہ یہود کا یہ آخری قول عَصَیْنَاَ صرف زبان حال سے تھا اور اس سے ملتا ہوا خیال ابومسلم اصفہانی کا بھی۔ امام رازی نے نقل کیا ہے۔ قال ابومسلم وجائز ان یکون المعنی سمعوہ فتلقوہ بالعصیان فیعبر عن ذالک بالقول وان لم یقولوہ (کبیر)، اور یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ قول یہاں بطور مجاز، زبان حال کے معنی میں استعمال ہوا ہے نطق لسانی مراد نہیں۔ قیل یعبر بالقول للشیٔ عما یفھم بہ من حال وان لم یکن نطق (بحر) لیکن اگر زبان سے بھی ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ نکال ڈالا ہو، تو ان کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اس سے ملتی جلتی، ایک دوسرے موقع کے لئے موجود ہی ہے

"خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو، اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ بھلی راہ کہاں ہے۔ اس میں چلو کہ تم اپنے جیوں میں آرام پاؤگے پھر انہوں نے کہا کہ ہم اس میں نہ چلیں گے، اور میں نے تمہارے اوپر نگران بھی ٹھہرائے اور کہا کہ نرسنگھے کی آواز سنو، پھر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے (یرمیاہ ۶: ۱۶ و ۱۷)

چنانچہ بیل کے تقدس کا اعتقاد اسرائیلی قوم میں مدت دراز تک قائم رہا

اشربوا سے مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں بس گئی تھی جس طرح پانی رگ رگ میں پہنچکر جزو بدن بن جاتا ہے۔ اور یہ محاورہ اہل عرب کی زبان پر عام ہے۔ وان من عادتھم اذا ارادوا العبارۃ عن مخامرۃ حب او بغض استعاروا الی اسم الشراب اذ ھو ابلغ انجاع فی البدن (راغب)، یا جس طرح رنگ کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کما یداخل الثوب الصبغ (کشاف)

بکفرھم میں باء سببیہ ہے الظاہر ان الباء للسبب ای الحامل لھم علی عبادۃ العجل ھو کفرھم السابق (بحر)

طنز ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ واہ کیا کہنے ہیں تمہارے ایمان کے! دعویٰ تو یہ کہ ہم صاحب ایمان و توحید ہیں اور عمل یہ ہو کہ گوسالہ کی تنزیہہ تقدیس میں لگے ہوئے ہو! کیا اچھا تمہارا ایمان ہے!

ذکرِ صحابہؓ کی بندش

ہمعصر حقیقت (لکھنؤ) میں بشیر الدین انصاری صاحب (قرول باغ دہلی) کی طرف سے اطلاع ذیل شایع ہوئی ہے:۔

"۲۳- اکتوبر کو پونے سات بجے شام کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے دیہاتی پروگرام کے سلسلہ میں اصحاب رسول حضرت ابوبکر صدیق" پر ہندوستانی میں تقریر ہونے والی تھی لیکن آج لکھنؤ سے شیعہ صاحبان کا ایک وفد دہلی آیا اور اس نے آل انڈیا ریڈیو کے کارپردازان سے مل کر اس تقریر کو رکوا دیا! جس سے یہاں اور دیگر مقامات پر عام مسلمانوں کو بڑی رنجش ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ لکھنؤ کی شیعہ سنی چپقلش کا اثر اب دہلی تک پہونچ گیا ہے۔

خبر اگر صحیح ہے تو نہایت افسوسناک بھی ہے، اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے لیے نہایت اشتعال انگیز بھی۔ لکھنؤ کے جلوس مدح صحابہ کی ایک بالکل مخصوص صورت تھی، لیکن اس کی نظیر سے کام لیکر نفس تذکرۂ صحابہ کی بندش کی کوشش کرنا، وہ بھی ریڈیو پر، ایک سرتاسر غلط ہی نہیں، ناپاک کوشش ہے۔ ریڈیو پر تو ہر مذہب و ملت کے اکابر کے حالات، محکمہ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر برابر بیان ہوتے رہتے ہیں۔ ہرگز یقین نہیں آتا، کہ محکمہ نے لکھنؤی وفد سے متاثر ہو کر ایسی کوئی کارروائی کی ہوگی۔ قیاس غالب یہی ہے کہ خود حقیقت کے وقائع نگار ہی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، لیکن اگر خدانخواستہ خبر صحیح ہے، اور شیعہ جماعت عاقبت اندیشی سے اسقدر محروم ہو چکی ہے، تو ظاہر ہے کہ اہل سنت کو اس فتنہ کی دفاع میں اپنی پوری قوت صرف کر دینے کا حق ہے، حق ہی نہیں ہے، یہ اُن پر فرض ہے!

ایک ہندو ادیب کی وفات

ہمعصر ہماری زبان (دہلی) لکھتا

یہ خبر پڑھ کر افسوس ہوا کہ پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی تقریباً اسی سال کی عمر میں، اسی ستمبر کے وسط میں رحلت کر گئے۔ اُردو سے آپ کو محبت نہیں، عشق تھا۔ عمر بھر اسی زبان کی خدمت کرتے رہے۔ صاحب دیوان و کلیات، شاعر تھے۔ بزم سخن کے نام سے ایک ماہانہ مشاعرہ کی طرح ڈالی تھی۔ اپنے دولتکدہ پر خاص اہتمام کے ساتھ اسے منعقد کرتے رہے۔ صوفیانہ مذاق کے شخص تھے۔ سنسکرت اور ہندی سے متعدد کتابیں اُردو میں ترجمہ کی ہیں۔ فسانۂ توحید، اسرار حقیقت، جلوۂ جہاں نما وغیرہ کے نام سے۔ موضوع سب کے ویدانت یا تصوف ہیں۔ یہی اوڑھنا بچھونا تھا۔ ہمعصر دہلوی نے خوب لکھا، کہ آپ کی تصنیفی زندگی خود اس امر کا ثبوت ہے کہ

"اُردو زبان ہندو دھرم کی اشاعت اور ترجمانی کی کتنی استعداد رکھتی ہے"

اُردو کا جو تعلق مسلمانوں اور اسلامی تہذیب سے ہے بالکل ظاہر ہے۔ پنڈت صاحب موصوف اُن چند لوگوں میں تھے، جو اُردو زبان کے گہرے تعلق کو ہندی علوم اور ہندو قوم کے ساتھ واضح کیے ہوئے اور سنبھالے ہوئے تھے۔ وہ اشنکر نسیم

(بقیہ بر صفحہ ۸ پر)

(صفحہ ۳ کا بقیہ)

خود جانچنے کا ہے۔ شخصیتوں کے کھوج میں جتنا پڑے گا کمزوریاں ہی کمزوریاں ہاتھ آتی رہیں گی۔ (بحیثیت راوی و ناقل کے جو تنقید شخصیت پر ناگزیر ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ایک بالکل الگ چیز ہے) اور مدیر صدق جسکو محض حسن ظن کی بنا پر خدا معلوم کیا کچھ سمجھا جا رہا ہے اس کی شخصیت تو کمزور ترین ہی نکلیگی تفسیر قرآن کا معیار ہی رائے کے اختلاف سے بدلتا ہی رہتا ہے کسی قدیم مفسر کی رائے کوئی نص کی طرح قطعیت تو رکھتی نہیں۔ موجودہ اکابر جو جاری آپ کی نظر میں اکابر ہیں اپنے معاصرین کی نظر میں اور خود اپنے معیار سے کب اکابر تھے؟ کسی مفسر نے ساڑھے تین سو چار سو سال قبل کے معیار کے لحاظ سے جو علوم لکھے ہیں تو ان میں سے متعدد علوم آج کے مفسر کیلئے غیر ضروری ہو گئے ہیں لیکن ساتھ ہی متعدد علوم کا اضافہ بھی اس فہرست میں ضروری ہو گیا ہے محض زبان دانی ظاہر ہے کہ نہ پہلے کبھی کافی تھی نہ اب ہے۔ خدا معلوم مراسلہ نگار نے اس رائے کا انتساب بھی صدق کیجانب کیسے کر دیا۔ صدق کے پچھلے نوٹ میں اگر اسے اہمیت دی بھی گئی تھی تو محض اس بنا پر کہ مراسلہ میں زور اسی پر تھا قحط الرجال پر آنسو تو ہر زمانہ میں بہائے گئے ہیں۔ کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس کی اہلیت کو معاصرین نے کافی سمجھا ہو۔ کام باوجود اسکے ہمیشہ ہوتا ہی آیا ہے

"ابن اللہ" کی تصویر!

۱۶۔ اکتوبر کا ۰۰۰ سے چلا ہوا رائٹر کا تار: اٹلی کے مشہور اخبار "جیورنیل ڈی اٹالیا" کے حوالے سے خبر دیتا ہے کہ میڈیم میریا افون ٹیلر یا دلیرا کے ذخیرۂ تصاویر میں ایک قلمی تصویر حضرت مسیح کی برآمد ہوئی ہے، جو اتنی قدیم ہے کہ عجب نہیں کسی معاصر مصور کے قلم سے ہو! تصویر آخری وقت کی ہے۔ آپ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں اور اپنی والدہ کی طرف نظر ڈالے ہوئے ہیں ایک گوشہ میں سینٹ جان بھی ہیں!

(اسٹیٹسمین۔ ۱۸۔ اکتوبر ۳۲ء)

تار سے مقصود اگر کسی اطالوی خاتون کے ذخیرۂ نوادر کی قدر و قیمت کو بڑھانا اور اسکا اشتہار دینا ہو، تب تو مضائقہ نہیں ورنہ حضرت مسیح کی تصویروں میں تو کوئی ندرت اب باقی ہے نہیں۔ مسیحی آرٹ اپنے تخیل سے کے سو قلمی تصویریں "ابن اللہ" کی تیار کر چکا ہے! مصور کی معاصرت کا دعوے بھی عجیب ہے۔ کوئی یہودی تو اسکا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ اور مسیحی اس وقت گنے چنے تھے ہی کتنے، اور جو تھے بھی وہ مصیبت کے مارے ہوئے غریب بھلا اتنی ہمت کہاں سے لا سکتے تھے۔ رہے لے دے کے مشرک المذہب رومی، سو انکے دل میں "ایک مجرم" اور "قابل دار معمولی مجرم" کی کسی قسم کی بھی وقعت یا عزت ہی کب تھی، جو وہ تصویر کھینچ کر اس کی اہمیت کا اعتراف کرتے!

صدق میں اشتہار دینا کلید کامیابی ہے

دکن کی جدید تربیت گاہ نسواں

(حسب تجویز بیگم صاحبہ سر بلند جنگ بہادر مرحوم)

موجودہ سرکاری نسوانی تعلیم میں دو بڑے نقص ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا نصاب بالکل مردانہ نصاب ہے اور اگر کچھ ان میں گھریلو زندگی سے متعلق نصاب شامل بھی ہے تو بطور کار زائد اور غیر امتحانی۔ جس کی کوئی اہمیت لڑکیوں کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی، دوسرے انکے بچے ان کے گھر کے ماحول سے بہت دور ہوتے ہیں اور ان کا اتنا وقت ان کے گھر سے اور مدرسوں میں صرف ہو جاتا ہے کہ گھر سے انہیں کوئی مناسبت پیدا ہی نہیں ہوتی اور منزلی زندگی سے متعلق انہیں لیاقت ہی نہیں سکتی۔ لڑکیوں کو صبح سے شام تک گھر سے باہر مدرسوں میں مردانہ نصاب کے ساتھ مصروف رہنا پڑتا ہے۔ نسوانی فرائض کے متعلق اگر کچھ نصابی تعلیم ہو بھی جاتی ہے تو انہیں اس کے عملی انطباق کا کوئی موقع نہیں ملتا اور وہ جب زندگی میں شریک ہوتی ہیں تو ننانوے فی صدی ضرور ناکام رہتی ہے انہیں بھی جلسے کرنے، جلوس نکلوانے، ظہرانوں عصرانوں عشائیوں میں شریک ہونے، ہارسنگوں میں ڈھونے، آرائش و زیبائش پر روپیہ صرف کرنے، کلبوں کو آباد کرنے، سینماؤں میں راتیں گذارنے، اور نامحرموں کے ساتھ اپنی پوری آرائشوں کے ساتھ "قومی کام" بیرون خانہ انجام دینے اپنے آپ کو مرد کے برابر سمجھنے اشوہر بلکہ مرد کو رہنا نیا زمند تابعدار رکھنے کا کچھ ایسا شوق ہو جاتا ہے کہ انہیں پھر اپنے فرائض یاد ہی نہیں رہتے اور معاشرہ میں صدہا خرابیاں راہ پا جاتی ہیں۔ محترمہ بیگم صاحبہ کی تربیت گاہ کا یہ فائدہ یقینی ہے بشرطیکہ ہماری مذکورہ بالا شرط کی تکمیل ہو رہی ہو کہ ایک طرف تو نظری طور پر وہ علوم پڑھتی رہیں جو ذہن کو وسیع کرنے اور کردار کو اسلامی و مشرقی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ضروری ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تربیت گاہ کے ایک مثالی گھر کی حیثیت سے فائدہ اٹھاتی ہوئی گھریلو معاملات میں عملی تجربے حاصل کرتی رہیں گی۔ ان دنوں بڑے بڑے ماہرین تعلیم کی بھی یہی رائے ہے کہ درسگاہ کو عملی زندگی سے مطابق ہونا چاہئے۔ اس سے بے سکھائے پڑھائے بھی بہت کچھ مفید چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

محترمہ بیگم صاحبہ کی یہ تربیت گاہ ایسی نہیں ہے جس سے مغربی ممالک بالکل ہی نا آشنا ہوں اس جنگ کے آغاز سے قبل ہی مغربی ممالک نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ عورت اور مرد کی تعلیم کی یکسانی اور عورت کی معاشی آزادی کے خیال نے معاشرہ کی ساری بنیادیں کھوکھلی کر دی اور نوع انسانی میں ایک ایسے نقص کی تعمیر کر دی ہے جو فرحت اندوزی و بشاشت خیزی کے سیکڑوں مصنوعی ذرائع کے باوجود حقیقی مسرتوں سے محروم ملول اندوہگیں اور زندگی بیزار رہا کرتا ہے، جس کی وجہ سے قومی اور بین الاقوامی گتھیاں کھلنے کے بجائے اور الجھتی جاتی تھیں جا بجا لئے کہیں تو "ترک مستورات" کی انجمنیں قائم ہو گئیں تاکہ عورتیں اپنے صحیح مقام کی طرف پلٹ جائیں اور کہیں اس قسم کی تربیت گاہیں قائم ہوئیں جہاں

مسیح موعود کہاں ہے؟

(۲)

(از مولانا سید شاہ محمد شاہ صاحب قادری شطاری خانقاہ جیلانیہ حیدرآباد دکن)

وہ اس زبردستی فرض کردہ نجات دکفارہ کی صلیب کو دنیا سے توڑ پھینکے گا جس نے اربوں کھربوں انسانوں کا ستیاناس کر دیا۔ یکسر الصلیب۔ وہ دنیا سے جنگ وجدال کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیگا یضع الحرب۔ دنیا سے گداگری اور بے روزگاری کو کافور کردیگا۔ یفیض المال فیضًا فلا یقبلہ احد۔ وہ تمام مذاہب وملل میں حق وانصاف کا فیصلہ کرے گا۔ وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی علحدہ کردیگا۔ ہر مذہب وملت میں دودھ و پانی ملا ہوا ہے حق کے ساتھ ساتھ باطل بھی مخلوط ہے۔ اگرچہ ہر فرقہ اپنے ہی مذہب وملت کو حق وصدق کا اجارہ دار سمجھ رہا ہے مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ مسیح مہدی یہ فیصلہ کر ڈالیگا (بالکل نصوص قرآنی ہی سے) کہ ہر مذہب کی کون کون باتیں حق وصدق ہیں اور کون کون اسکا دبندہ۔

"ینزل فیکم حکمًا عدلًا مقسطًا (یعنی تمہارے درمیان اسے اترےگا مسیح فردکش ہوگا مذاہب کا فیصلہ کرتے ہوئے عدل وانصاف سے حق کی گواہی دیتے ہوئے) غرضکہ جو بھی عربی علوم کا عالم جید ہو جب وہ احادیث متعلقہ مسیح مہدی پر تحقیق وغور ونظر سے نظر ڈالیگا اور بغیر کسی اپنی مذہبی عصبیت کے انکا مطالعہ کریگا۔ پھر اسکے ساتھ قرآن پاک اور سابقہ صحف انبیا کے اشارات ورموز پر بھی غور کریگا اُسے انشاء اللہ علانیہ یہ بات واضح ہو جائیگی کہ آنے والا المنتظر خلیفۃ اللہ امام اعظم ومصلح اکبر ایک ہی شخص ہے دو شخصیتیں نہیں ہیں جیسا کہ معتقدہ عامہ ہے اور اسکے خاص کردار وہی ہیں جو اوپر مختصرًا بیان ہوئے ہیں۔

ان خصائص پر نظر ڈالنے والا صاف معلوم کرلیتا ہے بشرطیکہ وہ جامد مقلد آباو اکابر اعتنین نہ ہو کہ مسیح مہدی کی پیشین گوئی درحقیقت اُس انقلاب عظیم کی پیشین گوئی ہے جو دنیا کا آیندہ نظام نو بننے والا ہے۔

تعمیر بعد تخریب

ظاہر ہے بلکہ اظہر کہ ہر تعمیر جدید، تخریب کلی کے بعد ہوا کرتی ہے۔ پہلی عمارت مع بنیاد کے جب تک توڑ نہ دی جائے نئی عمارت کبھی قائم نہیں ہو سکتی۔ جب حسب تصریح حدیث ابن ماجہ ومستدرک لا المہدی الا عیسی بن مریم مہدی وعیسی درحقیقت ایک ہی ذات کے دو مختلف لقب وصفت ہیں تو لازم آیا کہ یہ شخص واحد مصلح اعظم درحقیقت کرۂ زمین کی انسانی اقوام کی حیات اجتماعیہ کی کوئی نئی عظیم تر عمارت تعمیر کرنے آرہا ہے جو پہلے کبھی دیدہ نہ شنیدہ یعنی وہ آسمانی بادشاہت قائم کرنے آرہا ہے۔ جسکی حضرت عیسی ویحیی منادی کرتے پھرتے تھے اور دونوں حضرات اسی جرم میں مارے گئے۔ حضرت یحیی تو ظاہر ہے مگر حضرت عیسی جو نفخۂ روح القدس وکلمۃ من اللہ تھے اور جو ہمیشہ اپنا روپ بدلکر نظروں سے غائب ہو جاتے اور یہود کے غضب آلود مجمع سے ہمیشہ بچ جایا کرتے تھے۔ آخر یہ کلمۃ اللہ ونفخہ روح القدس یہود سے اٹھا لیا گیا اور بنی اسمٰعیل قریش میں منتقل کر دیا گیا۔ عرب میں عمل شروع ہو گئی۔ اور دعاے خلیل ونوید مسیحا نار تلیط تسلی بخش دہندہ بنکر حضور سید المرسلین نبی قریشی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ حضور اقدس اور پھر آپ کے صحیح جانشینوں" خلفاے راشدین" نے دنیا میں پہلے پہل جس طرز حکومت خلافت عن اللہ وامامت عظمی کی داغ بیل ڈالی وہی تھی ملکوت السماء جو دنیا بھر کے لیے ایک انوکھی اور اچھوتی چیز تھی جسکی نظیر کبھی بنی نوع انسان نے نہ دیکھی نہ سنی۔ اور بظاہر آدمی عقل کے ادراک سے باہر بھی ہے۔ کیونکہ مادی عقل جمع بین الضدین کی قائل نہیں ادھر فوجی وسیاسی اقتدار اعلی کی وہ شان کہ فرعون ونمرود کیان ایران کو بھی حاصل نہ تھی اور اُدھر درویشی وللہیت وترک دنیا اور فقر کی وہ شان کہ الفقر فخری۔ بڑے بڑے تارک الدنیا بھی اُنکے مقابلے سے عاجز۔ کیا یہ اجتماع بین الضدین نہیں ہے۔ حضرت مسیح نامرہا کے معجزات پر سر دُھننے والے اندھے بہرے چشم بینا اور گوش شنوا حاصل کریں اور دیکھیں کہ حضرت مسیح کے سارے معجزات عجیبہ وغریبہ کو ایک پلڑے میں رکھدیا جائے اور دوسرے پلڑے پر حضور محمد رسول اللہ کا فقط یہی ایک معجزہ رکھدیا جائے کہ اُنھوں نے مثال کے طور پر نہ فقط ممکن بلکہ عملًا واقع کر دکھایا اس طرح کہ انتہاے فقر ودرویشی وللہیت وترک دنیا کو، ظاہری انتہائی وعلی اقتدار سیاسی وفوجی کے ساتھ جمع کردیا۔ .... کیا اسکے بعد بھی کوئی شبہ کریگا کہ ان ترازو کے دو پلڑوں میں سے کون سا جھک رہا ہے اور کون سا اُٹھ رہا ہے؟

ملکوت السماء کا قیام

ہی ہے

اصل مدعاے اسلام

جب آپ معلوم کر چکے کہ اصل مقصود اسلام جسکی منادی یحیی وعیسی کرتے تھے اور جسے حضور اقدس اور اُنکے خلفاے راشدین نے (خواہ ابتدائی طور پر ہی سہی) دنیا میں عملًا واقع کر دکھا دیا۔ وہ ملکوت سماوی اور خلافت وامامت والا اقتدار علمی والا ادارۂ کلیہ ہے جسکے فقدان کو آنحضرت نے میتۃ جاہلیہ فرمایا کما فی صحیح مسلم وغیرہ۔ اور حسب پیشگوئی شاید اقدس عربوں نے جنکا خمیر ذہنی بنی اسرائیل ہی سے اٹھایا جاتا تھا) بنی اسرائیل ہی کی راہ پر پڑکر اس ملکوت سماوی کو نہ سمجھا اور خلافت وامامت کی جگہ مالک عضوض ومالک جباریت قائم کرلیا۔ اور اس طرح وہ خود اپنے آپ بھی تباہ ہوئے اور تمام امت پر (امامت وخلافت کے فقدان کے باعث) تفرق واختلاف وتمذہب وتحزب کی بلائیں نازل کر دیں اور آج امت کا شیرازہ اس طرح بکھرا ہوا ہے کہ ؎

مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اسی ظلم کو دور کرنے اور پھر از سرِ نو ملکوت سماوی قائم کرنے یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کرنے کے لیے وہ مصلح اعظم مسیح مہدی آ رہا ہے جس کی پیشین گوئیاں قرآن پاک اور صحف سابقہ الہامیہ و کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں وہ حسب حدیث فاطمی حسنی ہے محمد نامی۔

ظاہر ہے اور ہر شخص عقل سلیم والا غور کر سکتا ہے کہ اتنا بڑا انقلاب عالم یوں ہی چپکے چپکے کیسے آ سکتا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ حسب فطرت الٰہیہ اسکے اسباب پیدا کیے جائیں اور اسکے پہلے چند عظیم انقلاب آویں جو اس انقلاب اعظم کی راہ صاف کریں۔

المسیح الدجال

پہلا انقلاب مسیح دجال یعنی نجات دہندۂ پُر فریب کا ہے۔ یہ اس طرح پیدا ہوا کہ جب عرب بادشاہت نے اسپین کو فتح کر کے علوم و فنون اور تمدن و تہذیب کا تخم یورپ میں ڈالا تو یہ زمین اسکے لیے مناسب ثابت ہوئی وہ بڑھا اور پھلا پھولا مگر اسی شاہ راہ اقدس نے تمام دنیا میں دیکھ لیا تھا کہ وہ کعبۂ فطرت کے گرد گھوم رہا ہے مگر سیدھی آنکھ (دینی و روحانی) کا اخفا ہو کر۔ چنانچہ یورپ نے عربوں سے قرآنی اور اسلامی تعلیم فطرت سیکھی تو ضرور مگر محض مادی ترقی کے متعلق۔

عمومیت و جمہوریت

لہذا وہ ترقی و تہذیب کی آنکھ کھلتے ہی عمومیت و جمہوریت کی طرف جھکا اور روسی کو دنیا کی نجات کا واحد ذریعہ سمجھا۔ حالانکہ آج اُسے تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ عمومیت و جمہوریت و اشتراکیت دنیا کی نجات و سُکھ چین اور امن و امان کے لیے مفید نہیں۔ یہ ایک پُر فریب سنہائی پودہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اگرچہ اس اثنا میں انسانی زندگی کے سیکڑوں مشکلات کے لیے وہ نجات دہندہ مسیحا ثابت ہوا۔ لہذا اسے حدیث میں جہاں فرمایا گیا فقط المسیح الدجال نہ فرمایا گیا بلکہ فرمایا گیا المسیح کے لفظ کے ساتھ اور کبھی المسیح الاعور فرمایا گیا یعنی کانی نجات دینے والا یعنی محض مادی۔ غرضکہ مسیح کا لفظ اُسکا جزو ماہیت ہے۔ اسکے بغیر محض لفظ دجال کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے درحقیقت یہ لفظ صفت تقابلی ہے یعنی ایک حقیقی ہدایت یافتہ نجات دہندہ ہے المسیح المہدی۔ اور اسکے بالمقابل ایک مسیحا ہے اعور مادی ہے۔ اسکی نجات محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ بنی نوع انسان کو اسکی دلفریب خوشنما و آرام دہ (مگر ایمان کش) نئی روشنی اور عمومیت و جمہوریت و اشتراکیت سے کبھی حقیقی نجات، سُکھ چین، اور فلاح و بہبود حاصل نہ ہو سکیگی۔

چنانچہ یہی ہوا۔ اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ یہ ناکام ثابت ہوئی حتیٰ کہ خود یورپ میں اسکا ردعمل شروع ہو گیا و مفکرین و مصلحین اسکے خلاف آواز کسنے لگے۔ اب یہ پردۂ دجلی و فریب اُٹھ رہا ہے اور دوسرا پردہ پُر ہیبت فوجی ساطر کے ساتھ گر رہا ہے اور ایک نظام جدید سا تھ لا رہا ہے۔

یاجوج و ماجوج

یہ میری جدید تحقیق اور غالباً (میرے حد علم تک) سب سے پہلی ہے کہ یہ لفظ دراصل قدیم ایرانی لفظ گورگ مہ گورگ کا معرب ہے یعنی بھیڑیا اور بڑا بھیڑیا۔ قدیم ایران میں منگولین اقوام جاپان وغیرہ اور تاتاریوں کو بھیڑیا کہتے تھے۔ کیونکہ نہایت شریر اور خونخوار اقوام تھے۔ اور اسکے دوسرے مغرب میں جو اقوام یورپ بستے تھے اُنھیں یہ مہ گورگ کہتے تھے مثلاً جرمنی و انگریزی وغیرہ بولنے والی اقوام۔ چنانچہ سُنا کہ لندن کے بلدیہ کے سالانہ جلوس میں یہ دونوں نام کے پُتلے نکالے جاتے ہیں اور ایک پہاڑی میگاگ ہل کے نام سے مشہور ہے۔

غرضکہ انتہائے مشرق کے جاپانی و منگولی و تاتاری و ترکی ہمہ اقسام نسلیں جنکی سب سے بڑی حکومتیں آج مشرق و شمال میں روس و جاپان ہیں، یہ ہیں سب گوگ جسے عرب نے اپنے اوزان پر لاکر یاجوج[1] بنا لیا تھا۔ اور اب رہے معمورۂ زمین کے شمال غربی اور بالکل مغربی اقوام مثلاً جرمن، بلجیم، انگلش، ولندیز (ہالینڈ) ڈچ۔ نارمن گاتھ (عرب انھیں قوط کہتے تھے اور صاحب تاریخ اسپین نفح الطیب فی اندلس الرطیب نے انھیں ماجوج سے قرار دیا ہے دیکھو تاریخ مذکور) یہ ہیں سب ماجوج معرب مہاگورگ۔

(باقی آیندہ)

[1] گوگ مہاگوگ کو بنی اسرائیل کی عبرانی و سریانی زبانوں میں پہلے یوغوغ و ماغوغ کہا گیا۔ پھر عرب جب ملک عرب کے ٹوٹنے پر شمال و شمال شرقی میں کردستان و آرمینیا تک اور تمام شام و عراق میں بس گئے اور نصرانی ہو گئے مثلاً قبائل کلب و تغلب و ربیعہ و غسان وغیرہ تو اس لفظ کو اپنی عربی اوزان پر معرب کر کے یاجوج ماجوج بنا لیا۔ اور اس قدر فصیح عربی ہو گیا کہ ہمارے اکثر و بیشتر علماء کو اسکے عربی ہونے کا شبہ ہونے لگا اور اسکے وہ اشتقاق کرنے۔ ۱۲

بقیہ صفحہ ۵

رتن ناتھ سرشار، نوبت رائے نظر، برج نرائن چکبست، بشن نرائن ابر، جوالا پرشاد برق، دوارکا پرشاد افق، کشن پرشاد شاد کے طول سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ حضرت ساحر ہی تھے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق مرشدآباد پیلیس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون ۔ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر عبدالماجد دریابادی

رجسٹر نمبر اے ۳۹۱

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالمعطی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ ششماہی ؏
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/

نائب حکیم عبدالقوی

مضامین کے بابت خط و کتابت ایڈیٹر سے ہونا چاہئے

صدق
لکھنؤ

نمبر ۲۸ دوشنبہ ۷ ۔ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۴۲ء جلد ۸

سچی باتیں

حدیث کی حجت دینی ہونیکے آپ خدانخواستہ منکر بھی ہوں جب بھی رسول اکرمؐ کے دنیا میں سب سے بڑے حکیم، سب سے بڑے عارف، سب سے بڑے عالم ہونیکے تو بہرحال قائل ہوں گے، اس اعلم الناس، اعرف الناس، اشرف الناس کا قول، حضرت علیؓ کے واسطہ سے حدیث کے ایک مشہور مجموعہ جامع ترمذی میں یہ درج ہے۔ کہ جب میری امت میں یہ پندرہ خصلتیں عام ہوجائیں [خصلت اسے نہیں کہتے کہ کوئی شے کبھی اتفاق سے واقع ہوجائے] تو اس پر آفت یا مصیبت نازل ہوجائے گی ۔ حلّ بھا البلاء ۔ ان پندرہ خصلتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے اِنھیں پڑھتے جائیے اور اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے جائیے ۔

اذا کان المغنم دولاً | جب مال غنیمت جو جہاد میں کافروں سے ہاتھ آتا ہے وہ خود دولت یا سرمایہ بنجائے اور انسان یہ سمجھنے لگے کہ یہ تو میری ذاتی ملک ہے اور اسمیں کسی کا حصہ نہیں

والامانۃ مغنما | اور امانت میں خیانت ہونے لگے

والزکوٰۃ مغرما | اور خدائی ٹیکس زکوٰۃ کو مثل تاوان وجرمانہ کے لوگ اپنے اوپر بار سمجھنے لگیں۔

واطاع الرجل زوجتہ | اور مرد و زن کے درمیان جو صحیح فطری رشتہ ہے، اسے چھوڑکر مرد بجائے اپنی بیوی پر حاکم، سردار، قوام ہونے کے الٹی اس کی اطاعت میں لگ جائے۔

چار علامتیں ہوگئیں اور پانچویں نمبر پر یہ ہو کہ،

وعقّ اُمّہ | حقوق نسواں کے ہنگامہ میں ماں کے حقوق بالکل غائب ہوجائیں، اور لڑکا الٹی نافرمانی اپنی والدہ کی کرنے لگے، ماں کو کوئی حق و اختیار جوان بیٹے کے معاملات و مشاغل میں نہ رہ جائے

وبرّ صدیقہ | اور معاشرہ کا مذاق اتنا بگڑ جائے کہ عزت، محبت

وجفاہ اباہ | دوست احباب کی، کلب والوں کی، رفیقوں، جلیسوں کی تو قائم ہوجائے ۔ اور باپ کی بے توقیری دلوں میں جگہ پاجائے باپ سے علانیہ مقابلہ ہونے لگے ۔

وارتفعت الاصوات فی المساجد | اور مسجدیں جو خشیت الٰہی کی اور طبیعت میں نرمی و انکسار پیدا کرنے کی جگہیں ہیں، الٹی طوفان بے تمیزی کا مرکز بن جائیں وہیں ہنگامہ اور ہلڑ ہونے لگے، عبادت کی جگہ رعونت، اور خود خفائی کی جگہ خود نمائی لے لے ۔

وکان زعیم القوم ارذلھم | اور جو اپنے کردار کے لحاظ سے بدترین ہو، اپنے خصائل و اعمال کے اعتبار سے رذیل و خوار ہوں وہ قوم کے لیڈر بن جائیں اور ملت کی نمائندگی کا دعوی کرنے لگیں۔

واکرم الرجل مخافۃ شرہ | اور تعظیم کا معیار یہ نہ رہ جائے کہ فی الواقع وہ شخص قابل عزت ہے بلکہ محض یہ ڈر ہوجائے کہ اگر تعظیم میں کمی کی گئی تو وہ شخص نقصان پہونچائے گا ۔

وشربت الخمور | اور شرابیں چھپ کر بھی اور علانیہ بھی گھروں میں ہوٹلوں میں، دعوتوں میں، جلسوں میں، اصلی ناموں یا بدلے ہوئے لیبلوں کے ساتھ پی جانے لگیں

ولبس الحریر | اور مردوں کو ریشمی لباس پہننے میں کوئی جھجک نہ باقی رہ جائے۔

واتخذت القیان والمعازف | اور گانے والیوں اور باجے گاجے کا دور دورہ ہوجائے کوئی شرم و رسوائی ان دلچسپیوں میں باقی نہ رہے ۔ یہ دلچسپیاں معاشرہ کا جزو بن جائیں۔

ولعن آخر ھٰذہ الامۃ اولہا | اور اس امت کا پچھلا حصہ اپنے پہلے حصہ پر لعنت کرنے لگے، بعد کی نسلوں کی زبان اپنے اسلاف کی مذمت و ہجو پر بے تکان چلنے لگے، اور کوئی دقیقہ بڑوں کی عیب چینی کا چھوٹوں کی زبان سے اٹھا نہ رہے! ---

نقشہ "مستقبل" کا جو کھینچا گیا تھا "حال" اس پر لفظ بہ لفظ منطبق ہو رہا ہے یا نہیں؟ پیشین گوئی کا کون سا جزو صادق آنے سے رہ گیا ہے؟

ترقی پسندوں کی رجعت

:- پٹنہ کیم نومبر طلبہ کی شوریشوں کے مسئلہ میں حکومت صوبہ بہار کے تازہ ریزولیوشن کا اقتباس:-

"اسکولوں کے انسپکٹر جن سے مشورہ لیا گیا تھا ان سب نے متفقہ رائے یہی دی ہے کہ جسمانی سزا کو پھر سے جاری کیا جائے . . . .

حکومت صوبہ بہار نے جو نئے ضابطے جاری کیے ہیں ان میں علاوہ جرمانہ، اخراج وغیرہ کے جسمانی سزا کی بھی منظوری دی ہے، البتہ انسپکٹروں کو اس کا نگران قرار دیا ہے کہ کہیں اس میں بہت زیادتی نہ ہو جائے۔"

پائنیر (۱۷ جولائی سنہ ۴۳ء) کے صیغۂ مراسلات میں ایک ماہر تعلیم کے طویل مراسلہ کا اقتباس:-

"میں کیسا ہی دقیانوسی خیال کا اور جمود پسند ہی کیوں نہ قرار دیا جاؤں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ڈسپلن کے معیار میں موجودہ انحطاط بڑی حد تک نتیجہ ہے اس کا کہ محکمہ نے جسمانی سزا کا حق استادوں سے سلب کر لیا ہے۔ مجرم کے لیے فہمائش، جرمانہ وغیرہ کی سزائیں سب غیر موثر و ناکافی ہیں، اس پر اگر اثر ہو سکتا ہے تو بید اور چھڑی کا۔ انگلستان اور امریکہ تک میں با این ہمہ ترقی و تمدن، اسکولوں میں بید بالکل ممنوع نہیں قرار پا گیا ہے . . . . .

"میں جدید نظریات تعلیم سے واقف بھی ہوں اور ان کا حامی بھی لیکن اس کا ہرگز قائل نہیں کہ بید کی سزا کو بالکل ہی ممنوع قرار دیدیا جائے . . . . ہیڈ ماسٹر کو اس کا اختیار تمیزی ہونا چاہیے۔ بید کا خوف بجائے خود ایک مانع کا کام دیتا ہے، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ اسکولوں میں ڈسپلن کی حالت سزائے بید کے اجرا کے زمانہ میں کیا تھی، اور اس سزا کی منسوخی کے بعد سے کیا ہو گئی ہے۔"

اور اس کی تائید پائنیر (۹ اگست) ہی میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج کے پرنسپل نے کی ہے ---- تو خلاصہ یہ کہ ماہرین تعلیم کی جدید ترین تحقیق اب پھر اسی قدیم تعلیم کی طرف لوٹ رہی ہے کہ لڑکوں کی تادیب کے لیے ان پر جسمانی سختیاں جرم اور حرام نہیں۔ اور جور استاد کوئی ویسا ہوّا نہیں جیسا کچھ روز پہلے افراطِ روشن خیالی سے فرض کر لیا گیا تھا

مولوی کی سادہ دلی

:- مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری فرقۂ اہلحدیث کے ایک ممتاز و نامور عالم دین ہیں، اپنے جریدہ اہلحدیث میں اپنے نام کے ساتھ ایک نوٹ "جنگ کے متعلق ایک لمحۂ فکریہ" کے عنوان سے حال میں تحریر فرمایا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔

"مجھے کئی دنوں سے ایک خیال پریشان کر رہا ہے کہ یورپ کی جنگ میں جتنا وقت لگے گا اس میں شک نہیں کہ یہ مصیبت کا زمانہ ہوگا۔ ایسی مصیبت اور بے چینی میں زن و مرد کا ملاپ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ملاپ مذکور خاص فرحت اور مسرت پر مبنی ہے۔ پس اتنے لمبے عرصہ تک نسل انسانی کی ترقی رکنے سے یورپ کی آئندہ مردم شماری پر کیا اثر ہوگا کچھ قتل سے کچھ عدم ولادت سے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔"

مولانا کی اس دردمندانہ تحریر سے صاف عیاں ہے کہ خدا شناسی میں ان کا مرتبہ جو کچھ بھی ہو، لیکن شیطان شناسی میں یقیناً وہ کورے ہیں! انہوں نے جو صورت حال اپنی سادہ دلی سے فرض کی ہے، واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جنگ کے زمانہ میں شرح ولادت گھٹتی نہیں اور بڑھ جاتی ہے، کم از کم یورپ کا تجربہ تو یہی ہے۔ البتہ حرام حلال کی بحث میں نہ پڑیے، اور اس کا کھوج نہ لگائیے کہ ولادتیں ناجائز کتنی ہوتی ہیں اور جائز کتنی۔ "بن بیاہی مائیں" یہ اصطلاح تو خاص تحفہ ہے گزشتہ جنگ عظیم کا۔ اور ایسی ماؤں کی پوری پوری آبادیاں ہر ملک میں موجود ہو گئیں۔ باقاعدہ فوج کے ساتھ ساتھ ایک دوسری باقاعدہ فوج پیشہ ور بیسواؤں کی چلتی ہے، اور بیسوائیں بھی کیسی، ذلیل ترین قسم کی، ایسی کہ تفصیلات سنیے تو جی مالش کرنے لگے، اور فوج کی وردی تو ایسی جنسی کشش رکھتی ہے کہ ہر وردی پوش سپاہی پر عورتیں ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی ہیں!

پھر جنگ نے تمدن مغرب کی جو نئی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں، مثلاً راتوں میں روشنی کا گل ہونا (بلیک آؤٹ) یا پناہ گاہوں میں مرد و عورتوں کی یکجائی، ان سب چیزوں نے تو مل ملا کر یورپ کی بہیمانہ نفس پرستوں پر جو تھوڑے سے بہت بند باقی تھے، انہیں بھی توڑ پھوڑ کر الگ کر ڈالا ہے، اور اب شیطان اور یورپ کے درمیان کوئی ہلکی سی آڑ بھی حائل نہیں۔

یوم حسینؓ

حیدرآباد دکن سے ایک مخلص لکھتے ہیں:-

"اخبار مدینہ جلد ۳۱ نمبر ۵، میں یادگار حسینی سے متعلق جو طویل مضمون خانقاہ تھانہ بھون کی طرف سے شایع ہوا ہے اس میں آپ کو بھی لپیٹا گیا ہے۔ اسکے متعلق آپ صاف اعلان کر دیں کہ یادگار حسینی کی اس ہیئت کذائی سے آپ کو بھی ہرگز اتفاق نہیں۔"

جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ ایک تو اصل فتوے ہے تھانہ بھون کا تحریک یادگار حسینی سے متعلق۔ اسکے اکثر و بیشتر اجزاء سے تو صدق کو تمام تر اتفاق ہی ہے، اور بعض اجزا ایسے ہیں جنکے باب میں صدق کوئی رائے نہیں رکھتا۔ بہرحال مخالفت اسکے کسی جزء سے بھی نہیں۔ لیکن اس فتوے کی تمہید میں جو عبارت نوٹ (ملہ) کے عنوان سے الحاق کی گئی ہے، اور جو یقیناً نہ جزو فتوے ہے، اور نہ مفتی کے قلم سے ہے،

وہ ایک نمونہ ہے تلبیس اور افترا پر جرأت کا! اس الحاقی عبارت کا مزید اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"مدیر صدق عرصہ سے اپنے اخبار کے ذریعہ شیعوں کی یادگار حسینی کی موافقت میں پروپیگنڈہ فرما رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ۱۸ مئی ۴۲ء کے صدق میں تو انھوں نے اپنے مخصوص نوٹ میں یادگار حسینی کی پر زور توصیف فرمائی ہے۔۔۔۔۔ انشاء اللہ مدیر صدق نے اس شیعی گندگی کو اپنے اخبار کے ذریعہ جتنا اچھالا ہے، اور امت کی تخریب جس قدر فرمائی ہے، اب اسکے کفارہ میں کم از کم اتنی اشاعتوں میں اپنے مخصوص مضامین سے تعمیری اور تبلیغی خدمات انجام دینگے۔۔۔۔۔ اور بالا علان اپنے تحریرات کی تردید فرمائینگے، اور یادگار حسینی سے اپنی برأت شائع کریں گے"

یہ تسلیم کہ انسان جب خدا اور آخرت سے بالکل بیخوفی پر آمادہ ہو جائے، تو یقیناً اس سے بھی زیادہ جرأت "تصنیف" اور "اختراع" اور "خلاقی" کی لا سکتا ہے، لیکن اسکی مثال تو شاید "تلاش" سے بھی نہ مل سکے کہ حضرت شیخ زمانہ محقق یگانہ "حکیم الامت" کے ساتھ انتہائی خلوص و عقیدت کا دعوےٰ رکھکر بھی قلم اتنا بیباک اور دیانت و صداقت سے اس حد تک بے نیاز ہو!

اس "شیعی گندگی" کو آخر صدق میں کب کب اچھالا گیا ہے؟ اسکی "پرزور موافقت میں" "پروپیگنڈا" اور وہ بھی "عرصہ تک" صدق کی کن کن اشاعتوں میں ہوا ہے؟ "حتیٰ کہ" ۱۸ مئی کے پرچہ میں اسکی "پرزور تعریف" عام و مطلق طور پر کن الفاظ میں کی گئی ہے؟ —— کیا مکائد فرقۂ شیعہ کا نوٹس پڑھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ خود وہ بھی اُسی رنگ میں رنگ جائیں؟ ۱۸ مئی کے پرچہ میں تو صرف یہ تھا، اور وہ بھی ایک مراسلہ نگار کے متعین سوالات کے جواب میں، کہ

"تحریک اگر صحیح اصول پر ملتی رہے اور کارکن اُسے اچھے ملتے رہیں، تو یہ تو عین بدعات محرم کو مٹا دینے والی ہے۔ حسینؓ روافض کے کہاں سے ہوگئے؟ وہ تو خاص الخاص ہمارے ہیں۔۔۔۔ حسینؓ کی یادگار تو عین صحابی رسول کی یادگار ہے۔ آخر اکابر اہل سنت نے حضرتؓ کا ذکر صحابہ ہی کی فہرست میں نہیں انبیاء کے ساتھ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اسد الغابہ وغیرہ"

یہ عبارت انتہائی نمونہ ہے صدق کی موافقت تحریک کا (جیسا کہ گمنام تمہید نویس کے لفظ "حتیٰ کہ" سے واضح ہے)۔ لیکن اس میں بھی کون سا لفظ منافی ہے عقائد اہل سنت کے یا ملفوظات تھانہ بھون کے؟ —— بہرحال یہ الحاقی تمہید تو کسی حد تک قابل لحاظ بعد التفات ہے، بالکل ظاہر ہے۔ البتہ خود حیدرآباد کے مخلص مراسلہ نگار کی اطلاع کے لیے ایک بار پھر عرض ہے کہ یوم حسینؓ اُسی درجہ کی چیز ہے جیسے یوم صدیقؓ، یوم فاروقؓ وغیرہا۔ اگر صحیح طریق عمل قائم رکھا جائے (جیسا کہ حیدرآباد کے جلسوں اور تقریروں سے ظاہر ہو رہا تھا) تو یہ یوم بھی اُنھیں ایام کی طرح بڑا مفید و بابرکت ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس میں اُن مشرکانہ خرافات و فرنگیانہ بدعات کا اضافہ کر دیا گیا، جنکا ذکر ملفوظات تھانہ بھون میں ہے (از مدیر صدق کے علم

میں قطعاً اسوقت تک نہ تھیں) تو ظاہر ہے کہ علمائے اہل سنت کا تو ذکر نہیں، خود شیعوں کا صاحب علم و فہم طبقہ اس سے تبرّی و بیزاری کے اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مغرب کی مشرقیت

"حریتِ نسواں کے علم برداروں کو اس پڑھ کر غصہ دلانے والی چیز اور کوئی نہیں۔ چاہے اس حقیقت کو کیسے ہی نرم الفاظ میں ادا کیجیے کہ باپ کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی کر دے"
(صفحہ ۴ مستقبل نسواں Future of woman)

الفاظ کسی دقیانوسی مشرقی کے نہیں، جدید و جدت نواز فرنگی کیپٹن اے ایم لڈوویسی (Ludovici) کے ہیں! لڑکی کے لیے شوہر ڈھونڈھنا، یہ تو اب تک خاص مشرقی انداز فکر تھا، یہ کیا کہ فرنگی دانشمند بھی اسکو اپنے سارے فرائض پر مقدم رکھنے لگے —— کالجی تعلیم، آزادانہ تربیت، خود لڑکی کی آزادانہ قوتِ انتخاب، ان سب پر!

ذکر صحابہؓ پر بندش

روزنامہ حقیقت (لکھنؤ) کے ایک مراسلہ نگار کے حوالہ سے ایک افسوسناک خبر پر تبصرہ صدق ۲۷ میں "ذکر صحابہؓ پر بندش" کے زیر عنوان درج ہوئی تھی۔ اب حقیقت ہی میں ایک دوسرا مراسلہ علی حسن کے نام سے حسب ذیل شائع ہوا ہے:۔

"جناب من۔ ۲۶ اکتوبر کے حقیقت میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ دہلی میں شیعوں کا ایک وفد گیا اور ریڈیو کے منتظمین سے مل کر مدح صحابہ کا پروگرام منسوخ کرا دیا۔ یہ خبر سراسر غلط ہے۔ لکھنؤ سے شیعوں کا کوئی وفد نہیں گیا۔ نہ ریڈیو کے منتظمین سے شیعوں کا کوئی وفد یا فرد ملا"

خدا کرے یہ تردید لفظاً و معناً ہر طرح صحیح ہو۔ ایک بڑا فتنہ جو پیدا ہو رہا تھا بحمد اللہ اس تردید سے دب گیا —— ذکر صحابہؓ اپنے برادران اہل سنت سے ایک بار پھر بہ ادب عرض ہے کہ ذکر رسولؐ ہی کی طرح، گو اس سے ایک درجہ اُتر کر، بڑی ہی لذیذ و مفید چیز ہے، اور جس طرح ہمارا فرض یہ ہے کہ پیکر حقیقت اور صداقت مجسم رسولؐ کے واقعات زندگی کو بہترین اور دلچسپ ترین انداز کے ساتھ غیر مسلموں تک پہونچائیں، اُسی طرح ہمارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ رسول کے ایثار مجسم، پیکر اخلاص صحابیوں اور فدائیوں کے تذکرہ کو ایسا خوشگوار بنا دیں کہ اغیار روا جانب اس سے بھڑکیں نہیں، خود بڑھ بڑھ کر اسکے سننے کی تمنا کریں!

[یہ شذرہ پریس میں جا ہی رہا تھا کہ اہل سنت میں سے کسی گمنام صاحب کا صدق کے پچھلے نوٹ کے شکریہ میں ایک شیعہ اخبار کے ایک تراشہ کے ساتھ پہونچا، جس میں خود اس تردید کی تردید ہے! گویا اب حقیقت پھر مشتبہ ہو گئی۔ مکتوب نگار کو قدرۃً غصہ بہت آیا ہے۔ لیکن انکی خدمت میں عرض ہے کہ اشتعال انگیزی کا علاج اشتعال پذیری نہیں، بلکہ ہوشمندی سے فتنہ کے

"شہادۃ حسنیٰ"[1]

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہٗ کا نشریہ نشرگاہ حیدرآباد سے)

[مولانا کا یہ مقالہ ایک مدت سے گنجائش کے انتظار میں رکھا ہوا تھا۔ اب ادارتی مقالہ کو روک کر اسے شائع کیا جا رہا ہے]

نمبر ۱

محرم کی دسویں تاریخ جسے عربی میں یوم عاشوراء کہتے ہیں اگرچہ اس عجیب دن میں موسیٰ کی قوم موسیٰ کو فرعون سے نجات ملی روزہ اس کی یادگار ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا اور امت سے چاہا کہ اس میں روزے رکھیں۔ اپنے ہتھیاروں کے کرتب حبشیوں نے مسجد نبوی کے صحن میں جیسا کہ امام محمد کی موطا میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دن دکھایا اسی یاد میں مسلمان شاید ہمیشہ سے اسی دن ورزشی کرتبوں کی مشق کو تازہ کرتے ہیں اہل و عیال کے کھلانے پلانے میں فراخی سے کام لیا جائے بعض روایتوں میں جن کی بعض محدثین نے تحسین بھی کی ہے اس کا ذکر ہے۔ حلیم شاید اس کی یادگار ہے تاکہ ہر چیز میں برکت ہو سال بھر میں عموماً جو چیزیں کھائی جاتی ہیں سب ہی کو ملا کر پکاتے ہیں

لیکن نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ عالم کی تاریخ میں جس زہرہ گداز جاں گسل روح فرسا۔ ہوش ربا جگرخراش سانحۂ فاجعہ نے اس دن کے امتیاز کو اپنی خاص نوعیت کے اعتبار سے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں نمایاں کر دیا ہے وہ وہی سانحۂ عظمیٰ ہے جسے سب جانتے ہیں سب مانتے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیسے جانتے ہیں کیسے مانتے ہیں۔ آج عقل نے تاریخ سازی بلکہ تاریخ تراشی کا جو معیار قائم کیا ہے شاید اس معیار کی بے معیاری کے لئے یہی واقعہ کافی ہے جو کچھ چاہے وہی ہو اور جس کے چاہنے سے سب کچھ ہو رہا ہے وہ نہ ہو کر ملا کے بعد بھی عقل کا یہ فیصلہ کیا عقل ہی فیصلہ باقی رہتا ہے۔ مجھے آج اس داستان الم حدیث درد کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ واقعات زیادہ تر الطبری اور ابن قتیبہ دینوری الفخری جیسی معتبر تاریخوں سے ماخوذ ہیں جن میں الطبری و ابن قتیبہ کا تاریخ ہی نہیں حدیث و فقہ میں بھی پایہ بہت بلند ہے۔

روئے زمین پر قیامت تک باقی رہنے والے اور ہر زمانہ ہر عصر کے ماحول پر منطبق ہونے کی صلاحیت رکھنے والے "الدین" کے ساتھ عرب عراق شام و مصر افریقہ ایران ترکستان وغیرہ عظیم الشان ممالک و اقالیم والی "الدنیا" کے دینے والے سارے جہان کے سب سے بڑے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روپوشی پر بمشکل پچاس سال گزرے تھے کہ (۱) مسلمانوں کی کمائی ہوئی دولت ان سے چھین لی گئی جس کا مال تھا وہ بھوکے مرتے تھے اور جس کا حصہ اس مال میں ایک معمولی مسلمان سے زیادہ نہ تھا اس کے کتوں کو سونے کے زیور پہنائے جاتے تھے زرنگار طوق بندروں کے گلوں میں باندھے جاتے تھے ہر کتے اور ہر بندر کی خدمت کے لئے ایک ایک مستقل خدمتگار نوکر تھا۔ (الفخری)

(۲) رسول کے پاک شہر مدینہ کو لوٹنے کے لئے مسلمانوں کے اس مال سے ایک فوج بھیجی گئی اتنی بڑی فوج جس کی رسد کا سامان صرف دس ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ (الامامۃ والسیاسۃ الدینوری)

(۳) کیا یزید بن امیر المومنین کے ہاتھ پر اور جو بھی ان کے بعد ان کا جانشین ہو اس شرط کے ساتھ بیعت کرتے ہو کر تمہاری ساری جائداد اور سارا مال، تمہارا خون تمہاری اور تمہارے بال بچوں کی ساری جانیں سب یزید کے تصرف میں ہوں گی وہ جو چاہیں اس کے متعلق فیصلہ کریں اسی مطالبہ کے ساتھ مدینۃ الرسول کے حدود پر فوج آ کر کھڑی ہو گئی (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۳۳ ج ۱)

(۴) پھر رسول کا پاک شہر مدینہ قتل عام کے اعلان کے ساتھ مسلسل تین دن تین رات تک لوٹا گیا جس میں دس ہزار عام مسلمان اور اسی افراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان پاک صحابیوں کے تھے۔ جن کو موسیٰ پیغمبر (علیہ السلام) نے اپنی کتاب میں ملائکہ قدوسیوں کا نام دیا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن میں جن کے ساتھ اللہ نے اپنی رضامندی کا اعلان کیا تھا۔ گھروں سے گھسیٹ گھسیٹ کر صحابیوں کی اولاد نکالی جاتی تھیں اور سر قلم کیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے دن جس صحابی کے ہاتھ میں فتح کا پرچم تھا ان کو ستو پلایا گیا اور پھر یہ کہتے ہوئے "ما تبولہا من فنا تنک ابدا" اپنے خانہ سے اسے پیشاب بنا کر تو نکال نہیں سکیگا اور گردن اڑا دی گئی اس لئے کہ ابوسعید خدری مشہور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا اثاثہ حوالہ نہیں کیا تھا اس بوڑھے صحابی کی داڑھی نوچی گئی منہ پر تھپڑ مارے گئے اور اس تک جو انکے گھر میں تھا لوٹ لیا گیا۔ کبوتر کا ایک جوڑا تھا، ظالموں نے اسکو بھی نہیں چھوڑا۔ فی سر انعام کا اعلان تھا۔ کٹ کٹ کر مسلمانوں کے سر گرتے تھے اور انعام تقسیم ہوتا تھا۔ سعید بن المسیب تابعی تنہا آدمی تھے جو مسجد نبوی میں نماز اسوقت ادا کرتے جب جاء وقت الاذان اذا نا رکا خرج من قبل القبر الشریف رسول اللہ

[1] اس عنوان سے مدت ہوئی میرا ایک مضمون شائع بھی ہو چکا ہے اور مختلف صورتوں میں لوگ اسے کبھی کبھی چھاپتے بھی رہتے ہیں وہ مضمون بہت طویل و بسیط ہے۔ پندرہ منٹ کی ریڈیو کی اس تقریر میں ظاہر ہے کہ بسط کا موقع کیا تھا تاہم حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ واقعات کربلا اور اسکے لوازمات کے متعلق مدت سے خیال تھا کہ صحیح تاریخی وثائق جمع کیے جائیں۔ اس مضمون کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ چند نمایاں چیزیں ایک خاص ترتیب سے اس میں جمع ہو گئی ہیں۔ اسوا اسکے شہادت حسین علیہ السلام سے صرف حق و باطل کے مقابلہ کے ایک ہی نتیجہ کو بار بار دہرانا عبرت و بصیرت کے جو گوناگوں پہلو اس واقعہ سے پیدا ہوئے ہیں انکو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے باوجود اختصار تام کے بحمداللہ ان پہلوؤں کی بھی چند نمایاں امثات اس مضمون میں آ گئی ہیں۔ کوئی صاحب الگ رسالہ کی شکل میں شائع کریں تو کم از کم چند

صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی طرف سے اذان کی آواز اذان کے وقت آتی (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۲۸ ج ۱)

(۵) اس کارنامہ کی خبر ان الفاظ کے ساتھ بھیجی گئی "امیر المومنین کے کسی آدمی کو چشم زخم نہ پہونچا، دشمن یعنی مدینہ والوں کو ظہر کے بعد قابو میں کر لیا گیا، لیکن پھر بھی جی بھر کر قتل عام اور شدید خوں ریزی کے بعد ہم نے لوگوں کو ان کی لاشوں پر چھوڑ دیں۔ جس نے جہاں کا اسے ختم کر لیا گیا۔ اور تین دن تک ہم نے خوب لوٹ مار مچائی" (الامامۃ۔ ص ۲۳۴ ج ۱) خط کے ساتھ شرفائے مدینہ کے سروں کا تحفہ بھی بھیجا گیا۔ جب سروں کا ڈھیر سامنے پیش ہوا تو (لیت اشیاخی ببدر شہدوا جزع الخزرج من وقع الاسل لاہلوا واستہلوا فرحا۔ ولقالوا یا یزید لا تشل) کاش بدر میں جو ہمارے بزرگ شہید ہوئے، وہ آج اس تماشہ کو اگر دیکھتے تو خوشی کے مارے اچھل پڑتے اور کہتے کہ یزید تیری ہمت کبھی پست نہ ہو (بر حاشیہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ) آج جو ان اشعار کے ساتھ پاکوبان و دست افشاں غزلخوانی میں مصروف ہے اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن رسول کے شہر پر قبل اسکے کہ ظلم کا یہ پہاڑ ٹوٹے وہ یہاں نہیں تھا۔ جسکی زبان مبارک سے ایک جگہ نہیں تقریباً ہر منزل اس راہ کی ہر منزل پر جہاں جانے کے لیے وہ تیار ہو چکا تھا سنا جا رہا تھا۔

(۱) لوگو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حکومت پر جب ایسی ہستی قابض ہو جائے جسکا کام صرف جور و ظلم ہو، اللہ نے جن باتوں کو حرام کیا ہے انھیں اس نے حلال کر لیا ہو، اللہ کے عہد کو توڑ چکا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چھوڑ چکا ہو، اللہ کے بندوں کے ساتھ صرف زیادتی اور ظلم کا برتاؤ کر رہا ہو، ایسی صورت میں پھر جو اپنے کردار سے یا اپنے گفتار سے اسے نہ ہٹائے تو خدا کا قانون ہے کہ اسے اسی نتیجہ تک پہونچائے جسکا وہ مستحق ہے۔ دیکھو! شیطان کی پیروی پر وہ اصرار کر رہے ہیں، "الرحمٰن" کی فرماں برداری کو چھوڑ چکے ہیں، بگاڑ اور فساد کے چہروں سے نقاب الٹ چکے ہیں، اللہ کے مقررہ حدود و قوانین کو معطل کر بیٹھے ہیں اور مسلمانوں کی آمدنیوں کو اپنا ذاتی مال بنا لیا ہے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر چکے ہیں۔ میں اسکا زیادہ مستحق ہوں کہ اس حال کو بدل دوں، میں حسین بن علی اور فاطمہ بنت رسول کا بیٹا ہوں" (الطبری ص ۲۲۹ ج ۶) علیہم الصلوات والتسلیمات)

(۲) لوگو! میں اللہ کی کتاب اور تمہارے نبی کی راہ کی طرف بلا رہا ہوں، نبی کی سنت اور طریقہ کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے، خود تراشیدہ طریقے زندہ کیے گئے ہیں، پس اگر میری بات سنو گے اور میرا حکم مانوگے تو تمھیں سیدھی راہ پر لے چلوں گا (الطبری)

(۳) دیکھو اور حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے، باطل اور جھوٹ سے لوگ نہیں رک رہے ہیں، ... راستبازی اور حق کی حمایت کرتے ہوئے چاہیے کہ ایمان والے دیدار الٰہی کی باریابی کا شوق دلوں میں پیدا کریں، لقاء اللہ کی طرف راغب ہوں، میرے خیال میں صرف شہادت (اور دربار الٰہی کی حضوری) ہے اور جرائم پیشہ ظالموں میں رہنے کا انجام صرف ندامت اور شرمندگی ہے (الطبری)

(۴) الزام دیا گیا ہے کہ "تم مسلمانوں کو باہم جدا کرتے ہو، اگر باز آجاؤ تو تمھیں امن دیا جائیگا" گورنر مکہ کی اس چٹھی کا جواب دیا گیا:-

اللہ اور رسول سے وہ قطعاً جدا نہیں ہو سکتا جو اللہ ہی کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہو اور سلجھے ہوئے صالح کام کرتا ہو۔ جن لوگوں نے اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دیا ہے ان ہی میں میں آپ کو بھی یقین کرتا ہوں تم نے امن کا لالچ دیا ہے، اور پناہ وہی ہے جو خدا کا امان اور خدا کی پناہ ہو قیامت کے دن اسی کے لیے پناہ نہیں ہے جو دنیا میں خدا سے نہ ڈرا۔ میری خدا سے التجا ہے کہ دنیا میں اپنا خوف عطا کرے کہ قیامت کے دن امن و حفاظت کی ضمانت صرف یہی ہے۔ (الطبری)

(۵) وہی مہینہ جس میں ابراہیم کو منیٰ میں بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جن دو نواسوں کو بیٹا کہکر پکارا تھا، ان ہی میں سے انکا ایک بیٹا ابراہیم کی قربانی کے دو دن پہلے سے جسے یوم الترویہ کہتے ہیں، طاف الحسین بالبیت وبین الصفا والمروۃ وقص من شعرہ وحل من عمرتہ ثم توجہ نحو الکوفۃ وتوجہ الناس الی منیٰ (الطبری۔ ص ۲۱۷ ج ۱) طواف کیا حسینؑ نے بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا، بال ترشوائے اور عمرہ اپنا کھول دیا۔ پھر وہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور لوگ منیٰ کی طرف)

(۶) راہ میں روکنے والوں نے روکنا چاہا۔ کبھی ارشاد ہوتا کہ جو کچھ تم کہ رہے ہو میں بھی یہی سمجھتا ہوں، ولکن اللہ لا یغلب علی امرہ۔ ص ۱۲۶ طبری (لیکن خدا کی بات پر کوئی غالب نہیں آسکتا) یہ بھی ارشاد ہوا اگر ان کیڑے مکوڑوں کے کسی سوراخ میں جا کر چھپ رہوں تو خدا کی قسم ہے مجھے اس سوراخ سے بھی یہ کھینچ کر نکالیں گے اور اپنی خواہش پوری کریں گے اسی طرح جیسے یہود نے سبت کے دن کے احترام پر حملہ کیا۔

(۷) جب زیادہ اصرار کیا گیا تو ارشاد ہوا میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، جس میں مجھے ایک امر کا حکم کیا گیا ہے" امرت فیہا بامر انا ماض لہ" مجھے چاہیے کہ اسے کر گزروں پوچھا گیا کیا خواب ہے؟" میں نے آج تک اس خواب کا کسی سے ذکر نہیں کیا اور نہ آئندہ تذکرہ کرونگا تاکہ اپنے رب کے لقا اور وصال سے سرفراز ہو جاؤں (الطبری۔ ص ۲۱۹ ج ۶)

(۸) سواری مبارک صحرا کو قطع کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اقبل الحسین مغذا لا یلوی علی شیٔ (حسینؑ جیسے سیلاب بڑھا چلا آرہا تھا۔ اور وہ کسی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے) راستہ میں فرزدق مشہور کوفہ کا شاعر ملتا ہے پوچھتے ہیں تیرے پیچھے کیا حال ہے؟ "دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ" فرزدق جواب دیتا ہے۔ ارشاد ہوا "بات سچی ہو یا جھوٹی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میرا مالک ہر دن نئی شان میں رہتا ہے۔

تعلیم و اشاعت قرآن
(۱)

(ماہنامہ دارالسلام کے استفسار کے جواب میں مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ کا مقالہ۔ صدق علاوہ کا مشغلہ، و تحریک قرآنی پیش نظر کرلیا جائے)

جناب محترم مدیر صاحب مجلہ دارالاسلام مکرم اللہ تعالیٰ و عافاکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ موسم گرما کی طویل چھٹیوں میں خاکسار اپنے وطن گیلانی (بہار) میں گیا ہوا تھا۔ گشت کرتا ہوا آپ کا پرچہ "دارالاسلام" آپ کے ایک عنایت نامہ کے ساتھ گیلانی ہی میں ملا تھا۔ لیکن بعض دقتوں نے جواب کا موقع نہ دیا۔ نیز کچھ ان امور میں مشورہ دینے کا اپنے آپ کو مستحق بھی نہیں سمجھتا۔ قلت اہلیت کے سوا زیادہ خوف ان معاملات میں لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کا ہے جس کا مقت رب رحمٰن کے پاس آپ جانتے ہیں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے لیکن جب آپ کا دوسرا پرچہ آیا اور اس میں دیکھا کہ چند ارباب بصیرت کے ساتھ بعض اکابر دین کی طرف سے آپ کو جواب دیا گیا ہے تو خیال آیا کہ جواب نہ دینا شاید بزرگوں کی راہ سے ہٹنا ہے۔ اس لیے جو خیالات اس سلسلہ میں رکھتا ہوں وہ عرض کرتا ہوں۔ و باللہ التوفیق۔

بہرحال سنیے کہ۔ ادھر کچھ دنوں سے ہندوستان کے مختلف گوشوں سے قرآن قرآن کی صدائیں مختلف لب و لہجہ کے ساتھ اٹھائی جا رہی ہیں۔ ذاتی تجربات کی بنیاد پر خصوصاً حیدرآباد میں رہنے کی وجہ سے ان تجربات کا زیادہ موقعہ ملتا رہتا ہے۔ عموماً ان آوازوں کے پیچھے مجھے کلمۃ حق ارید بہا الباطل کا راز چھپا ہوا ملا۔ اور الباطل بھی ادنیٰ درجہ کا۔ نو کروڑ مسلمانان ہند کے متعلق عموماً یہ خیال گزرتا ہے کہ با ایں ہمہ جہل و غفلت پھر بھی انکی بڑی تعداد ناظرہ قرآن اور اردو پڑھنے کا سلیقہ اپنے اندر رکھتی ہے اس لئے صرف بجا نہیں بلکہ قرآنی تحریکات کے بانیوں سے معلوم ہوا کہ کتابوں کی تجارت میں اس وقت بھی سب سے زیادہ فائدہ کی توقع قرآن اور قرآنی پاروں کی اشاعت میں ہے۔ پڑھے لکھے مسلمانوں میں مشکل ہی سے کوئی ہوگا جو اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک دو قرآن اپنے لیے، اپنے بال بچوں کے لیے، اپنے لڑکوں کے لیے، لڑکیوں کے لیے نہ خریدتا ہو۔

جہاں تک مجھے باور کرایا گیا ہے، یہی معلوم ہوا کہ زیادہ تر ان بلند آہنگیوں کے پیچھے کتابی تجارت کا ہی سیکرٹ (بھید) مستور ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ ان تجربات نے اب مجھے اتنا بدگمان کر دیا ہے کہ جب قرآن کا نام لیکر کوئی اٹھتا ہے تو خدا معاف کرے میرا ذہن اسی بدظنی کے مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ تھک کر اب یہ تجویز سوجھی ہے کہ سننا ہی چھوڑ دوں۔ کم از کم اس کا اتنا فائدہ تو ہوگا کہ مسلمانوں کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو کر خوامخواہ سوئے ظن کا گنہگار تو نہ بنوں گا۔ جسکا یہ حال ہو شاید وہ معاف کیا جائے۔ اگر ان تحریکات سے الگ رہنا چاہتا ہو۔ سچ پوچھیے تو آپ کے خط چھوڑنے کے باوجود ارادہ یہی تھا کہ حسب دستور دم سادھے رہوں۔

لیکن وہی بات ہے بعض مخلصین کی طرف سے جب نظر ثانی کرا کے آپ کو جواب دیا گیا ہے تو خیال آیا کہ شاید آپ کی تحریک کو اس بدگمانی سے الگ رکھنا چاہیے جس میں میرے تجربات نے مجھے پہونچا دیا ہے۔

بہرحال مجھے اس پر تعجب ہوا کہ قرآن کی اشاعت [illegible] کے لیے آپ کو مولانا محمد علی نور اللہ مرقدہ کے کلام سے حجت پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ کیا یہ مسئلہ بھی محتاج حجت و استدلال ہے؟ مجھے مولانا مرحوم جیسا کہ انکا حال تھا وقتی جذبات سے متاثر ہو کر جس وقت جو خیال ان پر مسلط ہو جاتا تھا، جس تعبیر میں بھی ہو، لیکن اخلاص ہی کے تحت اسکا اظہار فرما دیتے۔ ابھی ابھی میری نظر سے ایک خط گزرا جو صدق لکھنؤ [illegible] ۱۱ جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے، مولانا پر اشاعت اسلام کا جذبہ مستولی ہو کے ارقام فرماتے ہیں:۔

"کیسے ارادے؟ اب دھن تو صرف ایک ہے کہ یورپ پہونچوں [illegible]
اور گھر گھر تبلیغ اسلام کر دوں"

گویا زندگی کے سارے سیاسی، علمی پروگرام کو تہ کر کے اسوقت جسوقت یہ خط لکھ رہے ہونگے، ارادہ ہو گیا کہ سب پر لات مار کر یورپ پہونچوں اور گلے میں کفنی ڈالے محمد محمد یورپ کی گلیوں میں پکارتا پھروں۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں کمال اخلاص اور راسخ عزم کے ساتھ اسوقت انکا یہ فیصلہ بھی ہوگا۔ لیکن دیوانوں کا وہ گروہ جس سے اس مسلم صادق کا تعلق تھا مشکل ہے کہ کسی ایک خیال پر انکو قیام ہو سکے۔ ارمانوں کے ہجوم آرزوؤں کے ہنگامہ زار میں جو پھنسا دیا گیا ہو، اسکا یہی حال ہوتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

لیکن باوجود ان تلونات کے ان دیوانوں کو تمکین کا مقام جس چیز پر حاصل ہوتا ہے وہ وہی مقام ہے جو بحمد اللہ مولانا مرحوم کو حاصل ہوا۔ ان لوگوں کا حال کیا پوچھتے ہیں۔

گر بیایم زندہ بردوزیم — دامنے کز فراق چاک شدہ
گر بمیریم عذر ما بپذیر — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

فرحمۃ اللہ علیٰ ہؤلاء العشاق، رومی نے اس مقام پر اپنا نالہ شروع کیا

بشنو از نے چوں حکایت می کند — وز جدائیہا شکایت می کند
ہر کسے بظن خود شد یار من — از درون من نجست اسرار من

عشق و محبت کے بندۂ صادق تھے، آئے اور گئے وعدہ فردا لے کر۔

مولانا کا یہ کلام بھی جذب کے اسی مقام کا کلام ہے، ورنہ ان جیسا دیدہ ور ناظر و بصیر یورپ کے انجیل خوانوں سے مسلمانوں کو شرمانے؟ یہ سچ ہے کہ یورپ میں انجیل پڑھی جاتی ہے، خوب پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اسی جذبہ کے ماتحت جیسے دیراثر ایک ہندی خواندہ مسلمان غالب کا کلام پڑھتا ہے یا عصر حاضر کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بغل میں اس لا پرواہ [illegible] کی کتابیں دبی نظر آتی ہیں۔ جس کے کلام کو سب پڑھتے ہیں، لیکن کوئی نہیں پڑھتا، وہ تنہا ہی آیا تھا اور تنہا ہی چلا گیا۔ میری مراد حضرت [illegible] کی اس حجت سے ہے جسکا نام شیخ اقبال سیالکوٹی تھا۔ وہ ڈاکٹر ہو، بیرسٹر ہو، آخر میں سر ہو کر [illegible]

کی مجلس میں آئے۔ جسکے باپ دادوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بدر کے میدان میں دیا تھا۔ لیکن جب احمد کی باری آئی تو—

اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم | جب تم چڑھے ہی چلے جاتے تھے کہ کسی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے اور رسول تمہیں پیچھے پکار رہا ہے۔

بہرحال مولانا مرحوم یورپ کی انجیل خوانی کی اصلی حقیقت سے خوب واقف تھے۔ وہ ان لوگوں میں نہ تھے جن کے نزدیک ہر چیز جو یورپ میں ہے قابل رشک تھی۔ آخر آپ ہی بتائیں کہ اگر مسلمانوں کو قرآن اسی شکل میں پڑھنا منظور ہے جس شکل میں یورپ نے انجیل پڑھی یا پڑھ رہا ہے۔ تو کیا ایسی قرآن خوانی کی ضرورت بھی ہے؟ بلکہ شاید اتمام حجت کی وجہ سے تو میرا خیال ہے کہ معاملہ بالعکس نہ ہو۔ آج تو کہنے والے کہہ بھی سکتے ہیں۔ اگرچہ کہنا غلط ہے کہ ہم نے قرآن نہیں پڑھا تھا۔ اپنے جہل کو عذر بنا کر اس وقت پیش کر سکتے ہیں جب پیش کرنے کا وقت آئیگا لیکن مغربی طرز کی انجیل خوانی تو اس عذر لنگ کو بھی لنگڑا کر کے رکھدیگی۔ اور میں نے جو یہ کہا کہ یہ کہنا غلط ہے اسکی وجہ یہی ہے جسکی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ ہر لباس اور ہر عہد میں آنے والے اسی عہد اسیری و غلامی میں آتے رہے ہیں۔ انھوں نے تعبیر کے پیرایوں میں وہ سب کچھ پہونچا دیا ہے جسے قرآن پہونچا دینا چاہتا ہے۔ نئی باتیں پرانے لباس، نقل و علم کے پرانے معیار، اردو زبان کو قرآنی مطالب سے جتنا بھرا ہے اسکی نہ کوئی حد ہے نہ حساب۔ اردو میں کیا نہیں ہے؟ قرآن کے تراجم نہیں ہیں، تفسیریں نہیں ہیں، حدیثیں نہیں ہیں، حدیثوں کے شروح اور حواشی نہیں ہیں۔ اب اسکو مبالغہ نہ فرمائیں کہ "اسلامیات" کے متعلق جتنا عظیم اور قیمتی ذخیرہ اردو زبان میں اس وقت تک مہیا ہو چکا ہے۔ عربی کے سوا دنیا کی کوئی دوسری اسلامی زبانیں اسکی نظیر نہیں پیش کر سکتیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اردو میں اسلامی حقائق و مسائل کے شعبوں کے متعلق بعض کتابیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں ضرورت ہے کہ عربی میں انکا ترجمہ کیا جائے۔ اور یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مرتبہ دار المصنفین کا ترجمہ عربی زبان میں شروع ہو گیا ہے۔ لوگوں کو معلوم نہیں ہے، اور اردو زبان کی قدامت پیش نظر آ رہی ہے ورنہ حضرت مولانا محمد قاسم بانی دار العلوم کی تصنیفی کتابیں ایسے اجتہادی مسائل سے مملو ہیں کہ میں نہیں جانتا عربی زبان کی کس کتاب میں وہ مل سکتے ہیں۔ اور یہ تو کیفیت کا حال ہے کمیت و مقدار کے لحاظ سے سیدنا حکیم الامۃ تھانوی مدظلہ کی تالیفات و تصنیفات جہاں تک میں جانتا ہوں شمار میں شاید ہزار کے عدد سے متجاوز ہو چکی ہیں حضرت والا کی کتابوں میں اخلاقیات و نفسیات کے متعلق اسلام کے جن پہلوؤں کی طرف عمیق اشارات ملتے ہیں، جہاں تک میری رسائی ہے عربی زبانوں میں کہہ سکتا ہوں کہ انکا ملنا آسان نہیں ہے۔ اردو میں غزالی کی احیاء اور کیمیا تک کے تراجم ہو چکے ہیں۔ شیخ اکبر کے فصوص بلکہ شاید فتوحات کے بعض حصوں کا بھی ترجمہ چھپ چکا ہے۔ رازی اور مفتی عبدہ کی تفسیر اردو کا لباس پہن چکی ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء بلکہ شاہ ولی اللہؒ کی اکثر کتابیں اور رسائل اردو زبان میں منتقل ہو چکی ہیں۔

آپ ہی بتائیں کہ اب اردو میں کیا نہیں ہے۔ ابو اکبر عارف رومی کا وہ کارنامہ نادر جسکے ایک ایک مصرعہ میں حقائق و معارف کے جہان پوشیدہ ہیں اردو میں ایک سے زائد اسکی شرحیں ملتی ہیں۔ تو اب اردو میں اور کیا چاہا جا رہا ہے۔ اور ان کتابوں کے متعلق تو شاید حسد جو طبائع یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مولویانہ عبارتوں نے انکی دلچسپیوں کو کم کر دیا ہے لیکن اعظم گڈھ کے دار المصنفین نے، خواجہ حسن نظامی کے ادارہ نے، دلی کے بعض اداروں، "پنڈی بہاء الدین"، "ملک جنون دین" وغیرہ کے اشاعتی اداروں نے تو اس اعتراض کو بھی دور کر دیا ہے۔ سیرۃ النبی (صلعم) کے سوا معروف صحابہ کے جو مجلدات عمدہ قالب میں دار المصنفین نے پیش کیے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ ابن سعد، ابن حجر، ابن اثیر، ابن عبد البر وغیرہ کی ان ساری کتابوں کی وہ قائم مقامی کرتے ہیں جو سیر صحابہ میں عربی زبان کی مستند اور عام کتابیں ہیں۔ ایک جیب ڈاکٹر اقبال و مولانا ابو الکلام، مولانا محمد علی، مولانا عبد الماجد (کثر اللہ امثالہم) جیسے اصحاب نثر و نظم میں اسلام کی ترجمانی بہ زبان اردو کر چکے ہیں۔ کیا انکے بعد تعبیری تو کوئی کمی کی شکایت اردو کے متعلق کر سکتا ہے۔ اسکو میں اتمام حجت کہتا ہوں۔ لوگوں نے حسین شکل حسیں قالب میں انکا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام انکو دیا گیا اور دیا جا رہا ہے۔ نوجوانوں میں مولانا ابو الاعلیٰ کا قلم کیا کم کام کر رہا ہے۔ یقیناً کہنے کی حد تک لکھنے کی حد تک اسلام کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا تھا جو کچھ لکھا جا سکتا تھا اردو میں سب کچھ کہا جا چکا اور لکھا جا چکا ہے۔ کہا جا رہا ہے، لکھا جا رہا ہے۔ رسائل نکل رہے ہیں، کتابیں چھپ رہی ہیں، مواعظ ہو رہے ہیں، لکچر ہو رہے ہیں، منبر و محراب بھی گونج رہے ہیں، پنڈال اور اسٹیج سے بھی کافی خطاب کیا گیا ہے۔ منقول و معقول کے جامعوں سے بھی کہلایا گیا۔ اور ڈاکٹروں اور پی ایچ ڈیوں سے بھی سنوایا گیا۔

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یاران خود آرا

اٹھنے والے اٹھتے ہیں۔ کامیاب نشتر کا اعلان کر کے اٹھتے ہیں کہ ؎

خوشی ہے سب کو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسی کو اسکی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے

(باقی آئندہ)

محمد اسد نومسلم

چند سال ہوئے جب علامہ اقبال مرحوم زندہ تھے تو مولانا حسین احمد مدنی کے اس فقرہ پر دیر تک بحث کا سلسلہ جاری رہا تھا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ یہ بحث بالآخر اس اتفاق رائے پر ختم ہوئی تھی کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے مسلمان کا کوئی مخصوص وطن نہیں، بلکہ وہ دنیائے اسلام کا شہری ہے۔ مگر یہ کتنی المناک حقیقت ہے کہ برطانیہ کے نقطۂ نگاہ میں

اس بحث سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور اس نے اسلام کے ان دو جلیل القدر علماء کی اتفاق رائے سے بھی کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اس نے قوموں کے اوطان ہی سے منسوب کرنے کا عقیدہ قائم رکھا۔ اور اسی کے مطابق مسلمانوں سے سلوک کیا۔ اس کنایہ کی شرح یہ ہے کہ حاجی محمد اسد نومسلم جو آج سے ۱۵ برس پہلے مدینہ منورہ میں مسلمان ہوئے تھے اور کئی برس سے ہندوستان میں مقیم تھے جنگ چھڑتے ہی محض اس لیے نظر بند کر لیے گئے کہ وہ وطنی اعتبار سے آسٹریا کے رہنے والے ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انکی کوئی ہمدردی جرمنی یا آسٹریا کے ساتھ نہیں رہی تھی اور ہندوستان میں مقیم ہونے کے باعث سیاسی اعتبار سے بھی انکے رجحانات کسی مخصوص قوم کی طرف نہیں تھے۔ لیکن چونکہ انکی وطنیت آسٹرین تھی لہذا حکومت ہند نے انھیں نظر بند کر دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ پنجاب سے گرفتار کیے گئے مگر "اسلامی حکومت" نے انکی اسلامیت کی کوئی پروا نہ کی اور مداخلت کر کے انکی رہائی کا بندوبست نہ کیا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مسلم لیگ کے ارباب اقتدار نے بھی اس نومسلم کی دادرسی نہ کی جو علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند پایہ رکھتا ہے اور جسکا محبوب ترین شغل بخاری شریف کو نہایت نفیس دیدہ زیب انداز میں ابتدا یہ ترجمے کے ساتھ انگریزی زبان میں شائع کرنا تھا۔ اب حاجی محمد اسد کی نظر بندی پر تین سال گزر رہے ہیں۔ پھر کیا مسلم لیگ کے رہنما انکے مسئلہ کو ہاتھ میں لیکر انکی دستگیری نہیں کریں گے؟ (مسلمان)

گاندھی جی کا ایک خط

بمبئی سے ایک مسلمان خاتون نے حال ہی میں ایک ہفتہ وار پرچہ اتحاد کے نام سے نکالا ہے۔ مسلک نام سے ظاہر ہے، یعنی ہندو مسلمانوں میں اتحاد۔ خاتون موصوفہ گاندھی جی کی بڑی معتقد ہیں۔ پہلے نمبر کے پہلے صفحہ پر "گاندھی جی کا ایک خط انکی "بیٹی" کے نام" چھپا ہے۔ آخری سطریں حسب ذیل ہیں:-

"مسلم لیگ والوں سے ملنا، انکی باتیں سننا، ان سے محبت کرنا تیرا فرض ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کو چھوڑ کر ہندو مسلمان ایکا نہیں بن سکتا۔ خدا تیرا راستہ صاف کر دے۔ وہی ایک رہنما ہے، اور تو اور میں، ہم اسکے بندے ہیں، باقی سب جھوٹ ہے"

جن کی یہی اعلیٰ اخلاق اور توحیدی تعلیم تھی جس نے ۲۱-۱۹۲۰ء میں انھیں تحریک خلافت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی نظر میں محبوب بنا رکھا تھا، اس رنگ کی جھلک اب سالہا سال کے بعد نظر آئی۔

ہاں اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تعلیم پر عمل انکے ماننے والے، اور انکی جماعت کے لوگ کس تعداد میں کرتے ہیں۔ اسی فیصدی اور ستر فیصدی کا ذکر نہیں، بیس فی صدی اور دس فی صدی کو بھی چھوڑیے، دو فی صدی، ایک فی صدی بھی؟

ایک خادم اُردو کی وفات

شروع نومبر کی ایک افسوسناک خبر یہ ہے کہ اردو کے مشہور اور قدیم رسالہ زمانہ (کانپور) کے ایڈیٹر ... ہوا خواہوں کو ایک پختہ کار خادم اردو کا ماتم کرنا پڑا۔ زمانہ ایک زمانہ میں چوٹی کا اردو رسالہ تھا۔ اور اب بھی بہت سے دوسرے رسالوں سے ممتاز، شرافت و متانت کی روایات کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ رسالہ کو نکلتے ہوئے بھی کوئی چالیس سال تو ہو چکے ہونگے۔ اردو رسائل کی تاریخ میں یہ قدامت بھی کچھ کم اہم نہیں۔ شروع شروع میں ... سے نکلا تھا، پھر کانپور سے نکلنے لگا۔ اور اسوقت سے برابر ایک روش پر قائم رہا۔ اور اب سالہا سال سے منشی صاحب موصوف ایک اردو ہفتہ وار بھی آزاد کے نام سے نکال رہے تھے۔ ان مستقل خدمات کے علاوہ بھی موصوف ترقی و اشاعت اُردو کی ہر تحریک میں عملی دلچسپی اور سرگرم حصہ لینے کو تیار رہتے تھے۔ چنانچہ صوبہ متحدہ میں جو سرکاری ادارہ "ہندوستانی اکاڈمی" کے نام سے ۱۹۲۶ء سے قائم ہے خود اس ادارہ کے بنانے میں، اور پھر اسکے چلانے میں موصوف کا ایک اہم و نمایاں حصہ رہا کیا۔ اپنی وضعداری، سلامت روی، اور شریف صلح کل ہونے کے لیے خاص طور پر مشہور تھے۔ قدیم مشرقی شرافت اور ہندوستانی تہذیب کا ایک نمونہ تھے۔ ایک لڑکے، آئی سی ایس ہو کر ایک بڑے عہدہ پر مقرر ہیں۔ تو باپ کی یہی تاکید رہی کہ اپنے باپ کے ملنے والوں سے جب ملو، تو اپنے کو حاکم نہ سمجھو، اپنے کو خورد اور انکا بھتیجا، اور انکو اپنا بزرگ اور چچا سمجھتے رہو۔ اور اس میں کوئی قید ہندو مسلمان کی نہ تھی۔ مسلمان اہل قلم کی خدمت اعانت سے ذرا بخل نہ تھا، بلکہ اکثر اپنے اثر رسوخ، و حکام رسی سے انکی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ ملکی معاملات میں ہندو مسلم اتحاد کے دل سے قائل اور متمنی تھے۔ ایک عرصہ سے خانگی مصائب کا شکار تھے۔ اور صحت بھی مستقل طور پر جواب دے چکی تھی۔ تاہم کسی کو یہ خیال نہ تھا کہ اتنی جلد رخصت ہو جائیں گے۔ انکی وفات سے ہمدمنگران اردو کی بزم کا ایک بڑا رکن اٹھ گیا۔

پچھلے نمبر کی غلطیاں

ناظرین نے محسوس کیا ہوگا کہ پچھلے نمبر سے دفتر میں انتظامات کی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ کاغذ، کتابت، طباعت سب کی طرف اصلاح کا قدم اٹھایا جا رہا ہے، اور دفتر امیدوار ہے کہ انشاء اللہ عنقریب یہ انتظامات مکمل ہو جائیں گے [اللہ ان احباء محسنین صدق نواز پر دین و دنیا کی بے اندازہ رحمتیں نازل فرمائے، جنھوں نے ایک بہت بڑی رقم پیش کر کے دفتر کو اس قابل بنا دیا، اور جنکو اپنے گمنام رہنے پر شدید اصرار ہے!] لیکن کتابت کی غلطیاں رہ گئی ہیں، جس سے اس نمبر میں بھی پیچھا نہیں چھوٹا۔ اور ناظرین کو یقیناً اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ایک نمبر میں نہیں، ہر نمبر میں کیسا شدید ظلم اسکے اوپر اس سلسلہ میں ہوتا رہتا ہے۔ ترکیبیں غلط ہو کر، فقرے مسخ ہو کر الفاظ بالکل کچھ سے کچھ ہو کر ہر ہفتہ نکلتے رہتے ہیں۔ اور اکثر تو مطلب ہی بالکل خبط ہو جاتا ہے۔ پچھلے نمبر کی صرف ایک غلطی محض بطور مثال و نمونہ عرض ہے۔ صدق کے آخر میں اصل میں عبارت یہ تھی:-

"سوال جیسا ہے خود مغالطہ آمیز ہے۔ ... مسلمانوں کا ایک ہی ہے۔ لیکن باوجود اسکے بھی مسلمانوں کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد دہلیں۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ/
ششماہی ۲/
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱/

ہفتہ وار صدق

نمبر ۳۳	دوشنبہ۔ ۲۱ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۰۔ نومبر ۱۹۴۲ء	جلد ۸

گندہ ذہنی کا ایک نیا مظاہرہ
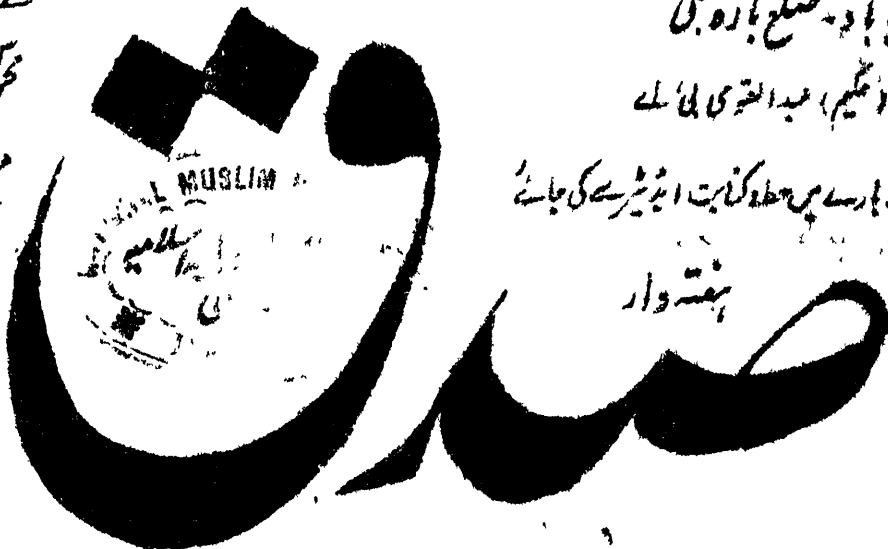
"ایک زمانہ تھا جب مظلوم انسانیت اپنی روح کی فلاح کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام مادی وجسمانی ضرورتوں کے لیے بھی پیغمبران دین کی طرف آنکھیں اُٹھاتی تھی۔ کرشن، بدھ، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ، محمد کی طرف دنیا کھنچ آئی تھی۔..... یہ سب پیغمبر سیاسی باغی تھے۔ اور غور کریں تو سب کے سب لامذہب تھے۔ لیکن کل تک جو کچھ حال رہا ہو، آج یہ حال ہے کہ نہ تو ان پیغمبروں کا مذہب آڑے آسکتا ہے، نہ انکی لامذہبیت ہمارے کام آسکتی ہے۔ اُنکا قائم کردہ نظم زندگی آج بے فیض ہی نہیں، ضرر رساں ہے۔ خدا کی عمر کتنی ہو چکی اسکا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ خدا اور خدا والوں کو اب دُنیا کے بالاتفاق فیصلہ سے پنشن دے دینا چاہیے۔ انھوں نے بہت دنوں دنیا کی خدمت کی۔ اب آرام کریں۔ اب ذرا لامذہبیت کو موقع دیں!"

جسکے قلم نے یہ غلاظت اُگلی ہے، وہ ایک پیدائشی مشرک ہے، اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملحد۔ اُسکا نہ شرک قابل التفات، نہ اسکا الحاد قابل اعتناء۔ لیکن یہ ساری گندگی شایع ہوئی ہے ایک ایسے "ادبی" رسالہ کے نومبر نمبر میں (ص ۲ پر) جو ایک مسلمان کی ادارت میں دہلی سے نکل رہا ہے! اور اسکے پڑھنے والے بھی یقیناً ہندوؤں سے کہیں زیادہ مسلمان ہی ہونگے! ——— سوال اس مسلمان ایڈیٹر سے ہے، اُسکی برائے نام اسلامیت سے ہے، اُسکی غیرت دینیت سے ہے، اُسکے احساس شرافت سے ہے! یہ سوال اس رسالہ کے مسلمان کہلانے والے ناظرین سے ہے۔ وہ کیا سمجھ کر اب تک خاموش رہے؟ کیا سوچ کر وہ اب تک بے حس بنے رہے؟

دہلی مسلمانوں کا شہر ہے۔ اسلامی علوم کا، اسلامی تمدن کا مرکز ہے۔ صدر مقام آل انڈیا مسلم لیگ کا ہے، جمعیۃ العلماء ہند کا ہے، بڑے بڑے عالموں، فاضلوں، دین کی حمیت رکھنے والوں، خدا و رسول کے ناموس پر کٹ مرنے والوں کا شہر ہے۔ بڑے بڑے پُرجوش دینی تند، دین کی خدمت کرنے والے، احساس ملی رکھنے والے، اخبارات و رسائل کا شہر ہے ——— سوال ان سب سے ہے۔ ان سب کے احساس فرض سے ہے، بالکل کھلے ہوئے احساس فرض سے ہے۔ علمی دلائل کا جواب دلائل سے دیا جا سکتا ہے۔ سنجیدہ شبہات کو سنجیدگی سے دور کیا جا سکتا ہے، لیکن بازاری پھبتیوں اور طنز و تمسخر کے جواب میں، کوئی بتائے کہ اس دنیا میں کس کے ہاتھ میں کوئی قوت ہے، بجز حکومت وقت کے شکنجے کے! راستے پابند کئے جا سکیں۔ توہین مذہب کے جرم کا اطلاق اگر اقتباس بالا پر بھی نہیں ہوتا، تو خدارا بتلا دیجئے آخر کس عبارت پر ہوگا؟ (اور یہ تو اس گندہ مضمون کے صرف ایک ٹکڑے کا اقتباس ہے، باقی مذہب پر حملے تو مضمون میں شروع سے آخر تک ہیں!)

ایڈیٹر اس گندہ ذہنی کو صرف چھاپتا ہی نہیں ہے، اسکی داد بھی دینا چاہتا ہے۔ اپنے اڈیٹوریل میں اسے "پُرمغز" بتاتا ہے۔ (ص ۲)

اور امید ظاہر کرتا ہے کہ اسے بعض اور مضامین کے ساتھ بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا " —— کیا کہنے ہیں اس دلچسپی کے جو اپنے باپ دادا کے نہیں، محض کسی قوم و ملت کے مقتدروں اور بزرگوں کے نہیں، بلکہ خود حق تعالیٰ کے ساتھ بھانڈوں کی طرح کا تمسخر کرکے حاصل کی جائے!

فتنہ کا رقبہ "آل انڈیا" ہے۔ ہر وہ شہر اور قصبہ ہے جہاں اُردو سے اس رسالہ کی پہونچ ہو سکتی ہے، اور اس لحاظ سے اس پر توجہ سارے اسلامی ہندوستان پر فرض ہے۔ لکھنؤ اور لاہور، پنجاب اور دکن، بہار اور یوپی، سب ہی کہیں کے اخبارات اور اسلامی اداروں کے ذمہ ہے۔ لیکن اصلی اور سب سے بڑی ذمہ داری ظاہر ہے کہ خود دہلی ہی کے ذی اثر و غیر تمند افراد، اور اخبارات اور اداروں پر ہے —— کیا خدا نخواستہ تغافل اب بھی قائم رہیگا؟

جاہلانہ دعوے

"کرشن، بدھ، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ، محمد، ..... یہ سب پیغمبر سیاسی باغی تھے، اور غور کرو تو سب کے سب لا مذہب تھے"۔

مزدک کے ایک جدید پیرو نے رسالہ ساقی (دہلی) کے دسمبر نمبر (صلہ) میں کہا۔ اور یہ کہکر گویا روشن خیالی اور جدت طرازی کا آخری ہفتخواں سر کرلیا!

—— اس جاہل ادعی علم سے کوئی پوچھے کہ ان چہ ناموں میں سے پہلے تین کی پیمبری کا کیا ثبوت اسکے پاس ہے؟ ثبوت اعلیٰ نہیں ادنیٰ ہی سہی۔ ان تینوں نے پیمبری کا دعوے کب اپنی زبان سے کیا ہے؟ اور خود انکے پیرو، کب انھیں پیمبری کے مفہوم میں اپنا پیشوا و بزرگ مانتے ہیں؟

پیمبری کا دعوے پچھلے تینوں نے بیشک کیا۔ اپنے دعوے کے ثبوت دیے۔ دنیا نے اُنکی پیمبری تسلیم کرلی۔ ہر دور میں منکروں ملحدوں مزدکیوں کے باوجود، انکی پیمبری تسلیم کی۔ اور آج بھی کروڑہا انسان اُنکی پیمبری کے قائل ہیں۔ لیکن یہ تینوں "سیاسی باغی" جس معنی و مفہوم میں آج یہ لفظ بولے جاتے ہیں، کب رہے ہیں؟ لفظ کے گستاخانہ اور بدتمیزانہ پہلو کو چھوڑیے۔ محض واقعہ کے لحاظ سے، تاریخ سے دریافت کرکے، جواب عنایت ہو۔ موسیٰ علیہ السلام جب سے صاحب شریعت نبی ہوئے، اور توریت کا قانون اپنی امت کے لیے لائے، کب اُنھیں کسی سے بھی سیاسی بغاوت کی ضرورت پیش آئی؟ حاکم تو وہ خود ہی تھے، وہ "سیاسی بغاوت" کرتے بھی تو کس سے کرتے؟ وہ تو الگ رہا، اسکا امکان ہی کیا تھا؟ رہے حضرت عیسیٰؑ، تو انکی ساری نزاع اپنے ہی فرقہ و قوم بنی اسرائیل کی دینی و اخلاقی زندگی سے تھی۔ حکومت وقت (رومن گورنمنٹ) سے انھیں کوئی سروکار رہی نہ تھا، اور انجیل میں لکھا ہوا اُنکا یہ مشہور فقرہ تو آج ہر انگریزی تعلیم یافتہ کی زبان پر ہر کر:

"خدا کو وہ دو جو خدا کا حق ہے، اور قیصر کو وہ دو جو قیصر کا حق ہے"

آخر میں اُنکے دشمن یہود نے اُنکے مقدمہ کو سیاسی رنگ دینا چاہا بھی، تو اُنکا جھوٹ بھی فوراً کھل گیا، اور عدالت کے سامنے یہ فریب کچھ دیر بھی نہ چل سکا۔ دو نام یہ ہو چکے، اب تیسرا اور آخری نام ہمارے آقا و سردار کا آتا ہے، سو آپ نے کیا حجاز یا عرب کی حکومت چاہی تھی؟ کیا آپ نے مکہ کی جمہوریت اُلٹکر کوئی اور "پت" (سیاسی نظم) کی قائم کرنے کی فکر کی تھی؟ کیا آپ کی نزاع قریش سے آئینی، دستوری،

قانونی مسائل پر تھی؟ کیا آپ کے بڑے سے بڑے دشمن و معاند بھی آپ کی حیثیت اپنے سیاسی حریف کی سمجھی تھی؟ —— اور پھر ان جیسی مذہب مجسم ہستیوں کو "لا مذہب" کہہ مارنا اگر سوشلزم اور مزدکیت کے ادبیات میں کوئی "صنعت تضاد" ہے، جب تو خیر، ورنہ کوئی صحیح الحواس اُردو نویس تو اپنے قلم سے ایسی "نفی اثبات" کے گڑھکانے کی جرأت نہیں کرسکتا!

لکھنؤ ریڈیو کا مار گزیدہ

حقیقت (لکھنؤ) مذہبی معاملات میں بہت معتدل اور ٹھنڈے قسم کا روزانہ ہے، اسکا حسب ذیل ایڈیٹوریل نوٹ ہر مسلمان کے خون کو گرما دینے کے لیے کافی تھا:-

"آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں حال میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں جناب جوش ملیح آبادی نے ایک ایسی نظم پڑھی جسکے متعلق بہت سے لوگوں نے ہم سے شکایت کی ہے کہ اس میں الحاد کی تعلیم ہے، اور مذہب پر سخت حملے کیے گئے ہیں۔ یہ نظم ہم نے خود نہیں سُنی، لیکن چند اشعار جو ہم کو سُنائے گئے وہ یقیناً قابل اعتراض اور مسلمانوں کے لیے اشتعال انگیز تھے۔ ریڈیو کے ذمہ داروں کو آئندہ احتیاط کرنا چاہیے، ورنہ اس قسم کے مذہب شکن پروپگنڈا کو مسلمان برداشت نہیں کرسکینگے"

لیکن الحمد للہ کہ معاً، لکھنؤ شہر مسلم لیگ کے جاری کردہ ایک بیان سے ایک حد تک تسکین بھی ہوگئی۔ بیان خلاصۃً یہ ہے:-

"ہماری مجلس عاملہ کا ایک جلسہ ۱۸ - نومبر کو اس غرض سے منعقد ہوا تھا کہ لکھنؤ ریڈیو کے خلاف ایک باضابطہ تحریک منظور کرے۔ مگر اسی دن لکھنؤ ریڈیو کے ذمہ دار افسران مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر چودھری خلیق الزماں صاحب سے ملے۔ اور کہا کہ "ہم کو علم ہوا ہے کہ ۱۵ نومبر کے مشاعرہ کی بعض نظموں سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا ہے۔ ہماری نہ تو یہ نیت تھی، اور نہ مشاعرہ کا یہ مقصد تھا، مگر پھر بھی اضطراب پیدا ہوا۔ اسکا ہمیں افسوس ہے۔ اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ اس قسم کے معاملات میں مزید احتیاط سے کام لیا جائیگا"۔ اسکے بعد مزید کارروائی غیر ضروری سمجھی گئی۔ امید ہے کہ آئندہ کوئی ایسی ناگوار صورت نہ پیش آئیگی۔ اور منتظمان ریڈیو اپنے وعدہ پر قائم رہینگے"

مسلم لیگ اگر اسی طرح بروقت اپنی بیداری اور احساس فرض کا ثبوت

دینی معاملات میں' دیتی رہے' تو یہ بھی ایک بڑی اہم خدمت ہے ۔ اور بے عملی کا الزام اس پر سے کچھ تو ہٹ کر رہے ۔ چودھری خلیق الزماں صاحب کے علاوہ ، ستی مسلم لیگ کی مجلس کے دو تو جوان رکن بھی مستحق مبارکباد ہیں' جنھوں نے مشاعرہ ہوتے ہی اس فتنہ کا مقابلہ جوش کے ساتھ شروع کر دیا تھا ۔

راگ راگنی کی کرامت

" ہم مندرجہ ذیل اقتباس سید عبداللہ بریلوی صاحب کی صدارتی تقریر سے نقل کر رہے ہیں' جو موصوف نے مرحوم خاں صاحب عبدالرحمن خاں کی سالگرہ کے موقع پر فرمائی :۔

" لیکن ہندوستان میں موسیقی کو ایک اہمیت حاصل تھی ۔ صدیوں تک ، اگلے ماہر استادوں نے ہندو مسلم اتحاد کے پیدا کرنے میں جس قدر اہم و اعظم حصہ لیا شاید ہی سماج کے کسی دوسرے طبقہ نے ایسا حصہ لیا ہو ۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی گیارہ سو برس پرانی تاریخ ایسے بیشمار اثرات ہمارے سامنے پیش کرتی ہے جو ہندو مسلم اتحاد و یکجہتی کو پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوئی لیکن ان سب سے زیادہ قوی و موثر موسیقی تھا " (اتحاد ۔ بمبئی)

حدیث میں غنا (موسیقی) کے لیے آتا ہے (انہ یورث النفاق) کہ اس سے طبیعت میں منافقت پیدا ہوتی ہے ۔ اور منافقت مترادف ہے ایمان کی اس کمزوری کے جو ایمان کے نقدان تک پہونچا دے ۔ مضمون حدیث کی یہ تشریح آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد روزنامہ بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر کی زبان سے سننے میں آئی کہ ہندی مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے ، اُسے مومن سے منافق بنانے میں سب سے زیادہ موثر قوت موسیقی کی رہی ہے ! ــــــ حدیث کی تشریح بھی اور تصدیق بھی !

پُرانے شہروں کی آبادیاں

" پُرانے شہروں میں نینوا چودہ میل لمبا اور آٹھ میل چوڑا اور ۴۶ میل کے رقبے میں تھا ۔ اسکی فصیل ۱۰۰ فیٹ بلند تھی ۔ اسکی چوڑائی اتنی تھی کہ اس پر تین رتھ ایک ساتھ چل سکتے تھے ۔ بابل فصیل کے اندر ۵۰ میل تک پھیلا ہوا تھا ۔ اسکی فصیل ۱۰۰ فٹ بلند اور فٹ چوڑی تھی ۔ اس میں ۱۰۰ پھاٹک تھے ۔ کارتھج ۲۹ میل کے رقبہ میں تھا ۔ ایتھنز کا طول ۲۵ میل تھا ۔ جس میں ۳ لاکھ ۵۰ ہزار شہری اور ۴ لاکھ غلام آباد تھے "

بابل اور نینوا آج سے چار ، ساڑھے چار ہزار سال قبل کے شہر ہیں ۔ انکے یہ ۴۶ ، ۳۶ ، ۵۰ ، ۵۰ میل کے رقبے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ لندن اور پیرس اور برلن اور نیویارک کی آبادیاں اور رقبے ، دنیا کی تاریخ میں بالکل انوکھے اور بے نظیر نہیں ۔ ان سے ملتی جلتی مثالیں پرانی دنیا ، بہت پُرانی دنیا کی آنکھیں بھی دیکھے ہوئے ہیں ۔

سگریٹ کا زہر

ایک انگریزی طبی رسالہ کے ایک مقالہ کا ترجمہ :۔

" بہ سنہ صحت پر تمباکو کے اثر کے متعلق بڑی محنت سے تحقیقات کی اور قیمتی معلومات حاصل کی ہیں ۔۔۔۔ ڈاکٹر جارج تامسن نے اپنے تجربہ سے دیکھا کہ سگریٹ نہ پینے والے ماں باپ کی اولاد میں ۴ سال کے اندر مر جانے والے والی تعداد فی ہزار صرف ۱۵۳ تھی ۔ اور اسکے مقابلہ میں سگریٹ پینے والوں کی اولاد کے ایک ہزار میں سے ۲۲۷ ہلاک ہوئے ۔ گویا فی ہزار ۷۴ کا زائد نقصان ہوا ۔ اگر اس عدد کو فی ہزار کی نسبت سے لاکھوں اور کروڑوں کی آبادی پر ضرب لگا کر دیکھا جائے تو غور کیجیے کہ کتنے لاکھ بلکہ کتنے کروڑ صرف سگریٹ پینے کی وجہ سے اپنی عمر کے چوتھے سال بلکہ پہلے ہی ہلاک ہو جاتے ہیں "

(صحت عامہ ۔ حیدرآباد دکن ۔ سالنامہ ۔ ص ۱۰)

" صاحب " کی سگریٹ نوشی کے بعد " میم صاحبہ " کی سگریٹ نوشی کے اثر سے سگریٹ نوشی کی جو وبا اب ہماری " روشن خیال " خواتین میں پھیلتی جا رہی ہے' اُسکے لحاظ سے ضروری ہوگیا ہے کہ افسانوں کے ساتھ ساتھ اس قسم کی حقیقتیں بھی کبھی کبھی " ڈاکٹروں " کی زبان سے سُن لی جایا کریں !

مولوی عبدالقادر قصوری مرحوم

اخبارات میں خبر شائع ہوئی ہے کہ پچھلے ہفتہ لاہور میں مولوی عبدالقادر قصوری کا انتقال ہوگیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ مرحوم ایک زمانہ میں اپنے پیشہ وکالت میں نامور رہ چکے ہیں ۔ دین و ملت کی خدمت کا ولولہ اُسی وقت سے رکھتے تھے ۔ نامور ایڈوکیٹ سے نامور لیڈر ہوگئے ۔ لیکن " لیڈری " کے جن لوازم نے بدنام کر رکھا ہے' اُن سے ہمیشہ بچتے رہے ۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں اسکے بڑے زبردست خادم' اور پنجاب میں بڑے مخلص کارکن رہے ۔ صوبہ خلافت کمیٹی کے صدر رہے ۔ اور مرکزی کمیٹی کے بھی نائب صدر رہے ۔ بڑی خاموشی اور متانت سے ٹھوس کام کرنے والے تھے' اور مذہبی جذبہ بہت بیدار رکھتے تھے ۔ مسلک اہلحدیث کا تھا ، لیکن حنفیوں سے شیر و شکر ۔ اپنے بعض صاحبزادوں کو خالصۃً تبلیغی کاموں کے لیے وقف رکھا ۔ آخر میں کانگریسی سیاسیات میں شریک ہوگئے تھے ۔ اور ادھر کئی سال سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ اللھم اغفرہ وارحمہ ۔

تحفۂ خسروی

اور حضرت یوحنا؎ دونوں قابل و تعلیم یافتہ شخص تھے۔ اور عہد نامۂ جدید کے دوسرے مصنفین بھی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ گو ان میں سے غالبًا کسی کی بھی وہ مادری زبان نہ تھی؎۔

عہد نامۂ جدید کے مصنفین نے اگرچہ زبان ایسی اختیار کی جو علمی نہ تھی، تاہم جیسا کہ ہمارے (انگریزی کے) مستند ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے، وہ اکثر اونچے معیار فصاحت تک پہونچ جاتے تھے۔ اس اذعان کے ساتھ کہ وہ ایک عظیم الشان پیام پہونچا رہے ہیں، انکی تحریروں میں آمد اور بے تکلفی ہے۔ حضرت مرقس؎ کی یونانی ناشستہ ہے، تاہم بڑے اختصار کے ساتھ، انھوں نے تذکرہ کی ضرورت کو بڑے پُر قوت اور بڑے پُر اثر انداز سے پورا کر دیا ہے۔ حضرت پولوس اپنے خطوط ایک کاتب کو بول کر لکھاتے تھے؎۔ ان خطوط میں، تمام فقرے بھی ملتے ہیں اور پیچیدہ دلائل بھی، اور تیز انتقال خیالات بھی۔ انکے پڑھتے وقت پولوس مبلغ کی تصویر ہمارے ذہن کے سامنے آجاتی ہے۔ انکے مطالعہ کے وقت ہم دنگ رہ جاتے ہیں اُنکے دماغ کی نکتہ آفرینی پر، انکی دقت نظر پر اور اُنکی قوت تخلیقی پر۔ اور کہیں کہیں تو وہ فصاحت بیان کے اس معیار پر پہونچ جاتے ہیں کہ اسکی نظیر لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی۔ حال کے ایک فاضل نے حضرت یوحنا کی تحریر کے متعلق لکھا ہے کہ

"صرف و نحو تو خیر اصلی صحیح ہے، لیکن اسکی سادگی بے رونق خشکی کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ اور محاورہ کی تو اس میں چاشنی ہی نہیں"۔

باایں ہمہ اگرچہ انکو اس زبان کے لکھنے میں بڑا زور لگانا پڑا ہے، جو انکی اپنی نہیں، تاہم اُنکی چوتھی انجیل اور انکا مکتوب اول ادبیات کے دو شاہکار ہیں؎۔ وہی الفاظ دُہر دُہرا کر آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بے ربط جملے ایک دوسرے کے بعد ملتے ہیں۔ کسی طرح کی ان میں صنعت گری نہیں ہے۔ ہر چیز "پوست و استخواں" نظر آتی ہے۔ ایسی حالت میں توقع تو ناکامی محض کی ہوتی ہے، لیکن واقعۃً بہترین جمال آفاق نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صوفی اور فلسفی بچہ کی زبان میں گفتگو کر رہا ہے۔ اور کسی دوسرے نے انسان کی فہم روحانی کو اتنا مالا مال نہیں کیا ہے۔ عہد نامۂ جدید کے مصنفین میں سب سے زیادہ خوش قلم حضرت لوقا ہیں۔ انکی انشاء کی شستگی و روانی، انکی وسیع المیدانی، انکی نزاکت احساس، سب آج کے مذاق کے مطابق ہیں۔ انکی قوت بیانیہ غضب کی ہے اور اسکا ثبوت اُنکے قلم سے نکلے ہوئے حضرت پولس کے واقعۂ تباہی جہاز سے ملتا ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو انکے ملکۂ ادبی میں شبہ ہے، تو وہ بطور خود، مُسرف بیٹے کی حکایت کے لکھنے کی کوشش کر کے دیکھ لیں؎۔ یہ حکایت تو یسوع سے، بغیر حقیقت کے ساتھ نقل ہوئی ہے، اور یسوع کی تعلیم کے ادبی پہلوؤں کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ (باقی)

صدق۔ مقالہ طویل ہے۔ ایک قسط میں بہت ہی تھوڑا دیا جا سکا آیندہ قسطیں غالبًا اس سے بڑی ہوں۔ اصل چیز جو اسکے ذریعہ سے مسلمانوں تک پہونچانا مقصود ہے، وہ وہ عظیم الشان فرق ہے جو کتاب الٰہی کے اسلامی اور مسیحی تخیل کے درمیان ہے۔ لفظًا یہ بیشک معلوم ہوتا ہے کہ وحی و الہام کے قائل مسلمان بھی ہیں اور مسیحی بھی "کتاب الٰہی" پر ایمان انکا بھی ہے اُنکا بھی۔ لیکن حقیقۃً یہ لفظی اشتراک ایک بہت بڑے مغالطہ کا ذمہ دار ہے۔ دونوں مذہبوں کے اس مشترکات میں کوئی مناسبت ہی نہیں۔ مسیحیوں کی "کتاب الٰہی" کا کوئی جزو بھی، اُنھیں کے عقیدہ کے مطابق، آسمانی نہیں۔ وہ تمامتر انسانوں اور ہمیں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶)

مسلمانو! یہ وہی قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور کتب فقہ ذکر کی گئی ہیں۔ جن سے آپ حلت لحم بقر اور چار نکاحوں کا جواز وغیرہ اپنے منافع "تلاش کرتے ہو اور اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے انکو مستند یقین کرتے ہو۔ یہ ان ہی مجموعہائے قوانین کا ایک سنگین قانون ہے۔ کیا تم وہ تو نہیں ہوگئے جنکو نزول عذاب سے پہلے یہ کہا گیا تھا۔ افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض۔ مسلمانو! اپنی غیرت، فطرت کا مطالعہ کرو۔ تم تو وہ ہو کہ تمھارے لیے اس کسب حرام کی اجرت لینا حرام ہے بلکہ ایسی مجلس میں کھانا تناول کرنا بھی حرام ہے۔ وہ مسلمان بہنیں جنکو اسلام نے شیشے کی طرح ہر ٹھیس سے محفوظ۔ کہا انکی آواز تک عورت قرار دیا وہ آج بر ملا ناچنا اور گانا سیکھ کر اپنے اسلام کا ثبوت دے رہی ہیں۔ تاریخ انکے یہ کارنامے درج کرنے کو عار سمجھیگی۔ ہاں وہ زبیدہ و صولت نساء بن کر جو ہر آشکارا کر سکے تو انکی صدائے الحذر جیسے سید کائنات میں ہمیشہ کے لیے سبز زار اور لیکر کائنات کو معطر کرتی رہیگی۔ الیس منکم رجل رشید۔

عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد تک پہونچنے کے لیے، کون موزوں ترین زبان مسیح کے حواریوں، شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں کو مل سکتی تھی!!— گویا مسلمان اس سوال کو نظر انداز کر دیں کہ قرآن کا نزول کس زبان میں ہوا تھا، اسکو بھی بھول جائیں، کہ جس پر نازل ہوا تھا، اُسکی زبان کیا تھی! اور بحث صرف اس سے رکھیں کہ صحابیوں بلکہ تابعین کو ملک در ملک تبلیغ کے لیے سہولت کس زبان میں تھی! فارسی میں، پہلوی میں، روسی علی ہذا، اور وہی زبان (نعوذ باللہ) اب قرآن کی زبان ہو!!

؎ سینٹ پال۔ تاریخ مسیحیت کی سب سے زیادہ مشہور و اہم شخصیت۔ کہنا چاہیے کہ موجودہ تثلیثی مسیحیت کے بانی۔ مسیح کے صحابی یا حواری یقینًا نہ تھے۔
؎ دوسرے انجیل نگاروں کی طرح انکے حالات و سوانح بھی تاریخ کی نظر سے مخفی ہیں۔
؎ سینٹ جان لیوک۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۔ ؎ سینٹ جان۔ حضرت مسیح کے بارہ حواریوں میں ایک نام انکا بھی آتا ہے۔ چار مستند "اناجیل میں سے آخری انجیل انھیں کے نام سے منسوب ہے۔

گانا بجانا

شریعت اسلام میں

(از جناب قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب ادارہ اشاعت التبلیغ شمس آباد ضلع اٹک)

صوبۂ یو۔ پی میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً گانے بجانے کی جو سکیمیں زیر عمل ہو رہی ہیں اور مسلمان جس خوش جذبہ سے ان کا استقبال کر رہے ہیں وہ باخبر لوگوں سے مخفی نہیں۔ اخبارات۔ رسائل۔ انجمنیں متعدد طریقوں پر تجاویز پاس کر کے گورنر صوبۂ یو۔ پی اور وزیر تعلیم وغیرہ کے پاس بھیج رہے ہیں۔ میں بھی ایک رزولیوشن قرآن مجید، احادیث رسول علیہ السلام۔ فقہائے امت کی طرف سے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ وہ تجویز ہے جسے ہمارے دو عالم اور سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام نے ہر زمانے میں ہر ملک میں پاس فرمایا اور عرب و عجم میں اسے رائج کیا۔ میں آج بھی اسی کا اعادہ کرتے ہوئے کسی رکن حکومت کے پاس بھیجنے کی بجائے بطور اتمام حجت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کے پاس ارسال کرتا ہوں۔ اس لیے کہ از راست کہ بر راست۔ یہ محمدی کہلانے والے سچے بنجائیں تو کون ہے جو اس نور الٰہی کا مقابلہ کر سکے۔ مگر بات تو یہ ہے سہ

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

مختصر طور پر اسلامی احکام کا بیان کیا جاتا ہے۔ فیصلہ مسلمانوں کے ہاتھ ہے۔ فاقول

قرآن کریم میں ہے واستفزز من استطعت منہم بصوتک۔ آواز ابلیس علیہ اللعنۃ سے مراد باتفاق ائمۃ التفسیر غنا و مزامیر ہے۔ دوسری آیت میں ہے ومن الناس من یشتری لہو الحدیث الآیۃ حضرت ابن عباس اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسمیہ فرماتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لہو الحدیث سے مراد گانا ہے۔ تیسری آیت میں ہے وانتم سامدون (اے لاہون اور متکبرون او یغنون) بیضاوی وغیرہ۔ جن تفاسیر نے ان آیات مذکورۃ الصدر کے یہ معنی بتائے ہیں انکا نام میں حسب علم حقیر درج کرتا ہوں: جلالین جمل بر جلالین، کمالین۔ صاوی۔ عباسی۔ بیضاوی۔ در المعانی۔ دار البیان۔ کبیر۔ کشاف۔ روح البیان۔ روح المعانی۔ خازن۔ مدارک۔ اتقان۔ احمدی۔ در منثور۔ ابن کثیر۔ ابن جریر۔ اکلیل۔ بے نقاط۔ حسینی۔ معالم التنزیل۔ جامع البیان۔ ابو السعود۔ اصبہانی۔ دلیل الحیران۔ شہاب علی البیضاوی۔ اسباب النزول۔ تیسیر الرحمن۔ البحر المحیط۔ تاج التفاسیر۔ احکام القرآن۔ جواہر الحسان۔ آلالی۔ سراج المنیر۔ تفسیر مفتی عبدہٗ۔ مراح اللبید۔ تفسیر عزیزی۔ تفسیر نادری۔

احادیث نبویہ میں گانے بجانے کی حرمت مختلف طریقوں پر بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کی شدت سے تلقین کی گئی ہے۔ مسند ابن ابی الدنیا میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ میری امت کے فردوں کے لیے ریشمی لباس اور شراب اور باجوں کو حلال جانیں گے۔ انکو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسادیگا اور انکی شکلیں مسخ فرما دیگا جو سور اور بندر کی طرح ہونگے۔ اگرچہ کلمہ شہادت اور نماز پڑھیں گے اور روزہ رکھتے ہونگے۔ حج ادا کرینگے۔ جن احادیث کو مصنفین نے جمع کر کے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے ان سے بعض کے نام درج کرتا ہوں:۔ بخاری۔ عینی شرح بخاری۔ فتح الباری۔ قسطلانی۔ مواہب اللدنیہ۔ زاد المعاد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ طبرانی۔ شرح معانی۔ الآثار۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ موطا امام مالک۔ موطا امام محمد۔ نسائی۔ نووی بر مسلم۔ معجم کبیر۔ زرقانی۔ سیرت حلبیہ۔ دارقطنی۔ منہاج السنۃ۔ ابن حبان۔ دارمی۔ شرح مذاہب آثار امام محمد۔ شرح المواہب۔ مسند امام محمد۔ ابو یعلی۔ طبرانی صغیر۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح حاکم۔ سنن سعید بن منصور۔ معجم اوسط۔ حلیہ ابو نعیم۔ ابن ماجہ۔ مسند الفردوس المزاری۔ دیلمی۔ نوادر الاصول۔ مقاصد الحسنہ۔ مختارہ۔ سفر السعادۃ۔ جمع الجوامع۔ جامع الاصول۔ تاریخ خطیب بغدادی۔ تاریخ بخاری۔ بیہقی۔ شعب الایمان۔ ابوداؤد طیالسی۔ امالی ابن صفری۔ تاریخ ابن عساکر۔ مسند ابن ابی الدنیا۔ شرح منہاج۔ مسند ابی بکر ابن ابی شیبہ۔ رزین۔ تیسیر للمناوی۔ مناوی بر جامع صغیر للسیوطی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فقہائے امت کا فیصلہ یہ ہے کہ ترد بد الصوت بالحان فی الشعر وانضمام التصفیق ومناسبۃ التصفیق لہ فہو من انواع اللعب وکبیرۃ فی جمیع الادیان حتی یمنع المشرکون من ذلک۔ اھ

فقہائے ملت اسلامیہ نے تو اس حد تک فیصلہ کر دیا ہے کہ گانا بجانا اتنا حرام ہے کہ مشرکوں کو اس سے منع کیا جاوے۔ جسکا مطلب یہ کہ اگر اسلامی حکومت میں مشرک آباد ہوں اور وہ گانا بجانا کریں تو مسلمان فرماں رواؤں کو انکا اس معاملہ میں لحاظ اور رواداری نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ انکو منع کرنا چاہیے۔ اس ممانعت سے انکے عدل و انصاف پر کوئی دھبہ نہ آئیگا۔ افسوس کہ آج مسلمان فرماں روا ایسے محرم فی الادیان کو جاری کرنا فخر سمجھتے ہیں۔

مختصراً ان کتب فقہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن میں اسکی حرمت کا شدت اور تاکید سے حکم نافذ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔ شرح وقایہ۔ ابو المکارم۔ برجندی۔ جامع الرموز۔ حلبی۔ تصحیح الدین۔ ہراتی۔ کنز۔ عینی۔ ملا مسکین۔ ابو السعود۔ کشف الحقائق۔ بحر الرائق۔ سرفانی۔ زیلعی۔ ہدایہ۔ کفایہ۔ عنایہ۔ بنایہ۔ نہایہ۔ فتح القدیر۔ سعدی۔ تنویر الابصار۔ در مختار۔ شامی۔ طحطاوی۔ مراقی الفلاح۔ طحطاوی در المختار۔ خلاصۃ الفتاوی۔ خانیہ۔ تاتار خانیہ۔ لسان الحکام۔ معین الحکام۔ کشف الغمہ۔ الدر المنتقی۔ مبسوط سرخسی۔ فتاوی قاضی خاں۔ بزازیہ۔ عالمگیری۔ وغیرہا کتب فقہ جنکی تعداد میرے معلومات میں تقریباً چار سو ہے۔ (باقی صفحہ ۵ پر ملاحظہ ہو)

نمونۂ پاکستان

[ڈاکٹر بابر مرزا، ایم اے، ڈی ایس سی - صدر شعبہ حیوانات پروو سٹ آفتاب ہال، مسلم یونیورسٹی کا خطاب ارکان آفتاب ہال سے]

... اکثر طلبا و خواہش ظاہر کر رہے ہیں کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں - میں نڈر انسان ہوں اور سچ میں اپنے خیالات کا اعلان کرتا ہوں۔

میں نے اسی اسلامی ادارہ میں تعلیم پائی - میں ایک اسلامی ریاست کا باشندہ ہوں - میں نے ریاست میں ملازمت کی - میری روح اسلامی ہے، میرے خیالات اسلامی ہیں - میں مغل ہوں اور باشندہ ہوں اُس ریاست کا جو نمونہ ہے سلطنت مغلیہ کا - مجھے فخر ہے اپنے آقا حضور سلطان العلوم ملسو ہو کن پر، جو آج ہمارے چانسلر ہیں - میں ناز کرتا ہوں اُس سرزمین پر جہاں میں پیدا ہوا اور میری پرورش ہوئی، اور اُس ریاست پر جہاں ہر شخص سے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، ہر ایک سے ایک ہی سلوک کیا جاتا ہے - میں طالب علم ہوں اس نامور درسگاہ کا جہاں اسکے قیام سے لیکر اب تک ہم ہر مذہب کے طالب علم سے ایک ہی سلوک کرتے ہیں - جس وقت میں نے ریاست نظام میں علیگڈھ کی خاطر اپنی ملازمت کو ترک کیا تھا - میں نے خیال کیا تھا کہ میں ایک پاکستان سے دوسرے پاکستان جا رہا ہوں - علیگڈھ پاکستان کا ایک اصلی نمونہ ہے مجھے ہنسی آتی ہے اُن پر جو پاکستان میں رہ کر پاکستان کی روٹی توڑ کر پاکستان کی مخالفت کریں - میں قائل ہو جاؤنگا اُن اشخاص کی سیرت کا جو پاکستان کے مخالف ہوں اور اس پاکستان کو ترک کردیں -

علیگڈھ اور بنارس

بہتر تو یہ ہوگا کہ میں علیگڈھ کے پاکستان کا مقابلہ بنارس کے ہندوستان سے مختصر الفاظ میں کروں - ہم یہاں کسی غیر مذہب والے سے بُرا سلوک نہیں کرتے اور انکی تعظیم کرتے ہیں جسکی مثال بنارس ہم کو نہیں دے سکتا - جب ہمارے ہاں کھانے پینے کے جلسے ہوتے ہیں ایک دوانیٹ کا مندر الگ کھڑا ہو جاتا ہے ہم اپنی اس مقدس جگہ مندر بنانے کی بھی اجازت دیتے ہیں - ہمارے دل کشادہ ہیں اور ہمیشہ کشادہ رہیں گے - یہ ہماری قوم کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے جو قیامت تک مٹ نہیں سکتی -

میں ۱۹۲۱ء میں فرگسن کالج پونہ میں طالب علم تھا - وہاں ڈاکٹر پرنجپے پرنسپل تھے - چھ مہینے سے زیادہ میں اس جگہ نہ ٹک سکا - یونیورسٹی کے احاطہ میں میں نے ایک کمرہ کرایہ پر لیا تھا - مجھکو گھر والے نے نہ تو کنوئیں سے پانی لینے کی اجازت دی اور نہ گھر میں گوشت ہی لاکر پکا سکتا تھا - مجھکو گھر کے کنوئیں میں بھی نہانے کی اجازت نہ تھی - اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہ کہا جاتا تھا کہ ہندو مسلمان میں بڑا پورا اتحاد ہو گیا ہے -

۱۹۳۲ء میں مجھے بحیثیت ممتحن کے بنارس ہندو یونیورسٹی جانا ہوا تھا - وہاں اس زمانہ میں تین ہزار ڈھائی سو طلباء تھے جن میں مشکل سے چھ مسلمان طالب علم تھے ان میں سے دو کو بورڈنگ میں رہنے کی اجازت دیدی گئی تھی اور مجھ سے وہاں کے ایک نہایت ہی سینیئر پروفیسر صاحب نے کہا تھا کہ ان طلباء کو یونیورسٹی کے احاطہ میں گوشت لانے کی بالکل اجازت نہ تھی لیکن بمشکل تمام اجازت یوں دی گئی کہ انکے کمرہ تک ایک سڑک ڈالی گئی جس پر کوئی ہندو نہیں چلتا ہے - یہ تصویر ہے ہندوستان کی کہ مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائیگا -

یورپ کا سوشلزم

میں یورپ کئی بار گیا - اور ایک نہیں بلکہ کئی ممالک دیکھے یورپ سیر سپاٹے ہی کے لیے نہیں جایا کرتا تھا یا جاؤنگا بلکہ حصول تعلیم کے لیے - اور میرا تو خیال ہے کہ اگر آپ کسی نالائق کو بھی بھیجیں تو وہ تجربہ حاصل کرکے دانا ہو جائیگا - یہاں پر مجھکو کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو یورپ کے مختلف ممالک میں اسقدر گھوما ہو جتنا کہ میں گھوما ہوں - میں نے یورپ کے ان ممالک کا تمدن کتب بینی ہی سے حاصل نہیں کیا، بلکہ ذاتی تجربہ سے تھیوری اور پریکٹس دو بالکل مختلف چیزیں ہیں - کتابوں میں جو باتیں لکھی ہیں آپ انکو پڑھ کر صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے - حقیقت کا پتہ اُسی وقت چلیگا جبکہ آپ خود یورپ جائیں گے -

جتنا سوشلزم ہمارے مذہب میں ہے میں نے کسی مذہب یا قوم میں اب تک نہیں دیکھا - وہ مسلمان جو یورپ میں پھیلے ہوئے مختلف قسم کے سوشلزم کی نقل کر رہے ہیں - میری رائے میں وہ اپنے مذہب کو بالکل بھول گئے ہیں اور نقل کرنے سے نتیجہ یہ ہوگا کہ کوا ہنس کی چال چلا اپنی بھی بھول گیا -

اب میں اس عمر پر پہونچ گیا ہوں کہ جب انسان کے خیالات پختہ ہو جاتے ہیں - میں آپ کو جو رائے دونگا وہ آپ کی بھلائی کے لیے - آپ عمل کریں یا نہ کریں یہ آپ کی ذمہ داری ہے - آپ اسکول میں نہیں کہ جہاں کان کھینچ کر عمل کرایا جاتا ہے -

قوم بغیر ڈسپلن کے قوم نہیں بنتی - ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکو پسند کریں یا نہ کریں ہم اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے - انشاء اللہ تمام میرے ساتھی وارڈن آپ کے ہوسٹل میں کم از کم ہفتہ میں تین مرتبہ ایک دو گھنٹے آپکے ساتھ گزاریں گے - میں خود مثال پیش کر رہا ہوں جب مجھے موقع ملتا ہے میں کسی نہ کسی ہاسٹل میں چلا جاتا ہوں اور جو خوشی مجھے طلبا سے مل کر ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھی بھی اسی خوشی کے خواہاں ہونگے - یہ ہال نہیں بلکہ ایک کالج ہے - اس میں ۵۰۰ سے زیادہ طلباء مقیم ہیں - کام کی کوئی حد نہیں پھر بھی میں کوشش کرتا رہونگا کہ جس قدر طلبا سے مل سکوں ملتا رہوں - میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ مجھے اپنے پر فخر و ناز کرنے کا موقع دیں -

تہذیب و تمدن کا درس

سابق پرووسٹ صاحب نے اپنی الوداعی دعوت میں یہ فرمایا تھا کہ چونکہ میں نے محمدن - اینگلو - اورنٹیل کالج میں تعلیم پائی ہے - میں آپ کو پرانی روایات کی یاد دلاتا رہونگا - میری عمر کا آدھے سے زیادہ حصہ علیگڈھ میں گزرا ہے -

نمبر ۲۱ | دوشنبہ - ۲۸ - ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۷ - دسمبر ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

مسیحی جنتری کے حساب سے ساتویں صدی کا ثلث اول ختم ہو چکا ہے مدینہ "تخت" پہنیں مسجد نبوی کے فرش خاک کی زینت عمر فاروق کے دم سے ہے۔ وہ "ملالۃ الملک" نہیں امت کا خادم اور مومنوں کا خلیفہ ہے۔ مقابلہ وقت کی زبردست و پرقوت سلطنت (ایمپائر) ایران سے ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے قدم بڑھتے چلے جا رہے ہیں، ایرانی علاقے کے شہر کے شہر فتح ہوتے جا رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت جہاں پناہ یزدگرد بہ نفس نفیس مع ارکان دولت بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب بھاگے ہیں تو یہ ایں ہمہ سراسیمگی و ہوش باختگی،

"ہمراہ ایک ہزار باورچی تھے، ایک ہزار گویئے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار باز دار، اور بہت سے دوسرے لوگ اور یہ تعداد بھی اُنکے نزدیک کم تھی"۔ (ایران بہ عہد ساسانیان، مترجمہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ص ۶۸۱ - انجمن ترقی اردو)

یہ ایک ہزار باورچی مین اُسوقت جہاں پناہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، جب رعایا فاقے کر رہی تھی! —— یہی جہاں پناہ ایک بار پھر ایک اور مقام سے بھاگے ہیں، تاریخ کا بیان ہے کہ

"اُسوقت اُنکے ہمراہ ۴ ہزار آدمی تھے جن میں نوکر، باورچی، فراش، خانسامیں اور سکرٹری تھے۔ اُسکے علاوہ اُسکی بیویاں، کنیزیں اور اُسکے گھر کے بچے اور بوڑھے تھے، لیکن سپاہی ایک بھی نہ تھا"۔ (ص ۶۶۵)

ایسا بادشاہ کیسے دن تخت حکومت پر بیٹھنے کے قابل تھا؟

امپیریل (شاہی) فوج کو بڑا ناز، بڑا زعم اپنے طلسمی جھنڈے درفش کاویانی پر تھا۔ یہ جھنڈا بھلا کہیں نیچا ہو سکتا تھا؟ اس پر نجوم، جوتش سحر کی مدد سے طلسمی نقش جو بنے ہوئے تھے! یہ ناقابل تسخیر تھا! اہل ایمان ہر جنگ پر فتح پانے کے بعد

"آرائش کے لیے اس پر جواہرات چڑھا دیتے تھے، درحقیقت میں وہ سارے کا سارا سونے اور چاندی اور جواہرات اور موتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ... بادشاہ اس جھنڈے کو فال دولت سمجھتے تھے اور زر و جواہرات کے ساتھ اسکی تزئین میں ایک دوسرے کے ساتھ رقابت کرتے تھے ..... ابتدا میں یہ جھنڈا شیر کی کھال کا تھا۔ بعد میں ایرانیوں نے اسے سونے اور دیبا کے کپڑے سے نیا کیا" (ص ۶۷۸، ۶۷۹)

سارا جھنڈا گویا ایک متحرک خزانہ تھا۔ قیمت کا تخمینہ ۱۲ لاکھ اشرفیوں کا ہے، اور دوسرا تخمینہ ۲۰ لاکھ اشرفیوں کا! —— مسلمانوں نے اس جھنڈے کو چھینا، گرایا، پھاڑا۔ جی ہاں پھاڑا۔ چاک کرکے، ٹکڑے ٹکڑے کرکے، خلیفہ عمر فاروقؓ کے حکم سے، آپس میں تقسیم کر لیا! کیسے ناقدرے لوگ تھے! اسکی صنعت گری کی، آرٹ کی، ذرا قدر نہ کی! ——

اور تنہا اسی جھنڈے پر موقوف نہیں۔ یہی گت ان وحشیوں کے ہاتھوں مہذب، متمدن، آرٹ نواز ایران کے مشہور ریشمی و زر بفتی، یاقوت اور موتیوں سے مرصع، لمبے چوڑے قالین "بہار خسرو" کی بنی! ٹکڑے پارچے کرکے، اسے بھی تقسیم کیا گیا۔ حضرت علیؓ کے حصہ میں جو ٹکڑا آیا! اکیلے اُسکی قیمت ۲۰ ہزار درہم تھی۔ مال غنیمت میں سے خلیفہ کا ۱/۵ نکال کر بقیہ ۴/۵ سعدؓ کے لشکر کے ۶۰ ہزار سپاہیوں میں برابر برابر تقسیم کیا گیا۔ ایک ایک سپاہی کو ۱۲، ۱۲ ہزار درہم ہاتھ آئے! ..

فتح ایسی قوم کو نہ حاصل ہوتی، تو پھر کس کو ہوتی؟ "اسیر غیبی" کے

حقیقی مسلمان بھی نہ ہوتے تو اور کون ہو سکتے تھے؟ دنیا کی ناپائیدار زینتوں کی طرف سے اتنا بے پروا اور کون ہوا ہے؟ اقبال، تسلط، اور غلبہ مسلمانوں کا "خداداد" بیشک تھا، لیکن اس نعمت خداوندی کے کھینچ لینے، اپنی طرف متوجہ کر لینے میں دخل ان بندوں کے کسب و اختیار کا بھی کچھ کم تھا؟ —— خدا پرست درویشوں کی یہ قوم جب ناتمام طاقِ کسریٰ کے مقابل قصرِ شاہی میں داخل ہوئی ہے، تو

محبت سے سرشار ہو کر سے وہاں ایسا خزانہ ملا جن میں ہر قسم کی سونے چاندی کی چیزیں تھیں۔ اس کے علاوہ بیش بہا لباس، جواہرات، بیش بہا قالین، تحف و ہدایات، نفیس عطریات ..... خسرو دوم کا تاج اور اسکی قبا تھی، جو زربفت کی بنی ہوئی تھی اور موتی اور جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کپڑے زربفت کے تھے۔ خسرو کا تاج حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا، جنھوں نے اسے کعبہ میں لٹکا دیا۔ (ص ۶۹۳)

اللہ کا حکم جب آ لیتا ہے تو اس وار کی روک بڑے سے بڑے خزانوں کی سپر بھی کر سکتی ہے؟

جامعہ عثمانیہ کی دینی خدمات

"بڑے رنج و افسوس کے ساتھ اسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اردو و اردو کے ہنگاموں میں عثمانیہ یونیورسٹی نہیں، بلکہ الجامعۃ العثمانیہ کی جو سب سے بڑی خصوصیت ہے، عموماً عوام کو اسکی بالکل خبر نہیں ..... انٹرمیڈیٹ سے طلبہ کو اسلامی مضامین کے ساتھ بی اے تک شعبۂ فنون کے طلبہ کے ساتھ انگریزی ادب اور عربی ادب کا پڑھنا اور ان میں امتحان دینا ضروری ہے بی اے کے بعد اسلامیات کے مضامین چارگانہ (تفسیر، حدیث، فقہ، کلام) میں سے کسی ایک مضمون میں ایم اے اور ایم اے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے ریسرچ کلاس (تحقیقاتی درجہ) میں تعلیم حاصل کرنے کا ضابطہ نظم کیا گیا ہے۔ حکومت نے پوری فیاضی کے ساتھ ہر قسم کی ضروریات و لوازم اساتذہ و طلبہ کے لیے فراہم کر دیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جامعہ عثمانیہ کا یہ ایک ایسا امتیاز ہے ہندوستان تو ہندوستان آج مصر و قسطنطنیہ، ایران و افغانستان جیسے اسلامی ممالک میں بھی اسلامی علوم کی تعلیم کا جہاں تک مجھے معلوم ہے اس خاص عصری طرز کے ساتھ انتظام نہیں کیا گیا ہے" (فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کی تمہید اپنے ایک شاگرد کے ایک اہم دینی مقالہ پر)

بیشک یہ ایک اہم اور بڑی خوشگوار حقیقت ہے۔ گو عوام تو عوام خواص تک کی بھی نظروں سے چھپی ہوئی۔ علوم جدیدہ میں سے دینیات سے وقیق اور اعلیٰ سے اعلیٰ علم کی تعلیم و تدریس کی زبان اردو بنا دینا، یہ تو کل فاضل گیلانی، بجائے خود عہد عثمانی کا ایک اولوالعزمانہ اور تجدیدی کارنامہ ہے۔ ہندوستان ہی کے لیے نہیں سارے مشرق کے لیے باعثِ فخر۔ لیکن اس ادبی و علمی کارنامے سے بھی کہیں بڑھ کر ہم مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے، وہ اہم دینی خدمات ہیں جو جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ دینیات کے ذریعہ سے ظہور میں آ رہی ہے۔ ان بلند پایہ تحقیقی مقالات کا ایک نمونہ وہ تھا جو جناب ابو جاد کے نام سے ایک خاصی ضخیم کتابی صورت میں عرصہ ہوا نکل چکا ہے۔ اور اس پر ریویو بھی ان صفحات میں شایع ہو چکا ہے۔ اور ایک تازہ نمونہ امام طحاوی پر وہ تحقیقاتی مقالہ ہے، جو رسالہ برہان (دہلی) میں شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ اور بہ شرطِ گنجایش عجب نہیں کہ صدق میں بھی شایع ہونا ہے۔

ایک "غیر تجارتی" محکمہ

"ہمیں تو سابقہ ہر مذاق کے لوگوں سے پڑتا ہے، اور ہمیں ہر طبقہ کو راضی رکھنا پڑتا ہے اور اس لیے نت نئے پروگرام ترتیب دیتے رہتے ہیں"

(پانیر۔ ۲۲ نومبر ۴۲ء)

لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کے ڈائرکٹر نے اپنی ایک تازہ تقریر میں کہا —— اور پھر کہا:—

"نشری ادارے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تجارتی، دوسرے غیر تجارتی۔ تجارتی کی مثال امریکہ کا محکمۂ نشریہ ہے، جس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ اسکے اشتہارات ہیں۔ اسکا اطلاق ہمارے آل انڈیا ریڈیو یا لندن کی بی بی سی پر نہیں ہوتا"

گویا ہندوستان کے محکمۂ ریڈیو ایک غیر تجارتی ادارہ ہے، لیکن اسکے باوجود ابھی اوپر گزر چکا ہے، کہ اسکا کام اپنے زیادہ سے زیادہ سامعین اور قدر دانوں کو خوش رکھنا ہی ہے —— کون کہتا ہے کہ خریداروں کی رضا جوئی، گاہکوں کی نگاہ پہچانتے رہنا بھی کوئی تجارتی ملکہ اور کاروباری عادت ہے!

اور پھر آگے ارشاد ہوا:—

"ہمارے روزانہ پروگراموں کا جزوِ اعظم ہندوستانی موسیقی ہے۔ یہی سب سے زیادہ دلپسند ہے، اور عجب نہیں کہ ہماری مقبولیت و غیر مقبولیت کا مدار بھی سب سے زیادہ اسی پر نکلے۔ ہندوستان کے سارے ریڈیو اسٹیشن مجموعی طور پر روزانہ ۹۰ گھنٹے نشر کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت میں سے تقریباً ۵۵ گھنٹے ہندوستانی موسیقی کے لیے مخصوص رہتے ہیں"

سرکاری اور پھر "غیر تجارتی" اداروں سے توقع ہو سکتی ہے تو یہی کہ ملک کی اخلاقی حالت شدھارنے، سنوارنے کے۔ یہاں خود اسی سرکاری غیر تجارتی کا ایک ذمہ دار افسر فخریہ اعلان کر رہا ہے کہ ہم ۹۰ میں سے ۵۵ گھنٹے لوگوں کو گانا سناتے (اور یقیناً مردانہ سے کہیں زیادہ زنانہ)

آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی جبرئیل کا مخالف ہے[۳۲۵] تو انھوں نے تو اتارا ہے اس (قرآن) کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے[۳۲۶]۔	قل من کان عدوًّا لجبریل فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ۔

تعلیقہ ہیں۔ مجملاً مضمون یہ ہے کہ دنیوی زندگی سراسر خود ایک سبت بڑی نعمت ہے، معصیت گوارا کرلینا چاہیے لیکن موت گوارا کرنا نہ چاہیے۔ و قس علی ہذا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۳۲۰ (جو بیچارے کتاب آسمانی اور پیام انبیاء کی دولتوں سے محروم ہیں)، مطلب یہ ہے کہ مشرکین جو سرے سے آخرت ہی کے منکر ہیں اور لذت شناسا ہی نہیں، وہ اگر آدھرسے غیر ملتفت ہوکر یا مرکز تو یہ دنیا ہی کی زندگی کو بنائے رکھیں، تو کچھ ایسا حیرت انگیز نہیں۔ غضب تو یہ یہود کر رہے ہیں، جو اپنے آسمانی صحیفوں اور پیمبرانہ ہدایتوں کے باوجود بھی مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے چپٹے ہوئے ہیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ تطویل عمر کے عجیب عجیب نظریے جو آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں، اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اسکے لیے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں بہت بڑا دخل قوم یہود ہی کے ڈاکٹروں کو ہے!

۳۲۱ احدہم میں ضمیر ہم کا مرجع یہود ہیں۔ ای یود احد الیہود (ابن کثیر عن ابن اسحٰق) بعض نے مرجع مشرکین کو قرار دیا ہے۔ لیکن سیاق عبارت قول اول کو ترجیح دے رہا ہے۔ کما یدل علیہ نظم السیاق (ابن کثیر) اور یہی رائے امام رازیؒ کی بھی ہے۔

۳۲۲ بالفرض ایسی طویل زندگی حاصل ہو بھی گئی، تو آخر کیا نتیجہ؟ بہرحال خاتمہ تو ایک روز اس طویل سی طویل زندگی کا بھی ہوتا ہے، اور خاتمہ پر پھر اسی مواخذۂ اخروی کا سامنا۔ سو ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں کوئی دیندار شخص پڑا ہی کیونکر رہ سکتا ہے؟

۳۲۳ (اور ہر طرح کی جزا و سزا پر قادر ہے)۔

خدا تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی، کا استحضار انسان کو راہ راست پر قدم رکھنے کے باب میں اکسیر ہے۔ انسان غفلت و معصیت کی طرف تو اسی وقت قدم رکھتا ہے، جب ذہن سے ایک حاضر و ناظر حاکم کا تصور غائب ہوتا ہے۔ یہی راز ہے اسکا کہ قرآن میں اللہ کی صفات ہمہ بینی و ہمہ دانی کی یاددہانی اس کثرت و تکرار کے ساتھ ہوئی ہے

۳۲۴ جبرئیل، اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ انکے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔

انسان، مقبول سا مقبول، برگزیدہ سا برگزیدہ، مقرب سا مقرب بہرحال جسم خاکی ہی رکھتا ہے، اور اسکے کثیف قویٰ، علی العموم اسکا تحمل نہیں رکھتے، کہ براہ راست تجلیات لاہوتی اس پر پڑیں۔ اس غرض کے لیے درکے بنے ہوئے لطیف الجسم فرشتوں سے عموماً سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ یہود بھی وجود ملائکہ کے قائل تھے۔ بلکہ حضرت جبرئیل کو بھی ایک فرشتۂ اعظم مانتے تھے۔ اور انکا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے۔ لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جما لیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں، انکا کام وحی لانا نہیں، عذاب لاتا ہے، اور وحی لانا تو کام ایک دوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے۔ اپنے ان مفروضہ مقدمات و مسلمات کے بعد وہ رسول اللہ صلعم پر معترض ہوتے تھے کہ یہ نئے مدعی نبوت ام اپنی وحی کے سلسلہ میں جبرئیل کا کیوں لاتے ہیں؟ یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جا رہا ہے۔

موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے، جو "لوگوں کو مارتا تھا" (۲۔ سموئیل۔ ۲۴۔ ۱۶ و ۱۷) علماء یہود نے اس سے مراد جبرئیل ہی لے رکھی تھی۔

آج بھی یہود حضرت جبرئیل کو حضرت میکائیل کا ہمسر و ہم رتبہ نہیں، ان سے کمتر ہی قرار دیتے ہیں (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۱)

۳۲۵ (پھر ان سے مخالفت و عداوت رکھنا کیسے کیا معنی؟) یہاں یہود نے جہل کو رفع کیا گیا اور بتایا گیا کہ حضرت جبرئیل سے پھر مسئلہ کیا معنی، وہ تو خدا کے ایک معتمد سفیر ہیں اور خدمت سفارت پر مامور ہیں۔ اذن کے معنی، علاوہ اجازت کے، حکم یا ارشاد کے بھی ہیں۔ ویکون باذنہ ای بامرہ (لسان) ویکون الامر اذناً (تاج) چنانچہ یہاں یہی معنی حکم یا ارشاد کے مراد ہیں۔ باذن اللہ ای بامر اللہ (معالم) باذن اللہ فالاظہر امر اللہ (کبیر) باذن اللہ اسے بامرہ (بیضاوی)

(بقیہ صفحہ ۳)

پہونچ سکتے اس سے دریغ نہ کرتے۔ اپنی فہم و بصیرت کے مطابق مسلمانوں کی خدمت و بہی خواہی میں لگے لپٹے رہتے۔ اللہ انکی بال بال مغفرت فرمائے۔ "خطۂ صالحین" میں تدفین، جوار صالحین کا میسر آ جانا بھی کچھ کم خوش نصیبی نہیں۔

ایک صدق نواز

فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۲۰۔ نومبر کے عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:—

"صدق کی غیبی امداد کی خبر ایک یہ کہیے آج ۲۰ نومبر کی اشاعت میں پڑھی۔ خدا جینے لے خیر دے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اب بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں، اسکی مسرت زیادہ ہوئی۔ اور صدق بیچارہ کو جو سانس لینے کا موقع مل گیا اس پر شکر ادا کیا۔ حق کی آواز ہے۔ اللہ ہی اسکو بلند رکھ سکتا ہے۔ میں بھی ان گمنام صاحب کو نہیں جاننا چاہتا۔ اس ابہام میں انکے لیے جو دعائیں جائیں وہ شاید ہر قسم کی نفسانی آلایشوں سے پاک ہونگی۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عن امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر الجزاء"

آج کی اخبار نے گمنامی کل کی مشہوری ناموری میں ان شاء اللہ جسوقت تبدیل ہو کر رہیگی، اسوقت عجب نہیں کہ ہم سب ہی حیرت میں رہ جائیں۔ باقی اتنا عرض کر دینے میں تو اسوقت بھی کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا کہ پانچ سو کی اس کیشت رقم کے علاوہ یہی ہستی ساڑھے سات سو کی ایک رقم، اور پانچ سو کی دوسری رقم ابھی قریب ہی میں، دوسرے نیک کاموں میں مدیر صدق ہی کی معرفت دے چکی ہیں۔ اور عین جسوقت یہ سطور حوالۂ قلم ہو رہی ہیں، ایک ہزار کا بیمہ دینی درسگاہوں میں تقسیم کے لیے وصول ہو رہا ہے!

تعلیم و اشاعتِ قرآن

(نمبر ۲)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اب کچھ دنوں سے "قرآن پڑھوایا جائے" "مسلمانوں کو قرآن سنایا جائے" اسکی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ حالانکہ یہ نہیں جانتا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا کیا وہ قرآنی تعلیمات ہی کی اشاعت نہ تھی۔ ان لوگوں سے تو بحث نہیں جنکے سامنے کوئی "تجارتی سیکرٹ" ورڈ بزنس کا راز ہے، لیکن ارباب اخلاص سے میرا سوال ہے کہ وہ مرض و اسباب مرض کی تشخیص کے وقت ذرا اپنی نظر اُن اسلامی ممالک کی طرف کیوں نہیں پھیرتے جہاں کی مادری زبان قرآن کی زبان ہے۔ عرب والے، مصر والے، الجیریا، ٹیونس والے مسلمان تو بے پڑھے بھی قرآن کو سمجھتے ہیں، لیکن ہندی مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ اُن سے اچھے نمونے پیش کر رہے ہیں؟ بلکہ کتنے راویوں سے سنتا ہوں کہ اُن ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان کا مسلمان، مسلمان ہونے کے لحاظ سے شاید سراہنے کا مستحق ہے۔ قرآن سے متاثر ہونے کے لیے جن شرائط کی ضرورت ہے اُن سے قطع نظر کر کے صرف "قرآن پڑھو اور پڑھاؤ" کی دعوت میں نہیں جانتا کہ کس حد تک اسکے ساتھ اچھے توقعات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ الفاظ اور اُنکے معانی کی حد تک تو قرآن کو ابو جہل بھی سمجھتا تھا، بلکہ قریش کا یہ سردار اور خالص حجازی عرب جسقدر عربی زبان کی نزاکتوں کو پا سکتا تھا ظاہر ہے کہ اس زمانہ کا بڑے سے بڑا ادیب بھی اُس کیفیت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن باوجود اسکے وہ ابو جہل کا ابو جہل ہی رہا۔ پس سوچنے کی جو چیز ہے وہ یہ نہیں کہ قرآن مسلمانوں تک کیسے پہونچایا جائے، بلکہ طے کرنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان قرآن تک کیسے پہونچ سکتے ہیں۔ آپ قرآن کو الٹتے ہیں پلٹتے ہیں، کبھی ترجمہ کرتے ہیں، کبھی تفسیر لکھتے ہیں، کوئی صاحب نزولی ترتیب کی تلاش میں سرگرداں ہیں، کوئی مطالب القرآن کی تبویب و تفصیل کے درپے ہیں۔ ترجمۃ القرآن کی جگہ "قرآن کی ترجمانی" کی راہ کسی جگہ بنائی جا رہی ہے۔ الغرض سارا زور قرآن کے بدلنے پر خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن جسکے بدلنے کی ضرورت ہے اُس کی طرف کم نگاہیں پہونچ رہی ہیں۔ اور کیا عرض کروں۔ مجھے قرآن پڑھنے والوں کے اس گروہ کے متعلق بالکلیہ بدگمانی بھی نہیں ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد مخلصین و صادقین کی ہے۔ لیکن باوجود اسکے ان میں زیادہ تر ایسے حضرات ہیں جن میں خود کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اور جو خود غیر مبدل ہو، وہ دوسروں کو کیا بدل سکتا ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

دین ایک زندہ پیغام ہے، جسے زندوں ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے —— اب سنئے صاحب، اگر آپ واقعی سننا چاہتے ہیں یا سنوانا چاہتے ہیں۔ قرآن ایک خاص قسم کی کتاب ہے۔ آدمیوں کی نہیں، ہے کہ آپ اسکو انسانی نوشتوں کی طرح استعمال کریں۔ اس کا

ایک حال تو یہ ہے کہ پڑھتے چلے جائیے، آپ کو سوائے چند محدود باتوں کے جنہیں مسلسل بار بار دہرا دہرا کر بیان کیا گیا ہے اور کچھ نہ ملیگی۔ اسی لیے قرآن کی سطروں سے جو چاہتا ہے کہ جیسے انسانی کتابوں میں ہر سطر ایک نیا معلوم عطا کرتی ہے، قرآن بھی اسے نئے نئے معلومات فراہم کرتا چلا جائے۔ تو پڑھنے والوں کا جو گروہ اسوقت بہت سامنے ہے اُسکو سخت ناکامی ہوگی۔ اُکتا جائیگا کہ آخر ایک ہی بات کو کہاں تک پڑھتا جاؤں۔ اور تمام عالم اُن لوگوں کا جنکے لیے یہ قرآن کو الٹا پلٹا جا رہا ہے یہی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ عوام کی اس طلب کو قرآن سے پوری کریں۔ لیکن نہیں کر سکتے۔ اسی لیے رنگ بدلتے ہیں، لہجہ بدلتے ہیں، الغرض تصنیفی چابکدستیوں کے سارے کرتب خرچ ہو رہے ہیں لیکن بات نہیں بن پڑتی۔

مگر اسی قرآن کا ایک اور حال ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو بدل چکے ہیں اُنکے لیے قرآن کے صفحات ہی نہیں سطریں بھی نہیں بلکہ شاید ہر فقرہ ہر آیت ایک جہان نو عطا کرتا ہے۔ میں اسکی مثال اللہ میاں کے کام سے دیا کرتا ہوں۔ آپ چلیے، اللہ میاں کی بنائی ہوئی اس زمین پر چلیے۔ آپ کو ہر جگہ وہی خاک وہی دھول، وہی مٹی، وہی چند روئیدگیاں، تھوڑی تھوڑی دور پر کچھ پہاڑ کچھ ندیاں کچھ نالے، کہیں کہیں دریا سمندر نظر آئیں گے۔ مگر ان چند چیزوں میں بھی وہی تکرار کا عارضہ ہے۔ گنی چنی چند چیزیں ہیں، وہی دکن میں بھی ملتی جو آسی پی میں بھی، پنجاب میں بھی، یوپی میں بھی، بہار میں بھی بنگال میں بھی۔ بسا اوقات دل کے تازہ نو واردوں کو اکثر سیاحت کا خبط سماتا ہے۔ خدا جانے دل میں کیا کیا وسوسے بٹھاتے ہیں کہ ہر شہر ہر گاؤں ہر صوبہ ہر ملک میں انکو خدا جانے کیا کیا نئی نئی چیزیں نظر آئیں گی، لیکن دو تین چکروں کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی مٹی وہاں بھی مٹی یہاں بھی پہاڑ، وہاں بھی پہاڑ، یہاں بھی پانی کا تھوڑی تھوڑی دور پر ذخیرہ، وہاں بھی یہی۔ اُکتا جاتی ہے طبیعت۔ اور بجز ضدیوں کے سیاحت کا یہ خبط دنوں سے نکل جاتا ہے۔ اسی لیے ضدی طبیعت والے بھی اپنی تسلی کے لیے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر چاہتے ہیں کہ کوئی انوکھی چیز حاصل کریں۔ نہیں ملتی ہے تو باتوں کے زور سے اُسے نئی بنا لیتے ہیں، اور اپنی سیاحتی مصیبتوں کی قیمت انہیں گپوں کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں، جنکے متعلق سعدی کا قدیم شعر جہاندیدہ بسیار گوید دروغ۔ اور وہی بات کہ دو چمچہ آب ست ایک چمچہ دوغ۔ پنجاب کی لسی کا حال، کہ ایک چمچہ دہی اور بیس گلاس پانی۔

مگر اسکے مقابلہ میں زمین کے اسی کرہ پر کچھ وہ لوگ بھی آباد ہیں کہ جو ایک ایک کھیت اور کھیت کی ایک ایک کیاری سے عجائب

اور طرح طرح کے پھل رکھی بھی، دودھ بھی، شکر بھی، ترشی بھی، تلخی بھی، گوشت بھی، نیلون بھی۔ الغرض وہ سب کچھ جسکی آدمی کو ضرورت ہے، اسی خاک دھول کے مجموعہ سے سب کچھ [illegible] ہوئی کائنات بد حالی کے نام سے ایک عجوبی سی کتاب قرآن نکلے ان کہا۔

مسیح موعود کہاں ظاہر ہوگا اور کیا ہوگا

(از مولانا سید شاہ محمد شاہ قادری شطاری حیدرآباد دکن)

یہ اقوام حسب پیشگوئی تصریح قرآن باہم کھنا گتھا ایک گرموجون کردیے گئے ہیں۔ اور موجودہ جنگ اعظم وگذشتہ جنگ عظیم درحقیقت اسی پیشگوئی کا مصداق ہیں۔ مگر افسوس کردہ افاضل علما وعلام رسمیہ جو اکثر معتقد فیہ اور قابل قدر ہیں بوجہ جغرافیہ جاننے اور علم الاقوام اور تاریخ قدیم سے کورے ہونے کے باعث، اور بہت سارے محض قادیانی جماعت کے خلاف عصبیت جاہلیہ کی وجہ سے اس کھلی ہوئی حقیقت سے آنکھ بند کیئے ہوئے ہیں اور زمانہ کی انتہائی نازک ساعت حیات ومماعت میں جو تمام قیامتہائے قومیہ وملی میں سب سے بڑی قیامت ہے (نہ وہ عالمی قیامت کبرے جسکا پتہ کسی کو نہیں) اور جس سے متعلق مسیح دجال ویاجوج وماجوج وغیرہ شراط الساعہ ہیں، بجائے اسکے کہ اپنے اپنے خانقاہ اور مساجد چھوڑکر مسلمان قوم کی صلاح وبہبود میں تن من دھن سب لگا دیں اور اس قوم کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اور خلافت علی منہاج النبوۃ کو پھر سے قائم کریں جس میں خود بخود مسیح مہدی کا ظہور ہو جائیگا۔ اسکے بجائے یہ حضرات اسی یہودی بچہ دجال خرسوار کی یاد میں اور انھی یاجوج ماجوج کے انتظار میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں جو انکے ذہن میں احادیث وروایات کی حقیقی بلا تاویل معنوں کے لحاظ سے ایک عجیب وغریب مافوق الفطرت مخلوق ہیں جو اس نشأت دنیا میں اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر کبھی ہوئے ہیں اور نہ ہونگے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ فاسفا علی قوم داہم۔ غواشی رقدۃ حتی الممات۔

غیر یہ ضمنی بحث تھی۔ کہنا یہ ہے کہ دور دجال وفریب عمومیت کے بعد ایک دوسرا فوجی بربریت کا دور آرہا ہے جسکا مقابلہ حسب تصریح کسی کے بس میں نہیں۔ لا یدان لاحد۔ اسکی خصوصیت جہاں یہ ہے کہ کوئی اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا وہاں یہ بھی ہے کہ وہ دیرپا اور قائم نہیں رہ سکتا جیسے کہ ہلاکو واسکندر وغیرہ فاتحین کا حال ہوا۔ قرآن پاک اور مکاشفات یوحنا فصل (٢٠) اور صحیفہ حزقیل واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور ایک سیلاب کی طرح ہے۔ وہم من کل حدب ینسلون، کہ ادھر آیا ادھر چلا گیا۔

دُنیا کا نظام نو

یہ مسیح مہدی کا تبایا ہوا الملکوت السماوی والا نظام قرآنی ہوگا نہ کہ نظام شیطانی

دنیا یہ آواز یں سن رہی ہے ادھر سے بھی اور ادھر سے بھی کہ تمام کرۂ زمین کی اقوام کے سامنے ایک "نظام نو" پیش کیا جانیوالا ہے جو ان کی نجات، اور سکھ چین اور امن واطمینان اور دفع شر وفساد وجدال باہمی کا باعث ہوگا۔

مگر یہ سب تو ہم باطل ہے۔ ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر دنیا صدائی

روشنی نے جس چیز پر روشنی ڈالی ہے وہ مسیح حقیقی یعنی مہدی کا قرآنی نظام ہے۔ پڑھو، ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوتا ہے اور ہوکر رہیگی [illegible] کی پیشین گوئی کو بھی اپنے پورے مفہوم میں پوری ہونا ہے اور ہوکر رہیگی اور اشرقت الارض بنور ربہا ووضع الکتٰب کی پیشین گوئی کو بھی اسی آسمان کے تلے اور اسی زمین کے اوپر بھی اس قیامت کبریٰ سے پہلے اقوام کے بعد بھی پوری ہونا ہے اور ہوکر رہیگی جیسے کہ وہ قیامت کبرے کے عالم کے وقت پوری ہوگی کہ تمام روئے زمین حکومت الٰہیہ [illegible] سے (خلافت علیٰ منہاج نبوت) روشن ہو جائیگی اور ناکیا یا سب ختم ہو جائینگی اور کتاب اللہ ہی دستور العمل زندگی ہو جائیگی اور اسی کا راج ہوگا عربی میں محاورہ وضع السیف فیہم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تلوار ہی کے فیصلہ پر آنکا دارمدار رکھو دیا یعنی تلوار ہی کا راج چلنے لگا۔ اسی طرح وضع الکتاب کا مطلب بھی یہی ہے کہ اسی کا راج چالو ہو۔ اب رہا الکتاب سے مراد قرآن، تو یہ ایک صاف بات ہے۔ اس لیے کہ آج دنیا میں جتنی کتابیں آسمانی مانی جارہی ہیں، خود انکے ماننے والوں کو بھی انکی حقانیت وصدق میں شبہات ہیں۔ دنیا میں محض ایک اور بالکل ایک کتاب ہے جو آسمانی مانی جاتی ہے اور کسی تغیر وتبدل کے بغیر جیسی کی ویسی موجود ہے۔ محققین یورپ تک کو اسکا اعتراف ہے۔ غرضکہ کوئی کتاب صحیح معنوں میں الکتاب (معرف باللام) کا آج مصداق نہیں سوائے قرآن پاک کے۔ نیز وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کی پیشین گوئی کو صحیح معنوں میں پوری ہونا ہے اور ہوکر رہیگی حضور سید المرسلین کو ایک دن عملاً اور واقعتاً تمام دنیا جہان کے بنی نوع بشری کے لیے رحمت اور باعث نجات اس دنیا میں بھی بننا ہے اور آپ کا مقام محمود اس دنیا میں بھی قائم ہونا ہے جیسے کہ اس غیبی دنیا میں۔

المسیح المہدی یہ سب کب ہوگا۔ قرآن وصحف الہامیہ وکتب احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب مسیح مہدی کے عہد میں ہوگا جو از سرنو خلافت علیٰ منہاج نبوت کا دور ہے۔ کمافی الحدیث، اور جسکا وقوع بعد از دور مسیح دجال ویاجوج وماجوج ہونا منصوص احادیث ہے۔ الغرض المسیح المہدی کا انقلاب اعظم ونظام محکم بعد از المسیح الدجال ویاجوج ماجوج ہے:۔ دجالی ویاجوجی دور تخریبی ہیں اور مسیحا ئے مہدی کا دور تعمیری۔ تعمیر ہمیشہ تخریب کے بعد ہوا کرتی ہے۔ (باقی آئندہ)

تحفۂ خسروی

الا الذی جاء بالصدق وصدق به اولئک هم المتقون

(اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبد الماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی
قیمت فی پرچہ

صدق

نمبر ۳۵ | دوشنبہ ۴ - محرم الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۱ - جنوری ۱۹۴۳ء | جلد ۸

سچی باتیں

حال میں ایک ذرا لمبے سفر کا اتفاق ہوا تھا، واپسی میں سہارن پور اسٹیشن سے ایک نوعمر سکھ کا ساتھ اسی درجہ میں ہوا۔ الہ آباد کے ایک انگریزی امتحان کی شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ اسٹیشن تک انگریز ٹیوٹر پہونچانے آیا تھا۔ راستے میں اپنے ایک ہندو ساتھی سے فرفر انگریزی میں، اور ہم مسلمان ہمسفروں سے شستہ شستلیس اردو میں باتیں کرتا رہا۔ عمر کوئی ۲۰ ہی سال کی ہوگی، لیکن صورت سے کئی سال زائد معلوم ہو رہی تھی۔ یہ اس لیے کہ چہرہ پر پوری داڑھی تھی! داڑھی؟ جی ہاں داڑھی! لڑکا ایک اونچے امتحان کے لیے جا رہا ہے، اور چہرہ پر مونچھیں ہی نہیں، داڑھی بھی موجود! داڑھی بھی ایسی جس کا ایک بال بھی قینچی کا زیر بار احسان نہیں! ——— مسلمان طلبہ اس خبر پر یقین کرینگے؟ اس خبر اور اس روایت کو تو ممکن ہے کہ غلط بھی سمجھ لیں۔ لیکن خود اپنے مشاہدہ کو کیا کرینگے؟ جس مقابلہ اور غیر مقابلہ کے امتحان میں جائیں، سکھ امیدواروں کو دیکھ لیں، یہی شکل ملیگی۔ اپنی آنکھوں کو کہاں تک جھٹلائینگے؟ داڑھی انکے مذہب کا حکم ہے، اور وہ اپنے مذہبی حکم کی پابندی کر رہے ہیں۔ یہ "آزاد خیالی" تو ہمارے ہی حصہ میں آئی ہے!

اتنا ہی نہیں کہ چہرہ پر داڑھی تھی۔ سر پر سکھوں والی پگڑی بھی تھی! نہ ہیٹ تھی نہ سر ننگا تھا۔ سر پر پگڑی بھی تھی، اور بالوں میں کنگھی کھنسی ہوئی۔ غرض یہ کہ سکھ نوجوان، اپنی انگریزی قابلیت کے باوجود، پوری طرح سکھ تھا۔ باطن بھی سکھ اور ظاہر بھی سکھ، دل و دماغ بھی سکھ، جسم و لباس بھی سکھ! ——— اسے یہ ڈر نہ ہوا کہ دوسری قوم والے اسکی وضع قطع پر ہنسینگے، اسے یہ خدشہ نہ محسوس ہوا کہ انگریز ایم انگریز ممتحن اسکی داڑھی اور پگڑی کو دیکھ کر بری رائے قائم کر دینگے، اور اسے فیل کر دیں گے۔ وہ خود اعتمادی کی نعمت سے مشرف تھا۔ اسے اعتقاد اور یقین تھا اپنے مذہب کی سچائی پر، اور اپنے مذہب کی بتائی ہوئی معاشرت کی سچائیوں پر۔ اسکا دل و دماغ مفلوج، اور غیروں سے مرعوب نہ تھا۔ اپنی داڑھی اور پگڑی کو وہ حقیر نہیں، عزیز رکھتا تھا ——— یہ غیروں کے غلام، زر خرید غلام بننے کی، اور اس عقلی، اخلاقی، اعتقادی غلامی پر فخر کرنے کی، اسے اپنی "روشن خیالی" کی سند اور "آزاد خیالی" کی دستاویز سمجھ کر پیش کرنے کی لعنت تو ہمارے ہی حصہ میں آئی ہے!

اسلام کا دار و مدار یقیناً نہ داڑھی پر ہے نہ پگڑی پر۔ نہ سر و چہرہ کی کسی خاص وضع پر، نہ بالوں کی کسی خاص قطع پر۔ اور جو کوئی انھیں ارکان دین کے درجہ پر رکھتا ہے، وہ یقیناً بہت زیادتی پر ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارا دین، زندگی کے حق میں ایک ہمہ گیر دین ہے۔ اس نے غذا، لباس، مکان، وضع و قطع، معاشرتی زندگی کے کسی ادنی سے ادنی شعبہ کو بھی اپنی گرفت سے باہر نہیں چھوڑا ہے۔ ہر ہر شعبہ سے متعلق اسکے احکام ہیں، قوانین ہیں، حلال و حرام کے ضابطے ہیں۔ اور ان سے اتر کر کراہت و استحباب کے آداب ہیں، پسندیدگی ہے، ناپسندیدگی ہے، سفارشیں ہیں، قومی و ملی تشخص کی "تاکیدیں" ہیں، ترغیبیں ہیں۔ غیروں کے اثر سے بچنے کی ہدایتیں ہیں۔ مخالفوں اور معاندوں کے علمی، ذہنی، تمدنی، غرض کسی قسم کے بھی رعب میں آ جانے کی مخالفتیں ہیں۔ توحید سے انکار کرنے والوں، رسالت کے منکر ہونے والوں، آخرت کے نہ ماننے والوں کے تمدن و معاشرت میں ضم ہو جانے پر وعیدیں ہیں، تہدیدیں ہیں ——— حقیقت یہ ہے کہ مسلمان آج

خود اپنے وجود سے شرمندہ اپنی اسلامیت پر خجل، اپنے شعار قومی وملی کو عیب سمجھ کر بے دھڑک اور بے تحاشا غیروں کی نقالی پر اتر آیا ہے اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کو اندھا دھند توڑتا چلا جا رہا ہے!

حکومتِ الٰہیہ کا داعی! مولانا مودودی کے ایک معتقد لیکن اپنے ایمان کو شاید پیر پرستی عقیدت پر غالب رکھنے والے صاحب لکھتے ہیں:-

"ایک دل شکن خبر آپ کو سناتا ہوں۔ ۲۰ دسمبر کے انڈین لسنر میں حضرت مولانا مودودی مدظلہ العالی کا فوٹو نکلا ہے۔ یہ فوٹو جسقدر گمراہی کا سبب بن سکتا ہے، بالکل ظاہر ہے۔ مگر تحقیق سے پہلے اظہار خیال کرنا مولانا کی ذات پر ظلم کرنا ہوگا"

لیکن تحقیق کس امر کی؟ کیا اسکی کہ ریڈیو والوں نے (انڈین لسنر ریڈیو والے ہندوستان کے انگریزی رسالہ کا نام ہے) صدر جماعت اسلامی کی تصویر کسی جبر سے یا مکر سے بغیر انکے علم و اجازت کے شایع کر دی؟ کوئی سرکاری محکمہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور ریڈیو والے تو اس باب میں بہت محتاط ہیں — وہ فوٹو کی فرمائش تو اپنے ہر آرٹسٹ، ہر گویئے، ہر مقرر سے کرتے ہیں، اور جب کوئی انکار کر دیتا ہے، تو بس خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس آرٹ نوازی کے مظاہرہ میں ان لوگوں پر ملامت کی تو کوئی گنجایش ہی نہیں —— لیکن ان معتقد صاحب نے اسے "گمراہی کا سبب" خواہ مخواہ کیوں قرار دے لیا جب کہ مولانا ماشاءاللہ خود صاحب رائے واجتہاد ہیں اور خاص دکامل مومنین کی جماعت کے امیر۔ وہ ہم کمزور ایمان والوں کی طرح حدیث کے لفظ کو پکڑے ہوئے، رسول، صحابہ، تابعین کے تعامل اور اسوۂ عمل کو پکڑے ہوئے، تصویر کشی کو تہذیب اسلامی کے منافی سمجھنے ہی کیوں لگے؟ کیا آخر انکے قبل "روشن خیال" علما نے اسکے جواز کا فتویٰ نہیں دے دیا ہے؟ حکومت اسلامی کے اس داعی کے اجتہادات تو اس سے کہیں بڑھے چڑھے ہوئے ہیں، یہ تصویر کشی کا مسئلہ تو پھر نسبتہً بہت ہلکا ہے۔ [یہ شذرہ پریس میں جا ہی رہا تھا، کہ مولانا کی تصویر ریڈیو کے اردو رسالہ آواز میں بھی آگئی! مولانا مائیکروفون کے سامنے ننگے سر بیچ سے کھلی ہوئی مانگ، جھکی ہوئی آنکھوں، بند ہونٹوں کے ساتھ گویا بیٹھے ہی اس مصلحت سے ہیں، کہ تصویر کھنچوانا ہی مقصود ہے! اب اسکے آگے رسالہ آواز کے ایڈیٹر صاحب کی ستم ظریفی ہے کہ مولانا کو وسط میں کر کے داہنی طرف لاہور کے ایک گویئے کو جگہ دی ہے اور بائیں طرف لکھنؤ کی ایک نائی جی کولا]

"لندن کی ایک رات" اس عنوان کے ماتحت، ہوائی حملوں کی زد میں آئے ہوئے ۔۔۔ والے لندن میں بسنے والے ایک ہندوستانی صاحب اپنی آپ بیتی سناتے ہیں:-

"... اُس رات ہم سب دوست احباب کئی دن اور کئی رات کے متواتر حملوں سے تنگ آکر ایک نہایت پُر تکلف پی جلی ہندوستانی انگریزی دوست کے انتظام میں مصروف تھے۔ مالکہ مکان نے اپنا باورچی خانہ اور اُسکا سب سامان ہمارے حوالے کر دیا تھا۔ اور اوپر کا بڑا کمرہ ہمیں ناچ کے لیے خالی کر دیا تھا کوئی ۲۵ عورتیں اور مرد ... سب نے مل کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ کھانے کے بعد ہم لوگ ناچ رہے تھے کہ یکایک خطرہ کا سائرن بجا۔ پہلے تو ایک دم سب خاموش ہو گئے، مگر ناچ بند کیے بغیر۔ پھر ایک بولا، کیا صلاح ہے؟ ایک لڑکی نے جواب دیا، "ناچتے رہیں گے۔ چنانچہ ہم سب ناچتے رہے اور گانوں اور قہقہوں سے سارا مکان تو کیا، سارا محلہ گونجنے لگا" (ہوائی حملے۔ مصنفہ آغا محمد اشرف ایم اے۔ شایع کردہ حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی)

اسی اقتباس سے کچھ اوپر کی سطریں:-

"تھوڑے دن کے بعد یہ معمول ہو گیا تھا کہ روز شام کے ساڑھے آٹھ بجے سائرن بجتا۔ دشمن کے ہوائی جہاز کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دینے لگتی۔ سرچ لائٹ کا جلتا ہوا جال آسمان پر بچھ جاتا۔ توپیں دغنے لگتیں۔ اور زمین آسمان ہل جاتے۔ اُس وقت اگر سنیما ہوتا تو تصویر کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لیے بند ہو جاتا اور پردہ پر یہ لفظ آجاتے" ابھی ہوائی حملہ شروع ہوا ہے مگر یہ تصویر جاری رہیگی۔ جو لوگ پناہ خانہ میں جانا چاہیں انکا راستہ نیچے بائیں طرف کو ہے" مگر سب بیٹھے رہتے اور تصویر پھر جاری ہو جاتی (ص۵)

محمد شاہ غریب کا بس یہی قصور تھا، نہ، کہ نادر شاہ کے حملہ اور چڑھائی کی خبر سنتا رہا اور حملہ کی سرکاری رپورٹ کو "ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ" پڑھ کر بدستور اپنے رنگ رلیوں میں لگا رہا؟ اور اسی قصور پر آپنے اسے "رنگیلے" کا خطاب دے ڈالا، اور خدا معلوم کیا کچھ کہہ ڈالا! حالانکہ نادر شاہ کی فوج اُسوقت واقعی اچھے خاصے فاصلہ پر تھی —— اب جا کر پتہ چلا کہ دشمن کی پیش قدمی کی خبر سن کر نہیں، عین بمباری کے وقت عین جانسوزی کے وقت (جبکہ بم کا ہر گولہ نادر کی ساری جانسوزیوں سے بڑھ کر جانسوز ہے) سنیما دیکھتے رہنے کے، گانے میں نہیں، ناچ میں مشغول رہنے کے، مرد و زن کے مشترک دہم آغوش ناچ میں مصروف رہنے کے، جدید، فرنگی، و ترقی یافتہ تصور کے مقابلہ میں وہ قدیم، مشرقی تصور بھی کسقدر ادنیٰ اور پست تھا!

ادب کے نام سے بے ادبیاں معزز معاصر معارف لکھتا ہے، اور کتنا سچ لکھتا ہے:-

"آجکل عریاں نویسی کا نام ادب لطیف اور عزیبوں اور مزدوروں کے مرثیہ کا نام نیا ادب رکھا گیا ہے، اور کہا یہ جا رہا ہے کہ یہ نئے انقلاب کی بنیاد بنیگا۔ اس نئے ادب میں ہر پرانی چیز سے بے ادبی پہلا اصول ہے۔ اس بنا پر مذہب سے جو انسان کا سب سے پرانا سرمایۂ روح ہے بے ادبی ناگزیر ہے۔ چنانچہ ہندو نوجوانوں کی دیکھا دیکھی مسلمان نوجوانوں نے بھی تفریح طبع کی خاطر اس بے ادبی سے دل بہلانے کی طرح طرح کی صورتیں نکالیں

کی ہیں۔ کہیں ظرافت، کہیں تمسخر، کہیں شاعری اور کہیں معاشرت کے مسائل میں بذلہ سنجی کی جاتی ہے، اور عموماً اس شغلہ میں بے روزگار اہل قلم مصروف ہیں۔ دلّی کے ایک نئے ادبی رسالہ میں ابھی اسی بے ادبی کا نیا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اس داد کے پوتے کی ادارت میں نکلتا ہے جو نہدی مرحوم کے بقول "مذہب کے بغیر لقمہ بھی نہیں توڑتے تھے"!

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا!

پھر کیا مسلمان اس پر صرف افسوس کرکے رہ جائیں؟

سگرٹ اور معدہ کے زخم

دہلی کے مشہور طبی رسالہ ہمدرد صحت سے:—

"ڈاکٹر آرتھر ہرسٹ جو ایک نامور برطانوی طبیب ہیں، اُنکے تجربہ میں آیا ہے کہ اثنا عشری (معدہ سے ملحقہ آنت) کے زخم کے مریضوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو سالہا سال دراز سے سگرٹ نوشی کے عادی تھے اور بکثرت پیتے تھے۔ چونکہ لوگ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ تمباکو معدہ اور امعاء کے لیے سخت مضر ہے، اس لیے نیو یارک (امریکہ) کے ڈاکٹر اون اہر نفیلڈ اور ڈاکٹر نیلیس اسٹر یونیٹ نے بطور خود تحقیقات شروع کی۔ ۔ ۔ ۔ اب اس بات کی شہادتیں بکثرت مل گئی ہیں کہ سگرٹ نوشی کی وجہ سے معدہ کی تیزابی کیفیت میں اضافہ ہو کر معدہ کے زخم رونما ہوسکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اسکی وجہ سے معدہ کے زخموں کے اچھا ہونے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے"۔ (دسمبر نمبر ۴۲ء)

جہاں سے یہ بلا آئی ہے، اب وہیں کے ڈاکٹر پر ڈاکٹر اس زہر کے نتائج کے اعلان کرنے میں لگے رہتے ہیں!

جنگ کے بعد وبا

شکاگو (امریکہ) ۳۰۔ دسمبر۔ شکاگو یونیورسٹی کے صدر شعبۂ علم الامراض (پیتھالوجی) ڈاکٹر پال۔ آر۔ کینن نے اعلان کیا ہے کہ یورپ پر عنقریب سخت وبائیں نازل ہونے والی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ غلط تغذیہ کے نتیجے عنقریب جنگ بھر کے علاقوں میں رونما ہوکر رہیں گے۔ یورپ کا جتنا علاقہ اسوقت تک فتح ہو چکا ہے، اس میں استسقا کا مرض پھیل چکا ہے، اور بچوں کے سوکھے کی بیماری اور فساد خون (داء الکعز) کی نوبت خوفناک حدود تک پہونچ چکی ہے۔ امراض ساریہ سے بھی موتیں ہر جگہ اضافہ پر ہیں، اور ہیضہ، ٹائیفائڈ اور طاعون برابر بڑھ رہے ہیں"۔ (رائٹر کی تار برقی)

اس متن کی شرح ایک دوسرے انگریز ڈاکٹر سیلول ڈی سیکٹری کی زبان سے سنیے:—

"پناہ گزینوں کے انبوہ کے ساتھ ساتھ ملیریا، ٹائیفس (روتی جھرہ) اور پیچش کے امراض کا وبائی شکل میں ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتے رہنا لازمی ہے۔ پھر جو فوجیں اپنے ملک کو واپس ہوتی ہیں وہ اور جو قیدیان جنگ"، ادلہ میں چھوٹ چھوٹ کر اپنے اپنے وطن کو واپس پہونچتے ہیں وہ، سب ان امراض کے پھیلانے والے ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد صرف ایک روس میں ایک مرض ٹائیفس سے مرنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ کی تھی! اور ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان تین برس کی مدت میں وادی وولگا کی پوری چوتھائی آبادی ملیریا کی نذر ہوگئی"۔ (تبصرۂ کتاب "میڈیکل ریلیف ان یورپ" سنڈے ہندو، مدراس ۲۹۔ نومبر ۴۲ء)

یہ گویا نوٹس ہے کُھلے اور صاف لفظوں میں ہلاک جنگ کے بعد ہلاکت تر وبا کا! ——— اس دور ترقی سے پیشتر چشم انسانیت نے ہلاکتوں کے یہ طریقے کبھی کیوں دیکھے سنے ہونگے؟

جاپانی تعدد ازدواج

"چنگ کنگ۔ ۱۹۔ دسمبر۔ جاپان کی آخری مردم شماری جو اپریل میں ہوئی تھی، اسکے اعداد سے معلوم ہوا کہ جاپان کی شہری آبادی (یعنی غیر فوجی) آبادی میں مرد و زن کا تناسب ایک اور پندرہ کا رہ گیا ہے! حکومت جاپان نے اس صورت کا علاج یہ سوچا ہے کہ شادیوں اور ولادتوں پر انعامات اور قرضوں کا سلسلہ جاری کرے"۔ (رائٹر کی تار برقی)

ایک مرد کے لیے پندرہ عورتیں! ایک مرد کے لیے چار چار بیویوں کے مسئلۂ جواز کو عورت کی توہین سمجھنے والے، فطرت نسوانی کے منافی قرار دینے والے "روشن خیال" اب قدرت کے ان ٹھوس مادّی حقائق کی تبیان کو کیا کریں گے؟

سود در سود کی برکتیں

بنگال کی آئی ہوئی ایک خبر:—

"قصبہ کورتھ میں ۔ ۔ ۔ فقیر نے سیٹھ ۔ ۔ ۔ ساہوکار سے ۱۵ روپیہ قرض لیے، اور طے پایا کہ ۶ فی صدی ماہانہ سود در سود لگایا جائیگا۔ ۱۲ سال بعد جب شرائط کے ماتحت حساب لگایا گیا، تو معلوم ہوا کہ ۲۰ ہزار سے کچھ اوپر رقم واجب الادا ہے! اگر ۔ ۔ ۔ فقیر کی کچھ بھی حیثیت ہوتی، تو ساہوکار صاحب پوری رقم کی وصولی کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے۔ لیکن انھوں نے اسکی ناداری کے پیش نظر صرف تین سو روپیہ کا دعویٰ کیا۔ مولوی عبد العزیز صاحب نے صرف ۔ ۔ فی صدی سود اور خرچہ شامل کرکے ۴۰ روپیہ کی ڈگری دیدی۔ گویا ساہوکار صاحب پھر بھی اصل سے ڈھائی گنی سے زیادہ رقم وصول کر لیںگے!"

یہ مثال تو پھر بہت ہلکی ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ میں تو ایک نظیر عرصہ ہوا اسکی مل چکی ہے، کہ اصل قرضہ کی رقم کُل ۲۲۵ روپیہ کی تھی، اور دعویٰ چند سال کا سود در سود ملا کر ہوا تھا ۲ لاکھ اور کچھ ہزار کا! مسلمان "روشن خیال" مسلم "سود مند" کانفرنس کے بانی اور ارکان، اب بھی چیختے رہیں گے کہ قوم جبتک "جواز سود" کی قائل اور قائل ہی نہیں، اس پر عامل بھی نہ ہو جائیگی، اُسکا "روشن مستقبل" اس سے دُور ہی رہیگا؟ ——— مثال کوئی نئی اور نظیر کوئی اکّا دکّا یا اتفاقی تھوڑی ہی ہے۔ گھر کے گھر، خاندان کے خاندان، قوموں کی قومیں

اس سود و رسوا کی چکر کی نذر ہو چکے ہیں!

الٹی داد "مجھے تاریخ اسلام کی تدوین کے لیے وقت نہیں مل سکا۔ لیکن یہ نہیں کہ اس کام کی اہمیت ہر وقت میرے پیش نظر رہی۔ بحمد اللہ کہ اس باب میں برادر محترم عبد الوحید خاں صاحب نے ہمت کی، اور انکی کوشش کے نتائج ہمارے پیش نظر ہیں۔... عوام کے جذبات کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ چلنے والی تالیفات کی تدوین نہ زیادہ مشکل ہوتی ہے نہ انکی مقبولیت مشکوک۔ لیکن مقبولیت عام کے بجائے بنگاہ کوشش سے نقد و کر صرف حقیقت کو پیش کرنا بڑی آزمائش پر پڑنا ہوتا ہے"۔ (ص ۲۹)

یہ چار پیر و ضخیم تالیف "تاریخ انقلاب و سیاسیات اسلامی" کے ایک تقریب نویس پروفیسر صاحب نے اپنی تقریب میں فرمایا۔ کتاب اپنی سطحیت، شغال انگیزی، کثرت تلبیسات اور فتنہ سامانی کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اور پروفیسر صاحب کا دیباچہ دوسرے دیباچوں سے بہت غنیمت اور نسبتہ معتدل ہے۔ اس پر بھی انھوں نے یہ فرما کر کہ کتاب گویا زمانہ کی ہوا کے مخالف ہے، کتاب کی کیسی قدردانی کر دی، اور مصنف کو کیسی الٹی داد دیدی! تخریب کے اس بحرانی دور میں، انقلاب، بغاوت، اور "آزادی" کے اس ہیجانی ہنگامہ میں، اس سے بڑھکر مقبول طبائع اور "نگارشی" چیز تو کوئی اور اس دعوے سے بڑھکر ہو ہی نہیں سکتی کہ خلفاء راشدین کے بعد سے اسلام کو کوئی صحیح سمجھا ہی نہیں تھا، مفسروں نے یہ یہ غلطیاں کیں، محدثین نے یہاں یہاں ٹھوکریں کھائیں، صوفیہ یوں اور یوں بہکے، متکلمین نے فلاں فلاں حماقتیں کیں، ہر جماعت ایک احمقوں کی جماعت رہی ہے، عقل و دانش، حکمت و فرزانگی تو صرف میری کتاب کے صفحات میں ملیگی! کتاب کی "اشتہاری" حیثیت تو اتنی واضح و صریح ہے کہ اب کتاب ہر خارجی اشتہار سے بالکل مستغنی ہے! مصنف کو محض داد ہی دینا منظور تھی، تو صحیح داد یہ بھی تو ہو سکتی تھی کہ مصنف نے زمانہ کی نبض خوب پہچانی، اور اپنے استادوں سے بھی قدم آگے بڑھاکر امت اسلام اور خود تحریک اسلام کی شدید ناکامی کی ایسی تاریخ لکھ ڈالی جسکی تمنا ہی میں اہل باطل کے سارے گروہ بیٹھے ہوئے تھے!

مدیر "ساقی" کا معذرت نامہ

۶۔ جنوری کے سہ پہر کو جبکہ صدق کی تقریباً آخری کاپی لکھی جا چکی تھی، مدیر رسالۂ ساقی کا ایک طویل رجسٹرڈ مکتوب موصول ہوا ہے۔ جس میں نومبر نمبر کے اس گندے مضمون پر اظہار معذرت ہے گو کسی قدر کمزور الفاظ میں۔ پورا مکتوب آیندہ ہی نمبر میں درج ہو سکتا ہے۔ مگر اس مکتوب سے زیادہ اہم اور ضروری تو خود رسالۂ ساقی ہی میں مدیر موصوف کی طرف سے معذرت اور آیندہ کے لیے احتیاط و اصلاح کا وعدہ شایع ہونا تھا۔

سورۂ بقرہ، رکوع ۱۲

سلسلۂ صدق، ۳۱

(از عبد الماجد)

آیت	ترجمہ
۹۷۔ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشری للمومنین۔	(وہ) تصدیق کرنے والا اس (کلام) کا جو اسکے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔[۵۲۶]
۹۸۔ من کان عدوا للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکفرین	جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا[۵۲۷] یا اسکے فرشتوں کا یا جبرئیل کا یا میکائیل کا[۵۲۸]، سو اللہ (بھی) بیشک مخالف ہے (ایسے) کافروں کا۔[۵۲۹]
۹۹۔ ولقد انزلنا الیک ایت بینت وما یکفر بہا الا الفسقون۔	اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان اتارے ہیں[۵۳۰]، اور ان سے کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے۔[۵۳۱]

[۵۲۶] یہاں کلام مجید نے اپنے تین خصوصیات متعین طور سے بیان کیے ہیں:- ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء، پچھلے صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اسکا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے، جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بذات خود ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں ایک بشارت ہے۔

[۵۲۷] عدوا، بہ لحاظ مصدر، ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاة الالتیام (راغب) اور عدو، بہ حیثیت اسم، مقابل ہے دوست کا۔ العدو والشخص ضد الصدیق۔ (روح)۔ اسکے مفہوم میں انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالی کے ساتھ ایسا رشتہ و تعلق رکھے جو منافی ہے اسکی محبت کے۔

[۵۲۸] میکال یا میکائیل بھی جبرئیل کی طرح ایک فرشتۂ مقرب کا نام ہے۔ مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ انکے سپرد مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے۔ گویا جس طرح احکام تشریعی کے واسطۂ خاص حضرت جبرئیل ہیں، احکام تکوینی کے واسطۂ خاص میکائیل ہیں۔ پہلے کا تعلق خاص بارگاہ الوہیت سے ہے دوسرے کا بارگاہ ربوبیت سے۔ توریت میں انکا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انھیں سے جوڑے رکھے تھے۔ اور انھیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبرئیل کے حامل وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ ...) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انھیں دو فرشتوں کا نام لے کر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے جواب میں بھی تصریح انھیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کر دیا گیا۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ جمع ہی کے لیے نہیں آتا، کبھی معنی "یا" کے بھی دیتا ہے تکون بمعنی او (قاموس)

چنانچہ اس آیت میں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے۔ یعنی ان اسماء کا

۱۰۰ - اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ

کیا یہ ہے کہ جب کبھی بھی انھوں نے کوئی عہد کیا ہے[۵۳۲] تو انھیں میں سے کسی (نہ کسی) فریق نے اسے پھینک بھی دیا ہے[۵۳۳] (نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے[۵۳۴]۔

۱۰۱ - وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

اور جب انکے پاس پیمبر[۵۳۵] آئے اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والے اس (کتاب) کی جو انکے پاس موجود تھی[۵۳۶] تو ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب الٰہی کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا[۵۳۷] گویا وہ جانتے ہی (ہو جیسے) نہیں[۵۳۸]

مجموعہ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔ یعنی من کان عدوًا لاحدٍ ہولاء فانہ عدو للکل (معالم) یعنی من کان عدوًا لاحدٍ من ہولاء (کبیر)

۵۲۹ یعنی ویسا ہر شخص کافر سمجھا جائیگا، اور اسکے ساتھ وہ معاملہ کیا جائیگا جو دشمن، دشمن کے ساتھ کرتا ہے۔

آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ معصوموں کی اطاعت عین اطاعت حق ہے، اور معصوموں کی مخالفت عین مخالفت حق۔

مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ آیت میں امر پر دلالت ہے کہ اہل اللہ سے عداوت، خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتی ہے۔

ملائکہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعت رب جانی گئی ہے (خروج ۲۳: ۲۰-۲۲)

۵۳۰ (اے پیمبر آپ کی صداقت اور نبوت کے) یعنی ایک تو اعجاز قرآنی بجائے خود، پھر دوسرے تائیدی شواہد و دلائل، کرامات و معجزات۔ یہود جو اپنے انبیا کے معجزات کی روایات کے خوب عادی ہو چکے تھے، بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں۔ نبی ہیں تو کوئی نشان تو دکھائیں۔ جواب ملا کہ تم ایک نشانی کو کہتے ہو، ہم تو انھیں متعدد نشان (بہ صیغۂ جمع) دے چکے، اور وہ بھی دقیق و خفی نہیں، نمایاں و روشن، سب کو نظر آجانے والے۔

آیات بینات سے مراد آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ جن عدیم النظیر تعلیمات کی حامل ہیں، ان پر نظر کرکے بعض محققین نے یہی پہلو اختیار کیا ہے الاظہر ان المراد ایات القرآن الذی لا یاتی بمثلہ الجن والانس (کبیر)

لیکن لفظ آیات ہے عام۔ اس لیے بعض دوسرے بزرگوں نے سارے اقوال کو جمع کرکے لکھا ہے کہ اس سے مراد سب ہی کچھ ہے، قرآن بھی معجزات بھی، کتب سابقہ پر اطلاع بھی قرآن کا قانونی نظام بھی، وقس علی ہذا۔ ای القرآن والمعجزات المقرونۃ بالتحدی او الاخبار عما خفی واخفی فی الکتب السابقۃ او الشرائع او الفرائض او مجموع کل ما تقدم (بحر)

۵۳۱ یعنی ان شواہد و دلائل روشن و صریح سے انکار بھی کوئی فطرت سلیم والا تو کرتا نہیں۔ بس وہی لوگ کرتے ہیں جو قانون الٰہی کے توڑتے رہنے اور شرائع ربانی سے بغاوت کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔

انجیل یوحنا میں یہود کی قساوت قلب کے سلسلہ میں ہے کہ حضرت مسیحؑ نے

"اگرچہ انکے سامنے اتنے معجزے دکھائے، تو بھی وہ اس پر ایمان نہ لائے" (یوحنا - ۱۲: ۳۷)

یہاں بھی ذکر یہود ہی کا ہے۔

۵۳۲ (خدا یا اسکے رسول کی اطاعت کا) - ذکر یاد رہے کہ یہود کا چل رہا ہے۔

۵۳۳ بنی اسرائیل کی تاریخ ایک مسلسل تاریخ عہد شکنی، نافرمانی، سرکشی، غداری کی ہے۔ توریت کے صفحے، انجیل کے ورق، جوزیفس وغیرہ قدیم یہود مورخین کے دفتر، سب اسی سرگزشت سے لبریز ہیں۔ یہاں اشارہ انکی اسی قومی خصوصیت کی جانب ہے۔

۵۳۴ (اپنے کسی عہد و پیمان اطاعت کا) یعنی ایفاء عہد تو الگ رہا، ان میں سے بہت سے تو اسکے قائل ہی نہیں رہے، کہ کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا بھی تھا!

دوسرے معنی لا یؤمنون کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کو ایمان اصطلاحی کے مفہوم میں لیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں اور صحیفوں ہی پر کب ایمان رکھتے ہیں۔ لا یصدقون بکتابہم (کبیر) ماحصل دونوں صورتوں کا یہی ہے کہ وہ پاس عہد، خصوصاً آخری نبی کی تصدیق کرنے کے عہد کا اپنے کو پابند ہی کب سمجھتے ہیں۔

۵۳۵ کون پیمبر؟ یہ بھی جائز ہے کہ رسول کو مذاق رسول کے معنی میں لیا جائے اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھی جائے۔ یہ معنی بھی یہود کی عام عادت تکذیب انبیاء و رسل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لیکن ترجیح اسی پہلو کو ہے کہ یہاں مراد پیمبر موعود، نبی آخر الزمان ہیں۔ اور رسول کے صیغہ کا نکرہ ہونا اسکے منافی ہے۔ صیغۂ نکرہ عظمت تکریم کے لیے بھی آتا ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ والتنکیر للتفخیم (ابو سعود)

۵۳۶ یعنی کتاب توراۃ کی۔ یہود کو بتایا جا رہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اسکے دین کو مٹانے کے لیے نہیں، یہ تو عین اسے تازگی بخشنے، اسے حیات تازہ دینے کے لیے آئے ہیں۔

۵۳۷ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اسکی طرف بے التفاتی برتنے، اور اسکی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ اسے طرحوہ بغفلۃ اعتدادہم بہ (راغب) مثل لترکہم واعراضہم عنہ مثل ما یرمی بہ وراء الظہر استغناءً عنہ وقلۃ التفات الیہ (کشاف) کتاب اللہ سے یہاں کیا مراد ہے۔ یہود کی بے التفاتی و بے تعلقی قرآن سے تو ظاہر ہی تھی، یہ کوئی بات قابل ذکر کرنے اور توجہ دلانے کے نہ تھی۔ غضب کی بات یہ تھی کہ قرآن اور صاحب قرآن کی مخالفت کی دھن میں خود اپنی کتاب آسمانی کی طرف سے بھی درپے یوں بے تعلق ہو گئے تھے، کہ توریت میں بھی تو نبی آخر الزمان کی بابت پیشگوئیاں انکی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید موجود تھی۔ محققین نے ترجیح اسی کو دی ہے کہ کتاب اللہ سے یہاں مراد توریت ہے۔ قیل انہ القرآن وقیل انہ التوراۃ وہذا ہو الاقرب (کبیر)

۵۳۸ (کہ اس کتاب کے اندر بھی کوئی مضمون اس قسم کا موجود ہے یا) لا یعلمون ما فی التوراۃ من الامر باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم وتصدیقہ (ابن جریر)

"افکار و سیاسیات اسلامی"

(از جناب مولانا عبد ا[illegible] صاحب قادری بدایونی کے قلم سے)

محبّی و مخلصی جناب مسٹر عبد الوحید خاں صاحب بی۔اے اُن نوجوانوں میں ہیں جنکی اکثر [illegible] اسلامی علمی و سیاسی کتب کی ترتیب و تصنیف میں صرف ہوتی ہیں۔ [illegible] اُنکی پہلی کتاب "جنگ آزادی" ایک ایسا نقش اوّل تھا جس سے بعد کے لکھنے والوں نے بہت کچھ استفادہ کیا۔ یہ کتاب [illegible] طبع ہوئی اور اب فکر و نظر میں کافی مقبول ہوئی اور ملک کا بیشتر حصہ اُنکی علمی محنت، تلاش اور مسائل کی تحقیق کا معترف ہو گیا۔ مؤلف نے ایک سال کی پیہم محنت و خموشی کے بعد ایسے زمانہ میں جبکہ کاغذ کمیاب ہو گیا ہے، "افکار و سیاسیات اسلامی" کے نام سے ۵۹۸ صفحات کی ضخیم کتاب طباعت و کتابت کی پوری دل آفرینیوں کے ساتھ طبع کرا کر پیش فرمائی۔ ایک جلد مجھے بھی اپنے تعلقات مودت کے باعث عنایت کی۔ میں نے پنجاب کے سفروں میں ۲۶ نومبر سے ۱۸ دسمبر تک کتاب کا اکثر و بیشتر حصہ پڑھا۔ اس میں شک نہیں کہ مؤلف نے جس موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے وہ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ قابل تعریف ہے۔

ملوکیت

ملوکیت اور مسلم سلاطین کی شہنشاہیت پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ الحق مرٌّ کے مصداق مکروہ اور گراں معلوم ہوتا ہے مگر ارباب تنقید کے نزدیک حقائق سے چشم پوشی کرنا جرم اور شان تبصرہ کے منافی ہے بلا شبہہ ہمارے سلاطین اور شہنشاہوں نے اپنی اغراض کی خاطر عام طور پر اسلامی فرائض و احکام کو پس پشت ڈال کر خلافت راشدہ کی روح کو مردہ کرکے اُس شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی جسکے عواقب تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک عالم اسلامی بھگت رہا ہے اور سرچشمۂ قرآنی سے بعید ہو چکا ہے۔ لیکن یہ شہنشاہیت مغرب کی شہنشاہیت کے مقابلہ میں کہیں زائد بہتر تھی۔ اس بحث کے تحت مؤلف نے حضرت سیدنا امیر معاویہؓ پر جو کڑی نکتہ چینی کی ہے وہ ایک ایسے صحابیِ رسول ہونے کے لحاظ سے جسکا مقام صحابیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح الفاظ میں نمایاں ہو چکا ہو مقام ادب و احترام سے بعید ہے۔ محققین و مفکرین اسلام کے نزدیک سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید جیسے فاسق کو اپنا جانشین کر دینا ایک بشری خطا کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں لیکن درجۂ صحابیت کے لحاظ سے اُن کی اہانت صحیح نہیں ہو سکتی۔

نزول قرآن اور مفسرین و محدثین

مؤلف نے تاریخ نزول قرآن و تفسیر و تدوین حدیث کے ابواب میں جو بحثیں کی ہیں اُنکا انداز بیان بھی بڑی حد تک نازیبا بلکہ مفسرین و محدثین کی خدمات جلیلہ پر بے جا حرف گیری کے مصداق ہے

یہ ماننا کہ زمانہ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں فن تاریخ مدون نہ ہونے کے باعث بعد کے مفسرین نے کہیں کہیں اسرائیلیات کو داخل و شامل کر دیا لیکن بحیثیت مجموعی اُنکی خدمات تفسیر و حدیث کو فراموش کر دینا ایک ایسے طبقہ پر ظلم عظیم ہے جنکے احسانات دنیائے اسلام کسی طرح نہیں بھول سکتی۔ محدثین نے فن اسماء الرجال کے جو اصول مدون فرمائے اور ہزاروں صحابیوں کے حالات قلمبند فرما کر ایک ایسا تاریخی ذخیرہ فراہم کر دیا۔ کہ آج کا موجودہ دور ابتداء سے راہ پر ہی قائم ہے۔ روایت کی صحت و عدم صحت کے لیے جو کتابیں مرتب کیں اُنکے مطالعہ سے شبہات کا آسانی ازالہ ہو سکتا ہے۔ چند کتابوں کے تراجم یا بعض اقوال کے سطحی استنباط سے مفسرین و محدثین پر نقد و تبصرہ صحیح نہیں ہو سکتا، اعتراض سے قبل کتابوں کا علم عبوری ضروری ہے۔

فقہ اسلامی اور فقہا پر تنقید

فقہ اسلامی اور فقہا کے تذکرہ میں بھی مؤلف نے جگہ جگہ غلطیاں کی ہیں اور تقلید شخصی کو تقلید جامد کی حیثیت سے جس تصور کے ساتھ پیش کیا ہے وہ بھی قابل اصلاح و ترمیم ہے مجھے اس کتاب کے خاص خاص عنوانات پر اشارات ہی میں تنقید کرنا ہے اس لیے چند الفاظ میں چند عنوانات پر لکھ رہا ہوں اگر مستقبل قریب میں کاغذ کی کچھ سہولتیں پیدا ہو گئیں تو ممکن ہے کہ تفصیلی بحث کر سکوں۔

صحیح راہِ عمل

بہتر ہوتا کہ ہمارے مخلص نوجوان مسٹر عبد الوحید خاں صاحب انہیں اس ترتیب کے وقت اسکا خیال کر لیتے کہ موجودہ مسلمانوں کو تعلیم جدید اور مغرب کے جراثیم نے کہاں تک متاثر کر دیا ہے اس ایک صدی کے اندر مسلمانوں کے سامنے اُنکے اسلاف اور نفس اسلام کا تاریک پہلو پیش کر کر دماغوں کو پہلے ہی مختل اور دلوں کو مجروح کیا جا چکا ہے ان حالات میں ضرورت تو اسکی داعی ہے کہ ملت کے سامنے قرآن کریم وہ ارشادات جو تاقیامت قدرت کی غرض و اساس ہیں پیش کیے جائیں اور خلافت راشدہ کا وہ پاکیزہ دور جسنے دنیا کا قالب ماہیت کر دیا بہترین اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ کسی طویل کتاب میں صرف تاریک پہلو پیش کرنا اور محاسن ترک کر دینا تنقید نہیں بلکہ تنقص محض ہے۔ ایک ناقد کا فرض اولیں یہ ہے کہ وہ تصویر کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کرے۔

علما پر تنقید یا مجلس مناظرہ کی گرم بازاری

مؤلف نے علمائے متکلمین وغیرہم کی مجالس مناظرہ یا فروعی مسائل کے اختلافات پر زد دیا ہے مگر خود وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو اُنکے نزدیک مذموم تفریق کا حامل ہے۔ مجتہدین کے مابین جو رائے کا اختلاف ہوا اُس میں کفر کو دور کا بھی تعلق نہیں یہ ہر دور میں ہوا اور ہو رہا ہے کہ ہر امام و ہادی کے پیرو یا مقلدین اپنے امام کی تقلید میں غلو کرتے ہوئے افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ کیا فقہا و مجتہدین کے چند اختلافات کے معنی یہی کہ فقہ اسلامی ہی کو بدنما انداز میں پیش کیا جائے اور نفس تقلید سے انکار کیا جائے؟ کسی شاعر کی شعریت اور اسکا کلام اس باب میں حجت و برہان نہیں ہو سکتا۔ اگر فقہائے کرام سے فقہ کی تدوین نہ کی ہوتی تو آج دنیا کا ہر مسئلہ ہزاروں اختلافات کا مجموعہ بنا ہوتا اور ملت اسلامیہ کی اپنی کوئی

متفرق طور پر ملتی اور نہ مسائل یکجا ہو پاتے۔

اس دور میں اسلام کے مخالفین بھی فقہائے کرام کی محنتوں کی قدر ہی نہیں بلکہ ان سے استفادہ کرنا باعث فخر جانتے ہیں اور اپنی اپنی قوموں کے لیے فقہ اسلامی سے بہت کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

صوفیائے کرام اور رہبانیت — مؤلف نے مسئلہ تصوف اور صوفیائے کرام کے متعلق جس قدر بحثیں کی ہیں، وہ بھی بڑی حد تک حقائق سے دور ہیں۔ صوفیائے کرام کو رہبان کی حیثیت سے پیش کرنا گویا ان کی حیات سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ ان حضرات نے ایک طرف تو زہد، اتقا اور للہیت وخشیت الٰہی، تزکیہ قلوب میں اپنے اوقات صرف فرمائے تو دوسری جانب میدان کارزار میں کفر کی سرکوبی کے لیے جوہر دکھلائے۔ وہ جس طرح رشد وہدایت کے سجادہ تھے، اسی طرح اعلیٰ خطیب بھی اور اسلام کی بقا وعزت کے سب سے بڑے محافظ۔ اگر ان خدمات سے آنکھیں بند بھی کر لی جائیں تو ان کی تبلیغی، ملکی، حلقہ اسلام کی توسیع کی عظیم الشان خدمات کسی حق پسند کے نزدیک قابل فراموشی نہیں ہو سکتیں۔ خانقاہی نظام دراصل اسلامی تبلیغ کے مراکز تھے۔ جہاں مبلغین کو تعلیمات دین کے ساتھ ریاضتیں کرا کر خدمت وتبلیغ دین کے لیے جاں نثارانہ جذبات پیدا کر کے ملک کے ہر گوشہ میں مامور کیا جاتا تھا۔ صوفیائے کرام اگر تبلیغ نہ فرماتے تو آج دنیا میں بقدر مسلمان نظر نہ آتے۔ یہ وہ کام تھا جسے سلاطین کی تلواریں بھی نہ کر سکیں۔ ان عظیم الشان خدمات کو مؤلف نے یک لخت نظر انداز کر کے ابن تیمیہ اور عبدالوہاب نجدی اور اسی قبیل کے دوسرے حضرات سے استنباط کر کے جو مواد پیش کیا وہ ایک مخصوص قبیلہ کے خاص عقائد وخیالات کا آئینہ دار ہے۔

میرے نزدیک عصر حاضرہ میں یہ تمام بحثیں جو اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں وہ ملت اسلامیہ میں تفریق وتشتت کا باعث ہوں گی اور یقیناً اسکی محتاج ہیں کہ جلد از جلد کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں ان سے اجتناب کیا جائے۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقل بحث کا دروازہ کھل جائیگا۔

از مدیر صدق — مولانا بدایونی کی مرسلہ تنقید انہیں کے الفاظ میں اوپر درج کردی گئی۔ مجھے بھی اسکے ۹۹ فی صدی حصہ سے اتفاق ہے۔ صرف خاتمہ سے ذرا قبل دو ایک سطریں میں دوسرے رنگ میں لکھتا۔ کتاب کے طبع شدہ نسخے، اشاعت سے قبل مصنف صاحب نے مجھے اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کو مقدمہ یا دیباچہ کی غرض سے عنایت کیے تھے۔ میں بغرض تعمیل فرمائش کے لیے حاضر ہوا۔ لیکن جب کتاب پڑھنا شروع کی تو ایک عالم ہی دوسرا نظر آیا! الحفیظ والامان! اختلاف ہی نہیں بارہا غصہ آگیا، کہ قلم نے ٹھیک اپنے انداز سے واقعات کو کیسا مسخ کر کے پیش کیا ہے! اور کچھ ایسا ہی اثر جناب سید صاحب پر بھی پڑا۔ بہر حال کتاب کے وہ اجزاء میں نے واپس ہی کر دیے۔ کتاب چھپنے کے بعد اب تک تو صدق میں ریویو کے لیے موصول نہیں ہوئی ہے۔ آئندہ اگر آگئی تو ان شاء اللہ دل پر جبر کر کے ایک ناخوشگوار فرض کو ادا کرنا ہوگا۔ سردست تو صرف سہرا کیا، مولانا مودودی کو دیتا ہے۔ تخریبی رنگ میں جو کمی اُن سے کچھ ہوئی تھی، وہ اُنکے شاگرد رشید کے قلم نے پوری کردی، بغیر انکے تعمیری اور اسلامی پہلو کا کوئی بھی حصہ لیے ہوئے! انا للہ۔

ہماری "تعلیم" کا رنگ

پنجاب یونیورسٹی میں لڑکیوں کو گانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ارباب ذوق آج کی تعلیم پر زور دے رہے ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب یہ حسین اضافہ بھی ہو کر رہیگا۔ ہم جیسے دقیانوسی خیالات کے لوگ اپنے آپ کو ان کے حالات کے ساتھ مطابق نہیں کر سکتے" اس لیے جی ہی جی میں گھٹتے رہیں زیادہ سے زیادہ "افکار" میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لیتے ہیں۔ لیکن کیا کر سکتے ہیں؟

جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
گر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

لیکن بعض قدیم الخیال لوگ اب آہستہ آہستہ قدامت کا چولا اتار رہے ہیں۔ اور ان میں بابائے رشید ونصیف بھی شامل ہیں۔ آپ ۲ جنوری کو عورتوں کے اس جلسہ کی صدر ہونگی جس میں لڑکیوں کے گانے بجانے اور ستار کا مقابلہ ہوگا۔

اللہ اللہ کہاں وہ دین اور شریعت اور اسلام کے دعوے اور کہاں یہ نغمہ وترنگ کی نسوانی محفل۔ لیکن آہ تہذیب مغرب کی ہمہ گیری ؎

اس کشمکش سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا۔

(انقلاب)

"دہلی کے ایک رسالہ کی شرارت"

دہلی سے ایک ماہوار رسالہ "ساقی" کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اگرچہ رسالہ مذکور ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ مگر معاصر "نقیب" اپنی ۱۴ دسمبر کی اشاعت میں لکھتا ہے:

دہلی کے رسالہ "ساقی" کے نومبر نمبر میں ایک غیر مسلم کا نہایت ہی ناپاک مضمون شائع ہوا ہے جسنے حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیوں کے ساتھ اللہ عزوجل کی شان میں بھی گستاخی کر کے اپنی گندہ ذہنی کا مظاہرہ کیا ہے

ہم نہیں سمجھتے کہ ایسے بے لگام رسالہ کے خلاف حکومت نے ابھی تک کوئی موثر تدبیر کیوں نہیں اختیار کی۔ صوبائی حکومتیں بڑی تیزی برتتی ہیں سیاسی معاملات میں قانون کا استعمال کرتی ہیں لیکن نفرت انگیزی کے معاملہ میں دہلی کی حکومت بالکل خاموش ہے۔ چند ہی دنوں کا ذکر ہے کہ حکومت پنجاب نے ایک آریہ سماجی اخبار "پرکاش" کے ایڈیٹر پر نفرت انگیز مضمون کے خلاف [illegible] حرکات کے الزام میں مقدمہ چلایا اور عدالت نے پانچ سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا۔ دہلی کی حکومت کو چاہیے

نمبر ۳۶ | دوشنبہ - ۱۱ - محرم الحرام سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۸ جنوری سنہ ۱۹۴۳ء | جلد ۸

سچی باتیں

سر سکندر حیات مرحوم کی ختمِ حیات کی خبر آپ نے اخبارات میں پڑھ لی؟ ماتم کی صدائیں جو ملک بھر میں گونجیں، وہ بھی سُن لیں؟ صوبہ اور پنجاب جیسے زبردست صوبہ کے وزیر اعظم تھے۔ اپنے اثر و اقتدار کے لحاظ سے سارے ہمسروں سے بڑھ چڑھ کر۔ تدبر و فرزانگی میں لاجواب، سوجھ بوجھ میں، فہم و دانش میں اپنی نظیر آپ۔ عملاً وزیر نہیں تاجدار تھے۔ نائب نہیں خود مختار تھے۔ ماتحت نہیں سالار تھے۔ بڑھ چلے تھے بڑھ رہے تھے اور خود تو بڑھ ہی رہے تھے، اوروں کو بڑھا رہے تھے۔ اچانک اور حسرتناک موت کی خبر سننے کے لیے دوست دشمن کوئی بھی تیار رہتا؟ اس کا گمان بھی تھا؟ اچھے خاصے، چنگے، تندرست، توانا، مضبوط۔ چہرہ گلِ تر کی طرح شگفتہ، صحت فصلِ بہار کی طرح شاداب و تازہ۔ موت عین شادی کے گھر میں عین شادمانی کی گھڑی میں آئی! بیٹے نورِ نظر اور چھوٹے لختِ جگر کے سہرے کے کھلے ہوئے پھولوں کو روندتی ہوئی، مسلتی ہوئی، کچلتی ہوئی۔ پھر کوئی خلل بیان نہیں، بسترِ علالت نہیں، لاہور جیسا مرکزِ تمدن۔ بہتر سے بہتر حکیم، حاذق سے حاذق ڈاکٹر۔ بلانے کے لیے ٹیلیفون، آنے کے لیے موٹر۔ سکنڈوں میں خبر گئی اور منٹوں میں ڈاکٹر آئے۔ موت کے فرشتہ کی رفتار دونوں سے تیز تر نکلی —— جو شمعِ شبستانِ حیات تھی، جس کی رگ رگ میں زندگی اور قوت کی تیز نبضیں اچھل رہی تھیں، آناً فاناً بجھ گئی، ختم ہو گئی، قبل اس کے کہ علاج و تدبیر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی ہو سکے!

دنیا ایک اور بھی اسی سکندر نام کی تاریخی شخصیت سے بھی واقف ہے۔ اقبالمندی اور دنیوی خوش بختی کے لحاظ سے ان مرحوم سے بھی کہیں بڑھ کر۔ تمام دنیا کا فاتحِ اعظم تھا۔ سارا یونان فتح کیا، ایران کو مسخر کیا، دولت کے تخت [illegible] عراق میں، توران میں اپنا جھنڈا لہرایا۔ خراسان کو، شمالی ہندوستان کو زیر کیا، بلخ کو، بخارا کو، ترکستان کو تابعِ فرمان کیا۔ عین —— زمانۂ شباب میں، عالمِ مسافرت میں خود اپنا وقتِ موعود آ موجود ہوا تو زور آوری ختم تھی اور ساری کوششیں، تدبیریں بے اثر۔ مقررہ گھڑی، ایک سکنڈ کے لیے، ایک لمحہ کی ایک بیسیوں کسر کے لیے، نہ آگے بڑھ سکی نہ پیچھے ہٹ سکی! جاہ و حشم کی خوش تدبیریاں، طبیبوں کی حذاقت، تیمارداروں کی دردمندی، اگر کہیں بھی سپر بن سکتی، تو ماضی میں سکندر یونانی اور حال میں سکندر پنجابی یقیناً موت کی گرفت سے باہر رہے ہوتے! غفلت کے بندو، عبرت کی آنکھ ابھی بند ہی رکھو گے؟ خودی کے متوالو، ہوش اب بھی نہ آئیگا؟

سکندر مقدونی کا انجام تو اللہ کو معلوم۔ سکندر پنجابی کا حال اللہ کے کرم سے ہم پر آپ پر سب پر روشن ہے۔ الحمدللہ کہ مسلمان تھا۔ سارا ایمانی تھا۔ توحید کا قائل، رسالت کا معتقد، اسلام کا کلمہ گو، محمدؐ کی امت میں شامل، نماز کا پابند، روزہ کا شدت سے پابند۔ کلام الٰہی کی اشاعت کا حامی۔ اپنی بصیرت کے مطابق امتِ محمدی کی فلاح کا داعی۔ اپنے کو عمر بھر مسلمان کہا، مسلمان سمجھا، اور ظرف، احوال، بساط کے موافق اپنے کو مسلمان بنایا اور رکھا —— فیلڈ مارشل ویول کے پیام، مارشل آنریبل چرچل کے سلام، فوج کی سلامیاں، لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کے ہاں کی حاضر باشیاں، سب جسم کی کثافتیں تھیں، جو زیرِ زمیں دفن ہو گئیں، روحِ عرفانی لطافتوں کے پانی سے دھل دھلا کر نکھر کر، ان آلائشوں سے پاک ہوئی، اور ان قیدیوں سے آزاد، ایمان کے بازوؤں سے اُڑی، اور یقین و اعتقاد کے پروں سے عالمِ بالا کی سمت میں بلند ہوئی، ہزارہا ماننے والوں کے دل دعاؤں کے ساتھ، ہزاروں آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ۔ ؎ [illegible] نہ پنداری کہ تنہا می روی!

۱۸۔ مستضی بامراللہ — کمن من اللہ علی عبدہ فسلم
۱۹۔ مستنجد باللہ — من احب نفسہ عمل لھا
۲۰۔ مستضی باللہ — من فکر فی المال عمل للانتقال
۲۱۔ ناصر الدین اللہ — ہر حال من اللہ عوض
۲۲۔ ظاہر بامر اللہ — راقب العواقب
۲۳۔ مستنصر باللہ — العفو کہف اولی

یہ جن لوگوں کے خاتم سلطانی کے نقش ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ملوک و سلاطین تھے۔ انکا شمار نہ صحابہ میں ہے نہ تابعین میں نہ اولیا و امت میں (بجز ایک عمر ثانی کے استثنا کے)، کھلم کھلا دنیا دار بادشاہ تھے۔ اس پر بھی موت کو، اپنے خدا کو، اپنی عبدیت کو بھولے نہ تھے، استحضار رشد کے لیے انگوٹھی تک پر یہ فقرے کندہ کرا لیے تھے! —— یہ وہی گروہ ہے، جسے حال میں ایک ناز "محقق" کی بارگاہ تکفیر سے عدو اللہ فرعون کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے (ص۳۸) اور نہ صرف انھیں، بلکہ اپنے بے پناہ قلم کی زد میں سلطنت کے سارے علماء، فقہاء، متکلمین و صوفیہ کو بھی لے لیا گیا ہے۔ صرف ایک نمونہ ملاحظہ ہو:—

"اس فرعونی نظام اور شیطانی احوال کے دور تو صرف عام مسلمان وقت تعاون میں مصروف تھے، بلکہ ارباب قیل و قال، اصحاب عمامہ وجبہ و دستار کے تمام گروہ باوجود اپنے اختلافات باہمی کے سکوت عن الحق، قبول باطل میں مبتلا تھے۔ فقہاء و علماء کی تمام جماعتیں ..... ان ربوب صغار کے سامنے سجدہ ریز رہنے کو جائز سمجھتی تھیں" (ص۴۶۔ تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی از عبد الواحد خاں)

واقعی احساس ذمہ داری ہو تو ایسا تو ہو!

طبع زاد تاریخ نویسی! "دینی و دنیوی نظام کی تقسیم بنی اسرائیل میں قبل از اسلام موجود تھی۔ جس شخص کی ذات سے دینی امور وابستہ تھے، وہ کاہن کہلاتا تھا .. جس طرح مسلمانوں میں خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہوگیا تھا، اسی طرح کاہن کے لیے بھی شرط تھی کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہو کیونکہ حضرت موسیٰ کے کوئی اولاد نہ تھی ..... کاہن دنیوی نظم و نسق سے بالکل علیحدہ رہتا تھا۔ لیکن اسلام نے آتے ہی پاپائیت اور کاہنیت کا خاتمہ کرکے دین و سیاست کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا تھا، جیسا کہ علامہ اقبال نے لکھا ہے" (ص۱۲۳)

محقق مجدد و مجتہد انیق عبد الواحد خاں صاحب میرٹھی نے اپنی تازہ تالیف میں فرمایا —— تالیف جسکا صحیح نام "کتاب شالب مسرت" ہونا چاہیے تھا —— اس سے قطع نظر کیجے، کہ جو نظام عمل قدیم بنی اسرائیل میں بطور دستور اور معمول چلے رہا ہو، اور اسکی منسوخی کی کوئی نص شریعت اسلامی میں موجود نہ ہو، آیا وہ اس قابل ہے کہ اسکی تحقیر و تضحیک کی جائے، اور اسے پاپائیت و یہودیت کی نقل بتایا جائے؟ اس سوال کو بھی سردست چھوڑ دیجیے کہ آیا خلافت کے لیے قرشیت کی شرط تمامتر "آتیوں" کی طبعزاد ہے؟ اس بحث میں بھی نہ پڑیے، کہ آیا کسی حکم اسلامی کے اثبات کے لیے بجائے قرآن یا حدیث کے حضرت اقبالؒ یا کسی برگزیدہ شاعر کا شعر پڑھ دینا کافی ہے؟ ان سوالات سے بالکل الگ ہو کر ان محقق صاحب سے باادب صرف اسقدر گزارش ہے کہ حضرت موسیٰ کا لاولد ہونا جناب نے عربی، انگریزی، عبرانی، فارسی، اردو کی کس تاریخ کے کس صفحہ اور سطر میں ملاحظہ فرمایا ہے؟ —— یا ائمہ تفسیر، اساتذہ فقہ، ائمہ حدیث، شیوخ تصوف، و سلاطین کلام کی سلسلہ جو کوئی اور اُن پر اتہام طرازی کرتے کرتے طبع مبارک، طبع زاد اور "اوریجنل" تاریخ سازی پر بھی مائل ہوگئی ہے؟

نیا ادب "نئے ادب" کے افسانوں کا تذکرہ ایک ایم، اے، بی، ٹی (آکسفرڈ) آئی، سی، ایس ہی کی زبان سے:—

"افسانہ لکھنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ دلچسپ ہو، اپنے افسانہ کو دلچسپ بنانے کے لیے افسانہ نویس صاحب کے ہاتھ میں سب سے سہل اور مجرب نسخہ یہ ہے کہ وہ اس میں کچھ کوک شاستر کی قسم کی چیزیں تحریر فرمادیں، حوالہ بجائے پنڈت کوکا کے موسیو فرائڈ کا دیا جائے۔ افسانہ بھی دلچسپ ہوگیا، اور پڑھنے والے پر رعب بھی پڑ گیا۔

شاید ایک بات اور بھی ہمارے نوجوان ادیبوں کو فحش نگاری پر اکساتی ہے۔ وہ یہ کہ اس طرح سستی شہرت جلد ہاتھ آجاتی ہے۔ جتنا زیادہ کھل کھیلیے اور عریانیات پر اتر آئیے، اُتنا ہی زیادہ یاروں کی رغبت کی نظر پڑنے کا امکان ہے۔ اگر کسی نے ٹوکنے کی جرأت کی تو فقرہ جواب موجود ہے کہ "تم دقیانوسی لوگ کیا جانو۔ یہ خالص ترقی پسند ادب ہے اور ہم ترقی پسند ادیب" حوالہ کے لیے تو فرائڈ کے نام موجود ہیں، جنھوں نے انھیں ادیب شہیر وغیرہ کے قسم کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ اور انکی عریاں نگاری کو سراہا ہے۔ اب کس کے منہ میں زبان ہے کہ جو کچھ کہہ سکے" (ساقی۔ دہلی۔ دسمبر نمبر، ص۹)

نئے ادب کی نثر کا تعارف ہوچکا۔ اب نئے ادب کی شاعری کا بھی اصل نمونہ ملاحظہ ہو، وہ بھی ایک ایم اے کے قلم سے:—

"طرز نو کی شاعری میں وزن بحر شعر
اُف غضب۔
ایک مصرعہ فیل زنجیر کی زندہ مثال
دوسرا اُشتر کی دم۔
طرز نو کی شاعری کی کوئی کل سیدھی نہیں
شہر بھر میں اونٹ بیچارہ عبث بدنام ہے
آہ اونٹ بد" (ساقی۔ دسمبر نمبر، ص۵۵)

ان حقائق اور ان لطائف پر کچھ تبصرہ کرنا، انکے لطف کو کم کردیتا ہے ——

اسلامیہ کالج الہ آباد حمیدیہ اسلامیہ انٹر کالج الہ آباد سے متعلق ایک

نیا ساقی نامہ

(از عبدالماجد)

جناب شاہد احمد صاحب مدیر رسالہ ساقی (دہلی) کے کرم نامہ کا ذکر پچھلے نمبر میں آ چکا ہے۔ آج وہ پورا مکتوب من و عن درج ہو رہا ہے۔ ساقی کے اس کا عنوان "ساقی نامہ" سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ جواب مکتوب کے خاتمہ پر مکتوب الیہ کی طرف سے کاتب کے نام درج ہوگا:—

حضرت محترم سلام مسنون۔ نومبر کے ساقی میں پروفیسر فراق کے مضمون "باتیں" میں دو فقرے ایسے شایع ہو گئے جنکی اشاعت کا مجھے افسوس ہے۔ اور میں اپنے اس سہو نظر پر نادم ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے صدق میں انھیں دو فقروں پر گرفت کی ہے۔ صدق چونکہ میرے پاس نہیں آتا اس لیے مجھے علم نہیں کہ آپ نے کس پیرایہ میں ان پر اظہار خیال فرمایا ہے تاہم چند اخبارات بالخصوص مقامی مسلم اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ نے مسلم پریس کو توجہ دلائی ہے کہ میرے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ چنانچہ بعض اخبارات نے مجھ سے توبہ نامہ کا مطالبہ کیا ہے اور بعض نے تعزیری کارروائی کرنے کے لیے حکومت سے اپیل کی اور بعض نے جنھیں کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر مجھ سے ذاتی پرخاش ہے اس سلسلہ میں تمام اخلاقی حدود کو نظر انداز کر دیا۔

اب میں آپ سے اصل واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں:—

"باتیں" کے زیر عنوان شعر و ادب ساقی میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ فراق صاحب کی قابلیت کے معترفین میں غالباً میں منفرد نہیں ہوں۔ انھوں نے اس سے پہلے جو باتیں لکھی تھیں ان میں بھی کچھ جواب طلب باتیں تھیں جنکے جوابات دوسرے ادیبوں نے ساقی ہی میں دیدیے۔ اسی طرح نومبر کی باتیں بھی جواب طلب تھیں، جنکے جواب جناب فضل احمد کریم فضلی اور انصار ناصری صاحب نے جنوری کے ساقی میں دیے ہیں جو آج شایع ہوا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ساقی ہی میں تردیدی مضمون شایع ہوں آپ کے توجہ دلانے پر مسلم اخبارات نے ہنگامہ طرازی شروع کر دی اور بعض کو اپنے ذاتی عناد کا یہ موقع اچھا مل گیا۔ دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ مجھے اس قسم کی تحریریں، جن سے مسلمانوں کی دلآزاری ہونے کا اندیشہ ہو، شایع نہ کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اگر میں اس حکم سے سرتابی کرتا تو یقیناً اس تعزیر کا مستحق ہوتا۔ آپ کا مرتبہ ادیب، فلسفی اور مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مسلّم ہے اور میں آپ کے ارشاد کی تعمیل سے کبھی گریز نہ کرتا۔ لیکن آپ نے اسکی ضرورت نہیں سمجھی۔ اسکا مجھے شکوہ ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بفضلہ مسلمان ہوں اور دانستہ مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم کی دلآزاری بھی پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ کی اور آپ کی طرح آزردوں کی دلآزاری ہوئی ہے تو میں اتنا ہٹ دھرم نہیں ہوں کہ آپ حضرات سے معافی کا خواستگار نہ ہوں۔ اپنی کسی لغزش پر نادم ہونے سے مجھے عار نہیں ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ساقی کی تیرہ سال کی زندگی میں ان دو فقروں کی لغزش ہو گئی ورنہ اس سے پہلے کبھی ایسا سہو نہیں ہوا۔ امید ہے کہ آپ میری اس معذرت کو قبول فرما دیں تاکہ ساقی کی طرف سے اور میری طرف سے جو شکوک پیدا ہو گئے ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اور اگر اس سے بھی تلافی ممکن نہ ہو تو میں ساقی کی آیندہ مہینے سے اشاعت ہی بند کیے دیتا ہوں تاکہ آیندہ کسی اندیشہ کا احتمال ہی نہ رہے۔ خاکسار شاہد احمد

آپ کے اس خاصے طویل مکتوب میں کل دو عبارتیں ایسی ہیں، جو آپ کے حق میں شفیع ہو سکتی ہیں، اور خوش آیند اور امید افزا کہی جا سکتی ہیں۔ ایک آپ کا یہ اقرار کہ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بفضلہ مسلمان ہوں" دوسرے آپ کا یہ اعتراف کہ "دو فقرے ایسے شایع ہو گئے ہیں، جنکی اشاعت کا مجھے افسوس ہے، اور میں اپنے اس سہو نظر پر نادم ہوں"۔ بس ان دو عبارتوں کے علاوہ اور آپ کے سارے خط سے تو کچھ ایسا ٹپکتا ہے کہ گویا آپ مظلوم ہیں! اور آپ کے ظلم شدہ پر فریاد بپا کرنے والے ظالم! —— پرانی مثل کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کی صحیح مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟

شیطاں کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن،
اک شور اٹھا خلافِ تہذیب ہے یہ!

یاروں نے کہا کہ شیطان کی شیطنت سے ہمیں کیا بحث، ہم تو یہ دیکھتے ہیں، کہ اس مہذب زمانہ میں اس نے "رجیم" جیسا غیر مہذب کلمہ اپنی زبان سے نکالا کیسے؟

جیسا آپ نے تحریر فرمایا ہے، ساقی کا تبادلہ صدق سے نہیں اس لیے دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوتا۔ البتہ ادھر عرصہ سے صدق کے باخبر ناظرین کی طرف سے خطوط آنے لگے، دہلی سے بھی اور دہلی کے باہر سے بھی کہ ساقی کی روش بڑی تکلیف دہ اور مسلم آزار ہو گئی ہے۔ یہ املا میں یا کردار؟ تو یقیناً بہت گرا ہوا رہا (رہا ہے، نذیر احمد کا پوتا اور بشیر احمد کا بیٹا، اور دین و ملت کے مخالفوں کے کیمپ میں!) لیکن پرچہ منگا کر پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ یہاں تک کہ نومبر میں "نغمۂ زندگی" والے آئی، سی، ایس، فضل کے بعض مضمونوں کی تلاش میں ساقی کے پرچے باہر سے منگانے پڑے۔ اور اپریل، جون، اکتوبر، نومبر کے پرچے موصول ہو گئے۔ آپ کا ریکارڈ، آپ کو یاد ہوگا، اس حیثیت سے یوں بھی بہت اجلا اور غیر مشتبہ نہیں۔ چھ سات سال قبل ایک سخت قابل اعتراض کتاب کی طبع ثانی کے بارے میں جس حد تک آپ کی شرکت و اعانت پائی گئی تھی، اسکا ذکر صدق کی ابتدائی جلدوں میں محفوظ ہے۔ بہرحال ان پرچوں پر اب جو نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ مراسلہ نگاروں کی شکایتیں بیجا نہ تھیں۔

ساقی اپنی لغزشوں میں، بدمستیوں کے لحاظ سے فضلی ہی کی زبان میں پورا مست قلندر، اور اپنے اخلاقی و مذہبی نقش و نگار کے اعتبار سے لکھنؤ کے نگار کا نقش ثانی! —— گویا استاد غالب کے مشہور قطعہ کا یہ مصرعہ

"ساقی" بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی!

اسکے حق میں شاعری نہیں، ایک پر حقیقت اور بے تکلف سچ ہے۔ سچ یہ ہے کہ اسکے صفحات میں گندہ و گندہ مضامین کے پہلو بہ پہلو اچھے، شستہ، پاک، پاکیزہ مضامین بھی موجود۔ لیکن لطیف و کثیف کے مجموعہ پر لطیف کا، اور پاک و ناپاک کے مخلوطہ پر پاک کا اطلاق تو بہرحال نہیں ہو سکتا!

ﻪﻠ [illegible] "ساقی" سے!

یہاں تک کہ نومبر نمبر کی "باتیں" تو بالکل ناقابل برداشت نکلیں - دلآزار صریح میرے اور میری ہی طرح کے اوروں کے لیے نہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے مکتوب میں فرض کرلیا ہے) بلکہ اشتعال انگیز، غصہ سے بھر دینے والی، جوش سے بیخود کر دینے والی ہر مسلمان کے لیے، ہر کلمہ گو کے لیے - حیرت ہے، اور حیرت سے زیادہ عبرت، کہ آپ کا جو بد تمیز مضمون نگار اپنی خوش تمیزی کے مظاہرہ ایک سالنامہ کے رسالہ میں یوں کرتا ہے کہ دنیا کی مکرم ترین، محترم ترین شخصیتوں کے نام بغیر کسی معمولی سے بھی تعظیمی لقب کے، "محض" موسٰی، عیسٰی، محمد" لکھ مارتا ہے، انھیں "سیاستی باغی" اور سب کے سب "لا مذہب" کافر ہونے کا فتوٰی بے تکلف اور بے محابا دے ڈالتا ہے، اور یہ کہنے کی گستاخی رکھتا ہے کہ "انکا نام کردہ نظم مذہبی" یعنی انکالا ہوا پیام اور انکا پھیلایا ہوا مذہب "آج بے فیض ہی نہیں مضر رساں ہے" آپ کو اس خط میں بھی معذرت و ندامت کے وقت بھی انہی سطور اصرار ہے کہ اسکی "قابلیت" کا لوہا تو بہرحال مان لیا جائے، اور اسکا مرتبہ بحیثیت "ادیب" بلکہ مشہور ادیب" تو تسلیم ہی کرلیا جائے! "ادیب" اور مشہور ادیب" ہونا الگ رہا، مجھے تو آپ کے صفحات کے ان "باتونی" کے بلوغ عقلی و بلوغ ادبی دونوں ہی میں شبہہ پڑ گیا ہے!

اتنا ہی نہیں - اسکے قلم نے یہ گندگی بھی تو آپ کے اوراق پر بکھیری ہے:-

> "خدا کی عمر کتنی ہو چکی ہے اسکا بھی لحاظ کرنا چاہیے - اب اُس سے خدائی کا بوجھ نہیں سنبھل سکتا" - خدا اور خدا والوں کو اب دنیا کے بالاتفاق فیصلہ سے پنشن دیدینا چاہیے، انھوں نے بہت دنوں دنیا کی خدمت کی "اب آرام کریں"!

عقائد سے بالکل قطع نظر اگر یہی نمونے "ادب" اور ادبی قابلیت کے ہیں تو کیوں نہ ازراہ قدردانی بیہودگی و بیہودگی و ابتذال نوشتگی، اسکے نقالوں اور رہنماؤں کو، چھوٹے بڑے ادبی شہدوں اور رہنماؤں کو اوراق ساقی کی زینت بننے کی چھوٹ دیدیجیے! "زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا"، سوال ساقی کے عقائد سے زیادہ ساقی کے ذوق ادب کا ہے! اس تسفّل کی، اس ابتذال کی برداشت آپ سے ہوئی کیسے؟

آپ نے اپنے کو "بفضلہ مسلمان" کہا ہے - کوئی نام کا مسلمان بھی حق تعالٰی کی شان میں یہ تمسخر یہ استہزاء، ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا کرسکتا ہے؟ خدانخواستہ کوئی بازاری لفنگا آپ کے محترم والد ماجد یا قابل صد احترام جد امجد کے حق میں گالیاں یا پھبتیاں لکھ کر بھیج دیتا، تو آپ کسی حال میں اسکی اشاعت کے روادار ہوتے؟ یہ چھاپ ڈالنے کے بعد صرف اس معذرت کو کافی سمجھتے، کہ دوسرے نہیں، تیسرے نمبر میں محلہ کے فلاں فلاں بھلے آدمی ایک سنجیدہ و شریفانہ جواب لکھ بھیجیں گے! —— یہ ہے کہ آپ کے اسلامی ضمیر اور انسانی ضمیر نے کہاں یہ فتوے دے رکھا ہے کہ اللہ تعالٰی کی عزت و ناموس، آپ کے بزرگان خاندان کی عزت و ناموس سے کمتر ہے، حقیرتر ہے، ناقابل التفات تر ہے؟

آپ کا جرم یہیں ختم نہیں ہوتا - آپ اس خرافات کی پوٹ کو اپنے ہاں نہ صرف چھاپتے ہیں بلا کسی ہلکی سی ہلکی تردید کے، اور اسے خوشی خوشی سیکڑوں ہزاروں مسلمان ناظرین تک پہونچاتے ہیں، بلکہ اُسے چپکا کے نہیں سراہتے ہیں، اپنے قلم سے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ باتیں "پر مغز ہیں" اور آس لگاتے ہیں کہ فلاں فلاں مضمون کے ساتھ یہ مضمون بھی بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا"!!

> تم ازل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو!

یہ "شاہد" کے لیے "گواہ" بھی شاعر کے الہام غیبی سے کم نہیں! لیکن آپ کی حیثیت محض گواہ کی رہی کب، آپ تو خود شریک جرم، معاون جرم ٹھہر رہے ہیں! —— کاش آپ کو اب بھی اپنے جرم کی پوری اہمیت کا احساس ہو! انگریزی قانون اور اس حیثیت عرفی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہوگا، کہ مصنف سے بڑھ کر ذمہ داری ناشر کی ہوتی ہے -

آپ فرماتے ہیں کہ "دیانتداری کا تقاضہ تو یہ تھا" کہ پہلے آپ کو "اس قسم تحریریں شائع نہ کرنے کا حکم دیا جاتا" لیکن اسی تقاضہ دیانت کے توسل سے اور اسی کے دامن کا سہارا لیکر عرض ہے کہ آخر یہ حکم کون دیتا؟ کس حق سے دیتا؟ کس توقع پر دیتا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کب دیتا؟ چھپنے سے قبل یا چھپنے سے بعد؟ میں نے تو اپنی طرف سے آپ کا اتنا لحاظ رکھا کہ ساقی کا نام تک ۳۰ر نومبر والے نوٹ میں نہ آنے دیا - آپ بھی اُسوقت خاموش رہے، اُسی وقت نہیں لکھنؤ کا حق، لاہور کے انقلاب و مسلمان، بمبئی کا خلافت، وغیرہ یہ سب لکھتے رہے، اور آپ نے ذرا بھی ضرورت معذرت کی نہ محسوس فرمائی - یہاں تک کہ جب خاص آپ کے پڑوس کے پریس اور پبلک دونوں نے اپنے فرائض ادا کرنے شروع کردیے، جب آپ کے قلم کو جنبش ہوئی، اور وہ بھی ساقی میں نہیں الجمعیۃ میں اور وہ بھی اپنے کمزور ناکافی الفاظ میں —— قصور معاف، یہ دور محمد شاہی کا سا تغافل تو کچھ انگریزی بیوروکریسی ہی کو زیب دیتا ہے، یا یہ کہ آپ نے یہ "بیہوشی" کی روش محض "ساقی" کے ساتھ لفظی مناسبت نباہنے کے لیے قائم رکھی؟ ؏ نہ کھینچو تم جو اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو!

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے معاونین معاصرین کو آپ سے "ذاتی پرخاش" ہے - واقعہ ممکن ہے کہ صحیح ہو، لیکن میری نظر سے اب تک دہلی کے جو اخبارات گزرے ہیں، اُن میں میں نے صرف اصولی گرفت ہی دیکھیں۔

اب آپ کی خدمت میں نہایت درجہ مخلصانہ، خیرخواہانہ، نیازمندانہ، بلکہ دست بستہ اور عاجزانہ گزارش یہ ہے، کہ اب کھلی ہوئی راہ آپ کے لیے یہ ہے کہ

(۱) گزشتہ پر معذرت و تاسف اور آئندہ کے لیے احتیاط کلی کا وعدہ نہایت واضح و صریح الفاظ میں ہو بغیر حجرم کی ہلکی سی ہلکی پردہ پوشی کے -

(۲) یہ کھلی ہوئی معذرت خود ساقی ہی کے صفحات پر نمایاں طور پر نکلے -

غلطیاں بڑے بڑوں سے ہو جاتی ہیں - شرافت اور اسلام دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ غلطی کی تلافی بھی غلطی کے ہم وزن و ہم مرتبہ ہو -

[مقالہ بالا پریس میں جا رہا تھا کہ پیام (دہلی) میں ساقی جنوری نمبر کے اقتباسات نظر سے گزرے - ان سے اندازہ ہوا کہ شاہد صاحب کی روش خود اپنے شہ خانہ کے اندر اب بھی بالکل دوسرے ہی قسم کی ہے! انا للہ]

اعلان تعطیل

عاشورۂ محرم الحرام میں دفتر صدق بند رہتا ہے اس لیے ۲۵ر جنوری کا صدق شائع نہ ہو سکیگا - ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں - (مہتمم صدق)

تعلیم و اشاعت قرآن

(۳)

(مسلسلۂ صدق ۱۴۲ـ)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اگرچہ عربی کی دشواری کا افسانہ اب فرسودہ ہو چکا ہے، اور لوگ سمجھ چکے ہیں کہ عربی سیکھنے کے لیے دس دس سال فقط صرف و نحو کی تعلیم جو ضروری تھی، خصوصاً پنجاب میں تو صرف شرح جامی اور اسکے حاشیہ عبدالغفور و عبدالرحمٰن ہی میں کئی سال کاٹ جاتے تھے۔ یہ صرف پیشۂ معلمی کا ایک سیکرٹ یا گر تھا۔ اسپر مجھے ایک بات یاد آجاتی ہے۔ میرے گاؤں گیلانی میں ہندوؤں کا ایک پاٹشالہ ہے۔ ایک گروجی پہاڑے وغیرہ بچوں کو اس میں سکھایا کرتے تھے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سے شاید پانچ روپے ماہوار پاتے تھے۔ دو سال تک وہ مشکل گیارہ بارہ تک کے پہاڑے ان بچوں کو پڑھاتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ گروجی سے پوچھا کہ دو سال گروجی اور بارہ تک کے پہاڑے؟ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ اپنی زبان میں کہنے لگے کہ بابو۔ یہ پہاڑے تو مہینہ دو مہینے میں ختم کیے جا سکتے ہیں، لیکن اسکے بعد میری تنخواہ بھی تو ختم ہو جائیگی۔ اسوقت سیالکوٹ کے حضرت ملا عبدالحکیم کے قول کا مطلب سمجھ میں آیا کہ انھوں نے ایک منطق کتاب خیالی کی شرح لکھی۔ کہتے ہیں وہ پانی ہو گئی۔ شاہجہاں بادشاہ نے ملا صاحب کے مکان پر امتیازی جھنڈا نصب کرایا۔ یہ وہ ہے جس نے خیالی کو حل کر دیا۔ اور منطق کی آسان ترین سادہ کتاب قطبی کا انکا صاحب نے ایسا حاشیہ لکھا ہے کہ ایک ایک سطر کے سمجھنے میں گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ملا صاحب نے فرمایا "عنگ را موم کردم موم را سنگ"۔ پیشۂ معلمی کے یہ سب کرتب ہیں۔ قدیم مدارس میں بھی یہی ہوتا ہے اور جدید کالجوں میں تو اسکے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔

خیر! عربی زبان کی وہ دشواریاں کہ جس سے لوگوں کی چربی پگھلتی تھی، ثابت ہو چکا ہے کہ بے بنیاد بات تھی۔ لیکن میں اس پر کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک عربی زبان کی کتابوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے انکی دو مستقل قسمیں اب پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں ایام جاہلیت کے شعراء کا کلام ہے، یا عربی زبان کے دواوین اور ادبی بلند پایہ کتابیں ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں اسلامی ادبیات ہیں۔ اسلامی ادبیات سے میری مراد قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تصوف اور انکے ذیلی فنون ہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ سابق الذکر ذخیرہ کی عربی اب بھی انگریزی نکالنے والی نہیں تو عام طور پر اجنبی زبان کا جو حال دوسری زبان کے بولنے والوں کی نسبت سے ہوتا ہے وہی حال اس عربی کا ان لوگوں کے لیے ہے جنکی زبان اردو ہے۔ لیکن عربی زبان کا وہ سرمایہ جس میں اسلامی ادبیات ہیں انکی نوعیت بالکل دوسری ہے۔ تقریباً وہ ساری زبانیں جنھیں دنیا کے مسلمان بولتے ہیں۔ مثلاً فارسی، ترکی، اردو یہ واقعہ ہے کہ عربی زبان کے اس سرمایہ کے قریب قریب اسی نوے فیصدی الفاظ کسی نہ کسی شکل میں ان اسلامی زبانوں میں منتقل ہو گئے ہیں یا کم از کم اردو کا تو یہی حال ہے۔ میں مثال سے سمجھاتا ہوں۔ قرآن کی پہلی سورہ الفاتحہ ہے۔ دو آدمی فرض کیجیے۔ ایک تو وہ جسکی مادری زبان اسلامی نہیں ہے۔ مثلاً انگریزی یا چینی ہے۔ اور دوسرا وہ جسکی مادری زبان مثلاً اردو ہے۔ اب دونوں سے اس سورہ کے الفاظ پوچھے جائیے دیکھیے حمد اللہ رب عالمین (عالم کی جمع) الرحمٰن الرحیم مالک یوم دین نعبد (مادہ عبادت) نستعین (مادہ استعانت) اھد (مادہ ہدایت) صراط المستقیم انعمت (مادہ انعام) علیھم مغضوب (مادہ غضب) الضالین (مادہ ضلالت) یقیناً جسکی مادری زبان اردو ہے وہ براہ راست ان قرآنی الفاظ یا انکے مادے سے اسی طرح واقف ہے کہ وہ خود اسکی زبان کے الفاظ ہیں۔ بخلاف عربی زبان کے دوسرے حصہ کے کہ اسکے لیے تقریباً ہر لفظ اسکا طالب ہوگا کہ اسکے معنی بتائے جائیں۔ خیال کیجیے کہ ایک پوری سورہ کے انہیں الفاظ جس شخص کو اس لیے معلوم ہوں کہ وہ اسکی مادری زبان کے الفاظ ہیں، اب اسکے لیے اسی سورہ کے بمشکل پانچ الفاظ یعنی ایاک اھدنا الذین علی ھم نہیں معلوم ہیں۔ کیا اس کتاب کی زبان کا سیکھنا اسکے لیے کسی اجنبی زبان کا سیکھنا ہے۔ صرف یہی نہیں ایک اور امر قابل لحاظ ہے۔ یہ چند الفاظ سورۂ فاتحہ کے جو ایسے نکلے ہیں جنھیں اردو داں آدمی نہیں جانتا، انکی نوعیت پر ذرا غور کیجیے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ کی ایک قسم تو وہ ہے جنھیں الفاظ خاصہ کہہ سکتے ہیں، مثلاً حمد رب وغیرہ کے الفاظ ہیں کہ فقرہ اور ہر جملہ میں ظاہر ہے کہ انکا استعمال ضروری نہیں، اور دوسری قسم الفاظ کی وہ ہے جسے الفاظ عامہ کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً ھو علی ایاک وغیرہ کے الفاظ، کہ یہ سارے الفاظ ایسے ہیں، جنھیں تقریباً بار بار جملوں میں آنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ اسماء ضمیر یا ربط کے حروف، مطلب یہ ہے کہ یہ چند گنے چنے الفاظ ہیں۔ یعنی ضمیر، اسماء اشارہ، حروف ربط، اسم موصول، حروف استفہام وغیرہ۔ بمشکل انکی تعداد سو سے متجاوز ہو سکتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ دس دس الفاظ کے حساب سے ان الفاظ عامہ کو یاد کر لیا جائے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ جو قرآنی الفاظ ایک اردو داں کے لیے غیر مفہوم رہ جاتے ہیں ان میں اسی فی صدی کی اجنبیت کا ازالہ تو اسی سے ہو جاتا ہے، پھر بار بار یہی علی الذین ھم ھو وغیرہ آتے رہیں گے۔ اور انکو میں احتیاطاً کہہ رہا ہوں کہ اردو میں نہیں آتے ہیں ورنہ انھی وغیرہ میں ھو وہی ہو کی ایک شکل ہے۔ ھم کا لفظ اردو میں کون نہیں بولتا، علیٰ ہذا، کس کی زبان پر نہیں چڑھے ہوئے ہیں۔ تاہم ان الفاظ کو با ضابطہ انکی تمام مذکر مونث شکلوں کے ساتھ یاد کرا دینا چاہیے۔

اب اسکے بعد میری تلاش نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ بمشکل دو ڈھائی سو[1] الفاظ قرآن کے (۷۷۹۳۴) الفاظ میں ایسے رہ جاتے ہیں

[1] ہمارے آباؤ اجداد اور اسلاف کی قوت عمل کا یہ حال تھا کہ جس ملک میں پہنچے وہاں کی مادری زبان انھوں نے وہی بنا دی جو قرآن کی زبان ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوا تو اس ملک کی مقامی زبان میں ان الفاظ کو بھرنے کی

دے دینا چاہیے۔"

یہ سطور بھی اپنی سفاکی و دل آزاری کے لیے محتاج تشریح نہیں ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس اسکا ہے کہ مدیر ساقی؟ ایک مسلمان اور مسلمانوں کے ایک مشہور گھرانے کے فرد، نامور اسلاف کے خلف مسٹر شاہد احمد ہیں وہ اپنے ادارتی تبصرہ میں اس مضمون کو دلچسپ اور پُر مغز بتاتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہمارا ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کا متفقہ و متحدہ فیصلہ ہے کہ جو مسلمان اللہ اور اُسکے رسول کی توہین و تذلیل کو دلچسپ فرمائے اسے اسلام و مسلمانوں سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مدیر ساقی کو یاد رکھنا چاہیے کہ تعزیرات ہند میں توہین مذاہب کی دفعہ صرف "پرکاش"، "ہتیشی"، "کالی چرن" وغیرہ کے لیے ہی مخصوص نہیں اور ساقی اور اسکا مدیر اس وجہ سے اسکی زد سے نہیں بچ سکتا کہ اسکا نام اسلامی ہے۔

سب سے پہلے ہم مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ساقی کے اس گندہ و ناپاک مضمون کے پیش نظر ہر مقام پر جلسے کرکے ساقی اور مضمون نگار کے خلاف تجاویز پاس کرکے حکومت ہند اور حکومت دہلی کو توجہ دلائیں کہ وہ ایسے گستاخوں کے منہ میں جلد سے جلد لگام دے اور ساتھ ہی ہر وہ مسلمان جو ساقی کا خریدار ہے طے کرے کہ جب تک مدیر ساقی اپنے اس اقدام کی غیر مشروط و واضح معافی پیش نہ کرے اُسوقت تک ساقی کا کلیتہً بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر مسلمانان ہند کی حمیت مذہبی باقی ہے تو وہ سرگرمی کے ساتھ اپنے دینی لگاؤ اور خدا و رسول کی محبت کا ثبوت دے کر مدیر ساقی کو مجبور کریں کہ وہ اپنے اس غلط قدم سے جلد تائب ہو اور تمام ہندوستانیوں سے معافی خواہ ہو۔

اسی کے ساتھ ہم خصوصیت سے اپنے دہلوی معاصرین سے درخواست کرینگے کہ اب وقت حقیقی امتحان کا آیا ہے۔ ایک طرف مراسم مودت ہیں، دوستی ہے، تعلقات ہیں اور دوسری طرف اللہ و رسول کی عزت و حرمت کا سوال ہے۔ سنا کیجیے اور اللہ و رسول کی حرمت و عزت کے تحفظ و بقاء کے لیے متحدہ و پُرامن و پُرزور احتجاج سے حکومت کو مجبور کر دیجیے کہ وہ ساقی اور اسکے مضمون نگار کو آہنی زنجیروں میں جکڑ کر اس عظیم ترین دل آزاری کی سزا دے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ کون کون معاصر ہماری اس صدائے حق کی تائید کے لیے لبیک کہتا ہے۔ اگر آج ہم نے اس ادائگی فرض میں کوتاہی کی تو کل قیامت کے دن ہمارا شمار بھی ہمارے سکوت کی وجہ سے اس مضمون کی تائید میں ہی سمجھا جائیگا۔ خصوصیت کے ساتھ ہم معاصر انجام، پیام، عادل و انصاری کو اس اہم مقصد کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ (صداقت)

(بقیہ صفحہ ۲)

... خواہ اطلاع دیتے ہیں:-

"آپ کو یہ سنکر یقیناً خوشی ہوگی کہ ہمارے کالج میں نئے پرنسپل جناب صغیر حسن صاحب کے آجانے سے اسلامیات اور دینیات کے کاموں میں کافی سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ اب روزانہ کالج شروع ہونے سے پہلے کلام مجید کی تلاوت اور ترجمہ اور تفسیر ہوتی ہے۔ ہر جمعہ کو سیرت پاک پر مقالے اور تقریریں ہوتی ہیں۔ اور ابھی جنوری کے دوسرے ہفتہ میں اہتمام کے ساتھ یوم اسلامیات اور یوم سیرت منانے کا ارادہ ہے۔"

حمیدیہ کالج کا ذکر خیر اسکے قبل بھی بارہا ان صفحات میں آچکا ہے۔ نئے پرنسپل صاحب کا حال تو اب اس مراسلہ سے معلوم ہوا۔ لیکن ظفر احمد صاحب ایم اے (علیگ) اُستاد دینیات تو شروع ہی سے وہاں موجود ہیں۔ اور انکی اسلامیت علیگڈھ ہی کے زمانہ سے معلوم و معروف چلی آتی ہے۔ انگریزی کالجوں میں یہ تھوڑی بہت اسلامیت جو کچھ بھی نظر آتی ہے ہر طرح مستحق حوصلہ افزائی ہے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل ۲۹ اصحاب کی میعاد خریداری جنوری سنہ ۴۳ء میں ختم ہو رہی ہے۔ عنایت ً اپنا چندہ جلد بھیجدیں۔ یا اگر خدانخواستہ آیندہ کیلئے خریداری نہ منظور ہو تو اطلاع دیدیں ورنہ یکم فروری کو وی پی روانہ ہونگے۔

نمبر خریداری ۲۳۰، ۳۴۳، ۵۹۱، ۱۳

۱۹۳، ۲۹۵، ۶۱۴، ۶۱۸، ۶۳۰

۶۳۴، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۳، ۶۴۷

۹۳۰، ۹۴۱، ۹۴۷، ۹۵۰، ۹۶۷

۹۹۹، ۱۰۵۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۷، ۱۰۹۹

۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۶۴، ۱۱۳۹ (ختم)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

نمبر ۔ دوشنبہ۔ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق یکم فروری ۱۹۴۳ء | جلد ۸

سچی باتیں

اسلامی سال شروع ہوگیا، اور آج اسے شروع ہوئے تو کئی ہفتے ہو چکے۔ یہ کبھی کچھ خیال ہے کہ اسلامی سال شروع تاریخ امت کے کس اہم ترین واقعہ سے ہوتا ہے؟ کیا کربلا کے مشہور حادثہ سے؟ جی نہیں، وہ تو کہیں ۶۱ تاریخ کو پیش آیا۔ اور سنہ اسلامی تو اس سے پورا ایک عشرہ قبل شروع ہو جاتا ہے۔ ضرور ہے کہ وہ کوئی ایسا واقعہ ہو، جو محرم کی عین پہلی ہی کو پیش آیا ہو۔

واقعہ کے جاننے سے قبل ذیل کی حدیث کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیجئے، جو اپنے اصل الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں محفوظ ملیگی۔ حضرت حذیفہ رضؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک روز مجھ سے پوچھنے لگے کہ آخر زمانہ کے فتنۂ عظیم سے متعلق تو بتاؤ، جو کچھ رسول اللہ صلعم فرما گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا، کہ آپ کو اس فتنۂ عظیم سے، یا سرکار، آپ کے اُسکے درمیان تو ایک دروازہ حائل ہے۔ اس پر بولے، کہ اچھا، تو وہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا؟ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں، کھولا نہیں جائیگا، توڑا جائیگا؟ وہ دروازہ، جو امت کو پیش آنے والے شدید ترین فتنوں کی روک تھا، محدثین بیان کرتے ہیں، شارحین حدیث لکھتے ہیں، اور خود حذیفہ رضؓ صحابی راوی حدیث روایت کرتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ ہی تھے۔ اور یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ عمرؓ اسے جانتے بھی قطعی طور پر تھے!

یہ دروازہ، جو فتنوں کا دروازہ امت سے بند کیے ہوئے تھا، بالآخر اپنے وقت موعود پر ٹوٹا۔ قدرتی اور طبعی طور پر کھلا نہیں، ٹوٹا، توڑا گیا، خود نہیں، اُسے توڑا گیا۔ ظلم و شقاوت کے حربوں سے اسے ہیرا گیا، توڑا گیا، توڑ کر کھولا گیا۔ وہ زندہ شخصیت جو حائل تھی امت اور فتنوں کے درمیان، اُس نے وفات اپنی طبعی موت سے نہیں پائی۔ اُسے مارا گیا، قتل کیا گیا، عین حالت نماز میں شہید کر ڈالا گیا۔ عمرؓ جیسے محسن، شہید ہوئے، ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے، سیلاب کا بند ٹوٹا، فتنوں کا دروازہ نہیں، پھاٹک کھلا، خانہ جنگی کی لعنت امت پر مسلط ہوئی۔ شہید کا خون رنگ لایا۔ عثمان غنیؓ شہید ہوئے، علی مرتضیٰؓ شہید ہوئے، جنگ جمل برپا ہوئی، جنگ صفین میں مسلمانوں کی صفیں مسلمانوں کی جانیں لینے لگ گئیں، حادثۂ کربلا پیش آیا۔ حسنؓ کی جان گئی۔ حسینؓ کے حلق پر شمشیر چلی۔ شہید ہونے والے صحابیوں کی تعداد سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہونچی۔ امت کا شیرازہ جو بکھرا، وہ آج تک نہ جڑا۔ دروازہ کے ٹوٹنے کی، فتنوں کی بنیاد پڑنے کی تاریخ آپ کو یاد ہے؟ یکم محرم سنہ ۲۴ھ! یہی اسلامی سنہ کی پہلی، ٹھیک پہلی تاریخ! اس سے بڑی ٹریجڈی اس سے بڑھ کر سانحہ امت کے لیے ممکن کون سا تھا؟

راویان حدیث میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں (عبدالرحمن بن یسار) اُس دن موجود تھا جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا ہے۔ اُس روز سورج میں گرہن پڑا۔
عن عبدالرحمن بن یسار قال شہدت موت عمر فانکسفت الشمس یومئذ (جمع الفوائد۔ مناقب عمر بن الخطابؓ)
علما و فقہا کہتے ہیں، اور بالکل بجا فرماتے ہیں، کہ یہ محض اتفاق تھا، ورنہ سورج گرہن، چاند گرہن کو کسی کی موت و زیست سے کیا تعلق۔ بیشک کوئی تعلق نہ ہوگا۔ لیکن غرض یہ ہے کہ رسول کی وفات کے بعد دنیا کے لیے جو سب سے بڑے حادثہ کا دن ہو سکتا تھا، جو امت سے اقبال کے

نہ بجھنے کا دن تھا، جو ظلمت سے امن و اماں کے اٹھ جانے کا دن تھا، جو اہل عالم کے لیے سب تجلیوں کی سب سے پہلی شام تھی! اس روز بھی اہل عالم کو اگر عالم تیرہ و تار نظر آتا، تو آخر کب آتا؟ اہل بصیرت اگر اس روز بھی اپنے آفتاب اقبال کو تیرہ و تار نہ پاتے، تو پھر کب پاتے؟ حق تعالیٰ ہی معنویت کو بھی حیثیت سے آسمان پر مجسم کر کے دکھا دیگئی۔ ——— پیر ساؤتھ بیچارے یہ لوگ طرح طرح کے الزامات [illegible] کی بھی ساری خرابیاں انھیں کے سر ڈال رہے ہیں [illegible] ! چوک [illegible] وہ تھیں کہ انھوں نے [illegible] کر دیا! سال بھر کے بعد [illegible] تو کاش ہم سب لیا کریں [illegible] کتنی [illegible] سیاست کی انفرادی و اجتماعی ہر پہلو سے کیسی زندہ [illegible] تصویر تھی!

عربی تعلیم اور دکن

"نواب عماد الملک مرحوم کسی مسلمان کو تعلیم یافتہ نہیں سمجھتے تھے، جب تک وہ عربی نہ پڑھ سکے"

(نو بہار دکن)

یہ عماد الملک وہ نہیں جو کئی صدی قبل امیر خسرو کے ہمعصر تھے۔ نہ وہ عماد الملک جو دو سو برس ادھر اور عالمگیر ثانی، نجیب الدولہ وغیرہ کے معاصر تھے۔ یہ عماد الملک سید حسین بلگرامی وہ ہیں، جو اس انگریزی دور کے آدمی اور بیسویں صدی کے شخص تھے۔ بڑے انگریزی داں اور بڑے "صاحب" رسیدہ انگریزی زبان کے بہترین ماہر۔ انگریزی ادب و شعر دونوں پر یکساں قادر، ہندوستانیوں کے لیے جو بڑے سے بڑا عہدہ اس وقت ممکن تھا، اس تک پر فائز یعنی وزیر ہند کی انڈیا کونسل کے ممبر۔ مملکت آصفیہ (دکن) کے مدتوں ناظم سررشتۂ تعلیم رہے۔ اور اب دکن کی وزارت تعلیم کی باگ انھیں کے فرزند رشید نواب مہدی یار جنگ کے ہاتھ میں ہے۔ لکھا اوپر کا فقرہ بھی انھیں کی ایک تازہ تقریر کا اقتباس ہے۔ انکے لیے کیا مشکل ہے، کہ جہاں تک مسلمان طلبہ کا تعلق ہے، کم از کم مملکت دکن میں عربی کی تعلیم کو لازمی قرار دے کر ہر مسلمان طالب العلم کو صحیح معنی میں "تعلیم یافتہ" بنا دیں، اور اپنے والد مرحوم کے قول کو عمل کا جامہ پہنا دیں۔ گویا "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کے قدیم مقولہ کی تصدیق ایک نئے رنگ میں! ——— مبارک ہے وہ بیٹا، جو اپنے باپ کے مبارک مشن کی تکمیل کر دے! اور مبارک ہے وہ حکومت جو "اردو تعلیم" کے علاوہ اب "عربی تعلیم" کے حق میں بھی پیش رو بلکہ راہبر سارے ہندوستان کے لیے بن جائے!

"ادبی" فتنہ

جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب (ممبر صوبہ مسلم لیگ، سی، پی، برار) کھام گاؤں سے ۱۱۔ جنوری کو تحریر فرماتے ہیں:—

"ساقی کے ملحدانہ مضمون کے خلاف جو شذرات آپ نے سپرد قلم فرمائے ہیں، ان سے ان شاء اللہ کچھ ضعیف کچھ قوت بخشیں اور وہ ہمت پکڑ کر ابھر سکے۔ لیکن مسلمان تو اس وقت بالعموم ایک طرح کے الحاد میں مبتلا ہیں۔ اور انکے فکر و عمل پر منافقانہ اور فرنگیانہ رنگ اسقدر تیز ہو گیا ہے کہ آپ کس کس رخنہ کو کہاں تک بند کریں گے۔ صحیح فکر اسلامی سے سرشار دیوانوں کی بڑی کمی ہے۔ اسکول اور کالج غیر شعوری طور پر غیروں کے افکار و عقائد سے مرعوبیت پیدا کر دیتے ہیں اور اپنوں سے نفرت۔ علیگڑھ اور جامعہ سے آج تک محمد علی اور شیخ الہند کی ارواح مبارک کو شکایت ہے ...... دو نظمیں ارسال کرتا ہوں۔ ان نوجوانوں کی ہرزہ سرائی ملاحظہ فرمائیے۔ ادب لطیف بھی مسلمانوں ہی کا پرچہ ہے۔ اسکی گندگی ملاحظہ ہو۔"

دونوں نظمیں ایک عرصہ ہوا لاہور کے "ادبی" رسالہ ادب لطیف میں نکل چکی ہیں۔ ایک نظم ایک ہندو کے نام سے ہے، دوسری ایک مسلمان کے نام سے۔ سوشلسٹ یا کمیونسٹ دونوں ہیں۔ اور الحاد دونوں میں اسی مادہ سے آیا ہے۔ ہندو کی نظم میں الحاد بالکل کھلا ہوا ہے، اور نظم ناقابل التفات ہے۔ مسلمان کی نظم کی دو رکھتے ہوئے اشعار کی تاویل تو ہو سکتی ہے، البتہ آخری شعر میں کھلا ہوا اعتراض حق تعالیٰ پر ہے کہ وہ "رقص بسمل کے تماشے" اور "عشق جور ناروا" کو "مزہ سے" دیکھتا رہا، اور "قدرت حق" گہری نیند سوتی رہی! ——

گویا اس حکیم مطلق کا جرم (نعوذ باللہ) یہ ہے کہ وہ اپنے غیر محدود و لا متناہی قانون ربوبیت کے نفاذ میں ہر ہر قدم پر لاہور کے فلاں رسالہ کے فلاں شاعر سے مشورہ کیوں نہیں کرتا، اور اپنی شمار میں نہ آنے والی حکمتوں اور حساب میں نہ سما سکنے والی مصلحتوں کو ہر ذلیل پانی کے قطروں سے پیدا شدہ حیوان ناطق کی حد درجہ تنگ و محدود نظر کا تابع اور اسکی انتہائی سطحی رائے و فہم کا محکوم کیوں نہیں بنا دیتا! —— الحاد و بے دینی کا فتنہ، جو درحقیقت بے عقلی اور کمال حمق ہی کا دوسرا نام ہے، کسی زمانہ میں فلسفہ اور معقولات کی راہ سے آیا کرتا تھا، لیکن اب شیطان نے نیا روپ اختیار کر لیا ہے، اب وہ مارکس اور لینن اور مزدک کی جے پکارتا ہوا "نئے ادب" اور "نئی شاعری" کے لباس میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ اور ہمارے "ادبی" رسالے کہیں دانستہ اور کہیں نادانستہ، اسکی علمبرداری میں پیش پیش ہیں۔

جنگ اور خدا

فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ اپنے وطن گیلانی (علاقہ بہار) سے اپنے ایک تازہ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:—

"کیا عرض کروں، زندگی بس گزر ہی رہی ہے۔ گو سخت اور اتنا سخت وقت گزر رہا ہے جسکا تجربہ زمین کے باشندوں کو اس زمانہ سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ لیکن ایک پہلو ان الحکم الا للہ اور ہو علی کل شئی شہید اور رب کل شئی کی حکومت مطلقہ

کے تجربہ کا وقت بھی یہی ہے۔ جب کوئی حاکم نہ ہو، جب کوئی رب نہ ہو، جنھیں حکومت کا دعویٰ تھا وہ محکومیت میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ جو خود رب بنے ہوئے تھے وہ رب کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ آدمی اگر اس وقت بھی اپنے حقیقی آقا اور حقیقی رب کا تجربہ نہ کریگا تو کب کریگا؟

اور اسی مکتوب میں چند سطریں قبل تحریر ہے:—

"آج ۸ اپریل ہے جنے مل کردو آگ بھڑکائی ہے کہ جنگ کے شعلوں سے ریپچ کا سارا کرہ جل اٹھا ہے۔ خانا ہند والا ایسا رہیون؛ اب تو نسبتہً سکون ہے، ورنہ بمباری کا ابتدائی ہفتہ خصوصاً کلکتہ کے مضافاتی علاقوں کے لیے قیامت کا ہفتہ گزرا۔ ہمارا بھی مضافات کلکتہ ہی میں ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ انا للہ۔ اگر اس دنیا کا کوئی رب قیوم نہ ہوتا، ایسا کہ جسے نہ نیند چھوتا ہو نہ نوم۔ تو کم از کم ایسی بے سری دنیا میں میرا تو دم ہی نکل جاتا۔ وہ تو بہرحال معلوم ہے کہ حاکم کی حکومت قائم ہے۔ ازل سے ابد تک جو کچھ ہو رہا ہے انھیں کے اذن و فرمان سے ہو رہا ہے۔ ایسے دماغوں کی نفسیت میری سمجھ سے باہر ہے جو اس زمانہ میں بھی اس دنیا میں بغیر خدا کے جیتے ہیں۔ ان لوگوں کا ایسی دنیا میں جی کیسے لگتا ہے جسکی باگ کسی کے ہاتھ میں نہ ہو۔ ان مجازی ہاتھوں کا بھی پردہ فاش ہو چکا ہے جو بندے اور اسکے مالک کے درمیان حائل ہو کر اپنی حاکمانہ قوتوں سے لوگوں کو دھوکا دے سکتے۔ اب تو صرف اللہ ہی کی حکومت ہے۔ بندے اللہ کے ہیں اور پالنے والا بہرحال انکو پال رہا ہے"

بیشک اگر کسی کا ذوقِ سلیم باقی ہو، اور اسکی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو، تو وہ وقت کی شیطانی جہانسوزیوں سے سبق حکمت، معرفت وبصیرت کے ویسے ہی لے سکتا ہے، جیسے مولانا نے لیے ہیں۔ رہے اہلِ زیغ، سو وہ تو ان واقعات وحوادث سے گمراہ تر ہی ہوتے جا رہے ہیں۔ یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً وما یضل بہ الا الفاسقین۔

پٹنہ یونیورسٹی سے

بہار کا قومی پندرہ روزہ اور امارت شرعیہ کا جریدہ نقیب اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے:—

"آج ہم کو ایک فوٹو دیا گیا ہے جس میں حضرت سرورکائنات پر حضرت جبرئیل کا نزول دکھایا گیا ہے۔ اور یہ فوٹو تاریخ ایران مصنفہ پی ایم سائکس میں ہے، جسکے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ پٹنہ یونیورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں داخل ہے۔ اور شاید دوسری یونیورسٹیوں میں بھی رائج ہے"

غیر مسلم، خصوصاً مغربی مصنفین تو اپنی گرم بازاری کے لیے ایسے ایسے لغو، دلآزار واشتعال انگیز فوٹو شایع ہی کرتے رہتے ہیں۔ ان سب کی روک تھام بغیر شدید جدوجہد کے ممکن نہیں۔ البتہ ایسی کتاب کا کسی ہندوستانی یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہو جانا یقیناً قابل اعتراض اور بالکل ناقابل برداشت ہے۔ یونیورسٹی میں نصاب تاریخ کی جو مجلس ہوگی، اسکے اکثر ارکان تو غیر مسلم ہی ہونگے، ایک آدھ شاید مسلمان بھی ہوں، ان میں اتنی فرض شناسی، وہ اس لغویت کی اہمیت کا احساس ہی کیوں ہونے لگا! بہرحال اب بھی موقع ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی کے ذمہ دار افسر اس کتاب سے کم از کم ایسی اشتعال تصویریں تو نوچ کر الگ ہی کردیں۔ اور بہار کے غیور وتعلیم یافتہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ مسلم ارکان یونیورسٹی کورٹ کے ذریعہ سے اس کیلئے زور دے، فرض کو جلد سے جلد انجام دے ڈالیں۔

"صاحب" کی غیرت

ایک "صاحب رسیدہ" دوست نے امریکہ کے ایک فوجی اخبار Stars and Stripes کے دو تصویری تراشے ارسال فرمائے ہیں۔ ایک تصویر میں ہالی وڈ دنیا کے سب سے بڑے سینمائی مرکز کی ایک نوعمر ایکٹرس کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ ٹانگوں کا تقریباً سارا حصہ یعنی تقریباً گنج ران تک برہنہ ہے، علیٰ ہذا اوپر کے حصہ میں گلا اور شانہ او بازو تو تمامتر اور سینہ کا بھی بڑا حصہ برہنہ۔ باقی یعنی کل جسم کے نصف حصہ سے بھی بہت کم ملبوس ومستور۔ تصویر کے نیچے کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ "محب وطن" ایکٹرس، لباس کم پہن کر کپڑے کو فوجی ضروریات کیلیے پیش کر رہی ہے، اور پولیس کا قانون حب وطن کے جوش میں قصداً توڑ رہی ہے! — — — عورت ننگی یا تقریباً ننگی ہو کر سینما میں ناچنے لگے، اور پولیس کے قانون کے ساتھ خدا کا قانون توڑنے پر بھی دلیر ہو جائے۔" جوش حب وطن" کا یہ تخیل اب تک کسی مشرقی کے ذہن میں کیوں آیا ہوگا؟

دوسری تصویر ایک ۱۸ سال کی عمر کی حسینہ کی ہے۔ تصویر کا عنوان ہے Sweet heart جسکا اردو میں ترجمہ "معشوقہ" ہی ہو سکتا ہے

خیال رہے کہ یہ تراشہ ایک فوجی اخبار کا، سپاہیوں کے اخبار کا ہے—

اور تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے کہ انگلستان اور آئرستان میں اسوقت جو امریکی فوج مقیم ہے، اس نے اس حسینہ کو امریکی امدادی فوج کی سرکاری "معشوقہ" منتخب کیا ہے! تصویر کے ساتھ "صاحب رسیدہ" مشرقی دوست کا جو خط ہے، اب وہ ملاحظہ ہو:—

"آپ اس Official Sweetheart کے تخیل میں نسلاً غیرت کی پوری پامالی ملاحظہ فرمائیں گے۔ ایک عورت ساری رجمنٹ [ایک ہی رجمنٹ کیوں، خدا معلوم کتنی ہزاروں کی تعداد میں فوج ہوگی! صدق] کی معشوقہ! میں نے ایک امریکن سے پوچھا بھی کہ آپ لوگوں کی یہ کیا جدت ہے؟ بولے کہ اول تو یہ سب سے بڑی عزت ہے جو رجمنٹ کسی کی کر سکتی ہے، دوسرے کسی بکری یا مرغی کو . . . بنانے سے تو ایک ... لڑکی کا انتخاب بہرحال بہتر ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں حیا وغیرت کا تخیل ہی نہیں، جو ہم میں ہے، اور حصولِ حظ سب کا مطمح نظر ہے، اور جنکا وہ ... کے لیے ہر چیز جائز ہے"

لیکن اس حیا سوز نظارہ میں آخر اتنی حیرت کی بات ہی کون سی ہے؟

کیا بازاروں میں، سڑکوں پر، چوراہوں پر، ہر سال ایک خاص موسم میں ایک "مہذب" جانور کا مشاہدہ نہیں ہوتا رہتا، کہ اسکی ایک ایک مادہ کے پیچھے غول کا غول نر جانوروں کا لگا رہتا ہے؟ پھر جب تمدن کا منتہی ہی حیوانیت ہی کی طرف رجعت ہے، اور تہذیب کی غایت ہی یہ ٹھہر گئی ہے کہ انسان درندگی میں ترقی کرکے بڑے سے بڑے درندہ سے بھی بڑھ جائے، تو اب انسانی عفت، عصمت، نسوانی شرم و حیا، اور مردانہ ناموس و غیرت کا سوال ہی کہاں باقی رہ جاتا ہے؟

روشن خیال "شوہر!"

"ٹاکی ہیرالڈ" بمبئی کا ایک فلمی ماہنامہ ہے۔ اسکے دسمبر نمبر کے صفحہ ... ذیل سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔ سوال ناظرین کی طرف سے آتے رہتے ہیں، اور جواب اڈیٹر کی طرف سے جاتے ہیں:—

سوال ۔ ا: ... (محلہ کٹیہر۔ لکھنؤ)

مظہر خان، ایفیاٹکس پکچرز کے پروڈیوسر کا پتہ کیا ہے؟ میری بیوی کو ملیہ ایکٹر کے مانند عشق ہوگیا ہے، اس لیے وہ فلمی صیغہ میں جانا چاہتی ہے۔ (آپ کا کیا مشورہ ہے) میں اسکی مرضی پر چھوڑ دوں؟

جواب ۔ مظہر خان کا پتہ حسب ذیل ہے ...... رہا آپ کی بیوی کا معاملہ، تو یقیناً اس میں کوئی ہرج نہیں۔ بشرطیکہ آپ سمجھتے ہوں کہ آپ میں کافی جرأت ان حالات کا بار سنبھال لینے کی ہے۔

شکر بھیجیے شکر، اور خوش ہو جیے خوش، کہ مشرقی خاتون نے، سینما کی برکت سے، "تہذیب" میں اتنی ترقی کرلی ہے کہ بے تکلف عاشق ہونے لگی ہے، دل تصویری فرضی عاشقوں اور محبوبوں پر۔ اور مشرقی شوہر اتنا "روشن خیال" ہوگیا ہے کہ بے تکلف اس "راز" کو "طشت از بام" کرکے خود سینما ہی کے استادوں سے صلاح و مشورہ کرتا ہے! —— اور آخر میں دل تھام کر اتنا اور سن لیجیے کہ سوال کرنے والے کے نام کی جگہ جو یہاں نقطے دے دیے گئے۔ ہاں اصل سوال میں نام ایک مسلمان کا تھا، جو کسی غیر کا نہیں، خاص الخاص ہمارے آپ کے گھر کا ہے!

ایک حکیمانہ خطبۂ صدارت

"کارگزاری کے واسطے سب سے قدیم اور سب سے مقدم شرط جسمانی صحت و قوت ہے .... اسکے بعد دماغی تعلیم و تربیت کا نمبر آتا ہے، کہ اسکی بدولت انسان کی کارگزاری میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے .... لیکن جسمانی صحت و قوت ہو یا دماغی تعلیم و تربیت، سب کمالات اکارت بلکہ منبع شرارت ہیں اگر ان پر قلبی تہذیب و اخلاق کی نگرانی نہ ہو۔ مثلاً بڑے بڑے تندرست نوجوان اگر بے قابو ہوں تو مثل حیوان ہیں۔ بڑے بڑے بارسوخ پیشوا جو ہزاروں دلوں پر حکمراں ہوں، اگر تقویٰ سے غافل ہوں، بڑے بڑے حکام جو سیہ و سفید میں دخیل ہوں، اگر فرائض منصبی سے قاصر ہوں، تو انکی زیادتی یا کوتاہی سے بڑے بڑے نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا ترقی یافتہ اقوام کو لیجیے، جسمانی تقویت اور دماغی تربیت میں کمال حاصل کرکے قلبی تہذیب کو نظر انداز کرنے کا جو لازمی نتیجہ ہو سکتا ہے، وہ موجودہ جنگ کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے ..... جو اخلاق زبان سے اوپر دماغ تک رسائی رکھتا ہے وہ اخلاقیات کہلاتا ہے، اگر وہ دل تک رسائی رکھتا ہے تو تقویت پاکر دینیات بن جاتا ہے۔ دل و دماغ کے حدود گویا دینیات و اخلاقیات کے حدود ہیں۔" (پانچویں معاشی کانفرنس حیدرآباد کا خطبۂ صدارت، از مولوی محمد الیاس برنی صاحب ایم۔ اے، ال، ال، بی)

معاشی (اکنامک) کانفرنس کا اجلاس طلبہ و ماہرین فن کے محدود حلقہ کو چھوڑ کر ایک خشک جلسہ ہوتا ہے اور اسکا خطبۂ صدارت ایک خالص فنی مقالہ ہوتا ہے۔ لیکن کمال ہے الیاس برنی صاحب ("قادیانی مذہب" والے) کا کہ انھوں نے ایسے خشک اور بے جان مبحث میں زندگی کی روح پھونک دی، اور "معاش" کے دامان تنگ کے حدود "معاد" تک وسیع کر دیے۔ پورا خطبہ معاصر "رہبر دکن" میں نکلا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ مستقل رسالہ کی صورت میں اسکی اشاعت الگ سے بھی ہو۔ معاشیات، معادیات، سیاسیات سب کچھ اس میں موجود ہے، اور ادب کی چاشنی اس پر مستزاد۔ ایسا حکیمانہ خطبۂ صدارت، ایک فنی مجلس کا، شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے۔

تحفظِ ناموسِ اسلام

صدق ۔۔ کے ایک شمارہ کا حوالہ دے کر دہلی کے ایک مسلم روزنامہ کے اڈیٹر صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۵ جنوری میں لکھتے ہیں:—

"آپ نے صدق کی گذشتہ اشاعت میں "ساقی" کے خلاف جو صدائے حق بلند کرتے ہوئے دہلوی اخبارات کے سکوت پر اظہار تعجب فرمایا تھا وہ صحیح تھا۔ لیکن شاید جناب محترم کو اسکا علم نہ ہو کہ "ساقی" دہلی کے شاید ہی کسی مسلم معاصر کے دفتر میں رد ہوتا ہو ورنہ اتنی بڑی جرأت کے بعد سکوت ناممکن تھا۔ صدق میں پڑھنے کے بعد سب سے پہلے .... نے اپنی حقیر خدمات پیش کردیں اور اسکے بعد ہی دہلی کا اکثر مسلم پریس اس پر متوجہ ہوگیا (کٹنگ ہمرشتہ ہیں) انشاء اللہ .. آخر دم تک اس خدمت کو انجام دیتا رہیگا۔ آگرہ وغیرہ میں احتجاجی جلسے شروع ہونگے۔ مزید موثر احتجاج کی ضرورت ہے"۔

دہلی کے مسلم معاصرین کا سکوت جو حیرت انگیز نظر آرہا تھا، اسکی توجیہ تو اس سے ہوگئی۔ لیکن واقعہ ہے بجائے خود افسوسناک۔ کسی نظم کے نہ قائم ہونے سے احتسابی کارروائیاں اول تو ہونے ہی کہاں پاتی ہیں، اور جو ہوتی بھی ہیں، ناقص اور ادھوری رہ جاتی ہیں۔ اور جب تک ایک مستقل مجلس مخصوص اسی احتساب و نگرانی کے لیے قائم نہ ہوگی، ہمیشہ اس قسم کے فتنے سر اٹھاتے ہی رہینگے۔ "تحفظ ناموس اسلام" ہی ایک ایسا نقطہ ہے، جس پر ہر پارٹی ہر سیاسی عقیدہ کے مسلمان متحد ہو سکتے ہیں۔

(بقیہ شذرات صفحہ ۔ پر ملاحظہ ہو)

نئی کتابیں

(۱) **دودھ کی قیمت اور دوسرے افسانے**۔ از منشی پریم چند آنجہانی۔ (طبع دوم) شایع کردہ عصمت بکڈپو۔ دہلی۔ قیمت ۸/

منشی پریم چند آنجہانی کے مختصر افسانوں کے متعدد مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعہ اُنکے ۹ افسانوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب رسالہ عصمت دہلی میں شایع ہو چکے ہیں، جیسا کہ منشی صاحب کے قلم سے توقع بھی تھی۔ یہ افسانے سبق آموز اور موثر ہیں۔ آجکل کے "ترقی پسند" ادیبوں کی طرح اُنکے افسانوں میں نہ عریانیت و "رومانیت" ہے اور نہ مذہب و اخلاق پر حملے۔ دیہاتی معاشرت (بالخصوص ہندؤں کی) کے وہ گہرے مبصر مانے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے اکثر افسانوں میں انکی یہی خصوصیت نمایاں ہے۔ عیدگاہ والے افسانے میں اُنھوں نے مسلمانوں کی معاشرت کا بھی اچھا اور سچا نقشہ کھینچا ہے۔ عید کا چاند دیکھ کر بچوں کی خوشی، عیدگاہ میں نماز باجماعت کا منظر، میلہ کی دھوم دھام، سویوں کا اہتمام، وغیرہ چیزیں ایک غیر مسلم کے قلم کی معلوم ہی نہیں ہوتیں۔

کتاب کی عبارت صاف اور سلیس اُردو میں ہے۔ جا بجا عربی و فارسی کے الفاظ بھی آئے ہیں اور ترکیبیں بھی — جن سے اس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے کہ اُردو خالص مسلمانوں کی زبان ہے۔ عصمت بکڈپو نے اچھا کیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر دیا۔ (ع۔ ق)

(۲) **نجمہ**۔ از نذر سجاد حیدر صاحبہ۔ شایع کردہ عصمت بکڈپو۔ دہلی۔ قیمت ۸/

نذر سجاد حیدر صاحبہ تعلیم یافتہ و صاحب تالیف خواتین میں مرتبہ قدامت رکھتی ہیں۔ نسوانی رسائل میں انکے مضامین کو نکلتے ہوئے ایک عمر ہو گئی۔ اور اس سے قبل انکی چند کتابیں بھی شایع ہو چکی ہیں۔ نجمہ نامی افسانہ رسالہ عصمت دہلی میں قسط وار نکل چکا ہے، اور اب یہی بار کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔

افسانہ میں اگرچہ تجدد پسندی اچھی خاصی نمایاں ہے، لیکن ساتھ ہی عورتوں کی حد سے زیادہ آزادہ روی اور مغرب پسندی کو نہ صرف ناپسند کیا گیا ہے، بلکہ اسکا بُرا انجام بھی موثر پیرایہ میں دکھایا گیا ہے۔ بچپن میں مذہبی و اخلاقی تعلیم کا فقدان جن خرابیوں کی طرف لیجاتا ہے اسکی متعدد مثالیں اس افسانہ میں موجود ہیں۔

یہ تو افسانہ کا روشن پہلو تھا، لیکن بحیثیت مجموعی اسکے مطالعہ سے بجائے مغربی رسوم کی تائید و تحسین ہی نکلتی ہے۔ اگرچہ انداز بیان بہت ہی سنبھلا ہوا ہے۔ افسانے میں مکالمے بکثرت ہیں، لیکن اُن میں بجائے اُردو کے متعارف طرز کے انگریزی طرز اختیار کیا گیا ہے یعنی قائل پر مقولہ کی تقدیم۔ اس سے اکثر جگہ عبارت کی روانی میں فرق آگیا ہے۔

(۳) **ہوائی حملے**۔ از آغا محمد اشرف صاحب ایم اے و [illegible] بی بی سی لندن۔ شایع کردہ حالی پبلشنگ ہاؤس، کتاب گھر، دہلی۔ قیمت ۱۲/

موجودہ جنگ میں ہوائی حملوں سے ہندوستان بھی محفوظ نہیں رہا ہے۔ اس موقع پر اس کتاب کی اشاعت وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ بمباری کے وقت اور بمباری کے اندیشہ کے دوران میں، جو جو تدبیریں انگلستان وغیرہ میں عمل میں آچکی ہیں، مختصراً وہ سب اس رسالہ میں موجود ہیں، اور ہندوستان کے لحاظ سے ضروری مشوروں کا اضافہ بھی ہے۔ جس طرح وبائی امراض ہیضہ، طاعون وغیرہ کے پھیلنے سے قبل حفاظتی تدابیر سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس نازک گھڑی میں جبکہ ہوائی حملے کا خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے، ہر ہندوستانی کیلیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وقت پڑنے پر ہاتھ پیر پھول نہ جائیں، اور حفاظت جان و مال کے لیے بروقت کچھ کیا جا سکے۔

کتاب میں لندن کے ہوائی حملوں کی چند آپ بیتیاں بھی بہت دلچسپ انداز میں درج ہیں۔ ایک اور دلچسپ چیز ضمناً اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوئی، وہ یہ کہ ڈاکٹر اگھور ناتھ راؤ آنجہانی (جو انتقال سے پہلے وائسرائے کی ایکزیکٹیو کونسل میں . . . . . . دفاع کے ممبر تھے، اور اس سے قبل صوبہ متوسط کے وزیر اعظم اور تھوڑی مدت کیلیے گورنر بھی رہ چکے تھے) نے لندن کے دوران قیام میں اُردو سیکھنے کا ارادہ کیا، اور کتاب کے مرتب آغا محمد اشرف صاحب نے چند دن کے اندر اندر انکو اس قابل کر دیا کہ وہ اُردو میں خط لکھنے لگے۔ اُردو رسم خط کو دشوار کہنے اور سمجھنے والے، اس واقعہ کو سنکر امید ہے کہ اپنی رائے پر نظرثانی کریں گے۔ ناشرین نے بہرحال ایک دلچسپ و مفید مجموعہ اوراق شایع کر دیا ہے۔ (ع۔ ق)

(۴) **مثنوی عائشہ صدیقہ** رضی اللہ عنہا۔ از جناب وفا راشدی صاحب۔ شایع کردہ عصمت بکڈپو دہلی۔ عصمت بکڈپو، دہلی، کی یہ مختصر سی کتاب خواتین کے ساتھی ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حیات طیبہ کے ضروری حالات ایام طفولیت سے وفات تک، سب کے سب اس میں موجود ہیں۔ واقعات عموماً مستند ہیں، صرف ایک جگہ (ص ۱۹) ذرا عقیدت تاریخی حقیقت پر غالب آگئی ہے۔ کتاب کے بارے میں فاضل مقدمہ نگار کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ "یہ مثنوی اس قابل ہے کہ لڑکیوں کے نصاب میں داخل کی جائے" (ع۔ ق)

(باقی آیندہ)

فضل باری

علاقہ بنگال سے ایک صاحب درویش بمباری کے زمانہ میں لکھتے ہیں:

اخبارات میں آپ پڑھ رہے ہونگے کہ کلکتہ پر بم باری شروع ہو گئی ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس رہے ہیں۔ اور پسنا ہی چاہیے لیکن ڈر یہ ہے کہ گیہوں سے زیادہ گھن نہ پس جائیں۔ اگر اسکے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں جو گھن لگا ہے وہ بھی پس جائے تو اس بم باری کو فضل باری سمجھنا چاہیے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔

فضل باری کی اس دعا پر بجز اسکے کیا کہا جا سکے کہ اللّٰہم آمین۔

والذی جاء بالصدق وصدق به اولئک هم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

صدق

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مشیر آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
" ششماہی تین روپیہ
ممالک غیر سے ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲

نمبر ۴۹ | دوشنبہ - ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء | جلد ۸

شر میں خیر

"برطانیہ میں پورے گیہوں یعنی بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی پکانا قانوناً لازمی قرار دیا جانے والا ہے۔ ان دنوں برطانیہ میں جو ڈبل روٹی ملتی ہے وہ پورے گیہوں کی روٹی نہیں ہوتی، بلکہ اس میں ۶۶ فی صدی گیہوں کا آٹا ہوتا ہے۔ لیکن اب سو فی صدی گیہوں ہوگا۔ اس وقت تک انسان یہ غلطی کرتا چلا آیا ہے کہ وہ گیہوں کا ۷۴ فی صدی حصہ سفید آٹے یا میدے کی صورت میں اپنے استعمال کے لیے رکھ لیتا ہے اور باقی ۲۶ فی صدی بھوسی کی صورت میں مویشیوں یا دوسرے جانوروں کو کھلا دیتا ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ دانۂ گندم کے اسی ۲۶ فی صدی جزو میں گیہوں کے تقریباً وہ تمام حیاتین موجود ہوتے ہیں جو مجموعۂ حیاتین ب کے ضروری اجزاء ہیں۔ مثلاً حیاتین ب جو بیری بیری کے مرض کو روکتا ہے۔"

(ہمدرد صحت، دہلی، اپریل نمبر)

کچھ خیال ہے کہ یہ بے چھنا ہوا آٹا کس کی مستقل غذا تھی؟ کس کا معمول نام تھا؟ اسقلیبوس اور بقراط، جالینوس اور بو علی سینا کا نہیں۔ معجون اور مربے، کشتے اور خمیرے، ایجاد کرنے والے اور استعمال کرانے والے، حاذق طبیبوں، اور ریسرچ کرنے والے امور ڈاکٹروں کا نہیں۔ دنیا کے معلم، عرب کے امی کا تھا! ——— قدرت کی عجیب کرشمہ سازی ہے، کہ جس کے نام سے اور پیام سے زمانہ اسقدر بغاوت پر تلا ہوا ہے، عین اسی کی سنت کے اتباع پر اپنے کو اضطراراً مجبور پا رہا ہے، ایک اسی معاملہ میں نہیں، چھوٹے بڑے خدا معلوم کتنے معاملات میں! دانستہ زبان پر کلمے ارتداد و الحاد کے جاری رہیں گے، اور نادانستہ قدم اسلام ہی کی طرف اٹھتے رہیں گے۔

بڑے مکان کا مکین

کوئی اگر آپ سے یہ کہے، کہ ہندوستان کے ایک شہر میں ایک محل اتنا بڑا اور لق و دق ہے ("ہے" بصیغۂ حال۔ "تھا" بصیغۂ ماضی نہیں) کہ اس میں نو وارد راستہ بھول بھول جاتے ہیں، اور اسکے اندرونی راستوں اور پیچ در پیچ گلیوں کا مجموعی طول ۶ میل تک جا پہنچتا ہے، اس محل کے مستقل خدمتگاروں کی تعداد ۲۳۴ ہے۔ اور چپراسیوں، ہرکاروں، پیادوں، پہرہ داروں کی ایک فوج کی فوج اسکے علاوہ! محل میں جو پائیں باغ ہے، اس میں مالی بیسیوں کی تعداد میں کام کرتے رہتے ہیں، اور ہر روز ۲۰۰ گلدان تازہ پھولوں سے سجائے جاتے ہیں! (ہندو، مدراس، ۳ اپریل ۴۳ء) تو آپ ایسے مکان اور ایسے مکین کی نسبت کیا رائے قائم کریں گے؟

رائے جو چاہیے قائم کیجیے، صرف اتنا سن لیجیے، کہ یہ ذکر کسی راجے مہاراجے، کسی نواب نوابزادے کی شبستان عشرت کا نہیں، ہندوستان کے وائسرائے بہادر، برطانیہ کے نائب السلطنت، بڑے لاٹ صاحب کی کوٹھی کا ہے!

بے غیرتوں کی غیرت

"بمبئی - ۲ اپریل - بمبئی کی پارسی قوم میں ان دنوں سخت ہیجان اس امر پر پھیلا ہوا ہے کہ بہت سی پارسی عورتیں پارسی مردوں کے علاوہ اب غیر پارسی مردوں کے ساتھ اسٹیج پر ناچنے اور ایکٹنگ کرنے لگی ہیں۔ چنانچہ زرتشتی دھرم رکشک سبھا کے ایک جلسہ میں اس امر پر سخت ناراضگی اور نفرت کا اظہار کیا گیا اور ان پارسنوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کی دھمکی دی گئی جو ناٹکوں اور اس قسم کے دیگر اسٹیجوں پر آکر غیر پارسی مردوں کے ساتھ ناچتی اور

ہوں کہ آپ کو اپنے خدا ہونے میں تو شک نہیں؟" عرض کیا "نہیں" اس میں تو نہیں"۔ بولے "بس پھر بیڑا پار ہے۔ اپنی بندگی ہی کا احساس کرتے رہیے۔ آپ کے اسی قدر کافی ہے۔ اللہ کی معرفت کا دعوٰے کون کر سکتا ہے۔ سب کی پافت بس اپنے اپنے مقام تک رہی ہے۔ میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

درد تو موجود ہے دل میں شفا ہو یا نہ ہو
بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو"

اپریل ۱۹۱۳ء کی وہ گھڑی، اور ستمبر ۱۹۲۱ء میں یوم وفات پورے ۸ برس میرے تعلقات نیاز مندی کے پابر قائم رہے روز بروز بڑھتے گئے۔ اس مدت میں میں نے بہت کچھ سیکھا، بہت کچھ پایا اکبر کے کلام سے بھی اور اکبر کی ذات سے بھی۔ خوش نصیب تھا میں کہ اتنی مدت تک موقع استفادہ کا ملا۔ بدنصیب تھا میں کہ اس مہلت سے پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ اپنے عقائد و خیالات کی اصلاح میں میں نے حضرت اکبر کا بھی اثر شعوری طور اور غیر شعوری طور پر کام کرتے ہوئے پایا۔ وہ ابھی زندہ ہی تھے کہ میں بحمداللہ مسلمان از سر نو بن چکا تھا۔ نماز پھر حضرت اکبر کے ساتھ ادا کی، اس وقت انکی خوشی کا کیا پوچھنا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کتنی بڑی دولت خود انھیں کو مل گئی ہے!— توحید کے عاشق تھے۔ اور غیرت عشق کا ایک لازمہ ہے۔ توحید کی غیرت اتنی تھی، کہ کوئی دوسرا تذکرہ یہاں تک کہ رسول اللہ کا بھی، زیادہ دیر تک سن ہی نہیں سکتے۔ جھٹ موضوع بدل، توحید پر آجاتے۔ اور آخر آخر تو فنا اور توحید ہی دو محبوب موضوع رہ گئے تھے۔ سنہ ۲۰ء و ۲۱ء میں عارف روم کی مشہور و معروف مثنوی کی دھن میرے اوپر سوار تھی۔ اکبر کی خدمت میں اسکا ذکر کیا۔ ایک بار کیا، دوبار کیا۔ جب تیسری بار کیا، تو تڑ سے بول اٹھے کہ "اچھا یہ تو فرمایئے، اللہ میاں بڑے ہیں یا مولانا روم؟" میں نے کھسیانے ہوکر کہا کہ "اللہ میاں"۔ بولے "میں تو آپ کی گفتگو سے یہی سمجھا تھا کہ شاید مولوی روم بڑے ہیں۔ جب سے آپ آئے ہیں، بار بار انھیں کا ذکر کر رہے ہیں، اللہ میاں کا نام میں نے ایک بار بھی نہ سنا۔ میں تو سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اللہ نے آپ کی رہنمائی مثنوی تک کی، یا مولوی روم آپ کو اللہ تک لے آئے؟" انتہا یہ ہے کہ جب ذکر رسولؐ شروع ہوتا تو اُسے بھی دو ہی چار منٹ بعد، حضرت اکبر اپنے اس فقرہ پر ختم کر دیتے کہ "جی ہاں، ہمارے اللہ کی کاریگری کا کیا کہنا۔ ایک انسان بے نظیر اور ایسا جامع صفات و کمالات پیدا کر دیا" لا یہ حد تھی غلبۂ توحید کی!

اکبر بڑے پرگو تھے، اور بڑے زود گو۔ جو دیوان چھپ چکے ہیں وہی تین میں۔ اور جو کلام اب تک نہیں چھپا ہے وہ سب چھاپ دیا جائے، تو اگر پوری دو جلدیں نہیں، تو ڈیڑھ جلد تو ضرور ہی تیار ہو سکتی ہے۔ اکبر کا پیام تقریبًا وہی تھا، جو اقبال کا تھا۔ یعنی خودی و خودداری کا سبق۔ مشرقی کو مشرقی اور مسلمان کو مسلمان رہنے کی تلقین۔ راہیں الگ تھیں، ایک پتھروں کو ہنستا ہنساتا ہوا چلا، دوسرا دلوں کو گرماتا ہوا بڑھا، لیکن منزل بہ لحاظ سے اکبر و اقبال دونوں ایک۔ اکبر کی زندگی تو اس حقیقت کا ایک سبق ہے کہ انسان ظرافت زندہ دلی و شگفتگی خوش مزاجی کی راہ سے بھی کیسی کیسی خدمتیں قوم و ملت کی انجام دے سکتا ہے!

عربی زبان اسلام میں

(از مولوی قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دارالاشاعت شمس آباد ضلع اٹک)

مضمون تو مدت سے میری ایک مبسوط کتاب ضرورۃ القرآن میں لکھا ہوا تھا اور ارادہ بھی یہی تھا کہ یہ مضمون اسی کتاب میں شائع ہو جس کے لیے لکھا گیا ہے۔ گر صدق میں فاضل گرامی مولانا مناظر احسن گیلانی مدظلہ کے مضمون اشاعت قرآن کا آخری حصہ پڑھا، جس میں آپ کے تحریر کردہ نقشہ یہ ہے (مسلمان) اتنی عربی سیکھ لیں کہ براہ راست جس کی بدولت قرآن سے متاثر ہونے کا انکو موقع مل جائے۔

چونکہ مولانا کا ارشاد ہر لحاظ سے قابل عمل ہے۔ اس لیے دل نے چاہا کہ اسی پر اگر مضمون کی بنیاد رکھ دی جائے اور مضمون کو صدق کے کالم میں دے دیا جائے تو امید کہ اہل علم اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ عربی زبان سب زبانوں سے زیادہ واضح اور فصیح ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْن۔ ایک مسلمان کے لیے اس کتاب کے حکم سے زیادہ اور کوئی مستند دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ کسی معقول انسان کو بھی ایسی کتاب کی دیانت اور جامعیت میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہونا خود اسکے ادراک کے قصور کی علامت ہے کہ آج دنیا کے اسی کروڑ انسانوں کا اس پر ایمان ہے۔ اور ایمان بھی ایسا کہ دنیا رشک کرے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا تقریبًا اسی پر معتقد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو عربی ہی میں الہام فرمایا۔ آگے انھوں نے حسب موقع اپنی اپنی اقوام کو انھیں کی زبان میں سمجھایا۔ بخاری کی شرح عینی اور قسطلانی کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

صالح اور شعیب علیہما السلام عربی زبان میں کلام فرماتے تھے۔ آدم علیہ السلام عربی زبان میں کلام فرماتے تھے، زمین پر آنے سے زبان بگڑ گئی۔ گر قبول توبہ کے بعد پھر عربی ہو گئی۔ کعب فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے عربی بولی وہ جبرئیل ہیں اور انھوں نے عربی زبان کو نوح علیہ السلام کی زبان پر القاء کیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر الہام عربی زبان میں ہوا۔ انھوں نے اپنی قوم کو انھی کی زبان میں ترجمہ کرکے ارشاد فرمایا۔ (عینی جلد اول ص[illegible] وقسطلانی جلد اول ص[illegible])

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احبوا العرب لثلاث انا عربی والقرآن عربی ولسان اہل الجنۃ عربی (او کما قال) دوسری حدیث میں ہے جو عربی بول سکتا ہے وہ عجمی میں کلام نہ کرے۔

اس لیے کہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے ابتدائی عمل میں متعدد طریقوں سے عربی زبان دینے کی

قومی امانت

(زنانہ کالج کی سکریٹری شپ سے استعفا کا مطالبہ)

(۳) ماہنامہ ضیا (لکھنؤ)

"فلم ایکٹریسیں" ضیا کے انھیں کالموں میں بارہا سنیما اور سنیما بینی کی حد سے بڑھی ہوئی مقبولیت و معروفیت کی مذمت کی جا چکی ہے۔ غالباً اب تو کوئی شہر ایسا باقی نہ ہوگا جہاں اس وبا کے مستقل قدم نہ جم چکے ہوں اور کوئی گھر ایسا نہیں جس کے رہنے بسنے والوں میں دو ایک شخص اس کے دلدادہ اور شیدائی نہ ہوں۔ شروع شروع میں تو صرف مرد ہی اس کے شائق تھے لیکن آج مردوں سے بھی زیادہ عورتوں اور لڑکیوں میں سنیما بینی کا شوق عام طور پر زور پکڑتا جا رہا ہے۔ اور اگر اس کی پیدا کردہ خرابیوں، تباہ کاریوں اور زبوں حالیوں سے چند سے اور چشم پوشی کی جاتی رہی تو پھر یہ سیلاب عظیم یہ ہلاکت آفریں طوفان کسی کے روکے نہ رک سکیگا۔ جہاں تک سنیما بینی کا تعلق ہے اس کا نفع نقصان تو اسی حد تک ہے کہ کوئی شخص اگر اپنا پیسہ اپنا عزیز وقت اس فضول کام میں گنوانا چاہتا ہے تو گنوائے لیکن اب تو اس وقت میں ایک دوسری قسم کا گھن لگنا شروع ہو گیا ہے یعنی ہماری بہو بیٹیوں کو فلم ایکٹرسوں کی شہرت و دولت دیکھ کر انھیں جیسا بننے کا شوق ہوتا جا رہا ہے۔ یہ آگ اگر بھڑکی تو نتائج اس کے ظاہر ہیں کہ ہماری موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لیے کہاں تک فخر و مباہات کے موجب بن سکیں گے۔ یہ دعویٰ بے دلیل نہیں ہے، عالیہ [illegible] میں کوئی خاندان ہوا اور ہے جس کی بیٹی اور بہو دونوں نے اس قابل نفرت پیشے کو اختیار کر رکھا ہے۔ جس کی عقدہ کشائی روزنامہ حق مورخہ ۲۶ مارچ ۶۳ء میں ہفتہ وار صدق لکھنؤ کے حوالے سے ایک اپیل کی صورت میں کی گئی ہے۔ یہ اپیل اور اصل مقالہ کہاں تک قابل توجہ ہے اس کا اندازہ ہماری بہنیں پڑھ کر ہی کر سکیں گی۔ حق کا "افتتاحیہ" اور صدق کا مقالہ دونوں حرف بحرف نذر ناظرین ہیں۔ یہ تو صرف ایک اونچے خاندان کی دو لڑکیوں کی مثال ہے ورنہ خدا جانے غیر معروف گھرانوں کی کتنی لڑکیاں اب تک فلم اسٹار بن چکی ہونگی اور کتنی سونے کی چڑیا بننے کے لیے ابھی پر تول رہی ہونگی۔ امید ہے کہ ان دونوں مضامین کو پڑھ کر اہل بصیرت اور صاحب ہوش خواتین اس کا انتظام کرینگی کہ نہ وہ خود کبھی اس طرف رخ کریں اور نہ اپنی بہو بیٹیوں کو سنیما بینی کی اجازت دیں۔

(اس کے آگے حق و صدق کے مضامین بجنسہ درج ہیں)

(۴) وحدت (دہلی)

نئی تہذیب و تعلیم کیا کیا نئے شگوفے کھلا رہی ہے، اور اپنے زہریلے اثرات اور مسموم جراثیم سے جو جو خانہ خرابیاں ہی نہیں بلکہ علم، مذہب، معاشرت اور تمدن سے بُعد و دوری پیدا کر رہی ہے اس کے عبرت انگیز و ہولناک واقعات روزانہ منظر عام پر نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ اگر دیگر اقوام "تہذیب جدید" کی گرم فرمائیوں سے سرشار ہو کر تجدد نوازی میں سابقت و اولیت حاصل کرنے کی سعی کریں تو ہمیں نہ تعجب کا موقع ہے اور نہ حرف گیری کا، کیونکہ ان کے سامنے کوئی مضبوط اور مکمل قانون حیات نہیں۔ لیکن ہم بڑے الم اور قلبی ملال سے یہ چیز دیکھ رہے ہیں کہ مغربی تعلیم اور نئی تہذیب رفتہ رفتہ بہت سے خود آزاد خیال اور نام نہاد دانشور مسلمانوں کو بھی انتہائی گمراہ ہی نہیں بلکہ مذہب، تہذیب، حیا اور عصمت و عفت تک سے بیگانہ کر رہی ہے اور "آرٹ" کے پردے میں دنیا کی ہر مخرب چیز فن کی نوعیت حاصل کر کے اسلامی تعلیمات پر ضربیں لگا رہی ہے۔ آج ملت کی رہنمائی کی تدبیریں ہیں، آج سیاسی جو طلبی کے لیے گرما گرمی ہے مگر افسوس کہ ہمارے علماء، ہمارے لیڈر ان بنیادی خرابیوں اور تباہ کن اعمال اور عنوان بربادی مغربی تقالید کے اثرات کو دور کرنے اور مسلمانوں کو اس سے بچانے میں یکسر غافل ہیں۔

اب حالات نہایت نازک ہو چکے ہیں، حد ہو چکی ہے کہ اعلیٰ مسلم گھرانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں خورشید و قمر جیسے نام کے بجائے "نینا" اور "رینو" جیسے خطابات کو پسند کر کے بجائے زینت خانہ ہونے کے "رونق بزم" ہوتی جا رہی ہیں۔ ان ہی بڑھتی ہوئی خرابیوں سے متاثر ہو کر محترم معاصر "صدق" نے حسب ذیل مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ جس کی اہمیت کے پیش نظر ہم بلفظہ قارئین وحدت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ معاصر صدق رقمطراز ہے:- (صدق کا پورا مضمون نقل ہے) ان حالات کے انکشاف کے بعد کون سا سچا مسلم قلب ہے جو مضطرب نہ ہوگا اور کونسی آنکھ ہوگی جو اس تباہی خیز منظر پر آنسو نہ بہائیگی۔ ابھی وقت ہے کہ اس فتنے کو ابتدا ہی میں ختم کر دیا جائے ورنہ آیندہ چل کر یہ ایک ایسا ہلاک اور رسوا کن عمل ثابت ہوگا جو مسلمانان ہند کی پیشانی پر کبھی نہ مٹنے والا کلنک کا ٹیکہ لگا دیگا۔

(۵) انقلاب (بمبئی)

عورت اور مرد کا اختلاط آگ اور تیل کا ملاپ سمجھا جاتا تھا۔ غیر عورت اور غیر مرد میں شناسائی، ربط و ضبط اور خلا ملا کا کوئی امکان ہی نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کون بے غیرت باپ اسے گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی لڑکی غیروں کی زینت آغوش بنے؟ کون بھائی اس کا تصور کر سکتا تھا کہ اس کی بہن دوسروں کے ساتھ ہنسے بولے، کھیلے کودے، عیش و طرب کے جلسوں میں شریک ہو؟ کون غیرت دار شوہر اس کا تصور بھی کر سکتا تھا کہ اس کی بیوی "فن کاروں" کے ساتھ ناچے گائے، ان کی رفیقۂ حیات بنے، ان کے عشق میں (وہ وقتی ہی سہی) سرد آہیں بھرے؟ ان کے ساتھ ان کی روشنی میں پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھے اور رات کی تاریکی میں وہ پارٹ کرے جو "آرٹ" کے پردہ پر چشم تماشا کو دعوت نظارہ دے۔

رہی سہی کسر فلموں نے پوری کر دی۔ اب تک اس لائن میں زیادہ تر وہ عورتیں آتی تھیں جن کے سابقہ روایات اور حال کے واقعات حقائق کے آئینہ میں سب کے سامنے ہیں۔ شریف لوگ فلمیں دیکھتے تھے، فلم سازی بھی کرتے تھے۔ لیکن فلم کاری سے علیحدہ رہتے تھے۔ لیکن ترقی یہیں پر ختم نہیں ہوگئی، اب تو شریف خاندانوں کی بہو بیٹیاں بھی اپنی حرم سرا سے باہر نکل آئیں اور تماشہ گاہ میں پہونچنے لگیں۔ اب نہ پردہ ہے، نہ حجاب ہے، نہ حیا!

آرٹ کی نمائش ہے!

مسلمان اب تک اس بلا سے بھی محفوظ تھے، لیکن تہذیب کی یہ وحشت اب انکے گھروں میں بھی پہنچنے لگی ہے۔ اس بمبئی میں ایک نامور مسلمان خاندان کی صاحبزادی اور بہو اپنے اپنے شوہروں کی اجازت سے داد فن دے رہی ہیں۔ کسکی مجال ہے جو انکا ہاتھ پکڑ کر انھیں گھر بٹھا رکھے، یا پردہ سنبھال دے؟ رہ رہ کر اکبر کا یہ شعر یاد آرہا ہے

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب انکو نہیں آتا انھیں غصہ نہیں آتا۔

مراسلہ

کرم گستری جناب مولانا صاحب، [illegible] السلام مسنون۔ اخبار صدق کی اشاعت [illegible] میں آپ کی چند تصنیفات کا اشتہار پڑھ کر میں نے بھی ناشرین صاحبان کو خرید کتب کے [illegible] اخوان الادوان میں شامل ہونے کے لیے مبلغ [illegible] کی رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی ہے۔ ناشرین کی طرف سے غالباً یہ اشتہار کتابوں کے چھپنے سے قبل ہی آپ کے اخبار میں چھپوا دیا گیا۔ اور میری طرح متعدد دوسرے لوگوں نے بھی اس خیال سے خریداری کی فرمائش بھیجی ہوگی کہ یہ آپ کے رشحات قلم ہیں۔ اور چونکہ آپ ہی کے اخبار میں انکا اشتہار نکلا ہے۔ لہذا ترتیب و اہتمام صحت، طباعت کی تمام منازل آپ ہی کی زیر نگرانی طے کر چکی ہونگی۔

اخبار صدق کی اشاعت مورخہ ۵ اپریل سے اصل حقیقت اب جا کر کھلی کہ ناشرین حضرات نے آپ کے نام نامی اور اسکے ساتھ لوگوں کی عقیدت پر تجارتی سلسلہ شروع کیا ہے اور زیر طباعت کتابوں کی مزید تفصیل مضامین اور ضخامت کا صحیح اندازہ دیے بغیر نہایت معقول قیمت لوگوں سے وصول کرنے کی طرح ڈالی ہے۔ میرے خیال ناچیز میں کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ اخبار کے مہتمم اور ناشر صاحب اس اشتہار کے صدق میں چھپنے سے قبل آپ سے استصواب کر لیتے۔ مگر اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اخبار کے عین پرچہ میں یعنی صدق [illegible] میں آپ کی طرف سے ایسی اہتمام و احتیاط طبع کتب کی شان نزول بیان کی جا رہی ہے۔ اسی کے متصل جلی حروف میں اشتہار بعینہٖ درج کر دیا گیا ہے۔ اہل حلقہ گوشہ نشینان [illegible] مزید مغالطہ میں مبتلا نہ ہوں، تو انکی بصیرت کی داد دینا پڑیگی۔ والسلام

آپکا ایک گمنام نیازکیش

صدق ۔ مراسلہ پنجاب کے ایک معزز و تعلیم یافتہ صدق نواز کا ہے۔ صدق میں [illegible] اشتہارات نکلتے ہی کب ہیں۔ یہ اجمالی اسماء دفتر میں آیا۔ تو اس میں چونکہ کوئی اخلاقی یا شرعی خرابی نظر نہیں آئی اس لیے اسکے [illegible] دفتر نے کسی مزید ہدایت یا تحقیق کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ غلط فہمی اس سے یقیناً مراسلہ نگار کی طرح اور بہت سے حضرات کو پیدا ہو گئی ہوگی۔ دلی اظہار افسوس کے سوا لیکن اب اس پر اور ہو کیا سکتا ہے؟ یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ تینوں کتابوں میں سے ایک کتاب کی بھی شکل تک

آج ۱۹ اپریل تک مصنف کی نظر سے نہیں گزری ہے!

نئی "نذر"

معاصر صبح دکن [illegible] ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ کے صفحہ اول کو اعلیٰحضرت جلالت الملک کے اس ارشاد کرم ذیل سے زینت حاصل ہوئی ہے جسکا عنوان "درخواست صدر اتحاد المسلمین" رقم ہوا ہے:۔

"ان حضور سے اپنے معروضہ کے تحت اپنے تمام اعزازات کو جو کہ اس ریاست سے انکے نام وقتاً فوقتاً بحال تھے، سرکار میں نذر واپس کرنے اور قبول کر کے انکو جلد سبکدوش کرنے کی استدعا کی ہے۔ لہذا انکی خواہش کے بموجب اسکو قبول کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اسکے متعلق دیوانی میں حکم جاری ہو رہا ہے (دیگر سرکاری [illegible] کے بموجب بروقت عمل ہوگا)۔"

ہم نہیں کہہ سکتے کہ قائد ملت نے ایسی خواہش کیوں کی، اپنے موروثی اعزازات ہی کو کیوں [illegible] نے اپنے آقا کے حضور میں نذر گزرانے کے لیے انتخاب کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طرح سے وہ اپنے اس جذبہ کی صداقت کا ثبوت دینا چاہتے ہیں جو [illegible] کے لیے [illegible] عزت ہے۔ انکو بعض ہموطنوں کا یہ طنز ناگوار تھا کہ ایک جاگیردار صاحب اعزاز عوام کی سطح پر آ سکتا ہے اور نہ انکے [illegible] سے معاملات کو دیکھ سکتا ہے، اور نہ انکی کوئی سچی خدمت انجام دے سکتا ہے۔

اب وہ شاید یہ محسوس کر رہے ہیں کہ وہ ملک و ملت کی خدمت بغیر کسی طوق کے کر سکتے ہیں۔ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی طبیعت پہلے سے [illegible] جا رہی تھی۔ عشق سرد [illegible] اب کم پایا جاتا ہے۔ کہ

عشق ہر رنگ رقیب سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا

[illegible]

(بقیہ صفحہ ۳)

کی لعنت تو خود اسکے لیے تھی نہ کہ اسکی قوم قبیلہ والوں کے لیے۔ پھر اسکا زمانہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ ہندوستان کی شودر قومیں (جنھیں آج اچھوت کہنے لگے ہیں) اس سے قدیم تر ہیں۔ اسرائیلیوں اور ہندی شودروں کی نسلیں بالکل الگ الگ ہیں۔ دونوں کے ایک ہونے کی کوئی ضعیف شہادت بھی تاریخ میں نہیں۔ اچھوت کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ اگر ان [illegible] اور [illegible] لفظی مناسبت صرف ایک نکتہ یا لطیفہ کا کام دے سکتی ہے (صدق میں کئی سال ہوئے مولانا گیلانی کے حوالہ سے اسکا ذکر آ بھی چکا ہے)۔ باقی اسے ایک تاریخی حقیقت کی یا مدلول قرآنی کی حیثیت سے پیش کرنا، تاریخ، تفسیر دونوں پر ظلم عظیم کرنا ہے۔ امید ہے کہ صاحب مراسلہ اب اس موضوع پر مزید تحریر کی زحمت نہ گوارا فرمائینگے۔

سعی کی۔

(بقیہ صفحہ ۵)

سعی کی جسکا مختصر سا نقشہ درج ہے۔

(۱) ہر ایک مسلمان روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ عربی میں نماز پڑھتا ہے۔

(۲) انکی اذان واقامت عربی میں ہے

(۳) مسلمانوں کا خطبۂ نکاح عربی میں ہے۔

(۴) عیدین، استسقاء و صلوٰۃ خوف عربی میں ہے۔

(۵) مسلمانوں کا کلمہ عربی میں ہے

(۶) اقرار ایمان کے شروط عربی میں ہے۔

(۷) میت کی نماز جنازہ عربی میں ہے

(۸) وہ دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے جو عربی میں ہو

(۹) قرآن مجید آج تک عربی میں پڑھا جاتا ہے۔

(۱۰) مسلمانوں کا رشتۂ اخوت کا عنوان (السلام علیکم) عربی میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی نے تو فیصلہ فرما دیا ہے کہ عربی ہی وہ زبان ہے جو اولاً و آخراً کام آنے والی ہے اور جسے تمام کائنات کے افضل ترین مراکز میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر فقہاء امت مسلمہ نے اس پر خوب زور دیا ہے کہ روزمرہ کی بول چال بھی عربی میں ہونی چاہیے انکے فیصلہ کے اجزاء درج ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو عربی جانتا ہو اسکے لیے غیر عربی میں کلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲) عربی لغت کا جاننا فرائض دین سے ہے کہ قرآن کا سمجھنا اسی پر موقوف ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ عربی میں مہارت پیدا کریں۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عربی کلام سیکھو کہ تمہارے دین سے ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ)

غیروں کا اعتراف

پروفیسر رنالڈ اے نکلسن ایم اے فارسی لکچرار کیمبرج یونیورسٹی و فیلو ٹرینٹی کالج نے کہا ہے،

"عربی ساری دنیائے اسلام کی مشترک زبان بن گئی۔ اور یہ یقینی طور پر قرآن کا اعجاز تھا قرآن نے عربی زبان و روایات پر حیرت خیز اثر ڈالا۔ متن قرآن کو اسکی تحریف سے بچانے کے لیے اور اسکی ناقابل فہم آیات کی توضیح و تشریح کے لیے مسلمانوں نے نحو اور لغت ایجاد کی اور زمانہ قبل کے ادبیات اور زمانہ قبل اسلام کی ادبیات و روایات کو جمع کرکے انکو ہلاکت انکو ہلاکت سے بچا لیا"

چیمبرز انفرمیشن فار دی پیپل ۱۹۲۱ء میں ہے

"قرآن کی زبان انتہا درجہ کی خوبصورت اور خالص ہے کسی اور کتاب کا اتنا احترام نہیں کیا جاتا جتنا کہ مسلمان قرآن کا کرتے ہیں" (پیام امین)

اس مختصر سی تحریر کے بعد یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو عربی زبان کی اشاعت کرنی چاہیے۔ اور قرآن کو اپنی زبان پر تابع کرنے کے بجائے اپنی زبان کو قرآن کے تابع کریں۔ اسکا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیے۔

یہ اولوالامر اکابر کا فرض ہے۔ مگر اتنا ضرور قابل عرض ہے کہ جب تک کسی مرکز سے اسکی اشاعت کا انتظام نہ ہو زیادہ موثر نہ ہو سکے گا۔ دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ وغیرہ کو خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور سلطان العلوم کی توجہ گرامی نے جس طرح اردو کو اردوئے معلی بنایا اور آج ہندوستان بلکہ تمام ممالک مشرق اسکے نام سے شناسا ہو چکے ہیں۔ اگر اسی طرح عربی پر پڑے تو مجھے امید ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ اس کو اعلیٰ ترقی پر پہونچا دینگے اور ہندوستان کے مسلمان تھوڑی ہی مدت میں اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ (قوم اتبعون اہدکم سبیل الرشاد)

ایک عبرتناک واقعہ

لکی مروت (علاقہ بنوں) کے ایک گاؤں احمد خیل کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک مسافر جو کابلی پٹھان تھا، فوت ہو گیا۔ چونکہ لاوارث تھا۔ اس لیے گاؤں والوں نے اسکی تکفین و تدفین کے لیے چندہ جمع کیا لیکن جب غسل دینے کے لیے اسکے کپڑے اتارے گئے تو اسکی جیب سے پانسو روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔

بھولے بھالے دیہاتیوں نے گاؤں کے ملا صاحب سے استفتا کیا کہ اس رقم کو کیا جائے۔ ملا صاحب نے نہایت غور و خوض کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ اس مسافر کی تکفین و تدفین کے بعد جو روپیہ بچے وہ قبر میں اسکے سرہانے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ گاؤں والوں نے فتویٰ کی تعمیل میں کچھ کم پانسو کی رقم میت کے سرہانے رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی اور فاتحہ پڑھ کر گھروں کو واپس آئے۔ جب دن گزر گیا اور رات ہوئی تو حضرت ملا صاحب لوگوں کی نظروں سے بچتے بچاتے قبرستان میں پہونچے اور مسافر کی قبر کو سرہانے کی طرف کھودنا شروع کیا تب بہت سی مٹی نکال چکے تو اپنا سر اس گڑھے میں ڈال کر ہاتھوں کو میت کے سر تک پہونچانے کی کوشش کی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا۔ جب ملا صاحب اس حالت میں سر بہ قبر تھے تو قبر کی کھدی ہوئی مٹی ہر طرف سے گر پڑی۔ ملا صاحب کا سر قبر کی تہ تک پہونچ گیا اور ٹانگیں اوپر کھڑی ہو گئیں۔

ملا صاحب نے بہتیرے ہاتھ پیر ہاتھ پاؤں مارے ہونگے اور دھکے لیے آواز دینے کی کوشش بھی کی ہوگی۔ لیکن ایک تو قبر کی تہ تک پہونچ چکا تھا، دوسرے آدھی رات کا وقت سنسان قبرستان میں ہوگا عالم آواز کون سنتا۔ آخر اسی حالت میں ملا جی کی جان نکل گئی اور آپ سر نیچے ٹانگیں اوپر کیے اپنے خالق حقیقی کے حضور میں پہونچ گئے۔

صبح ہی صبح ایک دیہاتی ادھر سے گزرا۔ اور ایک انسان کی ٹانگیں قبر سے باہر نکلی ہوئی دیکھ کر لرزہ براندام ہو گیا۔ بھاگا بھاگا گاؤں میں پہونچا اور لوگوں سے کہنے لگا اے بھائیو۔ تم نے جس کابلی پٹھان کو کل دفن کیا تھا، وہ تو قبر سے باہر نکلا جا رہا ہے۔ پہلے تو لوگوں نے یقین نہ کیا لیکن جب اس نے قسمیں کھائیں تو وہ تمام قبرستان میں پہونچ گئے۔ ایک شخص نے ہمت کرکے باہر نکلی ہوئی ٹانگوں کو پکڑ کر جو کھینچا تو کابلی پٹھان کے بجائے حضرت ملا صاحب قبلہ مرحوم و مغفور برآمد ہو گئے اور سارا راز فاش ہو گیا جس پر کیا تھا، بجائے دعائے مغفرت کے ہر طرف سے لعنتوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ پولیس کو اطلاع دیگئی، جس نے آکر قبر کھدوائی اور وہ رقم پر قبضہ کر لیا تا کہ کوئی دوسرا حریص اپنی جان نہ گنوا بیٹھے۔ (انقلاب)

نمبر (۱) | دوشنبہ - ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲ - مئی ۱۹۴۳ء | جلد ۹
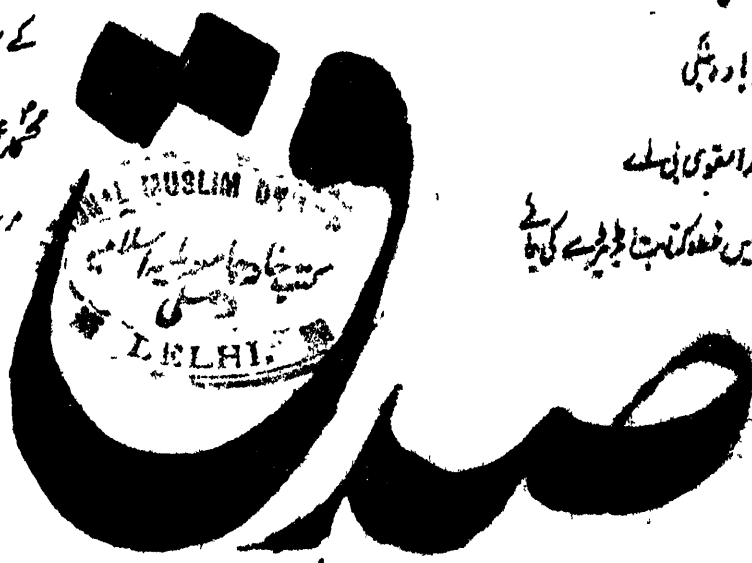
سچی باتیں

از عبد الماجد

"۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء شب میں سننے میں آیا کہ کھدر پوشوں کی پکڑ دھکڑ دریاباد اسٹیشن پر اور ضلع کے دوسرے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے۔ اور کھدر پوش جانے نہیں پاتے۔ سن کر بڑی کلفت ہوئی۔ ارادہ کر لیا کہ کل اپنے اوپر آزمائش کرونگا"۔ —— اقتباس ایک نامکمل ذاتی ڈائری کا ہے۔ ایک زمانہ میں شوق ڈائری لکھنے کا تھا۔ شوق کئی سال تک قائم رہا، دو ایک ڈائریاں تو بعد کو جلا دیں۔ یہ ۱۹۲۱ء والی ڈائری اتفاق سے باقی رہ گئی۔ اقتباس اُسی سے ہے۔ ۱۹۲۱ء میری زندگی میں خاص اہمیت رکھنے کے علاوہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں بہت اہم ہے۔

تحریک خلافت و ترکِ موالات کا پورا شباب اسی سنہ میں تھا۔ محمد علی شوکت علی اسی زمانہ میں گرفتار اور سزایاب ہوئے تھے۔ دسمبر میں پرنس آف ویلز ہندوستان آئے ہوئے تھے، اور بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر رہے تھے۔ گورنمنٹ کی مرضی ہوئی تھی، کہ ہر جگہ انکا دھوم دھام سے استقبال ہو، اور انکے شایان شان جلوس نکلے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کا حکم تھا کہ ہر جگہ جلوس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ یہ گرفتاریاں اسی سلسلہ میں تھیں۔

—— مزید اقتباس مع تشریحی اضافوں کے آگے پڑھیے

"۱۱ دسمبر دوپہر کو دو میل پیدل اسٹیشن گیا۔ حسب معمول سر سے پیر تک کھدر میں۔ ٹرین آگئی، تو سب انسپکٹر پولیس میرے پاس آئے (ہندو ہیں ذات کے ٹھاکر) مجھے سفر سے روکنا چاہا۔ میں نے کہا کہ آخر کوئی جرم؟ کوئی ... گرفتاری کا وارنٹ ملا ہے؟ آخر یہ ہے کیا؟ اسکا کچھ جواب اُن سے نہ بن پڑا۔ آج مجھے سفر کی کوئی اور ضرورت تو تھی نہیں، محض اس بت کو توڑنے کے لیے لکھنؤ کا ٹکٹ لیا، اور سوار ہو گیا۔ سب انسپکٹر نے ایک بنبر دو سپاہی کانسٹبل کو نگرانی کے لیے مامور کر دیا۔ یہ مسلمان تھے۔ انھوں نے بہت کچھ اپنی والی اونچ نیچ مجھے سمجھائی۔ ... بارہ بنکی اسٹیشن پر بہت سی پولیس تھی۔ مگر مجھ سے کوئی بولا نہیں۔ لکھنؤ پہونچا۔ یہاں بھی اسٹیشن سے پیدل ہی چلا۔ اور دو میل کی مسافت طے کرکے بجائے گھر جانے کے سیدھا ہوم ممبر مہاراجہ محمود آباد کے ہاں پہونچا۔ یہی گورنر کے بعد صوبہ کے سب سے بڑے حاکم ہیں۔ اطلاع کرائی۔ فوراً بلا لیا۔ میں نے کہا کہ یہ آپکے عہد حکومت میں کیا اندھیر ہو رہا ہے؟ خواہ مخواہ بے قصوروں کو قصور وار سمجھا جا رہا ہے"۔ تفصیل بیان کی۔ بولے "اطمینان رکھیے، اب نہ ہونے پائیگا۔ گورنر کو ابھی لکھے دیتا ہوں"۔ یہ کہکر اپنے اسٹینوگرافر کو ایک پُر زور نوٹ گورنر کے نام اُسی وقت املا کرا دیا۔ خیر یہ مرحلہ طے ہوا، کہیں قریب شام کے گھر پہونچا۔ گھر کے سب لوگ آجکل یہیں لکھنؤ میں ہیں۔ اب کل دریاباد پہونچکر، ڈپٹی کمشنر ضلع کو بھی احتجاج نامہ لکھنا ہے"۔

۲۱ - ۲۲ سال پیشتر کے نامہ اعمال کی چند سطریں پڑھ کر گزری ہوئی زندگی کا نقشہ نظر کے سامنے پھر گیا۔ اور بھولے بسرے واقعات کی یاد تازہ ہو گئی۔ ...

اس وقت کی فضا، اور جوانی کے زمانہ کا جوش! جوش اور پھر سیاسی اندھا اور ایک زمانہ یہاں ہوتا ہے۔ دل کہہ رہا ہے کہ اگر اب پھر ایسا موقع پیش آجائے، تو قدم اس اقدام عمل کی طرف اس تیزی اور بے تکلفی سے نہ اٹھ سکیگا، اور ذہن کے سامنے بیسیوں دوسرے سوالات آجائیں گے۔ آخر صدق کا تو یہی کام کرتا ہے، اسے زندہ رکھتا ہے۔ اسکی ہفتہ وار پابندیاں ہیں، ذمہ داریاں ہیں۔ قرآن مجید کے کام کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، دوسری ساری خدمتیں اسکے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اور فلاں اور فلاں اور بعض تو ضروری کام تھا۔ پھر صحیح، جوشیلا اقدام دیکھئے ختم کہاں ہو۔ درمیان میں کون کون سی منزلیں پیش آئیں۔ جیل میں تو یقیناً جھوٹنگی، عجب نہیں، جو نماز ہی ناغہ ہونے کی نوبت آجائے —— غرض ایک نہیں بیسیوں "دور اندیشیاں" اسی قسم کی اب حائل راہ ہونگی۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسکے نزدیک بہتر حالت کونسی ہے، اس نوعمری کے "جوش" کی، یا اس پختہ عمری کے "ہوش" کی!

پیامِ اقبالؒ

حیدرآباد دکن کی بزم اقبال نے حسب معمول یوم اقبال ۲۱۔ اپریل کو منایا تھا۔ ذیل کا پیام مدیر صدق کی طرف سے سنایا گیا:۔

"اقبال کا اور پیام ہی کیا تھا بجز اسکے کہ مسلمان ہو، مسلمان —

زندگی اقبال کی قابل رشک ہو یا نہ ہو لیکن موت تو اقبال کی یقیناً قابل رشک تھی۔ اللہ ہم سب کو اقبال کا پیام سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ ہمارے بڑوں کو بھی، چھوٹوں کو بھی، لڑکوں کو بھی، بڑے بوڑھوں کو بھی۔"

ایک وفات

لکھنؤ کے مشہور مسلمان رئیس منشی احتشام علی کاکوروی نے بالآخر ایک طویل علالت کے بعد جمعرات ۲۳۔ اپریل کو وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کاکوری مرحوم کا وطن لکھنؤ کا ایک مشہور و مردم خیز قصبہ ہے۔ شریف مسلمانوں کی خاص آبادی۔ وہیں کے علوی خاندان سے متعلق تھے۔ منشی امتیاز علی مرحوم مشہور وزیر بھوپال کے صاحبزادے تھے۔ اب چند سال سے خانہ نشیں ہوگئے تھے۔ مگر اس سے قبل لکھنؤ کا شاید ہی کوئی پبلک کام ہو، جس میں منشی صاحب نمایاں حصہ نہ لیتے ہوں۔ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے ہر کام میں پیش پیش، اور ندوہ کی خدمت تو گویا انکا حصہ ہو چکی تھی، ذاتی طور پر بھی اور وراثۃً بھی۔ سالہا سال سے اس کے معتمد مال (فنانشل سکریٹری) چلے آرہے تھے۔ اسکی کمیٹیاں انھیں کی کوٹھی پر ہوتی رہتی تھیں۔ بڑے شریف، بڑے وضعدار، بڑے پاکباز تھے۔ عمر اب ۷۰ سال سے متجاوز تھی۔ جوانی بھر ورزش کا شوق رہا تھا، اسلئے صحت مرض الموت سے قبل تک بہت اچھی چلی آرہی تھی۔ حرم محترم کا انتقال مدت ہوئی ہو چکا تھا۔ باقی ساری عمر، باوجود ہر طرح کی فراغت و صحت کے، تجرد میں بڑی احتیاط کے ساتھ گزار دی۔ بات کے پکے

گئے، اپنے اصول و قواعد زندگی میں اٹل تھے۔ سلسلۂ بیعت اودھ کے مشہور نقشبندی بزرگ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے تھا۔ مشرقی شرافت واسلامی وضعداری کا ایسا نمونہ تو اب کیوں دیکھنے میں آئیگا! اللّٰھم اغفرہ وارحمہ۔

مشاہداتِ دار المصنفین

دار المصنفین اعظم گڈھ کے دیکھنے کی نوبت ایک مدت دراز کے بعد آئی۔ رکن انتظامی ہونے کے باوجود اتفاق وہاں جانے کا کئی کئی سال نہیں ہوا —— ادارے فرض میں یہ کوتاہیاں، ایک تنہا اسی پر کیا موقوف ہیں، زندگی کے ہر شعبہ ہی میں ہیں —— ادارہ فرط شہرت و معیاری کارکردگی سے محتاج کسی تعارف کا نہیں رہا۔ قیام دو دن اور تین رات رہا۔ مہمان خانہ کے نام سے ایک مستقل عمارت بھی اب بن گئی ہے۔ ناظم ادارہ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے علم و فضل کے لیے، اور مولوی مسعود علی صاحب ندوی اپنی قوت عمل کے لیے ہمیشہ سے مشہور ہیں۔ اب ان خصوصیات میں اضافہ کثرت نوافل اور اذکار و اشغال کا ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ سے بیعت تو کچھ روز ہوئے ہو چکی تھی، اجازت و خلافت حال میں ملی ہے۔ گر اسکے علاوہ اب زیادہ تر عالم استغراق میں رہتے ہیں۔ دو اور مصنفین مولوی شاہ معین الدین احمد (سیر الصحابہ والے) اور مولوی سید ریاست علی (تاریخ صقلیہ والے) بدستور اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے۔ تیسرے مصنف مولوی محمد اویس ندوی نگرامی کے کام کی دیکھ بھال کا موقع زیادہ ملا۔ یہ جوان صالح و سعید معارف کے مضامین کے علاوہ، خاص طور پر خدمت قرآن میں مصروف ہے، اور ایک نہیں تین تین کام مستقل و قابل قدر کام اسکے ہاتھوں انجام پا رہے ہیں۔

(۱) عربی زبان میں جو کتابیں معانی و بلاغت پر ہیں نیز محاضرات کی کتابیں مثلاً امالی سید مرتضیٰ، طراز، المثل السائر وغیرہ۔ ان میں جابجا آیات قرآنی اور انکے مفردات کی تشریح ادبی حیثیت سے جابجا ملتی ہے۔ مولف نے ان سب کو پڑھ کر، ہر آیت قرآنی کے تحت میں انھیں نظم و سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ کام دو جلدوں میں ہو پایا ہے۔

(۲) وجوہ اعجاز قرآن یعنی اسکے دلائل و شواہد، ہر زمانہ میں علمان اہل قلم کا ایک محبوب موضوع رہا ہے۔ البتہ ہر عہد میں نئے نئے نقطۂ نظر سامنے آتے گئے ہیں۔ یہاں مولف نے یہ کیا ہے، کہ تفسیر، کلام، ادب و محاضرات وغیرہ کی کتابوں میں، ہر ہر عہد سے متعلق جو کچھ مل سکا ہے، بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک جگہ سمیٹ دیا ہے۔

(۳) علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیمؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن مجید سے متعلق اپنی مختلف کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مولف یہ کر رہے ہیں کہ ان حضرات کی متفرق تصانیف میں جہاں جہاں بھی کسی آیت قرآنی سے متعلق کچھ مل سکا ہے، سب کو یکجا کر رہے ہیں کہ پڑھنے والے کے ہاتھ میں یہ یک وقت یہ اچھے اچھے تفسیری مجموعے آجائیں —— اخذ و استنباط، جمع و تالیف کا بھی کام بجائے خود بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور تصنیف کے کام سے کچھ کم قابل قدر نہیں۔ انشاء اللہ اوارہ

وزرائے معظمہ دونوں کے حسب ارادہ زندگی میں برکت عطا فرمائے۔

نقل کی اصل!

"مولانا سید سلیمان کے قبضہ میں جب سے دارالعلوم آیا ہے، ملا سلیمان کو خواہ مخواہ سر گمشدہ ملا بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ خالی ملا ہی نہیں۔ اسی ملا کو ہندوستان کے سب سے بڑے زندہ فتنہ مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی مرید یا کم سے کم ہم خیال ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

یہ بریلی کی جماعت رضائی سنت نہیں، ملیح آباد کے جوانمرد پٹھان، صداقت مجسم دار، جب سے شمال، ایڈیٹر ہند تھے اپنے تازہ مقالہ افتتاحیہ میں فرمایا! —— بیشک، گھوتے اور سہے کانوں پر مذہبی دیوانوں اور پھر وہ بھی ایک دینی درسگاہ کے مدرسے اور غصہ داڑھی والے اور مونچھ صاف۔ "اپ ٹو ڈیٹ" فیشن کے، سکریٹری اسی "ملا ایک" نہ ہوگا، تو اور کس کو آئیگا! —— بریلی کو مبارک کہ جانشین ملیح آباد میں خوب ہاتھ آ گیا! جانشین کیسی، یہ کہیے کہ روبر وایت تو محض نقش اول ہی نقش ثانی اب جاکر تیار ہوا!

اور پھر دنیا کو خبر دی اسی محقق نے لکھنؤ سے چھ سوا چھ سو میل دور کلکتہ میں بیٹھ کر:—

"پبلک کو معلوم نہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ باطنی مذہب والوں کی طرح ایک گروہ ہندوستان میں بھی پیدا ہو گیا ہے، اور اس گروہ کے سرغنہ ہیں، مولانا سید سلیمان، مولانا مسعود علی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری بارہ بنکوی، انکے ساتھ کچھ اور بھی خر دماغ ہیں۔"

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نادر ریسرچ کی داد مملکت خالیہ روس کی کسی یونیورسٹی نے بھی کچھ دی؟ لیکن مزدک کے بزرگوں کا مقام تو سنا ہے کہ اس سے بھی بہت بلند ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا فلک، اور رجز کے لہجہ میں:—

"ہم جب جون کے مہینہ میں اپنے وطن ملیح آباد یعنی لکھنؤ جائینگے تو ندوہ کو اس تباہی سے بچانے کی کوشش بھی کریں گے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ "اشرفی جتھا" پولیس کی مدد لے کر ہمیں دارالعلوم کے احاطہ میں آنے سے بھی روکیگا، مگر ہم تو کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جائینگے۔ .... جون کے مہینے میں ہم ذاتی طور پر داخل ہونگے .... ملیح آبادی عرض کرتا ہے کہ ۱۵ یا ۲۰ جون سے وہ لکھنؤ میں ہوگا۔ ملیح آبادی اکیلا ہوگا۔ اشرفی جتھا اپنی پوری فوج کو جمع رکھے .... ملیح آبادی کو پکڑوانے والے مولانا سلیمان اور مولانا مسعود علی اور انکے گرگے ہوں گے۔"

اس متن کی شرح آپ کے ذہن میں آئی! اس پہیلی کو آپ بوجھ سکے؟ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے ملیح آباد اور آم کھانے کے سلسلہ میں یہ خاں صاحب اپنے وطن کو یاد فرمائیں گے، تو دارالعلوم ندوہ میں عین اسی زمانہ میں کہ جہاں شرکت کر کے نزول اجلال فرمائیں گے، جب مدرسہ تعطیلات گرما میں بند ہوگا، ہوسٹل میں قفل پڑا ہوگا، لڑکے اپنے اپنے گھروں پر چھٹیاں منا رہے ہونگے۔ لکھنؤ سے ڈیڑھ سو میل اور اعظم گڑھ میں مولانا سلیمان تصنیف و تالیف میں مشغول ہونگے، اور "استبداد مجسم" دفتر اور پریس کے انتظام میں یا مولانا عبدالباری بارہ سو میل دور حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ میں درس تفسیر میں مصروف ہونگے، اور خاں صاحب کے اصلی حریف و رقیب مولانا عمران خاں مصری (مصر کی سیاحت کر کے خالی ہاتھ آنے والے نہیں، تخصیص کی ڈگری لانے والے ازہری) بھی سیکڑوں میل دور بھوپال میں ہونگے۔ عین اس وقت یہ سوشلزم کا شیر لینن کا نام جپتا ہوا، مزدک کی جے پکارتا ہوا، ندوہ کے پیچھے ہوتے قاسمیوں پر نازل ہوگا۔ کچھ دیر برآمدے میں پینترے بدل بدل کر پریڈ کریگا، اور مقفل دروازوں کو اچھی شان جلالی و نشان "جیرد تی" دکھاتا ہوا، اپنی شجاعت و مردانگی کا نعرہ پڑھتا ہوا رخصت ہو جائیگا! اسکے بعد یہ کامریڈ ہند کے افتتاحیہ میں پھر ایک نئی داستان امیر حمزہ (امیر حمزہ یا عمر عیار؟) سنائیگا! —— کون کہتا ہے کہ سرشار کے لکھے ہوئے فسانۂ آزاد کا دلچسپ ترین کردار فوجی (لاناسری قزلی "والا فوجی) محض زور تخیل کا نتیجہ تھا؟ کون کہتا ہے کہ اس نقل کی اصل اب غائب ہو گئی ہے؟

مکتوب بنام خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب وکیل علیگڈھ

[ذیل کا خط اخباری قسم کا "کھلا خط" نہیں۔ نجی کا بند خط ہے۔ بند لفافہ میں ۱۹ رفروری کو شیخ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ ہفتوں تک جواب کے انتظار کے بعد جب صدق میں قلم ایڈیٹر سے اس پر لکھا گیا۔ اس وقت تک اس مضمون کو اتنے پرچے اپنے اس مع اپنے مختصر یا مفصل "نوٹ" کے شائع کر چکے ہیں: حق (لکھنؤ) حقیقت (لکھنؤ) وحدت (دہلی) زمیندار (لاہور) مدینہ (بجنور) ماہنامہ ضیا (لکھنؤ) اور انقلاب (بمبئی) ماہنامہ عصمت (دہلی) علاوہ خود لکھے ہیں۔ بہرحال اس خط پر شیخ صاحب نے مطلق التفات نہ فرمایا، اسکی نقل بجنسہ درج ذیل ہے]

کرم گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یہ خط آپ کو بڑے پس و پیش کے بعد لیکن بڑی امیدوں کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ محض اسکو اسی اسپرٹ میں پڑھیں جس میں یہ لکھا جا رہا ہے۔

حال میں میرے پاس بہ حیثیت ایڈیٹر صدق پہلے لاہور سے اور پھر لکھنؤ وعلیگڈھ سے آپ کی ایک شادی شدہ صاحبزادی اور بہو سے متعلق ایسی اطلاعیں معتبر ذرائع سے موصول ہوئیں، جو اسلامی تہذیب و شرافت کے نقطۂ خیال سے نہایت درجہ افسوسناک ہیں۔ اگر وہ اطلاعیں غلط ہیں تو انکی تردید سے بڑھ کر میرے لیے خوشگوار چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور پھر آگے ظاہر ہے کہ کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔

لیکن اگر وہ خدانخواستہ صحیح ہیں، تو آپ سے بہ حیثیت باپ اور خسر کے میں کچھ نہیں کہتا کہ وہ آپ کا خانگی معاملہ ہے۔ لیکن آپ سے بہ حیثیت سکریٹری زنانہ مسلم کالج علیگڈھ و سکریٹری مسلم فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن شاید یہ ضرور عرض کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ اس صورت حال کے بعد آپ نے اپنی پبلک حیثیتوں پر غور فرما لیا ہے؟ کیا ایسی حالات میں مذاد

ایک مختصر سا پیام

فیض آباد کے اردو ڈے منانے والوں کے نام

[جنوری یا شروع فروری کی کوئی تاریخ تھی، جو فیض آباد کے انٹر میڈیٹ کالج والوں نے "اردو ڈے" منایا۔ حکم دریاباد کے گوشہ نشین کو پہنچایا زبانی بھی، تحریری بھی، کہ خود نہیں پہنچتا تو کم از کم اپنا "پیام" تو بھیج — تعمیل کر دی گئی۔ نقل حاضر ہے۔]

جو شہر آباد ہی "فیض" سے ہو، زبان اُسکے فیض سے کیسے محروم رہ سکتی ہے؟ —— اردو کا تعلق فیض آباد سے آج کا نہیں، نسلوں اور قرنوں کا ہے۔ فخر لکھنؤ میر انیس اسی خاک سے تھے، نازش مثنوی میر حسن اسی سرزمین سے اُٹھے۔ یکبہت چکے لکھنؤ جاکر، پیدا تو یہیں ہوئے تھے۔ پھر آپ کا شہر دارالحکومت بھی تو تھا ملک اودھ کا — اور یہ معلوم ہے کہ وہاں کی سرپرستی حصہ رہ چکا ہے بادشاہوں کا! اردو زبان کی تراش خراش، نوک پلک حصہ میں آچکی ہے شاہی بیگمات کے —— حق تھا کہ آپ کا شہر اردو کی نشر و اشاعت کا علم بلند کرے اور اردو کی خدمت میں کسی دوسرے شہر سے پیچھے نہ رہے!

لیکن آپ کا فرض اس پر ختم نہیں ہو جاتا ہے کہ سال میں ایک بار جلسہ کی چہل پہل دکھا ڈالی، باہر سے شاعروں، ادیبوں کو بلا لیا، جلوس کا گشت کرا دیا، کچھ نعرے لگا دیے، کچھ تقریریں سن ڈالیں۔ یہ تو ادائے فرض کی صرف تمہید ہوئی، کتاب کا محض دیباچہ ہوا، عمارت کی محض نیو ڈالی گئی۔ اصل شے ہے صالح لٹریچر "ادب شریف" کی تیاری، فراہمی، ترویج و اشاعت۔ ادب شریف سے مراد ہیں نثر اور شعر کی وہ ادبی خدمات، جنھیں شریف مرد اور شریف بیویاں، شریف بچے اور شریف بچیاں، ہر ملت اور ہر قوم کی پڑھ سکیں، پڑھا سکیں، سن سکیں، سنا سکیں — شریف سے مراد وہ نہیں جنکے باپ دادا شریف تھے، مراد وہ ہستیاں ہیں، جنکی خود ذات و شخصیت پر شرافت کو ناز ہو، بلحاظ انکے اقوال کے، اعمال کے، اخلاق کے، اطوار کے، رفتار کے، گفتار کے۔

بد مذاقی کو مٹائیے، صفائی کو، ستھرائی کو، پاکیزگی کو پھیلائیے۔ گندگی کے سیلاب میں بہنے سے اپنے کو اور دوسروں کو بچائیے۔ اردو کا کتب خانہ قائم کیجیے۔ اچھے اچھے خوش مذاق اہل قلم کی کتابیں رکھیے، شرافت کی روح ان کتابوں کے مطالعہ سے بیدار ہو، آپ کی جوہر شناسی کی ہر طرف پکار ہو۔

اردو کو مسلمان اپنی زبان کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ انکی تو یقیناً ہے، لیکن انکی ہی یقیناً نہیں۔ ایک اعتبار سے اگر انکی ہے تو دوسرے اعتبار سے ہندوؤں کی۔ زبان کے اسم اگر بہت سے عرب و ایران سے چل کر آئے ہیں تو اس کے فعل اور حرف ربط کہنا چاہیے کہ سب کے سب اسی دیس کے ہیں اور زبان کی ترکیب میں اسماء سے بھی کہیں بڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی افعال و حروف ربط۔ اور پھر اسم بھی سب کے سب باہر کے کہاں؟ خاصی بڑی تعداد تو انکی بھی اسی دیس کی۔

بس اس حقیقت کو خود بھی سمجھ لیجیے اور دوسروں کو بھی سمجھا دیجیے۔ ملک کی سب سے بڑی اردو انجمن کے صدر آج بھی ایک ہندو ہی ہیں، سر تیج بہادر سپرو، خالص اردو پسند، اور وہ جو ہماری زبان کے ایڈیٹر بھی ایک ہندو ہی ہیں، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی۔ صوبہ کے رسالوں میں اردو کا سب سے پرانا اور سنجیدہ خادم ایک ہندو ہی کے ہاتھ میں رہا اور اب بھی ہے، یعنی زمانہ (کانپور)۔ اردو شاعروں کا سب سے زیادہ ضخیم و مفصل تذکرہ ایک ہندو ہی کے قلم کا رہین منت ہے، یعنی لالہ سری رام ایم اے دہلوی کا۔ پنڈت ریحان برہمن، دیا شنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار، نوبت رائے نظر، جوالا پرشاد برق، دوارکا پرشاد افق، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، دیا نرائن نگم، پریم چند، جذب حیدرآبادی، برج نرائن چکبست، تشیشور ناتھ مشور، امرناتھ ساحر، آنند نرائن ملا وغیرہ وغیرہ —— نام کوئی کہاں تک گنانے بیٹھ جائے؟ انکی خدمات کو نظر انداز کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ اور یہ نام تو صرف نمونہ کے طور پر پیش کر دیے گئے، پوری فہرست سننے کوئی آئے تو آپ یقیناً پکار اٹھیں کہ یہ "اردو ڈے" ہے یا "ہندو ڈے"؟

آج اہل سیاست اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کوئی معاہدۂ اتحاد ہو جائے لیکن یہ اردو زبان تو خود ایک بنا بنایا مشترکہ پلیٹ فارم چلا آ رہا ہے، نسلوں سے، قرنوں سے، صدیوں سے۔ یہ اس زبان کا نفس وجود ہی ایک مستقل معاہدہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا، ہمہ جہتی اشتراک کا، کاغذی معاہدوں سے کہیں زیادہ پائدار اور سیاسی دستاویزوں سے کہیں زیادہ جاندار! — جب ملک بھر کی زبان ایک، تو سبھی کچھ ایک۔ جب سارا ملک "ہم زبان"، "یک زبان" تو اب اور رہ ہی کیا گیا؟ زبان ٹھہری دل کی ترجمان۔ زبان ایک تو دل ایک!

خوب ہو جو اس دلی اور زبانی "معاہدہ" کی یاد ہر سال منائی جائے۔ بھولے ہوؤں کو حقیقت کی یاد بار بار دلائی جائے۔ اردو کی محبت دلوں میں رچائی جائے۔ اور جو آگ ادھر کچھ دھیمی سی ہو رہی ہے، وہ پھر سے بھڑکائی جائے!

اردو کی خدمت آج زبان ہی کی نہیں، علم کی ہے، ملک کی ہے، قوم کی ہے، ملت کی ہے۔ اور خدمت بھی کیسی؟ ٹھوس اور قیمتی، بڑی اور اونچی! بس یہی ایک پیام ہے جو آپ کے ارشاد کی تعمیل میں ایک گمنام گوشہ نشین آپ تک پہونچا رہا ہے۔ آپ کا "ہم ضلع" نہ سہی، آپ کا "ہم قسمت" تو بہر حال[1]۔

---

[1] دریاباد، فیض آباد ہی کی کمشنری (قسمت) میں ہے۔

تاثیراتِ فلکی

(از مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

(بسلسلہ صدق نمبر ۴۳ سے آگے)

یہ عالم اور اس کے عجیب و غریب آثار اور نظم کے لحاظ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود کی روشن دلیل ہے۔ قرآن پاک نے بار بار زمین و آسمان اور ان کی درمیانی چیزوں کی طرف غور و فکر کی دعوت دی ہے اور ان تمام چیزوں کو آیات اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانی قرار دیا ہے۔

ہمارے علماء سلف میں سے امام غزالیؒ نے الحکمۃ فی مخلوقات اللہ عز و جل کے نام سے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے مفتاح دار السعادۃ کی پہلی جلد میں مخلوقات الٰہی کے اسرار و حکم پر بہت ہی عمدہ بحث کی ہے۔ ان دو حضرات کے سوا جاحظ نے اپنی کتاب الدلائل و الاعتبار اور قزوینی نے عجائب المخلوقات میں ان امور سے تعرض کیا ہے۔

میں نے حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے ارشاد کے بموجب قرآن پاک کی ان آیات کو جمع کیا ہے جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات اور اس کی تمام چیزوں کو اپنے ثبوت میں پیش فرمایا ہے۔ اگر نئی تحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن پاک کی ان آیات کی تشریح و تفسیر کی جائے تو آیات اللہ پر ایک بہترین مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔

پیش نظر استفسار میں نباتات کا تعلق زمین سے جس قدر گہرا ہے وہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر ارشاد فرمایا:

وانبتنا فیہا من کل زوج بہیج	اور اگائی اس میں ہر ہر قسم کی رونق کی چیز

زمین کے بعد نباتات کے لیے پانی کی ضرورت بھی محتاج دلیل نہیں ہے قرآن پاک نے بار بار اس انعام کی طرف متوجہ کیا ہے

وینزل من السماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتہا (روم ۲۴)	اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو مرگئے پیچھے

زمین اور پانی کی طرح آفتاب و ماہتاب اور دیگر کواکب بھی خدا کے حکم سے نباتات کی پرورش میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

سورۂ ذاریات کی آیت

وفی السماء رزقکم	اور آسمان میں ہے روزی تمہاری

سے اجمالاً معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجرام سماویہ انسان کی معاش کی تیاری کی خدمت بجا لاتے ہیں۔ چنانچہ صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت میں منجملہ اور اقوال کے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب، مطالع جہات فصلیں بدلتی ہیں یہ رزق کے ذرائع ہیں۔

امام رازی نے سورۂ حجر کی آیت

وانبتنا فیہا من کل شیء موزون (حجر)	اور اگائی اس میں ہر چیز انداز سے

کے تحت میں شیء موزون کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ ہر چیز کے اسباب ہیں اللہ تعالیٰ نے معادن نباتات اور حیوانات کو اس عالم کے عناصر کی ترکیب سے پیدا فرمایا ہے پس ضروری ہے کہ ان چیزوں کے لیے زمین، پانی اور ہوا کی ایک معین مقدار کی جائے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ آفتاب اور کواکب کی گرمی اور ٹھنڈک کی تاثیرات ایک خاص مقدار سے دی جائیں۔ اگر ان چیزوں کی مقدار میں کمی اور زیادتی ہو جائے تو معادن نباتات اور حیوانات کی پیدائش نہ ہو۔ (تفسیر رازی جلد ۵)

اس اجمال کی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے

ہوا اور نباتات

(۱) نباتات کے لیے زمین کی طرح پانی کا ذکر ہو چکا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ پانی کہاں سے آتا اور کیسے آتا ہے؟ قرآن پاک کی آیات اس کے جواب میں کہتی ہیں کہ بارش کا پانی ہواؤں کے ذریعہ سے تیار ہوتا ہے۔

اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء و یجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خلالہ فاذا اصاب بہ من یشاء من عبادہ اذا ہم یستبشرون (روم ۵)	اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلا دیتا ہے اسکو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں تب وہ لوگ خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔

(۲) اب دوسری منزل یہ ہے کہ بادل تو تیار ہو گئے لیکن مخصوص مقامات پر ان کو برسنا چاہیے جہاں ضرورت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ کام بھی ہواؤں کے ذمہ ہے۔

ہو الذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقناہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء	اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی مینہ سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں اس بادل سے پانی۔

اس ضمن میں امام غزالیؒ نے ایک بہت ہی لطیف بات بیان فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے بارش کا پانی زمین پر قطرات کی شکل میں گرتا ہے۔ اگر ہوائیں نہ ہوں تو پانی زمین پر اکٹھا گرا دیا جاتا اور پھر وہ جس چیز پر پڑتا وہ تباہ ہو جاتی۔ (الحکمۃ صفحہ ۱۶)

(۳) جدید تحقیقات سے ثابت ہے کہ درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں۔ ہواؤں کا ایک اہم کام یہ ہے کہ مادہ کے پاس نر کا مادہ پہنچا دیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا

وارسلنا الریاح لواقح

عموماً مفسرین نے کہا ہے کہ لواقح سے پانی والے بادل مراد ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی منصوص تفسیر نہیں ہے۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کے درختوں میں تلقیح

کرتے ہیں — اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس آیت سے "تلقیح اشجار" کا مفہوم لیا جائے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر المنار ج اول ص۲۱)

۴- زراعت کے خشک کرنے میں بھی ہواؤں کے چلنے کو دخل ہے جیسا کہ قزوینی نے عجائب المخلوقات ص۲۰۹ میں اور حافظ ابن قیمؒ نے مفتاح دار السعادۃ ج اول ص۲۱۱ میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک آیت بھی قابل توجہ ہے۔

ثم یخرج بہ زرعا مختلفا الوانہ ثم یھیج فتراہ مصفرا (زمر ۲) — پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی رنگ پر، پھر تیاری پر آوے تو دیکھے اسکا رنگ زرد پڑ گیا۔

غور طلب یہ ہے کہ اس آیت میں یھیج کا مطلب کیا ہے۔ "ہیج" کے معنی پکنا اور خشک ہونا دونوں ہیں۔ صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ اہل لغت کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیج کے حقیقی معنی خشک ہونے کے ہیں لیکن بعض مفسرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی معنی حرکت کرنے کے ہیں اور خشک ہونا مجازی معنی ہیں (روح المعانی ج ۲۳ ص۲۴۲) بہرحال اگر ہیج کے معنی خشک ہونے ہی کے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جب غلہ تیار ہو جاتا ہے تو ہوائیں چلتی ہیں جن سے کھیتی خشک ہوتی ہے۔ اہل عرب کا محاورہ بھی ہے اہاجت الریح النبت ہوا نے کھیتی کو خشک کر دیا (لسان العرب ج ۳ ص۲۴۲)

(۵) بعض ہوائیں ایسی چلتی ہیں جن سے نباتات کو غذا اور قوت پہونچتی ہے (مفتاح دار السعادۃ اول ص۲۱۱) ہوا مٹی کو اڑا کر نباتات کے پاس لے جاتی ہے اس سے وہ قوت پاتے ہیں (الحکمۃ فی مخلوقات اللہ ص۱۰)

مناسب ہوگا اگر اس موقع پر علامہ ابو زکریا یحییٰ بن محمد اشبیلی کی کتاب الفلاحۃ جو خاص طور سے فن زراعت پر لکھی گئی ہے اور جسکا ترجمہ مولانا ہاشم صاحب ندوی نے اردو میں کر دیا ہے اسکے اقتباسات یہاں درج کر دیے جائیں۔ جلد دوم ص۳۴۵

"نباتات کے لیے عام طور پر گرم اور مرطوب ہوا موافق ہوتی ہے۔ یہ خاصیت جنوبی ہوا کی ہے۔ کھجور کے لیے بہت مفید ہوتی ہے شمالی مشرقی اور مغربی ہوا بھی نباتات کے لیے مفید ہوتی ہے۔ وہ پودے جن میں تنہ نہیں ہوتا ہے جیسے کدو، خربوزہ، ککڑی کے لیے پروا ہوا زیادہ موافق ہوتی ہے۔ جنوبی ہوا بھی کوئی نقصان دہ نہیں ہوتی ہے ...... تمام ترکاریاں اور غلے جو کھائے جاتے ہیں یا انہیں کے جیسے جو ہر کے والے نباتات کے لیے شمالی اور مغربی ہوا مفید ہوتی ہے ...... وہ نباتات جو زمین کے اندر پھیلتے ہیں مثلاً شلجم، گاجر، لہسن اور مولی وغیرہ کے لیے مشرقی ہوا مفید ہوتی ہے ...... جنوبی ہوا سے اترج کا درخت بڑھتا ہے، اس میں خوشبو زیادہ ہوتی ہے۔ امرود و شفتالو کے لیے ہر قسم کی معتدل ہوا مفید ہوتی ہے۔ آلو بخارا، عناب، توت، انار وغیرہ کے لیے مغربی ہوا مفید ہوتی ہے۔ اس سے انار میں عرق زیادہ ہوتا ہے اور پوست باریک ہوتا ہے۔ مشرقی ہوا بھی کے لیے مفید ہے۔ اس سے درخت بڑا ہوتا ہے اور پھل زیادہ آتے ہیں بلکہ مشرقی یعنی پروا ہوا تمام خوشبودار درختوں اور پودوں کے لیے مفید ہے!"

سورج اور نباتات

نباتات کو سورج سے اسقدر شدید تعلق ہے کہ بقول علامہ قزوینی نباتات کی پیدائش اور افزائش اسی جگہ پر ہوتی ہے جہاں آفتاب کے اثرات پہونچتے ہیں۔ جہاں اسکے اثرات نہیں پہونچتے ہیں وہاں یہ چیزیں نہیں ہوتی ہیں۔ (عجائب المخلوقات ص۲۳)

آفتاب ہی کی وجہ سے فصلیں پکتی ہیں۔ چنانچہ بہار کے موسم میں درختوں اور دوسرے نباتات میں گرمی پیدا ہوتی ہے جس سے پھلوں کا مواد تیار ہوتا ہے۔ ربیع میں کھیتی پک جاتی ہے، درختوں میں پھل لگتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں یہ چیزیں پک کر تیار ہو جاتی ہیں (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جاحظ کی کتاب الدلائل والاعتبار اور امام غزالی کی الحکمۃ فی مخلوقات اللہ)

کتاب الفلاحۃ جلد دوم ص۴۲۲ میں ہے، آفتاب کی شعاع جب کسی چیز میں نفوذ کرتی ہے تو اس میں وسعت پیدا کر دیتی ہے خصوصاً زمین اور اسکے ذرات میں تو بہت کشادگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے زمین میں نباتات کو غذا پہونچانے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے!----

یہ تو معلوم ہی ہے کہ پھلوں کا پکنا اور غلہ کا تیار ہونا آفتاب کی حدت کا نتیجہ ہے۔ اب قرآن پاک کی اس آیت پر غور کیجیے:-

انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ (انعام ۱۲) — جب وہ پھلیں تو انکے پھل اور پکنے کو دیکھو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھلوں کے پکنے اور تیار ہو جانے پر غور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے تاکہ اسکی قدرت کاملہ کا اظہار ہو اور (سخر لکم الشمس) کا مشاہدہ!

چاند ستارے اور نباتات

چاند اور ستارے اندھیری راتوں میں مشعل کا کام دیتے ہیں۔ اور کاشتکار انکی روشنی میں ہل چلاتے ہیں اور کھیتی کے دوسرے کام انجام دیتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عموماً تاروں سے زراعت اور درختوں کے لگانے کے اوقات معلوم کیے جاتے ہیں (الحکمۃ ص۹)

ان امور سے قطع نظر نفس زراعت پر ان چیزوں کے عجیب و غریب اثرات پڑتے ہیں۔ مثلاً

جب چاندنی راتوں میں درخت لگائے جاتے ہیں تو وہ بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ اور اگر چاندنی میں روشنی کم ہو تو نباتات کے بڑھنے میں کمی ہوتی ہے بلکہ وہ خشک ہو جاتے ہیں (عجائب المخلوقات)

کتاب الفلاحۃ اول ص۱۷۵ میں ہے۔

مہینہ کی ابتدا میں نہ درخت لگائیں نہ زراعت کریں نہ کوئی

نتیجہ ہو نہیں۔ یہاں تک کہ چاند شمس کے محاذات سے گزر جائے۔ اور جب چاند گھٹنا شروع ہو جائے تو کھیتوں میں پانی دی جائے اور زراعت کی جائے۔ چاند کی یہ حالت سولھویں تاریخ سے شروع ہوتی ہے اور آخر ماہ تک رہتی ہے۔ اس سے صرف زیتون مستثنیٰ ہے۔ اس میں جب چاند ترقی پر ہو تو پانی دینا چاہیے۔ اسکے لیے ابتداء ماہ سے نصف ماہ کی تاریخیں ہیں۔ اس صورت میں بہت نفع ہوگا اور اگر چاند کے گھٹتے وقت پانی دی گئی تو نقص ہوگا۔ جس رات میں چاند ظاہر ہوتا ہے تو وہ نباتات کی قوت نمو، حسن، اور منظر میں اضافہ کرتا ہے!

جلد اول ص۱۲۳ میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چاند بارد اور رطب ہے۔ جب وہ کامل ہو جاتا ہے تو اسکو بڑھ سکتے ہیں۔ اور یہ قرن شعبہ کی چودھویں رات میں کامل ہو جاتا ہے۔ اسوقت مرطوب اشیاء میں خصوصاً ترکاریوں میں قوت نمو زیادہ ہو جاتی ہے۔ مثلاً کدو، خربوزہ، ککڑی، بیگن، السی، لوبیا وغیرہ پھول اور میوہ جات کیلیے بھی یہی ایام مفید ہیں اور جسقدر چاند گھٹتا جائیگا اسی قدر زراعت میں بھی نقصان ہوتا جائیگا۔ یہ سب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے!

زراعت کے سلسلہ میں آفتاب و ماہتاب کی آمد و رفت پر جب ہم غور کرتے ہیں تو خدا کی قدرت اور اسکی رحمت کا عجب منظر سامنے آتا ہے۔ اگر رات نہ ہوتی اور ہر وقت دن رہتا اور آفتاب کی تپش برابر قائم رہتی تو گرمی کی شدت کی بنا پر نباتات کا وجود نہ ہوتا۔ چنانچہ جن مقامات پر سورج کی گرمی کا زیادہ اثر ہوتا ہے وہاں زراعت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح اگر ہر وقت رات رہتی اور ماہتاب کی ٹھنڈی روشنی قائم رہتی تب بھی غایت برودت کی بنا پر زراعت ناممکن ہو جاتی۔
(مفتاح دارالسعادہ ج اول ص۲۲۱ کتاب الدلائل ص۶)

اس صورت کو پیش نظر رکھنے کے بعد غور کیجیے کہ قرآن کی آیت ذیل قدرت الٰہی کی کس قدرت کاملہ اور رحمت خاصہ کو ظاہر کر رہی ہے

وھو الذی جعل اللیل والنھار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا (فرقان ۶)

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے بدلتے اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس آیت کے ذیل میں خوب کہا ہے کہ اگر رات اور دن کا الٹ پھیر نہ ہوتا رہتا تو مصالح کا خاتمہ ہو جاتا۔ (مفتاح دارالسعادۃ ج اول ص۲۲۱۔ ۲۱۹)

الغرض زمین و آسمان اور اسکی درمیانی چیزیں انسان کے ایک لقمہ تر کے لیے سرگرم عمل رہتی ہیں، مگر کتنے انسان ہیں جنھوں نے اپنے انھیں خادموں کو مخدوم بنا لیا ہے اور کتنے ہیں جو اللہ کی ان نعمتوں سے غافل اور فریضۂ شکر سے بے پروا ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت بالا میں (یذکر) یعنی نصیحت پکڑنے کا تعلق اس جماعت سے ہے جو کفر میں مبتلا ہے اور ان آیات الٰہی پر نظر نہیں کرتی ہے اور اراد شکورا کا تعلق صاحب ایمان لوگوں سے ہے کہ وہ فرائض و واجبات سے غافل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان نعمتوں پر شکر نہیں بجا لاتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳)

ملت کے حق میں مناسب نہ ہوگا کہ آپ خود ہی سے اشارے کا بیان اور ان عہدوں سے از خود دست بردار ہو جائیں؟ ایسی سے قوم و ملت کی نظر میں آپ کی عزت و وقعت ہرگز کم نہ ہوگی بلکہ اور بڑھ ہی جائیگی۔ یہ مشورہ میں ادب لیکن قوت کے ساتھ مخلصانہ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اور اگر اس قدر بھی ممکن نہ ہو تو بالکل آخری صورت یہ پیش کرونگا کہ آپ کم از کم ایک اعلان ہی اس مضمون کا شائع فرما دیں کہ "میں اپنے عزیزوں قریبوں، یہاں تک کہ اپنی اولاد کے بھی طرز عمل سے، دینی زندگی سے بالکل بے تعلق بلکہ بیزار ہوں۔ میں ذمہ دار صرف اپنے ذاتی افعال و اقوال کا ہوں، کسی دوسرے کے قول و فعل کی ذمہ داری مجھ پر نہیں"۔

آپ یقین فرمائیں کہ ہر مسلمان مرد کی فضیحت و رسوائی کو میں اپنے بھائی کی اور ہر مسلمان خاتون کی فضیحت و رسوائی کو اپنی بہن کی فضیحت و رسوائی سمجھتا ہوں۔ اور دل کسی کی بھی ایسی حرکت کو سن کر بالکل الحمد للہ کوئی خوشی نہیں محسوس کرتا۔ خون کے آنسو روتا ہے۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ جلد جواب باصواب سے مشرف فرمائیں اور مجھے اخبار میں آپ کے کیرکٹر کی داد دینے کی مسرت حاصل ہو۔ والسلام

دعاگو عبدالماجد

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر ۔ عبد الماجد

پتہ: ۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: ۔ حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشدآباد بلڈنگ ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ

چندہ: سالانہ پانچ روپیہ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر (۲) دوشنبہ ۔ ۵ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۴۴ء جلد ۹

سچی باتیں

ہنری ولیس، ولایت متحدۂ امریکہ کے نائب صدر ہیں۔ ۲۴۔ اپریل کو آپ نے امریکہ میں پریس کانفرنس کے موقع پر اپنی تقریر میں فرمایا، کہ پیرو اور ایکوئیڈر کے درمیان جنگ کا جو سلسلہ سو برس سے قائم ہے، وہ اب از سر نو شروع ہونے والا ہے!

جن دو سلطنتوں کے نام لیے گئے، یہ دونوں جنوبی امریکہ کے ملک ہیں، ایک دوسرے کے ہمسایہ۔ اور جنوبی امریکہ کا شمار ظاہر ہے کہ افریقہ کی وحشی اور ایشیا کی نیم وحشی قوموں میں نہیں، یورپ اور شمالی امریکہ کی طرح مہذب، متمدن، ترقی یافتہ ملکوں میں ہے۔ انکی جنگ مہذبوں کی باہمی آویزش ہے۔ اسی قسم کی، گو اس سے بہت چھوٹے پیمانہ پر، جیسی آج برطانیہ، امریکہ، روس اور جرمنی، اٹلی، جاپان کے درمیان برپا ہے! جنگ ان دونوں کے درمیان چھڑنے والی ہے، وہ جنگ جسکی آگ کو سلگتے ہوئے، سال دو سال نہیں، سو برس گزر چکے ہیں!

جنگ اور سو برس کی جنگ! العظمۃ للہ! —— لیکن اس میں اتنی زیادہ حیرت کی کونسی بات ہے؟ "تہذیب" و "شایستگی" کا دامن کب اور کس زمانہ میں اس داغ دھبے سے پاک رہا ہے! انگلستان و فرانس کی جنگ، جرمنی و روس کی جنگ، روس و جاپان کی جنگ، برطانیہ، فرانس، امریکہ، اٹلی جاپان کی جرمنی آسٹریا سے جنگ، ماضی کے کس مورخ اور حال کے کس مبصر کی نظروں سے پوشیدہ ہیں! چار سالہ جنگ،

عظیم ہفت سالہ (Seven year's war) سی سالہ جنگ (Thirty years war) صد سالہ جنگ Hundred years war مہذب و شایستہ یورپ کے اگر نہیں، تو کیا کسی اور کی تاریخ کے جلی عنوانات ہیں؟ —— بدنام و قابل حقارت، جاہلیت والی سے یہ نیکنام و معزز جاہلیت حاضرہ آخر کس لحاظ سے ممتاز تھے؟

جاہلیت عرب کے اوصاف تو آپ نے پڑھے ہیں نہ، کہ وہ لوگ بڑے زندہ خو تھے۔ ہمیشہ آپس میں لڑتے مرتے رہتے۔ مستقل و دیرپا امن کبھی بھی نصیب نہ ہوتا۔ پھر شہوانی بیماریوں میں بھی بری طرح مبتلا تھے۔ بیحیائی عام تھی۔ بے ستری فیشن میں داخل، اور بدکاری کوئی جرم ہی نہیں، عین ہنر تھا۔ تیسری بات تھی آخرت سے بے تعلقی، خدا و رسول کے احکام سے بیزاری —— تینوں خصوصیات نظم اجتماعی میں فساد، حیات شہوی میں فساد، نظام عقلی میں اختلال ایک ایک کرکے گن لیجیے، اندھے بانزہ پوری طرح لے لیجیے، آج ان سب میں ترقی ہے یا نہیں؟ اور ترقی بھی کیسی، کئی گنی نہیں، کئی سو گنی! وہ پہلی جاہلیت اگر نقش اول تھی، تو یہ جدید جاہلیت فرنگ اسکا نقش ثانی!

مسلم گرلز کالج

مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ایک ذی اثر ممبر اور قوم کے ایک ممتاز بزرگ اپنے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:۔

"روزنامہ حقیقت کا تراشہ مل گیا۔ وحدت (دہلی) ایک افتتاحیہ اس پر شایع کرچکا تھا، اور صدق کا پورا مضمون نقل کرچکا تھا۔ میں نے وہ تراشہ اپنے نوٹ کے ساتھ

کے سلسلہ میں پیش نظر صرف بنی اسرائیل کو رکھا ہے' اور رومیوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا ہے، نہ قریب کا نہ بعید کا۔ یہ تو صرف تاریخ کا بیان ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک مشرک قوم رومیوں کی بھی آباد تھی' اور آپ کے ملک شام پر حکومت "اسی قوم کی تھی' اور اسی کے ایک فرد پائلوطس کی عدالت میں آپ کا مقدمہ "سڈیشن" یعنی حکومت کے خلاف بغاوت کے جھوٹے الزام میں پیش ہوا تھا۔ قرآن مجید نے اس سارے قضیہ کو تمامتر نظرانداز کر دیا ہے' اور جہاں یہ آیت ہے' اسکے سیاق میں صراحت و وضاحت ہے کہ یہ خطاب حق اسرائیل سے تھا، جو نہ رومیوں کے ہم مذہب تھے نہ ہم قوم، نہ ہم نسل نہ ہم زبان! اور تاریخ بھی یہ ہرگز نہیں کہتی کہ آپ نے مخاطب اپنی زندگی میں بجز اسرائیلیوں کے کسی غیر اسرائیلی کو بھی کیا تھا! حضرت مسیحؑ کا کوئی پیام رومیوں کو سنانا تمامتر "طبع زاد" مضمون ہے!

نادان دوست

کتاب وحید خانی کی چند اور سطریں:—

"انبیاء کرام کے سامنے اگر صرف یہی ["یہی" سے مراد ہے کلمہ توحید کا اقرار کرانا۔ صدق] مقصد ہوتا تو ملوک وقت سے جنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ … حضرت موسیٰ کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالنے، حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں گرانے اور حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکانے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ قرآن کی آیات بینات سے بالکل ظاہر و واضح ہے کہ یہ تمام کفار و مشرکین خالق السموات والارض کی حیثیت سے خدا کے وجود کے قائل تھے … یہ آیات محکمات کسقدر واضح اور صاف ہیں"

(صفحہ ۸)

آیات محکمات بیشک صاف و واضح ہیں' لیکن "آیات بینات سے بالکل ظاہر و واضح" یہ ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ "تمام کفار و مشرکین" موحد تھے۔ وہ توحید ہی کے قائل ہوگئے ہوتے تو پھر جنگ ہی کیا تھی۔ انکا جرم یہی تو تھا کہ وہ ایک بڑے خدا کے اقرار کے ساتھ ساتھ، متعدد دوسرے دیویوں' دیوتاؤں یا اوتاروں کے قائل تھے۔ مورتیوں کو پوجتے تھے' اور خدا کی بیوی' بیٹوں اور بیٹیوں کے معتقد تھے! خلاصہ انکے عقیدہ کا شرک تھا۔ جہاد جو بھی تھا، انکے اسی شرک' اور اصرار پر شرک کے مقابلہ میں تھا۔ حضرت موسیٰ کے "ابتلا و آزمائش" (ان ہی الا فتنتک) کا ذکر جہاں قرآن مجید میں آیا ہے، گوسالہ پرستی والے شرک کے سلسلہ میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو مشرک بادشاہ نے اسی لیے آگ میں ڈالا، کہ آپ اسکی بت پرستی کے خلاف وعظ کہتے رہتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ سے بھی دشمنی یہود کو اسی لیے پیدا ہوگئی' کہ آپ کی دعوت، خالص توحید و طریق انبیاء کی طرف تھی۔ غرض جو سوال خاں صاحب نے از خود قائم کیا ہے' یعنی یہ کہ انبیاء کرام کو ملوک وقت سے جنگ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اسکا جواب قرآن کے طالب علم اور تاریخ کے طالب علم کی زبان پر صرف ایک ہی آسکتا ہے۔ یعنی ان ملوک کی ہٹ اور ضد' شرک و کفر کی حمایت میں! — نظام سیاسی دین کا صرف ایک جزو ہے' اسے دین کا مرادف قرار دے دینا، جزو کو کل کا مرادف بنا دینا ہے، اور بالکل ایسی ہی بات ہے' جیسے کوئی یہ کہنے لگے، کہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کی غرض شراب نوشی کی بندش کرنا تھی، یا آپ محض اس لیے پیمبر ہو کر آئے تھے کہ رسم دختر کشی کی اصلاح کر جائیں!

دوستوں سے!

(از عبد الماجد)

صدق منگل (۱۲- اپریل) کے حوالہ سے ایک معزز کرم فرما لکھتے ہیں:

آپ نے اپنی سنیما بینی کا تذکرہ صدق میں کیا کر دیا کہ ایک بڑا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ صوبہ کے ایک صاحب بولے کہ مولانا تھانوی نے اسی لیے تو مولانا عبد الماجد کو خلافت نہ دی کہ وہ سنیما سے محتاط نہیں۔ سید صاحب کی آزادی خلافت کا چرچا اس طرف اچھا پھیلا ہوا ہے؟

جی ہاں، اس "ہنگامہ" کی خبریں صرف اسی صوبہ سے نہیں' متعدد صوبوں اور شہروں سے آچکی ہیں۔ زبانی بھی' تحریری بھی' نج کے خطوط سے بھی پبلک تحریروں سے بھی —— گو دوسری طرف قبول عام بھی ان چند سطروں کو حاصل رہا۔ ایک نہیں، تین تین رو زناموں نے انھیں اپنے صفحات میں نقل کیا۔

"ہنگامہ" میں ایک عنصر تو بعض "مہربانوں" کا ہے۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

ان حضرات کو تو گویا منہ مانگی مراد مل گئی۔ کھلا اُنکے قلم نے جو کچھ بھی وہ لکھ سکا۔

برگردن او بماند و بر ما بگذشت!

ایسے حضرات سے تو کچھ عرض معروض کرنے سے بالکل معذوری ہے۔ البتہ مخلصوں، دوستوں سے کچھ عرض کرنا ہے۔

مسئلہ کے دو مختلف پہلو ہیں۔ خلط مبحث نہ ہونا چاہیے۔ ایک پہلو محض ذاتی ہے۔ اور اوپر کے خط میں غالباً اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے۔ دوستوں کا کہنا یہ ہے کہ اس شخص کو اس وضع و قطع کے ساتھ ایسی کھلی ہوئی معصیت یعنی سنیما بینی کی جسارت ہوئی کیسے! —— گویا اس گروہ کے نزدیک مدیر صدق کا شمار بھی طائفۂ مقدسین میں ہے۔

اسکا اصولی جواب تو یہ ہے کہ خود طائفہ مقدسین ہی کو معصیت ایسا تک کہ کبائر سے بھی کیوں ارفع و منزہ سمجھ لیا گیا ہے؟ اور اس حسن ظن ہی کی کون سی دلیل شرعی، عقلی' یا نیچرل قائم ہے؟ معصیت سے تنزہ تو مخصوص ہے صرف انبیاء کرام کے ساتھ۔ بڑے بڑے اتقیاء و اولیاء کے لیے بھی عصمت کا عقیدہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں۔

اور پھر مجھ جیسی لغزش مجسم ہستی کا شمار، تو پورے مبالغہ شاعرانہ کے بعد بھی گروہ اتقیاء و اولیاء میں نہیں ہو سکتا۔ سنیما بینی تو پھر نسبۃً بہت ہلکی چیز ہے۔ میں تو بلا شائبۂ انکسار عرض کرتا ہوں، کہ اس سے کہیں زیادہ سنگین جرائم کا مجرم رہ چکا ہوں' اب بھی ہوں اور بظاہر آئندہ بھی کوئی

ترغیب دینے کی نہیں ——— جو شخص کم سے کم ایک دور گذرتا ہو، اُس سے اس کی شکایت کیوں کیجیے کہ اُس نے کچھ مزہ دیا۔ اور جو شراب کی بوتلیں خالی کرتا ہو، اُس پر گرفت اسی کیا، کہ اُسے کبھی کبھی افیون سے شغل کرنے پایا گیا!

مولانا تھانوی مدظلہ اور خلافت کے تذکرے اس سلسلہ میں لانا بھی ایک عجب ذہنیت کے ترجمان ہیں۔ حضرت مولانا جس مسند ارشاد پر ہیں، اسکی خلافت کی صلاحیت تو حضرت اکبر، حضرت اقبال، اور محمد علی رحمۃ اللہ علیہ تک میں نہ تھی، تو اُن اکابر کے سامنے اس "اصغر الاصاغر" کا ذکر ہی کیا!

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری

عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را!

میں تو بیعت تک کو (اسکے رواجی معنی میں) اپنی نااہلی پر بار سمجھتا ہوں، خلافت کی ذمہ داری کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتا! اور اس فیصلہ کیلئے حضرت مولانا جیسے مبصر کی ضرورت کیا، ان سے بدرجہا کم بصیرت رکھنے والا بھی اسی نتیجہ تک پہونچیگا ——— اتقیاء کامل و اتباع مطلق کے وصف سے محرومی تو صدق کے صفحہ صفحہ سے عیاں ہے۔

ہر حال، ابھی تو آپ بیتی کے سلسلہ میں صدق ہی میں ان شاء اللہ بہت کچھ لکھنا ہے۔ بہتر ہوگا، کہ ایسے "خوش عقیدہ" حضرات ابھی سے اپنے سارے حسن ظن کو واپس لے لیں ... میں تو وہی رہونگا جو ہوں۔ "معتقدین" ومخلصین کا حسن ظن قائم رکھنے، انھیں اپنے سے خوش کیئے کے لیے کہاں تک رنگ بدلتا رہ سکتا ہوں!

مسئلہ کا دوسرا پہلو پبلک ہے۔ یعنی اچھا اگر اس فسق کا ارتکاب کیا تھا، تو اسے شائع کرنے، اور دوسروں کو اسکی طرف ترغیب دلانے، اور اس گناہ کو ہلکا کر دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب میں گزارش ہے کہ سوال میں جو کچھ فرض کر لیا گیا ہے، اسی کی واقعیت سے تو انکار ہے۔ مضمون ہرگز ان لوگوں کے لیے نہیں لکھا گیا تھا، جو پہلے ہی سے سنیما بینی سے محتاط ہیں، اور اس میں کسی نوع کی بھی شرکت و اعانت کو فسق سمجھے ہوئے ہیں۔ نہ یہ مقصد کہیں دور کا بھی تھا، کہ ایسے حضرات کی پختہ عزمی میں کچھ کمی پیدا ہو، انکے تقویٰ میں کچھ ضعف آ جائے۔ انھیں سنیما ہال کی طرف قدم بڑھانے کی کچھ بھی ترغیب ہو۔ جس مختصر سے مضمون میں تصریح اس مشغلہ کے "فسق" ہونے "حرام" ہونے، "عمل شیطانی" ہونے کی ہو، ایک بار نہیں، بار بار ہو۔ کھلے لفظوں میں یہ موجود ہو کہ

"غلط فہمی نہ ہو۔ سنیما بازی و فلم سازی کی حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں، جو چیز حرام ہے وہ ہر صورت حرام ہی رہیگی"

حیرت ہے کہ اسکو کسی، وہ بھی سنیما بینی کی تشویق کا باعث قرار دیا جائے اور اندھیر ہے کہ اس سے سنیما کے جواز کا کوئی بعید پہلو بھی نکالا جائے!

مضمون کا مخاطب تو صرف وہ طبقہ تھا، جو سنیما ہرحال وہرصورت دیکھتا رہتا ہے۔ انکی اصلاح کی کوئی صورت اگر تھی تو یہی کہ انکی شراب کی بوتلوں میں پانی زیادہ سے زیادہ ملا دیا جائے! فقہاً یہ شراب بھی شراب ہی رہیگی، لیکن شخصیہ جزئیات فقہیہ سے قطع نظر اگر حکمت تشریع کے قواعد کلیہ کے اعتبار

دیکھیے، تو ان مشروبات میں، شراب ہونے کے باوجود بھی باہم زمین و آسمان کا فرق ہوگا!

دائم المریض اور ہمیشہ بیمار رہنے والے تندرستوں کو کیا خبر کہ مریضوں اور روگیوں کو تندرستی کی راہ پر لانے کے لیے ناتوانوں میں توانائی پیدا کرنے کے لیے ضرورت کبھی کبھی افیون اور جیال گوشہ ایک سنکھیا تک کی آپاتی ہے! زہر کا زہر ہونا اپنی جگہ بالکل مسلم، لیکن قانون ربوبیت ہی کی بعض خفی دفعات کے ماتحت زہر سے کام تریاق کا لیا جا سکتا ہے! ——— مشاہدہ اطباء کا ہے، جسم کے علاج میں بھی، اور روح کے علاج میں بھی۔

اور پھر صدق کی تو ساری اسپرٹ ہی یہ ہے کہ سر سکندر مرحوم کی ساری ذکر یزدوستی پر خاک ڈال کر انکی زندگی کے صرف اسلامی عنصروں کو چن لیا گیا۔ ایک عزیزہ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ مولانا تھانوی کی بہت بڑی معتقد۔ انکے بہشتی زیور کو بار بار پڑھے ہوئی۔ اسکے باوجود مجسٹریٹی قبول کرنے میں انھیں عذر نہ ہوا۔ میں یقیناً قضاوت (مجسٹریٹی) کو عورت کے لیے ناجائز سمجھتا ہوں (غیر اسلامی حکومت میں مردوں ہی کے لیے کب جائز ہے؟) لیکن اس فتوے پر مصر رہنا انکے سامنے بالکل بے اثر تھا۔ آخر مشورہ یہ دیا کہ کرنا ہی ہے تو بہرحال ذاتی حیا وحجاب کی احتیاط پوری پوری موجود رہے۔ ہاتھوں میں دستانے رہیں، پیروں پر پائتابے، جسم برقع میں چھپا ہوا و قس علیٰ ہذا۔

اسی طرح جو عزیز برطانوی حکومت میں عہدوں پر ہیں، یہاں تک کہ فوجی عہدوں پر ہیں، اور براہ راست ایک کافرانہ نظام کی اعانت وحفاظت کا سبب بنے ہوئے ہیں، انکے بھی جہاں تک اسلامی ہی پہلوؤں کو پیش کیا جاتا ہے تا کہ ایسے حضرات سے کوئی خاص فتنہ یا رخنہ دین میں نہ پڑ رہا ہو۔ سو اسی عام مسلک کے ماتحت وہ ذکر بھی ان صفحات میں تھا۔

یہ مضمون یہاں تک پہونچا تھا کہ تازہ الفرقان موصول ہوا۔ مولانا کی برہمی سر آنکھوں پر۔ لیکن جس طرح وہ غیظ دینی اور بغض فی اللہ میں معذور ہیں (عجب نہیں کہ ماجور بھی ہوں) اُسی طرح ہم دنیا دار بھی اپنے تجربہ ومشاہدہ کی بناء پر ایک خاص راہ اختیار کرنے پر، عجب نہیں کہ عند اللہ معذور ثابت ہوں۔ مولانا جس عالم میں ہیں، انھیں کیا خبر کہ مذارسی اور خدا شناسی کے علاوہ (اس سے گھٹ کر بھی) ایک چیز شیطان شناسی بھی ہے ——— برطانیہ کی عام سیاسی مصلحتوں اور عمومی پالیسی مقرر کرنے کا حق یقیناً چرچل اور ان کے ساتھیوں ایڈن وغیرہ کو ہے۔ لیکن ہزاروں میل دور افریقہ کے میدان جنگ میں جنٹ منٹ پر نقشہ جنگ کی تبدیلی کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر کمانڈر اور ان کے ماتحتوں پر ہے!

مقدس حضرات تو شاید یہ سننا بھی برداشت نہ کر سکیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ کی فضا میں (شہر کی فضا میں جہاں قدم قدم پر سنیما کی ترغیبات تھیں) میں اپنے خاندان کے نوجوان لڑکوں بلکہ لڑکیوں کو خود سنیما لیکر گیا ہوں لیکن خاص تیاری کے بعد، سنیما کے علمی، اخلاقی، معاشری نقصانات سب انکے دل پر بٹھا کر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں ہمیشہ کے لیے سنیما سے بیزاری ہو گئی۔ دل خود اُس طرف سے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ خود وہ تماشہ بھی دیکھنا انھیں مشکل ہو گیا۔ گویا ہمیشہ کے لیے شکیہ ہو گیا! ——— ٹیکہ کے معنی بھی یہی ہیں

(بقیہ ص ۲۲ پر)

(۳) جی ہاں - بالکل

(۴) وہ حکومت جو خدائی قانون کے مطابق و ماتحت ہو - مکمل کامل ترین نمونہ اسکا بجنسہ خود رسول اللہ صلعم کے عہد میں اور پھر خلفائے راشدینؓ کے دور میں گزر چکا -

(۵) خلفائے راشدینؓ کے بعد کوئی حکومت مکمل اسلامی حکومت نہیں کہی جا سکتی - اسلامیت کی کوششیں مختلف دوروں میں ہوتی رہیں بعض اصل نمونے سے نسبۃً قریب رہیں، بعض بہت دور جا پڑیں - اسوقت نسبۃً قریب کی مثال سلطان حجاز ابن سعود کی حکومت ہے -

(۶) جواب اوپر آ چکا -

قومی امانت

"مسلمان" (لاہور)

معاصر صدق کا بیان ہے کہ دو مسلمان خان بہادروں کی بیٹیاں یعنی رینوکا دیوی اور نینا آسمان سینما کے وہ چمکدار ستارے بنی ہوئی ہیں اور جذبات کی قوس قزح اور شہوات کی کہکشاں نئے بہروپ میں بھول کر بار دست فروشی و بار دست ربائی کا مظاہرہ کر رہی ہیں - خیال کیجیے جب شیدان کی اولاد انکی عریانیوں اور بےحیائیوں کو دو دو چار آنوں میں خرید کر تالیاں بجاتی ہوگی تو انکے باپ اپنی اولاد کے ترقی یافتہ ہونے پر کیا جامہ میں پھولے سماتے ہونگے -

لیکن رینوکا دیوی نینا اور ان جیسی دوسری ناگنوں کا کیا قصور؟ قصور تو اُن مردوں کا ہے، جو حسن عریاں سے ڈستی پھرتی والی عورتوں کی قیمتیں چڑھاتے جا رہے ہیں اور محض ماں بہن بن کر رہ جانے والی خواتین سے خلاف نفرت کا ایک طوفان اٹھا رہے ہیں - عورت تو جدید زمانہ کی جنسی ٹریجیڈی کی مظلوم ہیروئن ہے - مرد ہی کے مجبور کرنے سے وہ چلمن کی تیلیاں توڑتی ہے مرد ہی اسکا نقاب نوچتا ہے، مرد ہی اسے رقص سکھا کر تھلی کا ناچ نچاتا اور مرد ہی اسے لباس سے محروم کرتا ہے' مرد ہی اسے گانے پر مجبور کرتا ہے اور مرد ہی اسے فلم ایکٹرس یا ریڈیو سنگر بنا کر عوام کی شہرت کی بھینٹ چڑھاتا ہے -

مشرق کی عورت! اور پھر مسلمان عورت! ——— سورج اور چاند کی کرنیں بھی اسکا سراغ پانے سے مدتوں محروم رہیں، حیرانی ہوتی ہے کہ مرد اسے کس طرح عصمت کی بلندیوں سے بےحیائی کی پستی پر گرانے میں کامیاب ہو گیا - حوا کی یہ عفت مآب بیٹیاں تہذیب جدیدہ کے حمام میں ننگی ہونے کے لیے تیار نہ تھیں - مرد نے انکے کانوں میں یہ افسوں پھونکنا شروع کیا کہ تمھیں ہم مردوں نے سالہا سال سے جبر و ظلم کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے - تم انسانیت کا نصف "بہتر" ہو کر گھروں کی چار دیواری میں قید رہو - یہ تو انتہا درجہ کی گمراہی ہے - یہ آواز سن کر عورت سراسیمہ ہو گئی - پھر مرد ہی نے اسے بتایا کہ پردہ کے بندھن سے تم معاشی استحکام حاصل کر لوگی سیاسی تحریکوں کو تم سے قوت ملیگی اور تمھاری آزادانہ سیرت کا اثر اولاد پر بہت اچھا پڑیگا - پھر جب سوسائٹی میں بےاطمینانی کار فرما ہو گئی تو مرد ہی نے آگے بڑھ کر اسے سمجھایا کہ سوسائٹی کی روک کو راستے سے کس طرح ہٹایا جا سکتا ہے -

پھر جب عورت فریب خوردگی کے عالم میں قلعہ سے باہر نکل آئی تب تمدن کے عفریت نے بڑھ کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا اسے فیشن کی تربیت دی - دوستی پیدا کرنے کے طریقے بتلائے، آرائش کے فن میں طاق کیا، برتھ کنٹرول کے ذرائع سے آشنا کیا - اخباروں، اشتہاروں، رسالوں، ہوٹلوں اور دکانوں کی زینت بنایا - سینما گھروں اور رقص گاہوں کا راستہ دکھایا اور ادب کے تجبہ خانوں میں بٹھا کر عورت کی زندگی کے ایک ایک مخفی پہلو کو ننگا کیا -

اب خود عورت ان لذائذ میں ایسی مست ہو گئی ہے کہ وہ قدم آگے بڑھانا چاہتی ہے، پیچھے نہیں ہٹنا چاہتی - کیونکہ جذبات اور ہوس جیسی جذبات کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ آدمی کو گھوڑا بنا لیتے ہیں تو پھر اسے رکنے نہیں دیتے، تازیانہ پر تازیانہ برستا ہے اور ایڑ پر ایڑ لگائی جاتی ہے - تا آنکہ یہ گھوڑا دوڑتے دوڑتے تباہی کے کسی کھڈ میں گر جائے یا حادثہ کی کسی چٹان سے ٹکرا جائے -

... یہ سب کچھ کسی حقیقی ضرورت کے ماتحت نہیں کیا گیا بلکہ محض جذبۂ تقلید کے جوش میں آ کر کچھ لوگوں نے ایک پختہ عمارت کو توڑ ڈالا اور نئے نقشے پر ریت کا نیا محل کھڑا کر دیا - جذبۂ تقلید کے پیچھے بھی دراصل جنسی جذبہ ہی کام کر رہا تھا' جو لوگوں کو اس پر اکسا رہا تھا کہ دوسروں کی ماؤں بہنوں بیویوں اور بیٹیوں کی آتش حسن سے آنکھیں سینکنے کی قیمت میں اگر اپنی ماؤں بیٹیوں کی عصمت دینی پڑے تو یہ سستا سودا ہے - اس جذبہ کو اجتماعی حدود نے غیر معتدل ہو جانے سے کسی قدر روک رکھا تھا - لیکن جب جدید فلسفہ اور تہذیب نے رنگا رنگ عقلی دلائل سے اسے حق بجانب ٹھہرایا اور سوسائٹی کی بندشوں کو ناواجب ثابت کر دکھایا تو پھر یہ ٹھہرا ہوا سیلاب بند توڑ کر بہنے لگا -

معاشرتی تبدیلی کو برحق ثابت کرنے کے لیے جن دلائل سے وہ بظاہر بڑے وزنی تھے اور انھیں سن کر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کی تہذیب یا تہذیبوں کی خوبیاں اور فائدے تو ہم حاصل کر لینگے - لیکن اسکے نقصانات کو یورپ کے لیے خاص کر دینے پر فطرت رضامند ہو جائیگی "جب خبر" کی شدت میں ہمیں اس فطری قوت کا اندازہ نہ ہو سکا - جو اس ظاہری خیر کی گاڑی میں سوار ہو کر آنے والا تھا جیسا کچھ جب معاشرتی انقلاب کا عملاً آغاز ہوا، تو جلد ہی ایک بہت بڑے فریب خوردہ طبقہ کو معلوم ہو گیا کہ انکی توقعات غلط تھیں اور قوانین قدرت کسی کے ساتھ رعایت کرنے پر تیار نہیں ہیں - کیونکہ یہ جیسے سیلاب کا بند کھول دیا گیا تھا وہ اب رک نہیں سکتا تھا - وہ بہہ رہا ہے بہائے لیے جا رہا ہے - اب بچانے والے دنیا و مافیہا سے غافل ہیں - وہ مدیر "صدق" کی آواز کو کیا سنیں گے انکے لیے تو قرآن کی آیات اور احادیث کے احکام بھی غیر موثر ہیں - لیکن بہرحال ہمیں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونا ہے -

---

بقیہ ص۵

کہ مرض کا زہر ایک بار جسم میں داخل کر کے مستقل نجات مرض سے حاصل کر لی جائے،

بہرحال اپنا اپنا اجتہاد اور اپنی اپنی بصیرت ہے - بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ - اگر میں غلطی پر ہوں، تو مولانا اور انکے سب ہم خیال میرے حق میں دعا فرمائیں، کہ اللہ جلد اس غلطی سے نجات دے -

پان

(طبّی نقطۂ نظر سے)

[illegible] خیال و خواص فائدہ سے خالی نہیں ہیں - پھر انہیں [illegible] [illegible] لیکن تجربہ یہ ہے کہ ادویات کو منہ سے [illegible] [illegible] استعمال کرنے کے لیے پیدا کیا ہے [illegible] کی حالت میں اسکا استعمال بجائے فائدہ کے نقصان پہنچاتا ہے ۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دانتوں کے ذریعہ غذا [illegible] ہوتی ہے [illegible] کے غدود [illegible] پیدا ہونے والی رطوبت اسکو نرم بناتی ہے [illegible] جسم کو [illegible] [illegible] دیتی ہے - اگر دانت کمزور ہو جائیں یا ٹوٹ جائیں یا لعاب پیدا کرنے والے غدود ناقص ہو جائیں تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہاضمہ خراب ہو جائیگا اور نظام جسمانی میں فتور واقع ہوگا - پان کھانے والوں کے غدود [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے لعاب دہن زیادہ پیدا ہونے لگتا ہے - چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر پان کھانے والا کثرت سے پیک تھوکنے پر مجبور رہتا ہے اور اس طرح ایک کارآمد شے بیکار جاتی ہے - پان کے مسلسل استعمال سے یہ غدود کمزور ہو جاتے ہیں - چنانچہ کھانا کھاتے وقت یا دوسرے اوقات میں جبکہ پان منہ میں نہیں ہوتا لعاب دہن کم ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے اُسکا فعل اچھی طرح انجام نہیں پاتا ۔ دیکھا جاتا ہے کہ قبض کی شکایت عام طور سے زیادہ پان کھانے والوں میں پائی جاتی ہے - اور یہ لوگ اودیات استعمال کرنے پر مجبور رہو جاتے ہیں جس سے آنتیں غیر طبعی تحریک اور دباؤ کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہیں اور اپنا کام انجام نہیں دیتیں ۔

پان کے اجزاء میں چونا اور تمباکو سب سے زیادہ مضرت رساں ہیں چونے میں خشکی اور خراش پیدا کرنے کے علاوہ نفوذ کرنے کی بڑی زبردست قوت موجود ہے - چنانچہ یہ کثرت استعمال کی صورت میں مسوڑھوں اور اور دانتوں کے درمیان جم جاتا ہے اور مسوڑھے کے بالائی حصے نیچے کی طرف دبتے چلے جاتے ہیں - جب آپ غذا کھاتے یا مسواک کرتے ہیں تو یہ گرد پیدا ہوتی ہے جس سے دانتوں کی جڑ کمزور ہو جاتی ہیں دانت ہلنے لگتے ہیں اور وقت سے پہلے گر جاتے ہیں - دانتوں کی کمزوری یا اُنکے ٹوٹ جانے سے ہاضمہ میں جو خرابی پیدا ہو جاتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔

تمباکو دراصل ایک زہر ہے جسکو زیادہ مقدار میں استعمال کرنے سے ہلاکت کا امکان ہے ۔ اور اسکی تھوڑی مقدار بھی مسلسل استعمال کی جائے تو زندگی کو کم کرنے کا سبب بنتی ہے - ڈاکٹر فلک نے بہت سے تمباکو خواروں کا معائنہ کیا تھا اُنکے تجربات سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کے حلق، دانت اور گلے کے تمام جوارح کے لیے تمباکو کا استعمال قطعی مضر ہے اور یہ سرطان کے پیدا کرنے کا موجب بھی ہو سکتا ہے - ڈاکٹر پارکر نے ۲۵۰ تمباکو کھانے والوں کے خون کا امتحان کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خون کے دباؤ کا مرض زیادہ تر تمباکو کھانے والوں میں پایا جاتا ہے - ڈاکٹر مذکور نے بتلایا کہ تمباکو کا زہر رفتہ رفتہ اعصاب کو اذیت کرتا ہے اور آخر کار تمام نظام جسمانی پر حاوی ہو جاتا ہے اسکا پہلا حملہ جگر پر ہوتا ہے - خون کا دوران تیز، دل کی حرکت کمزور اور اعصاب کی قوت دافعت مضمحل ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے امراض ستانا شروع کر دیتے ہیں - غرض تمباکو کے مضر صحت ہونے میں کوئی شبہ نہیں محققین کی متفقہ رائے ہے کہ جو زہر تمباکو میں پایا جاتا ہے وہ اتنا مہلک ہوتا ہے کہ اگر اسکو تمباکو سے علیحدہ کر کے ایک قطرہ بھی کبوتر کی چونچ پر لگا دیا جائے تو وہ فوراً ہلاک ہو جائیگا - جو اصحاب روز و شب اس قاتل زہر کو "راحت" سمجھ کر کھاتے ہیں "انکو یاد ہوگا کہ جب انھوں نے تھوڑا سا تمباکو کھایا تو اُنکی کیا حالت ہو گئی تھی - ہچکیاں آنے لگی ہونگی، دم گھٹنے لگا ہوگا، سر چکرانے لگا ہوگا اور سارے جسم میں کمزوری اور سستی پیدا ہو گئی ہوگی ۔ ان سب تجربوں کے باوجود کون کہہ سکتا ہے کہ تمباکو اس قابل ہے کہ اسکو روز و شب کھایا جائے - لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ "کچھ بھی زیادہ مزا ہے" جیسے افیونی دنیا کی ساری نعمتیں چھوڑ سکتا ہے لیکن افیون جیسی تلخ شے نہیں چھوڑ سکتا - اور جیسے شرابی ہر چیز کو ٹھکرا سکتا ہے لیکن شراب ترک نہیں کر سکتا - یہی حال تمباکو کھانے والوں کا ہے اور طرفہ یہ کہ تمباکو طرح طرح کے مخصوص طریقوں اور تراکیب کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے -

اسی طرح چھالیہ اور کتھا بھی جسم انسانی میں مضر اثرات پیدا کرتے ہیں جنکی وجہ سے معدہ کی کمزوری، قبض کی شکایت اور دیگر امراض پیدا ہو جاتے ہیں -

غرض پان کے کثرت استعمال سے دانتوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے دل کے امراض پیدا ہو سکتے ہیں، اختلاج کی شکایت لاحق ہوتی ہے دماغ کمزور ہو جاتا ہے ۔ اعصاب ضعیف ہو جاتے ہیں اور ہاضمہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے، دق وسل جیسے موذی امراض پیدا ہونے کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں -

یہاں تک تو سرسری پان کے نامناسب استعمال سے نقائص بیان کیے گئے اب "ہنر ش نیز بگو" کا سوال پیدا ہوتا ہے - کیونکہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں ضرر کے ساتھ نفع کا پہلو نہ ہو - ہلاکت ترین زہر بھی اگر مناسب موقع سے استعمال کیا جائے تو فائدہ پہنچاتا ہے - اسی طرح اگر پان باموقع اور اعتدال سے کھایا جائے تو بری چیز نہیں ہے - کبھی کبھی کھانے کے بعد پان کا استعمال مناسب ہے - اس باب میں تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ خود پان میں زہریلے اثرات کو زائل کرنے والا مادہ پایا جاتا ہے جو کاربولک ترشہ سے پانچ گنا زیادہ موثر ہوتا ہے ۔ یہ عرق اُن جراثیم کو مارتا ہے جو ہمارے معدہ میں کھانے کے ساتھ چلے گئے ہوں - پان کی اسی خصوصیت کی بنا پر اسکو بعض امراض میں بطور دوا کے استعمال کیا جاتا ہے - مثلاً اگر غدود بڑھ جائیں تو پان کو گرم کر کے باندھنے سے ورم زائل ہو جاتا ہے - اگر عورت کی چھاتی سے دودھ زیادہ بہنے لگے تو پان کو گرم کر کے باندھنے سے دودھ کا بہنا موقوف ہو جاتا ہے - کھانسی میں لوگ سینے پر تیل مل کر پان سے سینکتے ہیں تو بہت فائدہ ہوتا ہے ڈاکٹر تھیسن اس طریقہ علاج کو بہت پسند کرتے ہیں اگر زخم پر پان کی پٹی

باندھی جاتی تھی، تو زخم بہت جلد اچھا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ زمانہ قدیم میں جراح بچے ہوئے پان کے پتوں سے پٹی باندھا کرتے تھے۔

چونا جو پان میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فائدہ بخش ہے لیکن یہاں بھی اعتدال شرط ہے جدید تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ صحت کو برقرار رکھنے کے لیے چونا کیلسیم ایک ضروری چیز ہے جس کی کمی سے انسان بگڑے ہوئے امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

غرض ہندوستان میں پان کھانے کی رسم معقولیت سے خالی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ آیوریدیوں نے اس کے معتدل استعمال کی ترغیب دی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم رشی علم الادویہ میں کافی دستگاہ رکھتے تھے اور انسانی جسم کے لیے کیلسیم کی ضرورت کو انھوں نے محسوس کر لیا تھا۔

مختصر یہ کہ اگر پان کثرت سے کھائے جائیں مثلاً بعض اصحاب ہر وقت پان چباتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ راتوں کو سوتے وقت بھی منہ میں پان رکھ کر سو جاتے ہیں تو یہ بہت نقصان دہ ہے اور اگر اعتدال سے کبھی کبھی کھا لیا جائے۔ مثلاً بعض وقت کھانے کے بعد پان کھانے سے یقیناً فرحت ہوتی ہے۔ اگر کسی مرغوب چیز کے استعمال کے بعد پان کھا لیا جائے تو کراہت دور ہو جاتی ہے اور منہ صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کبھی کبھی ہو، ورنہ مشک اور عنبر جیسی کثیر الفوائد چیزوں کا دائمی استعمال بھی زہر سے کم نہیں۔ (صحت لاہور)

ایک مسلمان ایڈیٹر

(از سید عبد الفتاح صاحب ترپ بازار کوچہ سید جنگ حیدرآباد دکن)

حال ہی میں حیدرآباد کے روزنامہ صحیفہ کے ایڈیٹر مولوی اکبر علی صاحب کا انتقال ہوا ہے مرحوم کے متعلق چند باتیں لکھنا ہے۔ مرحوم نے مروجہ علوم مشرقیہ کی تکمیل کی تھی آج کل مسلمان ایڈیٹروں کی تعداد یوں بھی کم ہے اور شاید ہی کوئی علوم مشرقیہ کا حامل کسی روزنامہ کا ایڈیٹر ہو۔ جو ہیں وہ بہت کم لحاظ کرتے ہیں کہ ان علوم کے جاننے سے ان پر کیا ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ روزانہ تو ایڈیٹوریل لکھنا پڑتا ہے اور کسی نہ کسی واقعہ کو اتنی اہمیت دی جاتی ہے کہ اس پر ایک یا دو کالم صرف کیے جائیں خواہ دوسرے ہی روز یہ تمام محنت کسی کام کی نہ رہے۔ اخبار میں جو شایع ہوتا ہے اس سے بھی ایڈیٹر بے خبر رہتا ہے۔ حق و ناحق، جائز و ناجائز، ہر قسم کی عبارت اخبار میں درج ہوتی ہے۔ مسلمان اخباروں میں اور دیگر غیر مسلم اخباروں میں بہت ہی کم فرق ہوتا ہے۔ اخبار کو جاری رکھنے کے لئے طرح طرح کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

مولوی اکبر علی مرحوم نے بڑی کوششوں سے اپنے اخبار کو ان کمزوریوں سے بچائے رکھا۔ تیس سال میں مرحوم اسکا برابر خیال رکھا کہ صحیح روش بہرحال قائم رکھی جائے۔ اخبار صحیفہ حیدرآباد کے قدیم ترین اخباروں میں سے ہے۔ آجکل کے اخباروں کے ایڈیٹر مولوی صاحب کے اخبار سے کسی نہ کسی حد تک مستفید ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو جانتے تھے۔ کوئی ایسی چیز اخبار میں شایع نہ ہوتی تھی جو شریعت کے خلاف ہو۔ مولوی صاحب عام طور پر بہت کٹر مسلمان خیال کیے جاتے تھے۔ اور جس راہ پر گامزن ہو جاتے پھر اسکو بدل نہ سکتے تھے۔ خلافت کی تحریک کے زمانہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے اتحاد کا بہت غلغلہ مچایا اور اسکو مستقل سمجھ کر بلا سوچے سمجھے عجیب و غریب حرکتیں انتہا پر کیا۔ مرحوم اس انتخاب پر جوش اور مخلص حامی تھے مگر ان کی دور بین نظریں جانتی تھیں کہ یہ ایسی سمجھوتہ ہے۔ آپ نے اپنی تحریر میں صاف لکھ دیا تھا کہ اسلام و کفر کبھی متحد نہیں ہو سکتے اور حالت و قدرت سے مجبور ہو کر آپس میں سمجھوتہ کیا گیا ہے۔ اور نتائج حقیقت تو سنتے کی تاب عوام میں نہ تھی مجمع اسکو برداشت نہ کر سکا۔ مولوی صاحب نے یہ بھی نظریہ کرنا مکمل ختم کر دیا۔

مولوی صاحب سگریٹ، سینما وغیرہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ انکے اشتہارات کبھی اخبار میں شایع نہ کرتے تھے حالانکہ یہ بہت کافی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ دوسرے اشتہارات بھی بہتر ین ضمانت پر شایع ہوتے۔ عموماً اردو اخبارات اپنے نام انگریزی میں بھی لکھتے ہیں حیدرآباد کا واحد اخبار ہے جس پر انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں ہوتا۔ پھر اردو میں شاید ہی کوئی اخبار ہو جو شام کو شایع ہوتا ہے۔ صحیفہ ۶ بجے شام کو شایع ہوتا ہے۔ تمام دنیا کے اخبارات ہفتہ میں ایک دن تعطیل لیتے ہیں!

اور غیر معمولی تعطیلیں بھی ہوتی ہیں یہ اخبار تیس سال سے برابر بلا ناغہ روزانہ شایع ہوتا رہا۔ اور مولوی صاحب کے انتقال کے روز بھی شایع ہوا جس میں انتقال کی خبر کے ساتھ روزمرہ کی خبریں بھی تھیں۔ عیدین، اعراس، اور دوسرے اہم واقع پر حسب موقع مضامین شایع ہوتے۔ اخبار میں جو بھی مضامین شایع ہوتے ان میں مذہبی اخلاقی عنصر غالب ہوتا۔ خواہ مضمون کسی نوعیت کا ہو۔ معاشی، سیاسی، یا نظم و نسق پر تنقید ہو۔ مولوی صاحب بڑی خوبی سے اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرتے۔ مولوی صاحب ربیع الاول کے مہینے کو ہمیشہ آنحضرت کی ولادت مبارک کی مناسبت سے ربیع النور لکھتے۔ اور اسکی انھوں نے کوشش کی تھی کہ تمام اخبارات ربیع النور لکھیں مگر اسکو رواج نہ دیا جا سکا۔ مولوی صاحب جدید آزادی نسواں کے موافق نہ تھے۔ اس آزادی سے جو نتائج رونما ہوتے انکو اخبار کے ایک کالم میں نسوانی دنیا کے عنوان سے شائع کرتے۔

ایڈیٹر کے کام کا اہم جزو خبروں کی ترتیب اور اداریہ نگاری ہے۔ خبروں کے عنوانات دلچسپ تجویز کرتے کبھی کبھی کسی شعر سے عنوان کا کام لیتے اور جب واقعہ خبر کی تشریح بھی کرتے۔ کئی چند مثالیں یہ ہیں۔ ترکی کا گورنر سوڈان گیا تھا۔ مولوی صاحب نے اسکا عنوان تجویز کیا "قبرص مفتوحہ صدی اول اسلام کا گورنر حال" (تاریخ مصر المطبوعہ) ایک کتاب کو ممنوع الاشاعت قرار دیا گیا، اس پر نوٹ لکھا گیا اب

ایمان کا سودا

(از عبد الماجد)

نہ قرن اولیٰ کا نہیں، قرون وسطیٰ کا نہیں، زمانہ ہجرت کی پہلی صدی کا نہیں، تیرہویں صدی کا ہے، اور انیسویں صدی عیسوی کا۔ اور مقام حجاز کی ارض مقدس نہیں، لکھنؤ، بدعت زدہ لکھنؤ کی سرزمین ہے۔ دینی دور ہماں بھی نہیں، دنیوی زمانہ اقتدار بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے رخصت ہو چکا ہے، اودھ چیدہ عہد کی ایک برائے نام کی اسلامی "سلطنت" گذشتہ عظمت و اقبال کی نوحہ خواں، بچی کھچی، گھٹی پٹی باقی رہ گئی تھی، وہ بھی "صاحب" کے قبضہ میں جا چکی ہے۔

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے!

زمانہ ۱۸۶۲ء و ۱۸۶۳ء کا ہے۔ یعنی وہ تاریخ اودھ کے مشہور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کو فرو ہوئے ابھی پانچ ہی چھ سال ہوئے ہیں، ہر دل میں اقبال فرنگ کا نقش بیٹھا ہوا، ہر زبان پر سرکار "رخصت مدار" کی عظمت کا کلمہ جاری ہوئی ——— فرنگی محل کے ایک گوشہ میں فقر و فاقہ کے بوریہ پر ایک صاحب بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔ نام محمد یوسف ابن مفتی محمد اصغر۔ کسی زمانہ میں عالم صاحب افتاء تھے، ہنگامہ میں سب گھر بار کچھ اسی طرح لٹا کہ مفتی صاحب زر و مال سے ہر طرح "فارغ البال" ہو گئے۔ دل میں داعیہ حج کا تھا۔ وقت وہ آ گیا، کہ نہ حج فرض رہا، نہ زکوٰۃ۔ اب صبر و تسلیم کی منزلیں ہیں، اور یہ خانہ نشیں، گوشہ گزیں مولانا۔

ایک روز کیا ہوتا ہے، کہ ایک صاحب بہادر، حکومت انگریزی کے بہت بڑے با اختیار عہدہ دار صوبہ کے فنانشل جوڈیشل کمشنر (اس اودھ کے چیف کمشنر کے بعد سب سے بڑا عہدہ دار یہی تھا) پتہ پوچھتے پوچھتے فرنگی محل پہونچتے ہیں، اور بعد اجازت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ "بعد اجازت" کا لفظ یاد رکھیے۔ پرانے وقت کا یہ مولوی ملا، ملازمت کی تلاش میں نہیں نکلتا، عہدہ و منصب خود اسے تلاش کرتا ہوا اس تک پہونچتا ہے۔ اور پہنچے ہوں مولانا جب تک اجازت نہیں دے لیتے، انگریز بہادر کی ہمت سامنے آنے کی نہیں ہوتی ——— روایت ساری کی ساری ایک چشم دید روایت، فرنگی محل ہی کے خاندان کے ایک نوجوان کی دیکھی ہوئی، اور بڑھاپے میں بیان کی ہوئی۔ اور راوی بھی کون؟ کوئی گمنام و مجہول نہیں، مولوی شرافت اللہ مرحوم پنشنر ڈپٹی کلکٹر۔ ابھی تو انکے دیکھنے والے اور ملنے والے سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے صاحبزادہ مفتی عنایت اللہ مرحوم (مہتمم مدرسہ عالیہ نظامیہ) سے بیان کیا۔ اور انھوں نے اپنے تذکرہ علمائے فرنگی محل (صفحہ ۲۰۸، ۲۰۹) میں لے درج کر دیا۔ انکی وفات تو ابھی کل کی بات ہے۔

سامنا "صاحب" کا ہوا۔ وقت وہ تھا کہ انگریز کا بچہ بچہ حاکم وقت تھا۔ اور پھر یہ انگریز تو واقعی صوبہ کا تقریباً سب سے بڑا افسر تھا۔ شکستہ حال، غربت زدہ مولوی بوسیدہ چٹائی پر بیٹھا ہوا کچھ لکھنے میں مشغول تھا۔ کہاں کا ڈر، ہنگ رسم اور کہاں کے کرسی اور جوتے۔ حاکم وقت حاکم صوبہ کو اجازت ایک ٹوٹے ہوئے مونڈھے پر بیٹھنے کی ملی۔ انگریز نے کچھ سوالات کیے، شریعت کے معاملات قانونی (نکاح و طلاق) سے متعلق۔ جوابات مفصل ملے۔ اب سوال ہوا کہ جناب کی بسر اوقات کی کیا صورت ہے؟ جواب ملا کہ اسباب ظاہر تو کچھ نہیں، بسر عسرت سے ہوتی ہے۔ فاقہ زدہ مولوی نوکری پر نہیں گر رہا ہے، سندیں اور درخواستیں نہیں پیش کر رہا ہے، سفارشوں کے پشتارے پیٹھ پر نہیں اٹھائے ہوئے ہے۔ نوکری خود اس خود دار مولوی پر گر رہی ہے۔ سوال و جواب آگے سنیے۔

"تو میں آپ کو سرکاری ملازمت دلا دوں گا"

"لیکن میں نے تو مدتوں فتوے احکام شریعت کے دیے ہیں۔ خدا سے شرم آتی ہے کہ اب احکام خلاف شرع صادر کروں۔ انگریزی کی ملازمت میں یہ ہونا لازمی ہے۔"

انگریز افسر، نوکری دینے ادھر دیکھنے ہی آیا تھا۔ رخصت ہوا، چلتے چلاتے یہ الفاظ کہتا ہوا:۔

"جی نہیں۔ آپ کے لیے ایسا انتظام کر دیا جائیگا کہ نہ آپ کو احکام صادر کرنا پڑیں، اور نہ کوئی امر خلاف شریعت آپ سے متعلق کیا جائے گا"

دوسری صبح کا طلوع ہوا۔ تو انگریز افسر پھر موجود۔ اور آج ایک مسلمان منشی بھی ہمراہ۔ مفتی فرنگی محل کے لیے عہدہ رجسٹراری کا تجویز ہوا۔ اس رجسٹراری کو آج کی سب رجسٹراری پر قیاس نہ کیجیے گا۔ شروع انگریزی میں ایک معزز ترین عہدہ تھا۔ کہیں یہ خدمت کلکٹر سے لی جاتی تھی اور کہیں ڈسٹرکٹ جج سے۔ مشاہرہ چھ سات سو ماہوار سے بھی اوپر تھا۔ رقم کا خیال فرمایا آپ نے؟ دس بیس پچاس نہیں، کہ وہ بھی ایک ملائے مسجد کے لیے بہت تھے، بلکہ چھ سات سو! اور وہ بھی اس زمانہ کے! گویا آج کی شرح سے: اب سے کوئی ڈھائی ہزار کا مشاہرہ!

کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے!

اور یہ تو آگ لانے کے لیے اپنی جگہ سے ہلے تک نہ تھے! جاہ و دولت کی پیمبری خود ہی چل کر انکے پاس آ گئی تھی ——— ملائے مسجد کا ابھی فرط مسرت سے بیخود نہیں ہو جاتا، صاحب کے قدموں سے لپٹ نہیں جاتا، مدح و توصیف کے قصیدے نذر گذرانے کی فکر نہیں کرتا۔ سکون و وقار کے ساتھ پوچھتا ہے کہ یہ رجسٹراری ہے کیا چیز؟ صاحب سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ

"آپ کو زحمت کچھ بھی نہ ہوگی، نہ کہیں آنا جانا، نہ کاغذات کا لکھنا پڑھنا۔ آپ کی کچہری آپ کے مکان میں رہیگی۔ ایک کمرہ ان منشی کو دیدیجیے۔ یہ اپنا کام کرتے رہیں گے۔ یہ سب کاغذات آپ کے سامنے پیش کر دیا کریں گے۔ آپ کا کام صرف دستخط کر دینا ہوگا!"

ایسی بے مشقت نوکری آج تک کسی کو کیوں ملی ہوگی!

فرنگی محلی کی فرنگی ملازمت کا پہلا دن شروع ہوا۔ منشی نے دن میں کام کیا۔ سہ پہر کو کاغذات مفتی صاحب کے پاس دستخط کے لیے پیش کیے۔ آپ نے دستاویزوں کو پڑھنا چاہا۔ منشی نے کہا کہ اس زحمت کی کیا ضرورت ہے، کاغذات میرے دیکھے ہوئے جانچے ہوئے ہیں، آپ صرف دستخط فرما دیجیے؟" ارشاد ہوا کہ" یہ کیونکر ممکن ہے؟ دستخط تو بمنزلہ میری شہادت کے ہیں۔ بغیر پڑھے شہادت کیسے دیدوں؟ رجسٹر کھلا، اور آپ نے کاغذات پڑھنے شروع کیے۔ اتفاق دیکھیے کہ پہلی ہی دستاویز سودی قرضہ سے متعلق تھی! ——— آگے کیا گزری۔ اسے خود راوی ہی کی زبان سے سنیے:—

"چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا۔ رجسٹر اٹھا کر دور پھینک دیا۔ منشی سے کہا ابھی نکل جاؤ۔ اور فوراً نکال دیا!

منشی غریب روتا دھوتا، داد فریاد کے لیے "صاحب" کے پاس پہونچا۔ دوسرے دن صاحب خود وارد ہوئے، منشی کو ساتھ لیے ہوئے۔ اب پھر روایت کے الفاظ راوی ہی سے سنیے:—

"آپ نے صورت دیکھتے ہی، اسکو بھی ڈانٹنا شروع کیا، اور فرمایا کہ کافر سے سوا اسکے اور کیا امید ہو سکتی ہیں۔ میری ہی غلطی تھی جو کافر کے کہنے میں آگیا۔ اور زار و قطار رونا شروع کیا"

پھر فرمایا، کہ یہ منشی

"سودی دستاویز پر میرے دستخط کرا رہا تھا، جو گویا میری شہادت ہے۔ حدیث شریف میں سود کے متعلق لکھنے والے اور گواہ سب پر لعنت آئی ہے۔ ابھی تھوڑے زمانہ تک تو میرے دستخط خدا اور رسول کے احکام پر ہوتے تھے۔ اب میرے دستخط سودی دستاویز پر ہونگے"!

انگریز حاکم نے ایک بار پھر معافی مانگی، تلافی کر دینا چاہی۔ اور کہا کہ "بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔ اب میں ایسی صورت رکھونگا کہ یہ بھی زحمت نہ رہے، اور کسی امر خلاف شریعت کی صورت نہ پیش آئے"! اور عہدہ پر برقرار رہنے پر "بیحد اصرار" کیا۔ لیکن جو زبان ایک بار انکار پر کھل چکی تھی، "پھر کسی ترغیب" اور کسی ترکیب سے نہ پلٹی۔ اور آپ عمر بھر فرنگیت کے سایہ سے بھی بچے رہے!

عمر کا بڑا حصہ سلّم و شرح سلّم، ملا حسن، شمس بازغہ، طبیعیات شفا وغیرہ خرافات "معقولات" کی حاشیہ نویسی میں گزرا، لیکن شاید اسی تقویٰ و استغناء ایمانی کی برکت تھی، کہ چند سال بعد، جب مدرسہ جونپور سے تعلق کے بعد نوبت حج کے جانے کی آئی تو ماہ رمضان مبارک، مکہ معظمہ میں گزار کر، عین قرب حج میں وفات مدینہ منورہ میں پائی، اور جنت البقیع میں صدہا ہزارہا پاکوں اور پاکبازوں کے جوار میں جگہ پائی! اور فرنگی محل کے مشہور و معروف عالم و عارف مولانا عبدالحی نے اپنے قلم سے یہ شہادت اپنی نامۂ تمام قاموس الفقہ میں دی کہ کان جامعاً للفروع والاصول حاویاً للمعقول والمنقول صاحب الریاضات والمجاہدات منبع البرکات والفیوضات حسن الصورۃ کاسمہٖ لطیف السیرۃ فی خلقہٖ (رسالہ فی کشف الا فی شرح الوقایۃ۔ جلد اول، مقدمہ، ص۱۵)

آج کا نوجوان مسلمان، فرنگی نوکری کا بھوکا، اپنے ماضی بعید کی نہیں، ماضی قریب کی اس سچی حکایت کو سُن رہا ہے؟ اور اس پر یقین کرے گا؟

(بقیہ صفحہ ۳)

علامہ اقبال کے کلام کی چیر پھاڑ کیسی برابر جاری ہے، اور خدا جانے یہ سلسلہ جراحی کب تک جاری رہیگا۔ اقبال اور خدا۔ اقبال اور رسول، اقبال اور حیوان، اقبال اور شیطان، غرض ہزارہا عنوانات سے مقالے لکھے اور پڑھے جا چکے ہیں۔ اور اقبال کا کلام کچھ ایسا "بھان متی کا پٹارا" ہے کہ لوگ اسی سے سب کچھ نکال لیتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے اسلام جمہوریت کا معلم ہے۔ اور اقبال بھی جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے۔ کسی کا دعویٰ یہ ہے کہ اقبال جمہوریت کا سخت مخالف ہے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اقبال اشتراکی ہے، کسی کو اس پر اصرار ہے کہ اقبال پاکستان کا بانی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اقبال ہندوستان کی آزادی کا علمبردار تھا۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر شخص اپنے دعوے کا ثبوت اقبال ہی کے کلام سے پیش کر دیتا ہے۔ اب انصاف سے کہیے کہ ان مقالات کے سننے اور پڑھنے والوں کی ذہنیت کیا ہوتی ہوگی۔

کچھ مدت سے اس قسم کے موضوع تلاش کیے جا رہے ہیں۔ اقبال اور زمان و مکان، اقبال اور اضافیت، اقبال اور ترگنامیٹری، اقبال اور الجبرا!

اللہ تعالیٰ علامہ مرحوم کی روح کو راحت ابدی عطا فرمائے، جب وہ دیکھتے ہونگے کہ میرا کلام اس طرح بازیچۂ اطفال بنایا جا رہا ہے تو انکی روح پر کیا گزرتی ہوگی۔

لیکن جب مسلمانوں نے کلام الٰہی کو بے سروپا تاویلات کا تختۂ مشق بنانے سے پرہیز نہ کیا۔ تو بیچارے اقبال کے اشعار کی کیا حیثیت ہے۔

(انقلاب)

معذرت

جس مشین پر صدق چھپ رہا تھا، اُس میں دفعتاً ایسی خرابی پیدا ہوگئی کہ تقریباً ایک ہفتہ اُسکی مرمت کی نذر ہو گیا۔ اس لیے اس پرچہ کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی۔ ناظرین کرام معاف فرمائیں۔ کوشش کی جائیگی کہ آئندہ صدق کے دو نمبر ایک ساتھ شایع کر دیے جائیں تاکہ پرچہ اپنے وقت پر نکلنے لگے۔

(خاکسار مہتمم)

ایک شذرہ پر استدراک

صدق ۱۴ میں ایک شذرہ ایک عبارت کی توضیح کے عنوان سے نکلا ہے۔ اس پر حسب ذیل استدراک مولانا محمد شفیع صاحب صدر مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ کے قلم سے موصول ہوا ہے:—

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، حنفیہ کا یہ مسلک قول تک محدود ہے، مولانا گیلانی نے بھی اور آپ نے بھی اسے فعل تک متعدی کر دیا۔ جسکی سند مطلوب ہے تاکہ علم میں اضافہ ہو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں، جو عبارت آپ نے تحریر فرمائی ہے "اس میں موجود ہیں" کا لفظ یہ کا ہر فعل کو چاہتا ہے۔ لیکن فقہا میں قول کی دی گئی ہیں، نہیں سمجھتا کہ میں ماننا، مانتا ہے۔ قابل ہے، اتنا علم اگر دوسرے کو نہ ہوا تو دوسرا تاویل کیوں اہم ہیں کریگا، اور اگر علم ہوا تو وہ قول سبب ہوگا، اور اس میں تاویل الی الظہر کی گنجائش ہر حال ہے۔ اگرچہ سیکڑوں اس قسم کے قول ہوں، ہر قول میں کفر کے احتمالات پر احتمال ایمان مرجح ہوگا بشرطیکہ قائل مدعی اسلام ہے، اور احتمال کفر کو وہ خود متعین نہ کر دے۔

میں نے ابھی جن دو قیدوں کا ذکر کیا ہے (بشرطیکہ کے بعد) اس قاعدہ میں انکا ہونا ضروری ہے۔ آپ نے سہواً یا اعتماداً علی فہم الناظر نظر انداز فرما دی ہیں۔ اور مولانا گیلانی نے تو اپنی عبارت میں شیطان کا ذکر کرکے اس قید کی خلاف ورزی کر دی ہے۔ اسکی اصلاح ہونا ضروری ہے۔

اور اگر "فعل" سے آپ دونوں حضرات "قول" ہی کی نشاندہی فرمانا چاہتے ہیں، تو ہر قول اور ہر فعل کے درمیان "یا" کا استعمال کچھ مناسب نہ تھا۔ اور اگر "یا" کا استعمال اردو محاورہ کے اعتبار سے تفسیر و توضیح کے لیے ہے، تو مضمون میں اس استعمال سے پرہیز چاہیے تھا تاکہ غلط فہمی نہ ہو سکتی۔ اور مناسب وضاحت کر دی جائے اگر میری گزارش درخور اعتناء ہو، اور اس وضاحت میں دونوں قیدوں کا بھی اضافہ مناسب ہے۔

مکرر یہ کہ ۹۹- احتمالات کفر والے قاعدہ کو امام صاحب کی جانب یوں تو منسوب کر سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ کا یہ قول ہے، ورنہ خود امام سے اس قاعدہ کی نقل کے دعوے پر جرح کی گئی ہے، جرح کرنے والے مشہور [illegible]۔

سہ کرر یہ کہ خدا کے ساتھ مادہ کو قدیم ماننا کا ذکر کر دیا ہے، یہ بھی ذرا محل نظر ہے:

مولانا کا جو اصلی مطالبہ ہے، یعنی مسئلہ عدم تکفیر میں ان دو قیدوں کا اضافہ کر دینا کہ قائل مدعی اسلام ہو اور احتمال کفر کو وہ خود متعین نہ کر دے، اسکے مان لینے میں تو غالباً کسی کو بھی عذر نہ ہو۔ پہلی تحریروں میں اسکا عدم ذکر انکے غایت ظہور کی بنا پر تھا۔ اچھا ہوا کہ مولانا نے صراحۃً بھی ذکر کر دیا۔

رہی "قول" و "فعل" کی تفریق، سو جہاں تک خیال پڑتا ہے عقائد کی کتابوں میں الفاظ ایسے ملتے ہیں جو دونوں کے مفہوم پر حاوی ہیں۔ مثلاً شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت:—

Arabic	Urdu
اعلم ان المراد بعدم تکفیر احد من اہل القبلۃ عند اہل السنۃ انہ لا یکفر ما لم یوجد شیء من امارات الکفر وعلاماتہ ولم یصدر عنہ شیء من موجباتہ۔	کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اسکی تکفیر نہ کی جائیگی جب تک کہ اس میں کفر کے امارات و علامات نہ پائے جائیں اور موجبات کفر میں سے کوئی بات اس سے سرزد ہو

"لم یصدر عنہ شیء" کی وسعت و جامعیت ظاہر ہے۔

کفریہ عقیدہ کی مثال میں جو قدامت مادہ کا ذکر کیا گیا تھا، اس سے مراد وہی عقیدہ تھا جسے قدیم متکلمین نے عقیدہ "قدم عالم" سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسکے کفر ہونے پر تو متکلمین کا اجماع ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ضروریات دین میں نمبر اول پر اسی عقیدہ حدوث عالم کو رکھا ہے، اور شرح مقاصد میں تو یہاں تک تصریح ہے کہ

Arabic	Urdu
لا نزاع فی کفر اہل القبلۃ المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم	اس اہل قبلہ کے کفر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں، جو اگرچہ عبادات کا طویل العمر پابند ہو لیکن قائل ہو قدامت عالم کا

اور دوسری کتابوں میں بھی اس قسم کے اقوال ملتے ہیں کہ

Arabic	Urdu
وقد حکی عیاض وغیرہ الاجماع علی تکفیر من یقول بقدم العالم	قاضی عیاض اور دوسرے حضرات نے اجماع نقل کیا ہے اسکے کفر پر جو قائل ہو قدم عالم کا

اور

Arabic	Urdu
حدوث العالم من قبیل ما اجتمع فیہ الاجماع والتواتر	حدوث عالم ان عقائد میں سے ہے جن پر اجماع اور تواتر دونوں نقل ہیں

یہ دو ایک سرسری گزارشیں پیش کر دی گئی ہیں، باقی اصلی درخواست تو مولانا گیلانی سے ہے کہ وہ تفصیل و تحقیق سے نظر کرنے کی زحمت ایک بار اور گوارا فرمائیں۔

ایک بزرگ کی سند

"یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ بزرگوں کے متعلقین بعض ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ حکومت کے عہدوں پر ہوتے ہیں۔ سو اگر یہ نوکری ناجائز ہے تو وہ بزرگ انکو کیوں نہیں روکتے؟ جواب اس شبہہ کا یہ ہے کہ ہیں تو یہ نوکریاں ناجائز، مگر جو لوگ ان میں مبتلا ہیں، اور انکے روزگار کی صورت بجز اسکے اور کچھ ہے نہیں اگر انکو اس سے علیحدہ کر دیا جائیگا اور وہ نوکری چھوڑ دیں گے، تو وہ بوجہ عدم تحمل فاقہ اس سے زیادہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں گے، سو درحقیقت انکو اجازت نہیں دی جاتی، بلکہ اور بہت سے بڑے گناہوں سے بچا کر ایک چھوٹے گناہ پر رکھا جاتا ہے" (دعوات عبدیت جلد اول، صفحہ [illegible])

الفاظ میں کسی سنیما بینی ایسے اصول، زندہ مشرب کے نہیں حضرت مولانا تھانوی
خلفا کے ہیں ــــ اصلاح کا عملی تجربہ، چاہے وہ اپنے ظرف و بساط کے
باوقت کتنا ہی محدود و مختصر ہو، جو کوئی بھی رکھتا ہے، وہی مولانا کے ارشاد کی
قدر دل سے کر سکتا ہے۔

ایک مکتوب کا جواب — ایک مولوی صاحب کے مکتوب کے جواب
میں حسب ذیل عریضہ پچھلے ہفتہ لکھا گیا ہے۔ جواب سے اصل مکتوب کا
مضمون بھی واضح ہوا جاتا ہے۔ اس لیے اسے درج کرنے کی ضرورت نہیں
سمجھی گئی :—

"وعلیکم السلام۔ حسن ظن کا شکریہ۔ لیکن میں آپ کی صرف مردم شناسی
کا قائل ہوں، شیطان شناسی کا معتقد نہیں۔ اب تو معلوم ہوا کہ آپ ابلیس شناس
بھی نہیں!

آپ کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ آپ گویا مجھے ایک بھولے بھالے پیر
مولانا اشرف علی تھانوی سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ کیسا ظلم شدید ہے۔ مولانا پر
بھی اور مجھ پر بھی! صدق کو مطالعہ کا شرف آپ برسوں سے بخشتے ہوئے ہیں
اور تعجب ہے آج تک آپ کی سمجھ میں یہ نہ آیا، کہ صدق نہ النور ہے، نہ اس کا ضمیمہ، نہ اس کا
مشتق — برا یا بھلا جیسا بھی ہو، اپنا ایک مستقل مسلک، مستقل روش رکھتا ہے
دور ویہ کے موافقت سے بالکل بے نیاز۔

جن بزرگوں کے نام آپ نے گنائے ہیں، کیا وہ بھی میری طرح یوم
قرآن پر تقریر کرتے ہیں، اور انہیں اپنے پرچوں میں چھاپتے ہیں؟
کیا وہ بھی خالص ادبی کتابوں، ناولوں، افسانوں کو پڑھتے اور ان پر ریویو
کرتے رہتے ہیں؟ وہ کبھی کسی مشاعرہ کی صدارت کرتے ہیں؟ اس کے لیے خطبہ
تیار کرتے ہیں؟ وہ بھی انگریزی کے فلمی رسالے پڑھتے رہتے ہیں؟ اور
کسی فلمی رسالہ کا مطالعہ بغیر مجرموں کی تصویر پر نظر ڈالے ممکن ہے؟ کیا وہ
بھی ریڈیو کے مختلف پروگرام سنتے رہتے اور اس کے رسالہ آواز کو پڑھتے رہتے
اور اس کے کارکنوں کو اپنے تاثرات سے مطلع کرتے رہتے ہیں؟ کیا رسالہ
[illegible] (جس کی آپ بھی حوصلہ افزائی فرما چکے ہیں) کیا بغیر اس قسم
کے رسالوں کو پڑھے ہوئے ممکن ہے؟ کیا "نئے ادب" کی گندگی کا احتساب
بغیر خود ان گندگیوں کو مطالعہ میں لائے ہوئے کسی صورت سے بھی ممکن ہے؟
—— ان میں سے کون سی چیز آپ کے لیے راز یا نامعلوم تھی؟

آپ نے ازراہ حسن ظن تحریر فرمایا ہے کہ صدق ایک دینی پرچہ ہے
اسے ان خرافات سے کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیے۔ ارشاد کا پہلا جزو سچا ہے۔
صدق اصلاً یقیناً دین ہی کا خادم ہے۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ خود خدمت
دین ہی کو اسی تنگ دائرہ میں محدود رکھا جائے، جو آپ اور آپ جیسے
اور مقدس حضرات کے ذہن میں ہے؟ جگر اور ناہر کی شاعری کو، خواجہ
شفیع کی افسانہ نگاری کو مذہب سے یقیناً کوئی قریب کا اور براہ راست
تعلق نہیں، اور اگر آپ صرف راہ نجات اور مفتاح الجنۃ کی عینک سے
دیکھیں گے، تو یقیناً سرے سے کوئی تعلق نہ ملیگا۔ لیکن آپ کو کیا خبر کہ ہم
اہل دنیا کہاں کہاں سے خفی سا خفی تعلق بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

اور خیر یہ لوگ تو پھر پکے پرانے مسلمان ہیں — انہیں کی داد و تحسین صدق
کے صفحات میں ہے، جب بھی غنیمت ہے، صدق کو اپنی بساط پر جیسے
مہروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تو سرشار کے فسانۂ آزاد اور برق کے
مسنو قند فرنگ سے بھی کام لینے سے نہیں چوکتا!

آپ میری ذاتی زندگی سے بھی خوب تو نہیں، لیکن ایک حد تک
بھی تو واقف ہی ہیں۔ سینما سے ذوق (اور حکم شریعت سے قطع نظر) مجھے
ابتدا بھی نہیں، لیکن میں نے اپنے کام کے لیے اس کے اندرونی طبقہ پر
باخبر رہنے کی ضرورت محسوس کی۔ کوئی ۱۰ سال کے عرصہ میں چار بار
سینما دیکھا ہے، وہ بھی ہر بار لاحول پڑھتے ہوئے اور قدم قدم پر انقباض
محسوس کرتے ہوئے (گویا اوسط ساڑھے پانچ سال کے اندر صرف ایک کا
پڑا)۔ بخلاف اس کے تبصروں سے کسی دن مفر نہیں۔ نوکروں چاکروں پر
بیجا غصہ، گرمی، دوستوں، بھائی برادری، بیوی بچوں کے واجب حقوق
میں غفلت، رونا۔ ان میں سے ہر معصیت سنیما بینی سے اشد ہے۔
خصوصاً جبکہ محض تقاضائے نفس سے ہو، بلا کسی اصلاحی خیال کے
نتائج کے — حیرت ہے کہ آپ نے ان چیزوں پر ذیشان نصیحت ادا کرنے
کا خیال کبھی نہ فرمایا — اور ٹھیک ٹھیک تو کہیں، تو ایسی چیز پر جو لستہ
کہیں بھی ہے! تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ

آپ تو ریڈیو پر تلاوت و تجوید کو مطالعہ کے علم میں لاتے ہونگے آپ
صورت اس ضبط سے بھلا کیا ہمدردی کر سکتے ہیں، کہ چاہتا ہوں کہ دہلی،
پشاور، کلکتہ کی طرح ہندوستان کے ہر ریڈیو اسٹیشن سے ہفتہ وار تلاوت
مع ترجمہ و تفسیر جاری ہو جائے۔ نہ یہ کہ تقریریں بکثرت سے ہوا کریں اور
ادبی، علمی تقریروں، ڈراموں، افسانوں ـــ میں کوئی نہ کوئی اصلاحی و
تبلیغی پہلو حتی الامکان ضرور آجایا کرے ـــ بس یہی کوشش
کبھی اپنی بساط بھر ان چیزوں کی کرتا رہتا ہوں۔ آپ اپنا فریضہ
خیر خواہی ادا کر چکے۔ اب میرے حق میں دعا فرمائیے، اگر میں گمراہی میں ہوں
تو اللہ اس سے نجات دے۔

اقبالیات

مصیبت سب سے بڑی یہ ہے کہ یہ امت کی امت "قوال" بن
رہی ہے۔ جسے دیکھئے خطیب اور لکچرار، اور طول طویل اور ابھی ہوتی بھیق
تقریریں کرنا ہی اسلام کی خدمت خیال کرتے ہیں۔ ہر وہ شخص جسے قرآن مجید
کے جستہ جستہ آیات اور ڈاکٹر اقبال کے بعض اشعار یاد ہیں اپنے آپ کو
علامہ جمال الدین افغانی سے کم نہیں سمجھتا۔ اور فرد و ملت کے فلسفہ پر
دو دو گھنٹے دھواں دھار تقریر کرتا ہے۔ کہ نوجوان منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، نہ
مقرر کچھ سمجھانا چاہتا ہے نہ سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہے نہ
سننے والے کچھ سمجھتے ہیں، نہ سمجھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ دو گھڑی
کی دلچسپی ہوتی ہے اور بس۔ آخر شاید اسی لئے کہ ہم مکروں تو دلسپی
سمجھے جاتے ہیں۔

(بقیہ ص [illegible] پر ملاحظہ ہو)

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر۔ عبدالماجد

پتہ۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب۔ (حکیم) عبدالقوی (بی اے)

مضامین کے متعلق خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی تین روپے

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۸ | دوشنبہ ۱۷۔ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱۔ جون ۱۹۴۳ء | جلد ۹

ایک صحابیؓ پر حملہ

ایک شیعہ اخبار کا اقتباس اس مفہوم کا نظر سے گذرا کہ حضرت خالدؓ نے ایک مسلمان مالک بن نویرہ کو اس کی بیوی پر فریفتہ ہو کر قتل کر ڈالا، اور حسین بیوی سے (نعوذ باللہ) اسی شب میں متمتع ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ صرف تمام مفہوم درج ہوا۔ اصل مضمون میں الفاظ کہیں زیادہ عریاں ہیں۔ اور مضمون تمام تر اسی نسبت سے اہل سنت کے لیے اشتعال انگیز ہے۔ —— حضرت خالدؓ کا شمار صحابیوں ہی میں نہیں، ممتاز صحابیوں میں ہے۔ "سیف اللہ" آپ کا لقب خود رسول اللہ صلعم کا بخشا ہوا ہے۔ آپ کی ادنیٰ توہین بھی شیعی نقطۂ نظر سے ناقابل برداشت ہے۔

اتنے سنگین اور گندہ الزامات، بلا ثبوت و تحقیق، ایک ادنیٰ مسلمان کے حق میں، خصوصاً اسکی وفات کے بعد، قابل تحمل نہیں، چہ جائیکہ ایک ممتاز صحابی رسول کے حق میں! —— الزام کوئی نیا ایجاد نہیں، بارہا پیش ہو چکا ہے۔ چنانچہ ابھی چند سال ہوئے، یعنی اگست ۱۹۳۳ء میں ایک فرنگی (غالباً لوئیس نامے) نے ٹائمس آف انڈیا کے مصور ہفتہ وار (السٹریٹڈ ویکلی) میں ایک باتصویر مضمون اسی موضوع پر نہایت گندہ تحریر کیا تھا، اور اسکا جواب بھی، منجملہ دوسرے جوابات کے، فاضلانہ اور محققانہ رسالہ معارف کے اکتوبر نمبر میں اسی سال نکل گیا تھا —— اتہام و افتراء بہرحال الزام و افتراء ہی رہتا ہے، اسے کتنے ہی بار دہرایا جائے اور شیعہ اخبار نویس کا تازہ جرم اس سے ہلکا بالکل بھی نہیں ہوتا۔

مالک بن نویرہ نہ اپنے قتل کے وقت مسلمان تھا (کم از کم حضرت خالدؓ کے علم میں)۔ اور نہ اسکا قتل آپ کے حکم سے ہوا تھا۔ وہ قتل ہوا ضرور، لیکن حضرت خالدؓ کے حکم سے نہیں، بلکہ آپ کے الفاظ سے بدویوں نے اپنے مخصوص محاورہ کے ماتحت ایک بالکل دوسرے معنی پیدا کر لیے، اور حضرت خالدؓ کی لاعلمی میں مالک اور اسکے ساتھ کے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ اسکی بیوہ سے نکاح کر لینا کوئی جرم یقیناً نہ شرعی تھا، نہ اخلاقی۔ دربار خلافت میں واقعہ کی تحقیق ہوئی۔ زمانہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا تھا۔ حضرت عمرؓ تک بربنائے احتیاط، خالدؓ کو ملزم قرار دیتے تھے، لیکن بالآخر بعد تحقیق آپ بری ہوئے، اور اس صدیقی فیصلہ کے بعد اب قطعاً کسی کو حق نہیں، کہ اس کچلے ہوئے فتنہ کو بیدار کرنے کی از سر نو کوشش کرے!

ہند جدید کی ایک جھلک

ترکی وفد صحافت کے ایک رکن، نجم الدین صادق کے قلم سے، استنبول کے اخبار AK Saam مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۳ء میں:—

"ہندی عورتیں جو اپنے قدیم (ہندو) مذہب پر قائم ہیں لہنگے پہناوے اور ماتھے پر اپنی لال بندیا کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، انگریزی خوب بول لیتی ہیں۔ انھیں میں ایسی بھی ملتی ہیں جو انگریزوں سے سخت ناخوش اور سوراج کی خواہاں ہیں۔ ایک روز شام کے بعد ہم لوگ دہلی کلب میں مدعو تھے، اور وہیں ایسی خواتین ملیں۔ ایک ان میں سے بہت ہی پرجوش تھیں۔ مجھ سے بولیں کہ ہندوستان کا اصلی منظر کلب وغیرہ سے کہیں تھوڑے ہی نظر آسکتا ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ رفتہ رفتہ ہم سب ہی چیزوں کو دیکھ لینگے۔ اس پر بولیں کہ "اگر آپ کو آزادی سے دیکھنا اور لکھنا منظور ہوتا تو آپ مہمان بن کر نہ آتے۔ آپ تو مہمان کی حیثیت سے خود ہی آزادی سے دست بردار ہو کر آئے ہیں" —— چند ہی منٹ اس گفتگو کو گزرے تھے، کہ میں نے ان پرجوش انگریز بیزار وطن پرست

خاتون کو، کہا کہ ایک انگریز افسر کے ساتھ رقص میں مشغول ہیں۔"

آزاد خیال، حریت دوست، وطن پرست، انقلاب پسند ہندوستان کا یہ منظر کوئی اپنی نوعیت میں انوکھا، اپنی قسم کا پہلا ہے؟

انگریزی ترجمۂ قرآن پر تنقید

ایک معزز اڈووکیٹ صوبہ پنجاب سے لکھتے ہیں:—

"آپ کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے بارے میں ... کے انگریزی روزنامہ مورخہ ۲۹ و ۳۰ مئی و یکم جون کے پرچہ میں جو تنقید نکلی ہے، وہ ملاحظہ سے گزری ہوگی، نہ گزری ہو، تو اب وہ پرچہ منگا کر ضرور ملاحظہ فرمائیں۔"

اخبار مذکور نظر سے نہیں گزرتا۔ اس خاص مضمون کا ایک نمبر یعنی ۳۰ مئی کے پرچہ کا تراشہ، ایک کرم فرما نے لاہور سے ارسال فرما دیا تھا۔ اس ایک نمبر سے تینوں نمبروں کا اندازہ ہوگیا، اور سارا مضمون پڑھنے کی نہ ضرورت باقی رہی نہ ہمت۔ مضمون "تنقید" نہیں ہے "تنقیص" ہے، اول سے لیکر آخر تک۔ کوشش اپنی طرف سے برابر یہ رہی ہے کہ ہر معترض کی زبان سے کچھ باتیں کام کی بھی حاصل ہو جائیں۔ بارہا یہ کوشش ناکام بھی رہی ہے۔ چنانچہ اسکی ایک تازہ مثال یہی نام کی "تنقید" ہے —— "تنقید نگار" پنجاب کے انگریزی حلقہ میں ایک معروف شخص ہیں۔ عرصہ ہوا اُنکے ایک انگریزی ترجمہ پر صدق میں تبصرہ نکلا تھا، جو تمامتر مداحانہ نہ تھا۔ اس پر انکا ایک طویل خط انگریزی میں بہت ہی برہمی و بیزاری کا وصول ہوا تھا۔ اور اب اُنکے قلم کو موقع "انتقام" کا پوری آزادی کے ساتھ ہاتھ لگ گیا!

تنقید نگار نے اس زیر نظر نمبر میں تفسیر کو تو سرے سے شاید قابل اعتناء ہی نہیں سمجھا ہے۔ توجہ صرف ترجمہ کی زبان پر رکھی ہے، اور اسے ہدف انتہائی ملامت کا رکھا ہے۔ خطا و نسیان، غلطی و لغزش سے تو ظاہر ہے کون انسان کسی درجہ میں بھی محفوظ رہنے کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ البتہ اس قدر گزارش ضروری ہے کہ انگریزی ترجمہ میں حتی الامکان کوئی ایک لفظ، کوئی ایک ترکیب بھی ایسی آنے نہیں پائی ہے، جسکی سند پہلے کسی اہل زبان کے ہاں تلاش نہ کرلی گئی ہو۔ بلکہ کام میں دیر ہونے کی ایک خاص وجہ بھی یہی رہی ہے —— تنقید نگار نے جن جن ترکیبوں کو قابل اعتراض قرار دیا ہے، وہ تقریباً سب کی سب اتفاق سے صحیح ہی ہیں، اور مستند اہل زبان کے استعمال میں رہی ہیں۔ صرف دو اعتراضات صحیح ہیں، اور وہ دونوں غلطیاں ترجمہ کی نہیں، صرف سہو طباعت و کتابت کی ہیں —— سب سے بڑا اور اصلی اعتراض یہ ہے کہ ظلمات (صیغۂ جمع) کا ترجمہ انگریزی کے صیغۂ جمع Darknesses سے کیوں کیا گیا ہے۔ انگریزی گرامر کے عام قاعدہ کے لحاظ سے، جسکا علم ہر مبتدی کو ہو جاتا ہے کہ Abstract nouns کی جمع نہیں آتی۔ گرفت صحیح ہے، لیکن ترجمہ میں صیغۂ جمع نہ صرف ایڈنبرا یونیورسٹی کے اُستاد ڈاکٹر بل (Bell) نے استعمال کیا ہے، بلکہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر پامر (Palmer) نے بھی سورۂ نور آیت ۴۰ کے ترجمہ میں)! اور جن دوسرے ہندوستانی فاضلوں اور ادیبوں (مثلاً نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی) نے استعمال کیا ہے، اُنکا تو ذکر ہی نہیں! ڈاکٹر بل کے ہاں اسکا استعمال سورۂ زمر میں بھی ملتا ہے! باقی جن لفظوں اور جن ترکیبوں پر گرفت کی گئی ہے، وہ خود تنقید نگار کی تنگ نظری و بیخبری کی غماز ہیں!

اختلاف کے حدود

ایک طویل مراسلہ کی تلخیص:—

"مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن اور دوسرے رسائل سے اسلام کی جو خدمات انجام دیں، اور مسائل دینی جس مدلل طریقہ سے لکھے، اُسکی داد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ صدق ہی نے دی تھی، اور صدق ہی نے انکے لیے متکلم اسلام کا لفظ لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر بعد کو ایسے حالات پیش آئے کہ جناب کا اور اُنکا توافق قائم نہ رہا۔ بلکہ بعض اوقات تو افسوسناک مضمون نگاری کی نوبت آگئی۔ ...

حال میں اُنکی "جماعت اسلامی" کے ایک پُرجوش رکن اور ایک مشہور اسلامی درسگاہ کے طالب علم نے مجھ سے انھیں مسائل پر گفتگو کی۔ انھوں نے فرمایا کہ جتنے مسلمان بادشاہ گزرے ہیں، خواہ وہ ہند کے ہوں یا شام، عراق، حجاز، مصر وغیرہ کے، ان میں سے کسی کا بھی نظام حکومت اسلامی نہ تھا۔ اُن میں اور غیر مسلم فرمانرواؤں میں اصلاً فرق نہیں۔ یہ صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں۔ ان نسلی مسلمانوں اور کافروں میں قطعاً کوئی فرق نہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے دونوں یکساں و ہم سطح ہیں۔ وقس علیٰ ہذا

مجھے تو اپنے فہم ناقص کے مطابق یہ خیالات بہت ہی زیادتی کے معلوم ہوئے۔ ملتجی ہوں کہ صحیح مسلک سے صدق میں مطلع فرمایا جائے۔ نیز اپنے اور مولانا مودودی کے اختلافات کے حدود پر بھی اپنے قلم سے روشنی ڈالی جائے۔"

ان مسائل پر تو ایک سے زیادہ بار ان صفحات پر لکھا جاچکا ہے۔ خیر آج اس مراسلہ کی خاطر ایک بار اور سہی۔

مولانا مودودی کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔ ایک مصنف، اہل قلم، مقالہ نگار کی۔ اور یہ حیثیت اُنکی یقیناً بہت روشن و ممتاز ہے۔ مسائل پر انھوں نے خوب خوب لکھا۔ اور بعض دینی حقائق کی تعبیر اُنھوں نے عصر حاضر کے مطابق جس خوش اسلوبی سے کی، وہ انھیں کا حصہ ہے۔ اُنکی یہ خدمات دینی اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ صدق نے انھیں خدمات کی بنا پر انھیں متکلم اسلام لکھنا اپنا فرض خیال کیا۔ اور آج اپنی اس رائے میں اب تک ترمیم کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

دوسری حیثیت اُنکی، ایک باضابطہ جماعت کے لیڈر یا قائد کی ہے —— اس حیثیت میں انھوں نے بعض مسائل اور بنیادی مسائل میں اسقدر غلو سے کام لیا، کہ صدق کو اُنکا ساتھ چھوڑنا پڑا۔ بلکہ اُنکی بعض افراط پسندیوں اور بے اعتدالیوں پر زور و قوت سے ٹوکنا پڑا۔ اسکی احتیاط شروع سے بحمد اللہ برابر رہی کہ دونوں حیثیتوں میں باہم خلط نہ ہونے پائے۔ اور مثال شروع ہی میں دیدی گئی تھی کہ ممکن ہے کہ ایک شخص صاحب باطن، بلکہ صاحب ارشاد، بزرگ ہو، لیکن محدثانہ معیار سے اُسکی روایتیں بالکل ہی ناقابل قبول ہوں، یا ایک شخص اپنے عقائد کی گہرائیوں کے لحاظ سے

...عیت یا جماعت یا اعتزال میں شیعہ ہوں، یا حنفیہ، اسکے عام و مشترک مذاقِ اسلام کے مقابل تقدم ہوں ۔۔۔ ان اداراتی احتیاطوں کے باوجود غلطیاں اور بے اعتدالیاں مقالہ نگار سے، افسوسناک غلطیاں پیدا ہو کر رہیں۔ کچھ تو صدق کے ایک مضمون نگار شاہ نذیر احمد کی آتش زبانیوں اور اشتعال انگیزیوں سے، اور کچھ ایسے کہ مولانا نے صدق کے مضمون نگار کی بے ذہانیاں خود صدق کے حاشیہ میں لکھ دیں! اور اختلافات کو اس سے بہت زیادہ بڑھا کر دکھایا، جتنا صدق کو ان سے واقعۃً تھا، اور ہے۔

غلو و افراط کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے، جسکا نمونہ دراصل میں جماعت اسلامی کے ایک پرجوش رکن (اور کون رکن اس جماعت کا "پرجوش" نہیں ہے) کی گفتگو کے سلسلہ میں درج ہے۔ مولانا کی طرز دعوت و دعایت کا اثر قدرۃً (خصوصاً ذہین طالبوں پر) یہ پڑا، کہ دین بجائے دین کے، بجائے اصلاً ایک روحانی، اُخروی، باطنی، اصلاحی و انفرادی دعوت کے ایک دنیوی، اجتماعی، قومی فلاح کی تحریک نظر آنے لگی۔ تو یہ تعمیر و اصلاح سے کہیں زیادہ، تخریب و تنقید پر مائل ہو گئی۔ طبیعت احتسابِ نفس کے بجائے احتساب ۔ ۔ ۔ ۔ پر متوجہ ہو گئی۔ اور بجائے اسکے کہ اپنی نماز بہتر ہونے لگتی، اپنی نماز میں شکستگی بڑھ جاتی، گفتگو دن رات زور و شور کے ساتھ اس پر جاری رہنے لگی، کہ فلاں اور فلاں نماز کے فلسفہ سے جاہل ہیں، ۔ ۔ ۔ ۔ نماز کو پوجا پاٹ کے قسم کی چیز سمجھ رہے ہیں! اور اسی ہنگامہ آرائی میں خود اپنی نمازیں بُری بھلی جیسی بھی تھیں، غائب ہو گئیں! ۔۔۔ حمید خاں غریب کی ساری کتاب اسی ذہنی تعلیم کا ثمرہ ہے۔ تیرہ سو برس میں گویا اسلام کو کوئی سمجھا ہی نہیں۔ بڑے بڑے متکلمین، مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیہ، میں سے کوئی دین کی حقیقت تک پہونچا ہی نہیں، سب ظواہر، زوائد، یا "عجمی خیالات" میں پھنس کر رہ گئے۔ رہے ملوک و سلاطین، تو وہ سب سے بڑے مجرم، ہر طرح کشتنی و گردن زدنی! ۔۔۔ یہ تعلیم عین ہوائے نفس کے مطابق بھی، اور زمانہ کی ہوا کے مطابق بھی۔ نتیجہ کے اعتبار سے مشرقی صاحب کی تعلیم سے کس قدر مشابہ! تعجب اسکی مقبولیت و مرغوبیت پر کیوں کیجیے۔

حکومتِ اسلامی کا نصب العین تنہا مولانا مودودی کا نہیں۔ صدق بھی اپنی حقیر و کمزور آواز سالہا سال سے اسی کی تائید میں اُٹھا رہا ہے۔ لیگ، جمعیۃ العلماء، مجلس احرار، وغیرہ جتنی بھی جماعتیں اسوقت کام کرتی نظر آرہی ہیں۔ اسلام کامل ان میں سے کسی کا بھی نہ نصب العین ہے، نہ طریق کار۔ اور اس حیثیت سے انکے ناکافی سمجھنے میں صدق تمام تر مولانا مودودی کا ہم نوا ہے۔ البتہ اسکے آگے فرق یہ ہو جاتا ہے کہ صدق کے نزدیک خود ان میں باہم فرقِ مراتب ہے، اور جنکے مقاصد میں اسلامیت زیادہ ہے، وہ اسلام کامل کے نصب العین سے نسبۃً قریب تر ہے۔ اور مولانا مودودی اس اضافی فرق کے قائل نہیں۔ انکے نزدیک گویا دوسرے درجہ کا اسلام (اور کس کا اسلام بجز انبیاء کے دوسرے درجہ کا نہیں؟) اور کفر، دونوں ہم سطح ہیں۔ یہ محض ایک مثال ہے۔ ۔ اس سے یقین ہے کہ نقطۂ خیال کا پورا فرق واضح ہو گیا ہوگا ۔۔۔ مولانا کے اس تحریکی غلو و افراط پسندی سے اگر قطع نظر کر لی جائے، تو باقی عام خدماتِ اسلام کے لحاظ سے انکی تحریریں پہلے بھی بہت قابل قدر تھیں، اب بھی قابل قدر ہیں۔

نیازمندانہ "انتقام"

"اگر ایڈیٹر نگار سے توبہ کا مطالبہ حق بجانب ہو سکتا ہے، تو ایڈیٹر "صدق" اس سے کیونکر بچ سکتا ہے!"

(مدینہ۔ بجنور۔ ۹ر جون)

جب تو پھر بالکل ٹھیک ہے۔ ۱۴-۱۹۴۳ کا لم کی "ازلی خیالیاں" یا کچھ لولی میں قصائد ہجو، یہ نثر کے، یہ نظم کے، باغیرت لیڈروں کی طرح نامکمل کے بعد نقل! جب قصور یہ ٹھہرا کہ ۱۲ سال قبل بارگاہ "نیاز" میں گستاخی کی گئی تھی، اور آتشِ انتقام ایک سال تک نہ ہو سکا۔ گندہ پمفلٹ کی اشاعت کے بعد بھی نہ بجھی، تو کیوں نہ اب بجنور کے اس محفوظ قلعہ کی آڑ پکڑ کر اندھا دھند گولہ باری ہو، کیوں نہ کی جائے! وہ تو کہیے جب خود نگار میں ۱۲ سالہ قبل والا نگار باقی نہ رہا! سنتے ہیں انگریزی محاورہ میں بلی کا تھیلے سے باہر نکل پڑنا"! اردو محاورہ میں جادو کا سر پر چڑھ کر بولنا! صدق غریب اس علم تک کہاں پہونچ سکتا تھا! ۔ ۔ مدینہ، تو خیر کاغذی ہی سہی، جو اصلی اور قابل صد ہزار تعظیم مدینہ ہے، خود وہاں بھی یارانِ شاطر نے اسلام کے ہمدرد و خواہ بن کر، کمین گاہ میں بیٹھ کر، کوئی کسر اسلام دشمنی میں اٹھا رکھی تھی! ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق۔ مبارک ہوں سادہ دل پروپرائٹر صاحب مدینہ کو ان بھولی "نیازمند صاحب کی" قیمتی" خدمت! اور یہ نوٹ پریس پہونچ چکا تھا کہ نگار کا جون نمبر نظر پڑ گیا۔ (مدینہ سے کہیں زیادہ شریفانہ روش تو اسکی رہی)

تمت بالخیر

عبدالحمید خاں صاحب کی ضخیم کتاب "تاریخ افکار و سیاسیاتِ اسلامی" کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر جستہ جستہ تنقید خوشی کے ساتھ نہیں، قلق و افسوس کے ساتھ، صدق کے کوئی ۱۰-۱۲ نمبروں میں نکل چکی ہے، اور یقین ہے کہ کتاب کے جتنے تاریک پہلو ہیں، وہ سب اب اچھی طرح روشنی میں آگئے۔ کوئی صفحہ بھی تلبیس حق بالباطل، کتمان حق، ناقص و مغالطہ پرور تحقیقات، غلط معتقدات، غلط تر نتائج سے شاید خالی ہو۔ کچھ کم چھ سو صفحات کی کتاب پر اگر تفصیلی تنقید کی جائے، تو صدق کے صفحات سالہا سال تک گویا اسی کام کی نذر ہو جائیں۔ ائمۂ تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک، کلام، عام خادمانِ دین، اور مظلوم و بدنام طبقۂ ملوک و سلاطین، سب پر کہنا چاہیے کہ شدید لائبل کتاب میں اول سے آخر تک موجود ہیں۔ اور ہر ایک کی صورتِ حال بالکل مسخ ہی ہو کر پیش ہوئی ہے۔ مصنف کی نیت کیسی ہی نیک، اور انکا مقصد کیسا ہی پاک ہو، بہر صورت کتاب ایک مجموعۂ اغلاط و مغالطات ہو کر رہ گئی ہے، اور ساتھ ہی سخت اشتعال انگیز و صبر آزما بھی۔ لیکن

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

جب جوئے اور شراب جیسی قطعی حرام بھی اپنے اندر معصیتوں کے ساتھ کچھ پہلو منفعت و مصلحت کے بھی رکھتی ہیں، اور دنیا میں شر کے ساتھ خیر کا لزوم چولی دامن کا سا ہے، تو اس پر حیرت نہ کیجیے، کہ یہ فتنہ انگیز کتاب بھی کچھ روشن پہلو بھی رکھتی ہے ۔۔۔ خارستان کے اندر کچھ پھول!

ذاتی حملے

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اڈیٹر صدق نے اپنے اخبار میں دو منکوحہ نوجوان مسلم خواتین کے سینما میں کام کرنے پر غیرت اسلامی سے متاثر ہو کر نکتہ چینی کی تھی - جن میں سے ایک کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ خان بہادر شیخ عبداللہ سکریٹری مسلم یونیورسٹی گرلس کالج کی صاحبزادی اور دوسری انکی بہو ہیں - مولانا کی نکتہ چینی اتنی ہی سخت تھی جتنی کہ ایک غیرتمند مسلمان کی ہونا چاہیے - لیکن ہمیں تعجب ہے کہ انکی تائید کرنے کے بجائے بعض معاصرین نے اسکے جواب میں انکی ذات پر بہت ہی ناروا حملے شروع کر دیے ہیں - ہمارے پاس بھی کئی مراسلے آئے ہیں اور انھیں پڑھ کر ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ اڈیٹر صدق نے اگر دو مسلمان لڑکیوں کو انکی بے حیائی اور بے غیرتی پر ٹوکا تو کیا قصور کیا - فرض کیجیے کہ مولانا عبدالماجد صاحب خود سرتاپا فسق و فجور میں مبتلا ہوں تو کیا اس بنا پر انکو مسلمان لڑکیوں کو انکی بے حیائی اور بے غیرتی پر ٹوکنا معیوب ہوگا - ہم نہیں سمجھتے کہ ایسا کرنے میں انھوں نے شرعاً و اخلاقاً کیا قصور کیا ہے۔ آج کی ڈاک سے زبیر احمد صاحب صدیقی سکریٹری انجمن اصلاح العوام اردو بازار گورکھپور کا بھی ایک مراسلہ بغرض اشاعت موصول ہوا ہے۔ اس میں بھی مولانا عبدالماجد صاحب کی ذات پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو اعتراض انھوں نے کیا تھا اسکا جواب یہی ہے کہ انکی ذات پر حملے کیے جائیں؟ اگر مولانا موصوف کے اعتراض کا جواب دیا جائے، تو ہم اسکو بخوشی شایع کر دیں گے، لیکن کسی کی ذات پر حملہ کرنا ہم ہرگز پسند نہیں کرتے - اس لیے ہم اس قسم کے مضامین کی اشاعت کرنے سے معذور ہیں!! (حقیقت)

عجیب صحافت

مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق نے اپنے اخبار میں علیگڑھ کے ایک مشہور خان بہادر کی صاحبزادی اور بہو کے سینما میں شریک ہونے پر غیرت و شرافت اسلامی سے متاثر ہو کر جو احتجاج کیا تھا اس سے معاصر مدینہ اسقدر چراغ پا ہو گیا کہ اس نے اپنے پورے دو صفحے مولانا موصوف کی ہجو میں رنگ ڈالے - جن میں انکی ذات پر نہایت ہی ناروا حملے کیے گئے تھے -

ایک نامہ نگار صاحب نے جو مدینہ کے خریدار ہیں بجائے اڈیٹر صاحب مذکور کے ہم سے دریافت کیا ہے کہ مدینہ کی اس قدر برہمی کا سبب کیا ہے اور کیوں خان بہادر صاحب کی صاحبزادی اور بہو کی حمایت کرنے میں اسقدر غلو ہے کہ اس نے مولانا عبدالماجد صاحب کی ذات پر رکیک سے رکیک حملے کرنے میں بھی ذرا تامل نہیں کیا - اسکا جواب ہم یہی دے سکتے ہیں کہ ہمارے کرم فرما نے سوال غلط شخص سے کیا ہے - اڈیٹر مدینہ کی کسی تحریر کا جواب اڈیٹر حقیقت کیونکر دے سکتا ہے؟

اتنا تو ہمیں بھی معلوم ہے کہ مدینہ کے ان مضامین کو عام طور پر [illegible] کیا گیا ہے۔ چنانچہ بمبئی کے اخبار انقلاب نے لکھا ہے:-

"ایک دوست نے ہمیں مدینہ کا وہ پرچہ دکھایا جسے "عبدالماجد نمبر" کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے مدیر محترم ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ انھیں موقع ملے اور وہ مولانا کے "پس منظر" کی آڑ میں اپنی قابل ملامت ذہنیت، اپنے افسوسناک خبث نیت اور اپنے صدہا بیہودہ اور لاطائل خیالات کا مظاہرہ کریں - مولانا عبدالماجد کے جس "جہاد" پر آستین چڑھائی جا رہی ہے، گندہ ذہنی اور بدزبانی کا کمال منظر عام پر لایا جا رہا ہے اسکو پڑھ کر شرافت روپوش ہو جاتی ہے اور صحافت کانوں میں انگلیاں دے لیتی ہے - اگر فحش نویسی کوئی جرم نہ ہوتی تو شاید یہ حضرات ماں، بہن کی گالیاں بھی دور جوش میں دے دیتے - ورنہ مبتذل الفاظ میں انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی"۔

لیکن یہ بات تو پھر بھی معمہ ہی رہی کہ آخر مدیر مدینہ کو اس قدر غصہ کیوں آیا؟ مدیر مدینہ اور انکے ایک نامہ نگار خصوصی مولانا صاحب سے ہم کو عذر انخواست اس معاملہ میں اور نہ کسی قسم کی بدظنی نہیں ہو سکتی اور نہ ہے۔ کہ آخر انکو دو فلم ایکٹرسوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے۔ لیکن اتنی بات ہم بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مدینہ کی نظر میں مولانا کا "جرم" اتنا سنگین کیسے بن گیا کہ اسکی پاداش میں انکی پچھلی زندگی کے "سیاہ اوراق" کی ورق گردانی کرنا ضروری سمجھا گیا ہے - حالانکہ سچ بات یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحب کی پچھلی زندگی اور انکے کیرکٹر کی یہ ایک قابل تعریف خصوصیت ہے کہ سخت ظلمت و تاریکی میں بھٹکتے رہنے کے بعد وہ بالآخر روشنی کی منزل تک پہونچ گئے جہاں سے اب وہ دوسروں کی رہنمائی کر رہے ہیں!! (حقیقت)

بازاری صحافت

کل ہم نے معاصر "مدینہ" کی سینما دشمنی پر کچھ روشنی ڈالی تھی جو اس نے صرف مولانا دریابادی سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینے کیلیے شروع کی ہے - مگر آج ایک صاحب نے بتایا کہ خود مدینہ میں بھی تصویریں شایع ہوتی ہیں چنانچہ جس پرچہ میں تصویروں کے خلاف آنا وعظ کہا گیا ہے اسی میں ایک صابن کا اشتہار ہے جس میں ایک نیم عریاں عورت کی تصویر بھی ہے - اسکے علاوہ ایک سگرٹ کا اشتہار تصویر سے مزین ہے - وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ معاصر تصویر دشمن ہونے کے باوجود خود تصویریں کیوں شایع کرتا ہے؟ ممکن ہے کہ معاصر موصوف اسکا یہ جواب دے کہ چونکہ ان اشتہاروں کی اجرت ملتی ہے اس لیے انکو شایع کیا جاتا ہے - ہو سکتا ہے کہ کوئی اور اس بات کو مانے یا نہ مانے، مگر ہم تو ضرور مان لینگے - بلکہ ہم تو یہاں تک ماننے کو تیار ہیں کہ اگر معاصر کے مدیر صاحب کے ہاتھ کہیں سے کچھ رقم لگ جائے تو وہ بھی پہلی فرصت میں بمبئی آ کر ایک سینما کمپنی کھولنے کی کوشش کرینگے - آخر تجارت ہی تو ہوگی نا؟ (خلافت)

دار العلوم دیوبند

(از مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی)

(۴)

احقر (صدر مہتمم) دوسرے حضرات کی امداد اور مشوروں سے ایسی ترقی پذیر صورت حال کی تا بحد امکان روک تھام اور ضرر کو محدود کرتا رہا جو بحمد اللہ بڑی حد تک کامیاب رہی۔ حالات ذرا اصلاح پذیر ہوئے تھے کہ اوائل اگست میں کانگریسی لیڈر گرفتار کر لیے گئے، اور ملک میں تخریبی تحریکات کا زور بند ہو گیا۔ اس سے طلبہ میں جوش کی پھر ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ انگریزی اسکولوں کے ہندو طلبہ کو لیکر پھر میدان میں نکل آئے۔ ہڑتالیں کرائیں، جلوس نکالے۔ جلسے کرا کے مفسدانہ تقریریں کیں۔ اور یہ سب کچھ ایسے انداز میں ہوا کہ حکومت کی دست اندازی یا اس سے تصادم کے آثار صاف طور پر نمایاں تھے۔ ہم کو اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نازک موقع پر لوکل حکام نے بھی دانشمندانہ تدبر و دوراندیشی سے کام لے کر مسلمانوں کی اس سب سے بڑی مذہبی تعلیم گاہ کے سلسلہ میں ہمدردانہ رویہ سے کام لیا اور معاملہ کو حد سے بڑھنے نہیں دیا۔ اس اثنا میں طلبہ نے امتحان سالانہ معاف کرانے کی تحریک کھڑی کر دی۔ اور نہایت پُرشور بلکہ بعض اوقات تشدد آمیز مظاہرے اس مطالبہ کو منوانے کے لیے شروع کر دیے جسکے نتیجہ میں مجلس انتظامیہ و مجلس علمیہ کے مشترک اجلاس سے التوائے امتحان کی تجویز منظور ہوئی تعطیل عام کا اعلان کر دیا گیا۔ طلبا کے عزائم بہت کچھ تھے۔ مگر اس اعلان نے اُنکی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ اور وہ سخت ترین صورت حالات پیش نہ آئی جو اگر پیش آ جاتی تو دارالعلوم کے لیے انتہائی خوفناک بلکہ تباہ کن ہوتی۔

اس تمام شورش اور ہنگامہ آرائی کے جواز میں پوری بلند آہنگی کے ساتھ مولانا مدنی کی والہانہ محبت و عقیدت اور اُنکے سیاسی مشن کو سامنے لایا گیا جس نے عامۂ طلبہ بلکہ بہت سے بڑے آدمیوں کی زبانیں بھی اُنکے مقابلہ میں بند کر دیں۔

ذمہ داران اہتمام نے پند و نصیحت اور تقریر و بیان سے اصلاح حال کی کوشش کی اور موقع بموقع احوال کو قابو میں رکھنے کی غرض سے موثر تدابیر اختیار کیں۔ جو بحمد اللہ کامیاب بھی رہیں۔ مگر ایسے سخت واقعات کے مقابلہ میں جس قسم کے سخت اقدامات کی ضرورت تھی، وقتی دشواریاں اور مولانا مدنی کے نام اور کام کے پروپیگنڈا پر نظر کرتے ہوئے کسی دانشمند نے اُسکے اختیار کرنے کی رائے نہیں دی اور یہی مناسب معلوم ہوا کہ فی الوقت عظیم نقصانات کی روک تھام کے ساتھ امکانی حد تک اغماض سے کام لیا جائے۔ بعدہٗ مناسب موقعہ آنے پر اہتمام نے اپنے حدود اختیار رکھتے ہوئے چند طلبہ کا اخراج کیا۔

اور کچھ طلبہ کا داخلہ آئندہ سال کے لیے وقتاً فوقتاً روک دیا جو مذکورہ شورش، مفسدہ، اور آئین شکنی اور بے تہذیبی کے ارتکاب میں پیش پیش رہے تھے۔ جو اہتمام کے فرائض کی انجام دہی میں عملاً مانع اور مزاحم ہوئے اور جنکے وجود سے مستقبل میں اسی طرح کے مسموم واقعات کے اعادہ کا امکان تھا۔

ان مخرجین طلبہ نے دوسرے لوگوں کی امداد اور حوصلہ افزائی سے دائرۂ اہتمام کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ مولانا محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم) جو ابتدائی مراحل میں میرے ہمنوا بلکہ بعض امور میں مجھ سے آگے تھے، شورش پسندوں کی قوت سے مرعوب ہو کر اپنے خصوصی مقاصد کے ماتحت مجھ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور صدر مہتمم تنہا تمام شورش پسندوں کے تیروں کا ہدف بنا دیا گیا۔

مجلس شوریٰ میں جو ارکان بکثرت شریک ہوتے ہیں اُنکی اکثریت اپنے سیاسی و جماعتی رجحانات کے پیش نظر اُن طلبہ کی حامی نکلی۔ اور اجلاس شوال ۱۳۶۲ھ کے موقع پر انھوں نے مجھ پر انتہائی زور ڈالا کہ تمام خارج شدہ طلباء کو بلا استثناء و بلا تاخیر داخل کر لیا جاوے قانونی حیثیت سے طلبہ کے حق میں اہتمام کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ میں نے مجلس ارکان شوریٰ کا یہ مطالبہ قبول کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ ایسے مفسدین کا بلا استثناء و بلا تاخیر داخل کرنا برہم زن نظم و انضباط ہے اور ایسا کرنے سے آئندہ انتظام کا استقرار رہنا سخت دشوار ہو جائیگا۔ بہت سی گرم و تلخ گفتگو کے بعد میں نے اُنکے آخری اصرار کے مطابق یہ قبول کر لیا کہ فیصلہ پر نظر ثانی کر لی جائیگی۔ چنانچہ بعد میں کی گئی۔ اور میں نے اُن کی حاکمانہ سفارش کا پاس کرتے ہوئے بہت سے طلبہ کو داخل کر دیا۔ مگر ان حضرات کے نزدیک اس معاملہ میں ادنیٰ تامل و توقف یا انکار یا استثناء ناقابل معافی جرم قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ اُسی وقت انھوں نے دوسرا غیر معمولی اجلاس تشکیل دستور اساسی کا نام رکھ کر دو ماہ بعد منعقد کرنے کی تجویز کر لی۔ یہ دستور اساسی کا مسئلہ کوئی آٹھ دس سال سے زیر بحث ہے۔ مگر اس وقت اسکی اتنی اہمیت بڑھ گئی تھی کہ عام قاعدہ کے موافق اجلاس کو چھ ماہ پر بھی محول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ اجلاس ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ کو مقرر ہوا۔ ایجنڈا میں بجائے دستور اساسی کے مہتمم صاحب نے مجھے دکھلائے بدون (رپورٹ دائرۂ اہتمام متعلق دستور اساسی) کا لفظ رکھ دیا۔ دائرۂ اہتمام میں صدر مہتمم سب سے پہلے شامل ہے مگر مجھے اجلاس کے وقت تک اس رپورٹ کی ہوا بھی نہیں دی گئی۔ صرف مہتمم کی رپورٹ دائرۂ اہتمام کے نام سے قبول کر لی گئی۔

رپورٹ دستور اساسی سے متعلق ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جلسہ میں بجائے عام اصولی مسائل کے موجودہ صدر مہتمم (یعنی احقر) کے شخصی مسئلہ پر بحث چھیڑ دی گئی۔ کہ یہی فی الحقیقت انعقاد اجلاس کی مخصوص غرض و غایت تھی۔ میں نے پہلے سے ارکان کے تیور دیکھ کر اجلاس میں شرکت نہیں کی اور تحریری معذرت بھیجدی۔ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کی مذکورہ بالا غیر آئینی حرکات پر تو ایک حرف ملامت و بیزاری کا اس سبب سے نہ

فمن جاء بالصدق وصدّق بہٖ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر: — عبدالماجد
پتہ: — دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: — (حکیم) عبدالقوی (بی اے)
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مہر آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی سعہ
بیرون ہند سے سالانہ شش
قیمت فی پرچہ ار

صدق

جلد ۹	دوشنبہ - رجب المرجب سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۵ - جولائی سنہ ۱۹۴۳ء	نمبر ۴۰

سچی باتیں

خلفائے عباسیہ کا دور، اسلام میں "فنون لطیفہ" کی ترقی کا دور تھا، خصوصاً گانا بجانا، سازوں کے فن کا اعزاز واکرام کی بارش گانے والوں ہی پر اس طائفہ پر تھی۔ ایک ایک ڈوم ڈھاڑی کو خلیفہ نے خوش ہوکر بعض اوقات تین تین لاکھ درہم بخش دیے ہیں! اور خاندان وزارت برامکہ کی داد ودہش تو اس سے بھی کچھ بڑھی ہوئی! —— عین اسی دور میں ہارون الرشید کے عہد حکومت میں ایک "بزرگ" اسحٰق موصلی کا ظہور ہوتا ہے۔ عالم وفاضل، نحو میں شاگرد فراء وکسائی کا، لغت میں اصمعی وابو عبیدہ کا، حدیث میں سفیان بن عیینہ اور ابو معاویہ ضریر کا۔ ائمۂ فن سے اس انتساب کے علاوہ، ذاتی قابلیت وجامعیت کا یہ حال کہ

"ایک روز قاضی یحییٰ بن اکثم (عہد مامون الرشید) کی مجلس میں حاضر ہوا۔ یہاں ہر علم وفن کے باکمال جمع تھے۔ اسحٰق نے اول متکلمین سے مناظرہ کیا۔ پھر فقہاء سے مخاطب ہوا۔ اخیر میں شعرو لغت میں گفتگو کی، اور ان جملہ علوم میں کامیاب ہوا۔ اسکے بعد قاضی صاحب سے مخاطب ہوکر دریافت کیا، کہ حضور بہ نظر انصاف فرمائیں کہ میں نے کسی مسئلہ میں غلطی تو نہیں کی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں" (الرشید (؟))

لیکن اس علم وفضل، ان کمالات کے باوجود، یہ "علامۂ وقت" علامہ نہیں کہلاتا۔ علماء میں اسکا شمار نہیں ہوتا۔ اسکا علم وفضل اسکے کچھ کام نہیں آتا۔ وہ حقیر مغنی، ذلیل گویا، بے وقر ڈھاڑی ہی رہتا ہے۔

یہ وہ داغ ہے کہ حکومت بھی باوجود کوشش کے نہ مٹا سکی، اور اسحٰق کی زندگی کا یہ واقعہ اہل علم کے لیے عبرت ہے۔ ایک مرتبہ اسحٰق نے مامون الرشید سے درخواست کی کہ مجھے دربار میں علماء کا لباس پہن کر آنے کی اجازت ہو۔ مامون نے کہا، اسحٰق اگر تو مغنی کے ذلیل لقب سے مشہور نہ ہوتا تو میں تجھکو منصب قضا پر ممتاز کرتا ..... اسحٰق کو تمام عمر اپنے کمال موسیقی پر رنج رہا، اور محض غلبۂ موسیقی کے سبب سے وہ طبقۂ علماء میں داخل نہ ہوسکا" صفحہ ۳۰۹)

خوب غور کرکے دیکھ لیجیے۔ ذکر اسکا نہیں جو محض گویا ہے، خالی ڈوم ڈھاڑی ہے۔ وہ عالم ہے، فاضل ہے، فقیہ ہے، لغوی ہے، نحوی ہے، علوم وفنون کے ساتھ ہی اتفاق سے موسیقی کا بھی ماہر ہے۔ یہ ایک عیب سارے کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ایک داغ اسکے سارے ہنر داغدار کر دیتا ہے —— پیاز کی ایک آندھی کی تیز بو، عطر کے پورے شیشہ کی خوشبو پر غالب آجاتی ہے!

اسلامیت نام کی بھی ہو، بڑی پردہ پوش ہوتی ہے۔ حکومت "اسلامی" یقیناً نہ تھی۔ لیکن بہرحال نام کی تو اسلامی تھی۔ فسق کی اشاعت کو، ترویج کو، کامیابی کو نہ روک سکی۔ فسق کے اعزاز واکرام کی راہ میں وہی حائل بن گئی! —— دور فرنگ ہوتا، تو یہی اسحٰق 'سر اسحٰق' ہوتے۔ مہرکے خطاب سے سرافراز۔ کسی میوزک کالج کے پرنسپل، یا کسی میوزک اکاڈیمی کے صدر! حکومت کے منظور نظر، پبلک میں معزز، اور عجب نہیں کہ محکمۂ

فنون لطیفہ کے ڈائرکٹر! اخبارات اور رسالے تصویریں انکی چھاپتے، سمنگرسوں، کانفرنسوں تک ان کے ہاتھ سے لیے جاتے - شاعرانہ ادراک وادا کا پر قوم میں انکا ہوتا!

"نیا امریکی حملہ"

اس عنوان سے ایک مفصل شذرہ، ایک امریکی اشتہار" کے حوالہ سے صدق ۱۹۵۶ء میں نکل چکا ہے - اصل کتاب تو دیکھنے میں نہیں آئی، لیکن کتاب پر جو خاصا مفصل ریویو امریکہ کے ٹائمس بک ریویو (نیو یارک) مورخہ ۲۴ رجنوری ۱۹۵۶ء میں نکلا ہے، وہ پچھلے ہفتہ دیکھنے میں آگیا - ریویو امریکہ کی مشہور صاحب قلم خاتون [illegible] کے قلم سے ہے - عریانیات کی ماہر سمجھی جاتی ہیں جہاں تک اس ریویو سے اندازہ ہو سکا، بحمد اللہ کتاب ویسی زہریلی اور وحشتناک نہیں جیسی اشتہار سے معلوم ہو رہی تھی - اور کم از کم اتنا تو بہرحال ہے کہ علمی طرز اور سنجیدہ اسلوب کی ہے - تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ چھپی یونی ورسٹی پریس کی ہے باقی پورا حال تو اصل کتاب کے دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے -

نئی طبی تحقیق

"خط استوا کے قریب جو آبادیاں ہیں، انکی خاص دلچسپی کی چیز یہ ہے کہ آج کل جو آفتاب کی تپش سے بچانے کے لیے عام و عالمگیر رواج دھوپ کی رنگین عینکوں کا ہو گیا ہے، الڈس ہکسلی اسکا شدید مخالف ہے - بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ آنکھوں پر دھوپ کی شعاعیں خوب پڑنا چاہیے - اور اس "دھوپ لینے" کو خاص علاج بصارت کی خرابیوں اور کمزوریوں کا بتاتا ہے"۔

یہ الڈس ہکسلی مشہور و معروف پروفیسر ہکسلی (۱۸۹۵ء) کا پوتا اپنے بھائی جولین ہکسلی کی طرح اسوقت تجدد کے خاص علمبرداروں میں ہے - اور اسکا شمار برطانیہ کی صف اول کے اہل قلم میں ہے - اور فن حیاتیات (بیالوجی) تو گویا ان لوگوں کے گھر کی کنیز ہے - اسکی کتاب "دیکھنے کے فن" The Art of Seeing پر ابھی حال میں شائع ہوئی ہے - اور اس پر اسٹیٹسمین (۲۰ رجون) میں ریویو نکلا ہے - اوپر کا اقتباس اسی تبصرہ سے ماخوذ ہے ——— "صاحب کی نیرنگیوں اور ہر آن بدلے جانے والی تحقیق کا ساتھ کوئی مشرقی غریب کہاں تک دے سکتا ہے!

نشہ کی چاٹ

"لکھنؤ - ۸ جون - آمدنی پچھلی سہ ماہی (جنوری تا مارچ) میں منشیات کی مدمیں حسب ذیل ہوئی :—

دیسی شراب کی ڈیوٹی سے	۱،۹۸،۵۴۹	روپیہ
ولایتی شراب "	۵،۶۴،۱۴	"
تاڑی کی ڈیوٹی سے	[illegible]	روپیہ
افیون "	۹۵، ۔	"
بھنگ "	۶،۱۶۹	"
گانجے "	۲،۲۳۲	"
چرس "	۶۴۰	"

یہ آٹھ آٹھ دس دس لاکھ کی آمدنیاں سارے ہندوستان کی نہیں - پورے صوبہ کی بھی نہیں، صرف ایک شہر لکھنؤ کی ہیں! اور وہ پورے سال کی نہیں، صرف ایک سہ ماہی کی! ——— ایسے نشہ باز، نشہ پرور، نظام حکومت و نظام معاشرت کے عہد کی "برکتوں" پر کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی ہے؟

اسی زمانہ میں شہر لکھنؤ میں کھپت بھی ان "اشیائے لطیفہ" کی حسب ذیل رہی :—

دیسی شراب	۸،۹۲۷ گیلن
ولایتی شراب	۵۰،۳۴۶ "
افیون	۳۸۱ سیر
گانجا	۲،۴۴ ½ "
بھنگ	۴۲۶ "
چرس	۳ ½

یہ سب صرف ایک سہ ماہی کے اندر، اور صرف ایک شہر میں! ——— کون کہتا ہے کہ اب لکھنؤ شجاع الدولہ کی سرپرستیوں سے محروم ہو گیا ہے؟

عربی کی ایک خرافات کتاب

عربی کی کتاب الاغانی کا تذکرہ حال میں ان صفحات میں دو بار آچکا ہے - محترمہ سکینہ بنت سید نا حسینؓ سے متعلق جو روایتیں عام طور سے چلی ہوئی ہیں، انکا اصل ماخذ یہی کتاب ہے - صدق کے مضامین میں بھی اسکا ذکر اسی تقریب سے آیا ہے - اردو والوں میں اسکے ایک بڑے مداح مولوی عبد الحلیم شرر مرحوم تھے - اسکے ایک دوسرے قدردان مولانا عبد الرزاق صاحب کانپوری صاحب البرامکہ ہیں - البرامکہ کہنا چاہیے کہ خود ایک چھوٹی سی انسائکلوپیڈیا حکومت عباسیہ کے ابتدائی دور سلطنت سے متعلق ہے - اس میں موصوف نے کتاب مذکور کا تعارف ان الفاظ میں کرتے ہیں :—

"علامہ ابو الفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) کی کتاب اغانی موسیقی میں بحر زخار ہے، جس میں عہد عباسیہ کی ان مشہور گیتوں کی تفصیل ہے، جسکو ابراہیم موصلی، اسمٰعیل بن جامع اور فلیح نے ہزاروں راگوں سے انتخاب کیا تھا - اور یہ مجموعہ المائة الصوت المختارة (ایک سو منتخب راگوں کا مجموعہ) کہلاتا ہے ..... محض اس مضمون کی تکمیل کے لیے اول سے لیکر آخر تک اغانی کی ۲۱ جلدیں میں نے بھی پڑھی ہیں

سورۂ بقرہ رکوع (۱۳)

سلسلہ متعلق مشہ ماقبل

(از عبد الماجد)

۱۰۷	الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر	کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی - اور کوئی نہیں ہے اللہ کے سوا تمھارے لیے یار و مددگار
۱۰۸	ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسیٰ من قبل، ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سواء السبیل -	تو کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر ڈالو، جیسے کہ (اسکے) قبل موسیٰ سے سوال کیے جا چکے ہیں؟ اور جو کوئی ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کریگا، سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا -

(اے مخاطب!) اور اُسی کو ہر طرح کا انتہائی کامل اور تصرف مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے' اے ذاعلمت ایہا المخاطب (بحر) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول کے واسطے سے امت سے ہے - الخطاب للنبی والمراد ہو وامتہ (بیضاوی)

(اے بنی آدم!)

آیت ایک درس ہے توحید کامل کا: ملک، ولایت، نصرت، سب اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے -

(بعناد و عناد و اعتراض) -

مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں - نزلت فی الیہود (معالم) اور اقوال بھی نقل ہوے ہیں، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے - اختلفوا فی المخاطب علیٰ وجوہ احدہا انہم المسلمون والقول الثانی انہ خطاب لاہل مکۃ والقول الثالث المراد الیہود وہذا القول اصح (کبیر) ورجح انہم الیہود (بحر) رسولکم سے مراد اس صورت میں رسول وقت سے ہوگی - مسلمان ہی اگر مخاطب سمجھے جائیں' تو یہ تہدید جائز ہوگا -

ام یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں، منقطعہ ہے' بل کا مرادف - ام ہہنا منقطعۃ والتقدیر بل تریدون (عکبری) ام [illegible] وتقدیر بل تریدون (مدارک) ام اے بل (جلالین)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بار بار بنی اسرائیل کرتے رہے، انکے تذکرہ سے تاریخ اسرائیلی اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں - قرآن کا اس جانب اشارہ کرنا اسکے مرادف ہے کہ صاحب قرآن اس سے خوب واقف تھا - اور اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن ایک اَن پڑھ انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا -

(اور یہ رسول سے گستاخانہ و معاندانہ سوالات کرتے رہنا اسی گمرہی کی ایک شکل ہے)

تبدل الکفر بالایمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہ کفر کو اختیار کیا - اے یختیرہ ویاخذہ لنفسہ بالایمان ملہ بمقابلتہ بدلاً منہ (ابو سعود)

۱۰۹	ود کثیر من اہل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا، حسدا من عند انفسہم من بعد ما تبین لہم الحق، فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ - ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر -	بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمھیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھیرے کافر بنا دیں، حسد کی راہ سے جو اُنکے نفسوں میں ہے، بعد اسکے کہ اُن پر حق واضح ہو چکا - سو معاف کرتے رہو تا آنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے - یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے

سیاق میں ذکر یہود کا ہے - اس لیے انفیں کے صحیفۂ یسعیاہ نبی کا ایک اقتباس بے محل نہ ہوگا: -

"سنو اے آسمانو، اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا، پر اُنھوں نے مجھ سے سرکشی کی - بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے، اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو - بنی اسرائیل نہیں جانتے - میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے، آہ خطاکار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے - بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انھوں نے خداوند کو ترک کیا - اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا - اُس سے بالکل پھر گئے" (یسعیاہ - ۱: ۲-۴)

(اے ایمان والو)

شان نزول کے ایک خاص واقعہ کی بنا پر مفسرین نے عموماً یہاں اہل کتاب سے مراد یہود، یا احبار یہود لی ہے - لیکن لفظ قرآنی تو بہرحال عام ہے - اور یہود و نصاریٰ دونوں اسکے عموم میں یکساں شامل ہیں -

مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا اور زبردست اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا، پروپگنڈہ عقائد اسلام کے خلاف، اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے' وہ سب اسی کے مظاہر ہیں - غایت ان ساری کوششوں اور سرگرمیوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان' دین یہود و دین نصاریٰ کو قبول کریں یا نہ کریں، بہرحال اپنے دین سے ضرور بدگمان و برگشتہ ہو کر رہیں -

یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و خیر خواہی سے ناشی نہیں، رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں

یہود کا حسد خود اپنے ہادی و پیمبر سے رہا ہے [illegible]

"انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کے برادر خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا" (زبور - ۱۰۶: ۱۶)

اور عہد جدید کی بھی شہادتیں کچھ کم واضح و صریح نہیں: -

"یہودیوں نے حسد میں آکر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا، اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے" (اعمال - ۱۷: ۵)

۱۱۰ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔	اور نماز کی پابندی رکھو، اور زکوٰۃ دیتے رہو ۳۸۶، جو کچھ بھلائی تم آگے بھیجتے رہوگے اپنے واسطے، اُسے اللہ کے پاس پاؤگے، یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُس کا خوب دیکھنے والا ہے ۳۸۹۔

"یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے" (اعمال ۱۳: ۴۵)

۳۸۳ یعنی اہلِ کتاب کے اس انکار و مخالفت کی بنیاد کوئی اشتباہ یا مغالطہ عقلی نہیں، محض ضد و عناد و شکایا ہے۔ وضوح حق اُن پر پوری طرح ہو چکا ہے۔

۳۸۴ (سرِ دست، اے مسلمانو!)

یہود کی منصوبہ بازیوں سرگرمیوں پر مسلمانوں کا اشتعال ایک امر طبعی تھا۔ انکو ہدایت ہو رہی ہے کہ سرِ دست عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو۔ اور انتقامی، تعزیری کارروائیاں فوراً نہ شروع کر بیٹھو۔

۳۸۵ (جہاد و قتال کے لیے۔ والمراد بہ الامر بالقتال (روح) الذی ہو الاذن فی قتالہم (بیضاوی) انہ الامر بالقتال وہو قول اکثر الصحابۃ و التابعین (کبیر)

حکم قتال اُس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا۔ آیت میں صاف اشارہ اس کا موجود ہے کہ عنقریب ہونے والا ہے۔

۳۸۶ (بس ایسے قادرِ مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ سرکش، زور آور کافروں سے پورا بدلہ لے لے اور انکا زور توڑ دے اور مظلوم و مغلوب مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے مظفر و منصور، حاکم و غالب بنا دے)

۳۸۷ (اس درمیان میں اے مسلمانو!) مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جہاد کے احکام دوسرے ہیں، جب تک وہ نافذ نہ ہوں اُنکے انتظار میں عام احکامِ اسلامی کی پابندی میں غفلت و تساہل کو راہ نہ دو۔ یہ عبادات بدنی و مالی تو ہر حال و صورت میں واجب العمل ہیں۔

۳۸۸ نیکی کچھ جہاد و قتال ہی پر موقوف نہیں، اعمالِ صالحہ جو کچھ بھی میسر آئیں وسب یکساں قابلِ قبول ہیں۔ برابر انہیں میں لگے رہو۔

"اُسے پاؤگے" یعنی اُسکے اجر و ثواب کو پاؤگے۔ یہ مراد نہیں، کہ بعینہٖ وہ عمل موجود ملیگا۔ تجدوہ اے ثوابہ (بیضاوی) المراد وجدان ثوابہ و جزائہ (کبیر) "اپنے واسطے" یعنی اپنی نجات و مغفرت کے واسطے۔ وہو تعلیل مغفرت سعادت اے لنجاۃ انفسکم (بحر)

۳۸۹ (سو اسکا احتمال ہی نہیں کہ کوئی نیکی ضائع جائیگی۔ اجر ہر نیکی کا پورا پورا ملے گا۔)

۳۹۰ یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ تھے۔ قرآن مجید نے اُنہیں کی ترجمانی کی ہے۔

یہود کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آرہا تھا کہ نجات اُنہیں کی قوم اور وہ اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ انجیل میں بھی انکا یہ مقولہ نقل ہوا ہے کہ "نجات یہودیوں میں ہے" (یوحنا ۴: ۲۲)

۱۱۱ وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ	اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا، مگر ہاں وہی جو یہودی یا نصرانی ہوں ۳۹۰۔ یہ اُنکی خالی آرزوئیں ہیں ۳۹۱۔

یہود و نصاریٰ دونوں کے ہاں کے مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔

ظہورِ اسلام کے وقت یہود و نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ اس نئے دین کے قبول کرنے کی ضرورت کیا، نجات تو ہمارے دینوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

۳۹۱ (جو کبھی پوری ہونے والی نہیں۔ اور جنکی تائید میں نہ کوئی دلیلِ معقول ہے نہ کوئی سندِ منقول)۔

محض بزرگ زادگی اور نسلی و نسبی شرافت (بلا ایمان و حسنِ عمل) جب پیمبروں کی اولاد کے کام نہ آسکا، تو ہمارے زمانہ کے پیرزادوں اور مشائخ زادوں کا اپنے شرفِ نسلی پر قناعت کرلینا کس درجہ بے دانشی ہے!

امانیۃ تمنی سے مشتق ہے۔ اُمنیۃ کے وزن پر۔

نشہ نواز سرکار

۱۹۳۶ء میں، افیون کی باضابطہ سرکاری منظوری حاصل کی ہوئی دوکانیں ہندوستان میں حسبِ ذیل تھیں:۔

صوبۂ بمبئی میں	۲,۳۵۰	صوبۂ بنگال میں	۲,۵۴۷
صوبۂ متحدہ میں	۳,۲۱۱	صوبۂ بہار و اڑیسہ میں	۲,۳۷۶
پنجاب میں	۱,۰۲۰	کل ہندوستان میں	۱۵,۵۵۱

سرکاری آمدنی کے کچھ اعداد بھی سن لیجیے:۔

	افیون سے	چرس بھنگ گانجے سے
۱۹۳۲-۳۳ء میں	۳۶,۸۱۶,۹۱ روپیہ	۱,۶۳,۰۵,۰۵۸ روپیہ
۱۹۳۳-۳۴ء میں	۲,۲۳,۴۵,۸۶۵ روپیہ	۱,۵۸,۴۸,۲۹۲ "
۱۹۳۴-۳۵ء میں	۲,۵۱,۷۸,۳۶۹ "	۱,۶۰,۹۹,۵۳۳ "
۱۹۳۵-۳۶ء میں	[illegible],۶۱,۶۶۷ [illegible]	۱,۶۵,۲۱[illegible] "

اعداد مسٹر گیرٹ گراؤڈ سمتھ کی کتاب [illegible] (مطبوعہ لندن ۱۹۳۹ء) کے صفحہ ۲۲۶ سے منقول ہیں۔

—— لکھنؤ کی نوابی حکومت اپنی افیون نوازی، نشہ بازی کے لیے مشہور آج تک چلی آرہی ہے۔ اُسکے ہاں بھی نشہ بازی کے کاروبار کی یہ وسعتیں، یہ سرسبزیاں، یہ آزادیاں تھیں؟

بزمِ ہمدردانِ صدق

جناب سکندر علی صاحب وجد (حیدرآباد دکن) نے ۴ خریدار عنایت فرمائے ہیں۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

منشی محمد احتشام علی مرحوم

(از نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج ڈاکٹر محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی)

آج سے باون برس پہلے کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب مرحوم کے مدرسہ میں دستار بندی سال بہ سال بڑے دھوم سے ہوتی تھی۔ خاکسار بھی حاضر ہوتا تھا۔ وہیں ۱۹۰۱ء میں میری ملاقات منشی صاحب مرحوم سے ہوئی۔ ہم دونوں پرانے خیال کے لوگ تھے۔ پہلے واقف پھر دوست بنے۔ دوست جدید سے پرانے دوست۔ ربط قائم ہونے، بڑھنے اور معیار پر پہونچنے کے لیے ایک زمانہ لگا۔ مگر اس عرصہ میں بھی نہ صرف قائم ہوا، بلکہ جیسا رہا وہ بالآخر خلوص و محبت کے اُن مراتب پر پہونچا جو اس عہد میں کمیاب بلکہ شاید نایاب ہیں۔

اس طویل زمانہ میں بہت کچھ منشی صاحب کو دیکھا۔ میں لکھنؤ جاتا اور اکثر جاتا۔ ناممکن تھا کہ کسی دوسری جگہ ٹھہروں۔ منشی صاحب علی گڑھ تشریف لاتے تو لازماً میرے یہاں کرم فرماتے۔ جتنا دیکھا منشی صاحب کے اوصاف کا نقش دل پر گہرا ہو گیا۔

قصبہ کاکوری اپنے بعض اوصاف میں اودھ کے دوسرے قصبات سے ممتاز رہا ہے۔ یہاں تک کہ عالمگیر کا یہ مقولہ زبان زد ہے "رمضان کاکوری"۔

یہ قصبہ جہاں تک میرا علم ہے اودھ کے تمام مشہور اور عظیم الشان قصبات میں سب سے زیادہ لکھنؤ سے قریب ہے۔ شاہی زمانہ میں علمائے کاکوری ممتاز مراتب پر سربلند و معزز رہے۔ اخیر شاہی قافلہ انگلستان مولوی مسیح الدین خاں صاحب مرحوم کی قیادت میں گیا جو کاکوری کے نامور فرزند تھے۔

باوجود اس کمال قرب کے کمال یہ ہے کہ لکھنؤ کے نامناسب اثر سے ہر طرح دُور بلکہ نفور رہا۔ تفصیل بے موقع ہوگی۔ کاکوری میں علم تھا، درویشی تھی، دانشمندی و معاملہ فہمی تھی۔ دنیاوی مراتب کی پابندی تھی۔ اور اول سے آخر تک رہی۔

منشی صاحب کے والد منشی امتیاز علی صاحب مرحوم اپنے عہد میں لکھنؤ کے ممتاز اور عالی مرتبہ وکلاء میں تھے، جنکی قانون دانی اور معاملہ فہمی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسی کے پاکیزگی اخلاق، پابندی، دینداری، زمانہ شناسی میں باامتیاز و بلند پایہ تھے۔ حضرت مولانا فضل رحمٰن قدس سرہٗ سے عقیدت و بیعت تھی۔ سرسید کی تحریک کے سرگرم حامی تھے، اور شاید اودھ میں اس جوش میں تنہا تھے۔ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

میرے محب قدیم منشی احتشام علی صاحب اسی آہنی حصار قصبہ کاکوری کے چشم و چراغ اور نامور و مستحکم آئین باپ کے فرزند۔ ان کی صفات میں دونوں کا جلوہ تھا، نیز لکھنؤ کی شائستگی کا۔ لباس میں، کھانے میں، نشست و برخاست میں، معاشرت میں، گفتگو میں پورا جلوہ شائستگی کا نمایاں بلکہ تاباں تھا۔

لباس میں وہی انداز وضع اور گری کا تھا جو عام لکھنؤ کا تھا۔ جاڑوں میں شال اور جامہ دار کے جلوے اور جو پر نظر آتے۔ گرمیوں میں جامدانی وغیرہ نگاہ کو تازگی بخشتی۔ یہی نہیں شال، جواہرات، عطر وغیرہ کی شناخت، اصلی مال و اعلیٰ کی واقفیت اور پرکھ میں اعلیٰ دماغ تھا۔ اب بھی خریدنے اور آم کا شوق لکھنؤ کے اُجڑے گھروں سے بعض نادر نمونے شال وغیرہ کے باہر لے آتے۔ جب ایسا موقع آتا میں ضرور یاد آتا۔ قریباً ہر سال شال کا کوئی نہ کوئی نادر نمونہ میرے واسطے خریدا جاتا، درست کرایا جاتا۔ اگر کنارہ حاشیہ وغیرہ کی ضرورت ہوتی، توشہ خانہ سے نکلوا کر اضافہ کیا جاتا۔ غرض پرانا ٹکڑا نیا اور عمدہ بنکر میرے سامنے آتا۔ متعدد ایسی نادر یادگاریں میرے یہاں ہیں۔

منشی صاحب کا دسترخوان قدیم مہمان نوازی، خوبی مذاق، بلند حوصلگی اور لطافت کا نمونہ ہوتا۔ برسوں دیکھا۔ [illegible] ایک معیار بلند تھا جس سے نیچے کبھی نہ گرا۔ ہر کھانا دال سے لیکر پلاؤ اور متنجن تک اپنے معیار پر ہوتا۔ جو کوئی موازنہ کر سکتے تھے کہ اس کھانے کی خوبی کا معیار کیا ہے۔ دسترخوان ہمیشہ وسیع پایا۔ عزیز، احباب، طلباء، مسافر، وارد سبھی ہوتے۔ سب کی نشست، مدارات یکساں بلا فرق ہوتی۔ کھلانے میں منشی صاحب کی شگفتگی، لطف پروری، مہمان نوازی فراق۔

آم کھانے کی صحبت ایک یادگار زمانہ صحبت تھی۔ احباب، بے تکلف کا مجمع، نادر چیدہ آموں کی کثرت، اور یہ کثرت کہ [illegible] بھگتے۔ اس مجمع کے صدر نشین صاحب کا رد بدل ترتیب سے آم کی قاشیں سب کو پہونچائی جاتیں۔ مسلسل تراش تراش کر ایک ہاتھ کی محبت و خلوص کی تاثیر سے یہ قوت بارہا دیکھی کہ مجمع کا مجمع [illegible] سیر ہو کر واپس لوٹ جاتا۔ جانا تو بڑی بات ہے بات کہنے کی تاب نہ ہوتی۔ اگر کچھ کہتا تو ہاتھ کے اشارہ کرتے کہ بولنے کی گنجائش نہیں۔ اس میں تنومند اور حریص خوراک احباب بھی ہوتے۔ غایت نفاست یہ تھی کہ بزم آرائی صرف شب کو ہوتی۔ دن میں مکھیوں کے خیال سے آم کا نام بھی زبان پر نہ آتا۔

میں نے اوپر ترتیب کا ذکر کیا تھا۔ مطلب یہ کہ آم کے اقسام پر نمبر لگے ہوتے تھے کہ پہلے کون سا تراشا جائے، اس کے بعد کون سا، علیٰ ہذا القیاس سب سے آخر میں "رشک جہاں" کا نمبر آتا، جو مجموعۂ صفات تھا۔

عادات میں منشی صاحب تکلف، تصنع، طمطراق سے بالکل پاک صاف تھے۔ اسی کے ساتھ نہایت شائستہ اور پختہ وضع۔ میں نے باون برس کی مسلسل رفاقت میں کبھی کوئی فرق عادت میں نہیں پایا۔ بے تکلف، مخلصانہ، صاف گوئی کلام میں تھی۔ رائے میں پختہ بلکہ سخت تھے۔ جو کسی رعب، طمع، یا خاطر داری سے مرعوب و اثر پذیر نہ ہوتی۔

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں!

خدا کی خدائی ہر دنیز نقد سے وسیع تر، ہر مفتی کے دار الافتاء سے وسیع تر ہے۔ جسکا قانون سنکھیا کو کبھی دارو سے شفا بنا دیتا ہے اُسی کے قانون سے یہ بھی کیا بعید ہے، کہ "زہرِ عشق" کو "تریاقِ عشق" میں تبدیل کردے! ذکر و عبادت کی جگہ صرف مسجد و خانقاہ ہی نہیں، ساری زمین کا گوشہ گوشہ ہے،

مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں!

نقشِ ثانی!

"قرآن مجید سے افسوسناک تمسخر و استہزاء"

"انبیاء کی شان میں گستاخی"

"شریعت سے تلاعب"

ان سب لرزہ خیز جرائم کا مرتکب، اور اُن صوفیوں کا ہم مشرب

"جو عشق مجازی اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں اصنامِ انسانی میں شاہدِ حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ گاہ ہنستے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اور کبھی موقع ہوتا ہے، تو انا الحق بھی کہہ اٹھتے ہیں"

آپ سمجھے، کون ہے؟ —— کوئی اور نہیں، صدق و مدیر صدق!

یہ سب نقشِ ثانی ہے۔ نقشِ اول یہ تھا، کہ مدیر صدق بُروزہے حسن بن صباح کا، اور نمونہ ہے راسپوٹین روسی کا!

زورِ قلم اسے کہتے ہیں۔ لیکن چشمِ بد دور، ابھی تو نقشِ ثالث کے لیے بہت کچھ گنجائش باقی ہے۔ مثلاً اس قسم کے عنوانات:—

"صدق نے کلمہ کی منسوخی کا اعلان کر دیا"

"مدیر صدق نے قبلہ بجائے کعبہ کے صنعاء (یمن) کے گرجے کو قرار دے دیا"

"دریابادی نے مسیلمۂ کذاب کو رسولِ برحق تسلیم کر لیا"

"آریوں کے اس خفیہ ایجنٹ نے لات و عزیٰ کی پرستش کا نیوتہ دے دیا!"

بجنور کی صداقت و صحافت زندہ باد! بجنور کی امانت و دیانت زندہ باد!

—— سنتے ہیں کہ شدتِ غیظ و غضب میں ایک منزل ایسی بھی آجاتی ہے، جب انسان کو نہ حسِ ظرافت باقی رہ جاتی ہے نہ یہ احساس رہ جاتا ہو کہ انتہائی غم و غصہ کا مضمون کہیں محض مسخرہ پن تو نہیں بنا جا رہا ہے!

ایک خان بہادر کا خط

ایک قدیم کرم فرما، جو اپنے کالج کے زمانے میں فلسفہ کے اچھے طالب علم تھے، اب محکمۂ تعلیمات میں ایک اچھے عہدہ پر ہیں۔ پچھلے جون میں انھیں خان بہادری کا خطاب ملا۔ خان صاحبی پہلے ہی حاصل تھی۔ اس پر انکا حسب ذیل عنایت نامہ موصول ہوا۔

"اصل عزت تو معزِ مطلق کی دی ہوئی ہے۔ لیکن آج کل علائق کی دنیا میں اسی جون میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو غالباً باعث مسرت ہو۔ یعنی شاہی سالگرہ کے موقع پر مجھے خان صاحب سے خان بہادر بنا دیا گیا۔ دعا فرمائیے کہ اخلاقیات کی دنیا میں بھی فلسفہ اس کے مقابلہ میں "خان بہادر" ثابت ہوں۔ کہ اس میدان میں آج کل کے میدان جنگ سے بھی زیادہ بہادری دکھانے کی گنجائش ہے۔ افلاطون کے فضائلِ اربعہ میں تو "شجاعت" کا تصور ہمیشہ میں نے جسمانی شجاعت کے بجائے، روحانی شجاعت ہی کا کیا ہے، جو شاید افلاطونی تصور ہی کے عین مطابق ہے۔"

خط خانگی تھا۔ اخبار میں صرف یہ ظاہر کرنے کو درج کیا جا رہا ہے، کہ ہر خان بہادر، ہر خطاب یافتہ ایک طرح کا نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ایک ہیٹ پوش، فلسفی مزاج، خان بہادر بھی مسلمان کا قلب اپنے پہلو میں رکھ سکتا ہے۔

آپ بیتی کے لیے اصرار

ایک ندوی اہل قلم لکھتے ہیں:—

"آپ بیتی کے سلسلہ میں جناب نے ابھی جو کچھ تحریر فرمایا، اس سے امیدوں کا سارا قلعہ منہدم ہو گیا۔ قافلہ گزرتا ہی رہتا ہے، اور رستے بھٹکنے والے بھی رہ جاتے ہیں۔ معاندین کے ہفوات کی آپ پرواہ ہی کیوں کریں۔ بس لکھنے والے ہی کے قلم میں سکت ہونا چاہیے، اور وہ خدا کے فضل سے موجود ہی ہے۔ اگر کچھ کان نہیں سننا چاہتے تو نہ سنیں۔ کچھ زبانیں گل افشانیٔ گفتار کا جوہر دکھانے کے لیے مچل رہی ہیں، تو مچلا کریں۔ اصولاً میں بھی اسکا قائل ہوں کہ خود نوشت سوانح عمری ایک آئینہ ہونا چاہیے کہ جس میں صاحب کتاب کی زندگی، سیرت، کردار، اور عہد بہ عہد کے انقلابات و تغیرات بالکل نمایاں و واضح ہوں۔ مفید تو ایسی ہی سوانح عمریاں ہو سکتی ہیں۔ آخر گاندھی جی نے "تلاشِ حق" میں اپنے لیے کیا کچھ نہیں لکھ ڈالا ہے؟ لیکن کیا اس سے انکی عظمت کچھ کم ہو گئی؟ جو انھیں مانتے تھے، وہ پہلے سے زیادہ ہی ماننے لگے، بلکہ مخالفین تک نے انکی اخلاقی جرأت کی داد دی۔ بہر حال آپ جتنے حصے حذف کر دیں (اگرچہ یہ میری ذاتی رائے نہیں) — آپ بیتی صرف انہیں واقعات کا مجموعہ تو نہیں ہوگی، اس میں تو سب ہی کچھ ہوگا، اور وہ سب کچھ کسی نہ کسی پہلو سے، ہر اعتبار سے پڑھنے والوں کے لیے سبق آموز ہی ہوگا۔ آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیے، اپنے اس فیصلہ کو قطعی نہ سمجھیے، اور یہ مفید کارآمد سلسلہ جلد از جلد شروع فرما دیجیے۔"

مطالبہ ایک حد تک بجا سہی۔ لیکن بہر حال فرصت کی ضرورت تو اسکے لیے بھی ہے۔ اور ابھی تو کلام مجید کی مکمل تفسیر اردو اور انگریزی کے علاوہ اور بھی کئی کام قرآن مجید ہی کے سلسلہ کے پیش نظر ہیں۔ بعض دوسری اور نسبۃً چھوٹی، لیکن بہر حال وقت طلب، [illegible] ان پر مستزاد۔

گھٹ چلا ہے، تیزی سے گھٹ چلا ہے! ——— کیا ہوا اگر رنگِ چمن دیکھ کر کبھی بلبل کے دل میں بھی تمنا پیدا ہو جائے، کہ کاش میرا شمار بھی فلاں معلوم: صرف زیادہ پسند پرند کے ساتھ ہوتا! قصور بلبل کا نہیں، صرف رنگِ چمن کا ہے!

ارشاد ہوا ہے: خوب، "تحدی" و بارزت طلبی کے دم خم کے ساتھ، کہ پیام نے بے حیائی یا فحش یا فلمی بیسوائی کی حمایت بھلا کب کی ہے؟ —— یقیناً کبھی نہیں، ٹھیک اسی طرح کہ جیسے کوئی مومن ساری عمر توحید کی شہادت دیتا رہے، اور آخر میں کہے، کہ میں نے لات و عزّیٰ کی خدائی سے انکار کب کیا ہے؟ جو پیشرا اور اپولو کی بندگی سے منہ کب موڑا ہے؟ یا عمر بھر رسالتِ محمدی کا کلمہ پڑھتا رہے، اور آخر میں پوچھے، کہ میں نے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کا اقرار کب اور کس کے سامنے کیا تھا؟ ——— گزارش یہ ہے کہ مسلکِ تجدد کے اور معنی ہی کیا ہیں؟ بجز اسلامی نام کی قید کے ساتھ ساری زندگی کو فرنگی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے؟ اور تجدد اگر تفرنج کے مرادف نہیں، تو پھر اسکا مفہوم ہی کیا باقی رہتا ہے؟ تجدد کا قدم تو جہاں بھی پہونچیگا، خواہ وہ ٹرکی ہو یا مصر یا افغانستان یا ہندوستان، جلو میں پہونچیگا ایک طرف اسکول اور کالج، اور لائبریری اور ریڈیو، اور لاٹری اور بینک کے، اور دوسری طرف "روشن خیالی" و "آزادی" نسواں کے، کنسرٹ اور آپیرا کے، کارنیوال و سینما کے، تھیٹر کے پردوں اور عورت کی بے پردگی کے، فلمی بے حیائی اور فلمی بیسوائی کے! یہ سب کچھ اگر نہیں، تو تجدد، تجدد ہی نہیں، عین اسلام ہی نہ ہو جائے، اور پیام، پیام کیوں باقی رہے، صدق ہی کا دوسرا نام نہ پڑ جائے! ———

تو حضورِ والا! اب سوال صفحہ اور سطر، لفظ و حرف کا نہیں رہتا، بلکہ نفسِ مسلکِ پیام و دعوتِ پیام کا رہ جاتا ہے۔ پیام نے اپنی ۱۵ سالہ زندگی کے ہزارہا صفحات میں تبلیغ جتنی بار بھی اپنے مسلکِ تجدد کی کی، یقین فرمائیے، کہ اتنی ہی بار دعوت دی، لاطینی رسم خط کی، الغاء خلافت کی، بینک سازی اور سود خواری کی، کارنیوال، گھوڑ دوڑ اور قمار بازی کی، عورت کی بے حجابی اور بے نقابی کی، اور سب سے اول یا سب سے آخر، اپنے سلسلہ ترتیبی میں کسی نہ کسی نمبر پر، فلمی بے حیائی اور سینمائی بیسوائی کی!

صدق نے عرض کیا تھا کہ آخر کس دوسرے لیڈر کی بہو بیٹیاں اسٹیج پر آکر ناچی تھرکی ہیں؟ غیروں سے انکا عشق لاکھوں کروڑوں کے سامنے انکی بولتی چالتی تصویروں نے کیا ہے؟ نامحرموں کو اسی بھرے مجمع میں اپنا شوہر کہکر مخاطب کیا ہے؟ اور پھر بھی اُنکے قبلہ و کعبہ بے غل و غش، قوم کی لڑکیوں کی تعلیم کی باگ اپنے ہاتھ میں لیے رہے ہیں؟ ——— آپ نے سوال کے اہم ترین یعنی آخری جزو کو بالکل حذف کر کے ارشاد فرما دیا ہے کہ

"میرے ساتھ بمبئی کے تاج محل یا دہلی کے میڈنس میں کسی ڈانس ہال میں تشریف لے چلیے، اور پھر گننے جائیے"

گویا رنگو کا سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے میں نے کوئی سفر دہلی یا بمبئی کا کیا تھا! یا تینا کو جاننے پہچاننے کے لیے میں نے کبھی ہوٹل یا کلب کے

پرائیویٹ کمرہ کو شیشہ اور دروازے جا کر جھانکا تھا! ——— جن کو کہتے ہیں فن کی اصطلاح میں قیاس مع الفارق، اور علم محاورہ میں "سوال از آسمان جواب از ریسمان"

یا "کہیں زمین کی، تو کہیں آسمان کی!"

مسلمان آج اپنے گھروں پر چھپ چھپا کر پہننے والے مدرسوں میں لگے ہوئے کیا ان سب کی وقعت اور اُس مشہور امام جامع مسجد کی حیثیت جیسے لڑکے مستقل شراب خانوں کے مالک ہوں، اور اپنی شراب نوشی و شراب فروشی دونوں کا اشتہار دھوم دھام سے دے رہے ہوں، تجدد کی عدالت میں ایک ہے؟ کیا جامع مسجد کے ایسے امام صاحب سے یہ فرمائش کچھ بیجا ہوگی، کہ حضرت! آپ لڑکوں کو نہیں روک سکتے تو منصبِ امامت سے علیحدہ ہو جائیے۔ یا اگر اتنا بھی طبیعت پر بار ہو رہا ہے، تو لڑکوں سے اپنی بے تعلقی کا اعلان تو شایع ہی کر دیجیے! یا کیا یہ جواب سُن لیا جائیگا اور قبول کر لیا جائیگا، کہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں، فلاں شہر اور فلاں قصبہ کے رئیس کے فلاں فلاں لڑکے بھی تو اپنے اپنے خلوت خانوں میں یہ فعل کر لیا کرتے ہیں؟ ——— کیا کوئی جرم اچھا تا اور چوری چھپے کر گزرنا، اور اُس بھرانہ زندگی کو اپنا مستقل پیشہ بنا لینا، اور ان جرائم پر ڈھٹائی کے ساتھ فخر کرنا تجدد کے منشور تعزیرات میں ہم سطح اور ہم درجہ ہیں؟

مجھ "سادہ لوح" کو کیا خبر کہ کسی کے نجی یا نیم خانگی شبستانِ عیش کے اندر، رات کے اندھیرے میں اور بجلی کی روشنی کے اندھیرے میں، کیا کیا ہوتا ہے [illegible] کی رہبری و رہنمائی یقیناً بہت سی نا رفتنی راہوں اور ناستوں کو میرے لیے [illegible] رفتنی بنا سکتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی پیشکش بہت وہی بلیغ و دلکش۔ لیکن یقین فرمائیے کہ کسی چھپی ہوئی فاسقہ فاجرہ کے تجسس کے لیے سفر کرنا خواہ وہ دہلی کا ہو یا بمبئی کا، میرے مذہب میں جائز ہی نہیں۔ دہلی اور بمبئی، دریاباد سے بہت قریب ہی، لیکن اس غرض و مقصد کے ساتھ سفر کرنے کے لحاظ سے تو دور ہی نہیں، بہت بہت دور ہیں! ——— دریاباد کی "پردہ پوشی اور رواداری کے احساس" کا گلہ، اور پھر شاید اسی سطر میں ایک "بے پناہ احتساب کی شدت" پر احتجاج! اگر کوئی ادبی رعایت، کوئی نئی صنعتِ طباق ہے، جب تو خیر، ورنہ مفہوم تو ہم عامی نیاز مندوں کی گرفت سے باہر ہی رہا۔

مقطع کا بند، اور شکایت کا نچوڑ یہ ہے کہ صدق نے "ان غلط کاریوں" اور اُنکے "بہکانے والے" کا نام خواہ مخواہ اُچھال کر "ہزاروں لاکھوں تک" پہونچا دیا" ورنہ اب تک تو "شاید تھوڑے ہی سے لوگوں کو معلوم تھا!" ——— دعوے میں اگر مبالغہ ہے تو صرف اسی قدر، کہ مبتدا کو خبر کر دیا گیا ہے، اور خبر کو مبتدا کے مقام پر رکھ دیا گیا ہے، یا علت و سبب کو نتیجہ قرار دیا ہے، اور جو نتیجہ و معلول تھا، اُسے ذریعہ سبب کا دے دیا ہے! اجی حضرت، یہ صدق غریب کے قلم میں قوت کس دن تھی، کہ مجہول کو معروف بنا دے؟ اور جسے کوئی نہیں جانتا، اُسے سب کو پہچنوا دے! صدق نے تو ذکر ہی اُس وقت، جب تشہیر ہزاروں لاکھوں تک ہو چکی تھی، جب تاج محل اور

دجال، مہدی و قیامت

ذیل کا مکتوب پنجاب کے ایک انگریزی تعلیم یافتہ عہدہ دار کا جو اس وقت علاقۂ ایران میں ہیں، ایک دوست کے توسط سے کچھ روز ہوئے وصول ہوا تھا:—

کل اتفاق سے الفضل کا ایک پرچہ ہاتھ لگ گیا۔ اس میں ایک مضمون فتنۂ دجال پر تھا۔ پہلے بھی کئی بار اسکے متعلق پڑھا ہے مگر غور کیے بغیر گزر گیا۔ لیکن کل کچھ اسکے متعلق سوچتا رہا۔ مسند احمد جلد پنجم کی کسی ایک حدیث کا حوالہ تھا۔ دجال انگریزوں کو ثابت کیا ... تھا۔ انگریزوں کی شکل و شباہت، رنگ روپ، انکی تہذیب اور بود و باش، اسکا ذہنی ارتقاء وغیرہم کو دلائل کے طور پر پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کوشش کی ہوئی تھی کہ جس دجال کا ذکر مندرجۂ بالا حدیث میں ہے وہ انگریز ہی ہے۔ اسی لیے قیامت کا سب سے بڑا آثار ہو تو وار ہو چکا ہے۔ یاجوج و ماجوج کے متعلق بھی اشارہ تھا کہ عنقریب وہ بھی دکھائی دینگے۔

اس حدیث کے کچھ اور حصے امام مہدی کے متعلق بھی تھے گویا کہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

خیر! یہ تو سب کچھ ہوا۔ میرا یہ خط لکھنے سے مقصد صرف اتنا ہے کہ اس موضوع پر کچھ روشنی ڈلواؤں۔ دراصل [illegible] سے تو اتنی واقفیت نہیں کہ خود کسی نتیجے پر پہونچ سکوں۔ [illegible] جو تھوڑا کچھ پڑھا ہے اسکو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ تمام باتیں بہت عجیب سی معلوم ہوتی ہیں۔ قادیانیوں کے اگرچہ اختلافوں سے میں ناواقف نہیں ہوں تاہم جب وہ ایسی باتیں کرتے ہیں تو کبھی کبھی سوچنا پڑ جاتا ہے۔ ترجمان القرآن میں مولانا [ابو الکلام] نے تین جا بجا قیامت کے ذکر میں حاشیے لکھے ہیں۔ ایک جگہ تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ جو قصے کہانیاں قیامت کے آثاروں کے متعلق بنگئی ہیں بالکل جھوٹ ہیں۔ دراصل قیامت کے متعلق قرآن تو کہتا ہے کہ یہ ایک اچانک حادثہ ہوگا۔ لفظ اچانک کا ترجمہ مولانا نے "قاموس" کے مطابق درست کیا ہے۔ اچھا تو اگر یہ حادثہ اچانک ہی نمودار ہوتا ہے تو اچانک فعل کے لیے جس طرح مولانا نے لکھا ہے پہلے متنبہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر متنبہ کرنا تھا تو حادثہ کو اچانک کہنے سے کیا مراد؟

اگر یہ سب کچھ ہے تو پھر قادیانی اور دیگر فرقے کیوں اس قسم کی حدیثوں کے حوالے دے دے کر تاویلیں کرتے ہیں۔ آخر بے شک تو حدیث یہ نہیں گھڑ سکتے۔ حوالہ بھی مسند احمد کا دیا ہے۔ اگرچہ پڑھی تو تمام میں نے نہیں لیکن نام تو اسکا ایک سند کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اور پھر امام مہدی والا قصہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ اسکے متعلق بھی کچھ یاد ہے۔ مولانا ابو الکلام تذکرہ میں کسی جگہ ذکر کرتے ہیں۔ لیکن انکی تفصیل رد نہیں کرتے، یعنی اس سے انکار نہیں کرتے۔ گویا اس حدیث میں کچھ حقیقت ضرور ہے۔ صرف یہ کہکر ختم کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی آنے والا ہو تو بچشم۔ ہمیں اپنے اعتقاد اور اعمال کا نگہبان رہنا چاہیے۔ انکے آنے سے ہمارے ایمان میں کچھ فرق نہیں آئیگا اور نہ ہی نجات پر کچھ اثر پڑیگا۔ لیکن ادھر یہ ہیں کہ منادی کر رہے ہیں کہ اگر ایمان نہ لایا جائے تو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ عجیب معمہ ہے۔ کل سے عجیب شش و پنج میں ہوں کہ اگر "سخت" توقیف ہوا تو رہائی ناممکن ہے بہتر ہے کہ ابھی سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ ہے دراصل میری مشکل جسکی وجہ سے خط ارسال کر رہا ہوں۔"]

تحریر بجنسہ ایک ندوی فاضل مولوی محمد اویس نگرامی سلمہ (رفیق دار المصنفین، اعظم گڈھ) کے پاس بھیجدی گئی تھی۔ موصوف نے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا، اُسے ذیل میں ملاحظہ فرمایا جائے:—

دجال کے متعلق صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد کی صرف پانچویں جلد نہیں بلکہ پہلی سے لیکر چھٹی جلد تک ہر جلد میں اسکا تذکرہ موجود ہے۔ استفسار میں پانچویں جلد کا حوالہ ہے۔ اس جلد میں تقریباً ۱۶، ۱۷ جگہ پر دجال اور اُسکی ہیئت وغیرہ کا ذکر ہے۔ مسند کی ان احادیث میں زیادہ تر وہی باتیں ہیں جو دوسری کتب احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ دجال، یاجوج ماجوج اور مہدی وغیرہ سے قادیانی نبوت کو بہت گہرا تعلق ہے اسی لیے یہ حضرات ان احادیث بلکہ آیات قرآنی میں بھی تحریف اور تاویل باطل کا پورا زور صرف کر ڈالتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے کو مسیح موعود کہتے ہیں اور احادیث میں نزول مسیح کا وقت قیامت کے قریب بتلایا گیا ہے۔ دجال یاجوج و ماجوج اور مہدی بھی اسی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسکا لیے اب جبکہ مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کے مدعی ہیں تو دجال یاجوج ماجوج اور مہدی کا ظہور بھی ضروری ہوا۔ ان مشکلات کا انھوں نے یہ حل نکال لیا کہ مہدی کے متعلق فرما دیا کہ مسیح اور مہدی دونوں ایک ہی ہیں۔ یعنی میں ہی مہدی ہوں اور میں ہی مسیح ہوں۔ حالانکہ حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ دونوں الگ الگ جداگانہ شخصیتیں ہیں۔ امام مہدی کے جو فضائل وارد ہیں، اُن سے قطع نظر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہونگے (ابو داؤد)۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں لا مہدی الا عیسیٰ وارد ہوا ہے، یہ حضرات اسے استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اولاً یہ حدیث ضعیف ہے (حجج الکرامہ [illegible]) دوسرے بقیہ احادیث کے پیش نظر علماء نے اسکی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ مثلاً کمال تشابہ کی بناپر دونوں ایک معلوم ہونگے — وغیرہ۔

مہدی سے یوں چھٹی ملی، دجال اور یاجوج و ماجوج کا حل [illegible]

ان لوگوں نے یہ نکالا کہ ان دونوں کو بھی ایک قرار دیا اور کہا کہ دجال اور یاجوج ماجوج الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہیں۔ نیز یہ کہ یورپین اسکی مصداق ہیں۔ اس سلسلہ میں آیاتِ قرآنی کو تحریف کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی سورۂ کہف میں اصحاب الکہف والرقیم سے مراد انگریز ہیں اور کہف اور رقیم انگریزوں کی دو زندگیوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہف اس قوم کی ابتدائی زندگی ہے جبکہ یہ وحشت اور بربریت میں مبتلا تھے۔ اور رقیم سے مراد انکی موجودہ تمدنی زندگی ہے۔ اور یہی لوگ یاجوج ماجوج ہیں۔

یہ استنباط جو کسی دلیل اور قرینہ کے بغیر کیا گیا ہے اسکی تردید کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ہر صاحبِ فہم پر اس استنباط کی حقیقت خود بخود نمایاں ہے۔ اصحاب الکہف والرقیم کا واقعہ ایک [illegible] کا واقعہ ہے۔ آثار قدیمہ کے انکشافات اس واقعہ [illegible] کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

مسند احمد بن حنبل اور دوسری کتب احادیث میں دجال کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے، اسکا تعلق ایک متعین شخصیت اور فرد واحد سے ہے (فتح الباری۔ ج ۱۳ ص[illegible]) اور یہ حضرات غلط تاویلات اور تحریفات کے ذریعہ ان علامات کو انگریز قوم پر منطبق کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح مرزا قادیانی کی نبوت کو تکمیل تک پہونچاتے ہیں۔

فتنہ دجال کے متعلق کتب احادیث میں جو کچھ مذکور ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص قوم یہود میں سے نکلیگا اسکا لقب مسیح ہوگا۔ داہنی آنکھ کور ہوگی۔ شام اور عراق کے درمیان ظاہر ہو کر نبوت کا دعوے کریگا۔ ستر ہزار یہودی اسکے تابع ہونگے پھر خدائی کا دعوے کر بیٹھے گا۔ اسکے ساتھ ایک آگ ہوگی جسکو یہ دوزخ کہیگا۔ مدینہ منورہ جانے کا قصد کریگا مگر وہاں جا نہ سکے گا۔ اسکے بعد وہ دمشق جائیگا وہاں امام مہدی سے جنگ ہوگی۔ اسکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

مسیح دجال کا بجائے قوم اور جماعت ہونے کے ایک شخص واحد ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام جنھوں نے زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنۂ دجال کے متعلق سنا تھا وہ اسکو شخص واحد ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن صیاد کے متعلق معلوم ہے کہ بعض صحابہ کو شبہہ ہوا تھا کہ شاید یہی وہ دجال ہے جسکے متعلق خبر دی گئی ہے!

باقی رہا یہ شبہہ کہ قیامت اچانک آ جائیگی، اس لیے قیامت کے یہ علامات اور آثار کیسے؟ تو یہ بہت صاف ہے یعنی نفس وقوع قیامت تو اچانک ہوگا۔ البتہ اسکے آثار و علامات [illegible] ہیں۔ جن میں سے اکثر کا ظہور ہو چکا ہے اور اکثر ابھی باقی ہیں۔ اس موضوع پر نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی دو کتابیں حجج الکرامہ فی آثار القیامہ اور الاذاعہ لما کان و یکون بین یدی الساعہ بہت عمدہ ہیں۔ قرب قیامت کے بیشمار آثار صحیح احادیث میں وارد ہیں۔

صدق۔ احادیث دجال، مسیح موعود و مہدی کے متعلق عجیب عجیب خیال آرائیاں اور موشگافیاں ایک عرصہ سے ہو رہی ہیں۔ مولوی محمد ادریس صاحب کا مضمون تحقیقی حیثیت کا ہے اور عقائد اہل سنت کی ترجمانی میں ایک مرتبۂ استناد رکھتا ہے۔۔۔

صفاتی و تشبیہی اعتبار سے دجال ہر زمانہ میں حسب اصطلاح کتنے پیدا ہو چکے ہیں، پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جس کسی میں صفات دجال کا ظہور کسی درجہ میں پایا جائیگا اسے مجازاً دجال کہا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں میں اور اس متعین شخصیت قرار دینے میں جسکی بابت حدیث میں پیشگوئیاں آئی ہیں، زمین و آسمان کا فرق ہے ـــــ حسن دجال آج جس میں بھی پایا جائے، اسے یوسف وقت، یوسف ثانی کہہ سکتے ہیں، ہر حاذق طبیب پر مسیح وقت، مسیح الملک کا اطلاق کر سکتے ہیں، ان میں سے کسی کو یوسف بن یعقوب اور پیمبر عیسیٰ بن مریم سمجھ لینا خود اپنی عقل و فہم پر ظلم کرنا ہے۔

"نیا ادب"

نئے ادب کا ایک "اسرائیلی شاہکار" ملاحظہ فرمائیے:—

تیری لہراتی ہوئی زلفوں کے نغموں کی بہار
جیسے اُڑتی ہوئی ہو دُم
یا کسی کوّے کے پر
اور وہ کوّا کہ جسکے پر پہ [illegible] ہے
ساز عشرت [illegible]
اور ترا نو[illegible]
مرمری ساز میں جس طرح ہوں تاباں نغمے
اس طرح حسن ترا
گاتا ہے اور روتا ہے
میری حالت پہ تو روتا اسے آتا ہی نہیں
اور پھر روتا ہے کیوں؟
کچھ تو مجھکو بھی بتا
کیا مری شاعری جو ساغر و دل کی ہے شراب
اختر صبح کا نور
اور شبابوں کا نچوڑ
کیا اسی پہ ہی تجھے آتا ہے رونا ہر دم
سچ اگر ہے یہ بتا؟
اور گاتا کیوں ہے
کیا ترے گیت میں بھی درد ہے مجنوں کی فغاں
مجھکو بھی درد سنا دے
تیری لہراتی ہوئی زلفوں کے نغموں کی بہار

(از [illegible])

مطبوعہ صدق [illegible] پرنٹنگ پریس لکھنؤ باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر

کہ اس طرف پھر علالت کا سلسلہ ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت مجسم پر رحم فرمائے۔ یہ دم جتنی گھڑی بھی ہے بس ایک رحمت ہے"

اس میں کیا شک ہے۔ حضرت مولانا کی علالت اسوقت تک بحمد اللہ کچھ ایسی زائد تو نہیں، لیکن حضرت دامت برکاتہم (اللہ ان کی عمر میں بیش از بیش برکت عطا فرمائے) جس عمر کی جس منزل میں ہیں، اُس میں ہر معمولی سی علالت بھی ہر وقت خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تشویشناک روز افزوں ضعف ہے۔ بے بس بندوں کے اختیار میں بجز دعا کے اور ہے کیا۔ لیکن دعا خود بھی بڑی پُرقوت شے ہے۔ ہزاروں ہاتھ اگر ایک ہی وقت میں مخلصانہ دعا کے لیے بلند ہو جائیں، تو عجب کیا کہ ہر فانی انسان کے لیے اجل وقت ابھی مدت دراز کے لیے ملتوی ہو جائے!

ملحد کی بلند پروازی!

لاہور کے مشہور ماہنامہ کتاب (جون ۵۲ء) کے مضمون "روس میں مذہب اور لامذہبیت کی کشمکش" کا اقتباس :-

"حکومت کی طرف سے مذہب کے خلاف جو پروپیگنڈہ شروع کیا گیا تھا، وہ زیادہ تر ظاہری تھا۔ مذہب کی مخالفت میں عام طور پر جو دلیلیں دی جاتی تھیں، وہ اتنی بودی تھیں کہ لوگوں پر انکا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر روس کے ایک ممتاز اخبار میں روسی ہوا بازوں کا ایک بیان چھپا کہ ہم نے فضا میں اونچا اڑ کر دیکھا، وہاں تو ہمیں کوئی خدا نظر نہیں آتا۔" (ص۹)

آخری سطریں پڑھ کر فرعون کا وہ قول یاد پڑ گیا کہ ہامان! ذرا ایک خوب اونچا سا محل تو تعمیر کرا، کہ میں اُس پر چڑھ کر ذرا دیکھوں تو موسیٰ کے خدا کو! فاوقد لی یاہامٰن علی الطین فاجعل لی صرحًا لعلی اطلع الی الٰہ موسٰی وانی لاظنہ من الکاذبین۔ اور وہ روایتیں بھی یاد پڑ گئیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قرب قیامت میں کچھ لوگ آسمان والے کے مقابلہ میں صف آرا ہو کر آسمان پر تیر چلائیں گے، اور آسمان سے انکا تیر خون آلود واپس کر دیا جائیگا، کہ وہ خوب جی بھر کر خوش ہو لیں! —— کتنا قریب آگیا وہ وقت موعود، اور کیسی لوٹ آئی وہ فرعونی اور ہامانی ذہنیت!

غیر معصوم شخصیتیں

عقائد اہل سنت میں ایک مستند و مسلم کتاب مُلا علی قاری کی شرح فقہ اکبر ہے، اور فقہ اکبر خود امام ابو حنیفہؒ کی جانب منسوب ہے۔ یہ نسبت صحیح ہو یا نہ ہو، بہرحال اُسکی یہ شرح معتبر و مستند ہے۔ اس میں ایک مقام پر صراحت کے ساتھ ہے،

اعلم ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم مع نزاہتہ علمہم وطہارۃ قلوبہم کانوا بشرًا وکانت لہم نفوس (ص۹۶)	صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باوجود اپنی باطن کی صفائی اور قلب کی پاکیزگی کے بہرحال انسان ہی تھے۔ نفس آخر انکے بھی تھا۔

(مطبع سلفی - بمبئی)

بات بالکل ہر معمولی سی ہے اور الحمد للہ ہر سُنی کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن اسی کا استحضار اگر ذہن کے سامنے رہے تو بیسیوں سوالات ختم ہو جائیں، اور سیکڑوں اشکالات کا حل ہو کر رہے —— معصوم تو صرف ذات حضرات انبیاء کی ہوئی ہے، اسکے بعد اگر کسی اور کی ہو سکتی تھی، تو وہ حضرات صحابہ ہی تھے۔ جب وہی غیر معصوم ہیں، تو بعد کے کسی بزرگ کا کیا ذکر۔ فلاں ولی اور فلاں عارف، فلاں بزرگ اور فلاں مرشد، سب اپنی اپنی جگہ قابل تعظیم و مستحق تکریم ہیں، لیکن کسی کے لیے زیادہ کرید میں پڑ جانا، کہ اس سے فلاں فلاں فعل کا صدور کیسے ہوا؟ خود ایک بے معنی سا سوال ہے۔ لوگ زبان سے تو غیر معصوم کہہ دیتے ہیں، لیکن خوش عقیدگی کی افراط عملاً انھیں معصوموں ہی کے درجہ پر رکھتی ہے۔ صدق میں کتنی بار سوالات اسی قسم کے، بزرگان سلف سے متعلق آچکے ہیں۔ یہی ذہنیت ان سوالات کے عقب میں کارفرما ہے۔

عناد کی انتہا

صدق۔ مئی (مورخہ ۱۲ جون) میں عبارت ذیل نقل ہوئی تھی :-

لا محذور فی شہود مجامع اہل الباطل لمصلحۃ دینیۃ ولا تسمح بہ نفوس الطالبین للجاہ من علماء الظاہر۔	اگر کوئی دینی مصلحت ہو تو اہل باطل کے جلسوں میں جانا بالکل جائز ہے۔ البتہ بعض طالب جاہ علماء اسے (بوجہ خلاف وضع ہونے کے) کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔

اس پر ایک بڑے "خوش فہم" اور شاید اس سے بھی زیادہ "خوش نیت" بزرگ کا "دیانتدارانہ" تبصرہ :-

"دریابادی صاحب نے کسی صوفی کا قول بے حوالہ کے نقل کرکے یہ ثابت کرنا کہ وہ شریعت ظاہرہ اور علمائے ظاہر کے پابند نہیں، لیکن انکا مشرب اُن صوفیوں کا مشرب ہے جو عشق مجازی اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں اصنام انسانی میں شاہد حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ وہ گانا سنتے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں اور کبھی موقع ہوتا ہے تو ارتکاب بھی کر بیٹھتے ہیں۔"

اس نہایت دیانتدارانہ تبصرہ پر سلسلہ نقل کی ہمت تو کیے، البتہ اگر کبھی انہیں توفیق ہو، تو صرف اتنا سن لیا جائے، کہ یہ "کسی صوفی کا قول" اور مستحق صد تشکر ہزار ملامت قول، کسی اور کا نہیں، وقت کے سب سے بڑے عالم ربانی اور شیخ طریقت یعنی حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کا ہے! —— تو گویا یہ سارے فتوے اور خطابات جو گردن زدنی مدیر صدق کے لیے تجویز ہوئے تھے، وہ سب خود بخود منتقل ہوگئے حضرت مولانا کی طرف! ——

ضد، بغض، عناد کے یہ آخری حدود ہیں!

واعظ دلیل لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے!

ایک بیجا شکایت

پیغام صلح کے تازہ پرچہ سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کو بڑی شکایت اسکی ہے کہ اُنکے امیر جماعت مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا ذکر مدیر صدق نے اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں کیوں نہ کیا۔ اور یہ ذکر نہ کرنا صداقت سے اخلاقی جرأت کے

(باقی [illegible])

سورۂ بقرہ ع ۱۳ و ۱۴

(بہ سلسلۂ صدق منطوقا قبل)

بقیہ (۱۱۱) قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین ۔	آپ کہہ دیجیے، اپنی سند لاؤ، اگر تم سچے ہو ۳۹۲
۱۱۲ بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وہو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۔	ہاں البتہ جو کوئی اپنا رخ جھکا دے اللہ کے آگے ۳۹۳، اور وہ مخلص بھی ہو ۳۹۴، تو ایسے کے لیے اسکا اجر ہے اسکے پروردگار کے پاس اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہونگے ۳۹۵ ۔
۱۱۳ وقالت الیہود لیست النصاریٰ علیٰ شیء وقالت النصاریٰ لیست الیہود علیٰ شیء وہم یتلون الکتاب، کذلک قال الذین لا یعلمون	اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں ۳۹۶، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں ۳۹۷، درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں ۳۹۸، اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے جو علم نہیں رکھتے ۳۹۹، ان ہی کا سا قول جو کچھ بھی
مثل قولہم، فاللہ یحکم بینہم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون	علم نہیں رکھتے ۴۰۰ ۔ سو اللہ انکے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردیگا، اُس بات میں جس میں وہ جھگڑتے رہے تھے ۴۰۱

۳۹۲ اپنے اس دعوے میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے) ۔

پیمبر علیہ السلام کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ اہل کتاب سے کہیے کہ خالی زبانی دعووں اور خیالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو، تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ ۔

۳۹۳ یعنی نجات کا صحیح قانون تو یہ ہے جو اب بیان ہو رہا ہے ۔

بلیٰ نفی و تردید ماسبق کے لیے ہے ۔ یعنی تمہارا دعوے غلط محض ہے ۔ صحیح قاعدہ یہ ہے جو آگے آرہا ہے ۔

۳۹۴ یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہو جائے بلا آمیزش شرک ۔

اسے اخلص نفسہ لہ لا یشرک بہ غیرہ (کشاف)

وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں ۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد عین ذات سے ہوتی ہے ۔ ربما عبر من الذات بالوجہ (راغب)

۳۹۵ اپنے اس ایمان و اعتقاد میں)

یعنی اُسکا عمل بھی اُسکے عقیدہ کے مطابق ہو ۔ گویا ایمان و حسن عمل دونوں جمع ہوں

۳۹۶ خوف واندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے، اور حزن وغم ماضی کے واقعات پہ ہوتا ہے ۔

ذکر قیامت کا ہے، کہ اُس روز اہل ایمان و طاعت نہ اپنے ماضی پہ حسرت و تاسف کرینگے، نہ آئندہ کے لیے دہشت زدہ ہونگے ۔

۳۹۷ یعنی اُنکا دین تمامتر باطل ہے ۔ قوم یہود عقیدۃً بہرحال موحد تھی ۔ نصرانیت کا شرک اور تثلیث وہ برداشت ہی نہیں کرسکتی تھی ۔ اور نہ اسکی قائل ہو سکتی تھی کہ ایسے گرے ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہو سکتی ہے

ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی

۳۹۸ یعنی انکا دین تمامتر باطل ہے شریعت موسوی و دین یہود سے متعلق تذکرہ انجیلوں میں الفاظ ذیل میں ملتا ہے :-

"آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے" (گلتیوں ۔ ۲ : ۱۶)

"شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہریگا" (ایضاً ۲ : ۱۶)

"راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا"

(ایضاً ۲ : ۲۰)

ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی)

۳۹۹ یعنی صحائف انبیاء اسرائیل ۔ انھیں کے مجموعہ کو آج عہدنامۂ عتیق کہتے ہیں ۔ یہود و مسیحی دونوں اسکے الہامی ہونے کے یکساں قائل ہیں ۔

الواو للحال ۔ والکتب للجنس (کشاف)

افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ انھیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں سے بھی اہل حق نے گروہ در گروہ ہوکر ایک دوسرے کی تحقیر بلکہ تضلیل شروع کردی ہے ۔ شافعیہ حنفیہ کو حقیر سمجھنے لگے اور چشتیہ و نقشبندیہ کے نزدیک ہدایت انھیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہوکر رہ گئی ۔

۴۰۰ (وحی و نبوت کا) ۔ وہ یہ کہنے لگے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں ۔

یہ کہنے والے کون تھے؟ عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لیے گئے ہیں ۔ اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جسکی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو، اسکے تحت میں آجاتے ہیں ۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے ۔

من ذلک مشرکی العرب لانہم لم یکونوا اہل کتاب فنسبوا الی الجہل ونفی عنہم من اجل ذلک العلم (ابن جریر) اے الذین لا علم عندہم ولا کتاب کعبدۃ الاصنام والمعطلۃ ونحوہم (کشاف) وہم مشرکوا العرب فی قول الجمہور (روح)

۴۰۱ فیصلہ سے عملی اور حسی فیصلہ مراد ہے ۔ ورنہ جہاں تک دلائل وشواہد کا تعلق ہے، حق و باطل، کفر و ایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے ۔

بینہم سے مراد ہے ایک فریق اہل حق و ایمان کا، اور دوسرا گروہ اہل باطل و کفر کا ۔

یقضی بین المحق والمبطل (معالم) یحکم بین المحق والمبطل (کبیر)

۴۰۲ (جیسا کہ مشرکین مکہ نے عین حرم کعبہ میں ذکر و عبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا ۔ خصوصاً واقعۂ حدیبیہ میں ۔ نزلت فی المشرکین حین حالوا بین رسول اللہ صلعم یوم الحدیبیۃ وبین ان یدخل مکۃ (ابن جریر ۔ عن ابن زید)

ترجمہ	آیت
اور بڑا ظالم اس سے بڑھ کر اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اسکا نام لیا جائے اور اسکی بربادی میں کوشش کرے۔ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر (ہاں یہ کہ) ڈرتے ہوئے۔ انکے لیے دنیا میں (بھی بڑی) رسوائی ہے، اور رسوائی ہے، اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔	۱۱۴ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعٰی فی خرابھا اولٰئک ماکان لھم ان یدخلوھا الا خائفین۔ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم۔

بعض نے مراد بیت المقدس سے لی ہے کہ رومی بادشاہ طیطانوس رومی کے عہد میں، رومی مشرکین نے یہود اہل توحید کو یاد و ذکرِ الٰہی سے روک دیا تھا۔

بہر حال حکم عام ہے۔ فوری سبب نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔

مسجد کے لفظی معنی جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد اس سے مسلمانوں کے عبادت خانے ہوتے ہیں۔ انکے حسن و تاثر کی تعریف اور انکی صفائی و سادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اظلم یعنی ظالم تر۔ زیادہ خبیث۔ زیادہ مجرم۔

عارفین نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکر حق روک دینے والوں کے لیے یہ وعید اور تہدید ہے، تو اس قوم ظالم پر اس شخص کے جرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوب انسانی کو، کہ وہ معنوی سجدہ گاہ حق ہیں، ذکر حق سے روکے، اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرے، اور اشاعت مذہب میں روڑے اٹکائے!

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر، منع داخلۂ مساجد اگر ضرورت یا مصلحت شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے اگر ایسے موقع پر یہ امور مسجد کی ویرانی و بربادی کے نہیں، بلکہ اصلاح و حفاظت ہی میں داخل ہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے، ممنوعات و بدعات کے ارتکاب سے برباد بھی ہو جائیگی۔ اور وہ تمام امور جو تقلیل جماعت، نمازیوں کی کمی، مسجد کی ویرانی کا باعث ہوں، اس آیت کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

فقہ کے مسائل ذیل بھی آیت کے تحت میں لکھے گئے ہیں

(۱) مسجد میں اذن عام ہونا شرط ہے

(۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہونا چاہیے۔

(مسلمانوں کے رعب و دبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف ایسے حال میں ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور دل و دماغ اسکا سرکشانہ نہیں، عاجزانہ ہو۔

یہ ذکر کہاں کا ہو رہا ہے؟ لفظ قرآن میں مساجد صیغہ جمع کا ہے۔ لیکن ایک قول ہے کہ مراد یہاں مساجد سے مسجد حرام یا حرم کعبہ ہی ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام وبالمانع من منعوا من دخولہ ومن شبہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوگی، جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورہ عرب میں یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک ہی مرد نیک کو ایذا پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے۔ کما تقول لمن آذی صالحاً واحداً ومن اظلم ممن آذی الصالحین (کشاف)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں۔ اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے۔ چنانچہ کافروں کو دار الاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں، بجز اسکے کہ مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو۔ اور یہ قول امام ماتریدیؒ کی جانب منسوب ہے (احمدی)

مراد اگر مسجد حرام ہی لی جائے تو تاریخی و تشریعی حیثیت سے قطع نظر بات واقعاتی رنگ میں بھی بالکل صحیح نظر آتی ہے۔ چنانچہ آج تک مسجد حرام بحمد اللہ مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے۔

عذاب آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا۔ باقی دنیا میں ذلت کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا۔ یہود، مشرکین، منافقین سارے اعداء اسلام جزیرۂ عرب میں اور اسکی سرحدوں پر دیکھتے دیکھتے نیست و نابود ہو کر رہے، اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔

(بقیہ صفحہ ۲)

نقصان کے ——— نتائج نکالنے میں ہر شخص آزاد ہے لیکن جہاں تک [illegible] کا تعلق ہے، وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ دیباچہ میں ترجموں کی کوئی مکمل فہرست ہرگز نہیں دی گئی ہے۔ حافظ نذیر احمد، مرزا ابو الفضل، ڈاکٹر عبد الحکیم کسی کا بھی ذکر دیباچہ میں نہیں

۲۔ ذکر صرف ان تراجم کا کیا گیا ہے۔ جن سے یہ مترجم کسی درجہ میں مستفید ہوا ہے۔ یہ استفادہ ان لوگوں سے صرف زبان کی حد تک محدود رہا۔ مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کی زبان سے اگر استفادہ کیا گیا ہوتا، یقیناً اسکا ذکر بھی موجود ہوتا۔

۳۔ اس ترجمہ سے زندگی کے جس دور میں استفادہ ہوا تھا اور اب بھی اس میں جو خوبیاں ہیں، حسب موقع انکے بیان میں اب بھی ان شاء اللہ کوئی بخل نہ ہوگا۔ لیکن موقع و محل ہو بھی تو۔

اصلاح ندوہ

ایک ممتاز ندوی اولڈ بوائے لکھتے ہیں:-

"آپ کے زیر صدارت جلسۂ ندوہ میں ... صاحب کی گفتگو کا حال لکھنؤ میں ... صاحب سے معلوم ہوا تھا۔ ندوہ کے موجودہ ہنگامہ کے اصل اسباب جو کچھ بھی ہوں اور کسی اور کا ہاتھ جس کی طرف سے بھی ہو، لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ موجودہ تحریک جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان میں زیادہ تر لوگ اسی رنگ اور اسی خیال کے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک اسلامی زندگی کا وہ تخیل ہرگز نہیں جو ہمارے سلف صالحین کا تھا۔ زبان سے یہ صاحبان کہتے ہیں کہ ہم مغربی کرشمہ سے آزاد ہونا چاہتے ہیں حالانکہ خود

تکفیر و تفریق پر ایک نظر

(۳)

از قلم مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات

ارتداد کی ایک شکل یہ بھی ہے جو ابتداءً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سمجھانے سے وہ سمجھ گئے۔

بہر حال "اہل قبلہ" سے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں خصوصی طور پر "قبلہ" مقصود نہیں ہے، بلکہ قبلہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش فرمودہ دین میں جن جن چیزوں کو "قبلہ" ہی کی حیثیت بالفاظ دیگر "البینات" ہونے کی حیثیت اور مقام حاصل ہے، وہ سب اس تعبیر میں شریک تھیں۔ مشہور حدیث نسائی کی

من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا، فاشہدوا لہ بالایمان۔	جو پڑھے نماز ہماری، اور رخ کرے (نماز) میں ہمارے قبلہ کی طرف اور کھائے ہمارے ذبیحہ کو تو گواہی دو اس کے ایمان کی۔

اس میں بھی اسلام کے چند "بینات" اور مثلاً صلوات خمسۂ اسلامیہ، قبلہ، اور ذبح کے متعلق اسلام میں جو طریقہ مقرر ہے یعنی مردار اور میتہ اسلام میں حرام ہے اور ذبیحہ حلال ہے، یہ تینوں مسائل اسلام کے بینات سے ہیں، اس لیے بجائے ایک قبلہ کے ذو اور علامتوں کا اضافہ حدیث میں کر دیا گیا، ورنہ مقصود وہی ہے جو ابن ہمام نے علامہ نووی سے مسایرہ میں نقل کیا ہے

ہو من الامور الظاہرۃ التی یشترک فی معرفتہا الخواص والعوام کالصلوٰۃ وتحریم الخمر ونحوہا۔	ایسی تمام کھلی کھلی باتیں جن کا علم خواص و عوام سب ہی کو ہو، مثلاً نماز اور شراب کی حرمت یا اسی قبیل اسلام کے جو دوسرے مسائل ہیں۔

پس مطلب یہی ہوا کہ "البینات" کا انکار اگرچہ بظاہر الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں ہوتا، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا واقع میں انکا انکار نبوت محمدیہ کی صداقت ہی کا انکار ہوتا ہے۔ اسی لیے اس قسم کی چیزوں کے منکروں یا ان میں شک کرنے والوں پر ارتداد کا حکم لگایا جاتا ہے۔ مگر ارتداد کا فتویٰ کچھ اس زمانہ کے کفر کا دستی فتویٰ تو نہ تھا، جیسے آج ہندوستان میں کارخانے بنے ہوئے ہیں اسی قسم کے کارخانے جیسے علی گڑھ میں لوہے کی اور فیروز آباد میں کانچ اور شیشے کی چیزیں ڈھلتی ہیں، ہندوستان کے بعض خاص شہروں میں کفر ڈھالنے والی بھٹیاں قائم ہیں، بلکہ اب چاہتے ہیں کہ ارتداد کا شمار بغاوت اور فساد، فتنہ اور بدامنی کے سلسلہ کے ان جرائم میں ہے جن کے انسداد کے لیے صرف تعزیری سزا ہی نہیں بلکہ وہ سخت سزا مقرر کی گئی ہے جس کا نام حد ہے۔ گویا زنا، سرقہ کے جرائم جس طرح سے تعلق رکھتے ہیں۔

آخر ایک شخص کا بلا جبر و اکراہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شریک کرنا اور اسلام جیسے دین جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان لینے کے سوا سچ پوچھیے تو بالذات کسی سے کوئی مطالبہ اور کچھ نہیں کیا گیا ہے جو سچا تھا سچائی کے تمام معیاروں پر جس سے زیادہ صادق کوئی نہیں اترا اسی کو سچا مان لینا بھی گویا ایسی بات ہے کہ سفید کو سفید ہی اور روشن کو روشن ہی تسلیم کر لینا ہو۔ اس سے زیادہ آسان مطالبہ انسانی فطرت کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے؟ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا مان لینے کے بعد جو آپ کے صادق ہونے کا انکار کرے اور دین مسلمانوں کی جماعت کا اعتماد حاصل کر کے پلٹ کر پھر سے، انکے لیے انکے دین کے لیے، انکی دنیا کے لیے فتنہ بن جائے، اس عہد شکن، غدار، باغی پر ارتداد کی حد اسلام اگر قائم کرتا ہے تو غداروں اور عہد شکنوں کو اپنی بغاوت و غدر کا خمیازہ کب نہیں بھگتنا پڑا ہے۔

لیکن اسلامی قوانین کی نزاکتوں کا اندازہ کیجیے کہ ایک طرف ارتداد والی عہد شکنی و غدر و بغاوت کے مرتکب پر اگر وہ حد جاری کرتا ہے، تو اسی کے ساتھ حدود کے معاملہ میں

الحدود تندرء بالشبہات	وہ سزائیں جو حدود کی شکل میں دی جاتی ہیں صرف شبہہ سے اٹھ جاتی ہیں۔

کا اعلان کر کے حتی الامکان اسکی کوشش بھی کی گئی ہے کہ جرم سے پہلے تو مجرم کو حد کے قائم کرنے کی دھمکی دی جائے۔ لیکن خدانخواستہ اگر جرم واقع ہو جائے، تو چاہتا ہے کہ اس سخت سزا سے لوگوں کو بچا لیا جائے۔ یہی زناء کا جرم ہے۔ رجم (سنگساری) اور جلد (تازیانہ) کی سخت سزاؤں کے قانون کے بعد یہ شرائط کہ ہر جرم کے ثبوت میں صرف دو گواہ کافی ہیں لیکن جرم زناء کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ گواہ بھی کیسے؟ چشم دید گواہی ہو، ایسی جیسے کوئیں میں رسی سرمہ دانی میں سلائی۔ جرم ثابت نہ ہو سکے تو گواہوں کو حد قذف (یعنی اسی کوڑوں وغیرہ کی دھمکی)، نتیجہ یہ ہے کہ فقہاء اسلام کو کہنا پڑا کہ اسلامی عدالت میں آج تک شہادت کی راہ سے کسی پر زناء کی حد قائم نہ ہو سکی (تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب تدوین فقہ)

بہر حال یہی حال ارتداد کی حد کا ہے۔ یعنی ارتداد کے متعلق جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ تصدیق کے بعد علانیہ اور صراحۃً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہی ارتداد نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ دین کے البینات کے کسی جزو کا انکار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درحقیقت انکار بن جاتا ہے اس لیے وہ بھی ارتداد ہے چاہیے تو یہی تھا کہ صراحۃً تکذیب نبوت والے ارتداد کے مجرم پر جیسے ارتداد والی حد قائم کی جاتی ہے ... جن جن چیزوں کی تکذیب آنحضرت کی تکذیب یا انکار بن جائے ارتداد کی ان شکلوں کے مجرمین کو بھی ارتداد کی مقررہ سزا، حد یعنی قتل کا مستوجب قرار دیا جائے۔ لیکن حدود کے اسی کلیہ کو پیش نظر رکھ کر کہ حدود کا دامن [illegible] ... جاتا ہے، یعنی وہی [illegible]

قانون میں مجرم و ملزم کو شبہ کا نفع دیا جائیگا" کے الفاظ میں کی جاتی ہے ہمارے فقہاء نے کنایۃً یہ بات کہی ہے۔ جامع الفصولین کے حوالے سے علامہ طحاوی کا یہ بیان نقل کیا ہے

وروی الطحاوی عن اصحابنا لا یخرج الرجل من الایمان الا بجحود ما ادخلہ فیہ ثم ما تیقن انہ ردۃ یحکم بہا وما یشک انہ ردۃ لا یحکم بہا۔

ہمارے اصحاب (یعنی امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد وغیرہ) سے طحاوی نے روایت کی ہے کہ ایمان کے دائرہ سے آدمی نہیں نکلتا مگر اسی چیز کے انکار سے جسکی تصدیق سے وہ ایمانی دائرہ میں داخل ہوا تھا۔ پھر جس چیز کے متعلق ارتداد کا یقین ہو جائیگا تو ارتداد کا حکم لگایا جائیگا لیکن جس میں شک ہو اُس پر ارتداد والا حکم عائد نہ ہوگا۔

اور یہی راز ہے اُس مشہور قول کا، جو ہماری کتابوں میں منقول ہے،

ثبت عن ابی حنیفۃ والشافعی من عدم التکفیر لاہل القبلۃ من المبتدعۃ کلہم شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۱۸۹)

امام ابو حنیفہ و امام شافعی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے بدعتی فرقے جو اہل قبلہ سے ہوں اُن میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائیگی۔

"عدم تکفیر" سے یہاں مطلب وہی "ارتداد" کا ہے۔ یعنی وہی شبہہ کا نفع اُنکو دیا جارہا ہے۔ اور وہ مشہور بات ہے۔ اور خاکسار نے اپنے عریضہ میں جسکا سرسری طور پر ذکر کیا تھا۔ یعنی ننانوے وجہ کفر کی اور ایک وجہ (پہلو) اسلام کا اگر پیدا ہو تو اسلام سے اُسکو خارج نہ کیا جائیگا جسکی وجہ سے یہ سارا قصہ چھڑا۔ ملا علی قاری نے اس قول کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے

قد ذکروا ان المسألۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لہا تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی (صفحہ ۱۹۵)

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ کفر کے فتووں سے جس مسئلہ کا تعلق ہو اگر ننانوے پہلو اس میں کفر کا ہو اور ایک پہلو کفر کی نفی کا تو مفتی اور قاضی دونوں کیلیے یہی بہتر ہے کہ اسی پہلو پر عمل کریں جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو۔

ایسا کیوں کرنا چاہیے، قاری نے اسکی توجیہ اسکے بعد یہ نقل کی ہے،

لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اہون من الخطاء فی افناء مسلم واحد (")

غلطی سے اگر ہزار کافر بچا لیے جائیں یہ بات آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک مسلمان کو فنا کر دیا جائے۔

جسکا کھلا ہوا مطلب یہی ہوا کہ کفر کی نفی کرنے والے پہلو کو ترجیح دینے کی وجہ یہی ہے کہ کفر کا یہ فتویٰ دراصل ارتداد کا فتویٰ ہوگا۔ اور ارتداد کے فتوے کے بعد ارتداد کی حد کا قائم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اور اب ہمارے فقہاء کی تعبیری مصلحت سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ بجائے فتوائے ارتداد کے فتوائے کفر کا لفظ کیوں بولتے ہیں۔

بہرحال اگر لوگوں کو فقہاء کی اصطلاح کا علم ہوتا تو آج اُنکے کفر کے فتووں کو جو تماشا طور پر بدنام کیا جا رہا ہے اور ان میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کی کتابوں میں جن جن چیزوں پر کفر کا فتوے لگایا گیا ہے اُن کی طویل فہرست کو دیکھ کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔ نیز یہ جان کر قلقِ ملایانہ تنگ نظری محسوس ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اسی بنیاد پر بعضوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ

اکثر ذکرہ بناء علی الامور الھندیۃ والتغلیظ (ملا علی قاری صفحہ ۱۸۹)

فقہاء ڈرانے، دھمکانے اور بظاہر سختی دکھانے کے لیے، اس قسم کے فتوے صادر کرتے ہیں۔

اور بعضوں نے تو بڑھ کر یہ تقسیم قائم کی ہے،

عدم التکفیر مذہب المتکلمین والتکفیر مذہب الفقہاء (")

کفر کا فتوے نہ لگانا اہل قبلہ پر یہ تو متکلمین کا مذہب ہے اور کفر کا فتوے لگانا، یہ فقہاء کا مذہب ہے۔

اور اسی کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

نقل کتب الفتاوی مع جہالۃ قائلہ وعدم اظہار دلائلہ لیس بحجۃ من ناقلہ۔

فتاویٰ کی کتابوں میں کفر کے فتوے جو نقل کیے جاتے ہیں چونکہ ان فتووں کے دینے والوں کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے اور نہ دلائل ہی انکے بیان کیے جاتے ہیں اس لیے وہ حجت نہیں ہیں۔

لیکن میرے خیال میں حضرات فقہاء کا صحیح نقطۂ نظر اس باب میں وہی ہے جو ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

اعلم ان الحکم بکفر من ذکرنا من اہل الاہواء مع ما ثبت عن ابی حنیفۃ والشافعی من عدم تکفیر اہل القبلۃ من المبتدعۃ کلہم محملہ ان ذلک المعتقد فی نفسہ کفر فالقائل بہ قائل بما ہو کفر وان لم یکفر (منقول از ملا علی قاری)۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہوا میں سے جن جن کے متعلق کفر کے فتوے کو ہم نے نقل کیا ہے بجائے کہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے ثابت ہو چکا ہے کہ بدعتی فرقے اہل قبلہ کے کل کے کل ایسے ہیں جن پر کفر کا فتوے نہیں لگایا جا سکتا، تو کفر کے ان فتووں کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات جسکی وجہ سے کفر کا فتوے لگایا ہے بذات خود کفر ہے اگرچہ اس کفر کی بات کے قائل پر کفر کا فتوے نہ لگایا جائے۔

جسکا حاصل یہ ہے کہ کسی قول یا فعل یا عقیدہ یا نظریہ کا کفر ہونا اور بات ہے؟ اور اُس قول یا فعل یا عقیدہ و نظریہ کے قائل پر کفر کا فتوے لگانا یا اُسے کافر ٹھہرانا، بہ الفاظ دیگر اعلان الحاد کے بعد اس پر مرتد ہونے کا حکم لگانا، یہ بالکل دوسری بات ہے۔ اور یہی مطلب ہے کہ فقہاء کے کفر کے فتووں کا یعنی وہ اسکو کفر تو قرار دیتے ہیں، لیکن جو اس کا قائل ہے ضروری نہیں اُسکو کافر بھی کہتے۔ (باقی آئندہ)

دارالعلوم دیوبند

سے متعلق ایک دوسرا اور بہت طویل بیان، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے جواب میں مولانا محمد طیب صاحب کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ ضخامت مطبوعہ پمفلٹ کی ۹۲ صفحے کی ہے۔ سردست تین ہفتوں تک تو صدق کے صفحات بالکل بھرے ہوئے ہیں، اور باہر کے کسی بیچ بیچ مضمون کے لیے قطعاً گنجائش نہیں۔ امید ہے کہ مولانا محمد طیب صاحب اس حقیقی معذوری کو قبول فرمالیں گے۔ جو صاحب بیچ یہ بیان پڑھنا چاہیں، وہ براہ راست دیوبند سے طلب فرمالیں۔

مسلم کی نامسلمانی

(از سید عبدالفتاح صاحب - ترپ بازار کوچہ سید جنگ - حیدرآباد دکن)

نیشنل جیوگرافیکل میگزین ایک کثیر الاشاعت امریکن ماہی رسالہ ہے - اس میں جغرافیہ اور متعلق مضامین کے متعلق تحقیقی مضامین شایع ہوتے ہیں - مضمون نگار ان مضامین کے لیے دور دراز کا سفر کرتے ہیں اور دشوار گزار اور مشہور مقامات کے متعلق دلچسپ اور مفید معلومات بہم پہونچاتے ہیں - اس رسالہ میں تصویریں بھی بہت ہوتی ہیں - ایک مضمون دہلی کے متعلق دلچسپ اور معیاری ہے - معلومات سے مستفید ہوجیے -

"جوتے اتار کر میں شاہ جہاں کی خوبصورت موتی مسجد میں داخل ہوا، اس وقت اندر ایک معزز مسلمان خاندان جس کے نرم و نازک مرمریں فرش پر فرش کش تھا - مجھے دیکھ کر ان معزز نے کہا کہ اگر ہماری موجودگی آپ کی سیر میں حارج ہو تو ہم دوسری طرف ہٹ جائیں - میں نے انکی مہربانی کا شکریہ ادا کیا - اور ان سے اس خاندان کا فوٹو بغیر زنانہ چہروں کے لینے کی اجازت چاہی[1] - اس پر ان معزز نے کہا "دیکھیں انگریز عورتوں نے کیا تصور کیا ہے" فوٹو میں یہ اسی طرح ہیں (صفحہ ۲۹۵)

فوٹو (صفحہ ۲۹۴) یہ شاہ جہاں کی موتی مسجد ہے - انسانی فن کا نفیس نمونہ، تعمیر کے حسن سے قطع نظر قدرت کا شاہکار ملاحظہ فرمایئے یہ مسجد آباد ہے - خدا کا بندہ مسٹر اشرف علی تابے خانۂ خدا میں موجود ہے، اس حال میں کہ مسجد کی نفیس دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں، نشست کے آرام دہ ہونے کی وجہ سے مسکراہٹ نمایاں ہے، لیکن مراقبہ میں تو نہیں، نگاہیں کسی اور جانب متوجہ ہیں - سیدھی طرف چار نوعمر عورتیں بھی فرش پر بے تکلف بیٹھی ہیں - اسکول یا کالج کی طالبات معلوم ہوتی ہیں - چہروں پر کس قدر حجاب اور جھجک کے آثار نمایاں ہیں - شرمائی ہوئی معلوم ہوتی ہیں - دوسری طرف کوئی بارہ سال کا لڑکا نیکر پہنے ہوئے ہے - بچہ بیچارہ بڑا شرمایا ہے - چہرے سے پریشانی نمایاں ہے - عجب اضطرابی حالت میں ہے - غریب کیمرہ کی آنکھ سے بچنا چاہتا ہے، اس گھبراہٹ میں بیٹھا بھی نہیں جاتا - ایک معمر خاتون برقع میں لپٹی دکڑی کیمرہ کی طرف پیٹھ لیے بیٹھی ہیں - صاحب خانہ معززین میں سے ہیں جب ہی تو تفریح کے لیے مسجد آئے ہیں -

مضمون نگار کا نوٹ "چونکہ مسٹر اشرف علی نیشنل جیوگرافیکل میگزین سے واقف تھے اس لیے انھوں نے مجھے اس فوٹو کے لینے کی اجازت دی جس میں خواتین بے پردہ ہیں" - اسکے متعلق ان معزز نے کہا "انکی عورتوں نے کیا تصور کیا" -

چند صفحے اور الٹیے - یہ جامع مسجد دہلی ہے - اور روز جمعہ ہے - مسجد خدا کے بندوں سے بھری پڑی ہے - ایک طرف خدا کی بندیاں بھی حاضر ہیں - پردہ کا معقول انتظام ہے - قناتوں کی دیوار سے اس حصہ کو مردوں سے بالکل جدا کر دیا گیا ہے - بیبیاں نماز کی تیاری کر رہی ہیں - بہتیری دوپٹے اوڑھے ہوئے ہیں، اس طرح دوسرا پردہ ہو گیا ہے - مگر اسکے باوجود میں یہ کیسے دیکھ رہا ہوں - دیوار پہ سے مضمون نگار صاحب کا کیمرہ اپنا کام کر چکا ہے - آپ معلموں سے تو پردہ کا انتظام کرا سکتے ہیں مگر ان مشوروں سے کیونکر بچ سکتے ہیں -

فوٹو کے جواز و عدم جواز کو چھوڑ دیجیے - سیر و تفریح سرسری دانائی کے موقع پر کون فوٹو نہیں اترواتا - یہ ان بیسیوں معمولی چیزوں میں سے ہیں جنکے ثواب و عذاب کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے - ان سے اجتناب صرف عالموں اور متقیوں ہی کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے - پردہ کو بھی جانے دیجیے - یہ فرسودہ بحث صرف کلامی مسئلہ بن گئی ہے - ہماری خانگی زندگی میں اب کون اسکا لحاظ کرتا ہے - ہماری جماعت میں جتنی انفرادی آزادی حاصل ہے - اتنی شاید ہی کسی دوسری جگہ حاصل ہو - کسی کے فعل پر نہ کوئی کسی کو ٹوک سکتا ہے اور نہ کسی کو ٹوکنے کا حق ہی حاصل ہے - [illegible] جاتا - اور کہنا صرف اتنا ہی ہے کہ مسلمانان عالم عموماً اور مسلمانان ہند خصوصاً ایک نہایت نازک دور سے گذر رہے ہیں - اگر اس زمانہ میں مسلمان اسلام کا پابند ہو گیا تو خیر - ورنہ آیندہ مسلمانوں کا اسلام سے شاید ہی کوئی واسطہ رہے - ہندی مسلمان بڑے بڑے دعوے پیش کرتے ہیں - اب اگر اس قسم کی تصویریں ایسے معیاری رسالوں میں شایع ہوں تو دنیا میں ہمارا کھوکھلا پن ظاہر ہوگا - اسکے علاوہ اس فوٹو کو شایع کرنے سے مضمون نگار کا رجحان بھی ظاہر ہوتا ہے - چند ہی صفحے قبل مضمون نگار نے تلپ میں ایک ہندو خاندان سے بھی ایک فوٹو حاصل کیا تھا - مگر اسکو رسالہ میں جگہ نہ ملی - اس فوٹو کو شایع کرنے سے کچھ تو مطلب و مقصد ہوگا - اس بات کا خیال رکھیے کہ آپ کا کوئی فعل اپنے کسی قول کی تکذیب نہ کرے - اور جب ایک خاص طرز زندگی کے لیے ہم مضطرب ہیں تو اسکے حصول کے لیے جو لائحہ عمل مرتب ہے اسکو نظر انداز نہ کیجیے - کیونکہ معینہ راستوں اور طریقوں پر چلے بغیر اسکا حصول خواب ہے - اگر یہی جانا مقصد ہے تو استنبول کیوں اختیار کیا جائے -

[1] مطلب یہ ہے کہ فرنگی مصور نے اسلامی جذبات کا لحاظ کرکے مسلم خواتین کے فوٹو میں انکے چہروں کو ظاہر کرنا نہیں چاہا تھا (صدق)

الّا ان یبتغی لہ منفذًا کما یوم الزینۃ تقریرجہتہ لیترد ام قالت بکر بک المعتقد فینتقل من بعضہم من قبیل البصر من بعض ما یجب علیہ الا نکار رحیث یکون قصدہم الی بعض المصالح الدینیۃ بحقیقۃ ما لا ابو حقیۃ آلاٰ۔

دلیل قائم کرا ور غرض یہ ہوتی ہے کہ اسکی اتباعت کے بعد ، دکیا جائیگا۔

پس بعض بزرگوں سے جو بعض منکرات پر چشم پوشی منقول ہے۔ ایسا ہی عذر انکے اس فعل میں ہے کہ مقصود انکاکوئی مصلحت دینی ہوتی ہے، جو اسوقت مخفی ہے اور آیندہ ظاہر ہو جایگی۔

انصاف کی روشنی اگر آنکھ میں کچھ بھی باقی رہ گئی ہے، تو ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ

(۱) کسی غرض صحیح و مصلحت دینی کے ماتحت، اہل باطل کے مجمع یہاں تک کہ مشرکوں اور اُن میں بھی ساحر مشرکوں کے ، یا لشیا، میں شرکت کا جواز،

(۲) جن مجموعوں میں شرکت (معصیت وعلاوہ معصیت کے قطع نظر) ثقاہت عرفی اور وضعداری کے خلاف ہے، وہاں جانے سے اہل جاہ علماؤ ظاہر کی جمعیت پر بار پڑنا،

(۳) صریح منکرات کا، کسی مصلحت دینی کے ماتحت گوارا کر لینا۔

ان سب نتائج کی اصل ذمہ داری صاحب روح المعانی اور اور حضرت مولانا تھانوی پر ہے، مدیر صدق نے تو بس اتنا کیا تھا کہ انھیں مضامین کو اپنی زبان میں ادا کر دیا تھا۔ اس پر وہ ہنگامہ برپا ہوا، کہ بزبان اقبال،

دہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے!

البتہ اس پر بعض بزرگوں کا یہ فرمانا کہ فرعونی یوم الزینت میں منکرات دو ہی تھے ہی کہاں، مشرکوں اپنے دینوں، جاہلیوں کے ساتھ ایک عجیب و غریب حسن ظن بلکہ عقیدت کا اظہار کرنا ہے!

ایک آیت قرآنی کا ترجمہ

حیدرآباد دکن سے ایک انگریزی تعلیم یافتہ کے مکتوب کی تلخیص :۔

"اسوقت میرے سامنے مولوی نذیر احمد، مولانا محمود حسن، اور مولانا ابو الکلام آزاد کے تراجم قرآن ہیں۔ تینوں حضرات نے پارہ ۸ رکوع ۷ آیت اول قُل تعالوا اتل ما حرم ربکم الخ میں حرّم کا ترجمہ "حرام کیا ہے" سے کیا ہے۔ اور ایک اور صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے شاہ رفیع الدین صاحب کے اور مولوی محمد علی لاہوری وغیرہ کے متعدد اُردو و انگریزی تراجم میں حرّم کا ترجمہ [illegible] اُردو میں جو معنی "حرام" کے ہیں اُسکے لحاظ سے تو گویا آیت کا مضمون یہ ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا (نعوذ باللہ) اللہ نے حرام قرار دیا ہے"

شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ آیت میں فوراً ہی بعد حرف "لا" کا لفظ بھی آیا ہے تو اب لفظی ترجمہ یہ ہوگا

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئًا	کہ دیجئے کہ تم آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں جو حرام کیا ہے تم پر تمھارے پروردگار نے۔ وہ یہ کہ تم

اُسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

اور اس طرح **شرک کرنا** حرام ٹھہرتا ہے!

قرآنیات کے طلبۂ قدیم کے ذہن میں شبہہ کا جواب شروع سے موجود ہے چنانچہ جوابات مختلف و متعدد دیے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ

(۱) الّا میں اَن مفسرہ ہے" یعنی "کے مرادف ان مفسرۃ بمعنی ای (مغنی) اس ترکیب کو مان کر ترجمہ یہ ہوگا :۔

"میں تمھیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔ یعنی یہ کہ تم اُسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ"

(۲) ربکم پر وقف ہے۔ علیکم سے مستقل فقرہ شروع ہوتا ہے۔ اور علیکم کے معنی لازم پکڑنے کے ہوتے ہیں۔ الکلام تم عند حرم ربکم ثم ابتدء علیکم ان لا تشرکوا فعلیکم علی ہذا اسم فعل بمعنی الزموا (مغنی) اب ترجمہ یوں ہوگا

"میں تمھیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں جو تمھارے پروردگار نے حرام کیا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ تم اُسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ"

ماہرین عربیت نے یہ دونوں ترکیبیں فرض کی ہیں۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور بے تکلف ترکیب یہ ہے کہ حرف لا کو بجائے نافیہ (نفی کے معنی دینے والے) یا ناہیہ (ممانعت کے معنی دینے والے) کے یہاں زائد سمجھا جائے۔ لا زائدہ کے معنی یہ نہیں کہ وہ کلام میں بیکار محض حشو کے آتا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ بجائے نفی یا نہی کے معنی دینے کے مفہوم میں محض زور، تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ لا الزائدۃ الداخلۃ فی الکلام لمجرد تقویتہ و تاکیدہ (مغنی) تو اب ترجمہ یوں ہوگا :۔

"میں تمھیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔ یعنی یہ کہ کہیں تم اُسکا شریک کسی چیز کو بنانے لگو"

سیوطیؒ کی مشہور و جامع کتاب "اتقان"، اور زبیدی کے مشہور عربی لغت تاج العروس دونوں میں اس ترکیب کا ذکر ہے، اور اسکو صحیح مانا ہے۔ اور اور اہل تفسیر نے بھی متعدد نے اسکا ذکر کیا ہے۔

خود قرآن مجید میں یہ ترکیب متعدد اور مقامات پر آئی ہے۔ مثلاً ما منعک ان لا تسجد (اعراف، آیت ۱۲) ما منعک اذ رأیتہم ضلوا ان لا تتبعنی (طہٰ۔ آیت ۹۲) لئلا یعلم اہل الکتاب (حدید، آیت ۲۹) وغیرہا۔

معصیت بہ طور طاعت کے

مولانا عبد الرؤف خاں صاحب صدر مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر (ضلع بستی) سے لکھتے ہیں :۔

"آپ کی سنیما بینی کے ظاہری پہلوؤں سے متعلق اصحاب ظاہر نے کیسی کیسی گل فشانیاں کیں! باطنی طور پر کسی اسلامی مسئلہ کی ٹھوس عقیدتمندی کی تبلیغ پہلے سے کیسر غافل دبلے پڑا ہوا لکھتے گئے۔ کعب بن اشرف کے سرکاٹنے کے موقع پر ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی اور لعن طعن تک سے تعلق رکھنا پڑا۔ حالانکہ شاتم رسول بالاتفاق سیف مسلول کا مستوجب ہے۔ لیکن ایک باطنی خوبی کے پیش نظر یہ بھی گوارا کر لیا گیا۔ یا للعجب۔ قوم مسلم کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، دوسرے کے تنکے پر نگاہ جا پڑتی ہے۔"

سورۂ بقرہ - رکوع ۱۴

(بسلسلۂ صدق ۱۹۵۲ وماقبل)

(از عبدالماجد)

۱۱۵ وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم۔	اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) سو تم جدھر کو (بھی) منہ پھیرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے۔

۴۰۲ (بہ حیثیت مخلوق بھی اور بہ حیثیت مملوک بھی)۔ یعنی انہا ملکا و خلقا (بحر المحیط) میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک قسم لام اختصاص کی ہے۔ یعنی مشرق و مغرب یہی اسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص لے ہو نا انہا ملکا (کبیر)

امت محمدیہ جو آپ ساری دنیا کے لیے امت ناوالہ بنا کر بھیجی جا رہی تھی لازمی تھا کہ اسکی مرکزیت کے لیے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ بیت اللہ کعبہ مقرر ہو رہا تھا۔ اہل کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کیے۔ یہ اعتراض جواب اعتراض کی تمہید ہے۔

۴۰۳ دونوں سمتیں، اور انھیں دو پر کیا موقوف ہے ہر سمت حق تعالے کے لیے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، مالک ہے۔ اس ہے۔ کسی خاص سمت میں کوئی خاص تقدس، کوئی شائبۂ الوہیت، کوئی شان حق تعالی موجود نہیں۔

مذاہب شرکیہ کی تاریخ، انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشرک گمراہی تمام مشرک قوموں میں رہی ہے، کرما، چونکہ شکن ہے اور مجسم ہے، اس لیے لازمی ہے کہ اسکی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو۔ اور اسی لیے کسی نہ کسی وہ سمت یا جہت مقدس ہے۔ مصری، ہندی، رومی، تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کرکے خود اس جہت کو مقدس مانا ہے۔ اور چونکہ سورج دیوتا کا مرتبہ مذاہب شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا ہے، اس لیے شاہ خاور کے طفیل میں سمت مشرق بھی عموماً مقدس سمجھی گئی، اور دنیا کے اکثر علاقوں میں پوجی رہی ہے!

مشرکوں ہی کے اثر سے سمت پرستی کا شرک اہل کتاب میں بھی سرایت کر گیا تھا۔ اور مسیحی مذہب چونکہ بڑی حد تک ... اور فی الوقت رومی مذہب کا مثنی بن گیا ہے، وہ تو تمام کمال مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا۔ یہود جنھیں اپنی توحید ... پر ناز تھا، وہ بھی تا مستر محفوظ نہ رہ سکے، بلکہ ان کے بعض فرقے مثلاً Essenes تو پوری طرح اس صنف میں مبتلا ہو گئے۔

بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ مشرق، انھوں نے کہا کہ اگر مظہر حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے، تو مغرب بھی تو مظہر موت ہونے ... ہے۔ فنا و ظلمت

موصوف مستحق شکریہ ہیں، کہ انھوں نے بڑے پتہ کی بات یاد دلائی۔ ابو نائلہ صحابی نے اس موقع پر جو الفاظ کہے ہیں، انکا تلفظ صحابی کیا معنی کوئی معمولی مسلمان بھی عام حالات میں ہرگز نہیں کر سکتا۔ لیکن جنگ حالات میں، اور جس غرض و مقصد صحیح سے، وہ الفاظ بولے گئے، انھوں نے معصیت شدید کو جائز ہی نہیں، عین طاعت بنا دیا۔ صدق کی کسی آیندہ اشاعت میں ان شاء اللہ پورے الفاظ، سیرۃ ابن ہشام، فتح الباری، وغیرہ کے حوالہ سے نقل ہوں گے —— حیرت ہے کہ وقت کے بعض اکابر علماء کے بھی ذہن سے اس حقیقت کا ذہول ہو گیا کہ معصیت کا مفہوم تو خود اضافی ہے، کوئی معصیت شاید ہی ایسی نکلے، جو ہر حال میں، ہر سیاق میں، بلا لحاظ ظرف و حال، معصیت ہی رہے۔ معصیت مختلف حالات کے ماتحت، یا تو ایک دم مباح ہو جاتی ہے، اور کہیں کہیں تو عین طاعت بن جاتی ہے۔ سوال یہاں صرف اصول کا ہے۔ زید، بکر، عمرو کے کسی متعین فعل پر بحث، کہ وہ اس قاعدہ کے تحت میں آتا ہے یا نہیں، بالکل علیحدہ ہے۔ مسائل کو صرف مسائل ہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ شخصیات کی بیزاری سے بالکل قطع نظر کرکے یا ایہا الذین آمنوا لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ہو اقرب للتقوی، جادۂ عدل پر قائم رہنے کا حکم تو دشمنوں تک کے مقابلہ میں ہے۔

قیاس مع الفارق

ایک مخلص و ممتاز صاحب قلم صوبۂ پنجاب سے لکھتے ہیں:-

"شیخ عبداللہ صاحب پر آپ جو کچھ تحریر یا نقل فرماتے رہے، اُسے بالالتزام پڑھتا رہا۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آپکا طرز عمل لاتعتدوا و لاتزر وازرۃ وزر اخری سے متجاوز ہے۔ انبیاء کرام سے بڑھ کر تزکیۂ نفس کا ضامن اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت لوطؑ کی اہلیہ اور حضرت نوحؑ کے فرزند کا معاملہ بالکل واضح ہے۔ کوئی شخص ان اہل بیت کے خلق حضرات کے منصب نبوت میں بیوی اور بیٹے کی بنا پر جرح و قدح کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

لیکن حیرت ہے کہ ایک بہت واضح فرق محترم مکتوب نگار کی نظر سے رہ گیا۔ ان مثالوں میں ان حضرات کرام کی رضا کو کسی درجہ میں بھی دخل تھا یا رضا کیا معنی، انھیں تو اس صورت حال کا علم تک نہ ہونے پایا تھا۔ اور جب عین گرفت کا وقت آ گیا، جب کہیں حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی وساطت سے، اور حضرت نوحؑ کو براہ راست اسکا علم کرایا گیا! باقی عام زندگی ان دونوں انبیاء کی تو تمام تر اس کفر و شرک کی مذمت ہی کے لیے وقف تھی۔ جیسے ایک کی بیوی اور دوسرے کا فرزند اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ —— شیخ صاحب، ایک بار بھی اپنی بیزاری، بیزاری نہ سہی بے تعلقی، بے اختیاری ہی کا اعلان کر دیں، جب بھی غنیمت ہے۔

مسئلۂ تکفیر کے بعض پہلو

(از: مولانا محمد شفیع صاحب۔ صدر مدرسہ نظامیہ فرنگی محل، لکھنؤ)

صدق ... جلد ... میں ایک شذرہ پر استدراک کے عنوان کے ذیل میری تقریر نقل کرکے اس پر جو نوٹ آپ نے تحریر فرمایا ہے اسے دیکھ کر اطمینان ہوا کہ مسئلۂ عدم تکفیر میں دونوں قید دو والا اضافہ ... پر آگیا۔ خدا کرے کہ مولانا گیلانی صاحب بھی پسند فرمائیں۔ ۹۹ احتمالات کفر والے قاعدہ کی امام صاحب کی جانب نسبت کے متعلق جو دریافت کیا گیا تھا اس پر غالباً آپ نے اس لیے روشنی نہیں ڈالی کہ یہ نسبت مولانا گیلانی صاحب کے کلام میں تھی نہ کہ آپ کے کلام میں۔ غالباً موصوف اس جانب توجہ فرمائیں گے اور افادۂ عام کی غرض سے اس نسبت کی اصل حقیقت تحریر فرمائیں گے کہ اس نسبت پر ایک مشہور کفر کی طرف سے جرح کی جا چکی ہے۔

قول و فعل کی تفریق کا سوال ننانوے احتمالات کفر والے قاعدہ کے سلسلہ میں اٹھا تھا کہ اس کا تعلق صرف قول سے ہے یا قول و فعل دونوں سے (فعل جو قول کے مقابل استعمال ہوتا ہے) اس کے لیے شرح فقہ اکبر کی جو عبارت آپ نے نقل فرمائی ہے جس میں "ولم یصدر عنہ شئی من موجباتہ" کے لفظ "لم یصدر عنہ شئی" کی وسعت اور جامعیت کی جانب آپ نے توجہ دلائی ہے اس کا تعلق تکفیر سے ہے نہ کہ مسئلۂ عدم تکفیر سے۔ کیونکہ "ولم یصدر عنہ شئی" "ما لم یوجد" کے تحت میں ہے یعنی تکفیر نہ کی جائیگی تاوقتیکہ موجبات کفر میں سے کسی کا صدور نہ ہو۔ یعنی موجبات کفر میں سے کسی کا صدور تکفیر کا باعث ہوگا (مفہوم مخالف کا عدم اعتبار عند الاحناف نصوص کے ساتھ مختص ہے) پس اگر "صدور شئی" کی وسعت اور جامعیت تسلیم کرلی جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قول یا فعل موجبات کفر میں سے صادر ہو تو تکفیر کی جائیگی۔ پھر وہ ننانوے احتمالات کفر والا قاعدہ کہاں رہا

اصل یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت اور اسی قسم کی فقہاء کی دوسری عبارتیں ہی اس امر کو بتاتی ہیں (تاوقتیکہ اسکے خلاف صراحت نہ ملے) کہ ننانوے احتمالات کفر والا قاعدہ قول کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور شرح فقہ اکبر کی اس عبارت میں اور اسی قسم کی دوسری عبارات فقہاء میں "صدور شئی" اپنے متعارف و متبادر معنی میں ہے۔ یعنی "ارتکاب فعل"۔ اس صورت میں وہ ننانوے احتمالات کفر والا قاعدہ بھی اپنی جگہ پر رہتا ہے اور ارتکاب فعل موجب کفر سے تکفیر کا قاعدہ بھی اپنی جگہ پر۔ یہ اس شخص کے اعتبار سے ہے کہ جو ننانوے احتمالات کفر والے قاعدہ کو تسلیم کرتا ہے۔ ماننا ہے کہ فقہاء کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ ورنہ اس قاعدہ کو نہ ماننے والے کے اعتبار سے اس توجیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ... ننانوے احتمالات کفر والے قاعدہ کو پیش کرنے والے سے تھا کہ اس نے قول کے ساتھ ... کو اس قاعدہ میں کس سند کی بنا پر بڑھا دیا۔ اس کے لیے یہ شرح فقہ اکبر کی عبارت کافی نہیں ہے۔ اس سے بالکل غیر متعلق ہے کہ وہ قاعدہ عدم تکفیر کے متعلق ہے اور اس عبارت میں "لم یصدر عنہ شئی" کا تعلق تکفیر سے ہے۔ مقصود اعتراض نہیں ہے بلکہ اپنے علم میں اضافہ۔

مادہ کو قدیم ماننا کفر کردیتا ہے، اس کے متعلق میں نے بالکلیہ انکار نہیں کیا تھا۔ عرض کیا تھا کہ "یہ بھی ذرا محل نظر ہے"۔ اب محل نظر ہونے کی وجہ سنیے۔ محدثین اور صوفیائے کرام قدم نوعی کے قائل ہیں۔ مولانا بحر العلوم شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں (مطبوعہ مجتبائی لکھنؤ صفحہ ۲۰)

"بدانکہ در حدوث عالم سہ مذہب است۔ حکماء میگویند (الی ان قال) .... و جمہور متکلمین بحدوث اند بحدوث نوعی و علمائے حدیث و صوفیۂ صافیہ کثرہم اللہ تعالیٰ قائل بقدم نوعی گشتہ اند"

اور قدم نوعی مستلزم قدم مادہ ہے۔ پھر عقیدہ حدوث مادہ کو ضروریات دین میں سے قرار دے کر قدم مادہ کے ماننے والے کی تکفیر کس طرح کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں طبقوں کے مسلک کا اعتبار کرتے ہوئے حدوث مادہ کے عقیدہ کا ضروریات دین میں سے ہونا ہی مشتبہ ہوگیا۔ علاوہ اسکے کیا ان اکابر کی تکفیر کی جرأت کی جاسکتی ہے۔ غالباً اسی لیے مولانا بحر العلوم نے شرح فقہ اکبر میں جہاں تکفیر کے سلسلہ میں آکر اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے وہاں قدم کو شخصی سے مقید کردیا ہے اور قدم شخصی کے انکار کو کفر قرار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں

"بدانکہ ماؤل آیات علم الٰہی بہمہ اشیاء و قائل قدم شخصی و ماؤل آیات حشر اجساد کافر است چہ آیات علم الٰہی و حشر اجساد قطعی الدلالۃ اند و قابل تاویل نیست و قائل قدم شخصی خارق اجماع است"

اور ظاہر ہے کہ مادہ (من حیث مادہ) امر شخصی نہیں ہے بنابریں مناسب یہی ہے کہ شرح مقاصد کی پیش کردہ عبارت میں اور دوسری عبارتوں میں قدم عالم سے قدم شخصی مراد لیا جائے تاکہ ان اکابر کی تکفیر بھی لازم نہ آئے اور دلیل دعوے پر منطبق ہو جائے۔ کیونکہ جو دلیل ہے اس سے قدم نوعی کا موجب کفر ہونا ثابت بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے قدم مادہ کے قائل کی تکفیر محل نظر ہوئی۔ اور اس سلسلہ میں جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں اس سے محل نظر ہونا دور نہیں ہوتا۔

صدق۔ فقہ، کلام و اعتقادیات کے باریک جزئیات پر تفصیلی بحث و تدقیق صدق کے موضوع سے خارج ہے۔ آئندہ براہ کرم کوئی صاحب اس بحث پر قلم اٹھانے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔

دعائے صحت

حضرت مولانا سید محمد عبد العزیز صاحب خطیب الجامع چھاؤنی لاہور ۱۶۔ جولائی سے سخت بیمار ہیں۔ پشت پر شدید قسم کا خطرناک پھوڑا کاربنکل نکلا ہوا ہے۔ دو دفعہ آپریشن بھی ہو چکا۔ حالت سخت کمزور ہو چکی ہے۔ قارئین کرام و احباب کی خدمت میں درخواست دعا ہے۔ والسلام منظور احمد از جامعہ ...

مسئلہ تکفیر و تفریق پر ایک نظر

(۴)

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

مذموم اختلافات قرآنی اصطلاح میں تفرق اور فرقہ بندی کہنے والا اختلاف ہے، ورنہ صرف اختلاف تو انسان کی فطرت کا نتیجہ ہے، خود عہد صحابہ میں اس اختلاف کو پاتے ہیں اور اچھے پیمانے پر پاتے ہیں۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود ان میں سے کسی نے اپنے ہی کو دوسرے کے دین سے جدا نہ کیا۔ ان ہی کی تربیت و تعلیم کا نتیجہ ہے کہ مسلمان بعد کو بھی، جیسا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے،

علماء الامۃ کانوا یصلون خلف الفسقۃ واہل البدع	علمائے امت فاسقوں اور بدعت والوں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے ہیں۔ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۸۰

نووی نے بھی روضہ میں اسی تاریخی بیان کی توثیق کی ہے:

لم یزل السلف والخلف علی الصلوۃ خلف المعتزلۃ وغیرہم ومناکحتہم واجراء احکام الاسلام علیہم (فتح المغیث ص۲۱)	معتزلہ اور انکے سوا دوسرے فرقوں کے پیچھے سلف اور خلف نماز پڑھنے کو ہمیشہ جائز ٹھہراتے ہیں اور یہ کہ ان لوگوں سے شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنا جائز ہے اور ان پر اسلام کا حکم جاری رہیگا۔

لیکن اسلام کا اگر یہ معجزہ ہے کہ انسانیت کے اتنے عظیم حصہ کو یعنی پچاس سے ستر کروڑ کی آبادی کو ایک نقطہ پر جمع کرنے میں وہ کامیاب ہوا ہے تو پروپاگنڈے کے اس جادوگری کی قوت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر تو غیر خود مسلمان مسلمانوں کے علماء انکے لیڈر بر سر ممبر منبر مسلمانوں کی فرقہ بندیوں پر چھاتیاں پیٹتے رہتے ہیں، سن کر کسی بات کو دہرانے سے پہلے ذمہ داری کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھنے کی تکلیف گوارا فرماتے۔ میں آپ سے کیا عرض کروں، سیاسی اقتدار کے طوفان کے ساتھ مختلف ذہنی و عقلی مباحث کے جوش و تماشا کے مسلمانوں کے گھروں میں پھیل گئے۔ اسوقت کی افراتفری میں کوئی شبہ نہیں، کہ ہر گھر سے کچھ دن کے لیے نئی آواز اٹھنے لگی تھی، کہیں فرشتوں کا انکار ہو رہا تھا، مسلمانوں کی جنت ڈھائی جا رہی تھی، جہنم کو بیابان دکھائی جا رہی تھی، غلامی کا انکار ہو رہا تھا، تعدد ازدواج کو قرآن سے لوگ غلط ثابت کر رہے تھے، قبر کے عذاب و ثواب کا مضحکہ اڑ رہا تھا، کہیں فقہ کا کہیں حدیث کا، کہیں قرآن کے بڑے حصہ کو ناقابل عمل ٹھہرایا جا رہا تھا اور جو کچھ ہو رہا تھا وہ آپ کے اور ہمارے سامنے ہو رہا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے فہم عامہ کی فطری صحت و سلامتی کو دیکھیے کہ زیادہ دن تک وہ اس حال پر اپنے آپ کو باقی نہ رکھ سکے، جہالت جہالت کی ان اپیلوں کا یا تو خاتمہ ہو چکا ہے، یا اگر کہیں ہے بھی تو اسکی حیثیت کسی فرقہ کے خیال کی نہیں، بلکہ شخصی آراء کی ہے، اور سیاسی عہد زوال کے زمانہ کی اس مذہبی دیوانگی میں جو اختلافات پچھلے دن مسلمانوں میں کچھ دن کے لیے پیدا ہوئے تھے، تو جہاں تک میں نے غور کیا ہے زیادہ تر ان اختلافات کا تعلق بھی غیر مبنیاتی امور ہی سے تھا۔ آخر اس قسم کے مسائل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کے پیدا کرنے پر خدا قادر ہے یا نہیں[1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیبی امور کی مثلاً حشر کی نشر کی، عذاب قبر وغیرہ کی خبر دی ہے، انکے اعتبار سے آپ کو عالم الغیب کہنا چاہیے عالم بالمغیبات یا کیا؟ میلاد کی محفلوں میں ذکر ولادت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا جائز ہے یا نہیں۔ از قبیل دیگر مسائل۔ نہایت العقول میں رازی نے خوب لکھا ہے

ان المسائل التی اختلف فیہا اہل القبلۃ لا یخلو اما ان یتوقف صحۃ الدین علی معرفۃ الحق منہا او لا یتوقف والاول باطل اذ لو کانت معرفتہ ہذا الاصول من الدین فکان من الواجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یطالبہم بہذہ المسائل ویبحث عن کیفیۃ اعتقادہم فیہا فلما لم یطالبہم بہذہ المسائل بل ما جری ذکرہا فی زمانہ ولا فی زمان الصحابہ ولا التابعین علمنا انہا لا یتوقف صحۃ الاسلام علیہا۔	اہل قبلہ کا جن مسائل میں اختلاف ہے وہ حال سے خالی نہ ہونگے، یا ایسے ہونگے کہ ان میں جو پہلو حق واقع میں ہے اس کے جاننے پر مسلمانوں کا دین موقوف ہو، یا موقوف نہ ہوگا۔ پہلی شق تو اس لیے غلط ہے کہ اگر دین اس پر موقوف ہوگا تو پیغمبر پر واجب تھا کہ مسلمانوں سے ان مسائل کے ماننے کا مطالبہ فرماتے اور جو صحیح کیفیت انکی تھی اسے بتاتے مگر جب کہ پیغمبر نے ان مسائل کے ماننے کا مسلمانوں سے مطالبہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انکا ذکر تک نہیں پایا گیا اور نہ آپ کے صحابیوں کے زمانے میں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان مسائل کے جاننے یا ماننے پر آدمی کے اسلام کی صحت موقوف نہیں ہے۔

اسلامی اقتدار کے سیاسی سقوط کے بعد، بلا شبہ ہندوستان میں ایک اختلاف ایسا ضرور رونما ہوا تھا، جسکی اسلام کے "البینات" پر زد پڑتی ہے، میری مراد قادیانی تحریک سے ہے، ایک جدید نبوت، جدید وحی کا دعوے پیش کیا کہ اسلام کے اس "البینہ" یعنی نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ وحی کسی پر اب نہیں ہوگی، نبوت ختم ہو چکی ہے۔ تحریک اٹھائی گئی، کہ اسلام کو بھی ادیان سابقہ کی طرح پرانے دینوں، پرانی نبوتوں، پرانی دعوتوں میں شریک کرکے، ایک نئے نبی، نئے دین کی تحریک چلائی جائے، مسلمانوں کو بجائے تازہ امت نئی قوم کے، پرانی فرسودہ امم بائدہ میں شریک کر دیا جائے۔ بلا شبہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخت نبوت سے اتار کر دوسروں کو بٹھانے کی کوشش ہے۔ شاید اس سے زیادہ خطرناک، قوتوں سے بھری ہوئی تحریک اسلام میں کبھی اٹھی ہو۔ یہ کھلا ہوا دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ارتداد و قطعی ارتداد ہے۔ جسکا ازالہ شبہہ سے بھی نہیں ہو سکتا۔

[1] خدا نے چونکہ خبر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا گیا ہے اب اگر آنحضرت کی نظیر خدا پیدا کریگا تو اسکی خبر تم نبوت غلط ہو جائیگی اسی سے امکان و امتناع کذب کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبد القوی۔ بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق

رشید آباد پیلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی تین روپیہ

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ آنے

نمبر ۱۷ | دوشنبہ ۲۱ شعبان المعظم سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ اگست سنہ ۱۹۴۳ء | جلد ۹

مجدّدِ ملّت

(مولانا عبد الباری صاحب ندوی، استاذ جامعہ عثمانیہ دکن کے تاثرات)

کیا عرض کروں! حضرت رحمہ اللہ کا سانحۂ رحلت ساری امت کا سانحہ ہے۔ نافعنا اللہ بہما۔ لیکن سب سے زیادہ محتاجِ تعزیت اہت کا شاید یہ سب سے ناکارہ نام لیوا ہے، جو قدم قدم پر دستگیری کا محتاج و طالب رہتا تھا۔ ۔۔۔ اعقبنا منہ عقبیٰ حسنۃ"

"زخرف القول" اور "ظن وخرص" کی گرم بازاری نے "صدق وعدل" ایمان وعمل کی راہوں کو ایسا تاریک بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر محض اپنے فضل سے حضرت کی علم وحکمت، فہم وفراست، فکر وبصیرت، صلاح وتقوے، تعلیم وتربیت، خیر خواہی وشفقت کی جامع اور مصالح ومفاسد پر نظر رکھنے والی "مجددِ وقت" ذات کے قدموں تک نہ پہونچا دیا ہوتا، تو میرے جیسے بے بصر وبے بصیرت کی "ضلالت واستدراج" سے نجات دشوار تھی۔

۱۵، ۱۶ سال کی سالانہ حاضریوں، ہفتوں اور مہینوں کے قیام، خلوت وجلوت کی صحبتوں، مختلف مسائل ومعاملات پر مسلسل مکاتبت اور اصلاح وتربیت کے تعلق؛ تجربہ کی آنکھوں نے جو کچھ بھی تھوڑا بہت دیکھا اور پایا، اس نے بحمد اللہ حضرت کے مجدد ہونے میں کسی وسوسہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ پھر ختم نبوت کے بعد دین کے مختلف گوشوں میں جو خلل وفساد واقع ہو — اور ہونا ناگزیر ہے — اسکے رفع کے لیے نبی تو آ نہیں سکتا۔ لہذا دینِ حق کی بازیافت کا راستہ مجددِ وقت کی یافت واتباع کے سوا رہ ہی کیا جاتا ہے۔ شاہراہ یہی ہے۔ جزئیات میں البتہ وہ بھی خواص بلکہ اخص الخواص کے۔۔ اجتہادی اختلاف کی گنجائش ہمیشہ رہ سکتی ہے، مگر اسکے لیے اصلاح وتجدید کے الگ الگ کیمپ کھڑے کرنے کی مطلق حاجت نہیں۔

چھوٹے بڑے مختلف سوراخوں سے اصلی دین میں جتنے فسادات راہ پاگئے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کے قلمِ تجدید سے سب کا سدِّ باب فرما کر دین کو تر وتازہ اور حجت کو تمام فرما دیا ہے۔ اب امتِ محمدیہ (علیہ التحیۃ والتسلیم) خصوصاً اسکے علماء وصلحاء کا کام تھا اور ہے کہ وہ اس وارثِ نبوت کی میراثِ علم کے مطالعہ سے اس حقیقت کو پہچانیں، اور امت کو متنبہ ہوا کی گرفت سے چھڑانے کی سعی فرمائیں۔ ورنہ اگر ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کا اسی طرح دور دورہ رہا تو اختلاف وتفرق کا انجام کسی کی آنکھوں سے چھپا نہیں! الا ان یشاء اللہ! کان امراً ۔۔۔ یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ۔

اس بے مایہ ان کے تاثرات ہی کیا اور انکا حاصل ہی کیا۔ البتہ کبھی کبھی مختصراً حضرت کے مقامِ تجدید کے اعلام کا جی چاہتا ہے لیکن "خوض متراً" کی وبا کا ہر سمت ایسا زور ہے، کہ اخبارات ورسائل کے اکھاڑے میں جھانکنے کی بھی ہمت اس کم ہمت کے لیے مشکل ہے۔ اس نقار خانہ میں معقولین کے ساتھ وہ بھی اس گمنام کے نام سے اسماع واستماع کی کیا امید! تاہم اگر طبیعت آمادہ ہوئی اور کچھ بن پڑا اور صدق کے لائق ہوا، تو انشاء اللہ امتثالِ امر ہوگا۔

حالات حضرت علامہ مرحوم کی سوانح عمری اگر مطبوعہ
ہو چکی ہو تو آپ اپنے قلم سے چند سطور جلد سے جلد
تحریر فرما دیں۔ عین نوازش ہوگی۔"

یہ خط بطور نمونہ کے درج کیا گیا۔ لکھنؤ، حیدرآباد، رامپور وغیرہ
سے متعدد فرمائشیں موصول ہو چکی ہیں، ناشرین کی طرف سے بھی، اور عام
صدق خوانوں کی طرف سے بھی کہ حضرتؒ کی سوانح عمری یا نامہ سیاہ
جلد سے جلد اپنے قلم سے لکھیے۔ جواب میں عرض ہے کہ اسکے لیے اچھا
خاصا وقت نکالنے کی ضرورت ہے، اور اس سے تفسیر کے کام، صدق
کی ادارت، اور دوسرے ناگزیر مشغولیتوں کے ہوتے ہوئے بالکل
معذوری ہے۔ اس لیے مستقبل قریب میں اسکی امید ہرگز نہ قائم کی جائے۔
البتہ خود صدق ہی میں ان شاء اللہ عنقریب ایک سلسلہ مضامین اپنے
ذاتی تاثرات و مشاہدات کا شروع ہوگا "محمد علی، ذاتی ڈائری کے انداز
پر" جو "سچ" کے صفحات میں مدتوں نکلتی رہی۔ وہ رہی مضامین ممکن ہے
آخر میں کتابی صورت اختیار کرلیں۔ باقی یوں حضرتؒ کی ایک مکمل
سوانح عمری وقت وفات سے شاید چار ہی چھ سال قبل کے خاکہ
کی، "اشرف السوانح" کے نام سے تین جلدوں میں، خواجہ عزیز الحسن غوری
بی اے، مجذوب، پنشنر انسپکٹر آف اسکولز کے قلم سے موجود ہے۔ اور
خواجہ صاحب سے بڑھ کر اب بھی کسی کو حق اس موضوع پر قلم اٹھانے
کا نہیں ہے۔

سود کی حرمت

"ساہوکار ملک کے طول و عرض پر بلائے عظیم
کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی انصاف کی عدالتیں
نیم سالی مدد، معاون ہیں اور انھیں روپیہ وصول کر کے دیتی ہیں۔ جسکا
نتیجہ یہ ہے کہ اس ملک کا زمینداروں کی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنا ہوا
ہے اور اسکا کچھ مرحل رہا ہے۔ شرح سود کی حد بندی بالکل بے معنی ہے
کیونکہ بنیے جو رقم کسی کو دیتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ تمسک پر
لکھوا لیتے ہیں۔ اس لوٹ کھسوٹ کے انسداد کی صورت ایک اور
صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ سودی کاروبار کو ہندوستان کے طول
و عرض میں خلاف قانون قرار دیا جائے۔"

راے کسی اور کی نہیں۔ سر ڈگلس ینگ کی ہے، سابق جج ہائیکورٹ
الہ آباد، جو ابھی چند روز قبل پنجاب ہائیکورٹ کے چیف جسٹس تھے!
سودی معاملات کا، سودی پیچیدگیوں کا تجربہ ان سے بڑھ کر کس کو ہوگا؟
سودی مقدمے ان سے زیادہ کس کے سامنے پیش ہوئے ہونگے؟ سود
کے ساتھ ہمدردی نہ ہونے کی انھیں شخصی، قومی، تعلیمی، تہذیبی کسی بنیاد پر
بھی کوئی وجہ کیا؟ بااینہمہ وہ یہ کہہ رہے ہیں، ہر تدبیر و کوشش کی ناکامی،
تحدید شرح سود کی بے اثری کے طویل تجربہ کے بعد اپنے کو یہ کہنے پر مجبور
پا رہے ہیں کہ شرح سود کے گھٹانے سے کچھ نہیں ہونے کا۔ دنیا کو اس لعنت
سے اگر بچانا ہے تو اسکا طریقہ بس یہی ہے کہ نفس سود ہی کو ممنوع قرار
دے دیا جائے۔ اور ترقی و روشن خیالی کا نام لے کر وہ سود کی ترویج و تبلیغ نہیں
کر رہے ہیں" سود مند" کانفرنسوں کی طرح نہیں مولوی ملا ہے ہیں، اُلٹا
سود کو حرام قرار دینے کے لیے زور لگا رہے ہیں!

نیا مینا بازار

"سررشتۂ معلومات عامہ کی ایک اطلاع سے
واضح ہے کہ مملکت حیدرآباد دکن گرل گائڈ متعانی خیراتی امور اور سرمایۂ
جنگ کی امداد کے لیے" بعض مقررہ تواریخ میں مدرسہ محبوبیہ نسواں میں
ایک مینا بازار لگا رہی ہے۔ یہ بازار تین روز تک لگیگا۔ آئندہ
جمعہ کو اس بازار کا پہلا دن ہوگا۔ اور اس روز "پردہ کا اہتمام
نہ ہوگا"۔ ہفتہ کو پردہ کے انتظام کے ساتھ ہوگا اور پھر ایک روز
کے وقفہ کے بعد دوشنبہ کو بچوں اور پردہ نشینوں کے لیے وقف
رہے گا"

جس مینا بازار میں فلاں فلاں دن پردہ کا اہتمام نہ ہو، یعنی مردوں
کو بھی اس میں آنے جانے، چلنے پھرنے کی آزادی حاصل ہو، اسکے
اخلاقی اور دینی پہلوؤں پر گفتگو تو دکن کے اسلامی روزناموں اور
اسلامی مجلسوں پر چھوڑیے۔ یہاں گزارش صرف اسقدر ہے کہ ایسے
بازار پر "مینا بازار" کا اطلاق ہی کب جائز ہے؟ —— اردو زبان
میں اب تک "مینا بازار" کے صرف دو ہی مفہوم تھے۔ ایک یہ کہ وہ مخصوص
بادشاہ کی سیر کے لیے لگایا جائے۔ گویا اس معنی میں وہ مرادف ہے
"شاہی میلہ" کا۔ اور دوسرا مفہوم یہ کہ وہ خالصۃً عورتوں ہی کا بازار ہو۔
گویا "زنانہ میلہ" کا مرادف۔ اور یہی معنی اسکے عام طور پر چلے ہوئے ہیں
نیر کے ضخیم و مستند اردو لغت نور اللغات، اور جلال کے سرمایۂ زبان اردو
میں سوا انکے کوئی تیسرے معنی درج نہیں۔ اب اگر "مینا بازار" بول کر
مردوں کی آمد و رفت جائز رکھی جا سکتی ہے، تو کیوں نہ "زنانہ کالج"
بول کر اس میں لڑکوں کا داخلہ، اور "زنانہ کمپارٹمنٹ" کا لیبل لگا کر
اس میں مردوں کا سفر بے تکلف جائز رہے؟

شر میں خیر

"حالت یہ ہے کہ جہاں پچاس روپیہ کی آمدنی ہے، وہاں بھی
ایک ماما اور ایک چھوکرا ضرور ہوگا۔ آخر کیوں؟ اپنے ہاتھوں کام کرنے میں
کیا عیب ہے، خود کام کر کے تو دیکھیے۔ جتنا وقت نوکروں سے سر کھپانے
میں ضائع ہوتا ہے، اس سے آدھے میں سارا کام ہو جائیگا۔ گھر پہلے سے
دوگنا صاف نظر آئیگا، اور صحت یقیناً بہتر ہو جائیگی .....

سنگھار کی اشیاء کا استعمال بھی آجکل بہت ہو گیا ہے۔ کریم، پوڈر،
لپ اسٹک، اب سب ہی استعمال کرتے ہیں۔ جلد نرم کرنے کے لیے
پہلے بیویاں روغن بادام لگاتی تھیں، یا صرف بادام پیس کر لگاتی تھیں۔
معمولی سرسوں کا تیل تک جلد کو نرم کر دینے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔
پوڈر کا بدل تجویز کرنے میں قاصر ہوں۔ صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ کم
لگائیے اور کم سے کم دفعہ لگائیے۔ ویسے بھی زیادہ پوڈر جلد کے لیے
بہت نقصان دہ ہے۔ کئی کئی دفعہ صابن سے منہ دھونا بھی جلد کے لیے
مضر ہے۔ اسکے بدلے بیسن سے دھوئیے جو مفید بھی ہے۔ انگریزی دنیا

تقریر تعزیت

(از فاضل اجل مولانا سید مناظر احسن گیلانی، صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

...... ہاتھ ہندی مسلمانوں کے دین کا، ایمان کا، علم کا، اخلاص کا، سلامتیٔ فہم، اصابتِ رائے کا جو آخری نمونہ تھا، آہ کہ وہ ہم سے جدا کر لیا گیا

ایتہا النفس اجملی جزعا
ان الذی تحذرین قد وقعا

واقعہ ناگزیر پیش آ ہی گیا۔ اگرچہ اسی حیدرآباد سے یہ خیال لے کر دیوبند گیا تھا کہ مجلس شوریٰ سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان کے چودھویں صدی کے "پیر مجیب" کے قدموں کے چومنے کا شرف حاصل کروں گا لیکن دہلی پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایمانیوں کا وہ "محبوب" تقریباً ایک ہفتہ سے "محبوب اعظم" میں مستغرق ہے۔ نواب عبد الباسط خان صاحب (سابق صوبہ دار حکومت آصفیہ و ناظم عدالت) جو وظیفۂ حسن خدمت پا رہے ہیں اور مجلس شوریٰ دار العلوم کے رکن ہیں۔ وہ ہم سے پہلے دلی پہنچ چکے تھے۔ اور دلی سے وہ سیدھے تھانہ بھون تشریف لیگئے تھے ان ہی سے تفصیلاً معلوم ہوا تھا کہ حضرت والا پر استغراق کی حالت طاری ہے۔ نواب صاحب نے کسی نہ کسی طرح جمال جہاں آرا سے سعادت اندوزی کا آخری موقع حاصل کر لیا تھا فرماتے تھے کہ گاؤ تکیہ سے لگے ہوئے، دونوں ہاتھ پائینتی ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے ہوئے پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک کرسی پر نواب صاحب بیٹھ گئے۔ بند آنکھ والے قدسی چہرے پر نواب صاحب کی آنکھیں جمی ہوئی تھیں، کہ اچانک، بند آنکھیں کھل گئیں۔ اور جسے سمجھا جاتا کہ بیہوشی کی حالت میں ہیں۔ مولوی عبد الباسط خان کی طرف خطاب کرکے "اخاہ نواب صاحب کب تشریف لانا ہوا، خیر و عافیت تو ہے" جواب میں صرف یہ کہہ سکے کہ بحمد اللہ اچھا ہوں۔ حضرت کی تو بیہوشی کو آ گیا تھا، کہ پھر وارفتگی کا جھونکا آیا۔ کھلی آنکھ پھر بند ہو گئی۔ چند منٹ گزرے تھے کہ پھر حسب اٹھی۔ اور ریکی وہ کہتے تھے ویسے ہی دار العلوم دیوبند اور اسکے نصب العین، طریقۂ عمل، موجودہ حالات کی تفصیلات کے ساتھ حالیہ پیچیدگیوں کے سلجھانے کے متعلق حضرت والا نے جو کوششیں فرمائی تھیں وہ سب بیان فرمائیں۔ کامل بیداریٔ دماغ کے ساتھ معاملہ کے ایک ایک پہلو پر گفتگو فرمائی۔ مہتمم صاحب دار العلوم مفتی مولانا محمد طیب صاحب جو حضرت والا کے مسترشدین میں ہیں انکے نام پیغام دیا۔ بیچ میں بعضوں کی طرف سے اس مسئلہ کے متعلق کچھ سوال و جواب کا سلسلہ بھی چھڑا۔ تشفی بخش وہی اپنے خاص با صول الاشرف طریقے سے اسکا جواب عنایت فرمایا گیا۔ اور پھر آنکھیں بند ہو گئیں۔ مولوی عبد الباسط خاں صاحب اٹھ کر چلے آئے۔ دلی میں مجھ سے یہ حالات بیان کیے۔ اسی وقت خطرہ ہوا کہ خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے۔ تاہم یاد وجہ مجھ میں یہ امید پیدا ہو گئی کہ آخری زیارت سے شاید محروم نہ ہو سکوں گا۔ اسی امید کو لیے کر دیوبند پہنچا، وہاں کو پہنچا تھا۔ یہ ۱۷ رجب مطابق ۲۰ جولائی کی شب تھی۔ کل مجلس شوریٰ کا جلسہ ہونے والا تھا۔ دار العلوم کے مہمان خانہ میں ٹھہرا گیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہی خیال کہ مجلس ختم ہو، اور آخری تمنا پوری ہو، سامنے آتا اور نکل جاتا تھا۔ تین بجے رات کو آنکھ کھلی۔ وہی خیال مسلط تھا۔ اب وہم تھا یا کیا تھا، کچھ کافور کی خوشبو ناک میں آئی۔ خوشبو کے ساتھ ہی وجہ خطرہ آیا، کہ گویا واقعہ پیش آ گیا۔ بمشکل اس خطرہ کو ٹالا، اور پھر سو گیا۔ صبح ہوئی۔ آٹھ بجے دفتر میں اراکین جمع ہونے لگے، فقیر بھی حاضر ہوا۔ چند اراکین کا انتظار ہو رہا تھا۔ ایک کتاب کی ضرورت تھی، انتظار کے وقت کو غنیمت خیال کرکے کتب خانہ اسی کتاب کی جستجو میں چلا گیا۔ دس منٹ کے بعد واپسی ہوئی، اراکین شوریٰ پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ کیا ہوا؟

حضرت تھانوی کا انتقال ہو گیا

بجلی کی طرح یہ خبر کانوں سے گزرتی ہوئی دماغ اور دل پر ٹوٹی۔ بہوت ہو کر بیٹھ گیا۔ میری امید کی دیوار بیٹھ گئی۔ رات کا خطرہ خطرہ ہی نہیں واقعہ کا احساس تھا۔ جلسہ ملتوی کیا جائے، مدرسہ کا کاروبار بند کیا جائے ہر طرف سے یہی تحریک ہونے لگی۔ میں اپنے خیال میں غرق کہ کیا سوچ رہا تھا اور کیا ہو گیا۔ آخر جلسہ ملتوی ہوا۔ مہتمم صاحب دار العلوم مولانا طیب صاحب نے فرمایا چلیے اور دورہ چلیے، وہیں قرآن خوانی اور کلمہ خوانی ہو گی۔ اور مجھ سے فرمایا آخر میں ایک تعزیتی تقریر بھی کو کرنی ہو گی۔ مجھ سے کہتے بن پڑی۔ میں نے عرض کیا، لیکن اصرار پیہم نے مجبور کر دیا۔ دورے کا ہال طلبہ و اساتذہ و متعلقین دار العلوم سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہم دونوں کو وہی الحل کا سماں طاری تھا۔ ان ہی میں ہم سب بھی شریک ہو گئے۔ شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وقت ختم قرآنی میں گزرا۔ گزرا تو نہیں گیا، لیکن بہرحال ختم شاید ہو گئے ہوں۔ اب سب جمع ہو گئے۔ مولانا طیب نے کھڑے ہو کر حضرت والا کی وفات کا اعلان فرمایا، بھرائی ہوئی آواز میں مجھے اشارہ کیا۔ حاضر ہو گیا۔ اور وہی قرآن کی عجیب و غریب آیت جس نے صدا ہی جانتا ہے تیرہ سو سال کے اس طویل عرصے میں مسلمانوں کے نازک وقتوں میں انکے ٹوٹے ہوئے دلوں کو کتنی دفعہ جوڑا ہے، خاکسار نے تلاوت کی۔ یعنی وما محمد الا رسول، قد خلت من قبلہ الرسل، أفإن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاباً مؤجلاً، ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا ومن یرد ثواب الآخرۃ نؤتہ منہا وسنجزی الشاکرین (آل عمران) خطاب علماء سے تھا۔ ترجمہ کی حاجت نہ تھی۔ ابتدا کے چند فقرے بسیط غیر مخلوط عام آواز میں نکلے۔ لیکن زیادہ ضبط ممکن نہ ہوا۔ اب منہ سے الفاظ، آنکھوں سے آنسو، الفاظ بھی اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے جن میں دل غرق تھا۔

تعلیم و تہذیب و ثقافت کا وہ سلسلہ جو تیرہ ہو گیا جسکے اجسام اگرچہ اپنے اپنوں سے پیدا ہوئے تھے لیکن جنکی روحوں نے ایمان کا نور اس اہلِ علم کے نور سے حاصل کیا تھا جس کی روشنی مردوں میں بھی پھیلی اور عورتوں میں بھی، عوام میں بھی خواص میں بھی۔ جسکی بہشتی زیور نے اسلامی خواتین کو اگر سنوارا تو تفسیر القرآن اور کلیدِ مثنوی، التکشف اور عبدیت کے دعوات نے مردوں کو جگایا۔ جسکے قلم نے تقریباً ۔۔ سال تک زمینِ ہند کے ایمانی دائروں کو مہکائے رکھا چھوٹی سے بڑی کتابوں تک جسکی تصنیفات کی تعداد غالباً ہزار کے قریب پہنچتی ہے، اردو زبان سے متجاوز ہو کر جسکے افادات طیبہ نے سندھی، گجراتی، بنگالی، انگریزی تک کا لباس خود اُسی کی زندگی میں اختیار کیا۔ پس گو یہ مصیبت مسلمانانِ ہند کی عام مصیبت ہے لیکن اے دارالعلوم دیوبند کے طالب العلمو! تمہارا اور ہمارا تو باپ بلکہ باپ سے بھی کچھ زیادہ ابتدائیہ رکھتا تھا آج اُسکا سایہ ہمارے سروں سے ہٹ گیا ہے۔ یقیناً روئیں گے ہم جسقدر رو سکتے ہیں، لیکن یہ تو فطرت کا ایک اضطراری اقتضاء ہوگا۔ پر آہیں ایسے وقت میں بھی عقل اور ایمان کے سررشتہ کو ہاتھ سے دینا نہیں چاہیے۔ ابھی آیت تلاوت کی گئی، یہ محکم و قطعی نص کی شکل میں فیصلہ ہے کہ اذنِ الٰہی اور فرمانِ رب گزرنے کے بعد مسلم تیا موت کا ظہور ہوتا ہے العینی رحم سے جو بھرا ہوا ہے، حکمت سے جو معمور ہے اُسکے علم و ارادہ سے گزر کر موت کا حکم وہ اُتھی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور ایسی چیز قطعاً بیجا نہیں سا ہے بلکہ بجا ہی ہو سکتی ہے اور آگے کہتا ہوں، تیلا اس عام غلط محاورہ کی تغلیط ہے جس میں لوگوں کی موت کو ناوقت کی موت بے وقت کی موت قرار دینے والے قرار دیتے ہیں۔ کتابِ ہے، نوشتہ ہے، مقرر ہے، موتمل ہے وقت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، ہم میں سے ہر فرد کی موت۔ بس یہ تو سوچنے کی بات ہی نہیں ہے کہ جنکا وقت پورا ہوگیا، سو وہ کیوں پورا ہوا۔ اسی لیے پورا ہوا کہ وہ پورا ہوچکا تھا، سراسر رحمت و حکمت کے اذن سے پورا ہوا۔ تسلی کے لیے اور کیا چاہیے۔ البتہ سوچنے کی بات یہ ہے جو اس سے پہلے ہی، صبر کا وقت ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے سنجری الشاکرین شکر کا مطالبہ ہورہا ہے۔ یہی مقام محلِ غور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی مدرسہ تھا، یہی دارالعلوم، اسکے یہی در و دیوار آج سے ستر پچھتر سال پہلے اسی مدرسہ میں ایک طالب العلم داخل ہوا، اسی قسم کا جیسے تم میں ہر ایک اس مدرسہ میں داخل ہوئے، وہ نہ کوئی جن تھا، نہ جن نادہ، نہ فرشتہ نہ فرشتہ زادہ آدمی اسی قسم کا آدمی جیسے تم آدمی ہو، وہ اسی مدرسہ میں آیا، جس میں تم آئے ہو، یہیں رہا، اسی طرح رہا جیسے تم رہتے ہو، اس نے یہیں سے فائدہ اُٹھایا۔ کچھ لیکر نہیں آیا تھا، لیکن جب باہر ہوا تو اُس میں ایک قوت بھر گئی، ایسی قوت کہ دس دس، بیس بیس ہزار کے مجمعوں کو تنہا ہم گوش بنا کر وہ جلتے اور ہم گوش گھنٹوں بٹھائے رکھتا تھا۔ اسی دارالعلوم سے حاصل کی ہوئی قوت نے اسکی انگلیوں سے وہ چیزیں لکھوائیں جنھیں بلامبالغہ کروڑوں نے اگر نہیں تو لاکھوں نے پڑھا، پڑھا ہی نہیں بلکہ ان پڑھنے والوں میں خدا ہی ان نفوس کے اعداد و شمار سے واقف ہے، جو ٹیڑھی راہوں سے ہٹ کر سیدھی راہوں پر لگ گئے۔ شیطان کے دوست تھے الرحمٰن کے طالب بنگئے، جہنم کی طرف بھاگے جارہے تھے، جنت کی طرف اُنکا رخ ہوگیا۔ یہ ہے وہ نقشِ قدم جو جانے والا آپ کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ پس اے دارالعلوم میں داخل ہونے والے طلبہ جو اسی طرح اس مدرسہ میں داخل ہوئے ہو جس طرح وہ ہوا تھا یہی اسکا نقشِ قدم ہے۔ شکر کے یہی معنی ہیں کہ جس طرح جانے والے نے اپنی توانائیوں کے ہر ہر قطرہ سے خود نفع اُٹھایا دوسروں کو نفع پہونچایا۔ تم بھی اسکے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرو۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے ان قوتوں سے جو تمہارے اندر و باہر بھری گئی ہیں نفع اُٹھاؤ۔ ایسا کروگے تو حق تعالیٰ کا وعدہ سنجری الشاکرین کا ہے۔ اور اس نقشِ قدم کو چھوڑ کر اگر تم اپنی ایڑیوں پر واپس جاؤگے تو فلن یضر اللہ شیئاً خدا کا وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ ہذا و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔

ضمیمہ (۱) اس عرصہ میں چند واقعات جو معلوم ہوئے اُنکا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا (۱) سننے میں آیا کہ وفات کے دن کی صبح سے بار بار دریافت فرماتے رہے کہ آج کونسا دن ہے۔ جواب۔ دوشنبہ پیر کا دن ہے۔ پھر پوچھتے کون دن ہے، دوشنبہ پیر کا دن ہے۔ اللہ اللہ اس مسرت کا اندازہ کون کرے۔ جسے جانے کا وہی دن ملے جس دن ہم سب سے بڑے جانے والے دنیا سے تشریف لیگئے۔ ظہر سے پہلے سُنا گیا کہ استغراقی کیفیت کا انجلاء ہوا "الحمدللہ معاملہ صاف ہوگیا" یہ بشارت سنائی گئی۔ عصر کے بعد امانتوں کے صندوق کا مطالبہ ہوا۔ عورتوں نے عرض کیا کہ کمزوری ہے پھر دیکھ لیجیے گا۔ لیکن اصرار بڑھا آخر میں فرمایا "ہم جارہے ہیں" لوگ کانپ گئے۔ صندوقِ امانت لاکر رکھدیا گیا۔ ان تؤدوا الامانات الیٰ اہلہا کا فرض ادا کیا گیا۔ مغرب سے کچھ پہلے۔ دیکھو آج مغرب ہم کہاں رہتے ہیں۔ اور دس گیارہ کے درمیان آخر زندگی کی وہ گھڑی آگئی جسکے لیے چوراسی سال سے جی رہے تھے۔ فرزندِ اشرف علیہ غسل کے وقت جن کو مشاہدہ کا موقع میسر آیا، وہ کہتے تھے، مسکراہٹ چہرہ پر کھیل رہی تھی!

ضمیمہ (۲) دارالعلوم میں جسوقت خبر آئی، ہلچل مچی ہوئی تھی۔ کیا پہونچنے کی کوئی صورت ممکن ہے، ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔ لیکن ساری راہیں مسدود نظر آئیں۔ مگر پھر بھی پچاس ساٹھ طلبہ یوں ہی برستے ہوئے پانی میں پیدل، سیلاب کسی چیز کی پروا کیے بغیر پیادہ تھانہ بھون روانہ ہوگئے۔ مغرب کے وقت پہونچے۔ جنازہ کی شرکت کی آرزو اگرچہ پوری نہ ہوئی لیکن انما الاعمال بالنیات سے طوفی کی سعادت تو حاصل ہوگئی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ سہارنپور سے ایک اسپیشل ٹرین، اور شاملی سے دوسری اسپیشل صلاۃ جنازہ میں شریک ہونے کی تمنا رکھنے والوں کو لیکر روانہ ہوئی۔ ثانی الذکر بحمداللہ ادا وہ میں کامیاب ہوئے لیکن سہارنپور والے بعد از وقت پہونچے۔ بارش ہورہی تھی۔ پھر بھی چار پانچ ہزار تک نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا لوگوں نے تخمینہ کیا۔

مولانا! میں حیران ہوں۔ دارالعلوم چھوڑے ہوئے تقریباً پچیس چھبیس سال ہوئے۔ ۱۹۔۔ء میں الگ ہوا تھا۔ برسوں کے بعد حاضری میسر آئی تھی لیکن حیران ہوں خدا کی اس شان پر جو دو سادہ سادہ رکھتا تھا خود حضرت والا کی خدمتِ گرامی میں میری حاضری وہ بھی ایک یا دو دن کے لیے زندگی بھر میں چار پانچ ہفتے سے زیادہ مشکل ہی سے ہوئی ہوگی۔ لیکن اس غائب کو دارالعلوم میں اسوقت حاضر ہونے کا موقع کیسے مل گیا۔ گو نماز جنازہ میں شرکت میسر آئی نہ اس سے پہلے دیدار کا موقع نصیب ہوا لیکن جس مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد اُسکے طلبہ کے ساتھ رہنے کا تو موقع مل گیا۔ مجھ ایسے کوتاہ بختوں کے لیے یہ بھی غنیمت ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مینا بازار

(بلدۂ حیدرآباد میں)

..... اس مینا بازار کے متعلق ایک دو باتیں توجہ طلب ہیں۔ یہ اُن لڑکیوں کی جانب سے منعقد ہو رہا ہے جو مختلف مدارس سرکار عالی میں تعلیم پا رہی ہیں۔ یہی اس بازار کی میزبان ہونگی۔ اور پہلا دن ایسا ہے جس میں "پردہ کا انتظام نہ ہوگا"۔ اسکا مطلب شاید یہ ہے کہ اس روز صرف وہی خواتین شریک ہونگی جو بے پردہ ہیں۔ اور دیا مرد بھی آئیں گے! اگر یہی مطلب ہو تو اس روز "گرلز" گائڈز کی لڑکیاں تو ہونگی ہی ہونگی۔ اور ان میں پردہ دار لڑکیوں کی بھی کثرت ہے "مینا بازار" پہلے بھی لگا کرتے تھے۔ مگر ایسا بازار جہاں مرد بھی شریک ہو رہے ہوں غالباً یہ اپنی نوعیت کا پہلا ہوگا۔ یہ ایک مخلوط اجتماع ہوگا جو ایک زنانی مدرسہ میں منعقد کیا جا رہا ہو اور جس میں میزبان "گرل گائیڈز" بھی ضرور رہیں گی۔ پس یہ اول تو پردہ دار لڑکیوں کے لیے بے پردگی کی ابجاز بنے گا اور پھر ان پردہ دار خواتین کو بھی اپنی طرف کھینچ لائے گا جو مغربی تعلیم اور ترقی پذیر ادب اور روشن خیالوں کی ترغیبوں کے تحت پردہ افگنی کے لیے ایک پاؤں پر ملین سے لگی کھڑی ہیں۔ اس حالت کو ہمارے روشن خیال خواہ کتنا ہی نسوانی ترقی کی معراج قرار دیں، مگر یہ ہے انکے تنزل کا اور انکے ساتھ پورے انسانی معاشرہ کے تنزل کا سبب۔ مغربی معاشرہ ہمارے سامنے ہے۔ اس نام نہاد نسوانی ترقی نے جو عورتوں کی مردانہ تعلیم اور ہر دائرۂ عمل میں مردوں کی ہمدوشی سے تعبیر کی جا رہی ہیں متعدد طریقوں سے انسانی معاشرہ کو کمزور اور بے دماغ کر دیا ہے اور دنیا کو آج نہیں تو ایک روز ضرور پھر تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ نوع انسانی کی ترقی کے لیے ٹھیک نہیں ہے نہ مردوں کے لیے ٹھیک ہے اور نہ عورتوں کے لیے۔ یہ حالت جسمانی، دماغی اور روحانی ہر قسم کی دونوں جنسوں کی قوتوں کو برباد کر دیتی ہے۔

دوسری بات توجہ طلب یہ ہے کہ یہاں کی دلچسپیوں میں بہت سی بے ضرر چیزوں کے ساتھ فنون لطیفہ، موسیقی، اور "لکی ڈِپس" کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ "فنون لطیفہ اور موسیقی" سے مراد اگر ناچ رنگ اور ڈرامہ ہیں تو یہ بہت برا ہے۔ اسی وقت بھی جب اداکار مدارس کی طالبات نہ ہوں۔ ہاں یقیناً کثرت طالبات بھی شریک ہونگی اور اسکا اُن پر یہ اثر ضرور مرتب ہوگا کہ ایک مدرسۂ نسواں میں منعقد ہونے والے ایسے بڑے اجتماع میں جسکو بہت بڑے اجتماع میں جسکو بہت بڑی شخصیتوں کی سرپرستی حاصل ہے، اگر یہ چیز روا رکھی جاتی ہے تو بے ضرر ہی نہیں ہمارے لیے مفید تحریک ہوگی۔ اگر ہم مفید اور ترقی پرور معاشرہ پیدا کرانا چاہتے ہیں تو ہم کو ان سیکڑوں لڑکیوں کے ذہنوں میں یہ غلط اثر پیدا کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ "لکی ڈِپس" بھی قمار کو انکی نظر میں جائز ٹھہرا دینگی۔ کسی برائی کا محض تفریح کے طور پر یا کسی نیک مقصد کے لیے جائز رکھنا بہر کیف ایک برائی کو عمل کرانا ہی ہے۔ اس میں انکے عادی ہو جانے کا قوی امکان ہے۔

بہرحال ہمیں تو معاشرہ کے لیے اس مینا بازار کا ایک ایک دن مرد کا جلوہ اور اسکی وہ تفریحیں جو بوڑھے نفس کو ہوا دینے والی ہیں ہمارے مختلف معاشرہ کی تعمیر کے لیے سخت مضر معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے اجتناب کے مشورہ کو ہم روک نہیں سکتے۔ (ماہر دکن)

نئی شاعری

"ہمایوں" کے تازہ نمبر میں ڈاکٹر ..... صاحب کی ایک نظم "تبسیہ" کے عنوان سے شایع ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے، اور سمجھنے کی کوشش کیجیے:

منھ ہونٹوں سے آ لپٹی ہو
گیتے پڑتے؟
کچھ گھنی گہروں کے پردے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں
میری آنکھوں کے تبسم پہ نہ بھول
یہ کسی حُسن کی تنویر کی یاد
انھیں پیغام مگر کیا دوگی؟
گل ہوا تیرا چراغ
اب سو جا"
چھوڑ دے راہ مجھے جانے دے

خدا گواہ ہے اس "نظم تبسیہ" کو ہم نے کوئی پچاس دفعہ پڑھا ہوگا لیکن انتہائی غور و تعمق کے باوجود اسکے معانی ہمارے فہم ناقص پر نہ کھلے۔ ڈاکٹر صاحب کی انتہائے بلاغت اور اپنے کمال جہالت پر بے حد افسوس ہوا۔ کوئی دوست جنھیں "جدید شاعری" کے غوامض و اسرار پر عبور ہو ازراہ کرم اس نظم کی شرح سلیس اردو میں لکھکر ارسال فرمائیں، ہم بے حد ممنون ہوں گے۔

اور حضرت مصنف ہی تکلیف فرمائیں تو سبحان اللہ، کیونکہ اس نظم کے معنی انھیں کے بطن میں ہیں، اور وہیں سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ (انقلاب)

بزم ہمدردان صدق

اہلیہ فخرالدین صاحب ایبو پال ؟ مثلہ،

امید ہے کہ دیگر معاونین و ہمدردان صدق اس مثال کی تقلید فرمائیں گے۔

(مہتمم صدق)

خریداران صدق کی خدمت میں گزارش

باوجود امکانی احتیاطوں کے کچھ عرصہ سے صدق کے پرچے ڈاک میں کثرت سے غائب ہونے لگے ہیں۔ اس سلسلہ میں خریداران صدق کے شکایتی خطوط دفتر میں آ رہے ہیں۔ امکانی کوشش کی جاتی ہے کہ دوبارہ پرچے شکایت کرنے والے صاحبان کو بھیج دیے جائیں لیکن کاغذ کی گرانی کی وجہ سے پرچے بہت محدود چھپتے ہیں اس لیے

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

ایڈیٹر عبدالماجد

مقام اشاعت دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو

محمد عبدالرؤف ناظم "صدق"

مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی تین روپیہ

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق
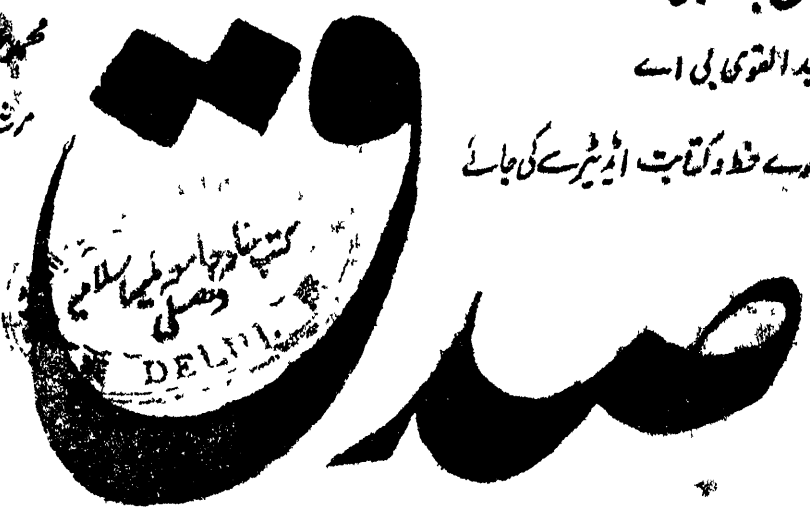
نمبر ۱۹	دوشنبہ - ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ۶ - ستمبر ۱۹۴۳ء	جلد ۹

سچی باتیں

وجعلنا انہ یقوی الضعیف ویھضم الطعام ویعین علی الباہ ویسلی المحزون ویسخی البخیل ویصفی اللون وینعش الحرارۃ الغریزیۃ ویزید فی الھمۃ والاستعلاء (جلد ۲ ص۲۳ مصر)	شراب کے فوائد یہ ہیں کہ وہ کمزور کو قوت دیتی ہے، کھانا ہضم کرتی ہے، قوت مردمی کو ترقی دیتی ہے، غم زدہ کا دل بہلاتی ہے، بزدل کو بہادر بنا دیتی ہے، کنجوس میں سخاوت پیدا کر دیتی ہے، بدن کے رنگ کو نکھار دیتی ہے، حرارت غریزی کو تسکین دیتی ہے اور حوصلہ بلند ہمتی بڑھا دیتی ہے۔

یہ شراب کے فضائل و مناقب کسی کافر و زندیق کی زبان سے نہیں، کسی شاعر کی زبان سے نہیں، کسی طبیب کی زبان سے بھی نہیں، علمائے متکلمین کے سرخیل و سردار، مفسرین محققین کے امام، امام فخرالدین رازیؒ کی زبان سے، انکی مستند و شہرۂ آفاق تفسیر مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) میں! ——— مدح و توصیف اُس شراب کی، جسکی کراہت یا حرمت کسی فقیہ، کسی مجتہد، کی استنباط کی ہوئی نہیں، بلکہ حرمت قطعی منصوص ہے قرآن میں وضاحت کے ساتھ اور مدح و توصیف بھی کسی مخصوص قسم کی نہیں، ایک عمومی رنگ کی!

اور امام موصوف اس باب میں منفرد نہیں، ایک اور مشہور مفسر علامہ ابن کثیر ہیں، ملاحظہ ہو (جلد اول ص۲۵۵) :—

من حیث ان فیھا نفع البدن و تھضم الطعام واخراج الفضلات وتشحیذ بعض الاذھان ولذۃ فیھا	جسم کے حق میں مفید، کھانے کو ہضم کرنے والی، فضلوں کا اخراج کرنے والی، بعض ذہنوں کو تیز کر دینے والی، تیز سرور کی لذت بخشنے

المطربۃ التی فیھا کما قال حسان بن ثابت فی جاہلیتہ ونشربھا فتترکنا ملوکا واسدا لا ینھنھا اللقاء	والی۔ جیسا کہ حسان بن ثابت (شاعر اسلام صحابیؓ) نے اپنے زمانہ قبل اسلام میں کہا تھا ہم شراب پیتے ہیں اور اسپی کر ہم بادشاہ، اور شیر کے دلیر ہو جاتے ہیں

یہ دو قول صرف نمونہ کے طور پر نقل ہوئے۔ کُل اکابر و فضلاء امت کے نام اور قول کوئی کہاں تک نقل کرے ——— کیا خدانخواستہ یہ حضرات شراب نوشی یا شراب فروشی کو جائز کرنے والے تھے؟ اسکی جانب رغبت و شوق دوسروں کو دلانے والے تھے؟ حرمت شراب کے حکم کو کسی درجہ میں بھی کم کرنے والے، ہلکا کرنے والے تھے؟ ان پر یہ اتہام یا سوء ظن کوئی بھی پہلو صداقت کا اپنے اندر رکھتا ہے؟

ان سب کو بھی چھوڑیے۔ بہرحال بندے تھے، بشر تھے۔ قرآن مجید سے بڑھ کر گندہ چیزوں کو گندہ قرار دینے والا کوئی اور کسی کے خیال میں بھی آسکتا ہے؟ پھر خود اُس نے شراب اور جوا (خمر و قمار) کی حرمت قطعی کے ساتھ ساتھ اسکا بھی اعلان کیا ہے یا نہیں کہ

فیھما ...... منافع للناس	ان دونوں میں ...... لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں!

(نفع، بصیغۂ واحد ہی نہیں، منافع بصیغۂ جمع!) اور یہ کہ

اثمھما اکبر من نفعھما	انکا گناہ انکے نفع سے بڑھا ہوا ہے!

اور حافظ شیرازؒ تو "عیب مے" کے نہیں "ہنر مے" کے اعلان کی تعلیم کھلا دیتے ہیں، اور اُسکے چھپا جانے کو، گول کر جانے کو محض جذبات عوام کی پاسداری ٹھہراتے ہیں ؎

عیب مے جملہ چو گفتی ہنرش نیز بگو

نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

یہ حال جب اُن چیزوں کا ہے، جنکی حرمت نص جلی قرآنی سے ثابت ہے، تو اب کسی اور فرقۂ ملت کی معصیت کی، کسی نامی شخص کے بعض منفقی "اور اصلاحی

پہلوؤں پر توجہ دلانا، انکے اظہار معصیت کے ساتھ ساتھ، کوئی جرم کسی درجہ کا بھی ہے؟ —— یہ کہنا کہ تصویر کشی شریعت اسلامی میں قطعاً ممنوع، لیکن فلاں فلاں تصویریں مدد تبلیغی و اصلاحی مقاصد میں لی جا سکتی ہیں، کسی حال میں بھی معصیت ہے؟ یا لکھنا کہ راگ راگنی کا شغل قطعاً ناجائز لیکن فلاں راگ میں ایک درس معرفت الٰہی کا بھی مل جاتا ہے، کسی حد تک بھی قابل ملامت ہے؟ —— دنیا کے پردہ پر کیا انصاف کی آنکھ اتنی اندھی ہو چکی ہے؟

ایک آیت پر سوال

ایک مدرسہ عربیہ کے ایک استاد لکھتے ہیں:—

"آج سورۂ یوسف کے مطالعہ کے دوران میں ایک شبہہ گزرا، تصدیق چاہتا ہوں، جواب شائع ہو تو نفع عام ہو۔ شبہہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا کہ سجدہ کر رہے ہیں۔ تو اب اس میں عجیب بات یہ ہے کہ سورج کی موجودگی میں تو کوئی تارا نظر نہیں آیا کرتا، تو خواب میں بھی اسی طرح نظر آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اجرام آسمانی کا بشر کے سامنے سجدہ کرنا اور بھی عجیب ہے۔"

شبہہ کی بنیاد صرف اس قدر ہے کہ خواب کا خواب ہونا ذہن سے نکل گیا، اور "رؤیا" کو "رویت" پر قیاس کر لیا گیا۔ خواب میں تو ہر شخص کو ایسی چیزیں نظر آیا کرتی ہیں جو بیداری میں کبھی بھی نہ تجربہ میں آتی ہیں نہ مشاہدے میں۔ خواب میں ہر وہ چیز متشکل و مجتسم ہو کر نظر آ سکتی ہے (اور نظر آتی ہی رہتی ہے) جسے ذہن انسانی بس تصور کر سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تخیل و تصور کے حدود سے نہ یہ امر باہر ہے کہ چاند اور سورج یکجا ہو جائیں، نہ یہ کہ سورج اور تارے اکٹھے ہو جائیں، نہ یہ کہ انکا اجتماع رات کے وقت ہو۔ تخیل میں یہ سب ممکن بلا شائبۂ اشکال۔ اور خواب کی دنیا تخیل ہی کی ایک شکل ہوتی ہے۔

رہا یہ کہ سجدہ کس صورت میں تھا، اسکی تفصیل نہ قرآن میں موجود ہے نہ کسی روایت صحیح میں، نہ توریت میں (جہاں اس خواب کا ذکر ہے)۔ ظاہر ہے کہ سجدہ، اصطلاحی شرعی سجدہ، یعنی ایک خاص ہیئت کے ساتھ ماتھا ٹیکنے کے معنی میں نہ تھا۔ وہ اس اصطلاح کے بعد ابھرنے سے پہلے کا سجدہ تھا۔ سجدہ کے لغوی معنی صرف اظہار عجز کرنے یا پستی و تذلل کے ہیں۔ سجدہ اسے خضوع۔ اور خود قرآن مجید میں سجدہ متعدد مقامات پر انہی معنی میں ہے۔ یہاں بھی بعض ائمہ تفسیر نے یہی معنی لیے ہیں، کہ حضرت یوسف نے ان اجرام نورانی کو اپنے آگے جھکتے، یعنی تذلل کا اظہار کرتے دیکھا۔

ساجدین اے متواضعین (مدارک)

سجدہ کی اصل انقیاد ہے (تھانوی)

امام رازیؒ نے یہ سوال قائم کر کے کہ یہاں سجدہ سے مراد سجدہ ہی ہے یا محض تواضع؟ جواب دیا ہے کہ کلا ہما محتمل (یعنی ممکن دونوں معنی ہیں) مگر خود ترجیح پہلے معنی کو دی ہے۔

ندوہ اور ندوئین

ندوہ کی بحث لڑکوں کی اشرائیک سے شروع ہو کر کہاں سے کہاں پہنچی! یہاں تک کہ یہ بھی اخبارات میں آگیا کہ "ندوہ نے اپنی پچاس سال کی زندگی میں کیا ہی کیا۔ دیوبند اور سہارنپور نے فلاں اور فلاں علماء جیسی ہستیاں پیدا کی ہیں، اس درجہ کا ایک شخص بھی نہ پیدا کیا اور نہ ملک و ملت کی کچھ بھی مذہبی رہنمائی کی۔ صرف ادب و تاریخ پر البتہ کچھ کتابیں لکھ لکھا دیں (ملخصاً)"

اسوقت اس سے آسان کوئی کام نہیں کہ کسی چیز کا دعویٰ کر دیا جائے۔ دعویٰ ہی نہیں، دعویٰ کر دینے کی ہوتی ہے، اسکے بعد ہر دعویٰ، ہر جیسی ہوئی چیز پڑھ کر سنانے والے کچھ نہ کچھ اُڑتی ہی کھڑے ہوتے ہیں۔

اول تو علماء دارالعلوم ہی سے پیدا ہو سکتے تھے، نہ کہ مجلس ندوۃ العلماء سے۔ اور دارالعلوم کی عمر بلحاظ مدرسہ کے ہے۔ پھر ندوہ کو ایک نئے قسم کا تجربہ کرنا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ نئے تجربوں کی کامیابی میں وقت بہت زیادہ لگ جاتا ہے۔ دوسرے دعوے کا ہر جزو بھی مطلق صورت میں صحیح نہیں، کہ دارالعلوم نے کوئی مذہبی رنگ کا عالم پیدا ہی نہیں کیا۔ جو ان مرگ مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم کی دینی بزرگی مسلم تھی۔ مولانا عبدالباری ندوی مدت سے دینیات ہی کا درس جامعہ عثمانیہ میں دے رہے ہیں اور انکی مذہبیت تقشف کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ مولانا علی میاں ندوی اور خود سید الطائفہ مولانا سید سلیمان ندوی کی مذہبیت اہل دیوبند (رشی، دیوبند، تھانہ بھون) آخر کس حلقہ میں مشکوک ہے؟ پانچواں نام مولانا اویس ندوی نگرامی کا بڑھا دیجئے۔ انکا مقابلہ جس دینی درسگاہ کے، اُنکے ہمسن جس عالم سے چاہیے کیجئے دیکھ لیجئے —— اور یہ پانچ نام وہ ہیں، جو بغیر کسی تلاش و تفحص کے برجستہ یاد آ گئے۔

اگلے پاروں کی اشاعت

تاج کمپنی کے مینیجنگ ڈائرکٹر صاحب لکھتے ہیں:—

"آپ کا پارۂ دوم نصف سے زائد کمپوز ہو چکا ہے۔ محض کاغذ نہ ہونے کے سبب سے کام بند پڑا ہے۔ جو کاغذ پہلے پارہ میں لگایا گیا وہی دوسرے سے تیسویں تک سب پاروں میں لگانا چاہیے۔ میں حیدرآباد گیا تھا۔ مسر پور مل والوں سے ملا۔ انھوں نے سچاسے ۱۷ پونڈ والے کاغذ کے ۱۴ پونڈ والے کاغذ کی حامی بھر لی، لیکن ۱۲ ٹن کہیں سال کے آخر میں دے سکیں گے! پارۂ اول چھپ جانے کے بعد یقین تھا کہ حیدرآباد مل سے کاغذ ضرور مل جائیگا۔ اب آپ ہی کا کوئی ذریعہ وہاں ہو، تو کوشش کیجیے کہ سرپور مل کا پرنٹنگ پیپر ۳۰ × ۲۰ سائز وزن ۳۲ پونڈ، ہمیں ۲۵ ٹن مل جائے، تو اسکے سارے ترجمہ کے لیے کافی ہو جائے"۔

مدیر صدق کا کوئی ظاہری ذریعہ بجز ناظرین صدق کے نہیں۔ اور حیدرآباد میں صدق کے ناظرین کی تعداد اتنا دافضہ اتنی ہے جتنی ہندوستان کے کسی علاقہ میں کم بیش ہوگی۔ جو ان سطروں پر نظر دکن کے کسی صاحب درد صاحب اثر کی پڑ جائے!

ہے تعالیٰ کی توفیق سے ... خود اس صعوبت کے باوجود کیسا زبردست جو ... ہے تاریخ اسلام پر کتابیں لکھنا، سیرت نبوی کی تحقیق کرنا، ... صحابۂ کرامؓ، تابعین کے حالات و سیر کو بسط و تفصیل اور ... تحقیق کے ساتھ اردو میں منتقل کرنا، ادبیات اسلامی پر مقالے شائع کرنا، کیا یہ سارے مضامین دینیات و اسلامیات سے خارج ہیں؟ یہ ساری خدمات مذہب کی نہیں، کسی اور چیز کی ہیں؟ — اس چوتھائی صدی کے اندر جتنے بھی فتنے امت میں برپا ہوئے، مستشرقین کے حملے، فتنۂ انکار حدیث، فتنۂ نگار، وغیرہا، ان سب موقعوں پر ندوہ والوں سے بڑھ کر کسی نے قدم میدان میں رکھا؟

اصلی اور سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دین اور خدمت دین کو مرادف سمجھا گیا ہے دیوبندیت کے، اور محصور کر لیا گیا ہے فقہ و حدیث کی تعلیم میں۔ حالانکہ یہ حصر نہ پہلے کبھی صحیح تھا، اور نہ آج کسی طرح صحیح ہے۔ دیوبند کی عظیم الشان خدمات دینی سے کس کو انکار ہے؟ وہ روز روشن کی طرح روشن ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا، کہ اب امت کو اور کسی خدمت دینی کی ضرورت نہیں رہی، اسی قدر غلط و بے بنیاد ہوگا، جتنا یہ کہنا کہ امت بخاریؒ و مسلمؒ، ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کے بعد رازیؒ، غزالیؒ، باقلانیؒ و اشعریؒ سے بے نیاز ہو گئی! دین کی خدمت کا راستہ ایک ہی نہیں، بیشمار راہیں ہیں۔ ندوہ کو اگر دیوبند و سہارنپور کا محض ضمیمہ بن کر رہنا تھا، تو ایک بالکل جدید قسم کی علمی درسگاہ کی ضرورت ہی کیا تھی محض؟ ... کا تنہا کافی تھی ... بیسیوں شاخیں دیوبند کی اب بھی کھلی ہوئی ہیں ... ندوہ اپنا ایک مستقل ... ایک مستقل پیام حیات، دوسرے اداروں سے الگ، اسکی خدمات کا جائزہ اسی کے معیار سے لیا جا سکتا ہے۔

ایک کلامی مسئلہ

مولانا عبد الرؤف خان صاحب، مدرسہ سراج العلوم، جھنڈے نگر (ضلع بستی) سے لکھتے ہیں:۔

"ایک دریافت طلب چیز مسئلہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد ہے۔ معقولیوں نے یہ مسئلہ ایجاد کیا ہے۔ آج کے معقولی عیسائی پادری عبد الحق اسی لیے کہتے ہیں کہ توحید خالص ناممکن ہے، اس لیے عقیدۂ تثلیث ہی درست ہے۔ ورنہ تمام افعال احیاء، اماتت، قہر، رحم وغیرہ ایک ذات سے اسی اصول مسلمہ کے مطابق صادر نہ ہو سکیں گے۔ اسکا مفصل جواب امام غزالیؒ یا ابن تیمیہؒ یا علامہ ابن القیمؒ کے تصنیفات میں نظر سامی سے گذرے ہوں، تو اس سے مطلع فرمائیں۔ ان بزرگوں نے اسی اصول مسئلہ اور اور اس جیسے بہت سے منطقہ و فلاسفہ کے ڈھکوسلوں کی قلعی کھولی ہے۔ میں نے دہلی کے مدرسہ رحمانیہ کے کتبخانہ میں اس قسم کی کتاب دیکھی تھی۔ اب نہ کتاب کا نام یاد ہے، اور نہ اس معمولی جگہ پر کوئی کتبخانہ ہے۔"

سوال بجنسہ درج کر دیا گیا۔ ناظرین صدق میں ایک طبقہ معقولات قدیم کے ماہر علماء کا بھی ہے۔ توقع ہے کہ ان میں سے کوئی صاحب ازراہ کرم اسکے جواب کے لیے کچھ وقت نکال لیں گے۔

انسان کی شقاوت، سیٹھ نگر (راجپوتانہ) کے قیامت خیز سیلاب کا حال روزانہ اخبارات میں نظر سے گذر چکا ہوگا۔ اسلامی آبادی پانچسو کی تھی اس میں سے پانچ چھ زندہ بچے ہیں! سرکاری تخمینہ ہے کہ انسانی جانوں کا نقصان تین اور چار ہزار کے درمیان ہوا ہے۔ اور جانوروں کا شمار نہیں۔ ۳۰ر جولائی کو صبح (نئے وقت سے) ۶ بجے تھے۔ اور لوگ ابھی سو رہے تھے کہ یہ سیل بلا آئی، اور دو گھنٹے کے اندر اپنا کام ختم کر گئی۔ پانی، زمین سے ۱۴ فٹ اونچا تھا، اور ۶ میل تک پھیلا ہوا گویا نمونۂ سمندر! کچھ لوگ پیڑ کی یا پختہ مکانوں کے اوپر چڑھ گئے، وہ تو بچ گئے، باقی سب اس طوفان نوح کی نذر! ہر طرف ہر آتی تھی، اور انسانوں کی ٹولی کی ٹولیاں بہتی ہوئی، ہاتھ پاؤں مارتی ہوئی، ایک دوسرے کو نگاہ حسرت و یاس سے دیکھتی ہوئی، بہی جا رہی تھیں۔ پرانے بڑوں کا بیان ہے کہ ایسا دردناک منظر آج تک دیکھنے میں نہیں آیا — خیر یہ تو قدرت کے انتظامات تھے۔ اب اس انتہائی عبرت کے موقع پر خاص حضرت انسان نے جو کچھ کیا، وہ بھی ملاحظہ ہو:۔

"کتنی کتنی سیلے تک مرد، عورت اور بچوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ یہ موقع پا کر قریب کے گاؤں کے سانسی آ گئے اور اس بیدردی سے دو عورتوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر زیورات لے گئے کہ بیان سے باہر ہے ..... سننے میں آیا ہے کہ جرائم پیشہ اقوام اور سانسیوں سے پولیس نے سولہ بوریاں زیورات کی برآمد کی ہیں۔" (رسالۂ نجات۔ دہلی ۶ اگست نمبر)

خدائی قہر و غضب ان دونوں واقعات میں زیادہ نمایاں کس میں ہے؟ اُس سیل فنا میں، پانی کی ان ہلاکت انگیز موجوں میں، یا اِس انسانی قساوت، دیدہ دری، جانوروں کو بھی شرمندہ کر دینے والی سنگدلی میں؟

ایک حدیثی روایت

ایک جید فاضل اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:۔

فتح الباری تو آپ کے مطالعہ میں رہتی ہی ہوگی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ والی مشہور روایت، یعنی حبشیوں کے حراب سے کھیلنے اور اسکا تماشہ دیکھنے کا قصہ، ذرا اسکے تفصیلات آپ فتح الباری میں نکال کر دیکھ لیجیے، صحیح بخاری میں یہ حدیث چار جگہ نقل ہوئی ہے۔ ایک ایک بار کتاب الصلوٰۃ و کتاب العیدین میں، اور دو بار کتاب الجہاد میں۔ اور قدرۃً اسکی شرح میں حافظؒ نے بھی فتح میں بسط سے کام لیا ہے۔ لیکن صدق میں تو کھیل تماشہ، لہو و لعب سے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی تشریح میں قرآن و حدیث کی سیدیں اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر، روشن تر و واضح تر، بار بار پیش ہو چکی ہیں۔ جن دلوں پر ان تبلیغات کی طرف سے قفل لگے ہوئے ہیں، اُنکے سامنے اس مزید سند کے پیش کرنے سے حاصل کیا؟

چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی!

سیلاب فسق

صدق کے مراسلہ نگار خصوصی لاہور سے لکھتے ہیں۔

سعیِ بے حاصل

(از عبد الماجد)

نصیر آباد (ضلع خاندیش) سے آیا ہوا ایک سوال مہینوں سے پڑا ہوا تھا۔ نوبت آج جاکر درج کرنے کی آ رہی ہے۔

"ایک خلجان باعث خلش بلکہ بالذات خلش اور سراپا اضطراب بن چکا ہے۔ کاش کہ آپ کے نعض بار قلم سے نکلے ہوئے نقوش دل پر سکون و اطمینان کی متین چھاپ پیدا کردیں۔

کائنات مجموعہ ہے اختلافات کا۔ ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف۔ یہ تسلیم کہ یہ اختلافات باعث تزئین ہیں، مگر خلجان و تشویش اسکی خصوصیات ہیں۔ فلک کی وہ کیا خصوصیات ہیں جنکی بنا پر اُسکو ایک خاص شکل عطا کی گئی۔ اسی طرح زمین کو زمین کیوں بنایا گیا۔ کیا زمین میں کوئی ذاتی صلاحیت اور استعداد تھی زمین ہی بننے کی؟ اور اسی طرح جسکو جو کچھ بنایا گیا، اُسکی استعداد اسی کی مقتضی تھی؟

اگر بات یہی ہے تو بظاہر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، مگر ایک سوال پھر بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر انکی استعدادوں میں اختلافات کس طرح پیدا کیا گیا؟ تناسخ اسکے حل کیلیے ایک راہ ہے، لیکن تناسخ بجاے خود گرداب بنکر رہ گیا۔ میں مسئلہ کی حقیقت اسلامی نقطۂ نگاہ سے جاننا چاہتا ہوں۔

کوزہ کو کوزہ گر سے باغیانہ انداز سے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہم بھی صانع حقیقی کی پُر حکمت صنعت پر مکرر انداز میں ایک حرف کرنا ضلالت سمجھتے ہیں۔ یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں، محض سمجھنے کیلیے، اطمینان پیدا کرنے کیلیے ہے۔ کما قال فی القرآن العظیم اَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلٰی وَلٰکِن لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِی۔

جب مرکز سب کا ایک، سب اُسی مرکز سے مربوط۔ پھر صورت و معانی میں اختلافات ہی کیونکر رونما ہوا؟ امید ہے کہ اسلامی ذہنیت رکھنے والے فلاسفروں، اور دوسرے درجہ میں مغربی فلسفیوں کو بھی پیش نظر رکھ کر جواب ارشاد ہوگا۔"

جواب جیسا بھی بن پڑیگا، ابھی آگے عرض ہوگا۔ لیکن یہ پہلے سے سن رکھیے کہ جو امید مکتوب کی آخری سطروں میں ظاہر کی گئی ہے، وہ بہرحال و بہر صورت پوری نہ ہوگی ——— فلسفہ مسائل الٰہیات کو حل نہیں کرتا، صرف پیچیدہ کو پیچیدہ تر بنا دیتا ہے۔ وہ مدعی ہے کہ صرف عقل کی مدد سے اُن مسائل کو حل کر ڈالیگا، جو عقل و حواس دونوں کی دسترس سے ماوراء ہیں۔ انجام کار خود اس دعوے کی بے عقلی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

جواب سے قبل یہ سوچیے کہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا؟ اسی لیے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ خواص اشیاء میں اختلافات طبعی کیونکر نہ کہ جواب پاکر قلب سکون، اطمینان و راحت محسوس کرے۔ مقصد یقیناً مبارک و مسعود، اور اُسکی کوشش و خواہش بھی معقول۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا ہونا، کسی جواب سے بھی ممکن ہے؟ جواب، معقول سا معقول، فرض کر لیجیے کہ مل گیا، کیا ذہن کی پیاس اس سے بجھ جائیگی؟ ——— اختلافات خواص اشیاء کی جو بھی مصلحت، جو بھی غایت سمجھ میں آئیگی، کیا معاً اُس پر بھی، اسی قوت کے ساتھ، یہ سوال نہ اُٹھ کھڑا ہوگا، کہ اچھا پھر اس غایت کی غایت، اس مصلحت کی مصلحت، اس کُنہ کی کُنہ کیا ہے؟ اور یہ غایت یا مقصد ہی کیوں مقصود قرار پایا؟ اور اس سلسلۂ سوالات کے ختم ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ خود تناسخ والے عقیدہ میں، علاوہ دوسری کمزوریوں کے، ایک بڑی کمزوری یہی ہے، کہ اصل بحث جہاں سے شروع ہوئی تھی، اُسے وہ تشنہ جوں کا توں چھوڑ دیتا ہے۔ — غرض یہ کہ جب بے حاصلی پہلے سے متیقن ہو تو مغز کاوی کی ہی کیوں جائے؟ اور جب منزل تک نارسائی یقینی ہو، تو سفر کی زحمت ہی کیوں گوارا کی جاتی ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اطمینان قلب چاہا تھا، وہاں صورت استدلال قیاسی کی نہ تھی۔ مشاہدۂ حقائق کی تھی۔ اور مشاہدہ بھی ایسا جو صرف حواس انبیاء کے لائق تھا۔ ہم میں سے کسی کو اپنے ظرف و بساط کے موافق، اس مشاہدہ و رویت کا کوئی شمہ نصیب ہو جائے، تو بے شبہہ وہ ایک بیش بہا دولت ہے، اور تسکین و اطمینان کے لیے کافی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ عالم "قال" کا نہیں، "حال" کا ہے۔

اسکو بھی جانے دیجیے، خود اس پہلو سے دیکھیے کہ ہماری کون سی دینی ضرورتیں سوال کے حل پر موقوف ہیں۔ کون سے اعمال ایسے ہیں جو اس حل کے انتظار پر رُکے ہوئے ہیں۔ یقیناً کوئی نہیں۔ کوئی بھی ایسا دینی، دنیوی جزئیہ ایسا نہیں، جو اس اُلجھن کے دُور ہو جانے کے بعد، ہمارے لیے پانی ہو جائے۔ کیا نماز میں خشوع و خضوع اسکے بعد زیادہ نصیب ہو جائیگا؟ کیا عام عبادتوں اور طاعتوں میں طبیعت کی گرانی اسکے بعد انشراح سے بدل جائیگی؟ کیا بخل، حسد، کبر، طمع، وغیرہ امراض نفسانی کا معالجہ کچھ اس سے ہو جائیگا؟ ——— دین سے قطع نظر، دنیا کے رستے میں بھی اس سے کیا مدد مل جائیگی؟ کون سی معاشی دشواریاں اس سے حل ہو جائینگی؟ کون سی معاشرتی، خانگی، سہولتیں اس سے بہم پہنچ جائینگی؟ ——— بیٹھے بٹھائے سوال کا جواب بالفرض اصلاً و عقلاً ممکن ہوتا، لیکن عملاً بے نتیجہ رہتا، جب بھی عقل و شریعت دونوں کا فتوی یہ تھا کہ ایسے شغل لایعنی کو چھوڑ ہی دیا جاتا۔ چہ جائیکہ جب اصل سوال ہی کی بے حاصلی سرے سے ظاہر ہو۔

پیدا ہوا؟ زمین میں "زمینیت" کی اور آسمان میں "آسمانیت" کی استعداد کیونکر پیدا ہوئی؟ ظاہر ہے کہ مخلوقات نے اپنے ارادہ سے کام لیکر تو اپنی کوئی وضع، شکل، فطرت، استعداد پیدا نہیں کی، لامحالہ تشخصات خالق ہی کے قوت ارادی کے کرشمہ ہیں، اُن میں سے ہر تشخص ہر تعین کی حکمت کیا ہے؟

گویا سوال حکیم مطلق کی بعض حکمتوں کی توجیہ عقلی سے متعلق ہے۔ لیکن عقل جزوی عقل کلی کا احاطہ کر ہی کیونکر سکتی ہے؟ فہم بشری کے لیے ممکن کیونکر ہے کہ وہ ہمہ حکمت کی کسی فعلیت کو کسی بلند تر قانون کے اندر لاسکے؟ اور یہی معنی ہوتے ہیں توجیہ عقلی کے۔ خدا کا وجود علت العلل یا مسبب الاسباب کی ہستی ہم نے مانی ہی اس غرض سے تھی کہ سبب و نتیجہ، علت و معلول کے سلسلہ لامحدود سے ہم کو، اور دوسرے تسلسل سے نجات ملے۔ ہر علت کی علت، ہر حکمت کی غایت ختم ہی جاکر اُسکی مشیت (یا ارادہ) پر ہو جاتی ہے۔ اب اگر اُسکی مشیت بھی کسی اور مصلحت یا غایت کے ماتحت ہوئی، تو اُس پر آخری مشیت خداوندی کا اطلاق ہی کیسے درست ہوگا؟ غایۃ الغایات اور ہر حکمت کی منتہیٰ اگر اسکی حقیقت بھی ہوتی تو مشیت خداوندی شیئ خداوندی ہی نہیں، بلکہ ایک بالکل دوسری

بحث وجود باری اور صفات باری کے اثبات کی چھیڑنی پڑے گی۔ یہاں مقصود صرف اس قدر ہے کہ "خدا" کوئی محض لفظ تو ہے نہیں، معنی و مفہوم رکھتا ہے۔ خدا کو خدا مان کر، اسکے معجزات کو پیش نظر رکھ کر، اسکے کسی فعل سے متعلق توجیہ عقلی کا سوال چل ہی نہیں سکتا۔

اور پھر عقل کے حدود کو بھی برابر مستحضر رکھنا چاہیے۔ عقل بھی صرف ایک قوت ہے۔ انسان کی بہت سی قوتوں میں سے ویسی ہی محدود جیسی دوسری قوتیں ہیں۔ آنکھ کا کام صرف دیکھنا ہے، روشنی، رنگ وغیرہ کے مظاہر کے لیے۔ اسکے سوا اور جو کچھ بھی ہے، اُسکے لیے نامعلوم ہے۔ کان صرف آواز سن سکتے ہیں، ایک خاص درجہ اور خاص فاصلہ کے اندر کی آوازیں۔ کائنات میں باقی جو کچھ بھی موجود ہے، قوت سامعہ کے نزدیک معدوم ہے۔ بعینہ اسی طرح کی ایک بشری قوت عقل ہے۔ عقل کا کام ہے اُن معلومات کو ترتیب دینا جو مختلف حواس سے حاصل ہوں، اور اُس ترتیب و ترکیب کے اثر سے مجہول کو معلوم، خفی کو جلی بنانا۔ اسکے آگے عقل ذرا قدم نہیں رکھ سکتی۔ اور جو مسائل کہ سامعہ، باصرہ، لامسہ وغیرہ کے دسترس سے، اپنی مفرد و مرکب ہر شکل میں باہر ہیں، انکے حل کرنے میں عقل ایسی ہی معطل و بے بس ہے، جیسے غذا کے ہضم کرنے میں، خون کو گردش میں لانے میں، تقاضائے نفسی تعلقات پیدا کرنے میں ——— اور ظاہر ہے کہ بالکل ظاہر ہے، کہ تکوینیات کی حکمت، بلکہ حکمت در حکمت کو محسوسات یا معاملات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اشیاء کائنات کی صلاحیتوں، خاصیتوں، استعدادوں کے اختلاف و تنوع کی ضرورت کے تو سب ہی قائل ہیں۔ اسکا مدعی کوئی بھی نہیں کہ ساری مخلوقات کو بالکل یکساں ہونا تھا۔ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ زید کیوں ہے، اور بکر، بکر کیوں؟ اسکا اجمالی جواب، عقل بشری کے حدود کے اندر ممکن، صرف یہ ہے کہ ہر ہر فرد کی صلاحیت و استعداد نظام کائنات کی مجموعی مصلحت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، ہر ہر جزو کا تشخص و تعین اسکے کل کی مناسبت سے کیا گیا، اور ہر ہر پرزہ ٹھیک ویسا اور اُسی غرض سے فٹ کیا گیا، جو اس عظیم الشان مشین کی مجموعی غایت و مقصد کو پورا کرسکے۔ چاند کو چاند، اور سورج کو سورج اسی لیے بنایا گیا، کہ ٹھیک انھیں سے کائناتی ضرورتوں کی تکمیل ہوسکتی تھی۔ چاند میں اگر سورج کے، اور سورج میں اگر چاند کے خواص رکھ دیے جائیں، تو وہ سارا نظام کونی ہی برہم ہو جائے، جو فاطر ارض و سما کے پیش نظر تھا۔ اسکے آگے ذات باری سے متعلق کرید کرنا، اور افعال حق کی توجیہ ڈھونڈھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود ذات واجب الوجود سے متعلق سوال ہونے لگے، کہ اسکا وجود کسی دوسرے وجود کے معلول و نتیجہ ہے۔ اور اس سب کے پیدا کرنے والے کا پیدا کرنے والا کون ہے! ——— اکبر نے اسی مقام پر پہونچکر کہا ہے ؎

ذہن میں جو گھر گیا، لا انتہا کیونکر ہوا!

صفات باری، اُسکی ذات ہی کی طرح لامحدود ہیں، لامتناہی ہیں، بیکراں ہیں۔ لامحدود کی پیمائش کوئی محدود آخر کس پیمانہ سے کرے؟ اور مطلق کوئی مقید اپنے ادراک کی گرفت میں کسطرح لاسکے؟ وہ ہمہ علم ہے، کوئی اسکے علم کا احاطہ کرسکتا ہے؟ وہ ہمہ توانائی ہے، کوئی اسکی توانائی کا جسٹر تیار کرسکتا ہے؟ وہ ہمہ خیر ہے، کوئی اسکی ربوبیت کی تھاہ پاسکتا ہے؟ جب اُس کی ساری صفات کا یہی حال ہے، تو صرف اسکی صفت حکمت ہی پر انسان کیوں طبع آزمائی کرے؟ اور جہاں ہر ہر صفت سے متعلق اپنی عاجزی، ذہنی نارسائی، فکری بے بساطی، عقلی بے بسی کا اعتراف کر چکا ہے، وہاں اس طویل فہرست میں ایک عنوان کا اضافہ اور سہی۔

شکر نعمت

صدق ۱۴۲ میں "ایک عزم مجاہد" کے عنوان سے جو شذرہ نکلا ہے، بحمد اللہ کہ اُسے پڑھتے ہی ایک عالی ہمت مخلص نے نثار کی رقم "مجاہد موصوف" کے لیے ارسال کردی۔

۱۶ میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر پر شذرہ نکلا تھا، اُس سلسلہ میں بھی ایک مخلص نے نثار کی رقم اس سال بھی عطا کردی۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری اسی ماہ ستمبر ۴۳ء میں ختم ہو رہی ہے، مہربانی فرماکر چندہ ایسے وقت میں بھیج دیجیے کہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر میں وصول ہو جائے۔ ورنہ یکم اکتوبر کو وی پی روانہ ہونگے۔ اور وی پی میں سرکار کا خرچ زیادہ ہے:

خریدار ۶۱ و ۱۵۹ و ۱۶۵ و ۲۱۱ و ۴۲۲

و ۵۳۴ و ۵۵۵ و ۶۳۹ و ۸۷۹ و ۹۰۵

و ۹۱۰ و ۱۰۱۲ و ۱۰۲۶ و ۱۰۵۷ و ۱۰۵۹

و ۱۰۶۰ و ۱۰۶۲ و ۱۰۶۳ و ۱۰۶۴ و ۱۰۷۲

نئی کتابیں

(مرسلۂ صدق [illegible])

(۵) **نواب ناصر جنگ شہید** - از قاضی معین الدین صاحب فاروقی - ضخامت ۱۸۰ صفحے - ملنے کا پتہ، سن برج ہاؤس - عابد بلڈنگ، مصطفیٰ بازار - حیدرآباد دکن)

جنوبی ہند کی تاریخ کے بہت سے گوشے ابھی بے نقاب ہونے باقی ہیں - انھیں میں نواب ناصر جنگ، جانشین نظام الملک آصفجاہ اول (بانی سلطنت آصفیہ) کا خونچکاں عہد حکومت بھی ہے - اس عہد کی سیاسی اہمیت اس اعتبار سے بھی زیادہ ہے کہ پہلی بار دو فرنگی قوموں فرانسیسیوں اور انگریزوں نے دیسی روسا کے معاملات میں مداخلت اور ایک دوسرے سے لڑ کر اپنے مقاصد کی تکمیل کا آغاز کیا تھا۔ زیر نظر کتاب میں مشرقی، مغربی، دونوں قسم کے ماخذوں سے فائدہ اٹھا کر اس عہد کے تفصیلی حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ انداز تحریر خاصا دلچسپ ہے، اور حسن ترتیب اور حواشی مولف کی محنت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے یہ عبرتناک حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ فرنگی اقوام، دیسی سلطنتوں سے مرعوب تھے اور کس مودبانہ انداز میں وہ اپنی عرضیاں شاہی دربار میں پیش کرتی تھیں۔

کتاب کے شروع میں ایک نقشہ دے کر ناصر جنگ کے عہد و مملکت کے ساتھ ساتھ موجودہ ریاست کے حدود بھی دکھائے گئے ہیں۔ دو صدی ہجری قبل (۱۱۶۱-۱۱۶۳ھ) اس قلمرو کے حدود میں جنوب کی طرف نہ صرف میسور کی سلطنت شامل تھی بلکہ ترچناپلی و مدراس وغیرہ کے اضلاع بھی شامل تھے، برہان پور سے آگے تک، مشرق میں ساحل سمندر کا بہت بڑا حصہ (بشمول مسولی پٹم) اور مغرب میں بھی بحیرۂ عرب کے ساحل کا کچھ حصہ اس سلطنت میں شامل تھا۔ افسوس کہ نصف سے زیادہ علاقہ اب غیروں کے تسلط میں ہے۔ نواب ناصر جنگ کے عہد حکومت کے ساتھ ساتھ انکے ذاتی خصائل و اخلاق، اور انکے علمی ذوق (خصوصاً شاعری) کی تفصیل بھی کتاب کے آخری باب میں درج ہے۔ (م۔ق)

(۶) **مبادی حکومت اسلامیہ** - از مولوی حکیم سید اشرف صاحب ندوی - ملنے کا پتہ، مصنف بذریعہ شبلی بکڈپو، نظیر آباد۔ ضخامت ۲۷۰ صفحے قیمت عہ

یہ کتاب اپنی نوعیت میں اردو میں تقریباً منفرد ہے۔ فاضل مولف نے آیت قرآنی واعدوا لهم ما استطعتم الخ کے پیش نظر اسلامی عسکریت کی خوب توضیح کی ہے۔ کتاب مذکور کا ایک مجمل ایڈیشن اس سے قبل بھی وہ شائع کر چکے تھے، اس جدید ایڈیشن میں بہت کچھ اضافے شامل ہیں۔ شروع کے ابواب میں فاضل مولف نے عہد نبوت کے غزوات، طریق حرب، اسلحہ، و اصطلاحات حرب کی توضیح کی ہے۔ اسکے بعد مختلف اسلامی حکومتوں کے دور، جنگی اصلاحوں، اور بعض بعض معرکہ ہائے جنگ کی تفصیل بیان کی ہے۔ آخر کے اجزاء میں عہد جدید کے جدید طریق حرب (بشمول ہوائی جنگ) اور آلات حرب کا ذکر کیا ہے اور انکا مقابلہ قدیم طریق و قدیم آلات سے بھی کیا ہے۔ فاضل مولف نے اپنے موضوع کے سلسلہ میں نہ صرف عربی کتب کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ جدید یورپی لٹریچر پر بھی انکی نگاہ ہے۔ البتہ ضمنی و تمہیدی مباحث میں انکا [illegible] جابجا جوش مفرط کا اظہار ہو گیا ہے، اور جدید یورپ کے بارے میں انکے خیالات خوش عقیدگی کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، اسی طرح سیاسی اعتبار سے وہ ہٹلر اور محوری طاقتوں کی ابتدائی کامیابیوں سے بہت متاثر نظر آتے ہیں، حالانکہ اب رفتار جنگ اسکے بالکل ہی برعکس ہے۔ فہرست مضامین اور اشاریہ کی غیر موجودگی کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اسکی تلافی آئندہ ایڈیشن میں ضرور ہونی چاہیے۔ (م۔ق)

نئے اخبارات

(۱) **منشور** (باتصویر) ہفتہ وار۔ ایڈیٹر سید حسن ریاض۔ قیمت سالانہ درج نہیں۔ فی پرچہ ۳ر، پتہ: دفتر آل انڈیا مسلم لیگ - دہلی

یہ پرچہ مسلم لیگ کے سرکاری آرگن کے طور پر نکل تو عرصہ سے رہا تھا۔ اب چند ہفتوں سے قائد اعظم مسٹر جناح کی سرپرستی میں نئے آب و رنگ، نئے انتظامات کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے۔ پالیسی اب بھی وہی ہے، یعنی لیگ کی ترجمانی۔ لیکن اب ظاہری و معنوی ہر حیثیت سے کہیں بہتر ہو گیا ہے۔ سید حسن ریاض صاحب ایک کہنہ مشق و ذی استعداد صحافی ہیں، ہمدم مرحوم میں، اور اسکے بعد جناب ... مرحوم کے ساتھ حقیقت (لکھنؤ) میں کام کیے ہوئے۔ اپنے ذاتی پرچے بھی نوید وغیرہ کے نام سے نکال چکے ہیں۔ مضامین انکے عموماً سنجیدہ اور ٹھوس ہوتے ہیں، محض جذباتی نہیں، پُر معلومات، پُر بصیرت۔ لیکن انکے قلم کا اصلی جوہر انکے سیاسی مضامین نہیں، بلکہ معتدبہ افسانے ہیں جو تقریباً ہر نمبر میں نکلتے رہتے ہیں ——— افسانے رنگین و دلچسپ بھی اور موثر و درد انگیز بھی۔ پرچہ صرف انھیں افسانوں کی بنا پر اس قابل ہے کہ پڑھا جائے۔

(۲) **اطلاعات** (پندرہ روزہ) ایڈیٹر عبدالوحید خاں صاحب بی اے، ایل ایل بی، قیمت سالانہ ؏ فی پرچہ ۱۰ر، پتہ، دفتر صوبہ مسلم لیگ امین آباد لکھنؤ۔

یہ یو پی مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان ہے۔ اور ابھی ایک ہی نمبر اسکا نکلا ہے۔ جدید تنظیم صوبہ لیگ میں عبدالوحید خاں صاحب شعبۂ نشر و اشاعت کے ناظم قرار پائے ہیں، اور پرچہ انھیں کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ موصوف اس قسم کے کاموں کی اچھی خاصی صلاحیت رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ پرچہ انکی ادارت میں کامیاب رہیگا اور ہر طرح ترقی کریگا۔ یہ پہلا نمبر خاصا امید افزا ہے۔

ہوں تو ساکا ... ہجوم سڑکوں پر ہوتا ہے کہ شریف آدمی کے لیے راستہ چلنا دشوار ہوتا ہے۔ اور لاہور کا مسلم پریس ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اب فرمائیے، اسکے بعد ہمارا یہ کہنے کا منہ کہاں رہ جاتا ہے کہ کانگریس کی جانب مسلمان نوجوانوں کی کشش عورتوں کی بنا پر ہے"۔

یہ سیلاب فسق جو ہمارے گھروں کے اندر تک پہونچ گیا ہے لاہور ہی تک محدود نہیں، چھوٹا بڑا ہر شہر اسکی زد میں آچکا ہے۔ اس فقرے سے مقصود لاہور کی ذمہ داروں کو الزام دینا نہیں ہے، دوسرے شہروں کو بھی انکی ذمہ داریوں پر توجہ دلانا ہے۔ جو پردہ نشین ان گندے منظروں کو، جو ہر حیثیت اور ہر جہت سے طبعی میلانات اور شہوانی تقاضوں کے ابھارنے والے منظروں کو دیکھ دیکھ کر گھر واپس آتی ہیں، انکا اللہ ہی ہے۔ انکے گھر کے افراد کے دل میں عصمت و شرافت کے خیالات باقی رہ سکتے ہیں؟ یہ سیلابی حملہ کسی فرع پر نہیں، اصل پر ہے۔ عمارت اخلاق کی بنیاد ہی کو اندر سے کھوکھلا کر دینے والا ہے --- پنجاب کے مسلمان تو اپنی غیرت و حمیت کے لیے مشہور رہے ہیں، کیا انکی غیرت کو بھی بیدار کرنے کے لیے ضرورت ہے کسی نمایاں تحریک اور بیرونی محرک کی؟ اور شہر لاہور تو مرکز ہے اسلامی اخبارات کا، مذہبی مجلسوں اور انجمنوں کا، دینی اداروں کا۔ سیلاب فسق کی روک تھام کی پیشوائی، وہ چاہے تو ادنیٰ توجہ و کوشش سے اسکے حصہ میں آسکتی ہے!

تعزیت نامے

(۱۲)

(محمد صدیق صاحب دریابادی۔ ... (بمبئی))

صدق دیکھا ہی تھا کہ "خطب ارشاد کا وصال" آنکھوں کے سامنے آیا۔ انا للہ زبان سے تو نکلا، لیکن بے ارادہ۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس وقت قلب اور دماغ دونوں جسم سے نکال لیے گئے۔ چند لمحوں کے لیے بے جان قالب بن گیا۔ اس سے پہلے والے دو نمبروں میں علالت کے متعلق آں محترم نے تحریر فرمایا تھا۔ دل تو اسی وقت سے کھٹک رہا تھا۔ آہ کہ علم و عمل کی مکمل جامعیت، ایسی جامعیت کہ جس پر خود علم و عمل کو ناز رہا ہو، ہم بدنصیبوں اور ناقدروں سے واپس لے لی گئی۔

آں محترم نے بجا ارشاد فرمایا کہ اللہ نے انکی ذات میں نور حق کی ایک جھلک دکھلا دی تھی۔ جو خوش نصیب تھے وہ حضور سے حضرت اقدس کی ذات سے لقاء ظاہری و روحانی حاصل کر لیا۔ ... اپنی ... میں کمی نہیں کی، ہاں جو بیدار انہی رکھتے تھے انکے لیے بس ذرہ برابر بھی کوئی دشمنہ نہ تھا۔

دل کو تسلی دینے کے لیے اب تو یہی سوچا کرتا ہوں کہ حضرت اقدس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے جو خدمت دین و خلق سپرد فرمائی تھی اُسے آپ نے بوجہ احسن پورا فرمادیا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اے اللہ توفیق عطا فرما ہم کو اور تمام مسلمانوں کو کہ اس مجدد وقت کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر دین و دنیا کی فلاح حاصل کریں۔

(۱۳)

مولوی ابو القاسم صاحب۔ بجوی آباد (غازیپور)

آہ حضرت مولانا تھانوی وصال فرماگئے۔ آہ کہ مجھ سیاہ کار کی زندگی میں یہ حادثہ جانگداز واقع ہونا تھا ؎

تھا یہی ہونا رضینا بالقضا — تھی یہی تقدیر لم یزل

اب تک دل بیتاب کو قرار ہی نہیں آتا۔ ہمہ وقت مولانا مرحوم پیش نظر رہا کرتے ہیں۔ اپنی محرومی القسمتی پہ بے اختیار رونا آتا ہے کہ ایسے شیخ وقت سے استفادہ باطنی نہ کر سکا۔ ۱۰-۶ جو باقی تھے وہ دل دو کان اپنی بڑھا چکے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کثیرۃ۔ اب حسرت دو تین تمنائیں ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت قدس سرہ کے حالات وصال مفصل شائع ہو جاتے۔ اس سے قبل حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وصال بھی تو رحمہ وصیت نامہ کے ذیل الحبیب کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ حضرت تھانوی کے بھی حالات وصال بسلسلہ تذکرۃ الرشید باستقلال شائع ہو جاتے تو مناسب تھا۔ دوسرے مولانا قدس سرہ کا وصیت نامہ مجتمعاً مرتب کرکے شائع ہو جاتا تو بہتر تھا۔ حضرت نے اپنا وصیت نامہ آج سے بہت پہلے تنبیہات وصیت کے نام سے شائع فرمایا تھا اور اسکے ضمیمے تھے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہتے تھے، وہ سب مرتب کرکے شائع کر دیے جاتے تو بہت بہتر ہوتا۔ اس سلسلہ میں آپ سے درخواست ہے کہ حضرت آفتاب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات کے پوشیدہ گوشوں کو اپنے مخصوص و موثر انداز میں اپنے اخبار میں ظاہر فرماتے رہا کریں۔ افسوس صد افسوس کہ حضرت مولانا کی قدر انکی حیات مبارکہ میں نہ کی گئی۔

(۱۴)

عبد الرزاق صاحب انعامدار۔ بلگام

نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ حکیم الامت علامہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے انتقال پر ملال سے ہم اہل بلگام نہایت ہی غمگین اور ملول ہیں۔ ہندوستان میں ایسا کون بدقسمت مسلمان ہوگا جسکو حکیم الامت کے رحلت فرمانے کا غم نہ ہوا ہو۔ اس غم و الم سے متاثر ہوکر بندہ نے بحیثیت صدر مسلم لیگ ضلع بلگام پورے ضلع میں بذریعہ اشتہار اعلان کیا ہے کہ آئندہ جمعہ کو بعد نماز جمعہ ایک تعزیتی جلسہ منعقد کریں اور علامہ مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کریں۔ لہذا اگر مناسب سمجھتے ہوں تو مذکورہ کارروائی اپنے اخبار ... صدق میں شائع فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر اخبار صدق۔ مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

نمبر ۲۰ | دوشنبہ - ۱۲ ر رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۳ ر ستمبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

(از عبد الماجد)

"سچی باتیں" جب نام کے ساتھ لکھی جاتی ہیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی ذاتی پہلو ہوتا ہے —— آپ بیتی کا کوئی نہ کوئی صفحہ۔

علیگڑھ یونیورسٹی کے استاد شیخ عطاء اللہ صاحب ایم اے "مکتوبات اقبال" کا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں۔ انکی فرمائشوں سے مجبور ہو کر اپنا بھی ذخیرۂ مکاتیب کھنگالنا پڑا۔ اقبال کے خطوط تو خیر اہتمام سے رکھے ہی گئے تھے، بہت سے اور خطوط بھی اس الٹ پلٹ میں نظر پڑ گئے، پندرہ پندرہ سال کے پرانے! —— ایک لفافہ ۱۹۳۱ء کا نکلا۔ اندر کا خط ۵ صفحے کا، ایک علمی فلسفیانہ مسئلہ سے متعلق۔ تاریخ ۱۱ راگست کی پڑی ہوئی۔ کاتب ایک علمی انجمن کے سکریٹری ہیں۔ پتہ "عالی جناب حکیم نفسیات مولوی عبد الماجد صاحب مد افضالہ العالیہ" کے نام ہے۔ خط کی ابتداء اس "نہایت ادب کے ساتھ گزارش" سے ہوتی ہے کہ

"ایک عرصہ سے جناب کی بیش بہا کتاب فلسفۂ جذبات میرے اور میرے احباب میں ایک کھلونا بنی ہوئی ہے۔ لفظ لفظ پر تنقیدیں، بحثیں اور کچھ ہوتے ہیں۔ اور اگر آپ اسے جھوٹی خوشامد نہ سمجھیں تو کہہ سکتا ہوں کہ ہم آپ کے اس احسان عظیم کا جو آپ نے اردو پر کیا ہے بیحد احترام کرتے ہیں" اور خط ختم ان الفاظ پر ہوتا ہے:- دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ قلت وقت کی وجہ سے اس بے التفاتی نہ برتیے گا" "آواز گدا رونق بازار کریم ست" اس خط کے پوسٹ کرنے سے جواب آنے تک ہر ہر لحظہ سخت انتظار میں گزریگا"

۹ - ۱۰ سال کا درمیانی وقفہ چھوڑ دیجئے۔ اب یہ بزم علمی کے سکریٹری صاحب اردو کے ایک مشہور کثیر الاشاعت اخبار کے مدیر ہیں۔ اپنے پرچہ کے ایک خصوصی نمبر کے لیے مضمون طلب کرتے ہیں۔ جواب میں کم فرصتی کا عذر کیا جاتا ہے۔ عذر قبول نہیں ہوتا۔ دوسرا خط اہتمام خاص کے ساتھ عالی جناب مولانا مدظلہ" کے نام آتا ہے کہ "مولانائے محترم ... اگر آپ جیسے بزرگان ملت ہی کا قلم حرکت نہ کریگا تو بڑی مشکل پڑ جائیگی۔ اس لیے بہ ادب ایک بار پھر اپنی درخواست کو دہراتا ہوں"۔ اس "عریضہ اخلاص" پر تاریخ ۷ ر جنوری ۱۹۳۹ء کی درج ہے —— چار سال اور گزر گئے، زمانہ جون ۱۹۴۳ء کا آجاتا ہے۔ اور اب یکایک اسی قلم سے عتاب کا کوہ آتش فشاں اس زور سے پھٹتا ہے کہ الحفیظ الحفیظ!

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے!

۱۹۳۹ء کے "عالی جناب مولانائے محترم مدظلہ" اور "بزرگ ملت" ۱۹۴۳ء میں اب معمولی مسلمان بھی نہیں، بدترین خلائق ہیں، ننگ امت ہیں، روس کے راسپوٹین اور باطنیوں کے حسن بن صباح کی یادگار ہیں، صدی کا سب سے بڑا فتنہ ہیں، ذاتی زندگی ریاکاری و گندگی کا مجسمہ ہے، خلاصہ یہ کہ منافق اعظم ہیں! کالم پر کالم، اکالمی، اشاعتوں پر اشاعتیں اسکے لیے وقف۔ نثر کے بعد نظم، اور نظم کے بعد نثر! مقالے اور فتوے، فتوے اور مقالے!

جو کچھ لکھا گیا، بحث اُسکے صحیح یا غلط ہونے سے مطلق نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس نامہ سیاہ کا نامۂ عمل اس سے بھی سیاہ تر ہو، صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ تو "آج" نہیں، "کل" ہوگا۔ بحث سارے قصہ کے صرف عبرت آموز پہلو سے ہے - اقبال نے کہا تھا ؎

کیا زندگی جو ہو نفس غیر پہ مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے!

یہ قول کتنا سچا نکلا! انسان کا قلب بھی کتنی جلد بدلتا رہتا ہے؟ آج کا اور کل تک کا [illegible] دیکھتے دیکھتے کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے! فلاں کی داد اور فلاں کی [illegible] کیسی دھوکے کی چیزیں ہیں، اور کیسی ناقابل اعتبار! —— [illegible] شہرت و اعزاز کی طلب [illegible] قدرت کے [illegible] ہے! —— تہذیب کے [illegible] کی آڑ میں رحمت [illegible] تہذیب کے نام سے ادب!

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو!

سیرت [illegible]

سید محمد [illegible] صاحب [illegible] سے لکھتے ہیں:-

[illegible] صدق میں مولانا عبد الباری صاحب کا خط اور مولانا [illegible] کا مضمون خوب رہا ہے۔ [illegible] ان دونوں حضرات میں سے کوئی صاحب یا جناب سید صاحب مدظلہ حضرت اقدس کے [illegible] پر مستقل طور پر روشنی ڈالیں تو بہت [illegible] مضمون [illegible] کے ہاتھ آ جائیگا۔

درخواست کے مخاطب تینوں صاحب یکساں ہیں۔ لیکن مولانا گیلانی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی معذرتیں بھی بالکل عیاں ہیں۔ مولانا عبد الباری کی کسی بیباک مشغولیت کا علم دنیا کو نہیں۔ بلکہ جہاں تک علم ہوا ہے وہ جامعہ عثمانیہ کی سرکاری خدمت سے بھی یکسوئی حاصل کر لینے والے ہیں، اور ایک بڑی حد تک اب بھی فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ اس "فرض" کو اپنے اوپر وہ "قرض" سمجھ لیں، تو اس کی ادائی کچھ ایسی دشوار نہ رہ جائے!

رزق کی گرانی

مولانا گیلانی حیدر آباد دکن سے ایک خانگی مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"کلکتہ کی گرانی! اور گرانی کا نتیجہ موت! اب ریل کا زمانہ ہے۔ قحط کا خطرہ دنیا کو نہ رہا۔ پیداوار ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل ہو سکتی ہیں، لیکن باایں ہمہ ہندوستان کی سب سے بڑی منڈی جسکا منہ براہ سمندر اور براہ خشکی ساری دنیا سے ملا ہوا ہے بھوکوں مر رہی ہے۔ قدرت دکھا رہی ہے کہ ملک تمہارا نہیں ہمارا ہے۔ امّن ہٰذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ بل لجّوا فی عتوٍّ ونفور کی دھمکی کبھی کبھی، [illegible] کی شکل یوں بھی اختیار کر لیتی ہے۔ فاللہ خیرٌ حافظا، وہو ارحم الراحمین۔"

یہ رزق کی گرانی ہے یا موت کی ارزانی؟ کلکتہ اور دوسرے مقامات پر واقعۃً جو کچھ گزر رہی ہے، اُسکے مشاہدہ کے لیے تو جگر کا جگر چاہیے۔ نیم مُردہ، پوست و استخوان، انسانی ڈھانچوں کی جو تصویریں اسٹیٹسمین وغیرہ میں آتی رہتی ہیں اُنھیں کو دیکھے دیکھا نہیں جاتا ہے۔ اور اطلاع یہ بھی شایع ہوئی ہے کہ مرنے والوں میں مسلمان کثرت سے ہیں! اناللہ ——

کی مالی امداد، مسلم چیمبر آف کامرس (کلکتہ) کے ذریعہ سے کی جا سکتی ہے۔ رزاق جو کل تھا، بس وہی آج بھی ہے۔ اُسکے سوا جتنے بھی سہارے ہیں، دھوکے ہیں، ڈھکوسلے ہیں۔

شیخ کی تعزیت شیخ کے قلم سے

وقت کے ایک ممتاز عالم ربانی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا تھانوی رح کے سلسلۂ تعزیت میں لکھتے ہیں:-

"افسوس ہدایت کے وہ باریک نکتے سمجھانے والا دنیا سے اٹھ گیا۔ [illegible] اسلامیہ کا بہت بڑا ستون گر پڑا۔ اس محفل کی آخری شمع گل ہو گئی۔ ہمارے [illegible] صالحین کا وہ قرن ختم ہو گیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسکا وجود کتنے فتنوں سے امان بنا ہوا تھا۔ وہ کیا تھے، اور کیا کچھ کر گئے۔ یہ اندازہ اُنکا جاننے پہچاننے والوں کا کام ہے۔ جسے علم و معرفت کی [illegible] ہو وہ اُنکے مقام کا ادراک کیا کر سکتا ہے۔ شیخ اکبرؒ کی ایک عبارت فتوحات مکیہ میں دیکھی تھی۔ آپ کو بھی سناتا ہوں۔ واما العمال من الرجال: ہم الاکابر الذین یرثون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبودیتہ فان اُمروا بالتبلیغ احتالوا فی ستر مقامہم عن اعین الناس لیظہروا عند الناس بالاعلیٰ [illegible] فی العادۃ انہم من اہل الاختصاص الالٰہی فیجمعون بین الدعوۃ الی اللہ وبین ستر المقام فیدخونہم بقراءۃ الحدیث، کتب الرقائق وحکایات کلام المشائخ حتی لا یعرفہم العامۃ الا انہم نقلۃ لا یتکلمون من احوالہم من مقام القربۃ (باب ۴۵) مجھے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے احوال پر اکثر شیخ کی یہ عبارت یاد آجاتی تھی۔ حق تعالیٰ اُنکے درجے بلند فرمائے اور امت کو اُنکے فیوض باقیہ سے منتفع ہونے کی توفیق بخشے۔"

شیخ ابن عربیؒ کی عربی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اکابر رجال جو عبودیت میں بھی رسول اللہ کے سچے جانشیں ہوتے ہیں، جب تبلیغ کے کام پر بٹھا دیے جاتے ہیں، تو اُنھیں اپنے اصل مرتبہ کو خلق کی نظر سے پوشیدہ رکھنے میں بڑی فکر کرنا پڑتی ہے، اور اسکے لیے حیلے کرتے ہیں کہ کوئی اُنھیں اہل تخصیص نہ سمجھے۔ دعوت الی اللہ کا کام تو بہرحال جاری ہی رہتا ہے، لیکن اپنے مرتبہ کے اخفا کے لیے کبھی وہ درس حدیث شروع کر دیتے ہیں، کبھی اخلاق و موعظت کی کتابیں پڑھانے لگتے ہیں، اور کبھی مشائخ کے قصے بیان کیا کرتے ہیں، کہ لوگ اُنھیں محض ناقل روایات سمجھیں، اور اُنکے مقام قرب کو نہ پہچان سکیں۔

شیخ وقتؒ کی تعزیت کا بھی حق اگر کوئی ادا کر سکتا ہے، تو مولانا عثمانی ہی جیسے حضرات کر سکتے ہیں۔

دیوبند جدید

دیوبند سے ایک صاحب لکھتے ہیں: "آپ کو اطلاع ہوئی ہوگی کہ اسی ذی الحجہ سنہ ۶۲ھ کے اجلاس شوریٰ میں دار العلوم سے محض رسمی تعلق جو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا باقی رہ گیا تھا، وہ بھی رجب کے اجلاس میں کلیۃً قطع کر دیا گیا۔ لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دوسرے فریق کو اپنی اس فتح پر جیسی خوشی ہے، مولانا کو اپنی شکست پر

اس سے بھی کچھ زیادہ ہی مسرت ہے۔ وہ خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری کے اس بارگراں سے سبکدوش فرمایا اور اب مجھے علمی خدمات کے لیے یکسوئی نصیب ہوئی جو میری محبوب تمنا تھی"۔

اطلاع یقیناً مسرت بخش ہے۔ قرآن و حدیث دونوں کے سلسلہ میں ابھی بہت سے کام کرنے کے ہیں۔ غیب سے معلوم ہوتا ہے یہ انتظام اسی لیے ہوا ہے، اور انھیں مستقل تحقیقی تصانیف کے لیے مولانا کو دوسرے مشاغل سے فارغ کرایا جا رہا ہے۔

فیض اشرفی

ایک تعلیم یافتہ عزیز اور اعلیٰ عہدہ دار اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"آج کے خط کا مضمون ایک دوست سانحہ سے شروع کرتا ہوں۔ یہ وہ سانحہ ہے کہ ہر مسلمان کو بے ساختہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو انکی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور بدنصیب ہیں وہ جو انکی بزرگی سے محروم رہے۔ اس سانحہ سے میرے دل پر جو خاص اثر ہوا ہے اسکی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ادھر کچھ عرصہ سے میں مُرید ہونے کے مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ سب سے پہلے اسے آپ ہی سے طلب کرتا۔ آپ سے بہتر رائے کون دے سکتا۔ میرے دل میں تو وہ وہ کر مولانا تھانوی ہی کی بزرگ ہستی کا خیال آتا تھا۔ اور یہی چاہتا تھا کہ جوں ہی رخصت مل سکیگی، مولانا کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کروں۔ افسوس کہ دل کا یہ شوق دل ہی میں رہ گیا"۔

رسم بیعت کی تو مولاناؒ کے ہاں کچھ ایسی اہمیت نہ تھی، اصل شے دل کا تعلق ارادت ہے۔ جس سے گہری عقیدت ہو جائے اعلاً وہی اسکا مرشد ہو جاتا ہے۔ مولاناؒ کے ہاں مراقبوں اور مشقوں اور مجاہدوں کے بجائے اصلی زور معاملات کی صفائی، اصلاح قلب و کسر نفس پر تھا۔ اور خوش قسمتی سے انکی تعلیمات و اصلاحات کا بڑا ذخیرہ انکی تحریروں میں محفوظ ہو چکا ہے۔ — روئے گل نہ سہی، بوئے گل تو کشید کیے ہوئے عرق گلاب میں موجود ہے۔ اگر قصد السبیل سے شروع کر کے تربیت السالک وغیرہ نیز مواعظ و ملفوظات کو مطالعہ کر لیا جائے، تو ان شاء اللہ بہت کچھ بصیرتیں حاصل ہو کر رہینگی، اور طریق سے مناسبت از خود پیدا ہو جائیگی۔ پھر اسوقت کسی زندہ شخصیت سے بھی تعلق تربیت پیدا کیا جا سکتا ہے۔ بغیر ان تمہیدی مراتب و منازل سے گزرے ہوئے محض عامیانہ انداز سے اندھا دھند کسی کا دامن پکڑ لینا، ہرگز صحیح اور مفید نہیں۔ بلکہ اس میں جتنے مصالح ہیں، ان سے کہیں زائد مفاسد ہیں۔

تاکہ سند رہے!

— مفتیہ کا قول صحیح اور مطابق شریعت ہے، اور دریابادی صاحب کا قول سراسر غلط اور شدید۔ ان کا دعویٰ کا ہے سینما وغیرہ کا لہو و لعب ہونا ظاہر ہے، جسکی حرمت کتب فقہ میں منصوص ہے۔ … یاد رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہو جائے اور اسکو گناہ سمجھے اور نادم ہو اور برا سمجھ کر توبہ کرے تو اسکی اصلاح اور معافی کی توقع ہے۔ اور جو شخص کسی معصیت اور فعل حرام کو جائز اور حلال سمجھے اور دوسروں کو اسکے ارتکاب کی ترغیب دے، اسکے لیے بعض صورتوں میں اندیشہ کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ ایسے بیباک اور دلیر شخص سے دوسرے عوام اور جہال کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے اور اسکی اصلاح اور توبہ کی بظاہر توقع نہیں ہے۔ درحقیقت ایسا شخص بہت خطرناک ہے جس کی دعوت دہی اور غلط بیانی سے عوام کے گمراہ ہونے اور ارتکاب معصیت کی جرأت کا قوی احتمال ہے"۔

یہ تازہ فتویٰ ہے (بہ حوالہ پیام دکن) "دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند" کا "دریابادی صاحب" سے متعلق۔ معلوم نہیں استفتاء دینے والے صاحب نے دیوبند کی اردو فہمی، اردو دانی سے ہرگز بدگمانی نہیں۔ یقیناً اس "دریابادی صاحب" کی عام فہم اردو "فعل حرام کو جائز اور حلال سمجھنے" اور دوسروں کو اسکے ارتکاب کی ترغیب دینے کے الفاظ مل ہی گئے ہوں۔ اور یقیناً انھوں نے عند اللہ اپنی ذمہ داری کے پورے احساس، اور تفقہ فی الدین کی وعیدوں کے پورے استحضار کے بعد ہی اس لفظ کے "بیباک" اور "دلیر" اور "بہت ہی خطرناک" ہونے کا حکم صادر فرمایا ہوگا! — مقصد بیان اس فتوے پر ہرگز کسی قسم کا نقد یا جرح نہیں۔ مقصد صرف اس قدر ہے کہ جو صدق خواں، ایک نہیں متعدد اکابر دیوبند کی زبان سے "دریابادی صاحب" کے اپنے نیاز مندانہ حسن ظن و محبت کا شکر بجا لا رہا ہو، وہ یہ بھی جان لیں، کہ اب اس "جامعہ اسلامیہ" کا دارالافتاء کیا کہتا ہے۔ تاکہ سند رہے! — دریابادی دیوبند سے سوا اسکے اور کہہ ہی کیا سکتا ہے، کہ

ملتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے!

اُردو کی ہمہ گیریت

اُردو کی ہمہ گیری سے اگرچہ کوئی انصاف پسند اور معقول شخص انکار نہیں کر سکتا، پھر بھی ہم ایک تازہ شہادت اس بارے میں پیش کرنے سے رک نہیں سکتے۔ اسکا ماخذ شاہی بحریہ ہے۔ رائٹر کے تار مورخہ ۵ اگست ۱۹۴۳ء (لندن) کا ترجمہ یہ ہے:— "رائٹر کا خاص نامہ نگار جو شفقی بیڑے کے ساتھ جنگی جہاز "گوداوری" پر ہے سمندر سے اطلاع دیتا ہے" میں ابھی اس جہاز میں آبدوزوں کے خلاف عملی مشقیں دیکھنے آیا ہوں۔ اگرچہ یہ جہاز ابھی لام پر لگایا گیا ہے لیکن میں اسکے آدمیوں کی مستعدی اور لیاقت دیکھ کر حیران ہو گیا۔ گوداوری نئے ڈھانچے کا ایک مستول جہاز ہے۔ ایسے جہازوں سے نازی بہت گھبراتے ہیں۔ اس جہاز پر تمام انتظام ایسے ہیں کہ لوگوں کو گھر کا سا آرام ملتا ہے۔ کھانے تین قسم کے دیے جاتے ہیں۔ یورپین، ہندوستانی اور ویشنو (بغیر گوشت کے)۔ رائل انڈین نیوی (ہندوستانی شاہی بحری فوج) میں اُردو گفتگو افزا ہی ہے"۔ کچھ زمانہ ہوا لیبیا کے ایک واقعہ کا حال بتایا گیا تھا کہ

آیۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں بہ کثرت معجزہ کے معنی میں آیا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہے جو معمول عام سے ہٹا ہوا ہو، اور بلا اسباب ظاہری اُسکا ظہور تائید رسول کے لیے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معنوی دلائل و شواہد تو کثرت سے موجود تھے، لیکن مشرکین کی طرف سے پیہم فرمائشیں یہ جاری رہیں، کہ کوئی عظیم الشان، تحیر انگیز، مادی، حسّی معجزہ دکھایا جائے، جسکے بعد گنجائش ہی چون و چرا کی نہ رہ جائے —— جنکی عقلی، اخلاقی، روحانی سطح پست ہے انکی طرف سے آج بھی اولیاء و رجال سے فرمائشیں اسی قسم کی خارق عادت "کرامات" ہی کے ظہور کی ہوتی رہتی ہیں۔

آیۃ کی تنوین اظہار عظمت کے لیے ہے۔ یعنی کوئی عظیم الشان محیر العقول معجزہ۔

۲۲۳ (اپنے اپنے زمانہ کے پیمبروں اور داعیان حق سے) یعنی انکی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی، اور انکا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر زمانہ اور ہر ملک میں اسی قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔

رسالت محمدی سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت مسیح کا گزرا ہے عرب میں انہیں کا شہرہ ہے۔ اُن سے بھی انکی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے یہی "آسمانی نشانوں" ہی کے ہوتے رہتے تھے انجیل میں ہے:—

"فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آکر آزمانے کے لیے اُس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا" (متی-۱:۱۶)

یہاں تک کہ خود خدا کو لا دکھانے کی فرمائش:—

"فلپس نے اُس سے کہا۔ اے خداوند! باپ کو ہمیں دکھا۔ یہی ہمیں کافی ہے" (یوحنا-۱۴: ۸)

۲۲۴ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بالکل ایک سے ہیں۔ بے بصیرتی اور حق ناشناسی میں۔ انجیل میں غضبناکی کے لہجہ میں ہے:—

"اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان اُنکو نہ دیا جائیگا" (متی ۱۶: ۴)

"اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو۔ تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو، جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں سے کسکو تم نے نہیں ستایا؟" (اعمال: ۷، ۵۱، ۵۲)

۲۲۵ تم ایک نشان (آیۃ بہ صیغۂ واحد) طلب کر رہے ہو۔ یہاں نشان پر نشان (الآیات بہ صیغۂ جمع) پیش کیے جا چکے ہیں۔ اور سب سے بڑے معجزے تو یہ ہیں، (۱) آپ کی سچائی، امانت، پاکبازی، عقل و فہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت مبارک کے ایک ایک جزئیہ کا خود معجزہ ہونا۔
(۲) قرآن مجید کا لفظی و معنوی، ظاہری و باطنی، ہر اعتبار سے بے مثل ہونا۔
بیّنّا، یعنی یہ نشانات کچھ ڈھکے چھپے ہوئے نہیں، ہم نے تو انہیں بالکل واضح و آشکار کر رکھا ہے۔ ان میں کسی طرح کا خفا نہیں۔

۲۲۶ یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر اُنھیں لوگوں کو آتے ہیں، جنکے قلب جہل و عناد کی گندگی اور شک و ارتیاب کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد و دلائل، مادی قسم کے ہوں یا معنوی، بہر حال اُن سے نفع حاصل کرنے کے لیے دیدۂ بصیرت و چشم بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لیے پیمبر کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ بجائے خود معجزہ ہے۔ رومی ؎

از دل ہر کس کہ از دانش مزہ ست
روئے و آواز پیمبر معجزہ ست

اما من کان فی ارتیاب او شک او تغافل او جہل فلا ینفع فیہ الآیات ولو کانت فی نہایۃ الوضوح (کبیر)

یقین شک کی ضد ہے۔ اور علم اور تحقیق کے مرادف ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک والعلم وتحقیق الامر ونقیضہ الشک (تاج)

یقنون یہ تنوین کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن لوگوں کے لیے جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اے یطلبون الیقین (بیضاوی) طالبون ثنا حقائق الاشیاء علی الیقین وصحۃ (ابن جریر)

من انصاری الی اللہ

الحمد للہ کہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر راج نیپال کا سالانہ امتحان تمام درجوں کا حسب دستور ہو گیا اور طلبہ کو نقد روپیہ اور کتابوں کے انعامات دیے گئے۔ یہ مدرسہ راج نیپال میں ایسی جگہ واقع ہے جہاں سے ترائی تشلا سیکڑوں میل تک کوئی دینی مدرسہ نہیں۔ یہ مدرسہ راج نیپال کے وسیع علاقہ میں اکیلا درسگاہ ہے جس سے ہزار ہا ہزار بچوں اور طالبعلموں کو پچھلے ۳۰ سالہ زندگی میں کلام حکیم اور عربی مولوی عالم کے نصاب پڑھایا اور قال اللہ و قال الرسول کا غلغلہ بلند رکھا۔ کسی بورڈ یا ریاست سے اسکی امداد قطعاً کچھ نہیں ہے محض مقامی اور بیرونی اہل خیر لوگوں کی اعانت سے مدرسہ کا کام جاری ہے۔ اسکے استقلال و پائداری کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ مسلسل کوششوں کے بعد سوا گیارہ ہزار روپیہ کی لاگت سے مدرسہ کے لیے ایسے دو مکان تعمیر ہو گئے جنسے انشاء اللہ مدرسہ کی مستقل آمدنی حاصل ہوگی۔ ہم تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور خاص طور پر ہم اُس امداد کے شکرگزار ہیں جو بذریعہ قدوی مولانا عبد الماجد صاحب مدظلہ کے ایک کرم فرما گمنام بزرگ نے مدرسہ کو عطا فرمایا۔ جزاہ اللہ ثم جزاہ اللہ۔

اب چھ منڈے اور باقی ہے جسکے اخراجات دو ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ اس علاقہ میں اس مدرسہ کو مستقل بنانے کے لیے ایسے مکانات کا ترتیب ہو جانا نہایت ضروری ہے اس کارخیر میں امداد صدقہ جاریہ کے ثواب کا باعث ہے۔ تمام مسلمان اور اہل خیر حضرات سے درخواست ہے کہ حوصلہ کے ساتھ اس مبارک میں امداد فرمائیں۔ پتہ: منلع بستی ڈاکخانہ بڑھنی بازار، مدرسہ جھنڈا نگر، راج نیپال۔ نائب ناظم مولانا عبد الرؤف صاحب رحمانی۔

مراسلہ نگاروں سے

... بستی دانشمندان (جالندھر) علماء کی بے نفسیوں پر اس سلسلہ میں مسرت بالکل بے محل ہے۔ مولانا مودودی اس کام کے اہل ترین تھے لیکن یہ ضرورت ہے کہ وہ ایک تالیف... بیش سے اصحت کتاب لکھنا منظور کر لیں۔ ذکی صاحب نے اپنے کاموں میں بالکل نیا ہے۔ اب انتخاب ایسے اہل نظم کا ہوا جو منشی زحمت کھلے تھے اور اُنکے مشورہ و رہنمائی کے لیے کمیٹی بنی ہے اسکے ایک رکن مولانا مودودی بھی ہیں۔

مشورے اور گزارشیں

(۴)

(س) (ایک صاحب علم بزرگ زادہ کا مکتوب) یہ عریضہ اس غرض سے ارسال خدمت کر رہا ہوں کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جسکی تعبیر معلوم کرنے کی بڑی خلش ہے۔ ہر چند نظر دوڑائی مگر اسکے سوا اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ آپ کو لکھ کر مشورہ دلوں۔

وہ خواب یہ ہے کہ میں حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ یعنی . . . کے مزار کے مواجہہ میں حاضر ہوں اور مجھ پر وجد و سرمستی سے زیادہ طاری ہے اور مزار مبارک کی جگہ سنگ مرمر کا ایک بڑا بلند اور خوبصورت چبوترہ ہے اس پر آپ زندہ سبز رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور جہاں تک مجھے خیال ہے آپ کے بازو پر زیور کی قسم کی کوئی چیز ہے۔ میری آہٹ پاکر اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور مجھے دیکھ کر پھر اوڑھ لی میں مواجہہ کے بائیں جانب آگیا اور جنگلہ کے باہر کھڑا ہوگیا۔ اسی پر میرے والد بیٹھے ہیں۔ دستر خوان کے بعد حضرت میری طرف متوجہ ہوے اور ایک پان بنا کر میری طرف پھینکا جسکو میرے والد نے اٹھا کر کھا لیا اسکے بعد حضرت نے دوسرا پان بنا کر مجھے اپنے پاس بلایا اور خود پان چبا کر جس طرح چڑیاں اپنے بچوں کو کھلاتی ہیں اسی طرح منہ میں منہ ملا کر پان اپنے منہ سے میرے منہ میں منتقل کرنا چاہا۔ میں منتظر ہی رہا لیکن وہ میرے منہ میں منتقل نہ ہوسکا۔ اسی دوران میں میں نے اپنی غفلتوں اور دینی کوتاہیوں کے ازالہ کے لیے دعا کی درخواست کی اور زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

عشق عاشق۔ او دیں و دنیاہ ما ذرۂ دردے دل عطار را

اسکے بعد آنکھیں کھل گئی۔

ممکن ہے یہ خواب محض اضغاث احلام میں ہو لیکن ایسا مرتب ہے کہ واقعی معلوم ہوتا ہے۔ اسکی ایک تعبیر جو بظاہر معلوم ہوتی ہے وہ آپ کے فیض سے میری محرومی ہے جسکا خواب میں بھی افسوس رہا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ خوشی بھی ہے کہ مانگنے کے وقت میں نے دنیا نہیں مانگی بلکہ وہی چیز مانگی جو مانگنے کی تھی۔

اگر یہ خواب اضغاث احلام نہیں ہے تو اسکی واقعی تعبیر کیا ہے اگر آپ اسکے متعلق خود ارشاد فرما سکتے ہوں تو فرمایئے۔ ورنہ کسی ایسے کسی ایسے بزرگ کا پتہ دیجیے جس کی طرف میں رجوع کروں اس لیے کہ اسکی تعبیر معلوم کرنے کی خلش ہے۔ والسلام

(ج) خواب کی تعبیر ایک مستقل فن ہے۔ یہاں اسکی ہوا بھی نہیں لگی لیکن اناڑی بھی طبیبوں کے مطب میں بیٹھ کر کچھ دوائیں سیکھ لیتے ہیں، اور اُلٹا سیدھا علاج بھی کر لیتے ہیں۔ خواب پیچیدہ نہیں، صاف ہے۔ اور آپ کے حق میں مبارک۔ زیارت صالحین یوں بھی باعث برکت ہوتی ہے۔ آپکی روح میں طلب مقصود اصلی کی پیدا ہو چکی ہے۔ گو وہ طلب نامناسب ماحول اور مضر مشاغل سے دبی ہوئی۔ خواب میں اسی طلب کو بیدار کیا گیا ہے اور لطیفۂ غیبی کو شکل ایسی ہستی کی دیگئی ہے جس سے آپ طبعاً مانوس و مالوف ہیں۔ اگر آپ پر اثر قوی ہو شفقت مزید کا اظہار ادھر سے اسی کیفیت کو قوی تر بنانے کے لیے ہے۔

مقام توبہ کا کھل جانا صوفیہ کے ہاں ایک بڑی چیز مانا گیا ہے اور یہ خواب اسی کی ایک شکل ہے گو بہت ہلکی اور بالکل ہی ابتدائی مولوی حاجی محمد شفیع صاحب (مسترشد مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی و حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) اسوقت ایک صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ جی چاہے اُن سے مراسلت کر دیکھیے۔ انکا پتہ یہ ہے:-
ڈاکخانہ و قصبہ بجنور۔ ضلع لکھنؤ۔

جامع مسجد نگرام کی تعمیر

برادران اسلام۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جناب والا کی خدمت میں اسوقت ایک خالص دینی مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ جناب والا اس طرف خاص توجہ فرمائیں گے۔

جناب والا۔ جامع مسجد نگرام ضلع لکھنؤ ایک نہایت ہی قدیم اور تاریخی مسجد ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس جوار میں نہایت مشہور و معروف ہے بوجہ قدامت اسکی عمارت بالکل شکستہ اور معطل ہو رہی تھی۔ نیز نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے اسکی توسیع کی بھی ضرورت تھی۔ ان حالات کی بنا پر اس جامع مسجد کی از سر نو تعمیر بالکل ضروری تھی۔ وقتی حالات اگرچہ انتہائی نازک ہیں لیکن مسجد کی موجودہ صورت حال بھی نہایت ہی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ محض توکل بخدا اسکی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا اور اب تک مقامی اور بیرونجات کے مسلمان بھائیوں کی امداد سے مجوزہ نقشۂ عمارت کا تقریباً نصف حصۂ تعمیر بھی ہو چکا ہے جس پر تقریباً ۳ ہزار روپیہ اتبک صرف ہوا ہے بقیہ عمارت کی تکمیل کے لیے بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی دینی حمیت کا انتظار ہے۔ مساجد کی تعمیر میں شرکت کرنا بہترین سعادت ہے اور اسکا ثواب ابد الآباد کے لیے ہے۔ آپ جیسے مخلص مسلمان بھائیوں کی مذہبی غیرت سے امید ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے جملہ انتظامات چند معتدین مسلمانوں کی زیر نگرانی ہیں۔ جناب خان بہادر مولوی علی متقی صاحب (گورنمنٹ پنشنر) اور جناب شیخ احمد حسن صاحب تاجر خازن و امین ہیں۔ تمام حسابات نہایت ہی باضابطہ رکھے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ جناب والا اس خانۂ خدا کی تعمیر میں سعی بلیغ فرمائیں گے۔ دامے درمے قدمے سخنے جو کوشش بھی ہو سکتی ہو، اسکو عمل میں لا کر اپنے اللہ سے اجر عظیم حاصل کریں گے۔ فقط۔
محمد انیس عفا اللہ عنہ (ناظم مدرسہ معدن العلوم) نگرام۔ ضلع لکھنؤ۔

تعزیت نامے

(۱۵)

(جامعہ حسینیہ، راندیر (ضلع سورت)

جامعہ حسینیہ کے اراکین و مدرسین اعلیٰ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی قدس سرہ کے وصال کی خبر سن کر ایصال ثواب و درجات کی بلندی کے لیے قرآن کریم کے ختم میں مشغول ہوگئے اور قریب ہی زمانہ میں مدرسہ کا سالانہ جلسہ زیر صدارت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں بھی مدرسہ کی رویداد میں اس عظیم صدمہ کا ذکر کیا گیا اور منظومہ ذیل مرثیہ بھی اسی جلسہ میں پڑھا گیا۔ حاضرین جلسہ پر گہرا اثر تھا جسکا اظہار انکی اشکباریوں سے ہو رہا تھا۔ انکے بعد مولانا عثمانی مدظلہ نے وعظ فرمایا اور وعظ میں حضرت اقدس کے علوم و معارف کے متعدد گوشوں پر روشنی ڈالی اور یہ بھی فرمایا کہ اس مرثیہ میں جو کچھ لکھا ہے حضرت اقدس تو دراصل اس سے بھی آگے تھے۔ بھائی تم لوگوں کا رونا کیا، رونا تو ہمارا ہے۔ اب ہم کس سے شبہات حل کرائیں گے۔ تمہارے لیے تو دیگر علماء بھی ہیں لیکن اب ہم کدھر جائیں گے۔ تاثرات میں الفاظ ڈوبے تھے۔ ساتھ ہی آنکھوں سے پانی گر رہا تھا۔ واقعی اس ہستی کی جدائی پر جتنا بھی غم و ماتم کیا جائے کم ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اس ہستی کے درجات کو اعلیٰ سے اعلیٰ تر فرمائے اور ہم پسماندگان کو انکے عمل کیے ہوئے اصول پر کاربند فرمائے آمین ثم آمین۔

وا حسرتا کہ شیخ زمانہ نہیں رہا — استاد وہ حکیم یگانہ نہیں رہا
جائیں جہاں ازالۂ شبہات کے لیے — اب کوئی اپنا ایسا ٹھکانا نہیں رہا
قلب و جگر فگار ہیں فریاد کیا کریں — ہمدم بیان گلشن برباد کیا کریں
غم بھی وہ غم پڑا ہے کہ اللہ کی پناہ — ویرانیِ راحتِ دل ناشاد کیا کریں
امداد حق نظر کا اُجالا اُدھر گیا — یعقوب کی نگاہ کا تارا کدھر گیا
فیض رشید و قاسم و محمود شیخ ہند — ہم بیکسوں کا یعنی سہارا کدھر گیا
تھا اشتیاق دید خداوند بے نیاز جن — روح رواں نے چھوڑ دیا انفصال تن
آخر وطن بنا ہی لیا باغ خلد کو — واصل بحق ہوئے لب شیخ زمن
رحلت سے انکی قلب و جگر کے شق ہوئے — ارکان جامعہ بھی غریق قلق ہوئے
لیکن سوائے صبر کے چارہ نہیں ہے کچھ — مومن وہ ہیں جو تابع مرضی حق ہوئے
اُن پر مدام رحمت پروردگار ہو — اُن کو حصول رتبۂ عالی کا جوار ہو
ہر دم یہی دعا ہے بدرگاہ ذوالجلال — جنت میں وہ رضا سے ہمارا کنار ہو

مراسلات

(۱)

(از مولوی نذیر حسن صاحب خطیب بوری بازار کراچی صدر (سندھ)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ احوال آنکہ۔ حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُرملال کے حالات اخبار صدق کے سوا کسی رسالہ یا اخبار میں نظر نہیں پڑے۔ شاید رسالہ النور میں شایع ہوں لیکن یہ بھی معلوم ہوا ہے رسالہ النور بھی کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے ممکن ہے شایع نہ ہو۔ سہارنپور سے بعض احباب کے خط سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نماز جنازہ کی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کو سعادت نصیب ہوئی ہے۔ بعض تعزیتی کے قلمی قصائد بھی بعض احباب نے روانہ کیے ہیں۔ خدا کرے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کا قیام ہو جائے۔ پھر جس طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کی نسبت ارشاد فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کسی صاحب اجازت مصلح کے قیام کی صورت فرما دیں۔ اور جو مقصد تعزیت کے آپ کو ملے ہوں شایع فرما دیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے قصائد و ارشادات طلب فرما کر بھی شایع فرمایا کریں کیونکہ ہم دور افتادوں کو حالات شریفہ پہونچتے رہا کریں۔ حق تعالیٰ آپ کو تادیر خدمت دینی کی توفیق عطا فرماویں۔ اور ہم لوگ اخبار صدق کے ذریعہ ارشادات اشرفی سنتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شرف الاولیاء کی برکت سے ہم کو توفیق عمل عطا فرماویں اور دین مستقیم پر قائم رکھیں۔

(۲)

(ایک ایم اس - سی - بی - ٹی کے قلم سے)

صدق اور مدینہ کی صحافتی مخالفت سے بہت پہلے ہی سے میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ مدینہ کا آخر اصول دیانت کیا ہے۔ برسوں سے نہیں تو مہینوں سے مدینہ موجودہ جنگ کی مخالفت کر رہا ہے۔ انگریزوں کے خلاف سخت سخت مضامین لکھے گئے۔ لیکن انھیں مخالف جنگ مضامین کے دوش بدوش وہ سرکاری اشتہارات بھی نکلتے رہے جن میں شرکت جنگ کی ترغیب دی جاتی ہے اور جن میں جنگ کے ضروری اور حق بجانب ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ خیر اسکو چھوڑیے۔ کیونکہ اس میں شاید شریعت صحافت کا کوئی نکتہ پوشیدہ ہو جو ہم ایسے عامیوں کے فہم سے دور ہو۔ مگر اس امر کا کیا حل ہے کہ آپ کے سنیما دیکھنے پر اس قدر شور و غل اٹھا کہ الامان والحفیظ۔ کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ مفتیان کرام کے فتوے بھی حاصل کیے گئے کہ مدیر صدق سراسر قصوروار ہے اور مدیر مدینہ حق پرست و حق گار۔ جن اشاعتوں میں یہ فتوے اور مضامین نکلتے تھے انھیں اشاعتوں میں صابون کا ایک اشتہار بھی برابر نکلتا رہا ہے جس میں دنیائے سنیما کی ایک مشہور ایکٹرس کی تصویر ہوتی ہے اور اس تصویر کے ذریعہ لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ صابون خریدیں۔ وہی تصویر جب دام خرچ کرکے اسکرین کے پردہ پر دیکھی جائے تو شرعی گناہ، لیکن جب دام حاصل کرکے مدینہ کے صفحوں کی زینت ہو تو مباح۔ نہ کسی صاحب دیانت کی آواز اسکے خلاف اٹھتی ہے اور نہ کسی عالم یا مفتی کا فتوے اسکے خلاف نکلتا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ ان دونوں صورتوں میں کیا شرعی فرق ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ایک محض لہو و لعب ہے اور دوسری ذریعہ منفعت تو اس منطقی نتیجہ کا کیا جواب ہوگا کہ اگر ایک شخص روپیہ خرچ کرکے کسی فاحشہ عورت کے گھر جائے تو وہ شرعاً مردود لیکن اگر کوئی دوسرا شخص کسی فاحشہ عورت کو اپنے گھر رکھ کر منفعت حاصل کرے تو شرعاً جائز۔ کیا واقعی شرعی فتوے یہی ہوگا۔ فقط

صدق - مدینہ سے تبادلہ کبھی کا پیشتر سے بند کر دیا گیا۔

محمد علی:

ذاتی ڈائری کے اوراق

[ادارہ اشاعتِ اردو، عابد روڈ، حیدرآباد کی شائع کی ہوئی کتاب پر مشہور ادیب و مزاحیہ نویس شوکت تھانوی کا تبصرہ۔ ماہنامہ کتاب (لاہور) میں]

۵۔ جولائی ۱۹۶۳ء — آج میں نے ایک ایسی کتاب شروع کی ہے کہ آج کی نیند کا خدا ہی حافظ ہے۔ اس کتاب کا نام تو بعد میں بتاؤں گا مگر ہیں اسے "دو آتشہ" سمجھ رہا ہوں۔ شہید ملت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی داستان ہے اور مولانا عبد الماجد دریابادی ایسے سحر نگار کا بیان۔ اب بتائیے کہ نیند کا کیا امکان باقی رہا۔ مگر یہاں نیند کا کیا سوال۔ جب سے یہ کتاب ہاتھ آئی ہے ہم خود نیند کو سُلانے کے لیے ماتما گاندھی کی یہ مشہور لوری سنا رہے ہیں کہ "اُٹھ جاگ مسافر بھور بھئی اب رات کہاں جو سووت ہے" اور اپنی آنکھوں کے کان میں چپکے سے کہہ چکے ہیں کہ جو سووت ہے وہ کھووت ہے"۔ لہذا آنکھیں خود انتظار میں ہیں کہ نیند سو جائے تو وہ چپکے سے یہ کتاب پڑھنا شروع کر دیں۔

اس کتاب کا نام ہے محمد علی (ذاتی ڈائری کے چند اوراق) مولانا عبد الماجد دریابادی کی اس کتاب کو ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن نے شائع کیا ہے اور قیمت پونے تین روپے ہے۔

مولانا عبد الماجد کو میں بہت دنوں سے جانتا ہوں اور بہت دنوں کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ان سے ذاتی طور پر مل کر انکو پڑھنا اتنا ہی مشکل ہے جس قدر انکی تصانیف کو پڑھ کر اُن سے ملنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں برافگندہ نقاب نظر آتے ہیں اور بالمشافہ ملاقات میں حجاب اندر حجاب۔ انکی شخصیت طرفہ طلسم راز ہے ؎

دور سے پاس سی پاس سے دور دور سی

قریب جاکر بات کیجیے تو نہایت کم سخن۔ بات بات پر نظر نیچی ہوئی جاتی ہیں۔ نہایت آہستہ سے ایک آدھ بات کا جواب دیا جاتا ہے۔ ملنے والے کی تشنگی بڑھتی ہی جاتی ہے مگر ساقی کا بخل کسی طرح نہیں گھٹتا۔ لیکن تحریر دیکھیے تو یہی پیکر شرم و حیا۔ یہی مجسمۂ سنجیدگی، یہی کھدر کی لباس والا عبا پوش اور یہی خشک فلسفی، اپنی تمام شادابیوں، تمام رنگینیوں، تمام مستیوں اور تمام سحر طرازیوں کے ساتھ بہکتا اور کبھی بہکاتا، کبھی گنگناتا اور کبھی زمزمے برساتا، کبھی خود جھومتا اور کبھی دوسرے کو جھلاتا ہوا دماغ پر طاری ہو کر دل میں سماتا چلا جاتا ہے۔ موضوع کچھ بھی ہو ادب نہ سہی فلسفہ سہی فلسفہ نہ سہی مذہب سہی مگر ہر جگہ شادابی موجود شگفتگی برقرار اور پھر نتیجہ کے اعتبار سے ہر تحریر ایک کوہ وقار۔

مولانا دریابادی کے اس ادبی تلاطم سے میں نا واقف نہ تھا کہ انکی ہر تحریر ایک سیلاب کی طرح آتی ہے اور پڑھنے والا ایک قطرے کی طرح اس میں شامل ہو کر شریک سیلاب بن جاتا ہے۔ وہ اس سیلاب میں تھپیڑے کھاتا ہے موجیں اسکو اُچھالتی ہیں۔ بھنور اسکو رقص کراتے ہیں۔ مدوجزر اسکو جلترنگ سناتے ہیں اور وہ ان تمام کیفیات میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ نہ قطرہ بنکر فنا ہوتا یاد رہتا ہے نہ حباب بنکر اُٹھنے کا اُسے ہوش رہتا ہے یہاں تک کہ سیلاب گزر جاتا ہے اور وہ یکا یک چونک کر اپنے کو محض ایک قطرہ پاتا ہے سیلاب مزید کے لیے بیقرار۔ طغیانِ نو کا امیدوار۔

اس واقفیت کے علاوہ یہ بھی معلوم تھا کہ محمد علی ایسے محبوب کا ذکر ہے جس سے ہماری طرح محبت تو سب ہی کو ہوگی مگر عبد الماجد کو عشق تھا۔ عبد الماجد کی سحر نگاری کو جانے دیجیے اس باب میں تو وہ عاشق کا کردار پیش کرتے ہیں۔ جو افسانہ وہ لکھ رہے ہیں اسکے ایک کردار خود بھی ہیں۔ اب تک اپنی قلم فرسائیوں سے دلربائیاں کر چکے ہیں مگر آج اپنی دلکشائی پر تُلے ہوئے ہیں۔

یہ سب کچھ معلوم تھا مگر کتاب شروع کر دی۔ ایک صفحہ۔ دو صفحے۔ تین صفحے۔ لیجیے ہم کھوئے گئے اب کون ہمیں ہم کو ڈھونڈھ کر دے۔ بچپن میں "نیلی چھتری" پڑھ پڑھ کر امتحانوں میں فیل ہوا کرتے تھے۔ سب کہتے تھے کہ رات رات بھر پڑھتا ہے اور فیل ہو جاتا ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ امراؤ جان ادا، نیلی چھتری۔ حاجی بغلول اور طرحدار لونڈی (اُس وقت) کورس میں شامل نہیں۔ اُن ناولوں میں ناولوں کا پلاٹ گم کر دیا تھا۔ رات کا پتہ نہ چلتا تھا اور کتاب ختم کر کے سوتے تھے۔ مگر یہ ناول نہیں ہے ایک شخصیت مذہبی اور سیاسی لیڈر کے حالات ہیں جنکو ایک خشک فلسفی نے ایک خالص مولوی نے لکھا ہے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ مولانا عبد الماجد نے اگست ۱۹۱۲ء میں مولانا محمد علی سے ملا دیا ہے اور اسکے بعد سے ہم خود مولانا کے ساتھ ہیں۔ عبد الماجد صاحب اپنے دریاباد میں ہونگے۔ اُن سے کوئی مطلب نہیں۔ اب ہم مولانا محمد علی کے ہمراہ کبھی ہنس رہے ہیں کبھی رو رہے ہیں۔ کبھی آزاد ہیں کبھی جیل میں ہیں۔ کبھی جیل میں ہیں کبھی اخبار نکال رہے ہیں۔ کبھی اش کی کھچڑی کھا رہے ہیں کبھی ذیابیطس میں مبتلا ہیں۔ کبھی ہسپتال میں پڑے ہیں کبھی ریل میں ہیں کبھی جہاز میں۔ کبھی کبھی عبد الماجد صاحب سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک پوری زندگی ایک ہی رات میں بسر کی اور صبح کے قریب پتہ چلا کہ رات ختم ہو چکی ہے۔ کتاب اگر ختم نہ ہو چکی ہوتی تو شاید اب بھی پتہ نہ چلتا۔ جی ہاں ناول ہی نہیں اس قسم کی ٹھوس تصانیف بھی گم کر دیا کرتی ہیں۔ مولانا عبد الماجد کی تحریری جادوگری کے تو ہمیشہ سے قائل تھے مگر اس کتاب میں تو ساحر خود مسحور ہے۔ ساقی خود مخمور ہے۔ صیاد خود صید بنا ہوا نظر آتا ہے۔ بڑے مصور بنے پھرتے تھے۔ کاغذ پر خود کھنچکر رہ گئے۔ انجام یہ کہ خود تصویر بننا پڑا۔

اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اسکو نہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا کافی نہیں ہو سکتا اور اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بے ساختہ تمنا یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ اب محمد علی زندہ ہوں اور اب ہم انکو سر آنکھوں پر بٹھائیں انکے لیے دیدہ و دل فرش راہ کریں۔ انکے اشاروں پر چلیں اور انکے نعرۂ تکبیر پر میدان جہاد میں سرخروئی حاصل کریں۔ مولانا عبد الماجد! آپ بجائے معلمت میں ہیں کہ محمد علی کو محمد علی کے بعد دنیا سے روشناس کرایا۔ محمد علی تو خیر یوں بھی زندہ تھے انکو زندہ رہنا تھا مگر اس کتاب نے محمد علی کی زندگی کا احساس ہم مُردوں کو بھی کرا دیا۔

فلمّا جاءھم نذیر ما زادھم الّا نفورًا (فاطر آیت ۴۲) | جب ان (مشرکوں) کے پاس (وہ پیمبر کی آمد کی) تمنا کرتے تھے، (واقعی) ایک ڈرانے والے آپہونچے، تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی۔

لا اتھام نہ تھی، ان سے جو استنباط فرماتے ہیں، وہ انھیں کے لفظوں میں یہ ہے ۔ الفاظ بھی انھیں کے [illegible] اور ترجمہ بھی انھیں کا

[illegible] القوم [illegible] الاکثر الکبر حیثیۃ [illegible] فی الخواص [illegible] علی الدوام | اس میں رد ہے اس کا جو صوفیہ کہا کرتے ہیں [illegible] اشغال سے فاسد الاستعداد مریض اور [illegible] اور وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے ۔ (امداد السلوک، جلد ۲، ص ۱۲۹)

استنباط بالکل [illegible] ہے۔ اور مولانا کا اس پر عمل بھی تھا۔ اپنے ایک مرید مقیم تھانہ بھون سے جیسا کہ خود بیان فرماتے تھے۔ ایک بار سزا دیا سارے اذکار و اشغال چھڑا دیئے تھے [illegible] حکیم الامت تھے، مجدد ملت تھے، ان کے کسی قول و عمل پر چون و چرا کی ہمت خوش عقیدہ حلقوں میں کب تھی، اور اب تو [illegible] اللہ کے فضل سے وہ رحمۃ اللہ علیہ اور نوّر اللہ مرقدہٗ [illegible] ہو چکے ہیں۔ گزارش فقط اتنی ہے کہ یہی حقیقت اگر کہیں ایک گنہگار قلم سے نکلی ہوتی اور لوگوں کو [illegible] کہ جس طرح معصیت بعض حالات میں طاعت بن جاتی ہے، اسی طرح طاعت بھی کبھی معصیت بن جاتی ہے، تو دیکھئے کتنے مفتیوں کے قلم تردید و تغلیط، تفضیح و تشنیع [illegible] کوئی کسر اٹھا رکھتے! ——— شخصیت کا رعب بھی عجیب رعب ہے!

ایک شریفانہ اعتذار

ایک مراسلہ نویس پنجاب سے [illegible] کے نام [illegible] لکھتے ہیں :-

"یقین مانیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یوں تو سب باتیں مگر خصوصاً مسائل السلوک کے حوالے جو صدق ۱۹، ۲۰ میں نقل ہوئے ہیں آپ کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے کافی، وافی و شافی ہیں۔ گر بغض و عناد سے قطع نظر، انصاف شرط ہے۔ اب مجھے اپنی غلطی، محض غلطی ہی نہیں، شرمناک غلطی کا بہت احساس ہوا۔ واللہ باللہ تاللہ آپ کو بالکل بری اور اپنے کو قصوروار پاتا ہوں ..... جو تکلیف اس سیہ کار کے عریضہ سے آپ کو ہوئی ہوگی اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہوں۔ خدا کی قسم شاعری نہیں حقیقت [illegible] رسول، میری خطا معاف کردے ....."

۱۸، ۱۹ [illegible] نظر سے گزرے، واقعہ مسئلہ بالکل روز [illegible] اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ سلیم طبیعتوں کے [illegible] معترضوں کے لیے دفاتر بھی ناکافی ہیں۔"

[illegible] معذرت نامہ لکھا ہے، جس کا اقتباسی خلاصہ [illegible] میں موصول ہوا تھا۔ اس سے امید ہے کہ ان معصوم صفت دوستوں کو بھی بصیرت حاصل ہوئی ہوگی، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ صدق ایک ہی مسئلہ پر اتنے عرصہ تک لکھ لکھ کر اور بار بار توضیح و تنقیح کر کر کے، اپنا وقت ضائع کر رہا ہے! یہ سلسلہ توضیحات و تشریحات نہ بے ضرورت تھیں، اور نہ بحمد اللہ بے اثر رہیں۔

نفس مسئلہ شروع ہی سے صاف تھا۔ اللہ تعالیٰ اس دن کے لیے زندہ نہ رکھے نہ صدق کو نہ صدق نگار کو، جب اس کے صفحات میں تحلیل حرام کی باتیں لگیں، یا معصیتوں پر جرأت اور شریعت کی نافرمانیوں پر رغبت دلائی جانے لگے! اظہار صرف اس حقیقت کا تھا کہ شر محض کے مقابلہ میں شر مع الخیر قابل ترجیح ہے، [illegible] خیر محض کا ——— البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ اتنے شریفانہ اعتذار کی توفیق بھی ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ اور جو نہیں سننا چاہتے، انہیں دنیا میں کوئی سنا ہی نہیں سکتا!

یک کس نا ستیزد [illegible]
صد کس [illegible] بندہ را ناچیز کند!

چند اور ملفوظات

حکیم الامت کا لکھا ہوا تعزیت نامہ (آج) پرچہ میں کسی دوسرے عنوان سے درج ہو رہا ہے، آپ کے خلیفہ خاص خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب غوری کا عنایت نامہ جو اس کے ساتھ موصول ہوا ہے وہ خود بھی اس قابل ہے کہ اس کے بیشتر حصے میں ناظرین صدق کو شریک کیا جائے۔ فرماتے ہیں :-

"حسن اتفاق دیکھیے۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس حادثہ میں بھی تسلی کے لیے ہم لوگوں کو حضرت ہی کی ضرورت تھی۔ وہ جس عنوان سے تسلی فرماتے دوسرا تھوڑا ہی کر سکتا ہے۔ بس دوسرے ہی دن ایک صاحب نے یہ تعزیت نامہ بھیج دیا، جس سے بہت تسلی ہوئی۔ اور ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت ہم لوگوں ہی کے لیے گیارہ برس پہلے یہ تعزیت نامہ لکھ کر رکھ گئے تھے۔ ایسی ایسی نہ معلوم کتنی تحریرات عجیبہ نافعہ لوگوں کے پاس موجود ہیں، جن کی کہیں نقل نہیں کی گئی۔ کیونکہ حضرت کا معیار انتخاب بہت بلند تھا۔ چنانچہ ایک طالب نے مجھے اپنے خطوط دیئے، جن میں بہت سے مضامین عجیب و غریب قابل نقل نظر آئے۔ لیکن ان کی کہیں نقل نہیں کرائی گئی۔ مثلاً انہوں نے شدید قبض اور سخت پریشانی کا اظہار کر کے چاہا کہ تسلی فرمائی جائے تحریر فرمایا کہ

"تسلی مطلوب نہیں، تجلی مطلوب ہے، جو کبھی جلالی بھی ہوتی ہے، جو اس وقت ہو رہی ہے"۔

یہ بھی فرمایا کہ

"یہ حالت ایک مبارک مجاہدہ ہے جس کے آثار رفع مقامات محمودہ مرتب ہوتے ہیں، جن کا ظہور وقت پر ہوگا۔ ان آثار کی بنیاد پڑ رہی ہے بس حتی الامکان کام میں لگے رہو۔ ان خیالات کی طرف اصلا توجہ مت کرو۔ البتہ اطلاع دیتے رہو۔ ان شاء اللہ عنقریب سب حالات دلخواہ ہو جاویں گے"۔

سبحان اللہ۔ تسلی تو حضرت حکیم الامت ہی کا حصہ تھا۔ خدا کرے کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ اس قسم کی غیر منقول تحریرات سب جمع ہو کر شائع ہو جائیں۔

نیا شعر و ادب

ایک ماہرانہ تبصرہ

[رشید صدیقی صاحب استاد اردو مسلم یونیورسٹی کے مرتبہ ادب و انشاء سے کون واقف نہیں۔ انکے ایک تازہ خطبۂ صدارت (کانفرنس گزٹ سے منقول) کا اقتباس ذیل یقیناً بڑی قدر اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔]

حضرات! اب میں تھوڑی دیر کیلئے اُن دوستوں سے مخاطب ہونا چاہتا ہوں جو اردو شعر و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ہماری زبان، ہمارے ادب اور ہماری روایات کے محافظ ہی نہیں، اس کی پرورش کرنے والے اور پروان چڑھانے والے ہیں۔ آیندہ نسلوں کی ذہنی پرداخت میں انکا بڑا حصہ ہوگا۔ یہ کام بہت بڑا اور بڑی ذمہ داری کا ہے۔ اس لیے کہ شعر و ادب ہمارے جذبات کا نمودار ہی نہیں انکا محرک بھی ہوتا ہے۔ لیکن اردو شاعری اور اردو ادب کا جو رنگ ڈھنگ عام طور پر آج نظر آ رہا ہے وہ پُرمعنی بھی ہے اور اندیشہ ناک بھی۔ پُرمعنی اس اعتبار سے کہ اس میں زمانہ کا رنگ جھلک رہا ہے اور اندیشہ ناک یوں کہ

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتست

جو لوگ کبھی خیالی دنیا میں تصورات سے کھیلتے یا اُن میں گم رہتے تھے، آج واقعات کی دنیا میں "سیل بے پناہ" سے دوچار ہیں۔ "غم روزگار" نے اب "غم عشق" کی جگہ لے لی ہے۔ اور "غم جاناں" اب "آلام روزگار" کو آسان بنانے سے قاصر ہے۔ زندگی کے نت نئے مسائل نے نئی والہانگیاں پیدا کر دی ہیں۔ زندگی کے آشوب سے دوچار ہونے کی ہمت یا صلاحیت باقی نہیں رہتی تو انسان اپنی والہانگی ہی کو ماحصل حیات سمجھنے لگتا ہے۔ اسی نوعیت کے آشوب نے ایران کی شاعری میں تصوف کا عنصر داخل کر دیا تھا۔ اسوقت تک مذہب کا عمل دخل کافی تھا اس لیے مذہب اپنے مقام سے اُترا تو تصوف پر آکر تھا۔ ہندوستان میں خالص اسلام کا عمل دخل برائے نام ہی تھا، اور جو کچھ تھا وہ بھی ایکطرح کے مخلوط تصوف کے پیرایہ میں۔ اور یہ تصوف عملاً مذہبی اباحیوں کی جائے پناہ یا ایک مقدس سفارت بن کر رہ گیا تھا۔ جنگ عظیم کے کچھ عرصہ پہلے سے زندگی کی ہر جہت میں مادیت و عقلیت کی بہت کچھ کارفرائی نظر آنے لگی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اب جونہی زندگی کا آشوب آیا تو اس نے تصوف، مادیت اور عقلیت سب کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور اسکی جگہ فسق و فحاشی نے سنبھال لی۔ فسق و فحاشی درحقیقت رذائل نفس کی غالبہ زائی ہوتی ہے۔ حضرات! ہمارے دوستوں کو "لعنۃ اللہ پانت" سننے کی تاب نہ رہی تو اپنے کو کھو دینا ہی اپنا کارنامہ قرار دینے لگے۔ بندھنوں سے آزاد ہونا اچھی بات ہے لیکن ہر چیز کو ہر بندھن سے آزاد کرنا آزادی نہیں بد اعمالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آجکل کی بیشتر شاعری اور افسانوں میں زندگی کے جن دوراونے یا گھناؤنے پہلوؤں کو مزے لے لیکر [illegible] پیش کیا جا رہا ہے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے [illegible] شرمناک اصول اور طریقوں کی تبلیغ کی جا رہی ہے وہ کسی کے فخر نہیں ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہم [illegible] واقعات ملتے ہیں۔ میں یہ بھی تسلیم [illegible] سے متاثر بھی ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ [illegible] کہ علم الامراض کے ماہر اور شاعر و شاعر [illegible] میں فرق مراتب بھی ہے۔ ہمارے شعراء اور ادیب مصائب و مصاحب معقول طور سے پیش کرتے ہیں نہ انکی صحیح چارہ سازی کرتے ہیں۔ شدید او مزمن امراض کا علاج سستی مسکرات سے صرف عطائی ہی کریگا اور اپنی کوڑھ اور غلاظت کو اُچھالنے والا کوڑھی اور اگھوری کہلائیگا۔ تو کیا اب شاعر، ادیب اور آرٹسٹ کوڑھی یا اگھوری ہی ہونے پر اکتفا کریں گے اور اسی پر فخر کریں گے۔ یا شاعر، ادیب اور آرٹسٹ کے مقامات کچھ اور بھی ہیں۔ یہاں میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس شاعر اور آرٹسٹ کے سامنے سرخم کرنے کے تیار رہوں جو کوڑھ یا غلاظت کی صحیح اور مکمل تصویر کھینچے۔ میں تو اس شاعر اور آرٹسٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو اپنی نہاد اور اپنے عمل کے اعتبار سے کوڑھی یا غلیظ ہو۔ یا کوڑھ اور غلاظت میں لذت محسوس کرے۔

حضرات۔ کمیونزم یا اشتراکیت کی تقلید یا تبلیغ اب اس درجہ عام اور مقبول ہے کہ اسکے خلاف کچھ کہنا جہالت، قدامت پرستی اور دولت دوستی کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ بایں ہمہ میں اشتراکیت کا قائل نہیں ہوں قطع نظر اور باتوں کے میں نے اسکا جو کچھ مظاہرہ اردو شعر و ادب میں دیکھا ہے اس سے بیشتر زندگی سے زیادہ کمیونزم گھناؤنی معلوم ہونے لگی ہے۔ کمیونزم نے خدا، عورت اور دولت کی طرف خاص توجہ کی ہے اور ان تینوں کے بارے میں جو کچھ تعلیم ہے اس سے عام طور پر ہم اور آپ کم و بیش واقف ہیں۔ بیشتر اسی کی کارفرمائی ہمارے جدید شعر و ادب میں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر خدا یا اسکا تصور مانے جانے کے لائق نہیں ہے تو مذاق اُڑانے کے لیے بھی موزوں نہیں ہے۔ اور عورت کو مظلوم و مجبور نہ ہونا چاہیے تو اُسکو شاعر، آرٹسٹ یا مزدور کے شہوانی جذبات کی تسکین کا وسیلہ بھی نہ سمجھنا چاہیے اور افلاس [illegible] تنہا علاج قتل و غارت گری بھی نہیں ہے۔ [illegible] کہ خدا کے تصور ہی سے کوئی شخص انسان [illegible] کی اعلیٰ قدروں کی بنیاد رکھ [illegible] صرف اگر صرف تسکین شہوت [illegible] ہوں تو میرے خیال میں عورت سے [illegible] اشرف المخلوقات کا نہیں ہے۔ دولت [illegible] بُری، لیکن قتل و غارت گری کی تبلیغ بھی کوئی [illegible]۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اسکے پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشدآباد بلڈنگ - گولہ گنج

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
ممالک غیر سے سالانہ ایک پاؤنڈ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۴۲ | دوشنبہ - ۱۰ - شوال المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۱- اکتوبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

(افادہ: مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہ)

[دورحاضر کی چند مخصوص متقی و برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ذات مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم بستی نظام الدین اولیاء، دہلی و بانی جماعت اسلامی کی ہے - ایکی سچی باتوں کی زینت، اُنھیں کے چند ملفوظات مرتبۂ مولانا محمد منظور صاحب "الفرقان" سے کی جاتی ہے]

جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں، وہ درحقیقت کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں - بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں - البتہ چونکہ اُنکی وہ اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لیے وہ اُنکے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں - لیکن اگر کل ہی کو انکی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں، تو وہ اسی درجے میں اُنکے بھی حامی وفادار ہو جائینگے، ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے - تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ انکو برا بھلا کہا جائے، یا اس گورنمنٹ کی مخالفت پر انکو آمادہ کیا جائے انکی اصلی بیماری غرض پرستی ہے - اور جب تک اُن میں یہ موجود رہیگی اگر گورنمنٹ کی حمایت انھوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لیے وہ کسی اور ایسی طاقت کے ایسے ہی وفادار بنیں گے - اس لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خداپرستی پیدا کی جائے اور اللہ اور اسکے دین کا اُنھیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے، اسکے بغیر انکی بیماری کا علاج نہیں ہو سکتا -

---

بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہوا ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضی یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے، اور اُنکے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے، حالانکہ استغناء کا منشا صرف یہ ہے کہ ہم اُنکی دولت کے حاجتمند نہ بن کر اُن کے پاس نہ جائیں، اور طلب جاہ و مال کے لیے اُن سے نہ ملیں، لیکن اُنکی اصلاح کے لیے اُن سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغنا کے منافی نہیں بلکہ یہ تو اپنے درجے میں ضروری ہے - ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ انکے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال و جاہ اور دولت کی حرص نہ پیدا ہو جائے -

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر آدمی کو چین اُسی چیز کے حصول سے ملتا ہے جسکی اُسے رغبت اور چاہت ہو - مثلاً ایک شخص کو امیرانہ زندگی بیش قیمت کھانوں اور کپڑوں سے رغبت ہے، تو اُسکو ان چیزوں کے بغیر چین اور آرام نصیب نہیں ہو سکتا - لیکن جسکو چٹائی پر بیٹھنا، بوریے پر سونا، سادہ لباس اور سادہ کھانا زیادہ مرغوب ہو، ظاہر ہے کہ اُسکو اسی میں زیادہ چین اور سکھ محسوس ہوگا - پس جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سادہ معاشرت مرغوب ہو جائے، اور انکو اسی میں لذت اور چین ملنے لگے، اُن پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ انکا چین ایسی چیزوں سے وابستہ فرما دیا جو بہت سستی ہیں اور جنکا حصول ہر غریب و فقیر کے لیے بہت آسان ہے -

---

جنت حقوق کا بدلہ ہے - یعنی اپنے حقوق اپنا چین اور آرام لٹا دیا جائے، اور اپنے پر تکلیف برداشت کر کے دوسروں کے حقوق ادا کیے جائیں جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں تو اُسی کا بدلہ جنت ہے - حدیث میں ارشاد ہوا ہے، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء - تم زمین والوں پر رحم کرو ربّ السماء تم پر رحمت فرمائیگا -

علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا مقصد

حالات کی تحقیق و جستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اٹھا نہیں رکھا ہے۔ موجودہ تحریف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے ہم کو تو کو بعض "روشن خیال" محققین نے آج سے کوئی چالیس پچاس سال ادھر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامے کوئی شخصیت گزری ہی نہیں، بلکہ یہ محض ایک قومی نام یا لقب شیخ قبیلہ کا تھا۔ لیکن اب پھر تحقیقات کا رخ بدلا ہے، اور اب آپ کے وجود کا پوری طرح قائل ہونا پڑا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام سلسلۂ اسرائیلی اور سلسلۂ اسماعیلی دونوں کے مورث اعلیٰ ہیں۔ اللہ کی نعمت خاص یعنی پیغمبری توحید اب نسل اسرائیل سے انکی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھین کر ایک اسمٰعیلی پیمبر کے واسطے ساری دنیا کے لیے عام ہو رہی ہے، اور ضرور تھا کہ انکی شخصیت کی مرکزیت اور اہمیت (اور انکے ضمن میں اسمٰعیل علیہ السلام کی شخصیت) سے یہاں دنیا کو روشناس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہی ہو رہا ہے۔

۲۴۳ وہ چند امور احکام تھے، امر و نواہی کی قسم سے۔

ان کلمات کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واختلفوا فی الکلمات التی ابتلی اللہ بہا ابراہیم (معالم) اختلف اہل التاویل فی صفۃ الکلمات التی ابتلی اللہ بہا ابراہیم (ابن جریر) قد اختلف العلماء فیہا اختلافاً کثیراً (ابن العربی)

لیکن بہرحال وہ کچھ بھی ہوں احکام شرائع ہی تھے۔ ہی ثلاثون سہماً من شرائع الاسلام (معالم۔ عن ابن عباس) کلفہ العمل بہن امتحاناً منہ لہ واختباراً (ابن جریر) سلک اختیارہ ایاہ کلفہ من الاوامر والنواہی (ابن کثیر) اے اختبرہ بالاوامر والنواہی (مدارک) ان اللہ تعالیٰ عبر بہا عن الوظائف التی کلفہا ابراہیم علیہ السلام (ابن العربی)

ابتلیٰ۔ یعنی آزمایا۔ اپنی واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ وہ تو خود ہی علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان۔ تاکہ دنیا کو انکے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں جب آزمانے کا فعل آتا ہے، تو مراد اس سے ہمیشہ یہی ہوتی ہے۔ وابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالہم بالابتلاء فانہ عالم بہم ولکن لیعلم العباد احوالہم (معالم)

۲۴۴ یعنی آپ ان امتحانوں میں پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کر دی۔ اے فاداہن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اے عمل بہن (ابن جریر عن قتادہ) واتمامہ ایاہن اکمالہ ایاہن بالقیام للہ بما اوجب علیہ فیہن (ابن جریر) اے قام بہن حق القیام واداہن احسن التادیۃ (کشاف و مدارک)

روایات یہود میں بھی ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔

۲۴۵ (کہ امور دین و شریعت میں ہماری اقتدا کریں) اے یاتمون بک فی دینہم (مدارک) اے یاتمون بک فی دینک (کبیر) امام کہتے ہی اسے ہیں جسکی پیروی کی جائے۔ ہو اسم من یوتم بہ (مدارک) اسم الامۃ مستحق لمن یلزم اتباعہ والاقتداء بہ فی امور الدین او فی شیٔ منہا (جصاص) توریت میں یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے:—

"اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا، اور تجھکو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا۔ اور انکو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا۔ اور اسکو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں، لعنتی کروں گا اور دنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔"

(پیدائش۔ ۱۲: ۲ و ۳)

ایک عالم کی یہ دینی سرداری اور امامت آج تک آپ کے حصہ میں چلی آرہی ہے۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو دین توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں، یعنے یہودیت و نصرانیت، وہ آپ کی امامت پر متفق و متحد ہیں۔

ایک امریکی مسیحی فاضل بیسویں صدی عیسوی کے ثلث اول کے ختم پر، آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:—

"ابراہیم کی ہستی کسی بڑی سرداری کی نہ تھی، کہ وہ لوٹ مار کرتے اور ملک گیری کرتے پھرتے۔ انکی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے۔ وہ حقیقۃً کسی نسل کے مورث اعلیٰ نہیں بلکہ مذہبی تحریک کے بانی و امام ہیں۔ نسل محمد کے، جو انکے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، وہ سامی اقوام مغرب کی رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور حسب روایت توریت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد اول ص۶۰ طبع چہاردہم)

جس فقرہ کو ترجمہ میں جلی کر دیا گیا ہے، اسے پھر پڑھ لیا جائے۔ یورپ کی زبان اللہ کے حبیب اور اللہ کے خلیل کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف بس اللہ ہی کی شان ہے!

آیت سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلا، کہ تعمیل امر اور امتحان الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی و سرداری کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اولیاء و علماء امت کی امامت، اپنے اپنے ظرف و حیثیت کے مطابق، اسی قانون کی مظہر ہے۔ جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے، کہ امامت کے جو معنی بیان ہوئے اسکے لحاظ سے

فالانبیاء علیہم السلام فی اعلیٰ مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون وبعد ذلک ثم العلماء والقضاۃ العدول ومن الزم اللہ تعالیٰ الاقتداء بہم ثم الامامۃ فی الصلوۃ ونحوہا۔	امامت کے مرتبۂ اعلیٰ پر تو حضرات انبیاء فائز ہوتے ہیں، ان سے اتر کر خلفاء راشدین ہیں، پھر نمبر علماء اور عادل قاضیوں کا آتا ہے، اور انکا جنکی پیروی اللہ نے لازم کر دی ہے۔ پھر نماز کے امام وغیرہا۔

ماہنامہ "الفرقان"

الفرقان (دہلی) کے تازہ نمبر سے یہ خبر بڑی مسرت کے ساتھ ملی، کہ ماہنامہ مذکور کی ادارت آئندہ سے ملک کے مشہور فاضل جلیل مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی (صدر شعبۂ دینیات، عثمانیہ یونیورسٹی) کے ہاتھ میں آجائیگی۔ رسالہ اب بھی اپنے حدود کے اندر دین کا مخلص خدمتگزار تھا، اب مولانا گیلانی کے ہاتھ میں عنان ادارت آجانے سے ظاہر ہے کہ اسکی حیثیت افادی کتنی کچھ بڑھ جائیگی۔ مولانا محمد منظور نعمانی بھی بدستور اسکی خدمت میں لگے لپٹے رہیں گے۔ بیچارے اسوقت خانگی صدمات میں مبتلا ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۷)

صاف ہوتی ہیں۔ سرجن خود دیر تک اپنے ہاتھ اور انگلیوں کی صفائی کرتا، مستزاد یہ کہ وہ اور انکے رفقاء کار اپنے منھ اور ناک اور بالوں پر پٹیاں باندھ

عظیم الشان نمائش

(رہبر دکن کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے)

۲۰۔ شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۵۔ اگست ۱۹۴۳ء گورنر مدراس نے گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں تاریخ و تمدن اسلامی کی نمائش کا افتتاح کیا۔ مدرسہ اعظم کو کالج ہوئے ۲۵ سال گزر چکے ہیں۔ اسکی تقریب میں جو جشن سیمیں (سلور جوبلی) منایا گیا اسکا ایک جز اور نمایاں جز یہ نمائش بھی تھی۔

جنگ کے باعث ملک میں حمل و نقل کی دشواریاں، مدراس کا محاذ جنگ پر ہونا اور دیگر موانع ہمتوں کو پست کرنے والے تھے، لیکن کالج کے جواں ہمت پرنسپل کی نیت اور تدبیر نے سنگلاخ مدراس میں ایک علمی گلزار کھلا دیا۔ نمائش کا کچھ نہیں تو تین چوتھائی سامان حیدرآباد سے آیا تھا اور کچھ اس حسن تدبیر سے پیش کیا گیا تھا کہ خالص اسلامی آثار پر مشتمل ہونے کے باوجود ناظرین میں بہت بڑی تعداد ہندوؤں، عیسائیوں، پارسیوں، سکھوں، سوکھیوں حتیٰ کہ غیر مسلم عورتوں تک پر مشتمل تھی۔ گورنر مدراس جیسی مصروف شخصیت نے افتتاح کے دن آدھے گھنٹے کے معائنے کے بعد کہا کہ انکا جی سیر نہ ہوا۔ دوبارہ تفصیلی معائنہ کے لیے آئے اور دو گھنٹے رہے۔ مقامی غیر مسلم انگریزی روزناموں (مثلاً ہندو، میل، اکسپریس وغیرہ) نے متفقہ طور سے اپنے ناظرین سے کہا کہ اس خداداد موقع کو نہ کھوئیں۔ جمیع الہند نشرگاہ (آل انڈیا ریڈیو) نے افتتاح کی رات کو تقریباً آدھ گھنٹے اسکے معائنہ کے تاثرات ایک قابل پرنسپل کی زبانی سنائے۔ اس نمائش کو دیکھنے کے لیے منگلور سے بھی لوگ آئے، آگرہ سے بھی، پونا سے بھی، حیدرآباد سے بھی، اور دیگر ان گنت مقامات سے بھی۔ یہ ایک ہفتہ کے لیے تھی۔ مگر دو دن کی توسیع دینی پڑی۔ راتوں کو فانوسی تقریریں بھی ہوئیں، سنیما نیز بھی۔ اب اسکی کچھ چشم دید کیفیت عرض کی جاتی ہے:-

(۱) اسلام کا آغاز چونکہ عہد نبویؐ سے ہوتا ہے۔ اس لیے ناظر نمائش میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے کمرۂ سیرت میں پہونچتا تھا۔ (یہ پورے کا پورا کتبخانہ آصفیہ کے سامان پر مشتمل تھا) درمیان میں ایک بڑے میز پر کئی گز لمبا اور اتنا ہی چوڑا لکڑی کا ماڈل مسجد نبویؐ کا بنایا گیا تھا۔ گنبد خضرا کا یہ اثر انداز منظر بڑا دل لبھانے والا تھا۔ اطراف کی دیواروں پر بھی فوٹو اور نقشوں سے سیرت نبویہ سمجھائی گئی تھی۔ مثلاً ولادت

ات چونکہ عام الفیل میں ہوئی تھی اس لیے سب سے پہلے اس مقام کا فوٹو تھا جہاں سعودی دور سے پہلے مولد النبیؐ کا مکان تھا۔ آگے جبل نور، غار حرا کے [illegible] تھے۔ غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ اتنا بڑا ہے کہ [illegible] اس میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے یا پاؤں پھیلا کر سو سکے۔ طول اسکا قدرتی رخ کعبے ہی کی سمت ہے۔ ہجرت حبشہ کے لیے بندرگاہ جدہ (شعیبہ) کا فوٹو، بیت الارقم جہاں ابتدائی اجتماع ہوتا تھا اور جس میں حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تھے،

بیت عقبہ کے مقام کی یادگار مسجد، غار ثور جس میں ہجرت کے وقت جناب رسالت اور صدیق اکبرؓ نے چند دن قیام فرمایا تھا۔ ثنیۃ الوداع جہاں مدینہ تشریف آوری پر سے

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ایہا المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع

گاتے ہوئے لڑکیوں بچوں اور عورتوں مردوں نے رسول کریمؐ کا استقبال کیا تھا۔ مسجد قبا جو دست مبارک نبویؐ سے تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے اور مسجد نبویؐ اور پھر بدر کا نقشہ اور اس غزوہ کے متعلق متعدد فوٹو تھے۔ اسی طرح احد، خندق، حدیبیہ اور فتح مکہ کے متعلق نقشے اور فوٹو نمایاں کیے گئے تھے۔ یہاں مکتوبات نبوی کے تین اصول کے فوٹو بھی تھے۔ جو صلح حدیبیہ کے بعد تبلیغ دین کی غرض سے بیرونی حکمرانوں کو بھیجے گئے تھے۔ اور آخر میں حرم کعبہ کا ایک اثر انداز فوٹو بھی بتلا رہا تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا مکان عارضی طور سے اگرچہ بت پرستی کا مرکز بن گیا تھا لیکن اب وہ جاء الحق وزہق الباطل کے مصداق کر معبود حقیقی کی عبادت کے لیے پوری دنیا کا قبلہ بن گیا ہے۔ سب سے آخر میں مسجد نبوی اور گنبد خضراء کا ایک فوٹو یہ بتا رہا تھا کہ رحمۃ للعالمینؐ کا دنیاوی کام ختم ہو گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

(۲) دوسرا کمرہ زیادہ تر غیر مسلموں کی واقفیت کے لیے تھا کہ اسلامی عبادات میں کوئی چیز مخفی اور راز نہیں ہے۔ یہاں ایک نمونہ کی مسجد کا بڑا لکڑی کا ماڈل تھا جس میں نہ صرف منبر، محراب اور امام کا عصا تھا بلکہ وضو کرنے کا دہ در دہ (۱۰×۱۰) حوض، نماز کا وقت معلوم کرنے کے لیے دھوپ گھڑی اور عام اوقات میں تلاوت کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ مہیا کیے گئے تھے۔

(باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبان کی میعاد خریداری اسی ماہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں تمام ہو رہی ہے۔ مہربانی فرما کر اپنا چندہ ۱۵-۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء سے پہلے پہلے دفتر کو بھیج دیں تاکہ یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو وی پی نہ روانہ کیا جائے۔ وی پی میں آپ کا ۵ کا خرچ بھی زیادہ ہے۔

خریدار نمبر ۳۰۳، ۳۶۶، ۴۴۷، ۵۶۹
۵۱۰، ۶۴۴، ۹۰۸، ۹۰۹
۹۱۳، ۹۱۷، ۱۲۶۷، ۱۰۷۰
۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۲۶۷
۱۰۷۸، ۱۱۶۳، ۱۱۶۵، ۱۱۶۷
۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۲۲۵

مہتمم صدق

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

نمبر ۲۵ | دوشنبہ - ۲۴ - شوال المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۵ - اکتوبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

کہتے ہیں، کہ تصوف کے ڈانڈے آکر سوشلزم (اشتراکیت) اور کمیونزم (اشتمالیت) سے مل جاتے ہیں۔ ملتے ہونگے۔ امارت سے بیزاری دونوں میں مشترک ہے۔ صوفی کہتے ہیں سرمایہ داری کو ٹھکراؤ۔ کمیونسٹ پکارتے ہیں سرمایہ داروں کو مٹاؤ۔ بات تو ایک ہی ہوئی، کہنے کے طریقے دو ہوگئے ——— لیکن ذرا کان لگاکر تو سنئے، درویش کی خانقاہ سے صدا کیا آرہی ہے۔

دنیا چھوڑو، دنیا کی محبت چھوڑو۔ دھن دولت، راج پاٹ، ہیرا جواہر، کوئی ساتھ دینے والا نہیں، سب یہیں رہ جانے والے ہیں۔ دنیا ہیچ ست وکار دنیا ہمہ ہیچ!

خیر کرو، خیرات کرو۔ اپنے پاس اتنا رکھو ہی کیوں کہ حساب کتاب زکوٰۃ کا رکھنا پڑے!

ہرچہ داری صرف کن در راہ او
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

جو کوئی جو کچھ مانگے اُسکی نذر کردو۔ ہم کیا اور ہماری ملکیت کیا۔ ہم خود ہی اپنی ملک کب ہیں؟ ہم کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم وگماں ہمارا!

اب ملاحظہ ہو، کمیونسٹ کیمپ سے نعرے کیا بلند ہورہے ہیں۔

"سرمایہ داری مردہ باد" ان موذی مہاجنوں کو حق کیا ہے زندہ رہنے کا! اور یہ ظالم حکام اور حریص زمیندار تعلقدار اور اسجھیرا بجے۔ آخر کب تک غریب رعایا کا خون یوں چوس کر پلتے رہیں گے؟ یہ سب کے سب غاصب ور لٹیرے ہیں، انکے خزانوں کو لوٹ لو، انکی محلسراؤں کو پھونکا دو، انکی کوٹھیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادو۔ انکی جائدادیں جاگیریں اپنے قبضہ میں کرلو۔ یہ سب ہمارا ہی چھینا ہوا مال ہے، اسے چھین لو یعنی مٹادو۔ ورنہ خود سٹ کر رہوگے۔ یہ زر یہ زن یہ زمین ان سب پر قدرتی حق ہمارا ہے۔ اب ہم اپنا حق وصول کرکے رہیں گے! ذلتیں مشقتیں بہت جھیل چکے۔ اب ہم معزز ہوکر، سربلند ہوکر رہیں گے! —— جو کچھ بھی ہے سب ہمارا ہے، ہم ان ظالموں کو پنپنے نہ دیں گے۔

مناسبت دونوں میں آپ نے دیکھ لی؟ ایک کا پیام یہ ہے کہ "ہمارا کچھ بھی نہیں۔ ہمارا جو کچھ ہے وہ بھی تمہارا ہی ہے" دوسرے کا نعرہ ہے کہ "ہمارا سب کچھ ہے۔ تمہارا جو کچھ ہے وہ بھی ہمارا ہی ہے"! —— دونوں میں نسبت یقیناً ہے، مگر وہی نسبت جو اثبات کو نفی سے، موت کو زندگی سے ہوتی ہے! ایک نمونہ ہے مشرق کی روحانیت کا، دوسرا نمونہ ہے مغرب کی آزادخیالی کا! ایک ثمرہ ہے توحید خالص اور ایمان کا، دوسرا نتیجہ ہے شرک وجاہلیت کا۔ ایک کا خلاصہ ہے کہ "لٹادو اور دو"۔ دوسرے کا لب لباب ہے کہ "لوٹو اور لو" دونوں مسلک آپ کے سامنے ہیں۔ انتخاب میں دقت کچھ بہت زائد تو نہ ہونا چاہیے۔

ایک کلامی مسئلہ

صدق ۱۹۱ (۲۶ ستمبر) میں جو سوال شذرات میں اس عنوان سے درج ہوا تھا، اُسکے جواب میں مرکز معقولات درسِ نظامیہ فرنگی محل کے مسند مولانا محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے تحریر ذیل بھجوائی ہے

کے دستور العمل کے اکثر جزئیات کی طرح یہ دستور بھی بڑے کام کا ہے ——— خط پر میں نے صرف سنہ ہجری تحریر کیا تھا - تاریخ ۲۲ - جمادی الاول ۱۳۴۶ھ کی پڑی ہوئی ہے - ابھی جنتری سے ملایا، تو ۱۸ رنومبر ۱۹۲۷ء نکلی - خط ڈاک میں پڑا، اور جواب کا انتظار شروع ہوگیا - مولانا کا دستور یہ تھا کہ خط کا جواب عموماً فوراً ہی تحریر فرما دیتے - ہاں خط کا مضمون ہی اُلجھا ہوا ہو اور جواب کے لیے کتابوں کی الٹ پلٹ کی ضرورت ہو، تو اسکی بات ہی اور تھی - مولانا کے خطوط کی ڈاک اچھی خاصی بڑی ہوا کرتی، لیکن مولانا جواب ایک ایک کا اپنے ہی قلم سے لکھتے - آخر تک، جب تک ضعف نے بالکل ہی بے تابو نہ کر دیا، یہی روش قائم رہی ——— سارے انتظامات اور مستعدی کے باوجود خط کو بہر حال تین ساڑھے تین سو میل سے زائد، سہارنپور کے آگے ضلع مظفر نگر تک کا مرحلہ طے کرنا تھا، اور پھر اسی قدر واپسی میں - یہ توقع ہی آپ نے کیوں قائم کرلی، کہ جواب خط ارسال ہے اُس کے متصل جواب خط بھی مل جائیگا؟ جواب ۲۵ - نومبر کو موصول ہوا - خالی محبت نہیں، پورے کا پورا سینے لگا، اور ابھی بھی سینے لگا - لیکن ایک ذرا غور کر ——— ایک شیخ وقت کے حالات سننے سنانے آپ بیٹھے ہیں، تو خود بھی ایک ہلکا سا مجاہدہ صبر کا اور شوق و اشتیاق کے ضبط کا کرتے چلیے نا!

ماجرا ۱۹۲۷ء کا بیان ہو رہا ہے، ۱۹۴۳ء کا نہیں - جو آج بھی اُن ۱۶ سال قبل کا دور تھا - دنیا بھی دوسری تھی اور دل کی دنیا بھی دوسری - جن خیالات پر اُس وقت ناز تھا، آج اُن پر ہنسی آرہی ہے، جن سے انکار تھا، وہ اب مسلمات میں داخل ہیں - مولانا کی ہستی اُسوقت ایک راز، ایک معمہ تھی - جمعیۃ العلماء کا زور تھا، گو گھٹا ہوا - محمد علی شوکت علی کا دور تھا، گو شباب سے اُترا ہوا - مسلمان خلافت کمیٹی کے ساتھ تھے، اور خلافت کمیٹی کانگریس اور گاندھی جی کا ساتھ دے رہی تھی - پھر اگر کسی خلافتی لیڈر کی دینی و روحانی حیثیت بھی نمایاں ہو تو زندگی نور - شیخ الہند محمود حسن دیوبندی اور انکے بعد مولانا عبد الباری فرنگی محلی دونوں اپنے اپنے وقت پر مسلمانوں کی آنکھوں کے تارے بن کر رہے - اور اب جانشین شیخ الہند کی حیثیت مولانا حسین احمد صاحب کو حاصل ہو رہی تھی - جواب ۲۵ رکو لکھنؤ میں موصول ہوا - اشتیاق کے ہاتھوں سے کھولا - عقیدت کی آنکھوں سے پڑھا - آئیے، آپ بھی شریک ہو جائیں:

"از اشرف علی - السلام علیکم

آپ کی راستی و سادگی سے دل خوش ہوا - اللہ تعالیٰ آپ کو حقائق امور تک پہنچائے - ہر جزو کا مفصل جواب غیر ضروری ہے - بعد انتخاب مہمات کا جواب عرض کرتا ہوں

ملہ بیعت کا معیار آپ نے کیا تجویز کیا ہے؟ اسکی تعیین اول ضروری ہے، تاکہ اس معیار پر مصلح کا انتخاب ہو سکے -

ملہ تھانہ بھون کا ارادہ کس خیال سے ہے؟ ضرورت تحقیق کی یہ ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ آپ کا وہ مقصود یہاں آنے سے حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں - نیز اسکا ظاہر فرمانا بھی ضروری ہے کہ آپ یہاں تشریف لاکر خاموش رہینگے یا کچھ بولینگے بھی؟

ملہ امراض قلبی کا علاج ترتیب میں تجویز شیخ سے موخر ہے -

والسلام - از تھانہ بھون"

اس قلق و دل جواب کا آنا تھا کہ دل کی بساط پر انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی - خوش ہو کر نہ معلوم کتنوں کو دکھایا یا سنایا - اور اپنی سادہ دلی سے دوسرا خط دوسرے ہی دن ۲۶ - نومبر کو لکھ ڈالا - اقتباسات ملاحظہ ہوں: -

(۱) بیعت سے مقصود اپنے ذہن میں یہ ہے کہ نجات کی حقیقی و یقینی سیدھی راہ عملاً نصیب ہو، اور تسکین قلب اور پختگی ایمان حاصل ہو جائے -

(۲) (الف) حاضری سے غرض ایک تو یہی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ کی زیارت ایک زائر پر دن حضور اولیاء الخ (ب) اور بہر حال جتنی بار یہ حاضری ہوگی بہت سی دینی باتیں دیکھنے اور سننے میں آئینگی -

(ج) ساتھ ہی اپنے حق میں دعا کے لیے عرض کرنا اور (د) ارشادات حسنہ سے مستفید ہونا بھی مقصود ہے - (ہ) جناب کی عملی زندگی کی بھی بہت تعریف سننے میں آئی ہے (و) علمی حالت کا پتہ تو تصانیف سے چل جاتا ہے، لیکن عملی زندگی کا تجربہ بغیر حاضری ممکن نہیں -

(۳) ارادہ اپنی طرف تو محض خاموشی کے ساتھ دیکھنے اور سننے کا ہے - ہاں جناب کا ارشاد ہوگا تو کچھ عرض بھی کر دیا کروں گا - ارادہ ہے کہ اول بار مختصر قیام کی نیت سے آؤں، پھر اگر بیعت نے اچھا اثر قبول کیا، اور جناب والا کی بھی مرضی ہوئی تو دوبارہ طویل قیام کا قصد کروں گا۔

(۴) جناب سے بیعت ہونے پر جو زیادہ زور نہیں دیتا تو وہ اس لیے کہ جناب ہی کی تصانیف میں پڑھا ہے کہ حصول فیض کے لیے بیعت کوئی لازمی شرط نہیں - بلا بیعت بھی امراض نفس کا علاج ہو سکتا ہے"

یہ "الف" "ب" اصل خط میں نہ تھی - اس نقل میں یہ نمبر اس لیے ڈال دیے گئے کہ بغیر اسکے جواب سمجھ میں نہ آتا - جواب آیا - ملاحظہ ہو: -

(۱) میں نے مقصود نہیں پوچھا تھا معیار پوچھا تھا، جسکی بنا پر شیخ کی تعیین میں سہولت ہو - مکرر عرض کرتا ہوں کہ شیخ کامل کی پہچان آپ کے ذہن میں کیا ہے -

(۲) (الف) میں بھی اطلاع کرتا ہوں کہ میں اس صفت کا نہیں -

(ب) یہ بھی محض ذہنی حساب ہے - ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح نہ ثابت ہو -

(ج) یہ خط سے بھی ممکن ہے -

(د) [illegible] کی تبدیل سابق کے بعض ذہنی ہے -

(ہ) مجھ سے اسکے خلاف سُن لیجیے، کہ بیہودہ زندگی ہے - اب کس سننے کو صحیح سمجھیے گا

(و) میں تجربہ کا نتیجہ بلا مشقت تجربہ عرض کر دیا -

(۵) ابھی تو آنے ہی کی غرض متعین نہیں ہوئی - مجھکو اس میں جو کلام تھا

اور پر عرش کر دیا۔ اس نمبر کا درجہ اسکے بعد ہے۔

(۴) جب تک معیار بیعت کا تجویز نہ ہو جائے، کسی پر بھی زور نہ دیا جائے۔

مولانا ترے صوفی، محض عارف، صرف زاہد نہ تھے، متکلم بھی تھے معقولی بھی تھے، اور سب سے بڑھکر مصلح و معلم تھے۔ اتنا جان لینے کے لیے اتنی مراسلت بھی بس تھی۔

(بقیہ صفحہ ۲)

اخبار رہبر دکن میں پڑھتے ہی بے اختیار حالت گریہ طاری ہو گئی اور زبان پر یہ اشعار جاری ہو گئے۔

سرو سیما بہ صحرا می روی سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشاگاہ عالم روے تو تو کجا بہر تماشا میروی

دوسرے دن حافظ شیرازیؒ کا یہ شعر قلب پر وارد ہو کر سکون کا باعث ہوا

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسکے ایک ہفتہ بعد اس مجدد ملت کی زیارت خواب میں میسر ہوئی۔ جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیار رو پڑا، تو ارشاد فرمایا کہ کیوں روتے ہو، میں زندہ ہوں مرا نہیں۔

چند عربی مدارس

(از ع۔ ق)

عموماً ۱۰ شوال سے عربی مدارس اپنے تعلیمی سال کا آغاز کرتے ہیں۔ دفتر صدق میں چند عربی مدارس کی طرف سے اس سلسلہ میں اعلانات بغرض اشاعت موصول ہوئے ہیں، گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے انکے خلاصہ پر اکتفا کی جاتی ہے:-

(۱) **دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ**۔ ملک کی مشہور و معروف مرکزی [درسگاہ] ہے۔ ہر مزید تعارف سے بے نیاز۔

(۲) **مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام ضلع لکھنؤ**۔ مولانا عبد الغفار ندوی فضل رحمانی کے زیر اہتمام سہل الحصول اور سریع الحصول طرز تعلیم سے علوم عربیہ دینیہ، نیز بقدر ضرورت انگریزی اور علوم جدیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(۳) **مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن**۔ قاسم العلوم متصل اسٹیشن فقیروالی (ریاست بہاول پور) عربی و علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مڈل تک اردو اور انگریزی تعلیم دی جاتی ہے۔ دستکاری سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اسکے صدر مدرس جامعہ امدادیہ کے مشہور مفتی مولانا سید عبد الکریم گمتھلی ہیں۔

(۴) **مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر ضلع بستی**۔ مدرسہ اہل حدیث کے طرز پر ہے۔ زیر اہتمام مولانا عبد الرؤف خاں صاحب۔ تذکرہ و تعارف کئی بار ان صفحات میں ہو چکا ہے۔

[illegible] کے لیے جو بہروپ تجویز ہوا ہے، وہ تو ہماری تاریخ ہی کا ناس مارڈالیگا۔
(الکتاب۔ لاہور)

ہمارا نیا ادب

فی الحال تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ادب کو جس نئے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ رنگ ہمارے لیے مفید ہونے سے کہیں زیادہ مضر ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہمکو یہ کہنا پڑیگا کہ مضرت رسانی کا کوئی سوال ہی نہیں، یہاں تو ادب ہی غائب ہوتا نظر آرہا ہے۔ "نئے ادب" کے نام سے جو مغربی تقلید ہمارے ادب میں شروع ہوئی ہے وہ ہندوستان کے لیے کسی طرح بھی سازگار نہیں ہو سکتی۔ نہ مذہب سے ہندوستان ابھی بیزار ہوا ہے اور نہ شرم و حیا کو اعتبارات کا درجہ ابھی اس "پست ماندہ" ملک نے دیا ہے۔ ایسی صورت میں خلاف مذہب اور عریاں ادب ہندوستان کے سر کیسے تھوپا جا سکتا ہے۔ اور اس ادب کے آئینہ میں ہندوستان اپنے اصلی خد و خال کیونکر دیکھ سکتا ہے۔ مذہب ضروری ہے یا نہیں، یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ عریانی عین منشاء فطرت ہے یا اس سے بیزاری انسان کا ایک کھلا ہوا جھوٹ۔ یہ بھی ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ان دونوں گتھیوں کو سلجھنے سے پہلے ہی ادب کی ایک نئی باغیانہ صورت پیش کرنا اگر کچھ اور نہیں تو قبل از وقت ضرور ہے۔ اگر مذہب کوئی خلاف انسانیت فعل ہے تو پہلے اس سے عام بیزاری تسلیم کرا لیجیے اسکے بعد لٹریچر اسکو خود قبول کر لیگا اگر شرم و حیا محض باطل اعتبارات ہیں تو عریانی کا سب کو خوگر بنا دیجیے اسکے بعد آپ کا ادب خود ہی جامہ سے باہر ہو جائیگا۔ لیکن ادب کے ذریعہ ان مغربی تحریکوں کو مشرق میں کامیاب بنانے کا طریقہ ادبی دیانت کے منافی ہونے کے علاوہ ادب کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ اور اس طرح یہ تحریکیں خواہ کامیاب ہوں یا نہ ہوں مگر ادب ضرور ختم ہو جائیگا۔ بالکل یہی سلوک شاعری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہر زبان کی شاعری اس زبان کی مناسبت سے کچھ اصول رکھتی ہے۔ مثلاً انگریزی زبان میں غزلیں کہنے کی کوشش ایک مضحکہ خیز حرکت سمجھی جائیگی۔ اردو تو خیر ایک یتیم زبان ہے۔ مگر فارسی غزلگوئی کی خبر تو اہل مغرب کو بھی ہوگی۔ فارسی کلام اگر کسی مغربی نے سمجھ لیا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر [illegible] کیا ہے مگر یہ کبھی نہیں کیا کہ اسکی تقلید میں انگریزی غزلیں کہنا شروع کر دی ہوں۔ مگر ہندوستان میں ایک روش کی دیکھا دیکھی یہی سب ہے جس طرح پتلون پہنایا، کوٹ طاری ہوا، ٹائی اور کالر چڑھایا، اور ہیئت مردوں پر سوار ہوئی ہم اردو زبان میں [illegible] سوا ایک لطیفہ کے اور کچھ نہیں۔ مگر اس لطیفہ کو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی سنجیدگی کے ساتھ جس طرح ایک کالا ہندوستانی اپنا ملکی لباس چھوڑ کر سوٹ، ہیٹ اور ٹائی، کالر میں اپنے کو سنجیدگی کے ساتھ بہروپیا نہیں بلکہ معقول انسان سمجھتا ہے۔ حالانکہ انگریز نہ دھوتی باندھتے ہیں، نہ شیروانی پہنتے ہیں۔ وہ ہندوستان آکر اپنی وضع نہیں بدلتے۔ اور ہندوستانی بغیر ولایت گئے ہوئے انگریزی لباس پہن لیتے ہیں۔ خیر۔ اس بہروپ کا جو مضحکہ خیز اثر ہو سکتا ہے وہ ذاتی اور [illegible]

ایک تبلیغی فلم

(از سید عبد اللطیف صاحب کوچہ سید جنگ۔ مرب بازار۔ حیدرآباد دکن)

جتنے بھی فلم ہمارے یہاں تیار ہوتے ہیں، اُن میں اکثر و بیشتر فلم سماجی معاملات سے بحث کرتے ہیں۔ اور عوام میں کسی نہ کسی نشر و اشاعت کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ کوئی معاشرہ کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے، کوئی زر و سرمایہ و درسگے مسائل کو پیش کرتا ہے، کوئی موجودہ نظام تمدن کو اُلٹا دینے کی ترغیب دیتا ہے، کوئی فتنہ [illegible] پھیلانے کی کوئی قومی جذبات ابھارنے کی کوشش کرتا ہے [illegible] کی کے مختلف شعبہ جات کی کسی خاص نقطۂ نظر سے تنقید و اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔

چند دنوں سے ایسے فلم بھی تیار کیے جانے لگے ہیں جنکے کردار مسلمان ہوتے ہیں۔ ایسے بیسیوں فلم تیار ہو چکے ہیں مگر سوائے ناموں کی تبدیلی کے ان فلموں میں اور دوسری فلموں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہوتا۔ اگر نام ہندو ہوں تو فلم ہندوانی ہوگیا اور مسلمان نام ہو تو فلم مسلمان ہوگیا۔ ان فلموں میں ناچ، رنگ، گانے، عشق، محبت، غرض کونسی چیز نہیں ہوتی جو غیر اسلامی فلموں میں موجود نہ ہوتی ہو۔ ان سب کے باوجود پھر بھی فلم "اسلامی" ہوتا ہے۔ ایسے فلم بیسیوں دیکھے ہونگے۔ یہ فلم مسلمانوں کی معاشرت پیش کرتے ہیں اور ہماری معاشرت میں کون سے رسم و رواج، عادات و خصائل اسلامی ہیں اور اگر اسلامی کردار پیش کیے جائیں تو فلم میں انکی گنجائش کہاں۔ نام کی تبدیلی کے ساتھ ہماری معاشرت میں تمام غیر اسلامی رسم و رواج موجود ہوتے ہیں۔ پھر بھی یہ فلم اسلامی معاشرتی کہلاتے ہیں۔

ان فلموں میں صرف دو ہی فلم کسی حد تک اسلامی کہے جا سکتے ہیں ایک تو صلاح الدین کا تاریخی فلم ہے۔ دوسرا قیدی۔ اگر فلم کو تبلیغی اغراض کے لیے جائز تصور کیا جا سکے اور کتابوں رسالوں کی طرح فلم کے ذریعہ سے بندگان خدا کے سامنے اسلام پیش کیا جا سکے تو ان تمام مسائل کو جو آج انسان کے دل و دماغ میں انتشار پیدا کر رہے ہیں اور اسکا برا اثر انسانی معاشرت پر ہو رہا ہے اسکا صحیح حل اسلامی نقطۂ نظر سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کام دشوار ہے اور بہت احتیاط سے کرنا چاہیے۔

کوئی تین چار سال ہوئے ثانی الذکر فلم کو نفیس حسین نقشی نے بنایا تھا یہ فلم گو نقائص اور خامیوں سے کسی طرح پاک نہیں تب بھی اصول اسلام کو اس نے بڑی جرأت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر انسان علم و عقل کے بل بوتے پر قوانین بنالے اور اُنکے زیر سایہ امن چین سے زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے تو یہ کوشش بے سود ہوگی۔ انسانی زندگی کو مصنوعی انسانی قوانین سے آزاد کرنا چاہیے اور صرف اللہ ہی کی کامل اطاعت اور خدائی قوانین کی پابندی کرنے کے بعد انسانی زندگی اطمینان قلب، امن و سکون سے بسر ہو سکتی ہے۔ اور انسان کے باہمی تنازعات اسی کی وجہ سے مٹ سکتے ہیں۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس قسم کی تبدیلی آسان نہیں، موجودہ زمانہ میں تمدن کو توڑنے میں اور اس قانون اسلام اسلامی نظام تمدن کو جاری کرنے میں بڑی صبر آزما دشواریاں حائل ہیں۔ یہی ایک خصوصیت ایسی ہے جو اس فلم کو تمام دیگر فلموں سے ممتاز کرتی ہے۔ اسکی ابتدا اذان سے ہوتی ہے۔ دوران فلم میں دنیوی قانون کا کھوکھلا پن اور اسکا تضاد، اسکی سخت گرفت اور دیگر نقائص کو واضح کیا گیا ہے جس سے بالواسطہ اسلامی نظام کی طرف [illegible] رہنمائی کی گئی ہے اور ختم بھی صدائے اذان پر ہوتا ہے۔ فلم کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے اس فلم میں بھی سنیما بیں طبقہ کا کافی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس پر بھی یہ فلم اپنی نوعیت کا پہلا اور ضروری فلم ہے۔ افسوس ہے کہ اس طویل مدت میں اسکا ہم پایہ دوسرا فلم اب تک تیار نہیں ہوا۔ اور نفیس صاحب کے دوسرے فلم عام فلموں کی سطح تک اتر آئے ہیں۔

صدق - اس مراسلہ کی اشاعت سینما کے نفوس جواز کے مرادف نہیں، نہ تالیاں نہ ہالا - وہ جس طرح پہلے ناجائز تھا، بدستور آج بھی ہے۔ البتہ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ جو فلم سرتاسر خدا فراموشی اور قانون خداوندی سے بغاوت کی طرف لے جانے والے ہیں انکے مقابلہ میں وہ فلم یقیناً ترجیح رکھتے ہیں، جو اپنے اندر کوئی اہم تبلیغی یا اصلاحی پہلو رکھتے ہیں۔ صدق ہرگز کسی کو تماشہ گاہ کے دروازہ تک نہیں پہونچاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ اگر جانا ہی ہے تو آنکھ کھول کر جاؤ۔ اور معصیت کے اندھیروں میں کچھ تو کرنیں روشنی کی تلاش کرلو۔ ایک بیسوا محض بیسوا ہے، دوسری بیسوا وہ جو داعی بیسہ کاریوں کے عوض اپنے ملنے والوں کو کفر سے اسلام کی طرف لائی جاتی ہے، عند اللہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتیں۔ بیسوائی کو رد کیا بہر صورت جائیگا۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں فرق بھی کیا جائیگا۔

اُردو قرآن کی بدعت

(از قلم خادم الاسلام قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہ دار الاشاعت والتبلیغ [illegible])

لاہور کے بعض تجار کتب نے تجارتی نقطۂ نظر کے زیر اثر اردو قرآن شائع کیا ہے۔ یعنی عربی متن بالکل موجود نہیں، صرف اُردو میں شائع کرکے فروخت کرنے کے لیے اشتہار وغیرہ دیے ہیں۔ چونکہ یہ چیز قرآن کو تحریف کی طرف فوراً لے جانے والی ہے اور مسلمانوں کو قرآنی تعلیم سے دور کرنے والی ہے اس لیے میں نے اسکو خطرۂ عظیم سمجھ کر چند سطور زیر قلم کیں۔ اللہ تعالیٰ راہ حق دکھلا کر مجھ جیسے کوتاہ نظروں غرض پسندوں کو صراطِ مستقیم پر چلائیں۔

قرآن کیا ہے؟ = یہ چیز صاف صاف قرآن مجید میں کئی مقامات میں موجود ہے۔ انا انزلناہ قرآناً عربیاً۔ بلسان عربی مبین - وغیرہ آیات کثیرہ صاف بتا رہی ہیں کہ قرآن شریف عربی ہی ہے۔ بلکہ یہ بات دلائل و براہین ہو چکی ہے کہ الہام ربانی تمام انبیاء علیہم السلام پر عربی میں نازل ہوا۔ البتہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو فہمائش کی غرض سے اس قوم کی زبان میں ترجمانی کی ہے

عن سفیان ما نزل من السماء وحی الا بالعربیۃ وکانت الانبیاء علیہم السلام تترجمہ لقومہا۔ القسطلانی جلد اول [illegible] والبیہقی علی البخاری جلد اول [illegible]

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہونی چاہیے :-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ : پانچ روپیہ
ششماہی : ۳ ر
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۳۶	دوشنبہ - کیم ذیقعدۃ الکرم ۱۳۶۲ھ مطابق کیم نومبر ۱۹۴۳ عیسوی	جلد ۹

یادِ ایام

نمبر (۱)

فرنگی محل یوں بھی جانا آنا، اب جب کم ہو گیا ہے - مدت دراز کے بعد اسی اکتوبر میں مولانا عبدالباریؒ کی مشہور حویلی میں حاضری ہوئی - دوپہر کا وقت تھا، سناٹا پڑا ہوا تھا - قطب میاں صاحب، جمال میاں سلمہٗ وغیرہم سب باہر گئے ہوئے تھے - ہوتے بھی تو کیا ہوتا! مولانا کے نواسہ نو میاں سلمہٗ آخر کو موجود ہی تھے - سہ دری میں سارے انتظامات وہی پرانے - فرش اُسی طرح بچھا ہوا - چمڑے کا مسند اور گاؤ تکیہ بدستور لگا ہوا - مولانا کی پلنگڑی مع پلنگ پوش کے، جس کونے میں کبھی رہتی تھی، اُسی جگہ بچھی ہوئی - بڑی گھڑی دیوار پر لگی ہوئی اُسی طرح گزرتی ہوئی عمر کے منٹوں اور سکنڈوں کا شمار بہ آواز بلند کرتی ہوئی - پنکھا، خاصدان، اُگالدان، سب اپنے اپنے قرینے سے - مکان سب بالکل ہی، دل نے کمی صرف مکین کی محسوس کی! ------ جس نے یہ سہ دری مع دو طاقوں اور درمیانی صحن کے آج ۱۹۴۳ء میں پہلی بار دیکھی ہے اُسے کوئی کیونکر بتائے کہ یہی سہ دری ۱۹۱۹ء میں کیا تھی، ۱۹۲۲ء میں کیا تھی شروع ۱۹۲۶ء تک کیا رہی ہے! ستر بہتر سال کے پیرمرد کو کوئی کیونکر بتائے، کہ سبزہ آغاز ہونے کے وقت اسکے چہرہ کا رنگ و روغن کیا تھا!

محمد علی کو یہاں ہنستے ہوئے بھی دیکھا، اور روتے ہوئے بھی - ناز سے اکڑتے ہوئے بھی، نیاز سے سر جھکاتے ہوئے بھی - ایک بار نہیں، بار بار نہیں، بار بار - شوکت علی اور کچلو، انصاری اور حکیم اجمل خاں، چھوٹے بڑے، نرم و گرم جس مسلمان لیڈر کو آپ چاہتے یہیں ڈھونڈھ لیتے - مولانا حسین احمد اور مولانا محمد سجاد اور مفتی کفایت اللہ کوئی بھی اس کوچہ سے ناآشنا نہیں۔

مسلمان علماء و زعماء کو چھوڑیے، موتی لال نہرو - جواہر لال، مسز نائیڈو، اور خود گاندھی جی کو آپ چاہتے تو اسی حویلی سے لیکر دوسری حویلی محلسرا تک یا انکی درمیانی گلی میں ڈھونڈھ نکالتے - قیام الدین مولانا عبدالباریؒ کی ذات بھی عجب ذات تھی - عمر کچھ بھی نہ ہوئی، یعنی پورے پچاس سال کی بھی نہیں، اور کام وہ کر ڈالے، جو اُن سے ڈیوڑھی عمر والوں سے بھی نہ بن پڑے - انجمن خدام کعبہ اور پھر آل انڈیا خلافت کمیٹی، اور پھر مجلس ہند جمعیۃ العلماء، ان سب کے بانیوں میں اگر نہیں تو تم بانیوں میں تو ضرور - ہر ملی مجلس و انجمن کا پتہ انکی گلی - وقت کی ہر تحریک کا مرکز انکی چوکی

مہماں نوازی میں فرد، کھلانے کھلانے کے بادشاہ - دوستوں، عزیزوں کو کھلا پلا کر سب ہی خوش ہوتے ہیں بیگانوں بلکہ دشمنوں کو کھلا کر خوش ہوتے انھیں کو دیکھا! اکثر پرانی وضع کے بعض دسترخوانوں پر یہ فارسی مصرعہ چھپا ہوا دیکھا ہوگا،

بر پیا خوان یغما چہ دشمن چہ دوست!

انکے حق میں یہ شاعری نہیں، واقعہ ------ مدت کے بعد آج مکان پر گزر ہوا تو مکین کی خصوصیات یاد پڑ گئیں - مدتوں قبل کی تصویریں سی نظر کے سامنے پھر گئیں، اور بہت سی بھولی بسری خوشگوار یادیں تازہ ہو گئیں! --

کیسا مکان اور کون مکین، یہ مہمان سرا ہے، آنے جانے والوں کا تانتا ہر وقت لگا ہوا - ابھی جی بھر کر بیٹھنے کی بھی نوبت نہیں آتی، کہ اٹھ جانے کا حکم آ پہنچا ہے بلکہ اور تصرف کا حق رکھنے والا کہیں یوں بھی بے اختیار ہوتا ہے! کتنے آئے اور کتنے چلے گئے - آنا فانا -

اب نہ خود ہیں نہ ہے مکاں باقی
نام کو بھی نہیں نشاں باقی!

فمنہم من قضٰی نحبہ ومنہم من ینتظر سلام، اور رحمت اُن پر جو آگے جا چکے ہیں، اور اُن پر بھی جو انتظار میں ہیں اور آگے اپنے مولا سے مل چکے ہیں۔

نئی کتابیں

(۱) **شیش محل** - از شوکت تھانوی۔ ضخامت ۲۴۰ صفحے قیمت مجلد مع گرد پوش - پتہ، اُردو بک اسٹال، لوہاری دروازہ، لاہور۔

شوخ نگاری، ظرافت دوسروں کے لیے لطیفہ ہو، لیکن شوکت صاحب جن کے لیے ایک مشغلۂ تفریح رہی ہے، شوکت نے اسے اپنا مستقل فن بنا لیا ہے، اور قدرۃً اُن کی نگاہ ایک فن کار کی نگاہ ہو گئی ہے۔ ان کا قلم ایک فن کار کا قلم ہے۔ شیش محل اُنکے مطالعۂ بشری کا ثمرہ ہے۔ اچھے لکھنے والوں میں سے ۱۱۲ کے چہرے حروفِ تہجی کی ترتیب سے اُنہوں نے اس قلمی البم میں دکھا دیے ہیں۔ سب کے سب کسی نہ کسی حیثیت سے ادب ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں — یہ اور بات ہے کہ افراطِ نازک خیالی سے کہیں صرف کتب فروشی کو بھی اس تعلق کے لیے کافی سمجھ لیا گیا ہے! یہ قلمی نگار خانہ یوں کہیے کہ ایک عجائب خانہ ہے۔ بعض ان مشاہیر میں اتنے مشہور کہ ان کا تعارف بھی اُنکی توہین۔ بعض ایسے گمنام کہ اتنی تعریف و تعارف کے بعد بھی مجہول کے مجہول! ان میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ بعض ایسے ہیں جو سب کچھ ہیں، بعض ایسے بھی جو کچھ بھی نہیں۔ ایسے بھی جنکا پیچھا شہرت نہیں چھوڑتی، ایسے بھی جو شہرت کی تلاش میں دوڑتے دوڑتے تھک چکے ہیں۔ غرض ریاض خیرآبادی، ڈاکٹر عبدالحق، حسرت موہانی، جگر مرادآبادی سے لیکر افقر موہانی، آسید شیموی اور صدیق کنجڑو تک ہر صنف، ہر قافیہ، ہر وزن، ہر بحر کے نمونے اس دیوان میں موجود! شاعر کہیں تو غالب مصرعہ طرح پڑھ کر چپکا ہو گیا ہے، اور کہیں دو غزلہ بلکہ سہ غزلہ چھیڑ دیا ہے!

نگار خانہ ظریف کا ہے۔ مزاح و شوخی ہر چیز پر مقدم ہے۔ لیکن حقیقت و صداقت بھی عموماً دوش بدوش — "عموماً" کا لفظ خیال میں رہے۔ ظرافت کی گلکاریاں، شوخ نگاری کی رنگ آمیزیاں، مورخ کے تیور اور فوٹو گرافی کی قائم مقام نہیں ہوسکتیں —— چہرے یقیناً دلچسپ دلکش یقیناً سب کے ہیں، اور یہی فن کار کا کمال ہے، البتہ کسی کا چہرہ اُترا ہوا، کوئی ذرا لٹکا ہوا، کسی پر رعنائی و زیبائی کا نقاب پڑا ہوا، کسی پر رونق حسن افزا کا غازہ پھیرا ہوا۔ کسی کی پیشانی پر شکن، کسی کے چشم و ابرو پر غضب کا بانکپن۔

ظریف نے ہنستے ہنسانے کا سامان قدم قدم پر کیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں اندازہ کرنے میں خود بھی غچہ کھا گئے ہیں۔ نازک خیال اور پھر لکھنؤ و جوار لکھنؤ کے نازک خیال نازک مزاج بھی کچھ کم ہوتے ہیں؟

حسن اور اُس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم!

لیکن یہاں معاملہ دوسرا ہے۔ خوب کیا شوکت صاحب نے، دیباچہ ہی میں سب سے معافی مانگ لی، ورنہ عجب نہیں جو "بزم" "رزم" میں تبدیل ہو کر رہتی۔ اور

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں،

کی شاعری حقیقت بن کر رہتی! (یہ اسد، خدانخواستہ اسداللہ خاں غالب نہیں، وہ دوسرے بزرگ ہیں جنکا یہ مصرعہ شہرت دوام حاصل کیے ہوئے ہے ؎

مرے شیر شاباش رحمت خدا کی!

شروع سے آخر تک ایک بزرگ کا ذکر جس انداز سے ہے اُس سے یقین تو ہے کہ شوکت صاحب نے بازو پر امام ضامن باندھ کر لکھا ہوا —— "شیش محل" پر بے تحاشہ تبصرہ۔ اسکے بعد کچھ بھی بعید نہیں رہ جاتا! یہ چیز محض تفریح ادبی کی نہیں — کل اسی سے بڑے بڑے سنجیدہ مورخ خوشہ چینی کریں گے۔ آخر آج بھی کتاب الاغانی کے حوالے کس شدّومد کے ساتھ مغرب و مشرق کے بڑے بڑے سنجیدہ مورخ دے رہے ہیں! پھر کیا یہ ادیب اور شاعر ان کو یوں بھانڈوں اور ڈھاڑیوں سے بھی گئے گزرے ہوئے؟

کمی اور بڑی کمی کتاب میں یہ ہے کہ نگار خانہ خود مصور کے مرقعے سے خالی ہے —— مجنوں کا ڈراما بغیر مجنوں کے پارٹ کے! بارات بغیر نوشہ کے! عرضی دعویٰ بغیر "بہ قلم خود" کے! —— ظریف کی ستم ظریفی!

(۲) **کتاب العشر والزکوٰۃ** - از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت درج نہیں۔ پتہ، دفتر امارت شرعیہ، پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔

زکوٰۃ اسلام کے اہم ترین ارکان میں سے ہے اور نماز ہی کی طرح کفر و اسلام کے درمیان عملاً فارق۔ مسلمان اسکو بھول چلے ہیں، اور اس کے ساتھ کے مسائل عشر (زکوٰۃ زمینی) تو گویا ذہن سے بالکل ہی نکل چکے ہیں۔ مولانا عبدالصمد صاحب تمام امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ اُنھوں نے بڑی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ مسائل متعلقہ کو اُردو میں اصل حوالوں کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت، قرآن سے، حدیث سے، اقوالِ فقہا سے، پھر ادائے زکوٰۃ کے تاکیدی احکام، اور اسکے بعد ادائے زکوٰۃ کے طریقے اور انواعِ زکوٰۃ پر مستقل باب ہیں۔ اور ہر باب میں گفتگو پوری بسط و تفصیل سے ہے۔ مسلمانانِ دارالحرب کے ساتھ مسائل عشر و زکوٰۃ کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

شروع میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی وغیرہم کی تصدیقیں شامل ہیں۔ کتاب اس میں ذرا شبہہ نہیں بڑی کاوش و جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں جتنی عملی ضرورتیں پیش آسکتی ہیں گویا سب پر حاوی ہے۔ البتہ ترتیب مضامین و سلاست عبارت میں ابھی مزید اصلاح کی گنجائش ہے۔ کتاب اصلاً اہلِ علم کے لیے لکھی گئی ہے اور براہِ راست انھیں کے کام کی ہے، تاہم عام شائقین بھی بڑی حد تک اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

(۳) **ماہ لقا اور دوسری نظمیں** - از عزیز احمد صاحب بی اے آنرز (لندن) ضخامت ۱۰۰ صفحے۔ چھوٹی تقطیع۔ قیمت عہ۔ پتہ، سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن۔

عزیز احمد صاحب کی واقفیت انگریزی ادبیات (مغربی شاعری سے
"نئے ادب" کے اکثر علمبرداروں کی طرح، سطحی اور طفلانہ نہیں، گہری اور
استادانہ ہے۔ اُنھوں نے بہترین انگریزی رنگ میں ڈوب کر اُسکا بانی
اور سلیقے کے ساتھ اُسکا چربہ اُتارنے کی کوشش کی ہے۔ اُنکی شاعری
کسی "لوفر" (آوارہ مزاج) کی شاعری نہیں، ایک "اسکالر" (صاحب علم)
کا کلام ہے۔ جو خوانوں کو اگر اپنی ادبی نظر وسیع کرنا ہے تو انگلستانی
ادب، امریکی ادب، جرمن ادب، چینی ادب، روسی ادب سب سے
واقفیت ناگزیر ہے۔ اور یہ اردو کو بگاڑنا نہیں، اُسکی ایک سنجیدہ اور
باوزن خدمت کرنا ہے۔ شروع انگریزی میں اسی قسم کی کوششیں مولوی
محمد حسین آزاد وغیرہ اپنی بساط و استعداد کے موافق کر بھی چکے ہیں۔
ایک مفصل دیباچہ [illegible] کے بعد اس میں دو لمبی [illegible] کے علاوہ دو
نظمیں ہیں۔ ایک [illegible] کے عنوان سے اور ایک کشمیر پر۔ ہر نظم
[illegible] حصوں میں تقسیم ہے [illegible] وزن اور بحر میں بدلتی گئی ہیں۔ پہلی
دو نظمیں منظوم ڈرامے ہیں، جو ناٹک اور یوروپی ناٹک کے عناصر
بہترین انداز سے لیے ہوئے، اور تیسری نظم میں بھی ڈرامائی عنصر مفقود نہیں
اقبال کا اثر برابر نمایاں ہے۔ بعض جگہ اقبال کا اصل کلام بھی ضم
کر لیا گیا ہے۔ خیام والی نظم میں نظام الملک اور حسن بن صباح دونوں
کی موت کے سماں دکھائے ہیں۔ شاعر محض صنعت گر یا فنکار نہیں ہے
دل بھی حساس رکھتا ہے۔ مغرب کے تماشے خوب اپنی آنکھوں سے
دیکھ کر مغرب کی زر پرستی سے ناچار ہو چکا ہے۔ شیخ در وعظ بن کر نہیں،
رندی کے روپ میں یہ وعظ سنا جاتا ہے ؎

جس جنگ نے ساری دنیا میں اک آگ سی آفت لگا دی ہے
اُس جنگ کے اصلی مقصد کی تاویل بہت سوں نے کی ہے
ہے ساری بحث کا یہ حاصل "یہ خوب رہی تم چین کرو
اور ہم سب یوں ہی لڑتے رہیں یاں لاؤ ہمارا حصہ دو"
اور حصہ کیا ہے زمیں، زر، ور کاریگر زن ہی کے لیے
ہیں یوں تو بہانے [illegible] دست پکار ہے پر زن ہی کے لیے۔
بارود بھڑک کر کہتی ہے [illegible] غازہ زن کو زیادہ ملے
خوش خوش وہ سج بن کر آئے اور لطف بے انداز ملے

اردو محاورے کہیں کہیں کھٹکے، لیکن حسن و لطافت کے اس ہجوم میں وہ
نظرانداز کر دینے کے قابل ہیں۔

(۴) **ہندوستانی تمدن** ۔ جلد اول۔ از ڈاکٹر [illegible] رگھو پا، اُستاد تاریخ
جامعہ عثمانیہ۔ ضخامت ۳۴۰ صفحے۔ قیمت [illegible] پتہ: سب رس
کتاب گھر۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

کتاب کے نام سے غلط فہمی کا امکان ہے۔ کتاب موجودہ ہندوستانی
تمدن پر کوئی تبصرہ نہیں۔ قدیم ہندی یا ہندوانی تمدن کی تاریخ ہے موضوع
بہت وسیع ہے اور اسی قدر اہم بھی۔ ضرورت تھی کہ اُردو میں اس پر مفصل
مسالہ موجود ہو۔ ضرورت خاصی حد تک ادارہ ادبیات اُردو کی اس
جلد پر کتاب نے پوری کر دی۔

پوری کتاب تین جلدوں میں ہوگی۔ یہ صرف پہلی جلد ہے۔ اس میں
قدیم ترین زمانہ (یعنی تقریباً ۲۰۰۰ ق م) سے لیکر چندر گپت کے عہد
(یعنی تقریباً [illegible]) تک کے ہندی تمدن کی تاریخ، اپنی مختلف شاخوں
اور شعبوں کے ساتھ، خاصی تفصیل کے ساتھ آگئی ہے اور اردو خوانوں کے ہاتھ
میں موضوع سے متعلق ایک اہم اور مستند اور بڑے کام کی دستاویز دے گئی ہے۔
دراوڑی تہذیب، آریائی تہذیب، رگ وید کا دور، پروہت کی حکومت، اُپنشد کا دور،
دھرم شاستر کا دور، جینی اور بدھی فلسفے، بھگوت گیتا کا اثر، برہمنی تحریک،
ڈراما اور رقص اور موسیقی کی اہمیت ہندی تہذیب میں، اس قسم کے سارے
مسائل و عنوانات پر کتاب کے اندر معلومات ملیں گے۔ کتاب کی اہمیت قدیم
ہندی تاریخ کے طلبہ کے لیے تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن عام شائقین و ناظرین بھی
بہت سی باتیں اپنے کام اور مذاق کی ان اوراق میں پا جائیں گے۔ دو مثالیں
ملاحظہ ہوں:۔

قدیم دراوڑی قوم کے ذکر میں ہے کہ ان
"لوگوں کی طبیعت میں سادگی تھی۔ اس وجہ سے انکے مکان سادہ
و بغیر تکلف کے بنائے جاتے تھے۔ لیکن رہنے سہنے کے اعتبار سے وہ نہایت
آرام دہ تھے۔ تقریباً ہر مکان میں کنواں ہوتا تھا۔ انکے غسلخانوں میں پانی
گرم کرنے کا انتظام تھا۔ پانی نل کے ذریعہ سے حمام میں آتا تھا۔ مکان کے باہر
نالیاں بڑے اہتمام سے بنائی جاتی تھیں، تاکہ مکانوں کا گندہ پانی گلیوں
میں جمع ہو کر شہر کی فضا کو غلیظ نہ کر سکے۔ گلیوں میں کوڑے خانے بلدیہ کی
طرف سے رکھے جاتے تھے، تاکہ کوڑا اور میلا گلیوں میں دکھائی نہ دے۔
شہر میں عام غسلخانے بھی تھے جنکی اصلی غایت پورے طور پر معلوم نہ ہو سکی۔
کیا آیا یہ غسلخانے عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بنائے گئے تھے یا انکا
کوئی مذہبی مقصد تھا۔" (ص ۱۵)

دوسری مثال آریوں کی اصل اور رگ وید سے متعلق ہے:۔
"ڈاکٹر پران ناتھ پروفیسر بنارس ہندو یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ ہندوستان
آنے سے قبل آریا ایشیائے کوچک میں صدیوں تک آباد رہے تھے۔ وہاں
اُنھوں نے سلطنتیں قائم کی تھیں، اور اس ملک میں اپنا سکہ بٹھایا تھا...
ہندوستان آنے سے بہت پہلے انکی زندگی، سماجی، سیاسی، اخلاقی اور
مذہبی نظریوں اور اصولوں کی بندش میں آ چکی تھی۔ ڈاکٹر پران ناتھ کے خیال
میں رگ وید کی تشکیل ہندوستان میں آ کر نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ اسکی
تکمیل ہندوستان میں ہوئی ہو ... رگ وید آریوں کی ایشیائے کوچک
کی سماجی زندگی کا مرقع ہے۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر پران ناتھ رگ وید کو آریوں
کی مذہبی کتاب تصور نہیں کرتے بلکہ شاہی دستاویز قرار دیتے ہیں۔ اس نظریہ
نے ہندوستان میں بڑا تہلکہ پیدا کیا تھا۔" (ص ۲۳-۲۵)

طبع و کتابت کی غلطیاں افسوسناک ہیں۔

(۵) **ضرورۃ القرآن** ۔ جلد اول:۔ از جناب مولوی قاضی محمد امداد حسینی
صاحب۔ ضخامت ۲۷۰ صفحات۔ قیمت [illegible] ملنے کا پتہ: ادارہ اشاعت
والتبلیغ۔ شمس آباد۔ ضلع اٹک (پنجاب)

اس کتاب کا موضوع اگرچہ دنیا کے سامنے قرآن کی ضرورت کو واضح

واضح کرتا ہے، اگر مولف نے اپنے موضوع کو بہت زیادہ وسعت دے کر بہت سے کلامی مباحث کو اس ضمن میں لے لیا ہے۔ کتاب مناظرانہ ہونے کے باوجود سنجیدہ اور متین علمی تالیف کی حیثیت رکھتی ہے البتہ عبارت اور طرز ادا میں تھوڑی سی سلاست اور صفائی اگر آجاتی اور سادہ اور روزمرہ استعمال والے اردو الفاظ زیادہ رکھے جاتے تو کتاب کا فائدہ انگریزی خوانوں اور غیر مسلم اردو دانوں کے لیے بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتا)

بعض زیادہ دقیق مباحث مثلاً رویت باری اور محاکمہ سمع و بصر وغیرہ کا فائدہ بعض ہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو یا تو خود عربی داں ہیں یا علماء کے حلقہ میں اٹھتے بیٹھتے رہتے ہیں۔ کتاب میں متفرق کلامی معلومات کا ذخیرہ اچھا خاصا ملتا ہے۔ فاضل مولف نے قدیم کتب کے ساتھ ساتھ بعض جدید تالیفات سے بھی خوشہ چینی کی ہے۔ البتہ بعض ایسے ماخذ بھی نقول لے لیے ہیں جو منکرین کے مقابلہ میں حجت کا کام نہیں دے سکتے مثلاً عیسائیوں کی تردید میں انجیل برنباس سے استدلال، اور ہندوؤں کے بارے میں سوامی کلجگانند سرسوتی کے کسی اخباری بیان کا حوالہ۔

یہ کتاب کی جلد اول ہے۔ اصل موضوع ضرورت قرآن پر پورے ۱۴۸ صفحے کے بعد مولف نے قلم اٹھایا ہے۔ اور موضوع صرف ۶۵ صفحے میں آیا ہے۔ لیکن بہرحال جو کچھ موضوع پر لکھا ہے بہت کچھ تبلیغی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور کتاب اس قابل ہے کہ تبلیغ اسلام سے دلچسپی رکھنے رکھنے والے حضرات اسے ہاتھوں ہاتھ لیں۔ امید ہے کہ جلد ثانی میں فاضل مولف نفس موضوع پر اور زیادہ بسط سے اپنے قلم کو حرکت دیں گے آئندہ ایڈیشن میں دوسری اغلاط طبعی کے علاوہ تصحیح آیات قرآنی میں بھی خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔ (ع - ق)

(۲) **القراءۃ الاعظمیہ** - حصہ اول۔ از استاذ محمد حسن الاعظمی - ۹۶ صفحات - قیمت ۔۔۔ ملنے کا پتہ۔ مکتبۂ زرافشاں - سرکاروڈ - بیرون موچی دروازہ - شہر لاہور

لاہور میں مسلمانوں نے خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو عربی سکھانے کے لیے ایک انجمن کلیۃ اللغۃ العربیہ قائم ہوئی ہے۔ جسکا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ "ایک سال کے اندر اندر انگریزی اردو دکھے پڑھے لوگوں کو عربی زبان اور اسکے قواعد کی اتنی تعلیم دی جائے کہ وہ معمولی گفتگو اور خط و کتابت عربی زبان میں کرنے کے علاوہ قرآن مجید کو بلا تکلف کسی دوسرے کی مدد کے بغیر سمجھ سکیں" رفتہ دیباچہ یہ کتاب مسکے نصاب میں شامل ہے اور ایک ہندی فاضل عربی کی تالیف ہے۔ اور اسکے متعلق دیباچہ نویس نے یہ تصریح بھی ضروری سمجھی کہ "جسکے تمام مضامین مصنف کے خود نوشت ہیں! (رفت) لیکن طلبہ کو قرآن کی زبان سکھانے کا عجب طریقہ کتاب میں اختیار کیا گیا ہے کہ تمام حکایات ہندو اور ہندی تہذیب سے متعلق ہیں! اقتباسات قرآنی عبارتیں اور فقرے شروع سے آخر تک بالالتزام خارج رکھے گئے ہیں۔ کتاب اس حیثیت سے بے شک بقول دیباچہ نویس" اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے "۔ (رفت)

کتاب کی عبارت اول سے آخر تک بے اعراب ہے۔ اور مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ طلبہ بتدریج صحیح پڑھنے پر قادر ہو جائیں۔ لیکن کسی کو ذرا معلوم نہ ہوئی کہ کتاب کو جن ادنی اور گھٹیا قسم کی تصویروں سے بھر دیا گیا ہے ان میں آخر بالغ طلبہ اور انگریزی خوانوں کے لیے کونسی کشش ہے (ع - ق)

ہارون محمدی

خطبۂ صدارت یوم علی رضی اللہ عنہ حیدر آباد دکن

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۱)

حمد و نعت کے بعد آیۂ کریمہ انا ارسلنا الیکم رسولا شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول اس طور پر کہ وہ نگراں ہے تمہارا، جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ مقرر نے تلاوت کرنے کے بعد کہا کہ نبوت موسویہ اور نبوت محمدیہ میں جس مشابہت کا پتہ اس آیت میں دیا گیا ہے، غور کیا جائے تو مختلف وجوہ اس مشابہت کے نظر آئیں گے مثلاً بے سر و سامانی کی حالت میں دونوں کی ولادت - جو دشمن بننے والے تھے انھیں کے دامن میں دونوں کی پرورش۔ کچھ دنوں کے لیے گلہ بانی کا کام دونوں نے انجام دیا پھر جس طرح قدیم تمدن کا خاتمہ مصر پر ہوا، یعنی تمدن کا دور ابتدائی دور، جسکی ابتدا دجلہ و فرات کے کنارے کی سرزمین کالڈیا سے ہوئی، اور نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر اس قدیم تمدن کی اسلامی نبوتوں کا خاتمہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ہوا، اسی طرح جب سارے جہان کی تمدنی قوتوں نے مشرق میں کسریٰ کی شکل اور مغرب میں قیصر کی شکل اختیار کی۔ یعنی دونوں کشمکش میں مصروف تھے کہ عالمی تسلط انھیں حاصل ہوتا ہے تو حضرت مسیح ہی نہیں بلکہ اسی عالمگیر فرعونیت کے مقابلہ کے لیے ابو طالب کے یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا گیا، جو اس وقت جبکہ انکے پاس کچھ نہ تھا، صرف اپنا ایک شرمش کی خریدی ہوئی اونٹنی اور ایک دوست (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور انکے غلام عامر بن فہیرہ ہجرت کے سفر میں ساتھ تھے تو بے سر و سامانی کے اسی عالم میں سراقہ بدوی کو خطاب کرکے فرمایا اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و ھلکن قیصر فلا قیصر بعدہ (جب کسریٰ تباہ ہو جائیگا تو پھر کسریٰ پیدا نہ ہوسکیگا اور کچھ دن بعد قریب ہے کہ قیصر بھی ہلاک ہو، پھر قیصر کے بعد قیصر نہ ہوگا) تو جس طرح حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر ارض مقدس کے حاصل کرنے پر آمادہ کیا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عرب کو ایرانیوں اور رومیوں کے اثر سے آزاد کرا کے اور مسلمان بنا کر کعبہ جس پر کفر کا قبضہ تھا اسی پر قبضہ کرنے کے لیے قریش سے

(ملاحظہ ہو ورق)

ہمارا معاشرتی اختلال اور اُس کا علاج

(از جناب سید حسن ریاض صاحب)

میں ریل میں سفر کر رہا تھا اور آمنے سامنے کی صف پر دو ہی آدمی تھے۔ یہ جنگ سے پہلے ہی ہوتا تھا کہ ایک درجے میں صرف دو ہی آدمی سفر کریں۔ اب تو ریل کا ہر درجہ آدمیوں کی کثرت سے پھٹنے کے قریب ہوتا ہے۔ وہ دونوں شخص تعلیم یافتہ اور خوش لباس آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ باہم دوست یا عزیز معلوم ہوتے تھے مگر سفر اُنھوں نے ساتھ شروع نہیں کیا۔ گاڑی میں اتفاق سے یکجا ہو گئے۔ ایک نے دوسرے کا مزاج پوچھا اور گھر کی خیریت۔ پھر بچوں کی تعلیم کا ذکر آیا۔ اور اس نے لڑکیوں کی تعلیم کے مسئلہ پر عام گفتگو کی صورت اختیار کر لی۔ ان میں سے ایک صاحب نے پُرجوش ہو کر کہا رشید صاحب لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اب لڑکے مکمل طوائفیں مانگتے ہیں۔ گویا تعلیم و تربیت ایسی ہونی چاہیے۔ میں خاموش اُنکی باتیں سنتا رہا۔ مجھے سفر میں باتیں کرنے کی عادت نہیں۔

اس واقعہ کو عرصہ گزر چکا ہے لیکن جب لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ گفتگو میں آتا ہے تو اس پُرجوش ہمسفر کی صورت میری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ فقرہ کانوں میں گونجنے لگتا ہے "اب لڑکے مکمل طوائفیں مانگتے ہیں"۔

ہاں لڑکے مکمل طوائفیں مانگتے ہیں اور لڑکیاں ....؟ لڑکے کیا مانگتے ہیں اور لڑکیاں کیا؟ یہ سوال کتنا ہی اہم اور قابل توجہ ہو سب سے پہلے اس مسئلہ کا المناک پہلو جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حالات نے ہمیں کیسا مجبور کیا ہے کہ ہر معاملہ میں ہم مقاصد اول کو نظر انداز کر کے مقاصد ثانوی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا ابتدائی مقصد وہ لڑکوں کی ہو یا لڑکیوں کی دین اور دنیا کے متعلق عقائد اور تصورات کو فہم کے ساتھ ذہن نشین کرنا ہے اور پھر اُنکی روشنی میں فکر، میلانات اور اطوار کی تہذیب۔ یہ وہ تعلیم ہے جس سے انسان معاشرہ کی تعمیر میں ایک ستون بنکر شریک ہوتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان اہم مقاصد کا ابتدائی اور ثانوی ہونا تو کیا کہیں پس منظر میں بھی انکا پتہ نہیں ہے۔ لڑکوں کی تعلیم میں مقصد اول کوئی بڑا عہدہ یا کوئی ذریعۂ معاش ہے اور لڑکیوں کی تعلیم میں خوش حال شوہر یعنی محض روپیہ۔ اس کا نتیجہ؟ نتیجہ یہ ہے کہ شادی کے بھی تمام اخلاقی اور معاشرتی مقاصد فوت ہو گئے۔ وہ محض نفسانیت اُبھر کر سامنے آگئی۔ لڑکی کو دولتمند شوہر چاہیے۔ لڑکا اپنی دولت کے بدلے میں طوائف مانگتا ہے۔ گا کر سنائے۔ ناچ کر دکھائے۔ اونچے طبقے میں میل جول پیدا کر کے اسکی ترقی مدارج کا باعث ہو۔ خوش لقا ہو۔ شیریں ادا ہو۔ منزل ہی نہیں تدبیر منزل میں سیاں اور بی بی باہمد گر رفیق۔ کیوں نہیں، برہنگی عیب ہی نہیں، ایک کو دوسرا اپنا لباس کیوں سمجھے۔

اب ہندوستان کے مرد اور عورتیں معاشرت میں اس طرح شریک ہیں جس طرح اپنے گلّے میں جانور۔ باہم رہنا تو اس لیے ہے کہ اس جنس کا فطری اقتضا یہ ہے کہ مجمع میں رہے۔ گروہ مجمع رہی ہے، معاشرہ ہرگز نہیں۔ جبکہ کوئی مقصد نہیں، کوئی ضابطہ نہیں، کوئی معیّن طرز عمل نہیں۔

مجھے اس معاشرتی اختلال میں اس سے زیادہ ور کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری غلامی مکمل ہو گئی اور ہمارے حاکم اپنے مقاصد میں پورے طور پر کامیاب۔ کسی حاکم کی فتح کا دن وہ نہیں ہے جب وہ اپنی فوجوں اور لشکر کی قوت سے غلبہ حاصل کرتا ہے اور کسی قوم پر حکمراں کی حیثیت سے مسلط ہوتا ہے۔ اسکی فتح کا واقعی وہ دن ہوتا ہے جب وہ اس مغلوب اور محکوم قوم سے اسکے قومی تصورات اور اُسکی مخصوص طرز فکر اور تشخص چھینتا ہے۔ یہ سب غیر مادی چیزیں ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ چھنتی کیسے ہیں؟ خوب چھنتی ہیں۔ الہ آباد جائیے اور اس مقام پر تربینی کو دیکھیے جہاں گنگا اور جمنا کا سنگم ہوتا ہے۔ ایک طرف سے گنگا کی اور دوسری طرف سے جمنا کی دھاریں ایک غلغلے اور خروش کے ساتھ باہم خلط ملط ہوتی ہیں۔ گنگا کے سادہ سفید اور جمنا کے چمکدار اودے نیلگوں پانی کے ذرات میں کیا آویزشیں ہوتی ہیں! نہ پانی محض سادہ سفید رہتا ہے اور نہ چمکدار نیلگوں۔ چند قدم گنگا جمنی ذرات بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بالآخر گنگا غالب آتی ہے۔ پھر کوئی جمنا کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ اُسکے نیلگوں آثار فنا ہو جاتے ہیں۔

عسکری فتوحات کے بعد جب حاکم قوم اپنے سیاسی تسلط اور غلبہ کے لیے تعلیمی، ثقافتی اور تمدنی تبلیغ شروع کرتی ہے۔ مسند اقتدار پر بیٹھ کر اپنی حکمت اور تمثال سے اور طرح طرح کے ادارات قائم کر کے اور ان میں ترغیب و جاذبیت پیدا کر کے تو رفتہ رفتہ محکومین کے دلوں اور دماغوں میں وہی گنگا اور جمنا کے سنگم کی ابتدائی منزل کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے —— خیالات و افکار میں اختلال، مقاصد و تصورات میں اختلال، معیارات اور انداز میں اختلال، گنگا جمنی ذرات کا ایک سیلاب! بالآخر گنگا کی فتح۔

محکومیت میں مبتلا ہونے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے ارادے سے نہ کوئی نیا مقصد سیاسی زندگی معین کیا اور نہ کوئی نیا مقصد تعلیم۔ نئی حکومت نے، جسکے اور ہندوستان کی مسلم سوسائیٹی کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے، محض اپنے مقاصد کے لحاظ سے عمل شروع کر دیا۔ اسکا پہلا اثر یہ ہوا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن معاشی پریشانی اور پراگندگی سے جو سراسیمگی پیدا ہوئی اُسکی وجہ سے اُنکے حواس بجا نہیں رہے کہ نئے وسائل کی تلاش میں اپنے مقاصد اور تصورات کو ملحوظ رکھیں۔ خفیف مدافعت کے بعد

انھوں نے اپنے آپ کو رَو کے حوالے کردیا، اور بغیر منزل کا تعین کیے اب بہہ رہے ہیں۔ وہ اضطراری ہی طور پر سہی، جب ایک مرتبہ مقصدِ حیات روپیہ ہی ہوگیا تو اسکے حصول کے جو وسائل اور ان وسائل کے جو لوازم تھے انھوں نے مسلمانوں کے مقاصد و تصورات میں اختلال پیدا کردیا۔ اب ہم ایسی حالت میں ہیں کہ ہمارے دماغ میں ہمہ وقت مغربی اور اسلامی تصورات کے درمیان آویزش رہتی ہے اور چونکہ حالات مغربی تصورات کے لیے سازگار ہیں، اسلامی تصورات مغلوب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مغلوب نہیں ہوتے جا رہے ہیں وہ معمول میں پڑ چکے ہیں۔ نظروں سے اوجھل ہیں۔ مسلمان نوجوان اسلامی تصورات اور معمولات سے یکسر ناواقف ہے۔ عجیب طرح کی تعلیم پانے اور عجیب ماحول میں جوان ہوتا ہے۔ مقاصد اور تصورات میں اسکے پیش نظر صرف وہ گنگا جمنی متصادم ٹکڑے ہیں جو کچھ اپنے ہیں اور کچھ پرائے۔ ایک بے جوڑ مرکب۔ اب یہ صرف روپیہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اور روپیہ بھی ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنے کے لیے، عیش کرنے کے لیے۔ آجکل یہ بھی سوسائٹی کے لوازم میں سے ایک ہے کہ ثروت سے موٹروں کے نام لیوا ہوں۔ اور انکی خصوصیت سے واقفیت ہو۔ بڑی سے بڑی تمنا یہ ہے کہ اونچی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملے۔ لہذا روپیہ بھی کسی تعمیری مقصد میں کام نہیں آتا۔ ضائع ہوتا ہے۔ جنکے ذہن میں کوئی ربط نہ ہو لیکن زندگی اپنا ربط آپ تلاش کرلیتی ہے نہ دینداری، نہ اخلاقی محاسن، نہ تہذیب نہ شائستگی، نہ علمیت، والدین لڑکی کے لیے دولتمند شوہر تلاش کرتے ہیں۔ وہ دولتمند شوہر طوائف ڈھونڈھتا ہے۔ شکایت کی کونسی وجہ؟ مسلمانوں نے اس مغربی تمدن تہذیب اور تعلیم کے نتائج بیٹھتے ہی ابتدا میں محسوس کیے تھے اپنے گھروں کا ماحول درست رکھنے کے لیے انھوں نے اگر نسوانی تعلیم پر پوری توجہ صرف کردی ہوتی یعنی بجائے اس تعلیم کو روکنے کی کوشش کرنے کے اپنے تصورات اور اپنی روایات کے مطابق لڑکیوں کو ایسی تعلیم دیتے جو موجودہ حالات کے ساتھ سازگار بھی ہوتی تو اب لڑکوں کی طرف سے یہ مطالبہ ہوتا کہ لڑکی بی اے ہو اور گانا سکھایا جائے۔ مردوں کی موجودہ نوجوان نسل ان ہی ماؤں کی نگرانی میں پروان چڑھ کر جوان ہوتی جنکے تصورات اسلامی ہوتے۔ لہذا انکے میلانات پر ان ماؤں کا پورا اثر ہوتا۔

یقیناً بہت دیر ہو گئی ہے۔ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ مگر اب بھی ایک جدوجہد کا موقع ہے۔ چھوٹے شہروں اور قصبات میں وہ خاندان جنکی روایات علم و اخلاق کے اعتبار سے اچھی رہی ہیں باہمی تعاون سے لڑکیوں کا انتظام کریں۔ صرف اگر دو چار شہروں کے لوگ تہیہ کرلیں تو ایسا نصاب تعلیم آسانی مرتب ہوسکتا ہے جس سے مسلمان لڑکیوں کا طرز فکر بدل جائے۔ اسکے ساتھ ہی ان لوگوں کو یہ کرنا پڑیگا کہ لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے معاملہ میں پسند کا معیار بجائے روپیے کے دینداری اور خوش اخلاقی معین کریں خواہ اس معاملہ میں انھیں جبر ہی اختیار کرنا پڑے جبر معاشرتی انقطاع کی حد تک۔ بالآخر یہی چھوٹے قصبات اور شہر جہاں اب بھی شادی کے معاملے میں کسی حد تک کفو کی قید باقی ہے مغربیت کے انقلاب کو روکنے میں مستحکم قلعوں کا کام دے سکتے ہیں؟ اور یہی ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر کی بنیاد بن جائیں گے۔

اس اعتراف کے ساتھ کہ میں ماہر تعلیم نہیں ہوں، میری رائے یہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کی دو منزلیں ہونی چاہییں، ابتدائی اور اعلیٰ۔ ابتدائی تعلیم کے لیے پانچ ریڈریں مرتب کی جائیں جن میں ترقی کے ساتھ مندرجہ ذیل مضامین پر شستہ اور سلیس اردو میں اسباق ہوں (۱) دینیات . . (۱) عقائد (۲) اعمال (۳) اسلامی تمدن اور کلچر (۲) تاریخ (۲) ہندوستان کی تاریخ (۴) جغرافیہ: (۱) سیاسی طبعی (۵) ہندوستان کی، عالم اسلامیہ کی، اور دنیا کی رواں تحریکات کا ذکر اور ان پر مسلمانوں کے نقطہ نظر سے تبصرہ (۶) حفظانِ صحت (۷) جمع۔ تفریق اور تقسیم مرکب تک مطلب۔ ان ریڈروں کے ساتھ بہ دوران قرآن پڑھا دیا جائے۔

اعلیٰ تعلیم:- عربی زبان تکمیل کی حد تک قرآن کا اعلیٰ اور وسیع پیمانہ پر مطالعہ اور وہ علوم جو قرآن کے فہم کے لیے ضروری ہیں۔ مجموعی طور پر اسلامی سیاست کا مطالعہ۔ اسلامی تاریخ۔ اور قرآن کی روشنی میں اسلامی تاریخ پر تنقید۔ وسیع پیمانہ پر جغرافیہ کا مطالعہ۔ اسلامی تحریک کے تعلق سے تحریکات عالم کا مطالعہ۔ انگریزی زبان۔ طب یونانی۔

ابتدائی تعلیم کا انتظام گھروں کے اندر ہونا چاہیے یا زیادہ سے زیادہ مکتبوں کے اندر۔ لیکن ایسی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک کالج کی ضرورت ہوگی۔ پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں جتنی طالبات یہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے فرصت اور وسائل پا سکیں گی بہت تھوڑی ہونگی اور انکے لیے ایک رزیڈنشل کالج کافی ہوگا۔ اس کالج کا انتظام اسلامی روایات کے مطابق ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں اسلامی تہذیب، معاشرت، تمدن اور تصورات کے احیا کے لیے اور مغربیت کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اس انتظام کی اشد ضرورت ہے۔

(منشور۔ دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
سے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:—
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
" ششماہی تین روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۹۱)

نمبر ۲۷ | سہ شنبہ - ۸ - ذیقعدۃ المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۸ ر نومبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

ایک شریف انسان

بدایوں سے خبر آئی ہے کہ ۲۳ اکتوبر کو ۱۰ بجے ممتاز نثر نگار سید محفوظ علی بی اے (علیگ) نے فالج کے مرض میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اپنے دور کے بڑے اچھے لکھنے والوں میں تھے اور شوخ نگاری و ظرافت کے ایک طرز خاص کے کہنا چاہیے کہ موجد تھے۔ علیگڈھ میں مولانا شوکت علی مرحوم، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مولانا ظفر علی خاں وغیرہ کے ساتھیوں میں تھے۔ بچپن میں محمد علی کے استاد شفیق رہے اور جب وہ بڑے ہوئے تو اُنکے رفیق۔ بدلے ہمدرد و کامریڈ (۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۴ء) کے صیغۂ انتظامی کے افسر رہے۔ اور ہمدرد میں ظریفانہ مضامین لکھتے لکھاتے بھی رہے۔ ظرافت نہایت اونچے اور علمی قسم کی تھی، عوام کی سطح سے بلند۔ قلم اور لینت دونوں کا جوہر خاص ظرافت تھی ہر ایک کے ہمدرد و غمخوار بڑے خلیق۔ ذاتی زندگی میں سخت متشرع اور پختہ دیندار۔ سچ اور صدق کی پچھلی جلدوں میں انکا ذکر مختلف تقریبوں سے کئی بار آچکا ہے، اور انکی مخفیہ عبادت و تہجد گزاری کا ذکر "محمد علی: ذاتی ڈائری کے اوراق" میں بھی ہے۔ بال قبل از وقت، عین جوانی میں سفید ہوگئے تھے۔ اور چہرہ پر نور اُسی زمانہ سے برسنے لگا تھا۔ جیسا کہ ہر صالح، متقی کے لیے ہو جاتا ہے۔ اور اب تو عمر بھی ستر سے متجاوز ہو چکی تھی، اب چہرہ اور داڑھی کی نورانیت کا کہنا ہی کیا! ۱۹۳۳ء میں جب ان سطور کے راقم کا جانا بدایوں ہوا تھا، تو میزبانی میر صاحب ہی نے کی تھی۔ اور اُسوقت اپنے خاندانی قبرستان میں لیجا کر اپنے والد ماجد کے پائیں میں اپنی قبر کی جگہ بتائی تھی۔ موت کو زندگی بھر یاد رکھا۔ آج وہ خوب جانی ہوئی، خوب پہچانی ہوئی چیز آخر سامنے آگئی۔ کس خوشی سے اُس کا استقبال کیا ہوگا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ علی برادران کے حلقہ کی ایک ممتاز شخصیت اور اُنکے دور کی ایک اہم یادگار دنیا سے رخصت ہوگئی۔

اللہم اغفر لہ وارحمہ

"اسحر دہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک"

فرسودہ روشن خیالیاں

صدق ۱۳ کے شذرہ "ابدی حقیقتیں" کے سلسلہ میں ناقص گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی تحریر فرماتے ہیں:—

"صدق کی تازہ اشاعت میں آپ نے زمانہ بدل گیا، دنیا بدل گئی، والے مغالطہ کی خوب خبر لی۔ یہ عہد وکٹوریہ کے پرانے فرسودہ ضابطے ہیں۔ جب بیچارہ مسٹر امیر علی وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ ایک عربی پرچہ میں انکی یہ عبارت انگریزی سے ترجمہ کرکے کسی صاحب نے حال ہی میں شایع کی ہے:—

"جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ جس شخص نے یہ اعلان کر دیا کہ عالم ایک خاص قانون کا پابند ہے، ایسے قانون کا جو اس پر کامل اقتدار رکھتا ہے، اور اس میں رد و بدل ممکن نہیں، تو ایسی صورت میں جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو مجموعۂ احکام بدوی زندگی کی ضرورتوں کے لیے مرتب ہوا تھا، وہ قیامت تک دنیا کے لیے کافی ہوگا، تو یہ اُس شخص (یعنی پیمبر اسلام) پر ظلم کرنا ہوا"

اور انھیں سے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں:—

"بھلا نویں صدی عیسوی کے فقہاء بیسویں صدی کی ضرورتوں کو بیچارے کیا سمجھ سکتے تھے"؟

یہ اسپرٹ آف اسلام سے مضمون نگار نے روح الاسلام نام رکھکر ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ پہلے فقرہ کا دوسرے فقرہ سے منطقی ربط کیا ہے۔ جب دنیا کا ایک مقررہ قانون ہے، جمادات، حیوانات، نباتات، انسان سب کے سب ایک خاص قانون کے پابند ہیں، اور

انھیں تکوینی قوانین کو جھکے۔ یہ اپنے پیش نظر رکھ کر تشریعی قوانین نافذ کیے گئے ہیں،
تو جب تکوینی قوانین نہیں بدل سکتے، تو تشریعی کیسے بدل سکتے ہیں؟ مگر معلوم
نہیں مسٹر امیر علی کی مراد کیا ہے؟ (امیر علی کی عام مرعوبیت یورپ سے، اس
دور کے اکثر مشاہیر کی طرح بالکل مسلم ہے) لیکن اس خاص موضوع پر جہاں تک
سمجھ میں آتا ہے، وہ صرف معاملات کی تفصیلی جزئیات پر تنقید کر رہے ہیں اور کہہ رہے
تھے کہ جب بہت سے کلیات کو یہیں صاحب شریعت نے آزادی سے
رکھا ہے تو عراق کے کسی فقیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نکالے ہوئے
جزئیات کی پابندی پر دنیا کے ہر حصہ کے رہنے والوں کو ہمیشہ کے لیے مجبور
کر سکے؟ صدق کا مطلب شاید یہ ہو کہ دنیا کا قدرتی قانون تو ارتقاء ہے
اور تعجب کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا پرانا قانون کیسے درست ہے۔ بیچارہ تو
زمانہ میں پیچھے رہ گئے۔ انکو کون جا کر سنائے کہ جنکے ارتقاء کے نقارے آپ نے
آپ کو سنائے تھے، کہا تھا اب تنزل کا کھا نیو ہے خود بھی گر گر کر مر رہے
ہیں، اور اپنے ساتھ ساری دنیا کو بھی لے ڈوبے ہیں!

خیر، تسلیم ہے کہ دنیا ترقی کر رہی ہے۔ مٹی کے دیا کی جگہ برقی لیمپ،
بیل گاڑی کی جگہ ریل، ہوائی جہاز، موٹر ریل رہے ہیں، ٹیلیفون ایجاد ہوا،
تار برقی ایجاد ہوئی، لاسلکی کا تماشہ دیکھا، ریڈیو کا رواج ہوا۔ یہ ہوا،
وہ ہوا۔ ہم اسے انسانی ضروریات کی ترقی نہیں البتہ انسانیت کی ترقی
ان بھی لیتے ہیں۔ لیکن ان ترقیوں کی وجہ سے مذہب کے کسی مسئلہ میں
تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے، یہ سمجھ میں نہ آیا۔ میں اکثر کہا کرتا
ہوں، کہ اب تو فرشتہ کا وجود نا ممکن ہے اس لیے کہ سائیکل چلتی ہے۔
عذاب قبر کو کیسے مانا جائے، جب ریل چلنے لگی۔ جنت کا کوئی اب کیسے
یقین کرے جب گراموفون بجنے لگا۔ الیٰ غیر ذالک۔ جب شروع شروع
لوگوں کے سامنے اس قسم کے جملے دہراتا ہوں، تو لوگ میرا منہ تاکنے لگتے
ہیں، کہ آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں؟ گراموفون کا اثر جنت کے وجود پر کیا
پڑتا ہے؟ تب میں جواب میں کہتا ہوں کہ جن ایجادات و اختراعات کے
متعلق اس زمانہ میں چرچا ہے کہ مذہب کی بنیاد انھوں نے ہلا دی ہے وہ یہی
چیزیں تو ہیں اور مذہب اُن چیزوں کا نام ہے جنکا میں نے ذکر کیا۔ تو ترشہ سے
گردنیں تیکھ جاتی ہیں۔ پوچھتا ہوں کہ بڑی سے بڑی ایجاد، بڑے سے بڑے
انکشاف کا ذکر کرو۔ اور بتاؤ کہ مذہب کے بڑے نہیں، کسی چھوٹے سے چھوٹے
مسئلہ پر اسکا کیا اثر پڑتا ہے؟ بلکہ مذہب کے صحیح حقائق کو تو جانے دیجیے، جھوٹے
مذاہب کے اوہام و خرافات پر بھی تو ان ایجادات و اختراعات کا اثر مرتب نہیں
ہوتا۔ اسی لیے تو دیکھا جاتا ہے کہ موٹروں پر بھی بیٹھ کر لوگ بہ اطمینان تیرتھ کو
جاتے ہیں، صنم خانوں میں ہارمونیم اور گراموفون بج رہے ہیں، مندروں کو
بجلی کے قمقموں سے سجایا جا رہا ہے۔

واقعہ تو یہی ہے۔ لیکن یہی دنیا کو آج سے ساٹھ ستر سال پہلے بھی باور
کرایا گیا، اور اچھے اچھوں کو مغالطہ لگ گیا۔ غریب امیر علی سا سنجیدہ آدمی
بھی وہ لکھنے پر مجبور ہوا جسکا ذکر کر چکا ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ عربی ممالک
میں انھیں مرعوب مصنفین کی باتیں آنکھ بند کر کے ترجمہ ہو کر پیش ہو رہی
ہیں، گو عرب نے اس راہ میں ہم سے بہت بعد قدم رکھا ہے، انکے لیے تو

ابھی ابتدائے عشق ہے"!

جی ہاں، ہندوستان، مصر، شام، عراق، عرب وغیرہ میں صد ہا یہی
"روشن خیالیاں" اسوقت بھی زور شور سے گشت کر رہی ہیں، جو اب خود فرنگیوں
کے ان سلسل تلخ تجربوں کے بعد پامال اور فرسودہ ہو چکی ہیں۔ ان بیرون ہند کا
علمی و دماغی معیار اس باب میں تو ہندوستان سے بھی کہیں پست تر ہے۔

بوسیدہ جدتیں

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اپنے ایک عنایت نامہ
میں انھیں فرسودہ روشن خیالیوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"مجھے حیرت ہے کہ آخر یہی یورپ جب کسی غلط بات کو دنیا میں پھیلا
دیتا ہے تو دنیا اُسے مان لیتی ہے اور برسوں مانتی چلی جاتی ہے۔ مگر جب یورپ
ہی سے کسی اچھے خیال کی اشاعت ہوتی ہے اور بڑے زور شور سے ہوتی ہے تو
غلطیوں کے ماننے والے اُن سچی باتوں کے سننے سے کیوں بہرے بن جاتے ہیں۔
چنانچہ ایک یہی مسئلہ ہے۔ پچھلے مصنفین جو یورپ میں گزرے ہیں یہ اسوقت
موجود ہیں، شدت سے اسکا انکار کر رہے ہیں۔ ویلز کے ایک بیان پر حال
ہی میں نظر پڑی۔ اُس میں لکھتا ہے:-

"جدید تمدن و حضارت نے اگرچہ بہت سے نئے علمی ذرائع دنیا کو دیا
کیا اور انسان کی ادنیٰ زندگی گزارنے کا جو طریقہ تھا وہ یقیناً بدل گیا ہے تمام
باہمی مل کر کام کرنے کے مواقع یقیناً وسیع سے وسیع تر ہو چکے ہیں۔ مگر یورپ
کی یہی ارتقاء اور عروج ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔ کہ باہر تو بدل دیا گیا اور
آدمی کے اندر اُنکے سینوں میں جو کچھ تھا، وہ قطعاً غیر متغیر بر حال رہا ہے"۔

مگر آدمی بدل گیا، اسی دقیانوسی مغالطہ کو لوگ اب تک پیٹتے چلے جاتے
ہیں۔ یہی یورپ جواب کہہ رہا ہے کہ آدمی جہاں تھا وہی ہے، اس پر ایمان لانے
والوں میں بھی حرکت کیوں نہیں پیدا ہوتی"؟

وجہ صاف و ظاہر ہے۔ پہلی آواز میں نفس کے مطابق تھیں، اور دوسری
قسم کی آوازیں صرف عقل کے۔ اور دنیا میں اگر نفس کے مریدوں اور ہوا پرستوں
کا غلبہ اگر اہل عقل و دانش پر نہ ہوتا تو آج مشرکوں کی تعداد ایمان والوں کے
مقابلہ میں اتنی زیادہ کیوں ہوتی! —— تقلید فرنگ اور تجدد پرستی تو صرف
نام ہیں اتباعِ ہوا اور نفس پرستی کے۔

تعلیم گاہوں کے اندر!

طلبہ جامعہ عثمانیہ کے ایک دوست وبہی خواہ،
اور لڈ ہوسلے کا بیان ٹرہبر کے صفحات میں:-

"کہنے کو تو ہم طالب علم ہیں لیکن بر عکس نہند نام زنگی کافور۔ طالب علمی کی
کوئی خصوصیت ہم میں نہیں پائی جاتی۔ نہ اسپاق سے دلچسپی نہ کتابوں سے دلچسپی۔
البتہ دلچسپی ہے سینما گھروں سے، لا ابالیانہ اور خرافات میں اپنا وقت گزارنے
سے۔ نہ کانٹ کا فلسفہ یاد ہے، نہ ملٹن کے اشعار، نہ اسٹن کا نظریۂ حکومت،
نہ جمال الدین افغانی کے حالات زندگی، ہم نہ مولانا روم کے کلام سے واقف
ہیں نہ سعدی کے کارناموں سے۔ نباتات اور حیوانات کے نظریے فشک،
طبعیات اور کیمیا کی مساواتیں نا فہم۔ البتہ سرمئی کے گیت اور زمانہ کے راگ
الاپنے سے ہمیں ہر گز فرصت نہیں!

اقامت خانے —— انکی حالت نہ پوچھیے - سماجی اور معاشرتی زندگی کی ترتیب اور تنظیم تو بڑی بات ہے - عموماً ساز شیں ہیں، واہیات ہے خرافات ہے - اخلاقیات کے اسباق بالائے طاق ہیں - البتہ شیطان کی پیروی تیز تر ہے!"

لیکن اس میں تخصیص و انفرادیت جامعہ عثمانیہ کی کیا ہے؟ ہندوستان کی کس یونیورسٹی، کس کالج، کسی اونچی تعلیم گاہ کی خصوصیات جوں کی توں یہی نہیں؟ یہ فیض تو سب اسی "اعلیٰ تعلیم" کی نوعیت کا ہے - سرزمین سکے لیے چاہے دکن کی ہو یا بہار کی، بمبئی کی ہو یا پنجاب کی!

انھیں زلفوں کے سب اسیر ہوئے!

صاحب کا کروفر

واسیرائے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے بادشاہ نہیں ہوتے، صرف نائب السلطنت یا حاکم اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں، ہر عہدہ دار واسیرائے اپنے ساتھ ایک عہدیدار ذاتی عملہ بھی مخصوص عہدہ داروں کا لاتا ہے - چنانچہ لارڈ ویول کے ذاتی اسٹاف میں حسب ذیل عہدہ دار مقرر ہوئے ہیں:-

ایک پرائیوٹ سکریٹری (سینیر آئی سی ایس، سی ایس آئی، سی آئی ای)
ایک ڈپٹی پرائیوٹ سکریٹری (سینیر آئی سی ایس، سی بی ای)
ایک اسسٹنٹ پرائیوٹ سکریٹری (آئی سی ایس)
ایک ملٹری سکریٹری (میجر)
ایک سرجن (سینیر آئی ایم ایس، لفٹننٹ کرنل، سی آئی ای وغیرہ)
ایک کنٹرولر (میجر)
۴ اے ڈی کانگ (کپتان)
ایک کمانڈر باڈی گارڈ (میجر)
ایک ایڈجوٹنٹ باڈی گارڈ (لفٹننٹ)

نیچے عہدہ داروں کا ذکر نہیں، یہ ۱۲۰ آدمیوں کی فہرست صرف اونچی تنخواہ والے عہدہ داروں کی ہے! دہلی، اودھ اور دکن کے کسی مسرف سے بھی مسرف نائب السلطنت نے اپنی ذات خاص کے واسطے اسقدر گراں قیمت انبوہ افسروں کا رکھا تھا؟

•

آرٹ نواز سرکار

"الموڑہ - ۱۵ اکتوبر - ہز اکسیلنسی گورنر اولیں کی سلیٹ کے اعزاز میں اودے شنکر کلچر سنٹر نے ۱۳ اکتوبر کو میدان جنگ میں ایک عظیم الشان بزم رقص وسرود آراستہ ہوئی - جلسہ ہر طرح کامیاب رہا، اور استاد اودے شنکر کے کمالات کی داد ہر طرف سے ملی" (لیڈر - ۱۹ اکتوبر ۴۳ء)

سرکار کی اس آرٹ نوازی کا ذکر اسکے قبل بھی ان صفحات پر آچکا ہے - عین جنگ کے شدائد اور ہندوستان کے اندر قحط کے مصائب کے درمیان لاٹ صاحب بہادر کا اتنا وقت اور اتنی فرصت اس ناچ رنگ کی محفل کے لیے نکال لینا چیارک ہو کل دنیا کے بھانڈوں، گویوں، نچنیوں، ڈھاڑیوں اور سازندوں کو!

فرید پور کی مصیبت

صدق ۲۳ میں بنگال کی بپتا کے عنوان سے ایک شذرہ بنگال کے شدید مصائب پر درج ہو چکا ہے، اور افسوس ہے کہ وہ قیامت خیز مصیبتیں اب تک ختم نہیں، بلکہ اسی زور و شور سے جاری ہیں - آدمی پر آدمی مرتے چلے جاتے ہیں، صرف اس لیے کہ غذا بقدر رمق بھی نہیں مل رہی ہے! اور موت و زندگی کے درمیان لٹکے ہوؤں کا تو شمار ہی نہیں! اخبارات میں بھوک سے مرنے والوں کے جو اعداد چھپتے ہیں، انکے پڑھنے کے لیے بڑی ہمت اور بڑے جگر کی ضرورت ہے! صدق کے اس نوٹ میں ذکر فرید پور کے شدائد کا تھا - فرید پور کے کلکٹر اسوقت، اتفاق سے فضل احمد کریم صاحب ایم اے، بی لٹ، آئی سی ایس ہیں، جو شعر و ادب کی دنیا میں فضلی کے نام سے روشناس ہیں -

ان کلکٹر صاحب کی ایک اپیل انگریزی زبان میں موصول ہوئی ہے - اس میں بیان یہ کیا گیا ہے کہ ضلع کی آبادی ۳۰ لاکھ ہے، کاشت کی پیداوار جتنی ہوتی ہے، وہ اتنی آبادی کے لیے کافی نہیں ہوتی - تقریباً ۴۰ لاکھ من غلہ ہر سال باہر سے آتا ہے - پچھلے سال فصل خراب رہی، تو اکی ضرورت ۷۰ لاکھ من غلہ کی پڑگئی، وہ آئے کہاں سے - سارا صوبہ تو خود گرفتار مصیبت - لیکن فرید پور کی امداد ادھر سے آئی، ترا صوبہ گورنمنٹ اسوقت ۲ لاکھ من غلہ اور ۱۰ لاکھ نقد سے امداد کر چکی ہے - لیکن اتنی امداد ظاہر ہے کہ ضرورت کے لحاظ سے بالکل ناکافی ہے - ملک کے اہل خیر جب تک دل کھول کر امداد نہ کریں گے، کوئی صورت اصلاح حال کی نظر نہیں آتی - نقد روپیہ، غلہ، کپڑا، دوائیں، اسوقت ہر چیز بیحد ضرورت کی ہے اور ہاتھوں ہاتھ بڑے شکر گزار دلوں کے ساتھ لی جائینگی —— ایف اے کریم صاحب اپنے شناسا نامہ میں لکھتے ہیں:-

ممکن ہے کوئی صدق نواز صاحب فرید پور نواز یا فضلی نواز نکل آئیں، رقم امانت بھیجنے کے پتے دو ہیں، یا تو براہ راست کلکٹر صاحب ہی کو روانہ کر دیا جائے، اور یا پھر مسلم چیمبر آف کامرس (کلکتہ) کے ذریعہ سے -

آئیے اسی اس کلکٹر کی آپ بیتی سنتے چلے - اب ذرا شاعر ادیب فضلی کی بھی سن لیجیے:-

اسباب زندگی کی ہر اک چیز ہے گراں — بس ایک خون ہے کہ ارزاں ہے آجکل
شائق فلسفۂ مغربی نہ پوچھ — زلف خیال اور پریشاں ہے آجکل
سر رشتۂ خیال ہوا جا رہا ہے گم — کچھ ایسی الجھنوں میں مسلماں ہے آجکل
قدرت کی رہبری کے طریقے عجیب ہیں — یعنی لباس کفر میں ایماں ہے آجکل

حکیم الامت کی ایک تحریر

مولوی قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد (کیمبلپور) سے اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت کی آخری علالت کے زمانہ میں انھوں نے اپنی کتاب تنزیہ القرآن خدمت والا میں ملاحظہ کے لیے روانہ فرمائی تھی - جواب میں شرف یہ دو شعر مع عنوانات کے لکھے ہوئے موصول ہوئے

عذر - زدست کوتہ خود زیر بارم — کہ از بالا بلندان شرمسارم
درخواست عذر - مگر زنجیر لطف گیرم دست — وگر نہ سر بہ شیدائی برآرم

معذرت کا اس سے زیادہ لطیف، نرم، شستہ طریقہ اور کیا ہوگا! —— یہ تھے وہ بزرگ ہیں جنھیں دنیائے خشکی، تشدد و خشونت کے لیے بدنام کر ڈالا تھا! ؎

انسانوں کا جائیے جو صرف حج کے موقع پر کھینچے چلے آتے ہیں، نہ صرف عرب ہی کے ہر گوشہ سے نہیں بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ سے، ہر ملک سے، ہر قوم سے۔ اور پھر سال دو سال سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے یعنی تقریباً ۴ ہزار سال سے، جب البیت للناس کی جامعیت کی کچھ تفسیر ذہن میں آسکیگی!

۵۹۵ امونیت اسی سے ظاہر ہے کہ صرف عمارت کعبہ ہی نہیں، میلوں تک اسکے گرد کی سرزمین داخل حرم ہے۔ اور حرم وہ علاقہ ہے، جہاں انسانوں کی جان تو کیا الگ رہی، جانور تک کا شکار جائز نہیں۔ اور یہ حکم تو خیر شریعت اسلامی کا ہے، باقی ارض حرم کا امن ہونا تو جاہلیوں کو بھی مسلم رہا ہے۔ بڑے سے بڑے مجرم جرم کر کر کے خانۂ کعبہ کی دیواروں کے درمیان پناہ دیا جایا کرتے تھے۔

فرنگی جامعہ دانش انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے آخری ایڈیشن (طبع چہاردہم) میں ہے:۔

"اتنا تو بہر حال ہے کہ محمدؐ کے دور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں مسلم پاتے ہیں۔ ایک تجارتی مرکز کی، دوسرے ایک مقدس معبد کی، جسکے ارد گرد کی زمین بھی حرم ہے" (جلد ۱۵، [illegible])

غرض یہاں البیت کے جو دو اوصاف بیان کیے ہیں، وہ اعتقاد سے زیادہ تو مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ صرف بیت ہی نہیں مضافات بیت سے متعلق بھی۔

۵۹۶ (اے مسلمانو!)۔ اتخذوا صیغۂ امر ہے۔ اور یہ خطاب ہے رسول اللہ صلعم کے واسطہ سے امت اسلامیہ سے۔ [illegible] من اللہ تعالیٰ ذکرہ بذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین بہ وجمیع الخلق المکلفین (ابن جریر)

یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے اور اب اور صاف ہو جانا چاہیے کہ قرآن مجید اپنے بیانات میں تاریخ انسانی کی ترتیب کا پابند نہیں رہا ہے، بلکہ کبھی تو ایک ہی آیت کے اندر) کسی معنوی مناسبت کی بنا پر دو ایسے واقعات جمع کر دیے جاتے ہیں جنکے درمیان زمانی حیثیت سے صدیوں کا فصل ہوتا ہے۔ اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ واقعات گزشتہ کے بیان سے متصل کوئی حکم دیا جائے، اور عطف صیغۂ ماضی پر صیغۂ امر کر دیا جائے۔ قرآن اصلاً صرف کتاب ہدایت ہے، اور وہ اپنے اسی مقصد اصلی کے آگے پروا کسی انسانی حد بندی اور کسی مصنوعی و اختراعی تکلف کی نہیں کرتا۔

۵۹۷ ("کی جگہ")۔ مصلّی کے معنی "نماز کی جگہ" ظاہر ہی ہیں، اسکی دوسری تفسیر مجاہد تابعی وغیرہ اکابر کی زبان سے "دعا کی جگہ" کی بھی آئی ہے۔ مصلّی ابراہیم مدعی (ابن جریر۔ عن مجاہد) اور صلوٰۃ مرادف دعوت کے بھی آیا ہے۔ الذین تأولوا المصلّی ههنا المدعی فهو المصلّی الی انه مفعل من قول القائل صلیت بمعنی دعوت (ابن جریر)

اصل مقصود کے اعتبار سے جائے نماز اور جائے دعا میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں۔ گفتگو اس میں چلی ہے کہ مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے؟ ترجیح اسی کو ہے کہ اس سے مراد سارا حرم ہے، اگلی شاہد صحیح ہیں۔ قال ابن عباس الحرم کلہ (ابن کثیر) وروی عن مجاہد و عطاء مثل ذلک (ابن کثیر) [illegible] للامام [illegible] کا ہے۔ (کشاف)

مقام ابراہیم کے معنی اس پتھر کے بھی لیے گئے ہیں جس پر کھڑے ہو کر آپ تعمیر کرتے تھے۔ اور جو آب خانہ کعبہ سے چند فٹ کے فاصلہ پر ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اصطلاح نزول قرآن سے بہت بعد کی ہے لیکن ایک بڑے گروہ نے یہاں یہی معنی لیے ہیں۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ حنفیہ و مالکیہ کے ہاں یہ نماز واجب ہے اور شافعیہ کے یہاں محض سنت

(بقیہ صفحہ ۸)

یہاں اگر یہ کہا جائے تو میرا بیان ناقص رہیگا کہ اس زمانہ میں نظم کے ذرائع [illegible] کے انداز اور زیر ہدایت نظر نشریات سے جو تباہ کن اثر ادب اور لٹریچر پر پڑ رہا ہے وہ تباہی کا ایک مہیب طوفان ہے جو ادب اور لٹریچر کی خوبیوں اور صفات کو غرق آب و برباد کر رہا ہے۔ اسکی قوت تباہی میں برقی جاذبیت اس بے دریغ زر بے سرمایہ کی ہے جو اسکے ساتھ ساتھ موجزن ہے۔ ایسا ہی کچھ حال جدید نصاب ہائے تعلیم کا ہے۔ جسکا تجربہ مجھکو اپنے اسکول کی تعلیم کے زمانہ ۱۸۸۶ء سے ہے۔ اس میں "کل جدید لذیذ" جلوہ فرما اور زرپاش و زرریز ہے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو، شامل مسل نسخۂ "محشر خیال" واپس عنایت ہو، اپنے ہر بیان کی تائید میں اسکے مضامین کے اقتباسات نقل کرکے حاضر کرونگا۔ اسی سلسلہ میں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ زنانہ نصاب کے بعض حصے قابل اعتراض ہیں۔ اگر ایک کمیٹی مقرر ہوکر کل نصاب پر نظر ڈال لے تو بہتر ہو۔

حسب ذیل کاغذات شامل مسل ہذا ہیں:۔

(۱) رسالے علمائے کرام محولہ بالا۔ (۲) خط مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی جو باعث ہوا میرے مطالعہ محشر خیال کا۔ (۳) نیز موصوف کا دوسرا خط جو میری استدعا پر تشریح مزید پر آیا۔ (۴) چوتھا خط رشید احمد صاحب صدیقی میر شعبۂ ادب کا جو میرے اس نیاز نامہ کے جواب میں ہے جس میں میں نے اپنے کرم دوست سے محشر خیال پر رائے قائم کرنے میں مدد چاہی تھی۔ (۵) اشتہار "محشر خیال" جسکا طمطراق قابل دید ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریریں فی الوقت بصیغۂ راز ہیں۔

صدق ایک گندی کتاب، گو ایک پاکیزہ شخصیت کے قلم سے نکلی ہوئی، خدا معلوم کن اثرات کے ماتحت مسلم یونیورسٹی کے نصاب اردو میں داخل ہو گئی تھی۔ مدیر صدق کو اسکا علم شروع سال رواں ستمبر ۳۲ء میں ہوا۔ غیرت دینی سے خون جوش کھانے لگا۔ نصاب سے اخراج کی کوشش اسی لمحہ شروع کر دی گئی تھی لیکن بالکل ہی سائلانہ گدایانہ انداز میں، گویا مطالبہ رفع ظلم کا نہیں کیا جا رہا ہے، بلکہ درخواست خود مجرم رحم و کرم کی ہو رہی ہے! خیر خدا خدا کرکے کتاب نصاب سے خارج ہو کر رہی۔ جس کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا، اسکے ایک رکن رکین ادیب جلیل مولانا شروانی تھے۔ موصوف کی بیش بہا رائے جو ابتک ایک خانگی حیثیت رکھتی تھی، اسکو اب اشاعت سے روکے رہنا بجائے خود ایک ظلم تھا۔

ہارون محمدی

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۲)

بہرحال جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لیکر میقات سے واپس ہوئے اور قوم کو اس حال میں پایا تو حضرت ہارون پر پہلے برہم ہوئے۔ لیکن انکی معذرتوں کو سننے کے بعد ان سے تو صاف ہوگئے اور اب قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرعونی زیورات کا وہ مجسمہ جس سے بچھڑا تیار ہوا تھا پہلے تو اسی کو خاکستر بنا کر دریا میں بہا دیا جو معاشی نقطۂ نظر سے خواہ کتنا ہی بڑا نقصان وہ بات تھی لیکن "الدین" کو بچانے کے لیے "الدنیا" کی قربانی حضرت کی فطرت تھی اور بالآخر یہی دکھانے آیا وہ یہ کر گزرے اور اسکے بعد آپ نے قوم بنی اسرائیل کو خطاب کر کے حق تعالیٰ کا یہ حکم سنایا:

یا قوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارئکم فاقتلوا انفسکم ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انہ ھو التواب الرحیم۔	اے میری قوم تم نے اتخاذ عجل (یعنی گوسالہ پرستی اختیار کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس پلٹو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف پس قتل کرو اپنے آپ کو یہی بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک (خواہ دوسروں کے نزدیک وہ بہتر نہ ہو) پس تمہاری توبہ قبول کی تمہارے خدا نے وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ جن لوگوں نے اتخاذ عجل کا ارتکاب کیا ہے وہ، اور جو اس سے بچے رہے ہیں وہ، یہ دونوں آپس میں مقاتلہ کریں۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تفسیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ فاخذ والسکاکین فجعل الرجل یقتل اخاہ وابا وابنہ واللہ لا یبالی من قتل حتیٰ قتل منھم سبعون الفا (درمنثور) یعنی لوگوں نے ہاتھ میں چھرے لیے اور آدمی اپنے بھائی، باپ، بیٹے کو قتل کرنے لگا اسکی پروا کسی کو نہ تھی کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار آدمی اسی طریقہ سے قتل ہوگئے۔ یہ تو قوم موسیٰ کا قصہ ہے۔ اب امت محمدیہ (علیٰ نبیہا الصلوٰۃ والسلام) کی اس شخصیت پر نظر کیجیے جسے نبوت محمدیہ سے ہارونیت کی نسبت بروایات متواترہ حاصل ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ کے کام کی تکمیل کرنے والے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اپنا اپنا کام کر کے اپنے محبوب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدموں تک پہونچ گئے اور اس تمام عرصہ میں یعنی آنحضرت کے عہد میں اور خلفائے ثلاثہ کے عہد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ دین کی پیشوائی کا کام انجام دیتے رہے۔ لیکن جب براہ راست دین کی کمان تھامنے کا وقت خود انکے لیے آیا تو ہوا یہ کہ اس عرصہ میں (یعنی خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں) وہ نسل جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تزکیہ سے مطہر ہوئی تھی اسکی اکثریت بذریعہ شہادت یا باجل طبعی عالم آخرت کی طرف سدھار چکی تھی، حضرات صحابہ کا افضل ترین طبقہ یعنی صحابۂ بدر انکے متعلق تو سعید بن المسیب تابعی سے بخاری میں مروی ہے۔ وقعت الفتنۃ الاولیٰ یعنی مقتل عثمان فلم تبق من اصحاب بدر احدا (اسلام میں پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ پیش آیا تو اسوقت تک بدر کے صحابیوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا تھا۔ یعنی سب کی وفات ہو چکی تھی) اور دوسرے طبقہ کے صحابہ جو بھی باقی رہ گئے تھے وہ ایسے مسلمانوں میں گھرے ہوئے تھے جن میں اکثریت غالبہ بیشتر انہی لوگوں کی تھی جو عہد صحابہ کے بعد والی نسلوں سے تعلق رکھتے تھے یا زیادہ تر اعراب اور اسی قسم کے نومسلم لوگ تھے جو اسلامی فوجوں میں بھرتی ہوگئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے عہد خلافت میں جن مسلمانوں سے سابقہ پڑا ان میں اکثریت اسی قسم کے لوگوں کی تھی۔ اور یہ تو سب ہی کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کو مصریوں اور فرعونیوں کے زیورات ملے تھے۔ لیکن اس زمانہ تک جسکا اب ہم ذکر کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے قدموں پر صرف مصر ہی کی دولت نہیں بلکہ اسکے ساتھ ایران کا سارا خزانہ قیصر کے مقبوضات کا بھی ایک بڑا حصہ ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہ دولت تھی جو کبھی نہیں آئی تھی اطراف ارض سے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت جا میں دین میں بنی اسرائیل کا جب وہ حال ہو گیا تھا تو مسلمانوں کا خدا جانے کیا ہوتا۔ لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کی برکت تھی کہ باوجود اس دولت و ثروت کے مسلمانوں میں انقلاب کے آثار شروع بھی ہوئے تو پچیس برس نہیں بلکہ سالہا سال میں یعنی پہلی صدی کے بعد وہ بھی پہلی نسل میں نہیں بلکہ پہلی نسلوں کے گزرنے کے بعد جب اکثریت پچھلی نسلوں اور نومسلم بدویوں اور اعرابیوں کی قائم ہوگئی تب رنگ شروع بدلا۔ لیکن کتنا بدلا؟ کیا بنی اسرائیل کی طرح خود موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے والوں نے عجل پرستی شروع کر دی؟ شیطان اس سے مایوس ہو چکا تھا کہ عرب میں پھر پوجا جائیگا۔ جیسا کہ صحیح حدیثوں میں مروی ہے۔ ہاں یہ رنگ جو کچھ بھی بدلا تھا وہ یہی تھا کہ ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا جس نے بجائے تسبیح و ذکر کی کثرت کے سلطنت و حکومت ہی کو اسلام کا واحد نصب العین قرار دیدیا۔ بنی امیہ کے حالات جسکی شہادت ادا کر سکتے ہیں۔ دین پر دنیا کو ترجیح دینے کی بدترین مثال اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ دوسری نسل کا آدمی عمرو بن سعد صرف رے کی عملداری کی ہوس میں اپنے رسول علیہ السلام کے جگر گوشہ کے قتل سے نہ جھجکا۔

الغرض نبوت محمدیہ کے ہارون حضرت علی علیہ السلام کو انہی لوگوں کی اکثریت سے سابقہ پڑا۔ ان لوگوں سے بھی حضرت نے بھی وہی فرمایا جو ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرمایا تھا، انما فتنتم بہ (یعنی دنیا جاہ و جلال سلطنت و حکومت سے تم لوگ جانچے گئے ہو) لیکن انکی بات بھی اکثریت کے لیے صدا بصحرا بن گئی اسی لیے تو دونوں کی بات نہ ان کر فاقتلوا انفسکم کی سزا میں بنی اسرائیل مبتلا کیے گئے تو ہیر کیوں تعجب کیا گیا کہ جب محمد رسول اللہ صلعم کے ہارون کی نصیحت سے اعراض کا خمیازہ اسی فاقتلوا انفسکم کی شکل میں مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ بنی اسرائیل میں تو وہ لوگ جو اتخاذ عجل سے

دونوں نے ایک دوسرے کو اس طرح قتل کرنا شروع کیا کہ نہ باپ کی پروا کسی کو تھی نہ بھائی کی نہ بیٹے کی۔ اور یہی عمل انکا توبہ قرار پایا تو لوگوں کو کیوں تعجب ہوا۔ جب امت اسلام کی نصیحتوں سے اعراض کرنے والوں دونوں کو بھی وہی کرنا پڑا جو بنی اسرائیل نے کیا تھا یا جنگ صفین میں اگر ۷۰ ہزار مسلمان شہید ہوئے جتنے بنی اسرائیل اپنی اس توبہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے تھے۔ ایک گروہ موجودہ مسلمانوں کا ہے۔ اور یہ وہی ہے جسکی ناموس میں عزت مسلمانوں کی دنیا کو اہمیت ہے وہی آج حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تنگ ہے۔ لیکن جیسے قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جو قاتلوا انفسکم کا حکم دیا گیا تھا یہ انکے لیے "شر" اور "بلا" نہ تھا۔ بلکہ رفع نقص کی دوسرے ذٰلکم خیر لکم (یعنی یہ تمہارے منہ کے آگے تھا) تو ہم کیوں نہ سمجھیں کہ یہ مقابلہ آپس کی خانہ جنگی شر ہوتی نہیں ہوتی تو اس سے بہتر نتائج بھی کبھی برآمد ہوتے ہیں۔ جیسے اس قتل کی وجہ سے بنی اسرائیل میں جو مارے گئے تھے انکے لیے شہادت ہوئی اور جو زندہ رہے انکے لیے یہ باہمی قتل توبہ تھا (دیکھو تفاسیر ابن جریر و درمنثور)

بلاشبہ عہد خلفوں کی اس باہمی جنگ سے سیاسی قوت مسلمانوں کی ضرور متاثر ہوئی شاید دنیا اور زیادہ حاصل ہوتی اگر درمیان میں یہ صورت نہ پیش آتی۔ گبن (مورخ [illegible]) نے جو یہ لکھا ہے کہ جمل اور صفین کی لڑائی اگر نہ پیش آتی تو مسلمان ساری دنیا کو فتح کر لیتے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ صحیح ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ہم اس دنیا کو لیکر کیا کرتے جس پر اپنے دین کو ہمیں قربان کرنا پڑتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول ہے جو حسنین علیہما السلام کو خطاب کرکے آپ نے فرمایا تھا "واللہ لقد ضربت ہذا الامر وجہہ وبطنہ فما وجدت بدا من قتال القوم او الکفر بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (الحاکم فی مستدرک، ازالۃ الخفا ج ۲) یعنی اس مسئلہ پر میں نے خوب غور کر لیا، اندر باہر سب کا اچھی طرح جائزہ لے لیا، کوئی چارہ اسکے سوا نظر نہیں آیا کہ یا لوگوں سے میں جنگ کروں یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے جو کچھ اتارا ہے اس سے کفر (انکار) کر بیٹھوں۔

صاف معلوم ہو رہا ہے کہ القوم (عام مسلمانوں) کی جو نسلیں اسوقت پیدا ہو گئی تھیں ان سے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے پیغام کو چھوڑ بیٹھیں گی۔ ضرورت تھی کہ اسوقت ایک بڑا نشتر مسلمانوں کی دنیا کو دیا جائے تاکہ خون فاسد نکل کر دین کا توازن پھر قائم ہو جائے۔ اور یہی ہوا یعنی کہ باہمی لڑائیوں کا جو سلسلہ عہد مرتضوی سے شروع ہوا اور میدان کربلا پر ختم ہوا، اس نے ارباب بینش کے سامنے الدنیا کے مفاسد کو کالشمس فی رابعۃ النہار کی طرح نمایاں کر دیا۔ سب نے دیکھ لیا کہ دنیا کا نشہ جب آدمی پر سوار ہوتا ہے تو وہ نہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر کی بے حرمتی کی پروا کرتا ہے نہ اپنے پیغمبر کے صحابیوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا خیال کرتا ہے، نہ خدا کے گھر کعبۃ اللہ کا۔ اور آخر میں تو سب کی آنکھوں کے سامنے کربلا کا تماشہ پیش ہوا کہ رسولؐ کے جگر گوشوں پر بھی دنیا پرستوں کا دل نہ پسیجا۔ بلاشبہ قاتلوا انفسکم کے رمز جانگداز نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں توبہ کا جذبہ

پیدا کیا۔ وہ دنیا سے پلٹ پڑے۔ پس حق تعالیٰ بھی انکی طرف پلٹا۔ اور تابعین اور انکے بعد مسلسل مسلمانوں میں بڑے بڑے اولیا، اقطاب ایسی ایسی ہستیاں پیدا ہوتی رہیں کہ پہلی امتوں میں اگر ہوتیں اور نبوت ختم نہ ہو جاتی، تو جن جماعتوں کو ان سے ایمان و عمل میسر آیا انکے لیے وہ شاید نبی ہی ہوتے۔ تاریخ اسکی شہادت ادا کر رہی ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے دعا فرمائی تھی "اشرکہ فی امری" (میرے کاروبار میں علیؓ کو شریک کیجیے) جیسے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے لیے کی تھی۔ تو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی مذہبی قیادت اور رہنمائی حضرت ہارون کی اولاد و ذریت ہی میں رہی کہ وہی لوگ کاہن ہوتے تھے اور کہانت انہیں کے خاندان کے ساتھ مخصوص تھی، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علیؓ سے نکاح کرکے یہ صورت جو پیدا کر دی کہ پیغمبر کی نسل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجہ سے دنیا میں باقی رہی۔ اسی بنیاد پر حضرت علیؓ کی ایک کنیت دربار نبوت سے "ابو ولدی" عطا ہوئی۔ یعنی میری اولاد کے باپ علی ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آئندہ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ سہرے علمی ذخائر [illegible]۔ سیاسی کاروبار میں مسلمانوں میں عموماً دوسری نسلوں سے متعلق رہے۔ بنی امیہ سے بنی عباس سے اور دوسروں سے۔ (کی نسبحک کثیرا و نذکرک کثیرا (تاکہ ہم دونوں تیری پاکی خوب اچھی طرح جی بھر کر بیان کریں اور جی بھر کر ہم تجھے یاد کریں) یہ جو مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تھا اس مقصد پر مسلمانوں کو لانے والے ہر زمانہ میں زیادہ تر وہی لوگ رہے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مقدس کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خون بھی شریک تھا۔ یعنی آل فاطمہ رضہ۔ صوفیہ کرام (جو تسبیح و ذکر کے نصب العین کے اسلام میں علمبردار ہیں) تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے ان میں زیادہ تر آپ کو آل فاطمہؓ ہی نظر آئیں گے۔

ہر ملک میں، عرب میں، مصر میں، ایران میں، ترکستان میں، ہندوستان میں، شاید وہ جو حدیثوں میں ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں "کتاب اللہ و عترتی" اور یہ کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے اسوقت تک الگ نہ ہونگے جب تک حوض پر آ کر مجھ سے ملاقی نہ ہوں۔ اس میں اسی مسئلہ کی طرف غالباً اشارہ ہے کہ قرآن کی عملی شکل زیادہ تر عترت طیبہ میں پائی جائیگی۔ الغرض یوں قدرت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا اسلام کے باطن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (کثرت تسبیح و کثرت ذکر) میں قیامت تک کے لیے شریک کر دیا۔ اور یوں بھی تو صوفیہ کے اکثر خانوادے بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی پر ختم ہوتے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی فقہ کی وہ شکل جسکی اکثریت متبع ہے یعنی حنفی فقہ، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس فقہ کی بنیاد بھی زیادہ تر باب العلم حضرت [illegible] ہے لکرم اللہ

(ترجمہ دکن)

"محشرِ خیال"

(ادیبِ جلیل مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب شروانی کی نظر میں)

میں نے "محشرِ خیال" کو پڑھا۔ بار بار دیکھا، دقت سے دیکھا، اُس پر بکثرت نشان کیے۔ میری ناقص فہم اسکا پتہ لگانے سے قاصر رہی کہ کیا خوبیاں اس کتاب میں تھیں جنھوں نے اسکو اس مرتبہ پر پہونچایا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ایم اے کے طلباء کے درس میں داخل ہے۔ میں نے رائے قائم کرنے میں اُن تحریروں سے مدد چاہی جو کتاب کے "دل میں" عرض ناشر" اور "شعلۂ مستعجل" کے عنوان سے درج ہیں، مگر افسوس کوئی مدد نہ ملی۔

یہ پڑھا کہ "اہل قلم نے اسکو اپنی توجہ کا مرکز بنایا" اور "نوجوانوں نے مصنف کی طرز نگارش اور زاویۂ فکر کو اپنے رجحانات کے مطابق پایا"۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ اہل قلم کون تھے اور اُنھوں نے کسی خوبی سے متاثر ہو کر اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ اسی تحریر میں اصل نکتہ قلم سے تراوش کر گیا ہے۔ جہاں ناشر نے صاف لکھدیا ہے کہ "میرے لیے تو یہ کفایت کرتا ہے کہ وہ سجاد مرحوم کا لکھا ہوا ہے"۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "سجاد جوان مرے"۔

"شعلۂ مستعجل" (جو سجاد مرحوم کی طرز تحریر کا حقیقی خطاب ہو سکتا ہے) میں لکھا ہے کہ "سجاد نے بیشتر مضامین علیگڈھ میگزین میں اشاعت کے لیے بھیجے۔ جو بزرگ آج ادب کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر چمک رہے ہیں انکی شہرت سب سے پہلے میگزین ہی کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ شاعروں میں فانی۔ جگر۔ اصغر۔ سہیل۔ عظمت اللہ خاں۔ اور نثر نگاروں میں سجاد انصاری۔ سجاد حیدر اور رشید صدیقی کا نام لیا جا سکتا ہے"۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "سجاد کا دار صرف صوفی۔ فلسفی۔ اور زاہد خشک ہی پر نہیں، وہ مذہب و اخلاق پر بھی چوٹیں کیا کرتے تھے"۔ ان ہی چند لفظوں میں پورا ریویو محشر خیال پر آجاتا ہے۔ سجاد مرحوم کی جوان مرگی (اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن پر) باعث ہوئی کہ اُنکے نصب العین۔ خیال اور ادب دونوں کو پختگی اور کسی طرز پر قائم ہونے کا موقع نہ ملا۔ فانی۔ اصغر وغیرہ نامور ادیب بھی اگر خدانخواستہ جوان مرگ ہو جاتے تو وہ بھی ترقی و پختگی کے اُن مراتب کو حاصل نہ کر سکتے جو اُنھوں نے برسوں کی جان کاہی کے بعد بالآخر حاصل کیے اور جنکی وجہ سے آج سرمایۂ ناز ادیب ہیں۔

علیگڈھ میگزین کی جو بھی عزت کی جائے۔ بہرحال اردو کے اعلیٰ میگزینوں میں نہ تھا۔ اُس میں مضامین کی اشاعت کسی بلندی خیال یا پاکیزگی ادب کی ضامن نہیں ہو سکتی۔

سخت قابل افسوس اور خطرناک یہ پہلو ہے کہ سجاد فلسفہ۔ اخلاق۔ مذہب سب ہی سے بیزار ہیں۔ فارسی ادب کی عظمت کا ایک فقرہ میں بخیال خود خاتمہ کر دیا ہے۔ گویا اُنکے یہاں کوئی اصول زندگی نہیں۔ بے اصول زندگی محبوب و مقبول ہے۔ اُنکے یہاں تین محبوب ہیں۔ عورت کا شباب، بشرطیکہ وہ عفت و عصمت کی گندگی سے پاک و صاف ہو۔ ایک عزق شباب قحبہ جو کسی کر سے پر فدا و عیش پرستی دے رہی ہو۔ وفا اور پابندی سے سخت بیزار ہو۔ کمال نسوانی کا بہترین اور محبوب ترین نمونہ ہے۔ اسکی تعریف میں انکے تمام مضامین رطب اللسان اور گلریز ہیں۔ اگر حسین و جوان عورت نکاح کر کے عصمت و عفت کی زندگی بسر کرے تو وہ خارج از حیطۂ تنگ نسوانیت ہے۔

دوسرا محبوب "معصیتِ لطیف" ہے۔ گرا دو دیوری کاوش کے مجھکو پتہ نہ لگا کہ ان دو لفظوں کا اصلی مفہوم مضمون نگار کے یہاں کیا ہے۔ پڑھنے والا جس گناہ کا لطف لینا چاہے اسکو لطیف قرار دے لے۔

تیسرا محبوب اُنکا "شیطان اور شیطنت" ہے۔ اول سے آخر تک شیطان اور شیطنت کو سراہا ہے، خلاصۂ کائنات قرار دیا ہے بلکہ پیدائش عالم کی اصل حکمت۔

اسکے مقابلے میں انبیائے کرام۔ ملائکہ مقربین۔ بلکہ اُنکے ڈراما "روز جزا" کا خدا بھی پست دبے وقعت ہیں۔ حضرت جبرئیل اور دوسرے مقرب فرشتوں کی جس طرح اس ڈرامے میں شیطان کے مقابلہ میں تضحیک کی گئی ہے اُسکو پڑھ کر ڈراما نگار کی فہم و دانش پر سخت تعجب ہو سکتا ہے۔

مذہب کے استخفاف سے محشر خیال اول سے آخر تک بھرا ہے۔ مضامین "زلیخا"۔ "روز جزا" وغیرہ میں جس طرح مضامین قرآنی کے مقابلے میں کم فہمی۔ جسارت اور خیرہ چشمی کا ارتکاب ہے۔۔ قابل صد نفرین ہے۔

میں نے مذہبی مبحث پر تین مسلم علماء کی رائے بھی احتیاطاً حاصل کی ہے۔ [1] ناظم صاحب دینیات مسلم یونیورسٹی۔ [2] صدر شعبۂ دینیات یونیورسٹی۔ اور [3] مولوی سید فضل احمد (شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) تینوں میرے خیال سے متفق ہیں۔ اُنکی رائے شامل مسل ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل نگارش ہے کہ ڈراما نگاری کا کمال ان دو لفظوں میں ہے "نقل کا اصل" اسکے لیے ضرور ہے کہ ڈراما نگار اپنے موضوع کا پورا نقشہ اول دماغ میں قائم کرے۔ سجاد مرحوم نے جو سرسری اور سطحی خاکہ قیامت کا کھینچا ہے وہ اُنکے خیال کی بے مائگی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

بہرحال میری رائے میں "محشر خیال" میں نہ ادب ہے اور نہ لٹریچر کی کوئی اعلیٰ خوبی اور نہ تخیل اور نصب العین کی۔ اس طرح یہ کتاب مسلم یونیورسٹی کے اعلیٰ درس میں رہنے کا اپنی کسی خوبی کے لحاظ سے حق نہیں رکھتی ہے۔ اُسکے اوصاف تو اُسکے قدردانوں نے دو تین لفظوں میں بیان فرما دیے ہیں۔ "شعلۂ مستعجل" "ٹمٹماتے اور جگمگاتے" بس یہی پوری تعریف "محشر خیال" کی ہے۔ رات کو جگنو جگمگایا اور ٹمٹمایا، تھوڑی دیر میں شعلۂ مستعجل کے مانند گل اور خاموش ساتھ تاریکی اور اندھیرا۔

(بقیہ صفحہ ۲۴ پر ملاحظہ ہو)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق
لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولا گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ: پانچ روپیہ
ششماہی ۳ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍

نمبر ۲۸ | دوشنبہ - ۱۵ - ذیقعدہ المکرم سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۵ نومبر سنہ ۱۹۴۳ء | جلد ۹

یادِ ایام

(۲)

اودھ پنچ! پرانے اور ابتدائی دور کے اودھ پنچ، سنہ ۱۸۸۵ء سنہ ۱۸۹۵ء تک کے اودھ پنچ سے آپ واقف ہیں؟ اللہ اکبر! کس زور اور دبدبہ کا پرچہ تھا۔ اچھا تھا یا برا تھا، بحث اس سے نہیں۔ ذکر صرف اسکے زور و طنطنہ کا ہے۔ آج اسکی ہجو چھاپ دی۔ کل اسکا کارٹون بنا دیا۔ ابھی اس پر پھبتیاں کسی جا رہی تھیں، ابھی اسکا خاکہ اڑایا جانے لگا۔ اچھے اچھے رئیس، نواب، راجے، مہاراجے، مرعوب و پریشان کہ کہیں ہجو ہماری نہ چھاپ دے۔ اچھے اچھے منشی، اہل قلم، لکھنے والے خائف کہ ظرافت کا رخ کہیں ہماری طرف نہ پھر جائے۔ ہر وقت ہنسنا ہنسانا، کسی کو چھیڑنا، کسی کو بنانا، یہی اسوقت کی ظرافت کا فیشن تھا۔ اور یہی اسوقت کی شوخ نگاری کا معیار۔ — ظریف گویا لکھا پڑھا بھانڈ تھا — سوسائٹی کا یہی مذاق۔ پبلک کی طرف سے اسی کی مانگ۔ اور پرچہ کی طرف سے اسی جنس کی بہم رسانی۔ نام کے لیے پنچ، پٹنہ اور دہلی سے بھی نکلے۔ لیکن ہوا اکھڑی اسی اودھ پنچ کی بیٹھی ہوئی۔ پرچہ کے ایڈیٹر اور مالک منشی سجاد حسین کا کوروی وقت کے سارے ظریفوں کے ابو الآباء بنے ہوئے! سامنے نذرانے پیش ہو رہے ہیں، خوشامدیں ہو رہی ہیں۔

سنہ ۱۹۱۲ء کا اخیر یا سنہ ۱۹۱۳ء کا شروع تھا۔ طالبعلمی ابھی نئی نئی ختم ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ پڑوس میں چند قدم کے فاصلہ پر اردو کے ایک مشہور بے بدل اور سابق ادیب رہتے ہیں۔ جی نے کہا کہ چل کر ایک مرتبہ تو عزیز دیکھیے اور زیارت کیجیے۔ مکان ڈھونڈنے میں دقت نہ ہوئی۔ البتہ مکان دیکھ کر حیرت ہو گئی۔ اندرون محلہ کی ایک سڑک کے کنارے ایک مختصر سی کوٹھری جیسے ریلوے لائن کی گمٹی۔ آگے ایک بودا سا چھپر۔ ادھر ادھر میدان۔ کچھ راہ گیر، کچھ تانگے والے۔ انھیں کے گھوڑے بندھے ہوئے۔ چھپر کے آگے بیچ و بیچ دھوپ میں ایک انسانی پیکر (انسان کہیے یا سابق انسان!) ایک شکستہ سی کرسی پر رکھا ہوا۔ زار و نزار، مجبور و معذور۔ آس پاس نہ کوئی خادم نہ تیماردار۔ یہ مکین تھے اس کھنڈر نما مکان کے! سلام کے جواب میں آواز جو منہ سے نکلی، تو گویا انسان کی نہیں آسیب کی! بالکل ہنہنی۔ سننے والا یا تو سہم جائے، ڈر جائے، اور یا پھر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے — آپ نے پہچانا؟ یہ تھے سنہ ۱۳ یا سنہ ۱۴ء میں مشہور و معروف اودھ پنچ کے ایڈیٹر ظریفانہ ناولوں، افسانوں کے مصنف، زبان کے ماہر، ادب کے استاد منشی سجاد حسین! مفلوج - معذور۔ زندہ، مگر زندگی کے ہر شعبہ سے معزول! —

انشاء، ایک صدی قبل کے ہنسوڑ کا حال زار بھی تو آزاد نے آبحیات میں کچھ ایسا ہی لکھا ہے۔ اُف! مبالغہ کیا ہوگا! لیکن اب مشاہدہ کو مبالغہ کیسے سمجھیے، اور روایت کو روایت پر قیاس کیسے کیجیے!

پرچہ بند ہو چکا تھا۔ پریس بک چکا تھا۔ زندگی کے دن ایک رئیس کی اعانت کے باوجود، خدا جانے کس طرح پورے ہو رہے تھے، اور راتیں کن کن مصیبتوں سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر کٹ رہی تھیں! ہائے اب نہ چہچہے رہے نہ قہقہے، نہ یاروں کے جلسے، نہ رندوں کے جمگھٹے۔ نہ پھبتیاں، نہ تالیاں، نہ قلم پر قدرت نہ زبان میں طاقت، نہ لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں۔ حسرت سے ایک ایک کا منہ تاک رہے ہیں۔ ایک رازدار دست

سے شروع بیماری کا مقولہ بعد کو نقل کیا - کہ کہتے تھے "ہمیں ہنسی کا جتنا ذخیرہ قسمت میں تھا، وہ سب شروع ہی میں خرچ کر ڈالا - اب ہنسنا بولنا ہمارے نصیب میں کہاں! ؟ بہت سے چند ہی روز بعد آکر دنیا کی مشکلیں آسان کر دیں بلکہ بیسیوں نے کاندھا دیا - کتنا ہی کی لحد میں اُتارا - سے گئے -

بہ ہزار داغ زباں نہ چراغے نہ گلے !

آں نئے بڑے بڑے منصور بڑے بڑے زندہ دل

بڑے بڑے ظریف الدولہ اپنے انجام کو یوں اس سے بہت مختلف پہنچ رہے ہیں ؟ ما داغ حسرت ایک - آمن دملجا حسرت ایک -

جز بہ خلوتگاہ حق آرام نیست !

تجدد کی کہنگی

"نسوانی آزادی کے لحاظ سے دنیا سے تو ہم پیا سب سے بڑھا ہوا ملک مصر رہا ہے - یونانی اور رومی تو بعد کو تحقیر کے ساتھ کہا کرتے تھے ، کہ مصری شوہر اپنی بیویوں کے غلام ہوتے تھے"
(فرانسیسی کی کتاب Private Life of Tabonis ، "فرعون مصر توتن خامن کی خانگی زندگی" Intuukhamon ص۲۹)

اب کہیں یہ خوش خیالی قائم رہیگی کہ عورت کی آزادی اور مطالبہ حقوق مساوات یعنی تحریک نسائیت (feminism) دنیا کی تاریخ میں پہلی بار انیسویں اور بیسویں صدی ہی میں نمودار ہوئی ہے ؟ یہ تو تمام تر ۲ ½ ہزار سال کی تاریخ کا اعادہ ہو رہا ہے !

تنقید، تنقید کی غرض سے

بزرگوں کی سیرت نگاری کے اصول کے متعلق (حکیم الامت کی سیرت کی تقریب سے) حال میں مراسلت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی سے رہتی تھی - اس سلسلہ میں مولانا کا مکتوب ذیل ملاحظہ ہو :-

" حکیم الامت قدس سرہ کے متعلق ان شاء اللہ آپ کا قلم لکھے گا ، آپ ہی کا قلم لکھے گا - حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ کوئی ایسی چیز لکھوا دینگے ، دوسروں کے لیے قابل نمونہ رہبری ہو - آپ ہی کی اُمید ہے - اللہ تعالیٰ تو پیغمبر کو بھی سے ملائکہ کے بشر بنا کر اسی لیے بھیجتے ہیں کہ بشر کو بشر دیکھ کر اپنی راہ درست کر سکے - لیکن لوگوں کو کیا کہیے ، انکا ذہن پرانا جاہلی مغالطہ یعنے ابشر یہدوننا (کیا ہماری راہنمائی بشر کریں گے ؟) ہی سامنے آتا ہے - پھر خدا کا بیٹا ، خدا کا اوتار ، الیٰ العیاذ باللہ پیمبروں کو خدا تک بنانے کے لیے تیار - تو جاتے ہیں ، بلا ہر شہادت عقیدت کے ساتھ اس میں کچھ بھی شائبہ کو بھی دخل معلوم ہوتا ہے ، جو آدمی ہو ، آدمی ہی کی صفات رکھتا ہو ، گویا اُسکی انتداد اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے اپنے نزدیک انکی توہین خیال کرتے ہیں - بشری حد تک تو وہ خود اپنے ہی کو حسب کمال کے انتہائی درجہ پر پاتے ہیں - تو اپنی رہنمائی کے لیے اُنھیں کسی " فوق البشر " ملک یا ابن اللہ وغیرہ کی ضرورت ظاہر ہے کہ پیش ہی آنگی ہوا ہوا آپ کھیے اور اپنے نزدیک جو بات حق معلوم ہو اُسکو ظاہر کیجیے

البتہ اس زمانہ کی ایک رواجی بات یعنی "تقریظ" کو بدنام کر کے تنقید کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے ، اس میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جسکے متعلق کہا جائے ، بیچارے میں عیب ہو یا نہ ہو ، لیکن تنقید باقی نہ رہیگی تقریظ ہو جائیگی ، اس لیے زبردستی تلاش کر کے ، آدمی ہو یا کتاب ، ہو کسی نہ کسی قسم کا "بٹ" (But) مارنا ضروری قرار دیا گیا ہے - یہ "بٹ" انگریزی کا مشہور لفظ ہے - کسی کی تعریف کرتے کرتے آخر میں "بٹ" کے ساتھ "بے لاگ تنقید" کا سلسلہ جو شروع کیا جاتا ہے ، میں نے اسی کا نام "بٹ مارنا" رکھا ہے - اور اُن لوگوں کو جو اس طرز تحریر کے عادی ہیں "بٹ مار" کہتا ہوں - خصوصاً سرور کائنات یا قرآن پاک کے ساتھ یورپ کے موجودہ مصنفین کا جو طرز عمل ہے ، یعنی سب کچھ کہہ جانے کے بعد ، آخر میں ایک "بٹ" ضرور مار دینگے - اور ایسا "بٹ" کہ پہلے کا سب کھایا کھلایا برباد ہو کر رہ جاتا ہے - یہ دجالیت کی ایک نئی چال ہے - ظاہر ہے کہ یہ بٹ ماری بھی ایک دوسری قسم کی تقلید جامد ہی ہے - پہلی عقیدت پسندی کی ، تو یہ دوسری بدعقیدگی کی - بہرحال آپ سے اُمید ہے کہ آپ کی فطری سلامت روی کی توفیق اللہ اس معاملہ میں آپ کو عطا فرمائیگا - واللہ یوفقکم لما یحب ویرضیٰ "

مولانا نے دونوں باتیں بالکل صحیح لکھی ہیں - پہلی کیا ہماری قوم میں صدیوں سے پھیلی ہوئی - تحقیق و احتیاط کا صحیح طریقہ حضرات محدثین کے دم سے تھا - وہ حتی الامکان ہر بشر کو اُسکے اصل درجہ پر رکھتے تھے - نہ افراط نہ تفریط - بس اُسکے بعد ہی غلو کا دور شروع ہو گیا - ہر شیخ وقت نبی کریم ، فرشتہ کی طرح معصوم حیثیت سے پیش کیا جانے لگا - اور اب تو بہ توبہ کسی معصیت کا تو ذکر ہی کیا ، اُسکی کسی ادنیٰ بشری لغزش کا بھی نام لینا جرم ، اُنکی کسی تحقیق سے اختلاف کرنا حرام - یہاں تک کہ زبان وادب سے متعلق بھی اُنکی کسی خامی کو گننا سے نکالنا سوء ادب ! دوسری بلا حال کی پیداوار ہے ، اور شاید پہلی سے بھی شدید تر - اعتراض ، اعتراض کی غرض سے کرنا ، عیب ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ، کرید کرید کر نکالنا ، دلیل قابلیت قرار پا گیا ہے - حالانکہ اکثر صورتوں میں یہ تمام تر لکھنے والے ہی کے خبث نفس کا ثمرہ ہوتا ہے - اللہ ان دونوں فتنوں سے ہر اہل قلم کے قلم کو محفوظ رکھے -

رجعت پسندی کا نیا دور

" انسان بالکل سچے سہی گر یہ بھی تو واقعہ ہے ، کہ ہر سچی بات کہنے والی نہیں ہوتی - آنکھیں تو بہت کچھ دیکھا کرتی ہیں ، مگر زبان کے لیے کچھ حدود مقرر ہیں - سب پردے اُٹھا بھی دیے جائیں ، تو بھی کچھ پردے باقی رہ جائیں گے - ترقی پسندنا اگر آدم و حوا کے زمانہ تک دنیا کو واپس لے جائے ، تو بھی پتوں ہی سے سہی ، مگر ستر پوشی باقی رہ جائیگی - حالانکہ یہ پتے بعض بھی باتوں کو چھپانے کا کام دیتے ہیں "

یہ رائے کسی مولوی ملّا نے نہیں ، ملک کے مشہور مزاحیہ ادیب شوکت تھانوی نے حال میں ایک کتاب پر تبصرہ کے ضمن میں ظاہر کی ہے -

— حقائق زندگی کی ترجمانی سے نہ قرآن نے روکا ہے نہ حدیث نے

دے دیا جائے — نفع کامل میں کچھ دیر سہی، لیکن دوا کی تلخیوں سے تو جان بچی رہیگی! مریض کے لیے یہ لالچ کچھ کم ہوتا ہے؟

رفیق قدیم مولوی عبدالباری صاحب ندوی کے ساتھ مل کر دیوبند چلنے کی ٹھہر گئی - اور جون ۱۹۴۸ء کی کوئی آخری تاریخ تھی، کہ صبح کے وقت ہم دونوں لکھنؤ سے لمبا سفر کرکے دیوبند اسٹیشن پہونچ گئے - یہاں کی حاضری کا یہ بالکل پہلا موقع تھا - اسٹیشن پر دیکھا، تو مولانا خود استقبال کے لیے موجود! — مولانا کی بزرگی کے قائل خوش عقیدہ حضرات جس بنا پر بھی ہوں، اپنی نظر میں تو اُن کی بڑی کرامت اُنکا ایثار، انکسار، تواضع، بے نفسی ہی ہے - علم، فضل میں، ارشاد وطریقت میں، بڑے بڑے لوگ مل جاتے ہیں، لیکن جہاں تک،

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت!

کا تعلق ہے، مولانا ۱۹۲۹ء ہی میں نہیں ۱۹۳۳ء میں بھی اس دیکھنے والے کی نظر میں اپنی نظیر بس آپ ہی ہیں - اور محمد علیؒ جوہر کا یہ شعر کہا تو اپنے شیخ کے حق میں ہے، لیکن صادق ان پر بھی لفظ بہ لفظ آ رہا ہے ؎

اُنکا کرم بھی اُنکی کرامت ہے ورنہ یاں
کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی!

دوسروں کو شاید کام لینے میں بھی وہ لطف نہ آتا ہو، جو اِدھر مولانا کو دوسروں کا کام کر دینے میں آتا ہے - گھر پر آکر بیٹھے، تو آپ کے لیے کھانا اپنے ہاتھ سے جا کر لائیں، آپ کے لیے بستر بچھا دیں، سفر میں ساتھ ہو جائے، تو دوڑ کر آپ کے لیے ٹکٹ لے آئیں قبل اسکے کہ آپ ٹکٹ گھر کے قریب بھی پہونچیں، تانگے کا کرایہ آپ کی طرف سے ادا کر دیں، قبل اسکے کہ آپ کا ہاتھ آپ کی جیب تک پہونچ سکے - ریل پر آپ کا بستر کھول کر بچھا دیں، آپ کے لیے لوٹے میں پانی لے آئیں، آپ کا سامان اپنے ہاتھ سے اٹھانے لگیں — تین دن کے قیام میں روایتیں مشاہدہ بنکر رہیں، اور 'شنیدہ' 'دیدہ' میں تبدیل ہو کر - تکلفات اور خاطریں اور مہمانداریاں - کھانے پہ کھانا، اور چائے پر چائے - بیعت کے سوال پر ارشاد ہوا کہ یہاں کیا رکھا ہے، ذرا تھانہ بھون ہو چلیے - یہاں تو نیت پہلے ہی سے تھی، ایک روز سہ پہر کو یہ مختصر سا قافلہ چل کھڑا ہوا - گویا

مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ!

البتہ یہاں ساتھ ایک نہیں، دو دو تھے، اور سفر کعبہ کا نہیں، کعبۂ مقصود کا تھا — ایسی منزل کے لیے رہبر بھی اس سے بہتر اور کون مل سکتا تھا! اللہ اللہ! اس سفر کی سعادت بھی کب نصیب میں معلوم ہوتی تھی!

ہے آرزو کہ ابر دے پُر خم کو دیکھیے
اس حوصلے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے!

(بقیہ صفحہ ۲)

بلکہ عملاً اسکی ترغیب دی اور حوصلہ افزائی کی ہے - لیکن ہمیشہ کسی مقصد صحیح اور اصلاحی غرض سے - جیسے طبیب کے لیے جسم کے پوشیدہ مقامات کا دیکھنا بالکل جائز، بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے عریانی کو محض عریانی کی غرض سے پھیلاتے رہنا، مخالفین دین، مذہب، تہذیب اخلاق کا شیوہ رہا ہے یہ کارنامہ تمامتر نئے ادب یا "ترقی پسند ادب" کا ہے - جیسا کہ اس سے قبل یونانی، رومی، ہندی، جاہلی دنیا میں رہ چکا ہے، اور اسکی خام تقلید کچھ مسلمان اہل ادب بھی اسلامی دور میں اور اسلامی پاکیزگی کے باوجود کرتے رہے ہیں - "ترقی پسندی" کی یہ آئیڈیا درحقیقت مرادف ہے انتہائی رجعت پسندی کے — رجعت قبل اسلام دور کے جاہلی شعر و ادب کی رجعت یونان کے ڈراما نویسوں اور شاعروں اور عرب کے امرؤالقیس کے دور کی طرف، اسلامی شرافت و پاکیزگی اس فحاشی و گندگی کی دشمن جس طرح کل تھی آج بھی ہے -

ایک کلامی مسئلہ

مولوی عبدالرؤف خان صاحب مدرس سراج العلوم (جھنڈانگر - ضلع بستی) لکھتے ہیں :-

"مسئلہ مثیلا اور اسکے متعلقات پر انشاء وسطی خوب بحث ہوئی بحمداللہ اچھا اثر پڑا - اور کتنے معلومات و مسائل اس طرح سامنے آگئے - خدا غفر کرے پر انگیز کر قیر اور اس بات سے معاندین کا در اصل یہ احسان ہے، کہ انکا عناد بھی رفع ذکر کا ایک ذریعہ بن گیا -

کلامی مسئلہ ابو العلا عبدالحمید رحمۃ اللہ علیہ پر مختصر جوابی نوٹ صدق ۲۹، ۲۵ اکتوبر میں شایع ہوا ہے لیکن ہنوز اس مسئلہ کے خلاف شکلیں نہ کہیں کوئی منع یا نقش وارد کرکے اصلی بات عمدہ تردید نہیں ہوئی ہے بلکہ میرے مزید دریافت پر تفصیلی جواب کا وعدہ ہوا ہے - اسلیے عرض ہے کہ دیکھا رہیں جاجت نہیں استفادہ میت - مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے صدر محترم کے حسن توجہ کا بہرحال شکریہ ضروری ہے"

اپنے مراسلہ نگاروں سے

مولوی نذیر حسین صاحب (کراچی) جو حسن ظن اور محبت آپ کو صدق کے ساتھ ہے، کیا ضرور ہے کہ آپ کے حلقہ کے دوسرے حضرات کو بھی ہو - آپ دوسروں کی فکر میں نہ پڑیں - آپ ہی کی عنایت بہت ہے -

ترقی پسند ادب

نئے "ترقی پسند" ادب کے دل پسند ناموں سے اردو لٹریچر میں الحاد، بے دینی، اور عریانی، فحش نگاری کی جو وبا پھیل رہی ہے اسکی مضرتوں کو بالآخر اب ہر سنجیدہ طبقہ محسوس کر رہا ہے اور مختلف حلقوں سے اسکے خلاف آوازیں بلند ہونے لگی ہیں۔ اشخاص کے علاوہ بعض اخبارات و رسائل نے بھی اس کی طرف توجہ کی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے مؤثر اقدام بمبئی کے ایک ادارہ "اردو اصلاح ادب" کانفرنس نے اٹھایا ہے۔ اس کے قیام کا مقصد ہی نئے ادب کی اس بے راہ روی کی اصلاح ہے۔ اور اس میں نئے اور پرانے دونوں خیال کے سنجیدہ اشخاص شریک ہیں۔ چنانچہ گذشتہ اگست میں جناب [illegible] کی صدارت میں جناب راجہ صاحب محمود آباد نے اس کانفرنس کا افتتاح کیا اور جناب الحاج قاضی عبدالحمید صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پروفیسر سلیم چشتی لاہور اور دوسرے مختلف طبقہ و خیال کے اشخاص نے تقریریں کیں۔ ضرورت ہے کہ سنجیدہ اخبارات و رسائل بھی اس اخلاقی اصلاح میں اپنا حصہ لیں۔

کہا جاتا ہے کہ نیا ادب زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان اور ہماری معاشرتی خرابیوں کا مصلح ہے اور سیاسی انقلاب، مظلوموں، کسانوں اور مزدوروں کی حمایت و ہمدردی اس کا مقصد ہے۔ یہ سب تسلیم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ الحاد و بے دینی اور عریانی، فحش نگاری ان میں سے کس چیز کے لیے ضروری ہے۔ اور کیا بغیر اسکے معاشرتی خرابیوں کی اصلاح اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ پریم چند کے افسانوں اور ناولوں میں نئے ادب کا کونسا مقصد موجود نہیں ہے بلکہ انھوں نے اس زمانہ سے ان مقاصد کی تبلیغ شروع کی جب موجودہ ترقی پسند ادیبوں نے ہوش بھی نہ سنبھالا تھا۔ اور انھوں نے جو روح پیش کی ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے ہمارے ادیبوں کو عرصہ لگے گا۔ لیکن اس کے باوجود مذہب کے استخفاف اور فحش نگاری کا کیا ذکر، انکی تحریریں متانت کے حدود سے نہیں نکلنے پائی ہیں۔ اور دین و مذہب اور سیاست ہر چیز کو اپنے درجہ پر رکھا ہے۔ اگر معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اخلاقی کمزوریوں کا ذکر ناگزیر ہو تو اس سے اس طرح گزرنا چاہیے کہ اصل مقصد بھی فوت نہ ہو اور ادب کی پاکیزگی پر بھی دھبا نہ آنے پائے۔ یہی ایک اچھے ادب کا کمال ہے۔

نئے ادب والوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ خود انکے مقصد کے لیے مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ غیر سنجیدہ تحریر کا اثر اچھا اور دیرپا نہیں پڑتا۔ جو ادب سنجیدگی کے دائرہ سے نکلے گا، ممکن ہے زمانہ کے فساد مذاق کی وجہ سے اسکو عارضی فروغ حاصل ہو جائے لیکن بالآخر ختم ہو جائیگا۔ ہماری پرانی شاعری آخر کیوں بدنام اور آج کیوں دم توڑ رہی ہے۔ جان صاحب کی ریختی، امانت کا واسوخت اپنے دور کے رجحانات کے پورے ترجمان اور ترقی پسند ادب کی اصطلاح میں ادب و زندگی کی مطابقت کا نمونہ بھی ہیں۔ لیکن آج انکا جو درجہ ہے وہ معلوم ہے۔ ایسی حالت میں آج کے غیر سنجیدہ لٹریچر کے ساتھ کل زمانہ جو فیصلہ کریگا اسکا اندازہ ہو جانا چاہیے۔

ترقی پسند اپنے اس ادبی تنزل کو روشن خیالی اور آزادی، اور اسکے مخالف سب کشائی کو تنگ نظری اور رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں، شاید انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آزادی اور روشن خیالی ایک خاص دائرہ کے اندر تو آزادی ہے، اس سے باہر نکل کر وحشت بن جاتی ہے۔ بلکہ بے قید آزادی ہی کا نام وحشت ہے۔ تہذیب شائستگی نام ہے پابندیوں کا۔ ایک مہذب انسان مختلف قسم کے قیود اور ضابطوں کا پابند ہوتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں ایک وحشی انسان پر کوئی پابندی نہیں۔ شائستگی کا درجہ جتنا بڑھتا جائیگا اتنی ہی پابندیاں بڑھتی جائینگی۔ پھر قانوناً و اخلاقاً آزادی کی اجازت اسی حد تک ہے جب تک دوسروں کے حقوق پر اسکا اثر نہ پڑے۔ دوسروں کے حقوق کی سرحد شروع ہوتے ہی آزادی پر پابندی عائد ہو جاتی ہے۔ اسی پر ہم سب کا عمل ہے۔ بڑے سے بڑا ترقی پسند انقلابی بھی کسی کے عزیز اور بزرگ کی سچی اور واقعی برائی بھی علانیہ بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور نہ اسکو قانوناً اور اخلاقاً اسکا حق ہے۔ ایسی حالت میں خدا و رسول اور مذہب کا استہزاء جو ایک مسلمان کی سب سے زیادہ عزیز متاع ہے کس آئین سے جائز ہو سکتا ہے۔ کیا مشق آزادی کے لیے صرف مذہب ہی رہ گیا ہے؟

نئے ادب کو سب سے زیادہ بدنام ان نام نہاد ترقی پسندوں نے کیا ہے جنکو اس کی اصلی غرض و غایت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ انکو اس کی علمی اور سیاسی حیثیت سے واقفیت ہے۔ بلکہ انکا مقصد صرف اپنی گرمی بازار ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ نئے بازار میں اسی جنس کی مانگ ہے، اس لیے پرانے بازار سے اپنی دکان بڑھا کر نئے بازار میں لگا دی۔ یہی وجہ ہے کہ نئے ادب کے دعوے کے برعکس انکے ادب اور انکی زندگی میں کوئی مطابقت نہیں۔ زبان پر انقلاب اور مزدوروں کی ہمدردی کا نعرہ ہے لیکن زندگی سراسر رندانہ۔ زبان سرمایہ داروں کی دشنام طرازی میں مشغول ہے لیکن پیٹ انکے خوان کرم کا ریزہ چین ہے۔

(معارف)

عورت جنگ کے بعد

اس جنگ کے بعد زندگی کے جہاں دوسرے شعبوں سیاست و معیشت میں تغیرات ہونگے، مذہب کی طرف بھی پلٹنا پڑیگا۔ جیسے میلانات ابھی سے پیدا ہو گئے ہیں اور معاشرت میں بھی ایسی تبدیلیاں رونما ہونگی جن سے عورت کا مقام پھر گھر بن جائیگا۔ اسکے آثار ابھی نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ برطانوی وزیر [illegible] نے [illegible] کی عورتوں کی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے حال ہی میں کہا کہ سب سے بڑا کام جو جنگ کے ختم پر کیا جائیگا وہ خاندان کے ادارہ کو مروج کرنے کا فیصلہ ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ مملکت نے بھی گھر

مراسلہ

"ترقی پسند" ادب

فی الحال ترقی پسند ادب کے علم برداروں کی کئی قسمیں نظر آرہی ہیں ایک تو وہ جو نثر غیر منظوم کے قائل ہیں، دوسرے وہ جو نظم منثور کے ماہر ہیں، تیسرے وہ جو نظم منثور میں تناسب وزن کا خیال رکھتے ہیں، چوتھے وہ جو قافیہ، ردیف اور وزن کو فضول اور ترقی کی راہ میں روڑے سمجھتے ہیں، پانچویں وہ جنکے خیال میں ایک شعر کے دونوں مصرعوں کا ہم وزن ہونا ضروری نہیں ہے، چھٹے وہ جو ایک شعر کے دونوں مصرعوں کے ہم وزن ہونے کے تو قائل ضرور ہیں مگر اس امر کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ دونوں مصرعوں میں کچھ تعلق یا ربط بھی ہونا چاہیے۔ ساتویں وہ جنکی نگاہوں کے سامنے روس کی سرخ تحریک چومیسوں گھنٹے پھریرے لہرایا کرتی ہے، آٹھویں وہ جنکے مطمح نظر ہندوستان کی کانگریسی تحریک یا اسی قسم کے دوسرے بین الاقوامی تمدنی مسائل رہا کرتے ہیں۔ نویں وہ جو سرمایہ داروں کے مظالم کی داستانیں بیان کرکے غریب اور مزدور طبقے کے ساتھ اپنی خالص ہمدردی ظاہر کرکے ان کے خلوص سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ دسویں وہ جو ضدی اور سرکش ہیں جنکا مقصود عام اصول کی مخالفت اور مروجہ قوانین کی عداوت ہے۔ گیارہویں وہ جو مذہب سے بیزار، خدا کے منکر، دنیا و عقبیٰ کے متعلق منافقانہ خیالات رکھتے ہیں۔ بارہویں وہ جو آرٹ کے پردے میں عریاں نویسی کے جوہر دکھایا کرتے ہیں اور ملک کی تہذیب اور کلچر کی وقعت و عظمت کو تباہ و برباد کردینے کے لیے ہر وقت کمربستہ نظر آتے ہیں۔ ان چند قسموں کے علاوہ اور بھی بہت سی قسمیں ہیں جنکے تذکرہ سے سوائے تضیع وقت کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ ہر طبقہ اپنے اپنے فرائض بڑی کوشش اور تندہی سے انجام دے رہا ہے۔ ان حضرات کی روزافزوں گرم بازاری کو دیکھتے ہوئے اس میں کوئی شبہہ نہیں کیا جاسکتا کہ ملک کی بڑی بڑی قوتیں انکی پشت پناہی اور ہمت افزائی کررہی ہیں۔

ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ترقی پسند شعرا کا کلام ناموزوں ردیف و قافیہ کی قید سے آزاد ہے یا ایک شعر کے دونوں مصرعے غیر مربوط اور غیر منتظم ہیں۔ ہم کو اسکی بھی پروا نہیں کہ انکے خیالات روایتی رسم و عادی امور کے آئینہ بردار ہیں اور وہ پرانے اصول و قوانین کے سخت ترین دشمن یا زبردست اور شہزور مدمقابل ہیں۔ ہم کو اس سے بھی کوئی مطلب نہیں کہ وہ جرمن اور جاپان کی خونخوار اور وحشتناک تصویریں دکھاکر نیز سرمایہ داروں کے مظالم کی داستانیں سناکر ملک و قوم کو بیدار کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں یا روس کی سرخ تحریک اور ہندوستان کی کانگریس کمیٹی نیز اسی قسم کی دوسری بادقار جماعتوں کو نیست و نابود کردینے کے درپے ہیں۔ ہم کو ان لوگوں کا بھی کچھ خیال نہیں جو ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہیں اور اپنے اعتراف شکست کو اپنی بساط سے زائد باتیں بناکر برسرعام پیش کرنے کی الٹی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بلکہ ہمارے پیش نظر وہی لوگ ہیں جو خدا سے انحراف کرنے اور عریاں نویسی میں اپنے جامہ سے باہر ہوئے جارہے ہیں جنکی تحریکوں اور تحریروں سے ایسے جراثیم پیدا ہورہے ہیں جو مذہب کے لیے قاتل اور تمدن و تہذیب کے لیے کافی دشمن ہیں۔ کیا ترقی پسند ادب اسی کا نام ہے کہ جو کچھ زبان سے نکلے وہ شعلہ بار اور آتش ریز تو ہو مگر ان شعلوں میں قصر حیات کو جلا دینے والی چنگاریاں اور اس آگ میں قصر تہذیب کو پھونک دینے والے سر بفلک لوکے منظر ہوں۔ کیا ترقی پسند ادیب کا یہی فرض ہے کہ وہ جوش عمل میں آگے تو بڑھتا چلا جائے مگر نگاہیں اسکی منزل مقصود کو نہ پہچان سکیں۔ کیا رومان اور آرٹ کو ظاہر کرنے والے وہی جملے اور مقولے ہوتے ہیں جو عریانی کے شاہکار، غیر مہذب شہوت پرست طبع کی دلی ترجمانی کرنے والے ناقابل اعادہ جملے ہوا کرتے ہیں۔ کیا افسانوں کا تاثر اور رنگینی اسی میں پوشیدہ ہے کہ ہیرو کو خدا کا منکر اور ہیروئن کو مذہب سے نفرت کرتے ہوئے پیش کیا جائے۔ کیا نظموں اور اشعار کی بلند پروازی اسی وقت مسلم ہوتی ہے جبکہ منزل معانی تک پہنچنے کے لیے شلوار کے نیفے کی پیچ پیچ شکنوں کے راستے سے گزرنا پڑے یا کسی حسینہ کے جوش جوانی کو ظاہر کرنے والی کوہ ہمالیہ دکوہ بندھیاچل کی فلک نما چوٹیوں کو عبور کرنا پڑے۔ کیا تخیل کی معراج اسی امر پر موقوف ہے کہ مجازی خداؤں کو ایسے اوصاف سے متصف کیا جائے جسکے بعد معبود حقیقی کی کوئی عظمت و وقعت باقی نہ رہے ۔۔۔۔ اس فن ساز (ماہر) اس اسٹیج کے اداکار اور اس اسکرین کے اسٹار اسی گروپ کے بعض افراد ہیں جنکو ترقی پسند، نئے ادیب یا نوجوان ادیب کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے ادیبوں کے متعلق جناب شوکت تھانوی نے اپنی تازہ ترین تصنیف "شیش محل" میں خوب لکھا ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایسے ادیبوں کے متعلق یہ طے کرنا بہت دشوار ہے کہ وہ ترقی پسند زیادہ ہیں یا ادیب زیادہ۔ اس معمہ کا فیصلہ ایک عقل سلیم بہتر سے بہتر جو کرسکتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ترقی پسند شاعر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ خواہ شاعر باقی رہیں یا نہ رہیں مگر ترقی پسند ضرور رہیں۔ نیز بہت سے ایسے نظر آتے ہیں جنکے کلام میں ترقی پسندی تو غالب ہے مگر شاعری غائب۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ ایسے اشخاص ترقی کم، پسند زیادہ، ادیب بالکل نہیں ہوکر رہ گئے ہیں۔

ہماری اس تحریر سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کو فحش نگاری یا عریاں نویسی صرف موجودہ دور کے ترقی پسند ادیبوں کی ناپسند ہے بلکہ ہم بلاشبہہ ان تمام باتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو تہذیب، تمدن، اخلاق، مذہب اور ادب کو نقصان پہونچانے والی ہوں۔ خواہ وہ ترقی پسند ادیبوں کی جانب سے ہوں یا وہ غیر ترقی پسندوں کے قدیم و جدید لٹریچر میں نظر آئیں۔

اسعد انصاری۔ (ہومیوپیتھ ڈاکٹر) گوئین روڈ۔ لکھنؤ

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ)

ایڈیٹر:۔ عبدالماجد
پتہ:۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:۔ (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور تمامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
رشید آباد بلبس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

جلد ۹	دوشنبہ - ۲۹ - ذیقعدۃ المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۹ - نومبر ۱۹۴۳ء	نمبر ۳۸

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

"مزار اشرف" پر حاضری کی تمنا دل میں عرصہ سے تھی۔ جولائی کے مہینے سے یہ قرض برابر چلا آرہا تھا۔ نوبت وسط نومبر میں آئی۔ ۱۵ ء کی دوپہر سے ذرا قبل تھانہ بھون ٹاون اسٹیشن پر اُترا، اور سیدھا مزار پر حاضر ہو گیا ——

تھانہ بھون کی حاضری اس ۱۵ برس کے عرصہ میں خدا جانے کتنی بار ہو چکی تھی۔ آج کا سفر ان سارے سفروں سے کتنا مختلف تھا! ہر بار کتنا اشتیاق ہوتا تھا! کیسا قوی اور کامل یقین کہ دکان کھلی ہوئی ہے، مطب گرم ہے، جاتے اور پہونچتے ہی مرہم شفا ہاتھ میں ہوگا، ہر درد کی دوا، ہر زخم غم سے تشفی! آج رُت بدلی ہوئی تھی۔ آج قسمت اُلٹی ہوئی تھی۔ دکان بند، مطب اُجاڑ! شفا کے بجائے حسرت شفا، دوا کی جگہ دوا کی یاد! لیکن کیا عرض مکان! —— خوشگوار یادوں کا محفوظ رہ جانا بھی اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے!

---

۱۵ برس کا خوب جانا پہچانا ہوا، سچا سہی بارکا چڑھا اُترا ہوا، اسٹیشن آج کچھ اجنبی سا تھا، مانوس آج نامانوس تھا۔ ہر بار حضرت کا کوئی خادم اسٹیشن زینت افزائی کے لیے موجود ہوتا تھا۔ اور ایک آدھ بار تو حضرت نے کرم کی حد کر دی تھی، کہ بنفس نفیس تشریف لے آئے تھے! آج یہ سب خواب وخیال تھا! اسٹیشن سے مزار کا فاصلہ ہی کتنا؟ پورے دو فرلانگ بھی تو نہیں۔ اور مزار؟ آہ! مزار! نہ کوئی بلند گنبد، نہ کوئی کلس دار قبہ، نہ چار دیواری، نہ "آستانہ"، نہ حجلہ، نہ کٹہرا۔ ایک اوسط درجہ کی وسعت کا

باغ۔ ایک سمت میں ایک مختصر پُر فضا عمارت۔ وسط باغ میں چند گز مربع کا ایک مسطح تختہ، اور وہی اللہ کے اس فقیر کی خوابگاہ! نہ شامیانہ نہ چھت، صرف آسمان کی کھلی ہوئی چھت کے نیچے ایک نیچی سی کچی تربت! سادگی کی تصویر صاحب قبر کی بے نفسی کا آئینہ! نہ لوح نہ کتبہ، نہ پھول نہ چادر۔ چند قدم کے فاصلہ پر بھی بگرامی مرحوم اور دوسرے عین پیشوائی کے شوق میں پہلے ہی سے پہونچے ہوئے۔ شیخ کی قبر ان سب قبروں سے بھی پست! —— زندگی میں بھی تو اپنے کو اپنے متوسلین سے پیچھے رکھتے تھے!

تصور کی آنکھ نے کیا کیا دیکھا، تخیل کے کان میں کیا کیا آوازیں آئیں، کوئی کہے بھی تو کس زبان میں کہے!

ایں مدعیان در طلبش بیخبرانند!

مدت ہوئی ایک بار امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مزار کی زیارت ہوئی تھی۔ بس کہنا چاہیے کہ وہی نقشہ یہاں بھی ہو بہو موجود، وہی شورش، وہی شورش، وہی سکینت وہی ٹھنڈک! وہی ہیبت وہی جلال، وہی اُنس وہی جمال!

مرآت کمال ذوالجلال!

جی میں آیا کہ مٹی اُٹھا کر آنکھوں سے لگائیے۔ عقل نے کچھ اور ہی سمجھایا۔ روتی ہوئی آنکھوں اور روتے ہوئے دل کے ساتھ سلام رخصت عرض کیا۔ اور اپنے کو خانقاہ تک پہونچایا۔ خانقاہ! آہ، وہ روح جسے جسد، وہ مکان بے مکین وہ انگشتری بلا نگیں! مدرسہ چل رہا تھا، لیکن سو دری خاموش ویران، بجھی ہوئی شمع، ایک ہُو کا عالم، سناٹے کا مقام۔ نہ دری نہ جاجم، نہ تکیہ نہ مسند، نہ ڈسک نہ قلمدان۔ یاد ایک ایک چیز کی آتی تھی،

روسی جانبازیاں:

کیا انکا تعلق اشتراکیت سے ہے؟

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

مصر کے مشہور علمی مجلہ الہلال کے اکتوبر والے پرچہ پر اتفاق سے نظر پڑی، اس میں ایک دلچسپ مضمون

"ذکریات ایفان رہائیل"

کے عنوان سے بھی درج تھا۔ یہ قدیم روس کی تاریخ کا ایک واقعہ تھا۔ ایفان رہائیل ایوان کا معرب شکل ہے۔ اور الرہائیل کا ترجمہ ہولناک یا خوفناک ہو سکتا ہے۔ اسی میں لکھا ہے کہ یہ در اصل روسیوں کا پیٹر (پیٹس) الامپراطور کا عربی نام تھا۔ ۱۵۵۳ء میں ایک انگریزی بحری کپتان جو سپہ سالار تھا، اسی امبراطور (زار) کے زمانہ میں اتفاقاً اس طریقہ سے پہونچ گیا تھا کہ بحر منجمد شمالی میں "سرپسوگ دلیول" وہ جہاز جس پر یہ بحری کپتان سوار تھا تباہ ہو گیا۔ مدادی کشتی پر سوار ہو کر کسی طرح وہ بحیرائی بندرگاہ پر جا کر اترا، اور وہاں سے دہ ماسکو پہنچا، اس زار نے اجنبی تجارت کی اس زمانہ میں اپنے حدود سلطنت میں ممانعت کر دی تھی، انگریزی کپتان زار سے اسی لیے ملا کہ اسے روس کے علاقہ میں تجارت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ بہر حال اسی کے بعد اس انگریز کپتان نے جسکا نام "رچرڈ چانسلر" تھا، ماسکو اور دربار زار کے کچھ چشم دید واقعات اور سولھویں صدی میں روسی ممالک کے باشندوں کا جو حال تھا، قلم بند کیا تھا اسی کی کتاب سے حسب ذیل معلومات صاحب مضمون نے ترجمہ کرکے شایع کیے ہیں، عربی سے میں اسکو اردو میں اس لیے منتقل کر رہا ہوں۔ کہ روسیوں کی جن جان فروشیوں کے چرچوں سے آج دنیا گونج رہی ہے اور بلا شبہ اپنی حد تک وہ ستایش ہی کے قابل ہے اسکے متعلق یہ سوال۔ کہ کیا یہ اشتراکیت کی کرامت ہیں؟ غالبًا اسکا جواب ان کے متعلق مل سکتا ہے۔ بہر حال رچرڈ چانسلر بحری کپتان کا بیان سنیے لکھتا ہے —

"یہ بادشاہ (ایفان ہائل یا ایوان خوفناک[1]) بہت سے علاقوں پر حکمران ہے اپنے زیر تسلط علاقوں پر بڑا زبردست اقتدار اسے حاصل ہے۔ اسکی رعایا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے بادشاہ کی امداد خواہ وہ کسی چیز کا جس مقدار میں بھی ضرورتمند ہو، دل و جان سے دینے پر مضطر نظر آتی ہے ..... آس پاس کے علاقوں میں سے اگر کوئی اس بادشاہ کے بھروسہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو فوراً ایک عظیم الشان فوج وہ مرتب کر سکتا ہے جسکی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں ہو سکتی، بادشاہ کا دستور ہے کہ فوجی ضرورتوں کے موقعہ پر وہ اس تین لاکھ کی فوج سے

[1] انگریزی میں اس مشہور روسی شہنشاہ کا نام Ivan the Terrible یعنی "ایوان دہشت انگیز" (صدق)

ایک لاکھ سپاہیوں کو تو میدان جنگ کی طرف روانہ کرتا ہے، اور باقی فوج ملک کے مختلف مرکزی شہروں اور مقامات کی حفاظت کے لیے متعین کر دی جاتی ہے۔

یہ بھی اس بادشاہ کا قاعدہ ہے کہ فوجی کام کے لیے وہ نہ کسانوں کو بھرتی کرتا ہے اور نہ تجارت پیشہ لوگوں کو بلکہ ان لوگوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ اپنے کاروبار میں مشغول رہیں، جسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسکے ممالک محروسہ میں نوجوانوں کی کافی تعداد ہے جو جنگی مہموں کو سر کرنے کے لیے بس کرتے ہیں۔ لڑائیوں میں جب کوئی سپاہی امتیاز حاصل کرتا ہے تو بادشاہ کی طرف سے اسے جاگیر عطا ہوتی ہے، جو نسلاً بعد نسل اسی کے خاندان میں محدود رہتی ہے البتہ اگر کوئی وارث چھوڑے بغیر مر جاتا ہے تو پھر جاگیر خالصہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ کہا گیا، رعایا اپنے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کے انتہائی حدود تک پہونچی ہوئی ہے معلوم ہے جس چیز کا کبھی جسوقت رعایا سے مطالبہ کرتی ہے نہایت فراخدلی سے بسر و چشم ہر ایک اس مطالبہ کی تکمیل پر آمادہ ہو جاتا ہے اس باب میں یہاں کے باشندوں کی حالت ایسی ہے کہ بظاہر باہر سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ جو بادشاہ کی خدمت میں اسکے مطالبوں کو پیش کر رہے ہیں، ان مطالبوں کے مقابلہ میں شاید ان کو دوسرے دن معاوضہ ملے گا۔ ملک کے باشندوں کا عام قول جو ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا ہے یہ ہے کہ "ملک اللہ کا ہے اور بادشاہ کا" وہ یہ نہیں کہتے جیسے ہمارے ملک (انگلستان) میں کہا جاتا ہے کہ "ملک اللہ کا ہے اور ہمارا ہے"۔

کاش! اس ملک کے باشندے پڑھے لکھے ہوتے، تو میرا خیال ہے کہ ان سے ایک ایسی فوج تیار ہو سکتی ہے جس کا مقابلہ یورپ کی موجودہ حکومتوں میں سے دو حکومتیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں، اور نہ اسکے آگے ٹھہر سکتی ہیں۔ الغرض یہ روس کے رہنے والے سخت جنگ آزما، جفاکش محنتی ہونے کے ساتھ اپنے بادشاہ کے ساتھ اخلاص کے انتہائی درجہ درجہ پر ہیں بادشاہ کی خدمت گزاری میں یہ بالکل فانی نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انکے بادشاہ کو جنگ کے مواقع پر کسی قسم کی دشواری ہی چنداں پیش آتی ہے، اور نہ روپیہ ہی زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے کیونکہ فوج تنخواہ کا مطالبہ نہیں کرتی۔ البتہ خاص خاص ضرورتوں سے باہر کے جو لوگ فوج میں نوکر ہیں وہ مقررہ تنخواہ پاتے ہیں،

ان روسیوں کا نظام عدالت بہت ہی عجیب ہے۔ یہاں عدالتوں میں اس طبقہ کا پتہ بھی نہیں، جو حکام کے آگے قانونی پیروی کرتا ہے۔ (یعنی وکلاء کا طبقہ) بلکہ —— ہر شخص اپنے معاملات کو حکام کے آگے براہ راست خود پیش کرتا ہے اور جو بات اس سے پوچھی جاتی ہے اسکا تحریری جواب وہ حاکم کے سامنے پیش کر دیتا ہے (ہمارے ہم انگریزوں کا جو طریقہ اس باب میں ہے اس سے یہ حال بالکل مختلف ہے) اسی طرح رعایا میں سے کسی کو کوئی شکایت حکومت کے عہدہ داروں وغیرہ سے اگر پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ براہ راست جلالتمآب ڈیوک (بادشاہ) کی خدمت میں

کہ کر عرضیہ پیش کرتا ہے اور دست بدست اسکے حوالہ کرتا ہے۔ ڈیوک
پھر حسب قانون اسکے متعلق خود فیصلہ کرتا ہے، اور یہ بات بھی بڑی
دل آویز معلوم ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا
پر کتنا مہربان ہے۔

اس ملک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں ناداروں اور مفلسوں
کی بڑی کثرت ہے۔ بیچارے سخت مصیبت اور کلفت کی زندگی گذارتے
ہیں، میں نے مصنف کو دیکھا کہ سڑی مچھلی بڑے ذوق و شوق سے کھا رہے
تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بہترین قسم کا لذیذ کھانا کھا رہے ہیں۔ میرا
تو خیال ہے کہ کرۂ آفتاب زمین کے جس جس حصہ پر چمکتا ہے، کسی میں اس
علاقے کے باشندوں سے زیادہ مفلس اور سخت مصیبت کی زندگی رکھنے والا
شاید ہی کوئی ہوگا۔

آگے رچرڈ نے زار کی ایک دعوتی مجلس کا ذکر کیا ہے۔ جس میں وہ
خود بھی بلایا گیا تھا۔ دو سو مہمان مدعو تھے، خود زار بھی اس میز پر مہمانوں
کے ساتھ بیٹھا تھا، البتہ اسکی کرسی ایک لمبے چبوترے پر تھی اور دوسرے
لوگ نیچے کی کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے۔ جس چبوترہ پر بادشاہ کی کرسی
تھی، وہ زریں اور مخملی قالین کے فرش سے آراستہ تھا، خود زار زریں
لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے مجلس میں آیا۔ کھانا اینٹا۔ سونے کی رکابیوں
اور پیالیوں میں رکھا گیا تھا۔ سرد کرنے والے بھی زرق برق سنہرے
لباسوں میں مہمانوں کے ارد گرد آجا رہے تھے۔

بہرحال یہ ہے رچرڈ صاحب کی کتاب کا۔ وہ حصہ جو عربی میں نقل
ہوا ہے۔ آخری حصہ سے قطع نظر کرکے رچرڈ نے روس کے باشندوں
کی جو حالت آج سے تقریباً چار سو سال پہلے کی لکھی ہے۔ الفاظ کے سوا
غور کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا کچھ اور بھی بدلا ہے۔ میں تو
خیال کرتا ہوں آج جو کچھ وہ ہیں اگر بالکلیہ کل ہی وہ نہ تھے۔ تو
آج کے نتائج کسی دوسری چیز سے نہیں بلکہ "کل" ہی کے حالات سے
پیدا ہوئے ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ رچرڈ کا گذشتہ بالا بیان اگر صحیح
ہے، تو پچھلے دونوں روس کی حیرت انگیز مدافعانہ جد و جہد اور اس جد و
جہد کی مدہش قربانیاں خصوصاً اسٹالن گراڈ میں جن پامردیوں نے
مگر یوں، قربانیوں کا ثبوت اس قوم نے پیش کیا ہے اسکی توجیہ دراز
ہو جاتی ہے۔ گویا جس ڈھول کو آج اشتراکیت اور بالشویکیت کے
گلے میں ڈال کر پیٹنے والے پیٹ رہے ہیں، اشتراکیت کی شان
میں مدحی قصائد پڑھے جا رہے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ دراصل روسی
قوم کا ایک موروثی حق تھا، جسے بلا وجہ غصب کرنے کی غیر منصفانہ
کوشش کی جا رہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والعہدہ علی الراوی۔ مگر
اس سے اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے جب بھی نپولین کے حملہ اور گذشتہ قیصر کا برپا
کیا ہوا "محمہ کبریٰ" ان دونوں موقعوں پر روسیوں نے کیا کم جانبازیاں دکھائی تھیں؟

ہاں صاحب اسی الہلال میں ایک مختصر سی بات اور نظر پڑی۔ جی میں آیا
کہ کاغذ باقی ہے، اسکا ذکر بھی کر ہی دوں۔ مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ابتدا
گیس یا کسی سحابی یا ضبابی سیال مادے سے ہوئی۔ اس مسئلہ کو اسکول کے بچے
ہی نہیں، بلکہ کالج کے بوڑھوں بوڑھوں کو دیکھا جاتا ہے اگرچہ یہ بوڑھے بھی
اب تو بچوں ہی کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں، خواہ بنگال اور اڑیسہ
کے فاقہ زدہ بیمار بچوں کے بچوں ہی کی صورتیں کیوں نہ ہوں مگر ہو گئی ہیں)۔ ان
بوڑھوں کی صورتیں کچھ بچوں ہی کی سی، خیر بڑا ہو یا چھوٹا، جوان ہو یا بوڑھا
ہر ایک آغاز کائنات کے اسی گیسی قصہ کو اس تعلیقہ کے ساتھ بیان کرتا ہے
کہ گویا اللہ میاں جب دنیا بنا رہے تھے یا اللہ میاں نہ سہی اللہ کے بغیر دنیا
بن رہی تھی، تو قلم دوات کاغذ لیے ان میں ہر ایک اس سیالی مادہ کی انقلابی
منزلوں پر کھڑا تھا، اور جو کچھ ہوتا جا رہا تھا، اسے احتیاط سے ضبط کرتا
چلا جاتا تھا، جب مادہ کی گردش نے کائناتی کردوں کو جدا کیا، جب یہ ٹکڑے
ٹوٹ ٹوٹ کر مرکز کے مستقل وجود (آفتاب) کے گرد گھومنے لگے۔ جب ان
کردوں کی سیالیت بہ تدریج انجماد سے بدلنے لگی . . . .
جب انجماد نے بالآخر اسکو ٹھوس مادہ کی شکل میں تبدیل کیا۔ جب ان میں
نباتی روئیدگی کی صلاحیت پیدا ہوئی، جب نباتی صلاحیتوں نے
اچھل کر . . . . حیوانی قوتوں میں قدم رکھا جب انسانیت کا [illegible]
سے انتہا تک ہر ہر منزل میں رپورٹر موجود تھے، جو ہو رہا تھا، اسے نوٹ کرتے چلے
جا رہے تھے، ان کے لب و لہجہ، بیان کے انداز انداز کے کرشمہ و ناز ہر چیز
سے یہی بات ٹپکی پڑتی ہے، اللہ میاں نے قرآن میں شاید ان ہی لوگوں کے
متعلق فرمایا تھا۔ ما اشہدتہم خلق السماوات والارض ولا خلق انفسہم (میں نے
تو نہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرتے وقت ان لوگوں کو گواہ بنایا تھا اور نہ اس
وقت جب انکی پیدائش کا وقت تھا) لیکن اللہ میاں کچھ کہیں انکو تو کہا
جاتا ہے کہ اس وثوقی انداز میں اس افسانہ کو بیان کرتے ہیں جیسے انہیں کے
سامنے کی گزری ہوئی بات ہے، میں نے اپنے مذاق کی بنیاد پر اس قسم کی تمام
باتوں کا "لحافیات" نام رکھا ہے، یعنی لحاف میں منہ لپیٹ کر جو باتیں بنائی
جاتی ہیں، صبح سے شام تک "لسی خیالی" نوعیت کی باتیں سنا دیتا ہوں دوسروں
کے یقین اور اپنی ارتیابیت پر حیرت ہوتی ہے۔ دل اکثر پوچھتا ہے کہ انکی سمجھ
میں وہی بات کیوں نہیں آتی جو میری سمجھ میں آتی ہے۔ انھوں نے قرآن نہیں پڑھا
ہے۔ انسانی دماغ کی منطق قرآن کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی، واقعات کی گرفت
کا ملکہ ذہنوں میں قرآن کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی جواب ملتا ہے۔ خیر تمہید
لمبی ہو گئی، غرض یہ ہے کہ اسی الہلال کے ذیلی نوٹوں میں کہا گیا پتھر کوئلے
کے متعلق عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ کسی زمانہ کے جنگل جو زمین میں دب گئے
تھے ان ہی جنگلوں کی لکڑیوں نے سڑنے کے بعد مختلف تدریجی تاثرات سے
گزر کر پہلے گندم گوں رنگ اختیار کیا، پھر اسکی شکل "بیچ" یا تار کی ہو گئی تاری
بالآخر انتراسیٹ بن گیا اسی کا نام پتھر کا کوئلہ ہے۔ لیکن ایک جرمنی فاضل
ڈاکٹر فیشر کا بیان ہے کہ زمین سے تین ہزار فٹ نیچے انکو خوردبین کے ذریعہ
بکثیر یا جراثیم نظر آئے جنکو دیکھ کر ڈاکٹر کو رلے بدلنی پڑی اور اب انکا خیال ہے
کہ لکڑی کے سڑتے ہوئے متعفن اور کو ان ہی بیکٹیریا یا جراثیم کا ہوا دراصل کوئلہ کی
شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ گویا درمیان میں انقلابات کے سارے افسانے
لنے تر: کہ اب افسانے ہیں۔ یہ بھی دیکھ کر خیال گزرا کہ اس مسکین آدمی کو ایک نوٹ

[illegible] یا اس نے مغربی خیالات سے اپنی شاعری میں رنگا رنگی پیدا کی ہے ۔ راشد کو تو میں نے ایک مثال کے طور پر پیش کیا، ورنہ "نئے ادب" پر میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا تھا، جو میرے دل میں اس مضمون کو دیکھ کر پیدا ہوئے۔

"نئے ادب" کے پجاریوں میں عام طور پر دو قسم کے لوگ ملتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جنکی نہ نظر ہی وسیع ہے نہ خیالات میں گہرائی ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو پڑھے لکھے اور سمجھدار کہے جاسکتے ہیں۔ جنکے خیالات میں گہرائی اور نظر میں وسعت ہے۔ جو محض یوں ہی بات نہیں کہتے۔ اور جو ذیل کے مقولہ پر کار بند ہیں "ترقی پسند ادب وہ ہے جو زندگی کی حقیقتوں پر نظر رکھے، انکا پرتو ہو، انکی چھان بین کرتا ہو، ایک نئی اور بہتر زندگی کا رہبر ہو" یہ مقولہ اس لحاظ سے اور بھی اہم اور ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے کہ اس سے موخر الذکر گروہ کی ذہنی کیفیات کا پورے طور پر اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس بات کا کہنا جذب کی بڑ نہیں۔ حقیقت کا کھلے معنوں میں اعتراف کرنا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں فرق کرنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اچھی چیز کو سراہیں اور بری چیز سے اجتناب برتیں۔ "نئے ادب" کی تحریک کو پہلی قسم کے لوگوں نے خراب کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر دنیا کا ہر دروازہ بند ہے (پورے نئے ادب پر اعتراض جائز نہ ہوگا) عریانی اور لا مذہبی کے جراثیم ہمارے یہاں ان ہی جاہل اور نا اہل لوگوں کے ذریعہ سے پھیلے۔ وہ تحریک جسکی تہ میں مخلصانہ جذبہ کار فرما تھا، اور جو ادب میں نئی راہیں کھولنے کے لیے بڑھی تھی، ان لوگوں کا شکار ہوگئی۔ پھر بھی ہمارے یہاں ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہے جنھوں نے اپنا دامن ان سے بچائے رکھا ہے۔ ان لوگوں کا شروع سے آج تک کیا مسلک رہا ہے، ذیل کے اعلان سے ظاہر ہوگا۔ یہ اعلان اس تحریک کے شروع کرتے وقت کیا گیا تھا۔

"ہماری انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور آرٹ کو دقیانوسوں سے بچائیں، جنکے ہاتھوں وہ آج تک تباہ ہوتے رہے ہیں۔ فنون لطیفہ کو عوام کی زندگی سے قریب لائیں، تاکہ وہ حقیقتوں کو پیش کرنے کے ساتھ ——— مستقبل کی دنیا کی طرف ہماری رہبری کریں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے نئے ادب کو آج ہماری زندگی کے اہم مسائل، مثلاً بھوک، غریبی، سماجی پستی اور سیاسی غلامی سے بحث کرنی چاہیے۔ ہمارے نزدیک وہ تمام ادب جو ہمیں سست اور بیکار بنا رہا ہے، رجعت پسند ہے۔ اور وہ تمام ادب جو ہم میں تنقیدی قوت پیدا کرے، جو عقل کی روشنی میں ہمارے رسم و رواج کی جانچ پڑتال کرے جو ہمارے عمل اور ہماری تنظیم میں مدد دے، ترقی پسند ہے۔"

اس اعلان کو پڑھنے کے بعد، جو تحریک کے شروع کرتے وقت کیا گیا تھا۔ ہماری غلط فہمی رفع ہو جانا چاہیے۔ خاص کر یہ ٹکڑا "ہمارے نزدیک وہ تمام ادب جو ہمیں سست اور بیکار بنا رہا ہے رجعت پسند ہے"۔ کتنا قابل لحاظ ہے۔ لطیف الدین کا یہ خیال کتنا صحیح ہے انیسویں صدی کے آخر تک ہمارے ادب کو زندگی اور قومی زندگی سے بہت دور کا تعلق ہے۔ انکا یہ اندازہ کتنا ٹھیک ہے "اگر کسی قوم کی ساری نشانیاں مٹ جائیں اور صرف اسکا ادب بچ رہے تو اس قوم کی معاشرت کی پوری تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے"۔

"قوم کی معاشرت کی پوری تاریخ اسوقت مرتب کی جاسکتی ہے" جب ادب زندگی کا آئینہ دار ہو۔ مگر جہاں ادب اور زندگی میں کوئی مماثلت ہی نہ ہو وہاں آئینہ داری کا سوال کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کو لیکر نئے ادب والے اٹھے تھے۔ اور جس کی آج آپ مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک سماج اور ادب میں یکرنگی پیدا نہ ہوگی ادب ترقی نہیں کریگا۔ مخالفت عریانی کی کیجیے، حد سے گزری ہوئی لامذہبیت کی کیجیے، مگر اور دوسری چیزوں کی تو نہ کیجیے۔ پورے "نئے ادب" کی مخالفت کرنے سے کیا فائدہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سیلاب کسی کے بس رکنے کا نہیں، ہاں اسکی رفتار میں فرق آ سکتا ہے۔ وہی فرق آپ لوگ (صرف آپ ہی مراد نہیں) پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سیلاب کیسے رک سکتا ہے جو عوام ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور جس نے انکے قلبی انتشار میں جنم لیا ہے۔

میں اس طرف توجہ بھی نہ کرتا، مگر اسکو آپ نے اپنے پرچے میں شایع کیا ہے۔ میں "نئے ادب" والے گروہ میں شامل نہیں ہوں، ہاں اس سے ہمدردی ضرور رکھتا ہوں۔ اسکی وجہ اوپر بیان کر دی ہے۔

صدق صدق کو جو مخالفت "نئے ادب" یا ترقی پسند ادب سے ہے، وہ اسکی بے دینی اور بد اخلاقی ہی کے جزو سے تو ہے۔ باقی اسکے اور پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو صدق کے موضوع سے خارج ہے۔

اعلان تعطیل

حسب معمول تعطیل عید الضحیٰ کے سلسلہ میں آئندہ ہفتہ دفتر صدق میں چھٹی رہیگی اس لیے آئندہ ہفتہ کا صدق شایع نہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٓئک ھم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

صدق

ایڈیٹر۔ عبدالماجد

پتہ۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب۔ حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ و انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر کی جائے:۔ محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

چندہ سالانہ، پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ؍

نمبر ۳۱ | دوشنبہ ۱۵ ذی الحجہ المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

یادِ ایام

نمبر (۳)

(از عبدالماجد)

لکھنؤ کالج میں جب پڑھتا تھا، تو ایک ممتاز طالب علم تین چار سال جونیر اور عمر میں بھی اسی قدر چھوٹے اور بھی تھے۔ کچھ عزیز بھی۔ دُبلی صورت، خوش سیرت۔ ذہین، ذکی، خوش گو، خوش لباس۔ زندہ دل، یار باش، مولانا ابوالکلام کے گویا پرستار۔ جوش طبع آبادی سے بیزار، ہر لحاظ سے ہونہار۔ نام سجاد علی انصاری۔ وطن گدیہ، ضلع بارہ بنکی۔ انٹرمیڈیٹ لکھنؤ سے کیا، بی اے، ایل ایل بی علیگڈھ سے۔ مضمون نگاری شروع کی، زیادہ تر علیگڈھ میگزین میں۔ طنز نگاری میں نام پیدا کیا۔ ایک محدود طبقے میں خوب مقبول ہوئے ——— "شیخ" "زاہد" "کعبہ" پر چوٹیں ہمیشہ ہی ایک گروہ میں مقبول ہوا ہی کرتی ہیں ——— نشوونما کا زمانہ کہنا چاہیے کہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۱ء تک تھا۔ "مغرب" کے علوم و معارف سے، فن و ادب سے مرعوبیت کا زمانہ۔

جب جب ملتے (اور اکثر ملتے رہتے) تو ادب و تعظیم کے ساتھ۔ مطالعہ سے متعلق مشورے کرتے رہتے۔ بعض مضمون بھی سنا گئے، دکھا گئے۔ قرابت دُور کی سہی، لیکن قُرب بڑھتا رہا۔ تحریروں میں البتہ نوک جھونک کر جاتے۔ ادھر ملحد فلسفیوں، مل، اسپنسر وغیرہ کا زور۔ اُدھر دماغ پر ولایت کے آبرو باختہ اور سزا یافتہ ادیب آسکر وائلڈ کا تسلط! ادھر "خشکی" میں غلو، اُدھر "تری" میں افراط۔ تصادم ناگزیر۔ لیکن اس اختلاف کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا اشتراک بھی۔ ادھر "تنقید" "عقل" اور "سائنس" کی روشنی میں مذہب کی۔ اُدھر استخفافِ رندی، اشوخی اور "ادبِ لطیف" کی آڑ میں اہلِ مذہب کا! ادھر اہلِ مذہب کی پشت پر نفسِ مذہب بھی کبھی بن جاتا۔ اسی ہم عمری میں ایک مجموعہ "نیرنگِ خیال" کے نام سے لکھ ڈالا۔ غیر منظم مذہبی تصورات "فرشتہ" "شیطان" وغیرہ پر دل کھول کر پھبتیاں شائع کرانے کی ہمت نہ ہوئی آگے چل کر سمجھ آنے پر خدا معلوم کیسی کیسی ترمیم کرتے، تنسیخ کرتے، کاٹتے، چھانٹتے، بناتے بگاڑتے! ——— "ترقی پسندی" کا لقب اُسی دور میں روشن خیالی تھا۔ اسی اندھیر نگری میں خوب داد ایسی شاعری کی ملتی ہے!

جوانی کے ختم ہونے میں ابھی عرصہ تھا کہ عمر ختم ہو گئی! ۳۰ کے اندر ہی تھے۔ شادی کی بھی نوبت نہیں آنے پائی تھی۔ کہ ۱۹۲۲ء میں بیمار پڑے۔ اور بیماری بھی دِق کی! جی، دِق کی! ایسا شوخ شگفتہ، باغ و بہار نوجوان اور اُسکا یہ انجام! شدائدِ مرض کا بیان کس سے کن لفظوں میں کیا جائے! مہینوں ایڑیاں رگڑیں۔ عیادت کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں ہوئی۔ اُمید کا چراغ ابھی گُل نہیں ہوا تھا۔ فلاں حکیم اور فلاں ڈاکٹر زور لگا رہے تھے۔ آخری ملاقات بسترِ مرگ پر نہیں، بسترِ مرگ پر گدیہ میں ہوئی۔ آہ وہ منظر! کاش تو گرانی ایسے موقع پر جائز ہوتی! جسم پر سیلا سا کرتا، ٹانگوں میں اک ادنچا تہمد! پاجامہ کی گنجائش ہی مسلسل اجابتوں نے کہاں باقی رہنے دی تھی؟ پنڈلیاں اتنی دُبلی کہ بلا مبالغہ گویا بانس کی کھپاچیوں پر جھلی منڈھ دی گئی ہے! وہ حلقہ پڑی ہوئی ڈگمگاتی آنکھیں، وہ چہرہ کی زردی اور اُداسی، وہ سارے تن کا غیر لاغری، کہ گویا بجائے زندہ جسم کے سامنا صرف ہڈیوں کی ٹھٹھری کا ہے! اللہ کی پناہ، اور ہزار بار پناہ! ——— کل کا ملحد آج

ایک مراسلہ کا جواب

(از عبدالماجد)

ریاست بہاولپور سے ایک مخلص کا جو کسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، ایک مراسلہ عرصہ سے آیا ہوا رکھا تھا، آج گنجائش جواب کے لیے نکل رہی ہے:—

"حضرت والا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ میں جناب کے اخبار صدق کا مستقل خریدار ہوں۔ اور آج تک سینما بینی کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا وہ سب دیکھ چکا۔ جس نیت سے جناب نے اسکو جا کر دیکھا۔ میرے خیال ناقص میں حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ بھی اسی خلوص اور نیت سے مجلس میلاد میں بمقام کانپور ۱۳۱۲ھ شرکت کرتے رہے۔ چنانچہ اس پر حضرت اعلیٰ امام ربانی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب کے درمیان مراسلہ پیش آیا۔ جو تذکرۃ الرشید حصہ اول کے صفحہ ۱۱۲ سے شروع ہوا ہے اور جسکا مختصر سا خلاصہ پیش خدمت کرتا ہوں [۔ اسکے آگے دونوں بزرگوں کے طویل مراسلات درج ہیں۔ صدق]

جناب والا۔ امید ہے کہ جناب کے ہاں تذکرۃ الرشید حصۂ اول ہوگا اور یہ مراسلہ آپ ابتدا سے آخر تک تمام ملاحظہ ہو سکتا ہے۔ میں خود کوئی عالم نہیں، صرف آپ جیسے حضرات کا خادم ہوں۔ جو کچھ ناقص خیال میں آیا، عرض کرتا ہوں۔ کہ اس مراسلہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیسے اور حضرت تھانویؒ جیسے عالم کو ایسی جگہ شامل ہونا (چاہے غرض محض اصلاح ہی ہو) اس بات کا موجب ہو جاتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو شمولیت کی تاویل مل جاتی ہے۔ گو اس میں چند ایک کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے چنانچہ اسی بنا پر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اسکے بعد ایسی مجالس میں شرکت نہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ کیونکہ کانپور کی مجلس میں اصلاح ہو رہی تھی لیکن عوام جو اس میں شامل ہوتے تھے۔ اپنے اپنے گھروں اور شہروں میں جا کر سند پیش کرتے ہونگے کہ ایسی میلاد کی مجلس میں حضرت تھانوی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اس سے ہزاروں آدمی ملوث ہوتے ہونگے اور اگر کوئی معمولی آدمی اس نیک نیت اور اخلاص سے شامل ہو کر کسی کی اصلاح کر دے تو اسکا اثر دوسرے لوگوں کے لیے سند نہیں ہوتا۔ اور نہ دوسرے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن آپ جیسے آدمی تو دوسروں کے لیے سند ہو جائینگے اور پھر سینکڑوں آدمی اس میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ محض میرا ناقص خیال ہے۔ ممکن ہے بالکل غلطی پر ہوں۔ اگر مناسب ہو تو اس مراسلہ کے ذریعے جو خیال دل میں آسکے اس پر اخبار صدق میں روشنی ڈال کر مشکور فرما دیں۔ یہ اخبار روس اسکول میں آیا کرتا ہے"

تذکرۃ الرشید افسوس ہے کہ پیش نظر نہیں۔ اقتباسات جو مراسلہ میں درج تھے، وہ ناکافی تھے، اور کچھ زیادہ مربوط بھی نہیں، ان سے بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ اس لیے انھیں یہاں نقل کرنا بے ضرورت سمجھا گیا۔

کتاب ۱۴-۱۵ سال کا عرصہ ہوا نظر سے گزری تھی۔ اس وقت اس سلسلۂ مراسلات کو بڑے شوق و دلچسپی سے پڑھا تھا، یہ صحیح ہے کہ مولانا تھانویؒ کے آخری مکتوب میں اپنی رائے سے رجوع کر لینا، اور حضرت گنگوہیؒ کے اتباع پر آمادہ ہو جانا درج تھا۔ لیکن ذہنی بات اتنا عرصہ گزر جانے پر بھی دل پر نقش ہے کہ دلائل کی قوت حضرت تھانویؒ ہی کی جانب زائد تھی، اور آپ کا رجوع اپنی کسی دلیل کے ضعف سے زیادہ مخاطب کے ادب و احترام پر مبنی تھا۔ —— مدت دراز ہوئی اپنا یہی خیال حکیم الامتؒ کی خدمت میں عرض کرنے کی نوبت آئی تھی۔ جواب میں تبسم کے ساتھ ارشاد ہوا تھا کہ "جی ہاں، بعض حضرات کا یہی خیال ہے کہ ابھی ادھر سے گفتگو کی گنجائش تھی۔ لیکن حضرت میں تو اپنے بزرگوں کو اپنے سے زیادہ محقق ہمیشہ سمجھتا رہا" —— اور یہ بات بھی کچھ ایسی انوکھی نہیں، کسی مسئلہ میں جب دونوں پہلو نکل رہے ہوں، تو دوسرے فریق کے ادب و احترام سے اپنے مسلک و تحقیق سے رجوع کر لینا دوسرے بزرگوں سے بھی منقول ہے۔

لیکن مراسلہ نگار کو اپنے اخلاص نیت کے باوجود ملا یہ اسی بنا پر اصلی دعوکا یہ لگا ہے کہ انھوں نے مجھے من کل الوجوہ یا اکثر حیثیات سے حضرت گنگوہیؒ یا حضرت تھانویؒ کا جانشین فرض کر لیا ہے۔ یہ مفروضہ ہی سر

(بقیہ صفحہ ۱)

ایک عجیب افترا

جناب من۔ السلام علیکم

۲۶۔ نومبر کے سرفراز حصہ ۲ میں اپنے نام سے ایک تمام تر جعلی خط دیکھ کر دنگ رہ گیا!

اس خط کا ایک لفظ بھی میرا نہیں۔ نہ میرے پاس کوئی خط اس سے متعلق آیا نہ میں نے کسی کو جواب میں یہ یا اس سے ملتا ہوا کوئی خط لکھا۔ نہ میں آپ کے مخبر کاذب صائب فتحپوری صاحب سے کچھ بھی واقف! یہ ساری کارروائی شروع سے آخر تک **جعلی، فرضی، اختراعی ہے**۔ مجھے اس سے تکلیف جو پہونچی وہ الگ!

آپ کی عنایت سے توقع ہے کہ آپ اپنی آئندہ اشاعت میں میرے اس مراسلہ کو بجنسہ اور اسی قدر نمایاں چھاپ کر، اس جعل سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کر دیں گے ——

اپنی شرعی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں سے تو یقیناً آپ بھی ناواقف نہ ہوں گے۔

والسّلام — عبدالماجد

لطیفہ۔ مراسلہ بالا کے سلسلہ میں یہ لطیفہ (ساتھ ہی عبرت انگیز بھی) سن لینے کے قابل ہے کہ صاحب سرفراز نے اسے چھاپا تو سہی لیکن عنوان "ایک عجیب افترا" جو مراسلہ کی جان تھا، وہ حذف کر دیا! —— اور درمیان سے "مخبر کاذب" والا فقرہ سرے سے اڑا دیا! —— اور جعلی یا خطا کشیدہ تو ایک لفظ بھی نہیں!

گویا "گناہ" کے بعد "عذر گناہ" بھی تحریف و تصحیف کا ایک مکمل نمونہ!

سے صحیح نہیں۔ مجھ میں ان حضرات میں کوئی نسبت ہی نہیں، بڑے اور چھوٹے ہونے کا سوال الگ رکھیے، میرا تجربہ ہی ان حضرات سے بالکل مختلف ہے۔ قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا۔ میرا مشاہدہ ہی ان حضرات سے جداگانہ، اور میرا دائرہ عمل ان سے الگ، ہر شخص خدمت تو بس اپنی ہی انجام دے سکتا ہے، جو اسکے ذاتی تجربہ، وسعت اور بساط کے مطابق ہے۔ گھوڑے سے بیل کا کام لینا، یا بیل سے گھوڑے کے کام کی توقع رکھنا دونوں پر ظلم کرنا ہے۔ جس میں سفر مینا بینی کا کام لیا جا رہا ہے، ہے نہ ہر کسی کی نیاز مندی، راستہ کی ہمواری، گھوڑوں کی تیاری ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ان کا کام محض گولہ برسانا، بادشاہ کی خدمت، دربار شاہی میں دو زانو بیٹھنے کا ہے، لیکن دونوں کی دنیائیں الگ، راستے الگ، فرائض الگ، نظام عمل الگ۔ جیسا بھی صورت دین کے ہر چھوٹے بڑے خادم کی سمجھیے، اور غلط مبحث میں نہ پڑیے۔

مولانا گنگوہی نے بھی کبھی انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں کے ناول اور منتخب افسانے پڑھے تھے؟ اپنی زندگی کے کسی دور میں ڈرامے لکھے تھے؟ کبھی تھیٹر، انگریزی اور اردو دیکھے تھے؟ کبھی انگریزی ڈرامہ کھیلا تھا؟ کبھی کسی انگریزی یا نیم انگریزی کلب کے مشاغل شام میں شرکت کی تھی؟ قصۂ گل بکاؤلی پڑھا تھا، کہ اس حیثیت سے اخبار میں سے بچ کے دلیے نکال کر لائیں اور اسے تیج مردم میں شائع کریں؟ مثنوی زہرِ عشق کا مطالعہ کیا تھا کہ غفلت کی گھٹا اس سے عبرت کے موتی برسے حق کر لائیں؟ — مولانا تھانوی نے کبھی ریڈیو یا گراموفون میں کسی محرم کی روزخوانی تھی؟ کبھی ریڈیائی ڈراموں، مشاعروں، افسانوں، تقریروں پر تبصرے کیے تھے؟ مشاعروں کی صدارتیں کی تھیں؟ پریم چند کے ناول پڑھے تھے؟ کسی صاحب کے "لحاف" اور کسی صاحب کی "پھسلن" کے قریب بھی کبھی گزرے تھے؟ کبھی فلموں کے مطالعہ کے لیے وقت نکالا تھا؟ کبھی امریکہ کی تصویری انسائیکلو پیڈیا یا برٹانیکا سے لیکر فلم ریویو تک ہر بڑی چھوٹی، انگریزی کتاب، اخبار، رسالے، میگزین میں لا منظر کی تھیں؟ — آپ ان چیزوں کو ان بزرگوں سے بطور فرض و احتمال بھی نسبت دیتے گھبراتے شرماتے ہیں۔ اور بجا طور پر شرماتے ہیں۔ لیکن میرے دائرۂ عمل میں سے ان میں سے کونسی چیز چھوٹی ہوئی ہے؟ کونسی چیزوں میں سے کسی صدق خواں کے لیے رہ گیا ہے؟ نگار اور رسالے ہرگز نہیں۔ کیا آپ کے خیال میں پیغمبر ان پرچوں کو خوب پڑھنے والے ہو گئیں؟ یہ ہے کہ آپ حضرات کے نزدیک کوئی اصولی فرق ہے، سینما کے پردہ پر تصویر دیکھنے اور کتابوں کے اوراق پر تصویر دیکھنے کے درمیان؟ اسی قسم کی فاسقانہ تصویریں (بلکہ بعض تو ان سے کہیں بڑھی ہوئی) انگریزی علوم و فنون کی کن کتابوں میں نہیں ہیں؟ کیا آپ روزمرہ نہیں دیکھتے کہ پولیس کے کارکنوں کو جرائم اور مجرموں کی سراغرسانی کے سلسلہ میں خود کس کس طرح عارضی طور پر شریک جرم ہونا پڑتا ہے؟ اور پھر آخر میں یہی لوگ سرکاری گواہ بن کر انہیں کو سزا میں دلوا دے کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں۔ جو حضرات کسی خادم کو یہ موقع نہیں دینا چاہتے، تو فیر انھیں اختیار رہے۔ لیکن بہر حال وہ خادم بھی اپنی بصیرت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور رہے، اور علم اعلم بن ہی سیکیگا۔ دنیا میں آج تک کوئی نظام حکومت ایسا نظام حکومت نہیں چل سکا ہے جس نے قانونیوں (ججوں اور مجسٹریٹوں) اور محتسبوں اور اہل شرطہ (پولیس) کو بعینہ ایک ہی ضابطہ میں جکڑ دیا ہو۔ جو چیزیں بنص صریح حرام ہیں، انکا حکم یقیناً دوسرا ہے۔ لیکن خدا کے لیے نفس استنباطات اور تصریحات کتاب و سنت کے درمیان کچھ تو فرق رہنے دیجیے۔

میں ہرگز اسکا قائل نہیں کہ کوئی ایک بھی محتاط شخص میری مثال سے فائدہ اٹھا کر سینما بینی کی معصیت میں مبتلا ہوگا۔ صدق میں اس "فسق" کو ظاہر کرنے والا تو میں خود تھا۔ پھر میں نے کس طرح ظاہر کیا، کتنی قیدیں لگا لگا کر۔ اب کوئی صاحب اگر ان سارے قیود کو نظر انداز ہی کرتے پھر تُل جائیں، تو اسکی ذمہ داری میرے اوپر نہ خالق کے ہاں، نہ مخلوق کے ہاں۔ میری تحریر سے صرف وہی شخص مینا کا سبق کریگا، جو پہلے ہی سے آمادہ بیٹھا رہتا ہے۔ اور اس کی بھی اصلاح اس قدر ان شاء اللہ ہو جائیگی کہ وہ شربتِ محض اور شربتِ انگیز کے درمیان، شرابِ خالص اور اقراط سے پانی ملی ہوئی شراب کے درمیان امتیاز سیکھ جائیگا۔ جو مجھ ناچیز کے نزدیک خود ایک درجہ کامیابی، اور خاصی بڑی کامیابی کا ہے۔ مخصوص ایسی قرآن و سنت دونوں کے حوالہ سے صدق میں بار بار دکھایا جا چکا ہے، کہ انبیاء و صحابہ تک نے ان اعمال کا ارتکاب کیا ہے، جو اپنی عمومی و مطلق صورت میں یقیناً معصیت شدیدہ ہیں۔ لیکن اس موقع پر اور اس سیاق میں کسرہ کیا معنی یقیناً کوئی خفیف و ادنیٰ قسم کی بھی معصیت نہیں۔

خدا شناسی کا دعوے، کسی معمولی درجہ میں بھی ہرگز نہیں۔ لیکن بعض خدا شناسوں کے فیض صحبت سے اور اپنی پرانی شیطان دوستی کے اثر سے کچھ تھوڑا بہت شیطان شناس ہو گیا ہوں۔ زہد و تقویٰ والے حضرات مقدسین کا مرتبہ قطعاً و حتماً بہت بلند ہے، لیکن تھوڑی گنجائش "صوفیِ عالم مقام" کے ساتھ "رندانِ مست" کے لیے عارف شیراز نے بھی تو رکھی ہے ؎

راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را!

سینما بینی کے درجہ کی معصیتیں تو کھلے خزانے سالہا سال سے کر رہا ہوں، تیج اور صدق کا ہر پڑھنے والا گواہ ہے۔ البتہ سینما جانا چونکہ سوسائٹی میں معیوب ہے اور ثقاہت اور وضعداری کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ بس اسی کے نام نے بڑا آگ لگا دی۔ دین و مذہب کے درد سے اسے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

عدیل صاحب (لبیق)

آپ کے حلم پر حیرت ہے کہ آپ ایک ملامت زدہ حرف کا چہرہ چہرہ معنی رسا کے کتب سے مخاطب کرنے کی ہمت رکھتے ہیں!

نمائش فنون لطیفہ دکن

ہمارے والاشان شہزادہ نے رسم افتتاح کو ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ "فنون لطیفہ کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے حسن کاری کا زبردست عقیدہ رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں کوئی اصول تعلیم کوئی علم یا سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسکا حسن کاری سے کسی نہ کسی صورت میں تعلق نہ ہو" اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ "حسن کاری نہ صرف اقوام کے مستقبل کی تعمیر کرتی ہے بلکہ وہ انکے ماضی کی بھی حفاظت کرتی ہے"۔ شہزادہ موصوف نے حسن کاری کی حقیقی افادیت کو حسن کاری کے ایک طالب علم نہیں ایک ماہر دقیقہ رس کی حیثیت سے بڑے ہی حسن کے ساتھ سطور بالا میں پیش فرمایا ہے ....

یقیناً اقوام کے جمالیاتی احساس کی بدولت انکا ماضی محفوظ ہے اور ہمیں انکے حالات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ موسیقی، شاعری و ادب، مصوری، نقاشی اور سنگ تراشی و مجسمہ سازی، اپنے جمالیاتی پہلو ہی کی دلفریبیوں کی بدولت ماضی سے حال تک پہنچتے اور حال سے مستقبل میں منتقل ہوتے اور اپنی قوموں کے قلب و دماغ کی بلندیوں اور وسعتوں کے معیار پیش کرتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن حسن کاریوں میں نوع انسانی کی افادیت کا پہلو بھی پیش نظر رہتا ہے یعنی جو انسانی ضرورتوں کو زیادہ جالب نظر طریق پر پوری کرسکتی ہیں۔ انکی ہمہ گیری بہت بڑھ جاتی ہے، انسانی ضرورتیں خود انکی حفاظت کی ضامن ہو جاتی ہے اور وہ دستکاریوں یا صنعتوں کی شکل میں بہت عام ہو کر ایک عہد سے دوسرے عہد میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ مگر جن حسن کاریوں یا فنون لطیفہ میں افادیت نہیں ہوتی۔ اور صرف لطف ہی لطف ہوتا ہے۔ یعنی جو انسان کے کمتر جنسی احساسات ہی سے ایک ربط قائم کرکے ایک ایسی غیر صالح انبساطی کیفیت پیدا کردیتے ہیں۔ جسکو بعض اوقات غلطی سے یا جان بوجھ کر روحانی ترقی بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر جو پاؤں پھیلا کر انسان کو غضب آلود بنا رہتی اور کئی قسم کے مختلف مزہ ہیو سکھا دیتا ہے۔ یا جو آرٹ برائے آرٹ" کی خود فریبیوں اور اخلاق سوزیوں کے ساتھ ظہور میں آسکتے ہیں انکی خاص طور پر آرٹ گیلریوں میں حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے یا وہ کسی پیشہ ور طبقہ کا مخصوص فن ہو کر رہ جاتے ہیں۔

پس حسن کاری کے بھی دو پہلو ہوئے۔ ایک وہ جو افادیت کا حامل ہوتا ہے اور جسکے لیے کسی خاص تحفظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ حسن ہماری ہزاروں ضرورت کی چیزوں میں بکھرا پڑا ہے اور یہی وہ حسن ہے جس سے کسی قوم کے دماغی کمالات کے ساتھ اسکی خدمت نوع انسانی اور اسکی شائستگی کا پتہ لگتا ہے۔

دوسرا وہ جو ذہن کی رسائیوں کا پتہ تو دیتا ہے مگر جو نوع انسانی کو جنسی جذبات کی دلدل میں پھنسا دیتا ہے اور جسکو اسی وجہ سے قوم کی بیداری اور ترقی میں مصروفیت کے زمانہ میں کوئی سرپرستی نہیں حاصل ہوسکتی۔ گویا ایک اسکی قلبی ترقی کا اور دوسرا اسکے قلبی تنزل کا۔ یا یوں کہیے کہ ایک اسکے ضمیر کی بیداری کا، اور دوسرا اسکے نفس امارہ کی شرارتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح اول الذکر ہی قوم کے مستقبل کی تعمیر اور ماضی کی حفاظت کرسکتا ہے نہ کہ آخر الذکر۔ اور ہمارے والاشان شہزادے نے اسی حسن کاری کو سراہا ہے جو ماضی کی حفاظت کرنے کے لیے مصنوعی تدابیر کی محتاج نہ ہو اور قوموں کے مستقبل کی تعمیر کرسکتی ہو پس ہمیں موسیقی کی اور "آرٹ برائے آرٹ" کے ڈھکوسلے خصوصاً درسگاہوں میں بچے رہنا چاہیے۔ (ہمدرد دکن)

لاہور کے ایک خادم دین سے!

(از عبد الماجد)

آپ کے شدید اظہار احتیاج پر آپ کے لیے تین ہزار روپے کے قرض حسنہ کی ضرورت کا اعلان صدق مورخہ (۲۲ فروری ۱۹۴۳ء) میں کر دیا گیا۔ اللہ کے ایک مخلص بندہ کی نظر سے وہ اعلان گزرا۔ اور اس نے بغیر کسی قانونی کارروائی کی ضرورت محسوس کیے بغیر کسی گواہی شاہدی کے، محض اللہ اور اسکے فرشتوں کی گواہی کو کافی سمجھ کر، آپ کے تقوے و دیانت کے اعتماد پر وہ پوری رقم آپ تک پہونچنے کا انتظام کر دیا، اور آپ کو اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرنا پڑی۔ واپسی کا وعدہ پچاس روپیہ ماہوار کی قسط سے تھا۔ آپ نے جوں توں کرکے پانچ مہینے تو قسط ادا کی، اسکی میزان ۲۵۰ ہوئی۔ لیکن اسکے بعد سے آپ کے پاس خط پر خط جا رہے ہیں، سب بے سود! ایک مہینہ کی نہیں، تین تین مہینے اکتوبر، نومبر، دسمبر کی سب قسطیں آپ پر نا منل چڑھی ہوئی ہیں —— کیا خدانخواستہ آپ آخرت کے محاسبہ اور دنیا کے استغاثہ دونوں سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ للہ آپ اپنے اور میرے دونوں کے اوپر رحم فرمائیں اور دشمنان دین کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں! اب بھی آپ کا نام اخبار میں ظاہر کرتے مجھے خود شرم آرہی ہے۔ لیکن اس شرم کی عمر بہت کوتاہ ہے۔

بقیہ صفحہ ۸

اکثر تعجب ہوتا ہے۔ کیا یہ بیدار خیال عورتیں، جدید الخیال فرزندوں کی شعر و شاعری پر نظر نہیں رکھتیں، جنکا عورت کا تصور ہرگز وہ نہیں ہے جس پر کوئی عورت فخر کرسکے۔ آرٹ ہو، حسن ہو، ادب ہو، موسیقی ہو، اگر انکی تعبیر جسم کی لذتوں سے کی جائے تو میں اسے نری بدکرداری سمجھتا ہوں اگر یہ زندگی کی ستودہ قدروں کی محرک اور مفسر ہوں تو پھر سب کچھ ہیں۔

(کلا نفرنس گزٹ)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ ورکس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

جنسی مسئلہ

(نئے دجالی نظریات)

ناظرین میں بیشتر حضرات کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ جنگِ عظیم کے بعد مالتھس کے "نظریۂ آبادی" کا بہت چرچا ہوا اور اسکے زیرِ اثر ضبطِ تولید اور منعِ حمل کی تحریک عام ہوگئی۔ اس تحریک کے حامیوں کی دلیل یہ ہے کہ دنیا کی آبادی نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے مگر روٹی کی غذائی پیداوار اور بیشتر خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے اقتصادی حالات اس اضافۂ آبادی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جسکی وجہ سے ناقابلِ حل اقتصادی مشکلات اور بیشمار چیزوں کے قحط کا اندیشہ شدید پیدا ہوگیا۔ لہٰذا ضبطِ تولید ضروری ہے جسکی کارگر اور لائقِ عمل تدبیر منعِ حمل کے سوا کوئی نہیں۔ مغرب کے بعض زندہ دل اطباء نے اس تحریک سے متاثر ہوکر فتوے دیدیا کہ بہت سی حالتوں میں حمل اور وضعِ حمل اور ایامِ رضاعت عورت کی صحت و حسن کے لیے بہت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ یورپ کی شوقین مزاج اور آزاد خیال لیڈیاں اس اپیل کو سند کر لیکر دیوانہ وار اٹھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری "مہذب دنیا" میں ضبطِ تولید و منعِ حمل کا غلغلہ پورے زور سے بلند ہوگیا۔ "غیر مہذب دنیا" بھی اس سے کم و بیش متاثر ہوئی۔ مغرب زدہ عورتیں یورپ کی اس بدعت کو مشرق میں بھی رواج دینے کے لیے کوشاں نظر آنے لگیں۔ تہذیبِ جدید کے نفس پرست علمبرداروں کو مادر پدر آزادی کے حصول کا ایک بہانہ اور حظِ نفس کا ایک سہل نسخہ ہاتھ آگیا۔ سنیما، تھیٹر، ریڈیو، "روشن خیال" اخبارات اور "جدید ادبِ عالیہ" نے اس اخلاق سوز آگ کو خوب ہوا دی۔ یورپ میں تو اس تحریک نے چند سالوں کے اندر سوسائٹی کے بہت بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بدکار خانوں کی ایکٹریسوں، دفتروں، کارخانوں، ہوٹلوں اور جلسوں کی لڑکیوں اور آوارہ فرش بیاہتا عورتوں کا تو ذکر ہی کیا، زنانہ درسگاہوں کی دوشیزہ طالبات کے جزدانوں میں بھی آلاتِ مانعِ حمل بکثرت پائے جانے لگے۔ فرانس اور دوسرے ممالک میں عورتوں نے بلا اسقاطِ حمل کا حق مانگا۔ روس میں بعض پابندیوں کے ساتھ انکو یہ حق مل بھی گیا۔

بظاہر انسانی ہمدردی، بعض طبی احتیاطیں اور چند اہم اقتصادی مشکلات مالتھس کے "نظریۂ آبادی" کی بنیاد دکھائی دے رہی ہیں، لیکن دراصل یہ شیطان کے ایک فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے اس نظریہ کو پیش کرنے والی ہستی اور اسکے چند رفقا مخلص ہوں۔ انہوں نے اپنے ماحول اور اپنی عقل و فکر کے لحاظ سے جس چیز کو مفید سمجھا پیش کردیا لیکن اسکے بعد جو ان لوگوں کی کوششوں کو بلحاظ نتائج لاحاصل مضطرانہ حرکات کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تحریکِ ضبطِ تولید و منعِ حمل کا تمام تر ذریعہ بالکل نفس پرستی اور مادر پدر آزادی کے شوق کی وجہ سے ہے۔ کم از کم مغرب میں نوے نہیں نناوے فی صدی حامی یقیناً اپنی عیاشی اور نفس پرستی کی خاطر اس تحریک کی حمایت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے غرباء کی اقتصادی مشکلات اور غذائی پیداوار کی کمی کو ایک آڑ بنالیا ہے۔

یہاں ہندوستان میں بھی وہ منظر کس قدر پُرفریب اور مضحکہ خیز ہوتا ہے جبکہ متمول گھرانوں کے خوش پوش بیفکرے نوجوان اور "روشن خیال" خاندانوں کی بے حجاب اور زرق برق ملبوسات سے آراستہ خواتین فیشن ایبل ڈرائنگ روموں، کلبوں اور مخلوط اجتماعات میں ضبطِ تولید و منعِ حمل کی پُرجوش تائید کرتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر یہ لوگ اکثر بطورِ دلیل کثیر الاولاد غرباء کی مصائب عجیب طریق پر بیان کیا کرتے ہیں۔ اسوقت انکے الفاظ اور اندازِ گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ساری دنیا کے کثیر الاولاد غرباء کی مفلسی و فاقہ کشی کا درد ان ہی چٹ پٹے بیفکرے نوجوانوں کے حسن پرست دل میں سماگیا ہے۔ انہیں بے اولاد و خوشنما "تیتریوں" کو پانچ پانچ سات سات بچوں والی ادنیٰ دکھوں نے بُری طرح بیچین کر رکھا ہے۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے۔

ان لوگوں کی ہمدردی خود غرضی پر مبنی ہوتی ہے اور اسکی حیثیت مگرمچھ کے آنسوؤں سے زیادہ نہیں — یہ لوگ اکثر حالتوں میں فریب کار اور بعض حالتوں میں خود فریب ہوتے ہیں۔ کثیر الاولاد مفلسوں کی پُرجوش وکالت سے انکا مقصد بالعموم انکے اخلاقی، مذہبی اور قانونی ضوابط کو توڑنا یا کمزور کرنا ہوتا ہے جو انکی اخلاق سوز آزادی میں روک ہیں۔ یہ شادی کی پابندیوں اور اولاد کی ذمہ داریوں سے محفوظ رہ کر بہائم کی طرح مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط چاہتے ہیں۔

اسکا پس منظر یہ ہے۔ اسکے بعد تہذیبِ جدید ایک نیا گل کھلاتی ہے — "نظریۂ آبادی" نے تحریکِ ضبطِ تولید و منعِ حمل کو فروغ دیا۔ اس فروغ نے نوجوان مردوں اور عورتوں کے جنسی جذبات کو اُبھارا اور بھڑکایا۔ "ادبِ جدید" کے نام پر عریانی، فحش نگاری، عصمت فروشی اور آبرو باختگی کی کھلم کھلا تائید کی گئی۔ اس طرح ان مفاسد سے چند سال کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے "جنسی بھوک" Sexual Hunger کا ایک نیا اور شیطانی نظریہ پیدا ہوگیا۔ سرزمینِ "تہذیب و تمدن" کے اس جدید نظریہ کو بیان کرنے سے ایک معمولی مشرقی کا قلم بھی سو مرتبہ جھجھک اور شرم محسوس کرتا ہے۔ اس نظریہ کے حامی کہتے ہیں کہ "فاقہ کشی" اور "شہوانی بھوک" میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح غذا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح جذبۂ شہوت کو روکنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے لہٰذا جس طرح بھوکوں کے لیے روٹی کا انتظام ضروری ہے اسی طرح اس جنسی بھوک کے لیے حکومتوں کی طرف سے "خیراتی چکلے" اور "فری قحبہ خانے" [illegible] کھولے جانے چاہئیں۔ اس نظریہ کے بعض حامی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ زنا بالجبر کوئی جرم ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فرانس کا مشہور جریدہ لا لیون ری پبلکن Le Lyon Republican نے کچھ عرصہ ہوا اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ "زنا بالجبر آخر کیوں جرم ہے" لکھا تھا کہ "جب غریب لوگ بھوک سے بیتاب ہوکر چوری اور لوٹ مار پر اتر آتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ انکو روٹی مہیا کردو وہ خود بخود چوری سے باز آجائیں گے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہمدردی ہوا [illegible]

کا جو جذبہ جسم کی طبعی ضرورت کے مقابلہ میں ابھرتا ہے وہ ویسی ہی طبعی اور جنسی ہی اہم ضرورت یعنی محبت کے لیے کیوں نہیں ریخت ہوتا جس طرح چوری بالعموم بھوک کی شدت کا نتیجہ ہوتی ہے اسی طرح زنا بالجبر اور بسا اوقات قتل کی خواہشیں بھی، اسی ضرورت کے شدید تقاضے سے واقع ہوتی ہے، جو بھوک اور پیاس سے کچھ کم نہیں۔ جس طرح ایک تندرست اور توانا نوجوان اپنی بھوک کو اس وعدہ پر نہیں ٹال سکتا، ایک نوجوان آدمی کی شہوانی فاقہ کشی بھی اتنی ہی افسوسناک ہے جتنی مفلس آدمی کی شکمی فاقہ کشی۔ جس طرح بھوکوں کو روٹی مفت دی جاتی ہے اسی طرح دوسری قسم کی بھوک سے جو لوگ مر رہے ہیں انکے لیے بھی ہمیں انتظام کرنا چاہیے۔

شیطانی تحریک پر لکھی ہوئی مندرجہ بالا سطور کسی تبصرہ کی محتاج نہیں۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ جذبۂ شہوانی سے مست ایک شائستہ نفس پرست نوجوان بدمعاش بھی اسی طرح قابل رحم اور مستحق امداد و ہمدردی ہے جیسے کوئی معذور و مفلس، مرد ضعیف، بےبس بیوہ، بےیار و مددگار یتیم۔ جس طرح حکومت ان قوم محتاج کو یتیم خانے اور بیوہ خانے کھولتی ہے اسی طرح اسکو ان شہوت پرست نوجوانوں کے لیے ہر جگہ چکلوں اور قحبہ خانوں کا انتظام کرنا چاہیے جہاں سیاہ کاری کے لیے عورتیں مفت مہیا کی جائیں۔ لیکن غالباً اس قدر فیاضانہ انتظام بھی کافی نہ ہوگا۔ ایسے نوجوانوں کی نفس پرستی جسے محبت کا نام دیا گیا ہے، اکثر حالتوں میں خاص شکار کے بغیر مطمئن نہ ہو سکیگی۔ تو پھر کرنا یہ ہوگا کہ انکو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ جس عورت یا لڑکی کے ساتھ انکا منہ کالا کرنے کو جی چاہے کرلیں۔ وہ بخوشی آمادہ نہ ہو تو زبردستی سے کام لیں۔ زنا بالجبر کو قانونی جرم نہ رہنے دے۔ یورپ کی دجالی تہذیب عیاشی اور مادر پدر آزادی کی حد تک مساوات زن و مرد کی بہت قائل ہے جب مردوں کو اپنی لذت کے مطابق سیاہ کاری کی کھلی چھٹی مل گئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عورت کو یہ حق نہ دیا جائے کہ وہ جس مرد کو جس وقت چاہے پکڑ کر فحش کاری پر مجبور کرے۔ اس "ظلم" کو یورپ کی "روشن خیالی" "مساوات پسندی" کس طرح گوارا کر سکیگی کہ مرد کو اس قسم کا حق حاصل ہو اور عورت اس سے محروم رہے۔ "ادب جدید" کے حامی یہ جو کچھ چاہتے ہیں وہ ہم مشرقیوں کو خواہ کس قدر ہی نامکمل و عجیب کیوں نہ نظر آئے، لیکن دجالی تہذیب سے یہ قطعاً بعید نہیں۔ جس تہذیب نے حرام کاری کو انتہائی فروغ دیا۔ عورت کو اسقاط حمل کا حق بخشا۔ جس تہذیب نے بےحیائی و عریانی کو لازمۂ ترقی قرار دیکر بیشمار برہنہ کلب قائم کر دیے، اس سے یہ ہرگز ناممکن نہیں کہ وہ زنا بالجبر کو قانونی جرم نہ رہنے دے۔

اس میں شک نہیں کہ یورپ کی ملحدانہ دجالی تہذیب نوع انسانی کے لیے ایک خطرناک اخلاقی دلدل ثابت ہوئی ہے۔ اس تہذیب کی بنیاد غلط انسانیت دشمن اور اخلاق سوز اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ عیسائیت اور یہودیوں کے [illegible] کے ردعمل نے اسکو اور زیادہ خطرناک اور مادر پدر آزاد بنا دیا ہے۔ اس تہذیب کے گہوارہ پرستار ایک غلطی کے اثرات سے بچنے کے لیے دس نئی غلطیاں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اسکے نتیجے میں وہ روز بروز تباہی سے زیادہ قریب ہو رہے ہیں، جیسا کہ دلدل میں پھنسے ہوئے آدمی کی ہر جنبش اس کو اور دھنسا دیتی ہے۔

غور کیجیے یورپ نے خدا اور مابعد الطبیعات کو بالکل فراموش کرکے مادہ پرستی کو رواج دیا۔ اس سے دولت آبادی کے نہایت ہی قلیل حصہ کے قبضے میں چلی گئی اور کثیر حصہ بالکل مفلس اور اقتصادی غلام ہو کر رہ گیا۔ بجائے اسکے کہ کسی صالح و منصفانہ اصول پر دولت تقسیم کی جاتی ایک نہایت غلط قدم اٹھایا گیا۔ مفلسوں کو پرورش اولاد کے بار سے نجات دینے کے لیے ضبط تولید و منع حمل کی تحریک شروع کی گئی۔ اس نے حرام کاری و نفس پرستی کو فروغ دیا۔ "ادب جدید" نے جلتی آگ پر تیل چھڑکا۔ لوگوں کو گھریلو زندگی اور والدین سے نفرت ہو گئی۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ [illegible] بہت کم ہو گئی۔ حکومتوں کو فکر پیدا ہوئی۔ انھوں نے شرح پیدائش بڑھانے کی کوشش کی۔ بچے پیدا کرنے کی جائز ترغیب و تحریص کے علاوہ نامناسب ذرائع بھی استعمال کیے۔ جرمنی اور بعض دیگر ممالک میں بغیر شادی کے اولاد پیدا کرنے کی سرکاری طور پر حوصلہ افزائی کی اور دوسری طرف ان مساعی کے مقابلہ میں آزاد عورتوں نے اسقاط حمل کا اور نفس پرست مردوں نے زنا بالجبر کا حق مانگنا شروع کر دیا۔

ہم ہر ایک انصاف پسند شخص کو یہ سوچنے کی دعوت دیتے ہیں کہ اس اخلاقی پستی، بے راہ روی اور مصیبت کا علاج اسلام کے سوا اور کس کے پاس موجود ہے؟ (پیغام صلح)

"ترقی پسند" عورت

(پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب ایم اے کے ایک تازہ نشریہ کا اقتباس)

ہماری لڑکیاں اور عورتیں ان دنوں جس ذہنی کشاکش میں مبتلا ہیں اسکا مجھے بڑا قلق ہے۔ اپنی تندروی میں انھوں نے جو غبار اٹھایا ہے اس میں یہ خود اسیر ہیں۔ اور مطلق ریت و غبار میں سورج کی کرنیں دھوپ چھاؤں کی جو رنگین گریزپا پرچھائیاں [illegible] اٹھتی اور بیٹھتی رہتی ہیں، ان میں مسحور و مبہوت ہیں۔ ادنیٰ قسم کے سستے ناولوں اور بیہودہ افسانوں اور نظموں نے انکو کہیں کا نہ رکھا۔ وہ سمجھنے لگی ہیں کہ زندگی وہ کچھ ہے اور صرف وہی جو سینما، افسانوں اور نظموں میں نظر آتی ہے۔ انکو کون سمجھائے اور کیسے سمجھائے کہ یہ زندگی نہیں ہے، مسخرا پن اور چھچھورا پن ہے۔ بے تحاشا بھاگے جانا، شعر پڑھنا، رقص کرنا، اور زہر کھا لینا زندگی نہیں اوباشی ہے۔ زندگی اول آزمایش ہے آخر آزمایش ہے اور صرف آزمایش ہے۔ اسی میں خوشیاں بھی ہیں بےپایاں خوشیاں، اگر انکا یہ [illegible] ہو، اور ابدی خوشیاں، آزمایش سے عہدہ برآ ہونے اور ہوتے رہنے کی خوشیاں!

بعض عورتیں اپنی اس گمراہی یا دیوانگی کو اپنا بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اس طور پر انھوں نے مردوں کو بڑی زک پہنچائی ہے جنھوں نے ازل سے انکو محکوم و مقہور کر رکھا تھا! انکو نہیں معلوم کہ انکی یہ آزادی یا بغاوت بھی مردوں ہی کا کیا ہوا ایک لطیفہ ہے۔ مجھے

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون || اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر — عبدالماجد
پتہ: — دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: — حکیم عبدالقوی بی۔ اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ دو آنہ

صدق

نمبر ۳۶	دوشنبہ — ۲۲ — ذی الحجۃ الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰۔ دسمبر ۱۹۴۳ء	جلد ۹

سچی باتیں

مسلمانوں کا نیا سال شروع ہونے کو ہے۔ محرم کا چاند طلوع ہونے کو ہے۔ عوام مسلمانوں، عوام اہل سنت کے ہاں سال کا پہلا عشرہ، غم و ماتم کا عشرہ ہے۔ آپ کے ذہن میں ہے کہ یہ غم کیونکر منایا جائیگا، اور منایا جاتا ہے؟ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے ہاں کیا کیا شروع ہو جائیگا؟ — دن رات باجے بجینگے، ڈھول پر ڈھول پیٹے جائینگے، تماشے، جھانجھوں سب کا ۔ ۔ ۔ زور ہوگا۔ بعض جگہ روشن چوکیاں اور انگریزی بینڈ بھی ساتھ دینگے، نئے کپڑے پہنے جائینگے۔ رنگین لباس زیب تن ہونگے، ملیدے بنیں گے، حلوے تیار ہونگے، گھی اور شکر کی وہ ریل پیل ہوگی کہ گویا گھی کے دریا بہیں گے اور شکر کے پہاڑ تیار ہو جائینگے۔ گلی گلی اور گھر گھر شربتوں کا زور ہوگا، اور چائے کے دور چلیں گے۔ روشنی کی وہ افراط ہوگی کہ ہر گھر گویا بجلی گھر تیل، بتی، گیس کے ہنڈوں، بجلی کے قمقموں کے مصارف کی میزان تخمینہ و اندازے سے فزوں تر۔ بازار پر رونق نظر آنے لگینگے دکانوں پر چہل پہل ہو جائیگی۔ کہیں تماشے والوں کی بن آئیگی۔ طرح طرح کے سوانگ بھرنے والوں کی روزی کھل جائیگی، اور رنگین کاغذ، ابرک والوں کی تو کچھ پوچھیے ہی نہیں۔ ہر ہر گھر وندا، رنگین کاغذ اور پنیوں کا ایک مستقل معبود و مسجود بن جائیگا۔ بیجان مگر حاجت روا!

اور یہ "ماتم" ہو رہا ہوگا "امام عالی مقام" کا! "غم" ہو رہا ہوگا شہید کربلا کا! یادگار منائی جا رہی ہوگی کربلا کے واقعۂ خونیں کی! —— دنیا میں کسی کا "ماتم" آج تک اس "دھوم دھام" سے منایا گیا ہے؟ اپنے کسی عزیز کی موت کو کسی عزیز نے بھی اس پیمانہ پر "تقریب" منا کر بین کیا ہے؟ اپنے کسی بزرگ کی بھی یادگار کسی خورد نے، کسی شاگرد نے، کسی مرید نے یوں گا بجا کر، کھا پی کر منائی ہے؟ —— اور یہ سب کچھ کہاں ہوگا؟ خاص الخاص اہل سنت کے ہاں! تعزیہ بنانے والے اہل سنت ہونگے، اٹھانے والے اہل سنت ہونگے، دفن کرنے والے اہل سنت ہونگے۔ باجے گاجے والے ڈھول پیٹنے والے، روشنی اور حلوے ملیدے والے، سب سنی ہونگے! دوسرے فرقوں والے جو کچھ بھی کریں، انکے اعتقادات انھیں جس طرف بھی لیجائیں، یہاں روئے سخن صرف سنیوں کی طرف ہے۔ ان پر آخر یہ کیا شامت صدیوں سے سوار ہے؟ شیعوں کے نام تک سے بیزاری، لیکن اپنی حرکتوں میں، اپنے عمل کے لحاظ سے، ان سے کئی قدم نہیں کئی منزل آگے! —— اللہ کے بندو! دین و شریعت کو چھوڑ چکے، تو کیا عقل و فہم سے بھی مستقل دشمنی اختیار کرلی ہے؟

سینما کی قباحتیں

سینما کی شرعی و غیر شرعی قباحتوں کے سلسلہ میں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی لکھتے ہیں:—

"سینما کے نہیں، نفس تصویر سے متعلق میرا خیال ہے کہ بت پرستی کی روک یہ توجیہ سکی قدیم مصلحت تھی جو علماء کے سمجھ میں آئی تھی لیکن آج تصویر نے جن مفاسد کو دنیا پر ظاہر کیا ہے، فواحش اور بے حیائیوں کی جو اشاعت اس کی راہ سے ہو رہی ہے، بالغ ہونے سے پہلے بچوں کو جو بالغ بنایا جا رہا ہے ان معصوم بچوں سے نادانستگی میں عفت اور بھولے پن کی دولت چھین کر انھیں زنا اللہ فسق و فجور کو مجسم کرکے انھیں دکھایا جا رہا ہے۔۔۔ جو اثر لے سکتے ہیں اور لے رہے ہیں اب وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔۔ موجودہ نسلیں آیندہ نسلوں کی آئین ہیں، لیکن کھلے بندوں اس کے ساتھ

خیانت ہوتی جا رہی ہے۔ بجلی سے پہلے جائز و ناجائز ذریعے سے لوگ کسی ذمہ داری کو محسوس کیے بغیر آنے والی نسلوں کو منتقل بھی کر رہے ہیں، کمزور بھی کر رہے ہیں۔ یہ اصل اخلاقی دائرہ سے نکل کر اب تو تصویر کے مفاسد لینی دا[illegible]ں کے [illegible] سے پہنچ چکے ہیں، قوموں کو سوچنا پڑیگا کہ اگلی نسلوں کے [illegible] کو کھیل تماشوں کے ساتھ آخر کب تک یوں ہی جاری رہنے دیا جائیگا۔ اس کے اسراف [illegible] بربادی وقت و صحت وغیرہ بیسیوں [illegible] ایسے ہیں جنکی وجہ سے سنیما بینی کے عدم جواز یا مضر ہونے میں [illegible] ہر شکل [illegible] سے شبہ ہو سکتا ہے!

میں اپنے نوٹ کے ساتھ مولانا نے تصویر اور حرکت والی تصویر کی اخلاقی تباہ کاریوں کو بیان کر دیا ہے یہ تو آپ ہی کا حصہ ہے۔ لیکن اگر کوئی تفصیل سے لکھنا چاہے تو اس سے بہت زیادہ لکھا جا سکتا ہے۔ بجلی کی روشنی سے روشن تصویروں کا تیزی کے ساتھ آنکھ کے سامنے جھل مل کرتے رہنا آنکھ کے لیے خاص طور پر مضر ہے، جسکا تجربہ بآسانی ہو سکتا ہے۔ غرض یہ کہ ہر اعتبار سے اسکے مفاسد اسکے مصالح سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں اور کوئی اسلامی نظام حکومت اپنے عہد میں ہرگز اسکی اجازت نہیں دے سکتا۔ صدق میں ان پہلوؤں پر وقتاً فوقتاً اتنا زیادہ لکھا جا چکا ہے، کہ اب اگر کوئی صاحب صدق کا مسلک کسی درجہ میں بھی اسکے خلاف سمجھ رہے ہیں، تو وہ صدق ہی پر نہیں، اپنے معلومات پر بھی ظلم عظیم کر رہے ہیں!

اُمّ القریٰ

مولوی عبد الرؤف خاں صاحب صدر مدرس [illegible] جگدیش نگر ضلع بستی سے لکھتے ہیں:-

"ایک سوال رسول اکرم صلعم کے عرب میں مبعوث ہونے سے متعلق ذہن میں بار بار پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ جب سارے عالم کے لیے نبی بنا کر آئے، تو کسی مرکزی اور ٹھیک وسطی جگہ پر مبعوث کیوں نہ کیے گئے، تاکہ کسی قوم اور کسی ملک کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ مشہور ہے کہ ناف زمین ہے۔ لیکن ناف بھی وسط صحیح کے مقام سے ہٹ کر ہے۔ گزارش ہے کہ اس مسئلہ پر علمی و جغرافی دلائل سے روشنی ڈالیں کہ واقعی کیا وسط ارض ہے؟"

لیکن جغرافی مرکزیت بذاتِ خود تو کوئی مطلوب شے کسی درجہ میں بھی نہیں۔ مطلب اس سے یقیناً صرف یہ ہوگا کہ مولد اسلام کوئی ایسا مقام ہونا چاہیے، جہاں سے عالمگیر تبلیغ میں آسانی ہو ــــ خطیب کا منبر خواہ وسط صحن میں رکھا جائے، یا اِس کونہ میں یا اُس کونہ میں، بہرحال موقع ایسا ہونا چاہیے، جہاں سے سارے سامعین آواز زیادہ سے زیادہ سن سکیں ــــ اب کسی اچھے نقشے کو سامنے رکھ کر دیکھ لیجیے کہ وہ کون سا علاقہ ہے، جو دنیا کے تین بڑے اور آباد براعظموں کے خط اتصال پر ہے، علاقہ حجاز ہی کا نکلیگا۔ دنیا میں گنجان ترین آبادی کا مجموعہ آج بھی انہیں براعظموں میں منتشر ہے۔ اور آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل تو انکے علاوہ اور کہیں کہنا چاہیے کہ کوئی قابلِ ذکر آبادی تھی ہی نہیں! پھر اگر قدیم جغرافیہ نویسوں نے اسے وسط زمین یا ناف ارض کا لقب، یا تو اُس وقت کی معلوم دنیا اور موجودہ آبادی کے لحاظ سے غلط کیا تھا؟ بحر احمر جو آج بھی دنیا کے دو سمندروں (بحر ہند، بحر روم) اور تین بڑے براعظموں کے درمیان حد فاصل کا کام دے رہا ہے حجاز آج بھی اسی کے ساحل پر تو ہے۔

رہا ٹھیک مرکز، بقاعدہ ریاضی، سو جدید تحقیق کے مطابق تو زمین کروی ہے۔ اور کرہ کی سطح پر کوئی ایک متعین مرکز ہو ہی نہیں سکتا۔ سطح کا ہر ہر نقطہ یکساں مرکز فرض کیا جا سکتا ہے۔

اب ایک اور پہلو سے دیکھیے، اور جغرافیہ کے ساتھ ساتھ تاریخی جغرافیہ سے بھی کام لیجیے۔ دورِ قدیم میں مشرق کا سب سے بڑا تجارتی ملک ہندوستان تھا۔ دوسری طرف مغرب میں ملک مصر اور یورپ کی بڑی بڑی تجارتی منڈیاں تھیں۔ مشرق و مغرب کی ان تجارت گاہوں کے درمیان جو راستہ تھا، وہ ایک حد تک بحری تھا اور ایک حد تک بری۔ عرب کے علاقہ یمن و عمان ہی کے سوداگر مغربی ہند کے ساحلوں پر آ کر یہاں سے مختلف چاول، مختلف مسالے وغیرہ بطور مال تجارت ـــــ لے جاتے تھے، اور انھیں مصر و یورپ میں بیچتے تھے۔ جنوب میں یمن اور شمال میں شام کے درمیان کی مشہور و تاریخی شاہراہ تجارت بحر احمر کے کنارے کنارے اور مکہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گزرتی تھی ـــ غرض ان تمام حیثیتوں سے بھی دنیائے معلوم و آباد کا عین چوراہا حجاز تھا۔

قرآن مجید نے مکہ معظمہ کو اُمّ القریٰ سے تعبیر کیا ہے (انعام۔ آیت ۹۲. شوریٰ۔ آیت ۷) لفظی ترجمہ میں "بستیوں یا آبادیوں کی ماں"۔ لیکن خود "ماں" کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے

أم كل شيء أصله وعماده (قاموس)	ہر شے کی اصل یا عماد کو اسکی ام (یا ماں) کہتے ہیں

چنانچہ اُمّ القرآن، اُمّ القوم وغیرہ مرکبات "اُمّ" اسی معنی میں ہیں۔ اور ابن درید لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ

كل شيء انضمت اليه اشياء من سائر ما يليه (تاج العروس)	ہر ایسی چیز جس میں آس پاس کی چیزیں ملائی جائیں وہ اُن چیزوں کی ام (ماں) کہلاتی ہے

اور لغت قرآنی کے امام راغب نے کہا ہے،

يقال لكل ما كان اصلاً لوجود شيء او تربيته او اصلاحه او مبدئه (مفردات)	ہر وہ چیز اُمّ ہے، جو کسی دوسری چیز کے لیے بمنزلہ بنیاد کے ہو خواہ اُسکے وجود کے اعتبار سے یا اُسکی اصلاح یا اسکے مبدأ کے اعتبار سے۔

اور ظاہر ہے کہ ساری دنیا کی اصلاح و تربیت کا مرکز شہر مکہ ہی ہے۔ اسی بنا پر اسکا تسمیہ اُمّ القریٰ بالکل مناسب و موزوں ہے، خواہ اُسکا محل وقوع کہیں بھی ہوتا۔ لیکن مکہ و حجاز کو تو جغرافی مرکزیت بھی حاصل ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

توحید کی سب سے پہلی عبادتگاہ مکہ ہی میں تعمیر ہوئی۔ یہ تو قرآن مجید کی تصریح (ان اول بیت وُضِع للناس ببکۃ مبارکا)۔ باقی قتادہ، بلکہ خود ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ قول بھی تفسیروں میں نقل ہوا ہے، کہ

كنا نحدث ان منها دحيت الارض (ابن جرير) حيث كانت الارضين دحيت من تحتها (كبير)	فرش زمین کے نیچے سے بچھایا گیا ہے

گویا اولیت تشریعی کے ساتھ اولیت تکوینی بھی اسے حاصل ہے۔

روشن خیالوں کی تاریک خیالیاں

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، مدظلہ)

دوسروں کی آنکھ کے تنکے پر اعتراض کرنے والوں کو لارڈ ریڈل کے ارشادات کی فہرست صدق ۲۸ میں دے کر انکی آنکھوں کے جس شہتیر کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے، دل نے دیر تک اس کا مزہ لیا۔ کئی دن ہوئے المقتطف مصر کے ایک پرانے پرچے یعنی ۱۹۳۵ء پر نظر پڑی تھی، اس میں انگلستان کے بادشاہوں کی تاجپوشی کے رسوم کا ذکر بہ تفصیل کیا گیا ہے۔ اسی وقت جی چاہا تھا کہ ترجمہ کرکے صدق میں بھیج دوں۔ لیکن اس شہتیر کو دیکھ کر ہاتھ کھجلانے لگا۔ ترجمہ کرنے بیٹھ گیا۔ اردو یہ ہے:

اس نے لکھا ہے ویسٹ منسٹر کنیسہ میں ان بادشاہوں کی تاجپوشی اس شان کے ساتھ منائی جاتی ہے۔

کنٹربری کے لاٹ پادری صاحب کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں، میرے اہل قوم! آپ کے پاس فلاں بادشاہ مثلاً جارج پنجم کو میں پیش کرتا ہوں جو اس ملک کے بادشاہ اور ایسے بادشاہ ہیں جس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور آج آپ لوگ فرماں برداری کا عہد کرنے یہاں جو حاضر ہوئے ہیں، کیا آپ لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں؟ مجمع متفقہ آواز کے ساتھ چلاتا ہے، خداوندا! جارج بادشاہ کو زندہ رکھ اور انکی حفاظت کر۔ اسکے بعد اسی ملک میں جو ساری دنیا کو دین سے افسردہ اور کچھ بے زار بنا رکھا ہے اسی ملک میں یہ ہوتا ہے کہ لاٹ پادری مذکور بادشاہ کے سامنے ان دینی خدمات کی فہرست پیش کرتے ہیں، جو انہیں اپنے ایام حکومت میں انجام دینے پڑیں گے، اور مسیحی دین کے ایمانی کلمات کی تلاوت کرتے ہیں اور ایک مختصر وعظ کے بعد یہی لاٹ پادری صاحب آگے بڑھتے ہیں، بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں "میرے آقا! کیا آپ حلف اٹھانے کے لیے تیار ہیں؟ بادشاہ جواب میں کہتے ہیں ہاں! اور اسکے بعد حسب ذیل الفاظ میں حلف اٹھاتے ہیں کہ میں پروٹسٹنٹ عقیدہ کی حفاظت کروں گا، اور اپنی قوم پر انصاف کے ساتھ حکومت کروں گا۔ اسکے بعد بادشاہ ویسٹ منسٹر کی قربان گاہ کی طرف جاتے ہیں اور اسکے آگے سر جھکاتے ہیں اور توریت پر اپنا داہنا ہاتھ رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں،

"میں نے یہاں جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے اسے بجا لاؤں گا اور انکی حفاظت کروں گا۔ خدا میری مدد کرے۔" پھر بادشاہ توریت کو بوسہ دیتے ہیں، اور حلف کے الفاظ پھر دہراتے ہیں۔ اسکے بعد کرسی کی طرف چلے جاتے ہیں جو ملکہ کی کرسی کے پاس بچھی ہوتی ہے۔ اور بادشاہ اور ملکہ دونوں سربسجود ہو جاتے ہیں، اور اب قربان گاہ کی طرف دوبارہ جاکر شاہی لباس زیب تن کرکے شاہی تخت کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ اور ایک تاریخی پتھر جو وہاں ہے اس پر جاکر بیٹھ جاتے ہیں۔ نیز ویسٹ منسٹر کے ڈین صاحب زیتون کا تیل لگا کر چھوتے ہیں، اسکے بعد بادشاہ کو انکی شمشیر لگا دیتے ہیں، اور انکی تلوار کو قربان گاہ پر رکھ دیتے ہیں۔ اب اسکے بعد لاٹ پادری انتہائی عاجزی و مسکنت کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوکر دعا کرتے ہیں۔ دعا میں یہ بھی کہتے جاتے ہیں۔ "اے خدا! بادشاہ اس تلوار کو اپنی کمر میں بیکار نہ باندھے۔ بلکہ تیرے دین کی خدمت میں استعمال کرے۔ شریروں کو دھمکانے اور ڈرانے اور نیکوں کی پشت پناہی کرے۔"

اور ان کلمات کے بعد لاٹ پادری قربان گاہ سے تلوار اٹھا کر یہ کہتے ہوئے بادشاہ کے حوالے کرتے ہیں "دیکھ، اس تلوار سے دنیا میں عدالت کو جاری کر، برائی کو روک اور اللہ کے کلیسا کی حمایت کر، بیواؤں یتیموں کی مدد کر، جو چیزیں پرانی ہو گئی ہیں انھیں نئی کرکے انکی حفاظت کر، بگاڑوں کو درست کر اور نیکوں کی اعانت کر تاکہ نیکیاں پھلیں پھولیں۔"

لاٹ پادری ان کلمات کے بعد بادشاہ کو ایک چاندی (گنبد دار کرہ) و صلیب پیش کرتے ہوئے حوالے کرتے ہیں "خدا آپ کو نیکی کا لباس پہنائے اور نجات کے جامے سے آپ کو آراستہ کرے۔ اور اس کرہ (گنبد) کو جب آپ صلیب کے نیچے دیکھیں تو اسکو یاد کریں کہ سارا عالم مسیح (جن پر ہم فدا ہوں) کی قوت کے نیچے دبا ہوا ہے۔"

پھر لاٹ پادری بادشاہ کی انگلی میں حکومت کی انگشتری پہناتے ہیں، اور یہ کہتے ہوئے چوگان انکے سپرد کرتے ہیں کہ یہ انصاف کا چوگان ہے اور مہربانی کا۔ خدا آپ کی مدد کرے ان تمام امور کے نافذ کرنے میں جن کا آپ کو اقتدار بخشا گیا ہے۔ دیکھ! اے بادشاہ! ہمیشہ رحمدلی سے کام لینا، گو علم اور بردباری کے ساتھ جسکی کوئی انتہا نہ ہو، اور ہمیشہ انصاف سے کام لینا مگر مہربانی اور رحم کو نہ بھولنا۔ بدمعاشوں کو سزا دینا اور نیکوں کی حمایت کرنا اور اپنی قوم کو اس راہ پر لے چلنا جس پر انکا جانا ضروری ہے۔"

اب لاٹ پادری شاہی تاج کو قربان گاہ سے اٹھا کر خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے بادشاہ کو پہناتے ہیں۔ "اے خدا بادشاہ پر تیری رحمتیں نازل ہوں، اور اچھے کام کا تاج جسکے زیب سر کرے" تاج سر پر رکھتے ہوئے آخری الفاظ لاٹ پادری کے پھر یہ ہوتے ہیں

"خدا بزرگی اور جلال کا تاج آپ کو پہنائے"

تاج جوں ہی بادشاہ کے سر پر رکھا جاتا ہے، تمام ارکین حکومت اور امراء دولت اپنی کرسیوں کے نیچے سے اپنی اپنی ٹوپیاں اٹھا کر سر پر رکھتے ہیں اور بادشاہ زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں۔

سب سے عجیب آخری بات یہ ہے کہ جب بادشاہ تاج پہن کر تخت پر جلوہ افروز ہو جاتے ہیں تو اعیان دولت و حکومت ایک ایک کرکے بادشاہ کے سامنے جاتے ہیں "اور انکو سجدہ کرتے ہیں"۔ ان سجدہ کرنے والوں میں پہلا آدمی خود لاٹ پادری ہوتا ہے۔ پھر دوسرے پادری، پھر لارڈ اور شاہی خاندان کے اراکین، ہر ایک اپنی ٹوپی اتارتا ہے اور بادشاہ کے آگے جھکتا ہے اور کہتا ہے "زندگی بھر آپ کی خدمت کروں گا اور ہر قدم پر آپ کا امین رہوں گا۔ خدا ہماری مدد کرے۔" پھر ہر ایک بادشاہ کے تاج کو چھوتا ہے اور گزرتا ہے۔ یہ تو ہر ہر پارٹی کے لیڈر کرتے ہیں، لیکن خود پارٹی کے افراد وہ ننگے سر اپنی اپنی جگہوں پر جھکے رہتے ہیں۔

"سجدہ کرتے ہیں" میں نے "یسجدون لہ" کے الفاظ کا ترجمہ کیا ہے چونکہ

...دوں کا رجوع عیسائیوں اور عیسائی رسم و روایت ... ہے کہ کیا کیا ہوگا ترجمہ کرنے میں اُس سے غلطی ہوئی ہوگی۔ دیکھیے عیسائی ہونے کا نتیجہ ہے کہ "ابیے" کا ترجمہ اُس نے "دیوتے" کیا۔ غرض یہ کہنا ہے کہ سارے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ بیسویں صدی تک ملک انگلستان میں اس کے سلاطین، امراء، اعیان دولت اور علماء و فضلاء سب کی طرف حسب ذیل امور منسوب کیے گئے ہیں۔

(۱) حکومت کی سب سے بڑی تقریب، اُس حکومت کی جس کے مقبوضات میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا، اُسی حکومت کی سب سے بڑی تقریب کا سب سے بڑا نمائندہ نہ وزیر اعظم ہے نہ وزیر فینانس، نہ وزیر جنگ، نہ کمانڈر انچیف، بلکہ مذہبی پیشوا ہے۔

(۲) مذہب ہی کا پیشوا، بادشاہ سے بھی حلف لیتا ہے اور رعایا سے بھی۔

(۳) وہی تلوار باندھتا ہے، وہی تاج پہناتا ہے۔ الغرض وہی حکومت کو بادشاہ کے سپرد کرتا ہے۔

(۴) اس معاہدہ کے ساتھ سپرد کرتا ہے کہ سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام جو بادشاہ کو انجام دینا پڑے گا، وہ دنیا نہیں بلکہ دین ہے۔ اور دین بھی مطلق نہیں، دین مسیحی، اور دین مسیحی بھی نہیں، بلکہ دین مسیحی کی ایک خاص فرقہ داری شکل "پروٹسٹنٹ عقیدہ"

(۵) بادشاہ ان تمام معاہدات کی دینی پیشوا کے سامنے ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

(۶) وہ اس وقت نہ اپنی فوج، نہ اپنے بینک، نہ نیوی، نہ ایئر فورس، کسی کی مدد نہیں ڈھونڈھتا ہے، ڈھونڈھتا ہے تو خدا کی مدد ڈھونڈھتا ہے۔

(۷) حلف لینے کے وقت نہ روما کے قانون کی کتاب اس کے سامنے رکھی جاتی ہے، نہ برٹش لا کی کتابیں، نہ نیوٹن کے اکتشافات، اور نہ لاک، ہیوم وغیرہ کے فلسفہ کی کتاب۔ الغرض سارے وہ علوم جنھیں یورپ علم سمجھتا ہے انکی کتابوں میں سے کوئی کتاب نہیں، بلکہ ہاتھ رکھتا ہے تو بائبل پر یعنی مسیحی عقیدہ کے مطابق ان نوشتوں کا مجموعہ جو خدا کی جانب منسوب ہیں۔

(۸) لاٹ پادری کمر میں تلوار باندھتے ہوئے جو دعا کرتا ہے اس کا پہلا جزو یہی ہے کہ "اس تلوار سے تیرے دین کی خدمت کرے، اور کلیسا کی حمایت کرے۔"

(۹) زمین کا کرہ اور صلیب دے کر بادشاہ کے دل میں یہ عزم پیدا کرتا ہے کہ سارے عالم کو اسی صلیب کے نیچے رکھنے کی کوشش کرے۔

(۱۰) اور "یسجدون له" کا صحیح ترجمہ اگر یہی ہے کہ سب لوگ بادشاہ کے سجدے میں گر پڑتے ہیں تو اسکے یہی معنی ہیں کہ اس وقت تک تو رب مخلوق کے آگے بھی سجدہ کرنے کو اپنے لیے باعث ذلت نہیں بلکہ موجب فخر عادت خیال کرکے اختیار کیے ہوئے ہے۔ یہ ہے اُن لوگوں کا حال، جنھوں نے دنیا کی قوموں میں مذہب اور مذہبی نمائندوں کو حقیر بنانے کی سعی و محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ جنھوں نے دنیا کو باور کرا دیا ہے کہ مذہب کی خدمت حکومت کے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ جنھوں نے مذاہب والوں کا مضحکہ اس لیے اڑایا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو مذہبی دائرہ میں بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جنھوں نے دوسرے مذاہب پر الزام اور صرف الزام لگایا ہے کہ تلوار کے زور سے وہ پھیلایا گیا ہے، جنھوں نے ہر علم و فن کی کتابوں، حتی کہ افسانوں، قصوں کہانیوں کی کتابوں کا اعزاز قائم کرکے دنیا کی قوموں کے دلوں سے اپنی اپنی مذہبی کتابوں کا احترام نکلوا دیا ہے۔

اور آخر میں یہ کہ جس ملک میں بھی یہ پہنچے ہیں، وہاں کے ان سارے مقامات کو جہاں خدا کے آگے خدا کے بندے سجدے کیا کرتے تھے اکثر قریب ویرانی کے پہنچا دیا ہے۔ خدا کے سجدے ان تضحیک کرنے والوں کو دیکھ رہے ہیں کہ انکی پیشانیاں خدا نہیں، خدا کی ایک مخلوق کے آگے بھی جھکنے سے نہیں شرماتیں۔

جانتا ہوں، یاد کرنے والوں کو یہ بھی یاد کرا دیا گیا ہے کہ یہ سارے مذہبی کاروبار کسی واقعی عقیدت کے تحت انجام نہیں دیے جاتے، بلکہ پرانے زمانہ کے رسوم کی ایک جھوٹی نقل بنائی جاتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ہے، تو یہ اس سے زیادہ شرمناک ہے، کہ باپ دادا کی جن باتوں کو یہ حماقت یقین کرچکے ہیں ان ہی حماقتوں کو پھر یہ دہراتے کیوں ہیں۔ ان سے اچھے تو انکے وہی پرانے باپ دادا ہی تھے، کہ ایک چیز جو واقع میں حماقت اور ابھی تھی لیکن ان بیچاروں کے نزدیک چونکہ وہ حماقت نہ تھی اس لیے اسکی پابندی کرتے تھے۔ لیکن حماقت کو حماقت یقین کرتے ہوئے اسی کو بار بار دہرانا، میرے خیال میں تو پرانے احمقوں سے نئے احمقوں کی یہ حرکت زیادہ مستحق ملامت ہے۔ ان امور کو جن کے یاد کرانے میں وہ کامیاب ہوئے ہیں، اگر واقعی یہ خرافات سمجھتے ہیں، تو خرافاتی نظام پر لاکھوں لاکھ روپے ماہوار کیوں خرچ کیے جاتے ہیں۔ مجھے فرصت ملی تو مستقل میں ان شاء اللہ کنٹربری، یارک کی خانقاہوں اور انگلستان، اسکاٹستان، آئرلینڈ کے مذہبی معابد اور کلیساؤں، ڈیروں کے مصارف کی ایک مکمل فہرست پیش کروں گا، بلکہ جناب ہی اگر اس کام کو انجام دیتے تو آپ کے لیے زیادہ آسانی تھی۔ سر دست ریاست حیدر آباد اکتوبر ۱۹۳۲ء کے ایک مضمون صرف ہندوستان کی حد تک برطانوی حکومت کے دینی مصارف کا ایک مختصر خاکہ پیش ہے۔ یعنی عیسائی مذہب اور اسکے متعلقات پر ہندوستان کے خزانے سے سالانہ یہ رقمیں صرف ہوتی ہیں:۔

کلیسائے انگلستان ۶ لاکھ اڑتالیس ہزار — کلیسائے روم ۳ لاکھ ۲۷ ہزار
کلیسائے اسکاٹ لینڈ ۲ لاکھ ۲ ہزار — متفرق کلیسے ایک لاکھ ۵۲ ہزار
گرجوں کی سالانہ مرمت ۲ لاکھ ۰۰ ہزار — عیسائیوں کے قبرستان ایک لاکھ ۴۳ ہزار
پادریوں کو وظائف وغیرہ ۲ لاکھ ۵۰ ہزار

لیکن جب ہندوستان میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اسی کو نصیحت کرنے والے نصیحت کر رہے ہیں کہ مذہب پر ... ... کرنے سے اب تک باز نہیں آیا ہے — ان کی ان تاریک خیالیوں کا ہماری روشن خیالیوں سے مقابلہ کیجیے۔

(بقیہ صفحہ ۷)

قصد ہے تمام اخبارات کس پر حاوی ہے۔ موصوف کے انتقال سے اردو صحافتی دنیا کا ایک اہم رکن ہمارے درمیان سے اٹھ گیا۔

غم نصیب قاضی عابد علی رضوی، ایڈیٹر مخبر عالم

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۱)

("س" علامت سوال کی ہے اور "ج" علامت جواب کی)

س۔ (اصل عبارت محفوظ نہیں رہی۔ صرف ماحصل لکھا جاتا ہے) بندہ بہت دنوں سے مرشد کامل کی تلاش میں ہے۔ اب آپ پر نظر پڑی ہے۔ للہ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں لیا جائے۔ اور میری تربیت و اصلاح کی جائے۔ بندہ اختلاج قلب وغیرہ سے بھی سخت پریشان رہا کرتا ہے۔ اسکے دور کرنے کی بھی تدبیر بتائی جائے۔"

ج۔ (مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۶۳ء) اصلاح و تربیت کے کام کا میں بالکل اہل نہیں۔ آپ کو خدا معلوم کیا دھوکا ہو گیا چنانچہ اس تعلق سے بالکل معذرت خواہ ہوں۔

البتہ مخلصانہ مشوروں کی حد تک انکار نہیں۔ آپ کا خط آنے پر جو بات سمجھ میں آئیگی، حسب فرصت پیش کر دیا کرونگا۔ جس طرح پرانا مریض اپنے تجربوں سے نئے مریضوں کو مستفید کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ پہلا مشورہ آپ کے لیے بلا طلب یہ عرض کرتا ہوں کہ مولانا تھانوی اس فن کے ماہر خصوصی تھے۔ آپ موصوف کے کسی خلیفہ کو اپنے قرب و جوار میں تلاش کر کے ان سے تعلق ترتیب پیدا کیجیے۔ اور اپنے جسمانی عوارض، اختلاج قلب وغیرہ کے لیے رجوع ماہرین طب سے کیجیے۔

س۔ (ایک تازہ گریجویٹ کا خط) آپ تو جانتے ہیں کہ زندگی کی اس منزل میں مذہب اور عقیدے کے متعلق میرے تصورات تشکیک کا شکار ہیں۔ وہ تشکیک جسکے باعث بعض اوقات مجھکو عجیب عجیب ذہنیتوں سے گزرنا پڑتا ہے بعض ایسے ہی غیر خوشگوار لمحوں میں نماز سے فارغ ہو کر سکون قلب کے لیے تفسیر کا مطالعہ شروع کر دیتا ہوں۔ لیکن دوران مطالعہ میں ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میں سراپا استعجاب اور مجسم حیرت بن جاتا ہوں۔ یعنی پڑھنا اور سمجھ کر پڑھنا میرے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔ اسوقت دل کو یہ سمجھا کر کہ کلام ربانی کی تاب ابھی میری مفلوج اور بودی ذہنیت نہیں لا سکتی، میں قرآن پاک بند کر دیتا ہوں۔ آپ میری رہبری فرمائیں کہ حیرت کے بجائے سکون پیدا ہو اور میں مسلسل صحیفۂ پاک کے مطالعہ میں وقت صرف کر سکوں"؟

ج۔ یہ ایک محض کیفیت ہے وجدانی و اضطراری۔ تعقل و ارادہ سے اسکا تعلق نہیں۔ اس لیے یہ معصیت تو کسی درجہ میں بھی نہیں۔ اور اسکے لیے وہ فکر و اہتمام قطعاً غیر ضروری ہے، جو معصیت سے بچنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

البتہ ناخوشگوار وجدانی کیفیت پریشانی قلب کا باعث ضرور ہوتی ہے۔ اور انسان اپنے کو پریشانی سے بچانا چاہتا ہے۔ اگر مستقل طور پر اچھی صحبت کا التزام رہے، تو ان شاء اللہ کچھ دنوں میں قلب میں انشراح و اطمینانی کیفیت از خود پیدا ہو جائیگی، اور کسی خاص علاج کی ضرورت ہی نہ پڑیگی۔

اچھی صحبت میں اچھی کتابیں بھی داخل ہیں۔ مثلاً مثنوی مولانائے روم، اور امام غزالیؒ اور امام تھانویؒ کی صوفیانہ تصنیف، لیکن اس سے زیادہ مؤثر زندہ انسانوں کی معیت و رفاقت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کا حکم کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْن نہایت حکیمانہ، جامع و بلیغ ہے۔ صادقین کی طویل صحبت میں بڑی برکت ہے۔ ذہن کے ارد گرد ایک فضا ہی دوسری قائم ہو جاتی ہے اس میں تشکیک، ریب، بے یقینی کا نام و نشان بھی نہیں رہ جاتا۔ آپ جس بڑے شہر میں مقیم ہیں، وہاں یقیناً ایسی صحبتوں کا قحط نہیں ہو سکتا۔ گو یہ ضرور ہے کہ آپ کے مناسب حال صحبتیں ذرا تلاش کے بعد ہی ملیں گی، اور آپ کو مختلف تجربے کرنے ہوں گے۔ آپ کے شہر کے اہل علم طبقہ میں انشاء اللہ مولوی شاہ محمد الیاس برنی صاحب ہیں، ایک خاص رنگ سلوک کے ماہر، مولانا عبد الباری صاحب ندوی ہیں (حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز) مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی زاد فضلہ۔ یہ چند نام ذہن میں برجستہ آ گئے، اور محض مثال کے طور پر ہیں، تلاش و انتخاب آپ خود ہی بہتر کر سکتے ہیں تشکیک آفریں صحبتوں اور ہیجانی کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

دعا بھی اس مقصد کے حصول میں بڑا دخل رکھتی ہے، بشرطیکہ جی لگا کر اور کچھ دیر تک پابندی کے ساتھ کی جاتی رہے۔

ایک پُرانے اخبار نویس کی وفات

مرادآباد ۱۴ نومبر۔ اخباری دنیا میں یہ خبر نہایت حزن و اندوہ کے ساتھ سنی جائیگی کہ مرادآباد کے مشہور اور قدیم ہفت نامہ مخبر عالم کے بانی و نگراں اور ڈسٹرکٹ جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے صدر الحاج سید محمد عبد العلی عابد رضوی نے صرف چند روز علیل رہ کر گزشتہ شب کو ۹ بجے انتقال فرمایا۔ اور اپنے بیشمار احباب کو داغ مفارقت دے گئے۔

مرحوم مرادآباد کے ایک معزز اخبار نویس خاندان کے فرد تھے اور تمام عمر اپنی شاغل صحافت میں بسر کی۔ سب سے پہلے آپ نے ۱۸۹۰ء میں اپنے والد ماجد قاضی سید جمشید علی جم رضوی کی زیر نگرانی، جو خود بھی ایک مشاق اخبار نویس تھے، اخبار جام جمشید اور دہلی پنچ کی سب ایڈیٹری کے فرائض انجام دیے اور ۱۸۹۹ء میں خود اپنا پہلا اخبار لمبا اختر جاری کیا۔ اور اسکے بعد کچھ عرصے تک موصوف معین الاخبار کی ادارت کرتے رہے۔ بالآخر ۱۹۱۳ء میں آپ نے اپنے اخبار مخبر عالم کا اجراء فرمایا اور تا دم آخر اسکی ادارت اور نگرانی کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ موصوف کی مساعی جمیلہ نے مخبر عالم کو ایک بلند پایہ اور مقبول ہفتہ وار اخبار بنا دیا۔ موصوف اعلیٰ پایہ کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ جس دور میں حکیم محمد علی خاں طبیب، مولانا شرر اور پنڈت رتن ناتھ سرشار ناول نویسی کی صنف میں اردو ادب کی خدمات انجام دے رہے تھے اُسی زمانہ میں موصوف نے بھی چند ناول تصنیف کیے جنہوں نے ادبی حلقوں میں بہت کافی مقبولیت حاصل کی۔ آپ فن شعرگوئی میں حضرت داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور آپ کا دیوان جسکی طباعت کا

روس کے مسلمان

..... اس سے کس کو انکار ہے اور کس کو تھا کہ عوام کی خوش حالی کے لیے حکومت روس نے جو اہتمام کیا ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں۔ ۲۵ سال کی قلیل مدت کے اندر سلطنت روس کے تمام باشندے احتیاج سے کامل طور پر نجات حاصل کر چکے ہیں۔ اس میں مسلمان اور نا مسلمان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔ یہ بھی سب کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ روس کی متحدہ روس کے جتنے اجزاے ترکیبی ہیں انکو زیادہ سے زیادہ داخلی خود اختیاری حاصل ہے۔ اور آئین کے اندر انکو یہ رخصت ہے کہ جب چاہیں مرکزی حکومت سے علحدہ ہو جائیں۔

روس کی خبریں پہلے کم اور رنگ آمیزی کے ساتھ آتی تھیں۔ اب حکومت برطانیہ اور سوویٹ روس کے درمیان تعاون ہے۔ خبریں آتی ہیں، اور بے روک ٹوک۔ اب یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے زمانے کے آثار کی مرمت کی جا رہی ہے اور انکو زینت دی جا رہی ہے۔ عہد ماضی کے مسلمان اہل علم و فن کی برسیاں منائی جاتی ہیں، اُن کی تصانیف چھپوائی اور شایع کی جاتی ہیں۔

مسلمانوں کو خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں روس سے کوئی مخالفت اور عداوت نہیں ہے۔ انھیں اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روس کے صحیح حالات انھیں معلوم ہوں اور وہ انھیں باور نہ کریں۔ یا روس کے خلاف غلط پروپگنڈا کریں۔ دنیا میں بہت سی غیر مسلم دول ہیں۔ مسلمانوں کا طرز عمل کسی کے خلاف مخاصمانہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ روس کا اقتصادی نظام اشتراکی ہے اس وجہ سے مسلمان اس سے بیزار ہوں۔ امریکہ برطانیہ اور فرانس کے سرمایہ دارانہ نظام بھی اسلامی نہیں ہیں۔ اگر وہ اس بنیاد پر روس سے بیزار ہوں تو انھیں امریکہ اور برطانیہ سے بھی بیزار ہونا چاہیے۔ اشتراکی اقتصادی نظام تو کسی حد تک اسلام کے اقتصادی نظریوں سے مشابہ بھی ہے، سرمایہ دارانہ نظام تو بالکل نہیں۔

مسلمانوں کو روس سے ابتداءً یہ شکایت پیدا ہوئی کہ روس کی سوویٹ حکومت مذہب کے سخت خلاف تھی اور دہریت کی تبلیغ کرتی تھی۔ ان مسلم ممالک کے باشندوں کو اُس نے جبراً اپنی اطاعت پر اور اپنے دائرۂ حکومت میں رہنے کے لیے مجبور کیا۔ اُنکے اور روسی حکومت کے درمیان لڑائیاں بھی ہوئیں۔ سوویٹ حکومت نے جبراً پروپگنڈہ اور تعلیم کے ذریعہ اُنکی اسلامیت، مذہبیت اور دینداری کو مٹایا، پھیلایا اور اُن میں غیر اسلامی کلچر اور تصورات پیدا کر دیے۔ ممکن ہے کہ یہ سب روس کے مخالفوں کا پروپگنڈہ ہو، لیکن [illegible] کی تائید میں جو مضامین ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں بھی نہیں ہم نے اسکا ذکر نہیں پایا کہ ان مسلم جمہوریتوں کے مسلمان عقائد و اعمال کے اعتبار سے اچھے مسلمان ہیں مفتی اور مولوی کا ذکر بھی اس جنگ کے دوران میں آیا ہے تو اب پادریوں اور لیڈیوں کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ یقیناً مسلمانان عالم یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے کہ روس کے مسلمان اقتصادی حیثیت سے خوش حال ہیں تعلیم یافتہ ہیں اور صاحب اقتدار ہیں۔ بشرطیکہ ساتھ ہی انھیں یہ بھی علم ہوتا کہ وہ راسخ العقیدہ اور خوش عمل مسلمان ہیں۔ لینن گراڈ میں اُن مسلمانوں کا ذکر ہے جو سرخ فوج کو اجناس خوراک نذر کرنے کے لیے گئے تھے۔ جماعت کی نمازوں کا کہیں ذکر نہیں۔ رمضان میں روزے کا کہیں ذکر نہیں۔ علوم دینیہ کی تعلیم کے مدرسوں کا کہیں ذکر نہیں قرآن شریف کے ساتھ شغف کا کہیں ذکر نہیں۔ مسلمانان عالم کے لیے یہ کیا خوش ہونے کی بات ہے کہ کسی ازبک یا ترکمان شاعر کے گیت ریڈیو پر گائے جاتے ہیں، اور ہر مسلمان کے گھر میں ایک ریڈیو ہے۔ اگر ترکی جمہوریتوں کے باشندے اچھے مسلمان نہیں ہیں تو اُنکے اور مسلمانان عالم کے درمیان وہ تعلق رہ جاتا ہے جو غیر مسلم روسی جمہوریتوں کے باشندوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے۔

مسلمان تہذیب، تمدن، تصورات اور طرز فکر کے اعتبار سے دنیا کی تمام اقوام سے مختلف ہیں۔ اگر کسی حکومت نے جبراً یا حسن تدبیر ان کی امتیازی خصوصیات مٹا کر انھیں اپنا جیسا کر لیا اور ان خصوصیات کے بدلے میں دنیا کی ساری دولت دے دی تو مسلمانوں کے لیے یہ ہرگز خوش ہونے کی بات نہیں ہے۔ (منشور)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

ابو صالح صاحب (مبارکپور) تعجب ہے کہ جس کی شایع شدہ تحریروں کے بیسیوں کالم آپ کو مطمئن نہ کر سکے اُس سے "چار سطریں" یا "چند کلمات" آپ اپنی تشفی کے لیے کیسے خط میں چاہتے ہیں! مولانا گیلانی مدظلہٗ کی جو قدر افزائی فرمائی گئی، اسکا اُنکی طرف سے شکریہ۔

سید شرافت حسین (حیدرآباد دکن) آپ اپنا مضمون منشور (دہلی) کو بھیجیے۔ منقولات پر اتنی طویل بحث کے لیے گنجایش نکالنے سے معذوری ہے۔

ماہنامۂ ضیا

دو سال سے برابر پابندی وقت کے ساتھ یہ زنانہ ماہوار ادبی رسالہ اپنی پوری رعنائیوں اور دلآویزیوں کے ساتھ جاری ہے۔ ہر ماہ بہترین معیاری افسانے غزلیں، نظمیں، اور کشیدہ کاری کے بہترین اور نظر فریب نمونے شایع کیے جاتے ہیں۔ اسکا لحاظ خاص طور پر رکھا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مضامین خواتین ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنھیں عام طور پر خواتین پسند کرتی ہیں اور ضیا کی معاون اور سرپرست ہیں۔ جنوری ۱۹۴۴ء میں اسکا سالنامہ کیاں آب و تاب سے شایع ہو رہا ہے۔ ابھی سے اپنا پرچہ محفوظ کر لیجیے۔ سالنامہ نمبر کی قیمت عہ سالانہ چندہ و صدر [illegible] ہی پیشگی پرچہ مع خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:-

نمبر ۳۴ | دوشنبہ - ۵ - محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ۳ - جنوری ۱۹۴۴ء | جلد ۹

سچی باتیں

سچ بولئیے آخر ہے کیا شے، جس پر آج ہم سب بوڑھے اور بچے، عورت و مرد، امیر و غریب یکساں اپنے مال نثار رہے ہیں، اپنی جانیں فدا کر رہے ہیں؟ کون سی چیز ہے، جو ہمارے ملک و قوم میں یہ مرکزیت و وحدت پیدا کیے ہوئے ہے؟ کیا وہ ویسٹ منسٹر کی خانقاہ ہے؟ لیکن یارک اور کنٹربری کی مذہبی عمارتوں کا تقدس بھی تو کچھ کم نہیں؟ پھر کیا وہ شہر لندن ہے؟ لیکن اسکا بھی تو ایک حریف ایڈنبرا موجود ہے۔ تو پھر کیا وہ شاعر شکسپیر ہے؟ لیکن اسکے بھی تو رقیب موجود ہیں چاسر ہے، برنس ہے۔ نہیں، ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ وہ صرف ہماری انگریزی بائبل ہے!

یہ خلاصہ ہے اس تقریر کے تمہیدی حصے کا جو اسی جنگ کے دوران میں ایک مشہور برطانوی خاتون مس کلیمنس ڈین نے لندن کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی اور اب کتاب "انگریزی روح" (The English Spirit) کے مجموعہ میں چھپ گئی ہے (ص ۵)۔ تقریر کا عنوان ہے "ہماری بائبل"۔

آپ نے دیکھا؟ جو قوم ایک بڑی حد تک مذہب سے عملاً بے تعلق و بے نیاز، بلکہ اعتقاداً بھی ملحد و لامذہب سی ہو چکی ہے، وہ بھی یہ پکار پکار کر دنیا کو سنا رہی ہے کہ ہماری مرکزیت، ہماری بے مثال تنظیم و شیرازہ بندی کا مرکز ہماری عمارتوں میں نہیں، ہمارے متمدن و آباد شہروں میں نہیں، ہمارے شاعروں ادیبوں میں نہیں، ہماری صرف ایک کتاب میں ہے، اور وہ کتاب ہماری کتاب مقدس، ہماری بائبل ہے! ——— کتاب بیسویں صدی کی تازہ ترین تحقیق والی نہیں، صدی دو صدی قبل کی بھی نہیں، بلکہ دو ہزار سال قبل کی۔ اور فلسفہ پر نہیں، سائنس کی کسی شاخ پر نہیں، ناول نہیں، ڈراما نہیں، افسانہ نہیں، خالص الخالص دینی و مذہبی کتاب! ——— اور کتاب بھی کہاں؟ ترجمہ کتاب کیسے، برطانیہ کو یہ شیفتگی اصل بائبل سے نہیں، انگلش بائبل سے ہے!

پھر "کتاب" بھی وہ، جو مسیحی عقیدہ کے مطابق نہ آسمانی، نہ خود حضرت مسیح کی لکھی ہوئی، نہ لکھوائی ہوئی۔ انکی زبان تک نہیں، آپ کی زبان تو شامی یا سُریانی تھی۔ نہ آپ کے زمانہ میں کہیں اسکا وجود! یہ تو آپ کے سالہا سال بعد کچھ نوشتے آپ کے حالات اور ملفوظات میں آپ کے بعض رفیقوں اور صحابیوں کی جانب منسوب یونانی زبان میں پائے گئے، اور اسی متفرق مجموعہ کو سینٹ جیروم نے چوتھی صدی کے وسط میں کاٹ چھانٹ کے، حذف، ترمیم و تنسیخ کے بعد مرتب کر دیا۔ اور وہ بھی یونانی میں نہیں، لاطینی زبان میں! اسی مجموعہ میں بہت سے قدیم نوشتے عبرانی زبان سے بھی ترجمہ کرکے شامل کر دیے۔ اور پورے مجموعہ کا نام "دی ہولی بائبل" رکھ دیا۔ جس میں عہد عتیق و عہد جدید دونوں شامل ہیں! تو خلاصہ یہ ٹھہرا کہ برطانوی قوم عشق اور فریفتہ اسی ترجمہ در ترجمہ کے انگریزی ترجمہ پر ہے! یعنی پہلا ترجمہ سُریانی اور عبرانی سے یونانی میں، اور دوسرا ترجمہ یونانی سے لاطینی میں، اور تیسرا ترجمہ لاطینی سے انگریزی میں! اور پھر اسکی تاریخ اصل ایسی، کہ اسکا کتاب الٰہی ہونا تو خیر الگ رہا، کتاب مسیح ہونا بھی نہ مسیحیوں کو تسلیم نہ تاریخ کو! اور کتاب حواریین مسیح ہونا، زیادہ سے زیادہ، مسیحیوں کو تسلیم، تاریخ کو اس سے بھی انکار کیا ——— دوسری طرف

مقابلہ میں ایک دوسری قوم کا، جس کے پاس عہد اقدم ایک کتاب الٰہی موجود و محفوظ ہے ترجمہ اور ترجمہ در ترجمہ سے مسخ ہو ہوا کر نہیں، اپنی بالکل اصل عبارت کے ساتھ، اور کیا لفظ بلفظ، حرف بحرف! اور جس کی محفوظیت اور تاریخیت سے آج، اس چودھویں صدی میں بھی انکار کی ہمت نہ مسیحی کو ہے نہ یہودی کو، نہ ملحد کو نہ متشکک کو! —— ایک وہ انسانی دماغوں کی تراشی و خراشی ہے کہ ملحد و مشرک تک اُسے اپنا امام بنائے ہوئے ہیں، ایک یہ سرتاسر وحی الٰہی ہے کہ اکیلے سوتر کیں اسے امام بنانے پر مستعد نہیں!

ایک غلط حکم

ناظم صاحب شعبۂ اطلاعات مسلم یونیورسٹی کا مراسلہ کسی اشاعت میں کہیں درج ہے۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ "مسلم" یونیورسٹی کے حدود میں "حکم" افسروں کے حکم سے طالب علموں کے لیے شناخت وغیرہ کے لیے تصویر کھنچوانا لازم کر دیا گیا ہے، اور ناظم صاحب شعبۂ دینیات کے اعتراض کے بعد رعایت صرف اتنی کی گئی ہے کہ جو طالب اس حکم کو خلاف شریعت سمجھیں وہ اپنے کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست دے سکتے ہیں!

حکام یونیورسٹی کا یہ حکم ایک مسلم ادارہ کے حق میں صریحاً غلط ہے اور اسے فوراً اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ یہ استثناء والی رعایت تو سرکاری درس گاہوں اور دوسری غیر اسلامی درسگاہوں تک میں مسلم طلبہ کے لیے ہو سکتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں عام قانون تصویر کشی کا جاری رہنا، یقیناً ناقابل تحمل ہے۔ یونیورسٹی ہی میں ایک مستقل شعبۂ دینیات ہے اس میں ناظم کے علاوہ ایک صدر شعبہ بھی ہیں۔ اور اس مجلس کے رکن رکین مولانا شروانی ہیں۔ اور کورٹ کے ممبروں میں مولانا سید سلیمان ندوی جیسے فاضل موجود ہیں۔ حکام یونیورسٹی جب چاہیں جبری و لازمی تصویر کشی کے باب میں ان سب حضرات سے استصواب رائے اور استفتاء کر سکتے ہیں۔ غلطی جو ہونا تھی، ہو چکی۔ اب اُسے جس قدر جلد واپس لیا جا سکے یونیورسٹی ہی کے حق میں بہتر ہوگا۔

صدائے درد

ایک مخلص و معزز کرم فرما علاقہ مشرقی بنگال سے تحریر فرماتے ہیں:-

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آج کل آپ قحط کے مطالعہ کے لیے ان اطراف میں تشریف لائیں۔ عامۃ الناس کو علی العموم اور مسلمانوں کی علی الخصوص قابل قدر خدمت اس طریقے سے انجام دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ ذاتی مطالعہ کے بعد تحریر فرمائیں گے اُس کی اہمیت کچھ اور ہی ہوگی۔ دیگر علماء اور مریدوں میں آپ ہی کی پہلی بزرگ ہستی ہوں گی جو ایسا کریں۔ آپ اس گزارش پر ذرا غور تو فرمائیں"

لکھنے لکھانے کا سوال تو بعد کا ہے، اصل گزارش یہ ہے کہ ان قیامت خیز حالات کا معائنہ کیا کس سے جائیگا؟ بچشم خود دیکھنے کی تو نوبت ہی نہ آئی رہا، اخبارات ہی میں جب کبھی سرسری اور اچٹتی ہی نظر ان حالات پر پڑ جاتی ہے تو کب دل قابو میں رہ جاتا ہے!

کیا سرکاری اعداد دیے جا سکتے ہیں، [illegible]

چاٹگام کی ۳۰ ہزار آبادی میں سے پوری ۳ ہزار ملیریا میں مر چکی ہے!

فریدپور میں، کل ۵ مہینے کی مدت میں، ۳۰ ہزار سے اوپر ملیریا میں مر چکے، اور ۵ لاکھ ۷۴ ہزار اس میں مبتلا ہو چکے ہیں!

باریسال کے صرف ایک حصۂ ضلع میں ۴۰ ہزار انسانی جانیں ملیریا کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔

دو دو ہزار کی آبادی رکھنے والے گانوؤں تک میں چھ چھ سو ختم ہو چکے ہیں!

فریدپور میں ملیریا کی شدت اس درجہ شدید ہے کہ تین تین چار چار گھنٹوں میں موتیں واقع ہو گئی ہیں! (گویا اپنی قتالی میں ملیریا، ہیضہ و طاعون کو بھی کہیں پیچھے چھوڑ گیا)

یہ اعداد، صرف چند مقامات کے، نمونہ کے طور پر صرف ملیریا سے مرنے والوں کے درج ہوئے، باقی

ہیضہ،
چیچک،
قحط،
بیماری،

کی ہلاکتوں کی میزان کوئی اب کہاں لگا سکتا ہے؟ صرف ایک ضلع نواکھالی سے متعلق یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ ضلع کی ۲۰ لاکھ آبادی میں سے تقریباً ۲ لاکھ ختم ہو چکی ہے، اور ۲ لاکھ اور بس ختم ہونے ہی پر ہے!

یہ بھی سب کو خوب معلوم ہے کہ مشرقی بنگال میں اکثریت مسلمانوں ہی کی ہے غریب و فاقہ کش مسلمانوں کی! ہر ہر گھر میں کیا قیامت گزر رہی ہوگی! مائیں اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو ایڑیاں رگڑتے، ذبح کیے ہوئے جانوروں کی طرح تڑپتے پھڑکتے کس طرح دیکھتی ہونگی! بیویوں سے اپنے شوہروں کو پچھاڑیں کھاتے، دم توڑتے کیونکر دیکھا جاتا ہوگا!

ان منظروں کو ایک سے بڑھ کر ایک، دل ہلا دینے والے روح لرزا دینے والے، خون کے آنسو آنکھوں میں لے آنے والے منظروں کی تاب کون لا سکیگا؟ دلدوز چیخوں، روح فرسا کراہوں کے سننے کے لیے کوئی ہمت کہاں سے لائے؟ اسٹیٹسمین میں جو تصویریں زندہ اور مردہ ڈھانچوں کی چھپا کرتی ہیں انھیں پر نظر ڈالنا کس قدر صبر آزما تھا! —— معزز کرم فرما نے صدق کے مدیر کو اگر کوئی بہت کڑے دل کا انسان سمجھ رکھا ہے، تو یہ حسن ظن تمامتر بیجا ہے۔ گوشت پوست کا ہے، پتھر کا جگر اور فولاد کا دل اس وقت مشرقی بنگال کے دینی بھائیوں اور دینی بہنوں کی حالت زار کے مشاہدہ کے لیے چاہیے!

ایک ادبی صحبت

پچھلے عشرہ میں مدت کے بعد ایک ادبی صحبت میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ مجلس مشاعرہ کی تھی، اور مشاعرہ حمد و نعت کا نہ تھا۔ اور شاعر بھی سب کے سب اہل سنت یا مسلمان ہی نہ تھے۔ بارہ بنکی ہائی اسکول میں دو استاد ایسے ہو گئے ہیں، جو شعر و ادب کا خاص ذوق و سلیقہ رکھتے ہیں۔ ایک ان میں سے اتفاق سے میرے شاگرد کچھ روز کے لیے رہ چکے ہیں، اور دوسرے میرے چھوٹوں کے چھوٹے ہیں۔ انھیں

لاڈ پیار کا برتاؤ کرتے۔ سرزنش کبھی تادیبًا بھی نہ فرماتے۔ سیرت کی کتابوں میں ناز برداریوں کے متعدد واقعات درج ہیں۔

خلافت صدیقی کے زمانے میں آپ بچے ہی تھے تاہم تاریخ کا بیان ہے کہ خلیفۂ وقت ہر وقت آپ کا مرتبہ بہ حیثیت نبیرۂ رسول کے ملحوظ رکھتے تھے اور شفقت میں برابر لگے رہتے۔

خلافت فاروقی میں یہ شفقت بڑھتے بڑھتے بزرگ داشت اور تعظیم کی حد تک پہونچ گئی تھی۔ عدل کے سوا رعایت اور مروت کی گنجائش اس عہد میں تھی ہی کہاں، لیکن اگر کسی کے واسطے اس قانون میں استثناء تھا تو وہ حسنین ہی کی ذات مبارک کے لیے تھا ۔۔ ہر سے جو کچھ بھی کہیں، لیکن اہل سنت کی کتابیں تو ان مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہوں:۔

حضرت عمرؓ ایک بار اپنے ابتدائے عہد خلافت میں منبر نبوی ہی پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے حضرت حسینؓ ابھی کم سن لڑکے ہی تھے۔ منبر پر چڑھ آئے اور بولے کہ "میرے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منبر سے اترو، اپنے باپ کے منبر پر جاؤ!" حضرت عمرؓ نے جواب دیا لم یکن لابی منبر (میرے باپ کے تو کوئی منبر ہی نہ تھا!) یہ کہکر فرط شفقت سے حضرت حسینؓ کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا، اور وہ بیٹھے سنگریزوں سے شغل کیا کیے۔ (اصابہ)

ایک بار آپؓ حضرت عمرؓ سے ملنے گئے۔ وہاں امیر معاویہ تخلیہ میں تھے۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ دروازہ پر کھڑے ہوے تھے۔ انھیں کے ساتھ آپؓ بھی لوٹ آئے بعد کو جب ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ مجھ سے ملے نہیں؟ جواب دیا کہ اس روز میں آپ کے ہاں گیا تو تھا، لیکن آپ فارغ نہ تھے، اس لیے میں ابن عمرؓ کے ساتھ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا،

انت احق من ابن عمر فانما اتیت ما تری فی رؤسنا اللہ ثم انتم (اصابہ)

(ابن عمرؓ کا اور تمہارا کیا جوڑ) تم ابن عمر سے کہیں بڑھکر ہو۔ یہ ہماری جو کچھ عزت ہے اللہ کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔

معاشرت کے نمونے یہ تھے۔ اب ایک نمونہ معاملت کا سنیے۔ جب فتح ایران وغیرہ کے بعد حکومت اسلامیہ کو فارغ البالی نصیب ہوئی، اور مہاجرین و انصار وغیرہ کے بڑے بڑے روزینے مقرر ہونے لگے تو بدری صحابہ کی اولاد کا وظیفہ دو دو ہزار ماہوار قرار پایا، اور یہی سب سے بڑی شرح تھی۔ حضرت عمرؓ نے خود نام حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے پیش کیے، اور ان کے بھی وظیفے اتنی ہی اتنی رقم کے، بلکہ ایک روایت کے مطابق تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر پانچ پانچ ہزار کے مقرر کرائے!

حضرت عمرؓ کو جو محبت و شیفتگی خانوادۂ رسالت کے ساتھ تھی اسے دیکھتے ہوے یہ روایتیں کچھ عجیب بھی نہیں۔ حضرت علیؓ کو آپ وقت کا سب سے بڑا عالم و فقیہ مانتے تھے۔ ہر اہم مشورت میں شریک کرتے تھے۔ اور اعتماد و اعتبار رکھتے تھے کہ جب سفر شام و فلسطین کی ضرورت پیش آئی، تو مدینہ کی حکومت سارے صحابۂ کرام کو چھوڑکر حضرت علی مرتضیٰؓ ہی کے سپرد کرکے گئے۔ لیکن خیر، یہ تو تھا۔ یہی دوسرا موضوع چل رہا ہے۔

حضرت عثمانؓ بھی اپنے دور خلافت میں آپؓ کی پوری قدر کرتے رہے۔

اور آپ انکے عہد میں جہادوں میں شریک رہے۔ عہد مرتضوی میں آپ تقریبًا ہر معاملہ میں پیش پیش رہے۔ جنگ جمل، جنگ صفین دونوں میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حصہ لیا۔ جنگ جمل کے خاتمہ پر آپؓ حضرت عائشہؓ کی مشایعت کے لیے دور تک ساتھ گئے۔ جنگ صفین کے بعد معاہدہ پر آپؓ بھی شریک ثبت ہوئی۔ خوارج کے مقابلہ میں آپؓ نے جرأت، شجاعت، مردانگی کا نمایاں ثبوت دیا۔ مرجعیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ نے بھی خاندانی رنجش و ناگواری کے باوجود آپ کے ظاہری ادب و احترام میں فرق نہ آنے دیا۔ اور آپؓ انکے عہد میں بھی جہادوں میں برابر شریک رہے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں عہد امیر معاویہ میں جب رومی مسیحی سلطنت کا پایۂ تخت قسطنطنیہ کا محاصرہ لشکر اسلام نے کرلیا، تو اس میں حضرت حسینؓ غازی بن کر رہے۔ اسکا ذکر گبن نے اپنی مشہور تاریخ زوال روما میں خاص طور پر کیا ہے۔

آخر عمر میں کربلا کا وہ معرکۂ خونیں پیش آیا، جس سے دوست و دشمن سب واقف ہیں۔ اور ہر آنکھ اس پر اشکبار ہے۔ اس مختصر سرسری تذکرے میں اسکی تفصیل کی گنجائش کہاں۔ البتہ سنی نقطۂ نظر سے صرف اسقدر کہنا ہے کہ حادثہ یقینًا بہت سخت ہوا، دردانگیزی میں اپنی مثال آپ، لیکن جہاں تک آپؓ کی نفس شہادت کا تعلق ہے، اسکی ذمہ داری امیر شام (یزید بن معاویہ) سے کہیں زیادہ بعض ماتحت حکام اور بعض تکوینی حالات و اتفاقی حوادث پر ہے۔

صورت و جسم میں آپ بھی حضرت حسنؓ کی طرح رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

کان الحسن والحسین اشبہہم برسول اللہ صلعم (اصابہ)

حسنؓ اور حسینؓ دونوں رسول اللہ صلعم سے نہایت درجہ مشابہ تھے۔

بلکہ انسؓ کی روایت ہے، کہ آپ "شباہت رسول میں حسنؓ سے بھی بڑھے ہوے تھے۔ (تہذیب التہذیب)

عمر شریف کا بیشتر حصہ خوشحالی اور فارغ البالی کے ساتھ بسر کیا۔ خلافت ثانیہ و ثالثہ میں ۲ ہزار یا ۵ ہزار ماہانہ کا وظیفہ جاری رہا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں، حضرت حسنؓ کی دست برداری خلافت کے بعد سے یہ رقم ۲ لاکھ سالانہ کی ہوگئی تھی۔ قیام عمومًا مدینہ منورہ میں رہتا تھا، گو جب حضرت علیؓ نے دار الحکومت منتقل کیا تھا، تو آپؓ بھی انکے ہمراہ چلے گئے تھے۔

غایت کم سنی کے باوجود کچھ اقوال رسولؐ کی زبان سے سُن کر محفوظ کرلیے تھے۔ ان روایتوں کی تعداد آٹھ ہے۔ اور محدث ابو داؤد، محدث نسائی، محدث ابن ماجہ و محدث ابو یعلیٰ نے انھیں قبول کرکے نقل کیا ہے۔ وقد حفظ الحسین عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وروی عنہ اخرج لہ اصحاب السنن احادیث یسیرۃ وروی ابن ماجہ وابو یعلی عنہ (اصابہ) فقہ و اجتہاد میں بھی ممتاز مرتبہ رکھتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ جیسے افقہ و اعلم کے صاحبزادہ ہی تھے۔ عبد اللہ ابن زبیرؓ بار بار آپ کی جانب مسائل فقہ میں رجوع کرتے تھے۔

زہد و تقویٰ، عبادت، سخاوت، دنیا سے بے تعلقی، انکسار و تواضع، عفو و کرم، فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار

دکھتیں نماز کی رات ان میں پڑھو آتے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ قیام مدینہ کے زمانہ میں ۲۵ حج پاپیادہ کیے! صدقات، خیرات، سیرچشمی کی حد نہ تھی۔ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔ ایک جامع فقرہ ہمارے ان مستند ترین تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے،

كان الحسين رضي الله عنه كثير الصلوٰة والصوم والحج والصدقة وافعال الخير جميعها (اسد الغابہ)	حسین رضی اللہ عنہ بڑے ہی نماز پڑھنے والے، بڑے روزہ رکھنے والے، بڑے حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور ساری نیکیوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

زبانِ نبوت سے آپ اور آپ کے بھائی کو جوانانِ جنت کے سردار (سید اشباب اہل الجنۃ) کا لقب عطا ہوا ہے۔ احادیث انکے فضائل میں متعدد وارد ہوئی ہیں۔ یہاں صرف دو نقل کی جاتی ہیں،

ان النبي صلى الله عليه وسلم اخذ بيد حسين وحسين وقال من احبني واحب هذين وابا هما وامهما كان معي في درجتي يوم القيامة (جمع الفوائد عن رزين)	رسول اللہ صلعم نے حسنؓ اور حسینؓ کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کسی کو محبت ہوگی میرے ساتھ اور ان دونوں کے ساتھ اور انکے ماں باپ کے ساتھ وہ میرے ہمراہ قیامت میں میری منزل میں ہوگا۔
قال النبي صلى الله عليه وسلم لعلي وفاطمة والحسن والحسين انا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم (ترمذی)	رسول اللہ صلعم نے علی اور فاطمہ، حسن اور حسین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جو تم سے لڑیگا اُس سے میں لڑونگا۔ اور جو تم سے صلح رکھیگا میں اس سے صلح رکھوں گا۔

دین و رنگ کی یہ مجسم تصویر کسی کو پسند ہو یا ناپسند، یہ ایک الگ سوال ہے۔ بہرحال یہ تھے اہلِ سنت کے ولی کامل، امام وقت، سبطِ رسول، ریحان گلشن نبوی، سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔

لیگ اور مسلم خواتین

مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے ساتھ ہی ساتھ مسلم خواتین کی لیگ کا اجلاس بھی ہو رہا ہے اور ہونا چاہیے۔ اس سے کسی کو بھلا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن مسلم خواتین کی استقبالیہ کمیٹی نے ایک نہایت ہی عجیب قرارداد منظور کی ہے۔

پہلے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ کوئی مسلمان عورت کھلے اجلاس میں مردوں کے ساتھ نہ بیٹھے بلکہ سب پردے میں بیٹھیں لیکن بعد میں یہ ترمیم پیش کی گئی کہ جو عورتیں کھلے اجلاس میں مردوں کے دوش بدوش بیٹھنا چاہیں انھیں اسکی اجازت ہے بشرطیکہ وہ سادہ لباس پہنے ہوئے ہوں اور وہ لباس سبز حاشیہ کی سفید ساڑھی پر مشتمل ہو۔ زیور نہ پہنیں۔ غازہ وغیرہ استعمال نہ کریں۔ تاکہ نئی نسل کے لیے نمونہ قائم کر سکیں۔

اب تک ہم سمجھتے تھے کہ مسلمان مردوں ہی کے اغراض ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجذوبیت عورتوں تک بھی متعدی ہو چکی ہے۔

اول تو یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر مسلم خواتین کی کوئی لیگ موجود ہے اور اسکا علیحدہ اجلاس ہو رہا ہے تو اسکی مجلس استقبالیہ زنانہ اجلاس کے دائرہ سے تجاوز کرکے مردانہ اجلاس کے انتظامات میں کیوں دخل دے رہی ہے۔ اور اگر آئین کی کسی دفعہ یا قائداعظم کے کسی حکم سے زنانہ لیگ کی استقبالیہ مجلس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مردانہ اجلاس میں عورتوں کی شرکت کے متعلق مسائل کا فیصلہ کرے۔ تو یقیناً پہلا فیصلہ ہی صحیح تھا کہ مردانہ اجلاس میں سب مسلمان عورتوں کو پس پردہ بیٹھنا چاہیے۔ خواہ وہ مس فاطمہ جناح ہی کیوں نہ ہوں۔ نئی نسل کے لیے نمونہ قائم کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

لیکن یہ جو ترمیم کی گئی ہے، اسکے تو ایک ایک لفظ سے عورتوں کا ناقص العقل والدین ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

افسوس کہ مسلم خواتین کو ہزارہا مردوں کے پہلو بہ پہلو کھلے منہ بیٹھنے کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن شرائط حسب ذیل ہیں:- لباس سادہ ہو۔ اور وہ کیا ہو؟ سبز حاشیے کی سفید ساڑھی! یعنی مسلم عورتیں ہندو عورتوں کا لباس پہنیں۔ دوپٹہ، قمیص، اور شلوار یا غرارہ سادہ لباس میں داخل نہیں ہے!! زیور نہ پہنیں۔ غازہ استعمال نہ کریں۔ یہ شرائط دینی احکام سے ماخوذ نہیں، بلکہ استقبالیہ خواتین کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ ہیں!...

...لیکن آخر کیا یہ بیہودہ باتیں ہیں! اسلام عورت کو ستر اور حیا داری کی تلقین کرتا ہے۔ اور مردوں اور عورتوں کی مخلوط اور "پہلو بہ پہلو" مجلس کو جائز نہیں رکھتا۔ اس لیے اجلاس مسلم لیگ میں عورتوں کی شرکت پس پردہ ہی بہتر ہے۔ اس قسم کی لغو ترمیمیں پیش کرنا اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرنا ہے۔

(انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ۱۸ جنوری ۱۹۴۴ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت اپنا چندہ مبلغ پانچ روپیہ وسط جنوری تک روانہ فرما دیں۔ تاکہ آخر جنوری تک دفتر کو وصول ہو جائے اور پہلی فروری کو وی پی نہ روانہ کیا جائے۔

خریدار نمبر ۲۳۰، ۳۴۳، ۵۹۱، ۵۹۹
۶۸۲، ۶۸۳، ۶۹۰، ۶۹۵
۷۱۴، ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۴۰
۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۶، ۹۹۹
۱۱۴۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷
۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱
۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵
۱۲۵۹، ۱۲۶۹، ۱۲۷۹، ۹۳۹
۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۶، ۹۴۷
۹۵۲، ۹۶

خادم مہتمم صدق

مراسلہ

تصویر کشی اور مسلم یونیورسٹی

(از ناظم صاحب شعبۂ اطلاعات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

اخبار صدق کی اشاعت تاریخی ۲۵ نومبر میں بعنوان تصویر کشی مسلم یونیورسٹی کسی مراسلہ نگار کی وساطت سے یونیورسٹی کے سنّی ناظم دینیات پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ موصوف نے اکیڈمک کونسل کے اجلاس میں جب شناخت کارڈ پر طلباء کی تصویر چسپاں کرنے کا سوال درپیش تھا تصویر کشی کی مخالفت نہیں کی اور اس بدعت کو منظور کرلیا۔ اس غلط واقعہ کی تردید کے لیے اکیڈمک کونسل اور ایگزیکیٹو کونسل کے فیصلوں اور سنّی ناظم دینیات کی اس رائے کو ہم نقل کرنا چاہتے ہیں۔ جو اکیڈمک کونسل کی کارروائی میں درج ہے:

نقل قرارداد نمبر ۱۵-اکیڈمک کونسل تاریخی ۱۲ دسمبر ۱۹۴۲ء

رجسٹرار صاحب کے اس نوٹ پر غور کیا گیا کہ موجودہ سیشن میں طلباء سے شناخت کارڈ کی قیمت ۲ روپیہ فی کس وصول کی جائے۔ اس معاملہ میں سنّی ناظم دینیات نے اعتراض فرمایا کہ شریعت میں تصویروں کا استعمال قطعًا ناجائز ہے [اصل انگریزی یونیفنگ کا ترجمہ ہے "اس سلسلہ میں سنّی ناظم دینیات نے یہ بتایا کہ ان کے خیال میں تصویروں کا استعمال شریعت میں درست نہیں"۔ صدق] ایگزیکیٹو کونسل سے یہ سفارش کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ یونیورسٹی کے طلباء سے اس سیشن میں ۲ روپیہ فی کس شناخت کارڈ کی قیمت وصول کی جائے۔

نقل قرارداد ۶۴ ایگزیکیٹو کونسل تاریخی ۲۴ جنوری ۱۹۴۳ء

قرار دیا گیا کہ اکیڈمک کونسل کی سفارش زیر قرارداد ۱۵ تاریخی ۱۲ دسمبر ۱۹۴۲ء کے مطابق طلباء سے ۲ روپیہ فی کس شناخت کارڈ کی قیمت وصول کی جائے لیکن اگر کوئی طالب علم تصویر کشی کو اپنے ایمان کے خلاف سمجھے اور معترض ہو، تو پرو وائس چانسلر صاحب اسکو مستثنیٰ کرسکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مذکورہ بالا تفصیلات سے سنّی ناظم دینیات کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کرائی گئی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی۔ ایگزیکیٹو کونسل نے دراصل ناظم صاحب کے اعتراض کی بنا پر ہی اپنی قرارداد میں استثناء رکھا ہے۔

صدق - ناظم صاحب کی طرف سے تو صفائی بحمد اللہ ایک بڑی حد تک ہوگئی۔ لیکن وہ ایگزیکیٹو کونسل ہو یا اکیڈمک کونسل یا مسلم یونیورسٹی کی کوئی سی بھی مجلس کسی کا بھی نصب العین یونیورسٹی میں تصویر کی ترویج کا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ جو چیز شریعت اسلام میں ناجائز ہے اسکی ترویج و ترغیب حدود مسلم یونیورسٹی کے اندر عملًا و قانونًا گنجائش استثناء کے باوجود بھی کیونکر روا رکھی جا سکتی ہے؟ حیرت ہے کہ دونوں کونسلوں کے ممبر مسلمان ہی ہیں، انکی غیرت اسلامی نے ایسی غیر اسلامی تجویز کے حق میں ووٹ دینا گوارا کیونکر کیا!

استثناء بالکل ناکافی ہے۔ یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے، کہ پہلے یونیورسٹی میں ایک عام قانون شراب خواری کا جاری کردیا جائے، اسکے بعد یہ کہہ دیا جائے کہ جو لڑکے شراب پینا جائز نہیں سمجھتے، وہ اپنے کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست پرو وائس چانسلر کی خدمت میں پیش کردیں۔ لڑکوں کے سمجھنے نہ سمجھنے کا کوئی سوال ہی نہیں، سوال صرف حکام کے ایک غلط قانون کے جاری کردینے کا ہے --- خیال ایسا پڑتا ہے کہ دونوں کونسلوں کے ممبر اچھے اچھے غیرتمند اور دین و مذہب کو عزیز رکھنے والے ہی ہیں۔ مولانا شروانی، سیر نیراب، خان بہادر پروفیسر عبد المجید قریشی، وغیرہم۔ اور خود وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر دونوں صاحبان کی رائے عامہ کا احترام اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ ایسے غلط اور غیر اسلامی قانون کا نفاذ آئندہ ہرگز نہ ہونے دینگے۔

لرزہ خیز واقعہ

اخبار قومی جنگ میں سات لڑکیوں کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جسکے نیچے ذیل کی عبارت ہے۔ "یہ تصویر بنگال کے ضلع میمن سنگھ کی سات مسلمان لڑکیوں کی ہے۔ جنھیں میمن سنگھ کی عوامی حفاظتی کمیٹی کے کارکن قحبہ خانوں سے نکال کر لائے ہیں۔ آجکل بنگال میں آج یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ مائیں اپنے بھوکے بچوں کو، جوان لڑکیوں کو دلالوں کے ہاتھ بیچ دیتی ہیں، جو اُنھیں قحبہ خانوں میں لے جاتے ہیں اور اُن سے پیشہ کراتے ہیں۔

ان میں سے سب سے چھوٹی عائشہ ہے جسکی عمر ڈھائی سال ہے اور سب سے بڑی رقیہ کی عمر دس سال۔ یہ دراصل بارہ کی ٹولی تھی۔ گیارہ مسلمان اور ایک ہندو جنھیں قحبہ خانہ سے لایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک پناہ گاہ میں بھیجدی گئی۔ دو گاؤں واپس گئی ہیں اور ایک جسے سوزاک اور آتشک ہے شفاخانہ میں پڑی ہوئی ہے۔ یہ لڑکیاں بنگال کے بھوکے کسانوں کی چشم و چراغ ہیں جنھیں نو اور دس روپیہ میں بیچا تھا۔ آج ان بچیوں کے ماں باپ کا بھی پتہ نہیں شاید وہ مرچکے ہیں"۔ اس رونگٹے کھڑے کردینے والے واقعہ سے کس کا دل نہ تڑپ اٹھا ہوگا کہ یہ جرائم اس لیے ارتکاب پذیر نہیں ہوئے کہ بنگال میں بھوک کے ہر چیز کی قلت ہے بلکہ یہ پسماندگی اور نگہداری کے نقائص کا نتیجہ ہیں اگر حکومت اور امدادی انجمنیں فرض شناسی سے کام لیں۔ تو وہ اس قسم کی بچیوں کو جو محض والدین کی فاقہ کشی کے باعث ماریکیٹ کی جنس بننے پر مجبور ہو رہی ہیں، اپنے قبضہ میں لے لیں اور اسکے بعد انھیں پناہ گاہوں میں بھیجدیں۔ اس سلسلہ میں خاکساروں کو زیادہ جد و جہد اور فرض شناسی سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ انکی ذمہ داریاں دوسروں کی نسبت زیادہ اہم ہیں۔ ورنہ اس قسم کے لرزہ خیز جرائم کا ارتکاب ہوتا رہیگا۔ (زمیندار)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)
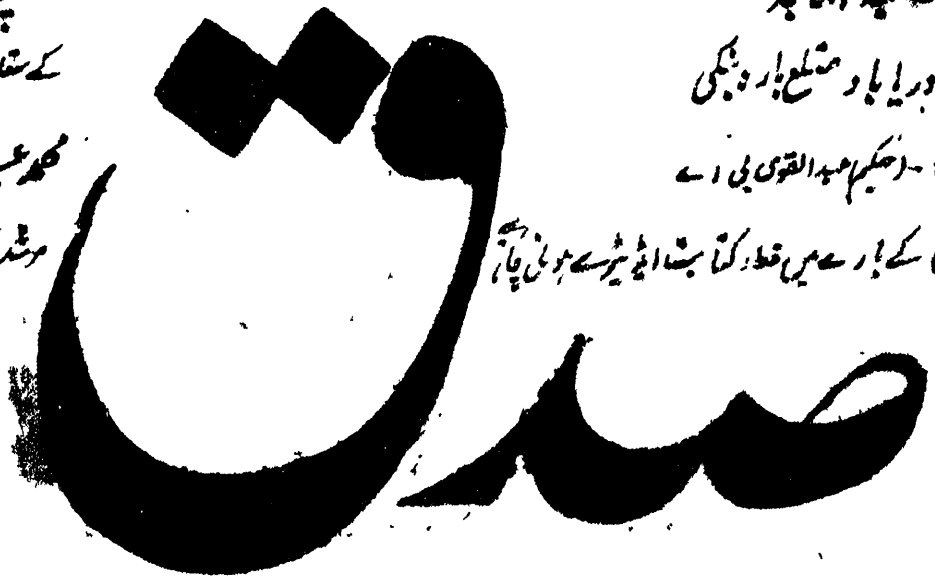
نمبر ۳۶ | دوشنبہ - ۲۷ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۴۴ء | جلد ۹

سچی باتیں

کلکتہ اور بمبئی "صاحب" کے بخشے ہوئے تمدن کے، ملک میں دو سب سے بڑے شہر ہیں - ایک مشرق کے سرے پر، دوسرا مغرب کے ساحل پر - اور تمدن کی سب سے نمایاں علامت ہے بلند عمارتیں، اونچے سے اونچے مکان - دو منزلی عمارتوں کو یہاں پوچھتا کون ہے - جس مکان، جس دوکان پر نظر کیجیے سہ منزلی، چو منزلی، پنج منزلی! گویا قدآور دیو اور دیوزادے ہیں کہ سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہیں، پر اجمائے، سر اٹھائے، تنے اور اکڑے - یا دھرمسے کے میدان میں راون اور اسکے بھائیوں کے کاغذی پتلے ہیں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے!

—— کلکتہ کی سب سے اونچی عمارت کہنے والے کہتے ہیں کہ ۱۵۰ فٹ بلند ہے، اور بمبئی کے ایک سینما گھر کی سب سے اونچی گزبھی کوئی ۲۰ - ۲۵ فٹ اس سے بھی بلند ہے! ناپنے والوں نے کیا کوئی چیز بغیر ناپے چھوڑی ہے؟

صاحبانہ ہندوستان کی تعمیری کائنات کُل اتنی ہی ہے - بہت اونچا ہوا، بہت تنا، بہت اکڑا، بہرحال ۲۰۰ فٹ کے اندر ہی رہا - کیا ہستی ہے اسکے ان شہروں اور انکے چھ منزلے ست منزلے محلوں کی "نئی دنیا" کے ایک شہر نیویارک کے مقابلے میں! یہاں ایک عمارت ہے، سرکاری نہیں، ایک کارخانہ دار کی، وولوورتھ بلڈنگ کے نام سے - اسکی اونچائی ہے ۷۵۲ فٹ! اور اس عمارت کی منزلیں نہ چھ ہیں نہ سات - بلکہ انکے حاصل ضرب سے بھی کہیں زائد، یعنی ۵۴! اور نیٹوں کے حساب سے اسکی بلندی ۷۵۲ فٹ کی!

—— کلکتہ اور بمبئی کی بڑی سے بڑی بلندیوں سے چوگنی پچ گنی! ——

تو خیر تھی ہی، بعد کو خبر آئی، کہ ایک دوسری عمارت کرائسلر بلڈنگ کے نام سے تیار ہوگئی - اسکی بلندی ۱۰۴۰ فٹ کی ہے، اور منزلوں کی تعداد ۸۰ سے اوپر! —— دوسری نفاستوں، نزاکتوں، صناعیوں کو چھوڑیے، سردست ان بلندیوں کو سوچیے - یہاں کے جھونپڑوں اور کچے مکانوں میں رہنے والوں کا تو شاید خیال بھی وہاں تک نہ پہونچ سکے؟

ایک نظام تمدن یہ ہے - دوسرا ایک نظام تمدن اور بھی ہے - اور دنیا اس سے بھی ناواقف نہیں! ایک نمونہ اسکا بھی ملاحظہ ہو: -

عن انس قال خرج رسول اللہ صلعم فرأی قبۃ علی باب رجل من الانصار فقال ما ھذہ قالوا قبۃ بناھا فلان فقال رسول اللہ صلعم کل مال یکون ھکذا فھو وبال علی صاحبہ یوم القیٰمۃ فبلغ الانصاری ذلک فوضعھا فمر النبی صلعم بعد فلم یرھا فسأل عنھا فاخبرتہ فقال یرحمہ اللہ یرحمہ اللہ۔
(سنن ابن ماجہ - کتاب الزھد باب فی البناء)

انس سے روایت ہے، کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم ایک انصاری کے دروازے سے گزرے جس پر گنبد تھا - آپ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، کہ گول گنبد ہے جسے فلاں شخص نے بنایا ہے - آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو مال ایسی چیزوں پر خرچ ہو، وہ قیامت کے دن وبال ہوگا اسکے مالک پر - یہ خبر اس انصاری کو پہونچی، اس نے اسے گرا دیا - (اس کے بعد) ایک بار آنحضرت پھر ادھر سے گزرے، اور (گنبد) آپ نے اسے نہ پایا، تو آپ نے اسکی بابت دریافت فرمایا - سو آپ سے کہا گیا کہ انصاری کو جب ارشاد والا کی خبر پہونچی، تو اس نے اسے گرا دیا - آپ نے (خوش ہوکر) فرمایا: "اللہ اسکا بھلا کرے، اللہ اسکا بھلا کرے!" (مکرر)

مکان کی منزلوں دو منزلوں کا ذکر نہیں، بلندی کے سیکڑوں فٹ تک پہونچنے کا سوال نہیں، صرف اتنا عمت کہ مکان پر بلا ضرورت گنبد کیوں بنایا گیا - اللہ کی کامل و مکمل شریعت اور رحمت لگیر پیام لانے والے کو ناگوار گزرا، اور

شریعت کی دعا اُس پاک اور شیریں زبان سے صرف اُسوقت نکلی جب وہ فخر و غرور کی عمارت ڈھادی جا چکی ۔ دنیا کو اختیار رہے کہ چاہے تو سرمایہ داری کے بنیادی سرمایہ پرستی کے ان تکلفات و تکلیفات کی دوزخ میں پڑی جلا بھنکا کرے ۔ یا چاہے تو بچنے جو سادگی و قناعت امن و راحت کی اس جنت میں داخل ہو جائے !

دو سوالات

ایک صاحب علم نے سوالات ذیل بھیجے ہیں :-

(۱) نقد کا وہ نفع جو غریبوں کی اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حاصل کیا جائے بے شبہ ربو یا سود کہلانے کا مستحق ہے اور ظالمانہ طریق کار ہے لیکن نقد کا وہ نفع جو اس طرح وصول کیا جائے کہ خود قرض خواہ بھی اوائے سود کے بعد قرض دہندہ کے ساوی یا اُس سے بھی زیادہ فائدہ اُٹھالے، جیسا کہ بینک سسٹم میں نظر آتا ہے، تو کیا اس نفع کا شمار بھی ربو اور ظالمانہ طریق کار میں ہوگا ؟

(۲) وقف علی الاولاد کی صورت میں ریاست یا جائداد محفوظ تو رہ جاتی ہے مگر عدم توریث کی بنا پر مورث کے مرنے پر ورثا میں تقسیم نہیں ہو سکتی ۔ جس سے ایک مسئلہ شرعی وراثت کا انسداد لازم آتا ہے ۔ دوسری خرابی یہ کہ مذموم سرمایہ داری اور اکتناز (جمع دولت) کے لیے ایک راستہ کھل جاتا ہے ۔ موجودہ زمانہ کی وقف علی الاولاد کی جاگیریں اور تعلقے آج اگر ورثا میں تقسیم ہوتی رہتیں تو ایک تعلقہ بھی تعلقہ اور ایک جاگیر بھی جاگیر کی صورت میں نظر نہ آتی، بلکہ تقسیم ہو ہو کر دولت کے یہ خزانے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے درمیان گردش کرتے ہوتے ۔ بس ان خرابیوں کے باوجود وقف علی الاولاد کی درستی کی کیا دلیل ہے ؟"

حرمت سود کی علت تنہا یہی نہیں کہ سود ایک ظالمانہ معاملہ ہے ۔ بلکہ سود کی جو حقیقت ہے، یعنی روپیہ کو جو جنس بادلہ ہے، اُسے کرایہ پر چلانا، یہ بجائے خود ہی روپیہ سے ایک ایسا کام لینا ہے جسکے لیے وہ وضع نہیں ہوا ہے ۔ محض فریق ثانی کی رضا اگر جواز کیلیے کافی ہوتی، تو چاہیے تھا کہ قمار بھی جائز ہوتا، جو فریقین کی رضامندی ہی سے ہوتا ہے، اور زنا مطلق صورت میں جرم نہ رہ جاتا، بلکہ فرنگی قانون کی طرح شریعت اسلامی میں صرف زنا بالجبر ہی جرم قرار پاتا ۔ جس طرح بغیر کسی جائز محنت کے، محض پانسے کے اُلٹ پھیر سے، بخت و اتفاق کی بنا پر کسی کا مال ہتھیا لینا فی نفسہٖ اکل حرام ہے (بلا لحاظ جبر و اکراہ)، اور جس طرح عورت کا اپنے جسم کو بغرض لذت کرایہ پر چلانا، فی نفسہٖ نسائیت کے منافی اور ایک فعل حرام ہے، ٹھیک اُسی طرح سودی معاملت، اپنی ذات ہی کے لحاظ سے حرام ہے ۔ اور پھر بینکنگ سسٹم میں تو یہ معاملہ افراد ہی پر ختم نہیں ہو جاتا، اسکی ترویج سارے معاشرہ میں ہو جاتی ہے اور پوری سوسائٹی اس سے گندہ ہو جاتی ہے، اس لیے اسلامی حکومت میں تو قطعاً اسے کوئی جگہ نہ ملنا چاہیے ۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ اسکی معصیت شرکت ظلم نہ ہونے کے باعث اُس مہاجنی ظالمانہ سود سے نسبۃً ہلکی ہو، اور پھر دار الحرب میں لے لینے بعض فقہاء نے مسائل پر خفیف سے بھی خفیف تفاوت لیا جائے ۔ یا پھر بینک کے سود کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے تصدق کر دیا جائے ۔ اس قسم کی صورتیں موجودہ غیر اسلامی احول اور کافرانہ تسلط میں کم و بیش سب ہی کو اختیار کرنا پڑتی ہیں ۔ لیکن شریعت کی اصل روح (اسپرٹ) کا لحاظ کیجئے فتوائے جواز کی ہمت سود کی کسی ہلکی سی معاملت کے لیے بھی نہیں پڑتی ۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم ۔

وقف علی الاولاد سے متعلق سائل کا سوال معقول اور بہت قابل توجہ ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ قانوناً یہ جائز ہے لیکن قانون اسلام میں تو بشری کمزوریوں کی رعایت سے ایسی بہت سی چیزوں کی گنجائش رکھ لی گئی ہے، جو دین کے لحاظ سے پسندیدہ و محمود نہیں ۔ ناپسندوں کا نکاح، یعنی ایسی عورتیں جنکے زوجین پوری طرح اپنی رضا دینے کے قابل نہیں یقیناً عام حالات میں شریعت کے نزدیک پسندیدہ نہیں، لیکن خاص حالات میں یہی بہترین مصلحت ہوتا ہے، اور اس لیے اسکی گنجائش پوری طرح رکھ دی گئی ۔ بالکل طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں خود یہ نظام جاگیرداری و تعلقداری، جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اسلام کی اصل روح کے مطابق کب ہے ؟ لیکن قانونی پہلوؤں سے اسکے بعض پہلوؤں کے لیے گنجائش نفس جواز کی نکال ہی لی گئی ہے ۔ حلالہ کے لیے جو وعید حدیث میں آئی ہے، سب کو معلوم ہے، باوجود اسکے ضرورت کے موقع پر قانون اسلام میں گنجائش اسکی بھی رکھدی گئی ہے ۔ بس اسی قسم کے مسائل میں سے، گو حلالہ سے یقیناً ہلکے درجے پر، اس مسئلہ وقف علی الاولاد کو بھی سمجھ لیجیے ۔

دونوں سوالات کے جوابات مختصراً سرسری عرض کر دیے گئے ۔ اہل علم صدق خوانوں میں سے کوئی صاحب اگر تفصیل سے لکھنا چاہیں (اور جوابات کی امید تو ہے ہی) تو انکے لیے صدق کے صفحات حاضر ہیں

ٹڈیوں سے جنگ

"لندن ۲۰ - ۲۲ دسمبر ... جو بین الاقوامی ٹڈی مارمہم روس کی جنوبی سرحد سے لیکر حبشہ (افریقہ) تک شروع ہوئی ہے، اسی سلسلہ میں تازہ اطلاع یہ ہے کہ ایک بڑی تعداد میں برطانوی سپاہ سلطان ابن سعود کی مملکت میں تعینات کی گئی ہے، تاکہ ٹڈیوں کی پیدائش کی جگہوں پر چھاپے مار کر آئندہ سال کے لیے مشرق وسطیٰ کو ٹڈیوں کی تاخت سے محفوظ کر دے ۔" (ریوٹر)

اللہ اللہ رے انسان کی بے بسی ! اللہ کی ننھی سی مخلوق کے بھی بھلا انسان کے مقابلہ میں کوئی بساط ہے ؟ اس سے بچنے کے لیے کیا کچھ تیاریاں کرنی پڑتی ہیں ! کیسے کچھ انتظامات درکار ہوتے ہیں ! جنوبی روس سے لیکر حبش تک بین الاقوامی مہم ! معاذ اللہ، ایک سلطنت یا ایک ملک بھی نہیں بہتیں ۔ سلطنتوں پر سلطنتیں مل کر، کئی کئی بادشاہتیں ایکا کرکے، باقاعدہ فوج کے ذریعہ سے حملے کرتی ہیں، اور پھر بھی کامیابی یقینی نہیں !—— جنود الہی (اللہ کے لشکروں) کی گنتی کون آج تک کر سکا ہے !

متکلمین کی راہ

" امام اشعری مخالفین کی مجلسوں میں خود بھی

یوم فاروقؓ

حیدرآباد دکن - ۲۰ دسمبر - نواب فیروز یار جنگ بہادر کی ڈیوڑھی میں مجالس عشرۂ شریف کا آغاز ہو چکا ہے۔ روزانہ مجالس ٹھیک ۱۱ بجے سے شروع ہونگی۔ مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری نے اردو زبان میں فرمایا کہ یکم محرم الحرام یوم شہادت سیدنا عمرؓ ہے۔ آپ کے حالات پاک اور آپ کی کما حقہ تعریف ناممکن ہے۔ آپ کی خدمات اسلامی مسلّم ہیں۔ آپ کا زہد و تقویٰ، آپ کی حق پرستی و صداقت اظہر من الشمس ہے۔ آپ اپنی حیات طیبہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ سفر و حضر میں سایہ کی طرح رہے۔ بعد شہادت حضورؐ ہی کے قدموں میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ آپؓ سراج اہل الجنۃ (یعنی جنتیوں کے چراغ) ہیں۔ آپ کی مختصر اور جامع تعریف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ دعاء ابراہیم علیہ السلام ہیں تو سیدنا عمرؓ دعائے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (... مہر دکن)

کے لیے مسلم لڑکیوں کا جیش تیار کر لیا جائے، تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا - بلکہ یہ بعید ضروری ہے - لیکن کراچی سے جو خبر موصول ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان لڑکیاں پردے میں نہیں بلکہ منظر عام پر کھڑی تھیں - اگر ہمارا یہ خیال صحیح نہیں، تو لیگ کے کارکنوں کو اس کی تردید کر کے اصل حالات بتانے چاہییں -

ہم جانتے ہیں کہ مسٹر جناح عمر بھر ایسی فضا میں رہے ہیں جس میں پردہ بے اشتیاق تھا - اس کے علاوہ بعض "بڑے" مسلم خاندانوں میں اب بے پردگی تیسری پشت تک پہنچ چکی ہے - لیکن اس "انفرادی" چیز کو مسلمانوں میں "عام چلن" بنانے کی کوشش سخت قابل اعتراض ہے -

مسلم عامۃ الناس جن کے دلوں میں اب تک دین اسلام، معاشرت اسلامی اور حیا داری اسلامی کا احساس باقی ہے، اس قسم کے مظاہروں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں - مبادا یہ چیز مسلم لیگ کو نقصان پہونچائے - (انقلاب)

پہلا اقدام

(امتناع ذبح گاؤ کے سلسلہ میں)

پٹنہ - ۲۳ - دسمبر - کل شام کو ایک نوٹس شایع ہوا ہے - جو مظہر تھا کہ گورنمنٹ بہار نے دودھ دیتی ہوئی اور حاملہ گائے کے ذبح کیے جانے کو ممنوع قرار دیا ہے - اس حکم سے وہ ذبیحے مستثنیٰ ہیں جو خالص مذہبی ضرورتوں کی بنا پر ہوں - اسی طرح ہل یا گاڑیوں میں کام آنے والے مویشیوں کو دس برس سے کم عمر میں ذبح کرنا ممنوع قرار دیا ہے - اور دو برس سے کم عمر کی بھیڑ بکری کے ذبح کیے جانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے - احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو تین برس کی سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائینگی - اور وہ لوگ بھی مستوجب سزا ہوں گے جو مذکورہ بالا مویشیوں کو ذبح کرائیں گے یا ذبح کرانے کے لیے پیش کریں گے - (ایسوسی ایٹڈ پریس)

تعلیمات اشرفیہ منظوم

(از حضرت مجذوب مرحوم)

(۱)

گر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو
سَو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اسکو پچھاڑ کر بھی نہ بے فکر ہو سمجھ
ہر وقت اس کی گھات سے رہ ہوشیار تو

(۲)

جو ناکام ہو تا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سَو بار ٹوٹے تو سَو بار جوڑے

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

ایک غلطی کی اصلاح

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی مجلس نصاب نے غلطی سے سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ "محشر خیال" ایم۔ اے کے نصاب میں داخل کردیا تھا۔ اب یہ مجموعہ ارباب نظر کی طرف سے بروقت تنبیہ پر خارج کردیا گیا ہے۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی نے اس کتاب کے متعلق جو رائے دی تھی وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے نوٹ کے ساتھ اس رسالہ میں "صدق" سے لیکر شریک اشاعت ہے۔

ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ مجلس نصاب نے "محشر خیال" کو کیا سمجھ کر شریک نصاب کیا تھا۔ کتاب کی سب سے بڑی خرابی مرحوم سجاد کی نا پختگی اور طفلی ہے جو کتاب کے ہر صفحہ میں اس قدر واضح ہے کہ کسی کو اسکے متعلق دھوکا ہوسکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مذہبی مباحث سے (جنکو ہماری تعلیم میں یقینًا اہم مقام ملنا چاہئیے) اگر قطع نظر بھی کرلیا جائے پھر بھی یہ کتاب ایک قسم کی "ملفوظ گوئی" کے سوا کیا رہتی ہے خالص ادبی نقطۂ نظر سے "محشر خیال" کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں اور مصنف کے نصب العین پر نگاہ کیجیے تو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ مرحوم سجاد نے جوش ملیح آبادی کی کتاب "روح ادب" پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"بندش کی دل آویزیوں سے محروم طرز ادا کی جدتوں سے بے بہرہ"

خود انکی کتاب اس صفت سے کس حد تک متصف ہے اسکا اندازہ ہر اس شخص کو پوری طرح ہے جس نے کبھی یہ کتاب دیکھی ہو۔ اسی طرح انکا مقصد تحریر جو انکی کتاب سے ظاہر ہے صرف "انشا پردازی" ہے جس میں وہ بُری طرح ناکام رہے۔ شاید موت نے فرصت نہ دی کہ وہ کامیاب ہوجاتے۔ سجاد انکے سب سے بڑے مداح پروفیسر خواجہ منظور حسین کی زبان میں "ادب برائے ادب کے نظریہ کی پیداوار ہیں" انکے مذہب میں سب سے بڑا گناہ بدمذاقی ہے۔ عوام یا انکے الفاظ میں "ناشناسان راز سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہئیے" اور خوش مذاقی کیا ہے "جمالیاتی ذوق اور عشق وحسن سے بغیر کسی قید و ضابطہ کے زیادہ سے زیادہ استفادہ"۔

اس مجموعہ کی اشاعت ہی ایک بے معنی کام تھا۔ چہ جائیکہ اسے کسی یونیورسٹی کے نصاب ایم۔ اے میں شریک کرنا۔ ہم اس غلطی کی بروقت اصلاح پر مولانا شروانی، پروفیسر رشید احمد اور خواجہ منظور حسین کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی۔

(پیام ادب۔ حیدرآباد)

ایڈیٹر- عبدالماجد
پتہ- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب (اعلیٰ) عبدالقوی بی اے
مضامین کے لیے خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس، گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
" ششماہی تین روپیہ
ممالک غیر سالانہ ۔ اسٹرلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۳۷	دوشنبہ - ۵ - صفرالمظفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۳۱ - جنوری ۱۹۴۴ء	جلد ۹

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

۱۸- دسمبر ۱۹۴۳ء - لکھنؤ۔ مدت دراز کے بعد آج انگریزی عدالت میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ گواہ یا فریق یا پیروکار کی حیثیت سے نہیں، محض تماشائی کی حیثیت سے ــــ عبرت کا تماشہ بھی تماشہ ہی ہوتا ہے ـ ـ ـ عدالت سشن جج کی ہے۔ حاکم عدالت انگریز ہے۔ مقدمہ خون کا درپیش ہے۔ آج سے نہیں، مہینوں سے چل رہا ہے۔ آج مستغیث بیرسٹر کی تقریر شروع ہو رہی ہے۔ صفائی کے ایڈوکیٹ کی تقریر ختم ہو چکی ہے۔ کئی دن تک جاری رہی تھی۔ آج سے اسکا جواب شروع ہو رہا ہے۔ تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے۔ عدالت، فوجداری عدالت کی فضا ہیبت و دہشت کی ہوتی ہے۔ اسکے باوجود بھی اچھی خاصی چہل پہل، کمرۂ عدالت کے اندر بھی کمرے کے باہر بھی۔ تقریر آج ثبوت جرم کی ہے۔ الزام یہ ہے کہ ملزم نے اپنی حسین نو عمر خادمہ کو اس بیدردی سے مارا پیٹا کہ وہ ختم ہو گئی۔ اور اسکے بعد فلاں فلاں کی اعانت و شرکت سے اسکی لاش اور ثبوت جرم کی ساری شہادتوں کو چھپا ڈالا۔

ــــــــــ

جج اور جوری، وکیلوں بیرسٹروں کو چھوڑیے۔ عام تماشائیوں سے لے کے ادنیٰ اہلکاروں چپراسیوں، پولیس کے سپاہیوں تک، ان میں سے ہر شخص اسوقت کسی حد تک معزز ہے، مطمئن ہے، اپنی عزت کو محفوظ پاتا ہے، اور اپنے دل میں کسی نہ کسی درجے میں اطمینان۔ مجمع بھر میں صرف ایک شخص سراپا اضطراب ہے۔ اسوقت سب سے زیادہ بے عزت اسکے رکلا، پولیس اور بیچارہ ملزم غریب ہے۔ سوا اُسکے مقدمہ دار سینے قلمبند ہونے کا بیان بالکل نہیں، ذکر صرف اسکی بےبسی و بیچارگی کا ہے۔ یہ ملزم آپ سمجھے، کون ہے؟ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہوا آپ کو معلوم ہے کون ہے؟ کوئی "ادنیٰ" طبقے کا جرائم پیشہ نہیں، صوبہ کا ایک اعلیٰ و معزز ترین مسلم عہدہ دار! آئی، سی، ایس۔ مدتوں [illegible] ابھی گرفتاری کے وقت تک یو، پی گورنمنٹ کے ایک مستقل محکمے کا سکریٹری! وہ مدتوں کے انتظام میں خود! جو ابھی کل تک کرسی عدالت پر بیٹھا ہوا چوروں اور ڈاکوؤں، خونیوں اور قاتلوں کے فیصلے کر رہا تھا آج خود بھی خونیوں اور قاتلوں کے کٹہرے میں کھڑا اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے انتظار میں ہے! ــــ کرسی اسکے لیے، اسکے اعزاز کے مدنظر، کٹہرے میں بچھا دی گئی ہے، لیکن اسکا اضطراب دل اسے بیٹھنے دیتا کب ہے؟ کٹہرے اسکے قیدیوں اور حوالاتیوں کے نہیں، اپنے ذاتی ملازم ہیں، لیکن جسکی جان سولی پر رکھی ہو، اُسے یہ سوٹ بوٹ کیا تسلی دے سکتے ہیں؟ وہ جس نظر سے ایک ایک کی طرف دیکھ رہا ہے، جس انداز سے سرکاری ایڈوکیٹ کے ایک ایک لفظ کی طرف کان لگائے ہوئے ہے، وہ خود ایک درس عبرت ہے، ہر فرضی قصے سے، ہر خیالی افسانے سے کہیں بڑھ کر!

ــــــــــ

مقدمہ کا پھر کیا انجام ہوا، جج نے فیصلہ کیا کیا، اور اپیل میں کیا ہوا ان سارے قصوں سے بحث نہ صدق نگار کو، نہ [illegible] خواہ کو ــــ جاہ و منصب کے حریصو، جاہ و منصب کی بے ثباتی، اعزاز و حکومت کی ناپائداری، اسی دنیا میں، اپنی آنکھوں سے دیکھ لی؟

ہے یہ گردش چرخ نیلوفری
نہ نادر بچا اور نہ نادری

جس نے یہ شعر کہا، اُس نے شاعری نہیں کی، واللہ کہ صرف ایک حقیقت نظم کردی۔ اور وہ "گردش چرخ" "صرف ایک بار ہوکر کہیں رُک تھوڑے ہی گئی۔ وہ تو ہر وقت' ہر روز ہر آن ہوتی ہی رہتی ہے۔ زار روس اب کہاں ہیں؟ امیر امان اللہ خاں کا کیا حشر ہوا؟ "شیر اطالیہ" مسولینی اب کس عالم میں ہیں! فرانس کے فلاں افسر اعلیٰ، جرمنی کے فلاں جنرل، کیسی کیسی بیکسی کے ساتھ جان دے چکے ہیں، دم توڑ چکے ہیں

تھے جو خوش مرتبان پُر شور — خاک میں آ گیا سب اُنکا غرور
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے — استخواں تک بھی اُنکے خاک ہوئے

... یہ تماشے تو اسی عالم ناسوت کے ہیں۔ یوم حشر کی اعلیٰ عدالت کو کس کے قلم زباں قوت ہے کہ وہاں کے منظروں کا ہلکا سا نقشہ بھی کھینچ سکے! اور وہاں کے ملزموں اور مجرموں کی آپ بیتی کا کوئی حصہ بھی تصور میں لاسکے! ... ہر نقش، نقش فانی، بجز ایک نقش لاالٰہ الااللہ کے!

ذات معبود جاودانی ہے — باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے!

ہمارا آئندہ نصاب

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ کی خدمت میں' ایک نجی مکتوب میں کچھ معروضات مسلم یونیورسٹی کے نصاب دینیات کی اصولی تبدیلیوں سے متعلق پیش کیے گئے تھے۔ مولانا کا جواب اسقدر صحیح' برمحل اور جامع ہے کہ اس سے ناظرین کو محروم رکھنا اُن پر ظلم کرنا ہے۔ چند ناموں کو حذف کرنے کے بعد بجنسہ درج ذیل ہے:—

"آپ نے علیگڈھ کی دینیات کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے واقعات کی حد تک میں اس سے بالکل متفق ہوں، لیکن مسلم یونیورسٹی کے دینی سررشتہ کی باگ جب تک .... کے ہاتھ میں ہے اور .... زندہ ہیں' موجودہ حالات میں تغیر مشکل ہے۔ اصولاً خاکسار یہ دینی اور دنیوی دو قسم کی مستقل تعلیم گاہوں ہی کا مخالف ہے، تعلیم میں ثنویت بالکل یورپ کی نئی چیز ہے' ورنہ دور اسلامی میں ہر جگہ ایک ہی نظام تعلیم کو مسلمانوں نے دینی اور دنیوی علوم دونوں کے لیے کافی خیال کیا تھا، ہمارے ملک کا درس نظامیہ دینیات کا نصاب سمجھا جاتا ہے، لیکن کیا واقع میں وہ دینیات کا نصاب تھا یا اسوقت ہے۔ چند ادبی وجھی متون کو اگر مستثنیٰ کردیا جائے۔ تو لے دے کر دینیات کی دراصل کل تین کتابیں اس نصاب میں شریک تھیں' قرآن کے لیے جلالین حدیث کے لیے مشکوٰۃ اور فقہ کے لیے ہدایہ کے اخیرین شرح وقایہ ... بعض کو علمی دینی تعلیم کے لیے ہمیشہ کافی خیال کیا گیا۔ اور میرا تو خیال اب بھی یہی ہے' کہ ان تین کتابوں کی تعلیم اب بھی کافی ہے۔ دینیات کو صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لیے دراصل ضرورت ہے کہ غیر دینی علوم کے ذریعہ سے لوگوں کے دماغ میں پہلے بلندی پیدا کی جائے۔ ملا نظام الدین صاحب نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے نصاب میں بیسیوں کتابیں معقولات کی رکھی تھیں، منطق، فلسفہ، اقلیدس، ہیئت، حساب، ادبیات عربی و فارسی ان چیزوں سے دماغوں کو بنایا جاتا تھا۔ پھر دینیات (تفسیر، حدیث، فقہ) کی ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرا دیا جاتا تھا، جو کافی ہوتا تھا۔ آج بھی ذہنی ادبی علوم عصریہ کو قدیم عقلیات کی جگہ نصاب میں شریک کرکے پندرہ سولہ سال کی مدت میں دینیات کے اسی مختصر نصاب کو پھیلا کر اگر رکھ دیا جائے، تو میری یہ تجویز کہ مسلمانوں کو ایسی کوئی تعلیم ایسی نہ دلائی جائے جس میں دینیات کو وہی اہمیت حاصل نہ ہو جو .... جو اہمیت ہر زمانے میں ہر ملک کے مسلمانوں نے اپنے تعلیمی نصاب میں اسے رکھی تھی' وہ آسانی پورے کار آسکتی ہے۔ دینیات کے نام سے مسلمان اگر اپنی تعلیم میں اس مضمون کے لزوم کا مطالبہ حکومت سے کریں' اور دینیات کے نصاب کو اس طریقے سے مرتب کریں، کہ دینیات کے لیے قرآنی عربی اور قرآنی عربی سے قریب کرنے کے لیے ابتدا میں اردو بقدرے فارسی اور اسکے بعد انتہا تک قرآن حدیث فقہ کے متعلق ایک ایک کتاب تقسیم کرکے رکھ دی جائے۔ تو مسلمانوں کے سارے علمی و تعلیمی مشکلات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اُردو کے لزوم کا موقع بھی مل جاتا ہے، فارسی سے بھی مناسبت بچوں ...... پیدا ہو جائیگی اور براہ راست ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو قرآن و حدیث و فقہ سے استفادہ کا موقع ہاتھ آ جائیگا۔ گو ظاہر ہے کہ ان نکات تک ہر شخص کو پہنچ رسائی آنا آسان نہیں ہے۔ بہت سے حضرات عربی اور اسکے مشکلات سے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ہمارے مولویوں کو یہ مغالطہ ہے کہ دینیات کی تعلیم سلّم و حمداللہ و شنبی کے ساتھ تو جمع ہو سکتی ہے، لیکن مل کی منطق شکسپیر کے اشعار کے ساتھ اگر اسی دینیات کو جمع کیا جائیگا تو لوگ دہریے ہو جائیں گے۔ حالانکہ نہ یہ صحیح ہے نہ وہ صحیح ہے، جب تک اللہ کا کوئی بندہ ہر چیز سے دست بردار ہو کر اس راہ میں قدم نہ اُٹھائے گا۔ تعلیم کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔ آپ نے سچ لکھا ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں اسوقت دینیات کے لیے ... اور ... جیسے اساتذہ کی ضرورت ہے' اور میں اس پر اتنا اضافہ اور کرتا ہوں کہ ....، اور اسی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے، جنھوں نے مغربی علوم و فنون سے اپنے دل و دماغ کو روشن کیا ہو اور آخر میں اسی دماغ کے ساتھ مذہب کا مطالعہ صحیح نقطۂ نظر سے کیا ہو۔"

ایک فقہی سوال

ایک صاحب علم نے سوال ذیل بھیجا ہے:—

"کیا کاشتکار کو جائز ہے کہ وہ صاحب زمین کی زمین میں اشتراک عمل کے بعد زبردستی قابض ہو جائے اور اُسکو اپنی ملکیت سمجھنے لگے! کیا شرکت مزارعت میں اصل مال صاحب مال ہی کا نہیں ہے؟ صاحب محنت کی شرکت تو صرف منافع میں ہونی چاہیے نہ کہ اصل شے میں؛ چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں جو کسی کی مملوکہ شے پر قبضہ کرکے عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ کرالے۔ سخت وعید لعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض سے مفہوم ہوتا ہے پس کیا اس حدیث کی روشنی میں دخیل کاری قبضہ غاصبانہ

(بقیہ صفحہ ۳)

لگتا ہے، قرآن مجید زبانی سنانے لگتا ہے، توحید پر لکچر دینے لگتا ہے، لوگ اسکے وجد حال اور قال دونوں سے متاثر ہو رہے ہیں، اور کہنے والا اس منظر کو دیکھ کر یہ کہہ اٹھتا ہے، کہ "سبحان اللہ ایسی شراب اور ایسا نشہ بھی مبارک، جو بجائے ضلالت کے اور طاعت کی طرف لا رہا ہے"، تو کیا یہ کہنے والا شراب کی حلت کا فتوے دے رہا ہے؟ شراب کی حرمت کی تردید کر رہا ہے؟ لوگوں کو شراب نوشی کی دعوت دے رہا ہے؟ اللہ کے بندو، کبھی تو عقل و انصاف سے کام لو۔ وہ غریب تو دوا اور دو بچاری طرح، صرف یہ حقیقت بیان کر رہا ہے کہ معصیت بجائے خود یقیناً معصیت، لیکن دیکھیے بعض طاعت کی رہنما بن جاتی ہے۔ محمد علی لاہوری اور امیر علی مرحوم یقیناً مسلک حق سے بہت ہٹے ہوئے ہیں، لیکن کیا اس بنا پر جو علمی نفع انکی تحریروں سے ایک طبقہ کو پہونچ چکا، اور لوگ اسلام میں داخل ہوگئے، اس سے انکار کر دیا جائیگا، اور مشاہدہ کو جھٹلا دیا جائیگا؟

خوف خدا کی قوت

"شفیلڈ (انگلستان) کے پادری ڈاکٹر ہنٹر ڈی ڈی نے حال ہی میں ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ سخت افسوس ہے کہ انسان کے بد چلنی کی زندگی بسر کرنے والے محرکات اب بہت زائد ہوگئے ہیں، وقت آگیا ہے کہ حکومت اس معاملہ پر غور کرے کہ آیا ان محرکات کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں"۔

لیکن حکومت ہی کے غور کرنے سے کہیں ان محرکات کا انسداد ہو سکتا، تو اب تک کبھی کا انسداد ہو چکا ہوتا! بجز خوف خدا کے اور دنیا کی کسی چیز میں بھی قوت نہیں، جو زندگی کی روز افزوں محرکات بد چلنی کی روک تھام کر سکے۔

تعلیمات اشرفیہ منظوم

از حضرت مجذوب مرحوم

(۵)

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں اک ذرا ہمت تو کر گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کو خود کام پہونچا دیتا ہے انجام تک ابتدا کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

(۶)

دیکھ، تو آتشیں رخوں کو نہ دیکھ انکی جانب نہ آنکھ اٹھا زنہار
دور ہی سے یہ کہہ، الٰہی خیر وقنا ربنا عذاب النار

(بقیہ صفحہ ۸)

سے دیکھنا ہرگز غیر مشروع نہیں ہو سکتا۔ مولانا گیلانی زید مجدہم جیسے مستفتی کے لیے مفتی بھی لاثانی ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے تو بعض اولی الامر کے ارشاد کی تکمیل و تعمیل میں بعجلت یہ نقوش زیر قلم کیے۔ انشاء اللہ کسی فرصت میں حتی الوسع زیادہ عرض کرونگا۔

(نوٹ) یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ہم نے مقامات اور دماغ کی تقسیم میں لفظ مشروع استعمال کیا ہے۔ جسکا استعمال فرض۔ واجب سے لیکر مباح تک کو شامل ہونے کے قابل ہے۔ اس لیے مسئلہ کو ملاحظہ فرماتے ہوئے اس امر کا خاص لحاظ فرمالیں۔ واللہ اعلم

بناسپتی گھی

بناسپتی گھی کیا ہے؟ ہالینڈ کی ایک کمپنی نے کپاس کے بنولے تیل اور سرسوں وغیرہ کے تیلوں کو ملاکر اس میں سے بھاپ کو دباؤ کے نیچے سے گزار کر یہ مصنوعی گھی تیار کیا ہے۔ بطور خوراک کے یہ گھی زہر قاتل ہے۔ اسکے کھانے والے کی طاقت رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ مختلف بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اس لیے جو لوگ اصل اور خالص گھی کے بجائے یا اس میں ملاکر بناسپتی گھی فروخت کرتے ہیں وہ سخت ترین سزا کے مستحق ہیں۔ (راست گفتار۔ امرتسر)

ماہنامہ ضیا کا سالنامہ ۱۹۴۴ء

بکمال آب و تاب ۱۵۔ جنوری ۱۹۴۴ء کو شایع ہو گیا

بہترین و گداز افسانے، وجد آفریں نظمیں، روح پرور غزلیں حقائق و معارف سے لبریز مقالے، کشیدہ کاری کے نظر فریب نمونے، دلچسپ کہانیاں، حیرت انگیز ڈرامے، سہیلیوں کے دلکش خطوط اور مختلف موضوعات پر وقیع مضامین دیکھنا چاہیں تو یہ سالنامہ ضرور خرید لیجیے۔ اسکی مخصوص مضامین اہل قلم خواتین کے لکھے ہوئے ہیں۔ ہر ماہ ایک دلچسپ معمہ بھی شایع کیا جاتا ہے۔

قیمت سالانہ صہ، ششماہی سے، فی پرچہ ۸/

صرف سالنامہ کی قیمت ۸/

مستقل خریداروں سے سالنامہ کی قیمت نہیں لی جاتی

ملنے کا پتہ:- منیجر ماہنامہ ضیا، مرشد آباد بلس گوڑ گنج۔ لکھنؤ

نیت اور عمل

(از مولانا عبد الرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ محمدیہ نگر ضلع بستی ڈاکخانہ مدھو)

(۲)

یہی حدود القواعد علامہ ابن القیم اخیر جلد میں قسم کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں۔

کسی نے کہا فلاں کے ساتھ آؤ کھاؤ۔ تم نے کہا واللہ میں نہ کھاؤنگا پھر کچھ دیر بعد ساتھ کھالیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ غرض و عادۃً اسوقت کے کھانے پر قسم ہوتی کہ ہمیشہ کے کھانے پر۔ گو لفظوں میں تصریح نہیں لیکن نیت و مقاصد یہی ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میں کپڑا پہنوں یا کھانا کھاؤں یا عورت سے بات کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ اور نیت رکھتا ہے خاص کھانے خاص کپڑے خاص عورت کی تو ایسے حالات میں اگر وہ اس خاص کھانے اور خاص کپڑے کے علاوہ دوسرے کپڑے اور دوسرے کھانے کا استعمال کرتا ہے تو حانث نہ ہوگا اور اسکی بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

نیت کے سلسلہ میں یہی قول ہے امام شافعی، امام احمد امام مالک کا، اور یہی ہے امام ابو یوسف کے نزدیک الغرض تخصیص تعمیم۔ اطلاق تقیید سب میں نیت کا اثر ہے۔

علامہ ابن القیم کا زریں ارشاد

حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ کتاب الذخائر کی کتاب الایمان کی فصل ششم کو دیکھو جہاں مطلق قسموں کو نیتوں سے مقید کیا گیا ہے۔ پس نیت کا لحاظ کر کے فتوے دینا چاہیے نہ کہ لوگوں کے ارادوں کے خلاف ان پر احکام جاری کرتے رہیں۔

ابن عبد البر کی کتاب الکافی کے حوالہ سے ہی علامہ ابن القیم اس سے ذرا پہلے لکھ آئے ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نیت کا لحاظ ضروری ہے اگر نیت کا کسی طرح پتہ چلتا ہی نہیں تو واقعہ کی اصلیت دیکھو کہ کس چیز نے اس عمل پر برانگیختہ کیا ہے، اسے دیکھو پھر اسوقت کے لوگوں کے عام مذاق کو دیکھو پھر حکم لگاؤ۔

اللہ اکبر۔ کس قدر احتیاط اور کس حد تک نیت کے لحاظ کی تاکید و شدت موجود ہے اور تمام مذکورہ بالا صورتوں میں کس طرح وحدت معاملہ و وحدت عمل کے باوجود قصد و نیت کے بدل جانے سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔

ان بزرگوں کے فیصلہ کی روشنی میں مولانا کا یہ عمل انکی اصلاحی و تعمیری نیت کے پیش نظر بہت بڑی حد تک دیوبندی فتاوے کی زد سے بری ہے اور حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے کیا عجب کہ ثواب بھی مرتب ہو۔

لیکن مولانا دریابادی مدظلہ نے معاملہ نیت کے محکوم کیے جانے پر نگاہ رکھے جانے کی وقعت پر نہیں اشارہ کیا بلکہ صاف لفظوں میں اپنی اس نیت اور اپنے اس اقدام پر ندامت کا بھی اظہار کر دیا تاکہ انکے منشا و مقصد [illegible] اور لطف یہ کہ مولانا نے اپنے اس عمل کو

کوئی بھی پاکار ثواب بھی نہیں بتلایا بلکہ اسکو مستحسن سمجھا نہیں بتلایا بلکہ اسے کیسے ہی پاک جذبہ و دستور کی نیت کے تحت اختیار کیا گیا تھا۔

پس مولانا کے خلاف فتوے لکھنے والے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کیے بغیر عام طور پر بے تکلف شریک ہو جاتے ہیں ان حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ کسی قدیم یا جدید معاصرانہ حسد و عداوت کو اس بارے میں راہ نہ دیں۔ انصاف و دیانتداری سے کام لیں اور تیز بین اجتہادی روشنی میں غور کریں اور بے سود یا الجھن اور لاحاصل فضول بحثوں سے احتراز اختیار کریں اپنے اپنے نفوس کی اصلاح کے لیے وقت نکالیں۔ خود اپنا احتساب کریں کہ ہم اس عیب جوئی یا دہ گوئی میں کیا خرید رہے ہیں اور یہ کہ یہ خود کونسی نیکی ہے؟

موت کا استقبال

(فلسفۂ مغرب کے ایک عالم کے قلم سے)

دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ "لذت" و "الم"۔ "لذت" دنیا و ما فیہا سے بیگانگی کا پیش خیمہ ہی نہیں، بلکہ خود فراموشی کا بھی باعث ہے۔ الم ادراک کی کنجی ہے۔ ہم کو اپنے کسی عضو کے موجود ہونے کا اسوقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک اس میں درد نہ ہو۔ آنکھ کان سب کے ہوتے ہیں مگر کوئی بھول کر بھی خیال نہیں کرتا کہ وہ ہمارے جسم کا جزو ہیں۔ مگر جس وقت آنکھ یا کان میں درد ہو، اسوقت آنکھ یا کان کے وجود کا ادراک ہمارے شعور پر چھا جاتا ہے۔ خدا کے ماننے والے بھی خدا کو اسوقت تک فراموش کیے رہتے ہیں جب تک کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔ اور صحیح معنی میں خدا کی یاد اور اسکے وجود کا عملی اقبال اسی وقت کرتے ہیں جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوں، یا مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ "مبتلا ہونے کا اندیشہ" ذہن کو ایسی جلا بخشتا ہے کہ انسان بہتر سے بہتر تدابیر سوچ سکتا ہے۔ میرا مطالعہ باطن شاہد ہے کہ "اندیشہ" جو الم ہی کی ایک شکل ہے، بہترین خیالات کا محرک ہوتا ہے۔ سوال بھی نفسیاتی نقطۂ نظر سے الم ہے اور اسکی پیہم گردش "علم شے" کا باعث ہوتی ہے۔ غرضکہ "الم" سے پہلی بار اور صحیح طور پر انسان کو اپنے وجود کا علم ہوتا ہے اور اپنے وجود کے علم کے ساتھ "زمان" کے علم تک پہونچتا ہے۔ یہی "الم" جب خارج میں کسی کو اپنا مستقر اختیار کرتا ہے تو ہم کو غیر ذات، خارج اور "مکان" کے علم تک پہونچاتا ہے۔ کانٹ کے نظام فلسفہ کے مطابق، علم کے ابتدائی دو در دار سے یہی زمان و مکان ہیں۔ اسکے ساتھ "الم فی الخارج" ہمدردی کا باعث ہوتا ہے جو سارے نظام اخلاق کا بنیادی پتھر ہے۔ الم کی سب سے زیادہ دہشتناک شکل موت ہے۔ اگر جب "الم" بجز بہ ہمیشہ کلید علم ثابت ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسکا آخری اور جسم کو فنا اور علم کی اعلیٰ ترین منزل تک نہ پہونچا سکے۔ اور اسی لیے موت سے ڈرنے کے بجائے اسکے استقبال کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور جس طرح ہم [illegible] حقیقت صحیح سمجھ کر اسکو عزیز رکھنا چاہیے موت کو بھی لبیک کہنے کے لیے

لاشعوری میں داخل ہوتا ہوا محسوس کرے، خود سوچا کیا نہ جائے؟ واقعہ اور حقیقت جو کچھ بھی ہو۔ دلیل عقلی، نقلی، قطعی و ظنی کا سوال الگ ہے۔ — قلب کی تسکین و تشفی کے لیے، اسے قائم کرنے اور ڈھارس باندھنے کے لیے، اس ترتیب کی شان و نظیر کا استحضار کچھ کم ہے؟

روشنی اور نور " سنتے ہیں آج سے چند سال پیشتر شہنشاہ ہائل سلاسی کی حکومت نے ایتھوپیا کے دارالخلافہ ادیس ابابا میں روشنی کا انتظام کیا تاکہ شہریوں کو رات کے وقت آنے جانے میں آسانی ہو۔ مگر دوسرے ہی دن دیکھا تو تمام شہر کی سڑکوں کی بتیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ان قمقموں کو شہریوں نے احتجاج کے طور پر توڑ دیا تھا۔ انکا خیال تھا کہ حکومت کے اس اقدام سے شرفاء کی توہین ہوتی ہے۔ کیونکہ رات کو جاگتے پھرنے اور سڑکوں پر گھومنے کی ضرورت صرف بدمعاشوں کو پڑ سکتی ہے۔ ورنہ ہر شریف آدمی آٹھ بجے کے بعد سو جاتا ہے" (رسالہ آواز، آل انڈیا ریڈیو۔ دہلی۔ ۲۸ فروری سنہ ۶۲ء)

قصہ پر قصہ ایک اور یاد پڑ گیا۔ کوئی ۴۰-۵۰ سال ہوئے اپنے بچپن میں پڑھا تھا۔ مصر اس وقت تک "مہذب" اور "روشن خیال" نہیں ہوا تھا۔ قاہرہ میں دو ایک ہی طرز کے ہوٹل نئے کھلے تھے۔ ایک صاحب بہادر سیاح کی حیثیت سے آکر ٹھہرے۔ شام ہوئی۔ دیکھا سڑکوں پر اندھیرا ہے۔ لیمپ، لالٹین کا پتہ نہیں۔ صاحب ترش ہوکر ہوٹل کے خانساماں سے بولے "یہ کیسا ملک ہے، راستہ میں اندھیرا پڑا ہوا ہے"۔ خانساماں نے جواب دیا "یہاں کے لوگ رات کو اپنے گھروں میں، بیویوں کے ساتھ خوش و خرم رہا کرتے ہیں۔ انہیں تلاش عیش میں باہر مارے مارے پھرنے کی ضرورت کیا"؟ — سچ کہا تھا مصر کے خانساماں نے بھی، اور سچ کہا حبشہ کی رعایا نے بھی — "روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے"!

ایک دوست سے انکے مخلصانہ عنایت نامہ کے جواب میں:-

اور کچھ آپ نے سنا؟ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا فتوے، جس سے آپ نے اتنا ڈرایا تھا، اور خود بھی شاید کچھ ڈر گئے تھے، تمام تر جعلی نکلا! جعلی شروع سے آخر تک!

جسے ہم ہاتھ سمجھے تھے وہ خالی آستیں نکلی!

فرمائیے آپ کے دوست مولانا ... جو اس سے اتنا متاثر تھے۔ اب کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اور خود آپ کا اب کیا ارشاد ہے؟ ایسے جعلیوں سے بھلا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟

ایسے سے کیا لڑے کوئی ایسے سے کیا ملے!

آپ کے مکتوب کا یہ استدلال بالکل سمجھ میں نہ آیا کہ اول سے آخر تک الزامات تو آپ نے سب دوسرے فریق پر رکھے ہیں، انکے ایک ایک اعتراض کو ناواجب اور بیجا ٹھہرایا ہے، لیکن آخر میں آکر نتیجہ نکالا ہے کہ صدق کو یہ سلسلہ بڑھانا نہیں چاہیے تھا! — کیا خوب انصاف ہے! گویا فرد جرم ثابت ہو کسی پر، اور حکم سنانے کے وقت ملزم کی جانب نگاہی اور کو! کمان کھینچے کسی پر، اور تیر چلے کسی پر!

کماں جانب دیگراں می کشد — گر تیر بر جانب ما می زند!

یہ خیال کہ کوئی حسن تدبیر ان حملوں کو ٹال سکتا تھا، محض ایک معصومانہ حسن ظن ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ سے بڑھ کر صاحب دانش و تدبیر اور کون ہوگا .... پھر انکا علم، فضل، انکی صداقت و دیانت، انکی حکمت و تدبیر معاندین کے مقابلہ میں کچھ بھی کام آسکی ہے؟ — بے پناہ پروپیگنڈا کی زد اور اثر سے جب سرداروں کی مقدس شخصیتیں اور پاک سیرتیں محفوظ نہ رہ سکیں، تو غلاموں بیچاروں کا ذکر ہی کیا ہے، جب

مرے آشیاں ہی پر تو نہ تھے چار تنکے — چمن اڑ گئے آندھیاں آتے آتے!

اور پھر انکا بر دیوبند کی تنظیر پر تو بالکل تازہ ہے۔ "امکان کذب باری" "امکان نظیر" اور خدا معلوم کیا کیا خاک بلا ان بیچاروں کے سر تھوپ دیا گیا۔ غریبوں کے ذہن میں بھی وہ چیزیں نہ آئی ہونگی، جو انکے باب میں گڑھ دی گئیں، اور زبانیں چل گئیں۔ کیا اس افتراء صریح، افک مبین کی ذمہ داری ان حضرات کے بھی سر آتی ہے؟

آپ معاف کریں، یہ ذہنیت تو خارجیوں کی تھی اہل سنت کا مسلک تو یہ نہ تھا، نہ ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ سب یکساں ناحق پر ہیں، سب کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ آپ اتنی جرأت اپنے میں پیدا کیجیے کہ جو مجرم کو مجرم، اور مظلوم کو مظلوم علانیہ کہہ سکے۔ مدیر صدق پر مقتدائی کا منصب جو زبردستی ٹھونسا جا رہا ہے، وہ ہرگز ہرگز اسکا اہل نہیں، وہ تو صرف ایک بیمار مریض ہے، جیسے مریضوں کو ہمدردانہ و مخلصانہ مشورے دیا جاتا ہے۔ البتہ اسے اپنی رائے سے رجوع کر لینے میں مطلق تامل نہیں، بشرطیکہ اسکی غلطی اس پر دلائل سے واضح کر دی جائے، لیکن یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ محض شور و غل آرائی اور جنگ صحافت پروپیگنڈا یا تبرائی نظمیں، کسی درجہ میں بھی نہ دلیل عقلی کا کام دے سکتی ہیں نہ دلیل نقلی کا۔

... صاحب کا ذکر چھیڑ دیے "فلسفۂ اجتماع" کے نام سے ایک کتاب اپنے "دور جاہلیت" میں لکھ چکا ہوں۔ بہت کچھ اس میں خرافات ہی ہے۔ لیکن Crowd (اجتماع) کی ذہنیت کی جو تصویر اس میں دکھائی گئی ہے، وہ صحیح ہے، اور اس رو میں پڑ کر عوام ہی کے نہیں خواص کے بھی پیر اکھڑ جاتے ہیں۔ خدا کرے وہ بزرگ کم از کم اس وقت تک ضرور زندہ رہیں، جب تک ان پر اسی ناسوتی زندگی میں کشف حقیقت اس مشہور مصرعہ کا ہو جائے

"ببیں کہ با کہ بریدی و با کہ پیوستی!"

عورت کی دنیا " میں اسکا قائل نہیں کہ مردوں اور عورتوں کو ایک ہی کام کرنا ہے، ایک ہی شغلۂ زندگی اختیار کرنا ہے، اور اس لیے ایک ہی تعلیم پانا اور ایک ہی نصاب درس پڑھنا چاہیے۔ بہت شروع میں تو اس اشتراک کا مضائقہ نہیں، لیکن آگے چل کر دونوں کی راہیں یقیناً الگ ہو جانی چاہیے ...... مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے جب میں عورتوں کو دفتروں میں نوکری کرتے، میز کرسی پر دن بھر بیٹھے کام کرتے

بشری کے متضاد و متناقض مغروں کی جتنی اچھی رعایت شریعت اسلامی نے ملحوظ رکھی ہے، دنیا کے کسی قانون میں کہیں اسکی نظیر نہ ملیگی۔

وہاں ہر قسم کی نعمتوں اور سرافرازیوں کے لیے - یہاں تک کہ سرِ رسالت و نبوت کے لیے، انکی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے انعام میں ا

ایک مسیحی مورخ، ریورنڈ ولیم ڈین (Deane) ایم اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیم انگریزی زبان میں لکھی ہے، اس سے آپ کے عروج و کمالات پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

ان "روشن خیال" لامذہبوں کی پوری تردید ہی اس سے ہو رہی ہے جنہوں نے ابھی انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں آپکے وجود کو نعوذ باللہ فرضی قرار دیا تھا!

(ایک پیمبر جلیل القدر کے شایان شان)

یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت و سلسلۂ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار کرنے میں اٹھا نہیں رکھی ہے، اسی لیے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے، اکثر مواقع پر ان حضرات کی اخلاقی و روحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب اہل کتاب گویا نبوت کے قائل صرف اسکے لغوی معنیٰ میں تھے۔ یعنی نبی وہ ہے جو غیب کی خبر دے سکے، اور اس سے کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اسکے اخلاق کا کیا عالم ہے، اسکے روحانی کمالات کس درجہ کے ہیں، وقس علیٰ ہذا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام تو اکثر انبیاء کے ابوالآباء ہوتے ہیں، آپ کی عصمت کا تحفظ تو قرآن کے ذمہ اور زیادہ ہے۔

عورت کا درجہ

یکم فروری ۴۳ء کو دیوان ہال دہلی میں ایک مذاہب کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے سید اختر حسین صاحب گیلانی نے اسلام میں عورت کے درجے کی توضیح کی۔ آپ نے بتایا کہ اسلام میں عورت کو روحانی، معاشرتی، اور اجتماعی حقوق میں مرد سے کمتر ہرگز نہیں رکھا گیا۔ لیکن کوئی سوسائٹی جس میں سب مساوی ہوں اور کسی نظم کے ماتحت نہ ہوں نہیں چل سکتی۔ اس لیے مرد کو گھر کے انتظامی امور میں عورت پر ایک درجہ دیا گیا ہے۔ آپ نے تعدد ازدواج اور طلاق کے مسائل پر دنیا کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے انگلستان کی آبادی کے اعداد و شمار پیش کیے اور کہا کہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعداد ۲۷ لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ وہ عورتیں ہیں کہ موجودہ نظام تمدن نے انکی آسودگی کے لیے کارخانے کھول دیے، لیکن گھروں کے دروازے نہ کھولے۔ انھیں کارخانوں میں روزی کمانے کے لیے دھکیل دیا، لیکن انھیں گھریلو زندگی کی برکات سے محروم کر دیا گیا۔ ان سب مشکلات کا حل اسلامی قانون میں ہے۔ آپ نے بتایا کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی تھی۔ مرد و عورت کے درمیان جو

نکاح کا تعلق ہے تو یہ ایک "میثاق" ہے (واخذن منکم میثاقاً غلیظاً)۔ نہ صرف اجتماعی میثاق، بلکہ ایک مقدس میثاق۔ اور اس میثاق کے احترام کے لیے اسلام نے جو کچھ ہدایات دی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو کس بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے۔ (پیغام صلح)

مراسلہ

مخدومنا المکرم۔ السلام علیکم۔ جناب والا کے اخبار صدق مجریہ ۱۷۔ جنوری ۱۹۴۳ء جلد ۹ نمبر ۳۵ صلہ میں زیر عنوان تفسیروں پر ایک نظر کے تحت میں درج تھا، "ایک اور تفسیر خلاصۃ التفاسیر کے نام سے عرصہ ہوا چار جلدوں میں مولانا فتح محمد تائب لکھنوی شاگرد رشید مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کے قلم سے نکلی تھی اور اچھی تھی۔ اب غالباً ناپید ہے"۔ اسکے متعلق جناب والا کے معلومات میں اتنا اضافہ چاہتا ہوں کہ یہ تفسیر اب ناپید نہیں ہے بلکہ کامل چاروں جلدیں مع مقدمہ و فہرست مضامین مدرسہ تکمیل العلوم کانپور اور دفتر اشاعت تفسیر لکھنؤ باغ مکا سے بقیمت مل سکتی ہے۔ اس مدرسہ تکمیل العلوم کے صدر مدرس مفتی اعظم مولانا سعید احمد لکھنوی پسر مؤلف خلاصۃ التفاسیر اور شاگرد رشید حضرت مولانا شیخ الہندؒ ہیں اس مدرسہ میں عربی تعلیم کا بہترین انتظام کیا گیا ہے جسکی تحسین مولانا تھانوی نے بھی کی ہے۔ فقط والسلام

آپ کا صدیق احمد مہتمم مدرسہ عربیہ تکمیل العلوم

احاطہ کمال خاں کانپور

اسلامیہ کالج میگزین بریلی

حسرت نمبر

"ہماری مجلس ادارت نے طے کیا ہے کہ اسلامیہ کالج میگزین بریلی کی آئندہ اشاعت مولانا حسرت موہانی کے لیے وقف کر دی جائے اور اسی سلسلہ میں اکابر اہل قلم و محبان حسرت کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے مقالات و مضامین کے ذریعہ اُن خدمات کا صحیح اندازہ کریں جو موصوف نے شعر و ادب اور تاریخ و تنقید کی دنیا میں انجام دی ہیں جو حضرات اس بزم میں شرکت کرنا چاہیں وہ اپنا مقالہ ۱۵ اپریل ۴۳ء تک اڈیٹر اسلامیہ کالج میگزین بریلی کے نام بھیجدیں۔

خواجہ احمد فاروقی ایم اے اڈیٹر اسلامیہ کالج میگزین بریلی

کتابوں سے امداد

صدق نمبر ۲۲ صلہ کے حوالہ سے سید عقیل احمد صاحب جعفری خیرآباد، ضلع سیتاپور (اودھ) سے تحریر کرتے ہیں:۔

شمس آباد ضلع اٹک کے عربی کتبخانہ کی امداد کتابوں کی صورت میں، کی ضرورت نظر سے گزری۔ میں اپنی کتاب "میری دنیا" کی ۲۵ جلدیں اس مد میں پیش کر سکتا ہوں۔ ناظم صاحب ادارۂ مذکور خواہ

کہاں جایا جائے

س - ہم مسلمان ہیں اور ہم کو حکم ہے کہ صرف ایک خدا کو مانیں اور دوسرے کسی غیر اسلامی قانون کو نہ مانیں - مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ اسلامی قانون کہیں بھی رائج نہیں ہے - اور ہم کو غیر اسلامی قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنا پڑ رہی ہے - تجارت ایک آزاد پیشہ ہے مگر اس پر بھی اب حکومت نے ایسے پھندے لگا دیئے ہیں کہ بغیر جھوٹ کے ہو ہی نہیں سکتا - کم از کم گورنمنٹ کو بتانے کے لیے تو جھوٹ بولنا اور جھوٹ لکھنا ہی پڑتا ہے - خوشی یا غمی ہر کسی وقت کم پیر لڑائی کا چندہ دینا پڑتا ہے ..... کہیں ہجرت کر کے جانے کی بھی تو جگہ نہیں ہے، جہاں دیکھو غیر اسلامی ماحول ہے - آدمی جائے تو کہاں جائے -

ج - شریعت نے ہر حکم کی پہلی شرط استطاعت، یعنی اس پر عمل کی قدرت رکھی ہے - تندرست مقیم کے لیے نماز کے احکام اور ہیں مریض و مسافر کے لیے اور - پانی جہاں آسانی سے مل سکتا ہے، وہاں وضو ضروری ہے جہاں نہیں مل سکتا، یا بہ قیمت گراں ہی مل سکتا ہے، وہاں وضو کا وجوب ساقط ہے - جس حد تک عمل پر قدرت کم ہوتی جائیگی، اسی نسبت سے ذمہ داری بھی ہلکی ہوتی جائیگی - بس اسکے اندر آپ کے اشکالات کا جواب آگیا -

ہاں البتہ اسکی خوب جانچ پڑتال، اور چھان بین کر لینا چاہیئے کہ آیا مجبوری و معذوری واقعی بھی ہے، یا محض نفس کا حیلہ بہانہ ہے - محض نفع کے لیے یا تھوڑے سے نقصان کے خوف سے جھوٹ بولنا یا جھوٹ لکھنا ہرگز جائز نہیں -

س - پھر یہ بھی حکم ہے کہ مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہیئے اور جہاں امیر نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کی موت جاہلیت کے زمانہ کی موت ہوگی - اور یہاں یہ حال ہے کہ ایک امیر تو کیا، دس سے بھی کام نہیں چلتا، مسلمانوں میں ہر شخص امیر اور فرعون بے سامان بنا ہوا ہے - کوئی کسی کی نہیں سنتا - تو کیا یہ وہی زمانہ ہے جسکی نسبت حضورؐ کی پیشگوئی ہے کہ جو جنگل میں جا کر بیٹھے گا، وہی اپنا ایمان بچا لیگا - یا اور کوئی صورت ہے؟ ایسی جگہ کوئی آپ بتلا سکتے ہیں جہاں جا کر اسلامی طریقہ پر زندگی بسر ہو سکے - اور شہادت کی موت اگر نصیب نہ ہو تو کم از کم حرام موت نہ ہو -

ج - ایک حد تک جواب اوپر آچکا -

موجودہ صورت حال یقیناً سخت ابتری اور انتہائی فساد کی ہے - سیاسی، معاشی، معاشرتی، غرض زندگی کا کوئی سا شعبہ بھی نظام اسلامی کے مطابق نہیں چل رہا ہے - بہ قدر قوت و استطاعت اسکی کوشش اصلاح، یا کم از کم اسکے اثرات سے اپنے کو بچانا ہر مسلمان پر فرض ہے - البتہ امیر والی حدیث کو بہت زیادہ لفظی معنی میں لینے کی ضرورت نہیں - اسکا یہ مطلب نہیں کہ انفرادی اعمال سب ضائع جائیں گے - بلکہ مطلب یہ ہے کہ امت کی اجتماعی شیرازہ بندی بلا امیر کے ہمیشہ ناقص رہیگی - اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ آج ہر مسلمان حرام موت ہی مر رہا ہے - حرام موت کا اطلاق تو صرف اس موت پر ہوگا، جو اپنے قصد سے کوئی غیر شرعی طریقہ اختیار کر کے لائی جائے -

حضورؐ نے فتنہ کے جس زمانہ سے ڈرایا ہے، اور ایمان بچانے کے لیے بیابان کے گوشۂ تنہائی کا راستہ بتایا ہے اُسے جزم و یقین کے ساتھ کسی خاص زمانہ پر منطبق کرنا تو مشکل ہے لیکن اس میں کیا شبہہ ہے کہ اسوقت بھی بہت سی علامتیں اُسی دورِ فتن کی پائی جا رہی ہیں، بلکہ مدت دراز سے پائی جاتی چلی آرہی ہیں -

ارض حجاز اور اسکے ملحقات نجد و یمن وغیرہ کی حالت اسوقت بھی غنیمت ہے - اور گو ہجرت کا مشورہ وہاں جانے کے لیے زمہ داری اور شرح صدر کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا - تاہم ہندوستان، مصر، عراق وغیرہ سے کہیں زیادہ وہاں پاس و احترام قانون شریعت کا وہاں بحمد اللہ موجود ہے

اہلِ صدق یان ہند سے اپیل

برادران اسلام - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - راج نیپال کی ترائی میں ایک علمی و دینی درسگاہ عرصہ تیس سال سے قائم ہے وہاں جیسے علاقے میں دین اسلام اور علوم دین کے رواج و شائع کرنے کے لیے یہ مدرسہ ایک بڑا قوی سبب ہے -

اس مدرسہ میں بالفعل چار مدرسین اور پچاس طالبعلموں کے کتاب، خوراک، روشنی وغیرہ کے اخراجات کا انتظام ہے - (مقامی طلبہ ملا کر ۵۰ - ۶۰ کے درمیان تعلیم پاتے ہیں) اس علاقہ کے لوگ فصل پر غلہ کی صورت میں امداد دے کر اسکے نظام کو سنبھالے جا رہے ہیں - لیکن یہ مدرسہ اپنے کمال و وسعت کے اعتبار سے خاص طور پر تمام اہل کرم حضرات کی اعانت کا محتاج ہے تاکہ اسکو ترقی، استحکام، و استقلال حاصل ہو -

راج نیپال سے نہ کسی دینی ادارہ کو کچھ امداد ہے نہ یہاں کوئی تعلیمی بورڈ ہے - اسلیے سر تا سر کسانوں اور گاؤں کے لوگوں کی فصلی امداد پر اسکا بقا منحصر ہے - ظاہر ہے کہ یہ کوئی اطمینان بخش صورت نہیں ہے -

مولوی عبد الرؤف صاحب رحمانی صدر مدرس نے یہ اطلاع دی ہے کہ کچھ مخلصین کی مسلسل کوششوں سے مدرسہ کو مستقل کرنے کے خیال سے کرایہ کی دکانات و مکانات اس قدر تیار ہو گئے ہیں کہ اُن سے ماہوار ۳۶ روپیہ کی آمدنی شروع ہو گئی ہے - چھ منڈی زمین تعمیر کے لیے باقی ہے - جس پر اڑھائی ہزار روپیہ کی لاگت کا اندازہ کیا ہے - اس لیے تمام ارباب خیر دوستوں اور پوری جماعت کو من حیث الجماعت اس مدرسہ کی اعانت کرنی چاہیے کہ یہ صدقۂ جاریہ کا موجب ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی ذخیرۂ آخرت نہیں - والسلام

کہ حق بر تو باشد تو بر خلق باش

جملہ رقوم مولوی عبد الرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ سراج العلوم - جھنڈے نگر ڈاکخانہ رامت گنج ضلع بستی کے پتہ پر ارسال کریں -

الملتمس - محمد ابو القاسم سعیدی بنارسی بقلم خود - ۶ رمضان المبارک ۶۲ھ - حضور والا مولانا ابو الوفا صاحب ثناء اللہ مدیر اہلحدیث فرماتے ہیں:-

میں بھی اس مدرسہ کی امداد کو کار خیر سمجھتا ہوں - (ابو الوفاء)

نمبر ۴۳ | دوشنبہ - ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ - مارچ ۱۹۴۴ء | جلد ۹

ترکہ وطلاق

قانون انگریزی کے ایک ماہر اور صیغۂ عدالت کے ایک
عہدہ دار ..... صاحب کی طرف سے ایک چھوٹا سا سوال نامہ موصول ہوا ہے اس
وقت گنجائش صرف دو سوالوں کو درج کرنے کی ہے:۔

(۱) لڑکی کو لڑکے کے مقابلہ میں نصف حصہ وراثت میں دیا گیا ہے۔ اس کی
سند قرآنی کیا ہے؟ یہ تفریق کس بنا پر کی گئی؟ اسلام کے اصول مساوات
کو دیکھتے ہوئے کیا اس میں تبدیلی ممکن ہے؟

(۲) شوہر اپنی بیوی کو بلا کسی وجہ یا سبب کے طلاق دے سکتا ہے۔ کیا عورت
کو بھی یہی حق دیا گیا ہے؟ حوالہ دیجیے۔
اگر نہیں تو کیا یہ اصول مساوات کے منافی نہیں؟ کیا اس قانون میں
تبدیلی ممکن نہیں؟

(۱) لڑکی کے مقابلہ میں لڑکے کے دوگنے حصہ کی صراحت قرآن مجید میں
موجود ہے۔ سورۂ نساء، رکوع ۲۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم — للذکر مثل حظ
الانثیین، یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔

سوال کا باقی حصہ اصلاً غلط ہے۔ خدائی احکام کی دوسری حکمتوں اور
مصلحتوں کا احاطہ اگر عقل بشری کے لیے ممکن ہوتا تو ایک آسمانی اور خدائی شریعت
کی ضرورت ہی کیا تھی؟ دنیوی علوم وفنون اور مادی صنعتوں، حرفتوں وغیرہ ہی
کی طرح ان احکام کو عقل انسانی ہی پر نہ چھوڑ دیا گیا ہوتا؟ — بظاہر
ایک چھوٹی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے، کہ عورت کو ایک تو دُہرا دُہرا حصہ دلایا ہے،
(ایک باپ کے ترکہ سے، دوسرا شوہر کے ترکہ سے) اور پھر عورت کے سارے مصارف
خوراک، لباس، مکان وغیرہ شوہر کے ذمہ ڈال دیے ہیں۔ رقم مہر اسکے علاوہ۔
اس لیے قدرۃً اُسکا حصہ میراث پدری میں مرد کا نصف رکھا گیا۔
"مساوات" سے مراد اگر مساوات کامل ہے، تو یہ اسلام پر اتہام ہے۔
شریعت اسلام مرد وعورت کی مساوات کامل کی ہرگز مدعی نہیں۔ وہ دونوں کے
درمیان یقیناً وہ فرق قائم رکھتی ہے جو خود فطرت نے دونوں کے قوائے میں
قابلیتوں میں، زندگیوں میں رکھا ہے — اور قرآنی قانون میں ترمیم کا تو
خیال بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔

(۲) جی نہیں، عورت کو بلا وجہ طلاق دینا کیسا معنی، وجہ بھی شوہر کو
طلاق دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ ..... طلاق صرف ..... سے ملتی ہے،
دے نہیں سکتی۔ وہ عدالت میں جا کر صرف درخواست دے سکتی ہے، تفریق کرانا
عدالت کے اختیار میں ہے — عورت کی فطری کمزوریوں کا لحاظ کر کے
اُسے ایسی شدید ذمہ داری سے بچے رہنے کی ہدایت ایک خالص حکیمانہ شریعت
ہی کر سکتی ہے۔

مرد بھی اگر بے سبب یا ظلماً طلاق دیدیگا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ ہاں دنیا
میں نظم قائم رکھنے کے لیے اُسے قانوناً یہ اختیار حاصل ہے۔
اصول مساوات! الا مغالطہ اس سوال میں بھی کام کر رہا ہے۔ یہ دعوے
ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔ مساوات کامل کی مدعی ..... تو بعض
قدیم جاہلی یا مشرکانہ تہذیبیں ہوئی ہیں، اور اُنھیں کے نقش قدم پر فرنگی
تہذیب چل رہی ہے۔ اسلام نے تو آکر دونوں جنسوں کے حسب حال صحیح
توازن قائم کیا

ترمیم کا سوال خدائی قانون میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا

ردِ عمل!

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا ایک قابل قدر مضمون،
(اور اُنکے قلم سے نکلا ہوا کون مضمون قابل قدر نہیں ہوتا؟) جو بشرط گنجائش اسی
نمبر سے نکلنا شروع ہوگا، اسکے بعض فقرے اتنے بلیغ، دلچسپ اور حسب حال
ہیں کہ جی میں آتا ہے انھیں ایک الگ نوٹ میں بھی دُہرا دیجیے:۔
حکومت کھونے کے بعد مسلمانوں میں بیداری کے نام سے جو چیزیں پیدا
ہو رہی ہیں، اُن میں پہلی بیداری کی ابتداء اس سے ہوئی، کہ مسلمانوں کے اندر

لعنت بھیجنے والوں کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ جب تقلید و عدم تقلید کا یہ فتنہ دھیما ہوا تب صوفیہ بیچارے میدان میں لائے گئے۔ اور جھٹکے جو جی میں آئے انھیں سناتا چلا گیا۔ یہ دور بھی ختم ہوا۔ اب اسلامی ملوک و سلاطین پر لعنت بھیجنے کا دور آیا ہے۔ اگلوں پر پچھلے لعنت کرینگے، حدیثوں میں قیامت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے۔ میرے نزدیک تو یہ دل کا تماشہ ہے!

کچھ دن پہلے تقلید کا نمبر آیا۔ بے دیکھے بھالے اہل حدیث۔ تصوف کا ذکر نہیں۔ حنفی علماء میں بھی روشن خیالی یہی سمجھی گئی کہ تقلید کی زیادہ سے زیادہ تحقیر و تضحیک ہوتی رہے۔ پھر باری صوفیہ اور تصوف کی آئی۔ مسلمان پست و درماندہ کیوں ہیں؟ تصوف کے اثر سے! سلطنت ہاتھ سے کیوں گئی؟ صوفیانہ ریاضتوں میں پڑ جانے سے! بے عملی اور جمود کہاں سے پیدا ہوا؟ صوفیہ کی تعلیم سے! اور اب نشتر زنی میں داخل ملوک و سلاطین پر سب و شتم ہے۔ آج جو صاحب بھی قلم اُٹھا لیتے ہیں، ملوک و سلاطین پر لعنت بھیجنا ضروری تصور کر لیتے ہیں!

ہر مرغ کہ پرزد ہمہ تن سوئے اسیری
دل بر تنگوں کرد و خوانینِ قفس را

اچھا ہے، حضور پر رحمت تو خوب ہے۔ یہ تمہید مسئلے، بالانہ و صریح جھوٹ پر شاعروں کو خوب خوب انعام و اکرام دیئے۔ یہ سب بیچ ہیں، ہاں ذرا گالیاں اور لعنتیں بھی شامل جائیں۔ رد عمل کے سوا ہی ہیں۔
آخر تم کی کچھ تو مکافات چاہیے!

شہر میں خبر

"برلن۔ ۲۹ فروری۔ یوزن نیوز ایجنسی کو ٹوکیو سے اطلاع ملی ہے، کہ جاپانی چائے خانوں اور رقص خانوں سے گیشا (رقاص) عورتیں سب جنگی کارخانوں کی طرف منتقل کی جا رہی ہیں، اور چائے خانے اور رقص خانے سرکاری حکم سے بند کیے جا رہے ہیں۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں تنہا شہر ٹوکیو میں ۲ ہزار چائے خانے اور ۲۲ ہزار رقص خانے بند کیے جا چکے ہیں" (رپورٹر)

کیا ہندوستان میں بھی اسی جنگ کے قہر خداوندی کا انتظار ہے کہ وہ نازل ہولے، جب جاکر کہیں فسق کے اس کاروبار کے بند کرسکے! کم از کم اسے کسی دوسری طرف منتقل کرنے کی نوبت آئے؟

مہمل اعتراض

ایک مولوی صاحب یو۔ پی کے ایک مدرسہ سے لکھتے ہیں:۔

"آریہ اعتراض کرتے ہیں کہ الٰہی تعلیم کو سائنس کے موافق ہونا چاہیے۔ اُدھر فلاسفۂ قدیم کہتے ہیں الفلک لایقبل الخرق والالتیام۔ ایسے حالات میں حضور کے معراج و کرۂ ناری و افلاک سے گزرنے کا کیا معقول جواب دیا جا سکتا ہے۔ نیز فلاسفۂ قدیم کے نزدیک ہے کیا چیز؟"

جس [illegible] کی زبان سے یہ پرانا اعتراض نقل ہو رہا ہے، اُس سے "سائنس" کی تعریف پوچھیے۔ موافقت، مخالفت، تطابق، تضاد وغیرہ سوال بعد کا ہے، پہلے نفس سائنس کی تو وہ تعریف پیش کرے! اس غریب نے سائنس کا صرف نام سُنا ہے، اور اس سے وہ اسی طرح مرعوب بنا اور دہشت زدہ ہے، جیسے بچے بھوت پریت سے ڈرا دیے جاتے ہیں! سائنس نام ہے صرف انسان کے حسی تجربات، اور ان تجربات پر مبنی و متفرع نظریات و ملفوظات کا، اور وہ بھی کائنات کے کسی ایک شعبہ سے متعلق! کیا آریہ اسی کو ہمہ گیر، ہر جہتی، قطعی و یقینی ربانی صداقتوں کے مقابلہ میں لا رہا ہے؟ اور دنیا سلائی کی جھلملاتی تھرتھراتی ہوئی لو کی روشنی میں دن دوپہر کے سورج کو دیکھنا چاہتا ہے؟ دنیا تک تو وہ کہہ سکتا ہے کہ کسی تعلیم کو بلا ثبوت اور بلا شواہد تعلیم الٰہی ماننا نہ چاہیے لیکن اگر کوئی کتاب اعجاز لفظی و معنوی سے کلام الٰہی ثابت ہو چکی اور وہ زبردستی آسمانی ہونے کا اقرار کر چکا، تو اب اس مطالبہ کے معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں کہ اسکے بیانات کو ماتحت ہونا چاہیے کپلر کے خیال کے، ڈارون کے تجربے کے، ہیگل کے مشاہدے کے! یقیناً ہر انسان کا تجربہ محدود، اور ہر بشر کا علم ناتمام ہے۔ اور سائنس کے تمام تر علوم، ہزار مرتب اور لاکھ منضبط ہوں، بہرحال انسان ہی کے حواس اور بغیرہ ہی کی عقل کے تابع ہونگے، غلطیوں کے امکانات سے لبریز۔

اور پھر سائنس سے مراد کس زمانہ اور کس قوم کی سائنس ہے؟ کیا یونانی اور رومی طبیعین کو اپنی تحقیقات پر کچھ کم بھروسہ تھا؟ پھر آج وہ اور اُنکے نظریات کہاں ہیں؟ بطلیموس، ارسطو، بلیناس (کلیپی)، طالیس، ارشمیدس، جالینوس، اپنے اپنے زمانہ میں کیسے کیسے اساطین فن رہے ہیں، پھر آج اُنکے طبیعاتی، طبی، فلکیاتی، حیوانیاتی، ریاضیاتی مسائل پر کتنوں کا ایمان ہے؟ کس کو اطمینان ہے؟ مصر میں کیسے کیسے مہندس اور ہند میں کیسے کیسے حکماء گزر چکے، آج اُنکے ہندسہ، ہیئت، حکمت کسی میں بھی کچھ جان ہے؟ معیار آخر اُنیسویں صدی کی سائنس کو رکھا جائیگا یا بیسویں صدی کی سائنس کو؟! پھر دونوں کو چھوڑ کر کیوں نہ اسکے ابتدائی صدیوں کی سائنس کو؟ —— اور کیا ایک ہی زمانہ کے ماہرین سائنس مسائل پر متفق رہتے ہیں؟ کیا آج بھی حیات نباتات پر متحد ہیں؟ کیا نظریۂ اضافیت کی تعبیروں میں شدید اختلاف نہیں؟ کیا طریق ارتقاء پر سب کا اجماع ہو گیا ہے؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن عنوانات پر اہل سائنس طبع آزمائی کرتے اور بڑے بڑے مقالات اور مونوگراف تیار کرتے رہتے ہیں، اُن سے مذہب بحث ہی کب کرتا ہے؟ اور اعتقادیات و احکام کے جو مسائل مذہب بتاتا ہے، اُن پر سائنس کو گفتگو کا حق ہی کیا ہے؟ سائنس تو یہ بتاتا ہے کہ زمین میں قوت کشش ہے، ستاروں کی اتنی تعداد ابھی تک شمار میں آچکی ہے، دوربین اتنے فاصلہ تک دیکھ سکتی ہے، حیوانات کی اتنی نوعیں اسوقت تک دریافت ہوئی ہیں، اور ہر نوع کے ماتحت اتنی اتنی جنسیں ہیں، سمندر میں مد و جزر ان اسباب سے آتا ہے اور جزر اُن اسباب سے، مادہ کے اجزائے ترکیبی اب تک فلاں فلاں دریافت ہوئے ہیں۔ ناقابل تجزی عنصروں کی تعداد فلاں عدد تک شمار میں آچکی ہے۔ آفتاب کی شعاعیں یہ تیز رفتار

۱۳۴۔ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت و لکم ما کسبتم و لا تسئلون عما کانوا یعملون	یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی۔ اسکے کام اسکے کام آئیگا جو اس نے کیا ہوا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا۔ اور وہ جو کچھ کہتے رہے اسکی پوچھ تم سے (کبھی) نہ ہوگی۔

یعنی تم جو روایات خرافات حضرت یعقوبؑ کی جانب منسوب کر رہے ہو، تو تمہارا اُس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔

۷۹۳ یعنی وقت موعود قریب آگیا اور آپؑ کو علامات و آثار اسکے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہو۔ (بحر)

وکنی بالموت عن مقدماتہ لانہ اذا احضر الموت نفسہ لا یقول المحتضر شیئًا

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ہے، ویاتیہ الموت من کل مکان وما ہو بمیت۔ جہاں موت سے مراد موت کے داعی و اسباب لیے گئے ہیں۔ (بحر)

۷۹۵ "میرے بعد" یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔

من بعدی اے من بعد موتی

حضرات انبیاء کو اپنے آخر وقت میں سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے۔

۷۹۶ توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مصلحت سے خاموش ہیں۔ البتہ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں احبار یہود کے حوالے سے ہے:

"یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیے

(۱) بت پرستی نہ کرنا

(۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا

(۳) میرے جنازہ کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے۔" (جلد ۷، ص ۲۲)

روایات و احکام یہود کی جو دوسری کتابیں ہیں اُن میں صراحت اس سے بھی بڑھ کر ملتی ہے:

"یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا ... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اسکے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا، "سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا ہی خدا ہے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان اُسی ایک خدا پر ہے، اُسی طرح ہم سب کا بھی دلی ایمان اُسی ایک خدا پر ہے۔"

(گنز برگ کی قصص الیہود۔ جلد ۲ ص ۱۴۱)

اسمٰعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا (یا بڑے ابا) تھے۔ فرزندان یعقوبؑ نے انکا شمار بھی آبائے یعقوبؑ میں کیا، جیسا کہ اردو محاورہ میں باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے لیے بھی لفظ اب آیا ہے، ہذا بقیۃ آبائی۔ یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔

اسحٰقؑ کا نام پہلی بار آیا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ تھے۔ حرم اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ توریت میں ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال کی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا سال ولادت جیسا کہ ایک سابق حاشیہ میں گزر چکا ہے ۲۱۶۰ ق م تھا۔ اس حساب سے حضرت اسحٰقؑ کا سال ولادت ۲۰۶۰ ق م ہوا۔ توریت میں آپ کی عمر ۱۸۰ سال درج ہے۔ اس حساب سے سال وفات ۱۸۸۰ ق م ٹھہرا۔

آپؑ کے بستر مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔

"جب اسحٰقؑ نے دیکھا کہ اُنکا وقت موعود آپہنچا، تو اُنھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا، میں تمھیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جسکی صفات، علی و عظیم و قیوم و عزیز ہیں، اور جو آسمان و زمین اور اُنکے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے، کہ تم خوف اُسی کا رکھنا اور عبادت اُسی کی کرنا۔" (جلد اول، ص ۴۱۶)

۷۹۷ (اور اُنکے فضائل و کمالات بھی اُنھیں کے ساتھ گزر چکے، تمھیں آخر اُنکا نام لینے سے کیا حاصل؟)

تلک امۃ سے مراد یہی اجداد یہود جنکا شمار جماعت انبیاء میں ہے۔ خطاب یہاں یہود سے ہے، جو آبائی مفاخرت اور نسلی عظمت کے نشہ میں چور تھے۔ اور اس میں بڑا سبق آجکل کے پیرزادوں، مشائخ زادوں اور سید زادوں وغیرہ کے لیے موجود ہے۔ بلا سعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اُٹھانے کی تو اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے۔

۷۹۸ اسلام کے طفیل میں اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ اُس وقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نامانوس بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہل توحید تک اس سفاہت میں مبتلا ہوگئے تھے، کہ ذاتی عمل کی ضرورت کیا ہے؟ مقبولان الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبت نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا افسانہ "معصیت متوارث" سب کو معلوم ہے۔ یعنی جو معصیت ابوالبشر سے سرزد ہوگئی تھی، وہ ہر نسل آدم میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہود نے اسکے مقابل ایک عقیدہ "نجات متوارث" کا وضع کر لیا تھا، اور یہ سمجھ لیا تھا کہ

"خدائے تعالیٰ اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بطور اپنے افضال کے باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے!" (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۱۲ ص ۲۸۸)

۷۹۹ توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے

"میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلا اُنکی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو کہ میرا کینہ رکھنے والے ہوں" (استثناء ۵:۹)

پس اس تنکے کے اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا تھا کہ ہر نسل کو انتقال اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔ یعنی اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہیگا۔ اور پھر اولاد ابراہیم کو تو کوئی ڈر ہی نہیں:۔

"بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملیگا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا!" (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۲ ص ۲۰)

"افراد یہود کی امید یں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہوگئی تھیں یعنی آلِ ابراہیم کی اولاد میں" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۳ ص ۱۸۴ طبع یازدہم)

افکارِ سندھی

(از مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب۔ نائب امارت شرعیہ بہار)

مولانا المحترم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیمات اور افکار سیاسی اور انکے سوانح حیات پر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے پروفیسر محمد سرور صاحب نے جو کتاب "مولانا عبیداللہ سندھی" نامی شایع کی ہے، اسکے مطالعہ کا اس ہفتہ میں شرف حاصل ہوا۔ مولانا سندھی کی طرف قرآن و حدیث کے جن افکار کا انتساب کیا گیا ہے وہ اتنے غلط اور غیر اسلامی ہیں کہ انکے متعلق اپنے قدیم حسن ظن کی بنا پر یہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ یہ واقعی مولانا کے افکار ہو سکتے ہیں۔

خصوصاً ایسی حالت میں کہ پروفیسر صاحب نے "پیش لفظ" میں یہ لکھ دیا ہے۔ معلوم نہیں مولانا کی گفتگو کو پوری طرح ضبط کرنے میں مصنف کس حد تک کامیاب ہو سکا ہے۔ اور پھر اسکا بھی قوی امکان ہے کہ وہ اپنے قصور فہم کی بنا پر مولانا کی کسی بات کو سمجھنے میں بھی قاصر رہا ہو۔

میرے لیے یہ سہل تھا کہ ان افکار کے متعلق مولانا سندھی سے بھی طور پر استصواب کر لیتا مگر اس کتاب کی اشاعت کے سامانِ تہی حد سے آگے بڑھ چکا ہے اور مولانا سندھی کے انتساب کے ساتھ یہ افکار عوام تک پہونچ چکے ہیں۔ اب ضرورت اسکی ہے کہ عوام کو مولانا سندھی کی ذبان و قلم سے اسکی تصویب اور تغلیط معلوم ہو جائے۔

مولانا سندھی نے اگر ان افکار کی انتساب کی تغلیط کر دی تو معاملہ ختم ہے۔ ورنہ پھر ہم ایسے بے مایہ اور کم فہم انسان کے لیے بجز اسکے کیا چارہ کار ہو سکتا ہے کہ ان افکار کے پس منظر کو مولانا سندھی کی خدمت میں پیش کر کے پوچھیں کہ ولی اللّٰہی فکر جسکے مولانا سندھی علمبردار ہیں ان افکار کا متحمل ہو سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں اخبار و رسائل کی طرف نگاہ اٹھی کہ شاید دل کی الجھن کا مداوا انکے تبصرے میں مل جائے مگر اس کتاب پر ہنوز کوئی تبصرہ میرے مطالعہ میں نہیں آیا۔ مجبوراً جناب کی طرف مراجعت کرتا ہوں کہ حسب ذیل افکار کے متعلق جناب کا تبصرہ کیا ہے؟ چاہے یہ مولانا سندھی کے بجائے پروفیسر صاحب یا کسی زید و بکر کے افکار ہوں۔

قرآن مجید سے متعلق

۱۔ قرآن کا عالمگیر پیام عرب کے مزاج کے مطابق معین ہوا ہے۔ قرآن مجید کا بین الاقوامی پیغام رسول اللہ کی قومی زبان اور انکی قوم کے مزاج کے مطابق معین ہوا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ عربوں نے اس پیغام کو اپنا لیا۔ اور اسکو پھیلانے اور دنیا میں اسے نافذ کرنے کے کام کو اپنے لیے قومی عزت سمجھا۔ (صفحہ ۲۶۰)

۲۔ قرآنی احکام مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انکو ابدی عالمگیر ماننا صحیح نہیں ہے۔ یہ صرف عرب کے لیے ایک عملی صورت تھی۔

۳۔ بیشک قرآن نے جس قوم میں کہ وہ نازل ہوا اس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ رکھا ہے۔ لیکن اس سے قرآن کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ بقول مولانا شبلی جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں، انکی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی اور نہ اس پر چنداں زور دیا جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک بھی قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں وہ دراصل ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان احکام کو اپنی خاص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں۔ عرب کے خاص حالات میں قرآن کے عمومی پیغام کو صرف ان احکام کے ذریعہ ہی عملی صورت دی جا سکتی تھی۔ (صفحہ ۲۵۱)

۴۔ کھانے کی چیزوں کی حلت و حرمت کی بنیاد قومی پسندیدگی اور قومی مزاج پر ہوتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اطعمہ کی تحلیل اور تحریم بیشتر قومی پسندیدگی یا مزاج کے مطابق ہوتی ہے۔ اسکو عالمگیر مذہب کی تعلیم کا اساس بنانا ٹھیک نہیں ہوتا۔ کھانوں کے علاوہ دوسری باتوں میں بھی اگر قوم کے مزاج کا لحاظ رکھا جائے، لیکن اس شرط پر کہ اس سے انسانیت کے عمومی مفاد میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہو، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ (صفحہ ۲۵۱)

حدیث سنت و آثار کے متعلق

۱۔ دین کا قانون اساسی صرف قرآن ہے۔ حدیث وحی غیر متلو نہیں ہے بلکہ مستنبط ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دین صرف قرآن میں منحصر ہے۔ اور قرآن دین کا قانون اساسی ہے۔ اور آیت "وما ینطق عن الھوٰی" سے مراد صرف قرآن مجید ہے۔ حدیث دراصل قرآن سے مستنبط اور فقہ حدیث سے استنباط کی گئی ہے (۲۴۳)

۲۔ سنت نبوی عالمگیر قانون حجازی جامہ ہے جسکی تعبیر زمانہ احول اور اہل حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی ہے۔ جو نہ عمومی ہے نہ ابدی ہے۔

اس عالمگیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ جامہ اس عالمگیر قانون کی ایک تعبیر ہے جو زمانہ، ماحول اور اہل حجاز کی طبیعت سے مطابق کی گئی۔ اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن اس تعبیر کو عالمگیر قانون کے خلاف یا اس پر زائد ماننا بھی غلط ہے سنت اسی عالمگیر قانون کے حجازی جامہ کی ایک تصویر ہے۔ (۲۴۳)

۳۔ سنت وہ تمہیدی قوانین ہیں جو رسول اللہ صلعم اور خلفاء راشدین نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورہ سے تجویز کیے تھے۔ یہ تمہیدی قوانین بوقت ضرورت بدل سکتے ہیں۔

مولانا کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک۔ قرآن شریف میں منضبط ہے اور وہ غیر مبدل رہیگی۔ لیکن جہاں کہیں کسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ قانون اساسی تو غیر مبدل رہتا ہے لیکن تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم صفت ان ہی تمہیدی قوانین

معاملات ندوہ

(از مولوی حاجی ظفر الملک صاحب علوی۔ لکھنؤ)

بھائی محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲۔ فروری کے صدق میں آپ نے میرا استفتاء شایع فرما کر ممنون فرمایا۔ آپ کے نوٹ کو میں نے غور سے پڑھا۔ اب میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے استفتاء میں جو کچھ لکھا وہ اسی دینی درسگاہ میں ہو رہا ہے جسکے متعلق میرا پمفلٹ تھا۔ آپ خود اسکی مجلس انتظامی کے ایک رکن ہیں۔ شرعی تحقیق کرنے اور شہادت میں لینے اور منتظمین سے بیانات حاصل کرنے کا حق آپ کو بدرجہ اولے حاصل ہے۔ باہر کے کسی شخص کو تو یہ جواب دیدیا جائیگا کہ آپ کو ہم سے پوچھنے کا حق نہیں ہے جیسا کہ چند روز ہوئے شہر کے ایک معزز وکیل صاحب کو جواب دیا جا چکا ہے جو اسٹرائک کے سلسلہ میں تحقیق حال کیلیے گئے تھے۔

میں نے اپنے پمفلٹ میں جو مضامین اخبارات میں لکھے کہیں جماعت منتظمہ پر بد دیانتی کا کوئی الزام نہیں عائد کیا۔ پہلے مضامین کے جو الزامات لگائے گئے تھے ان میں سے کم از کم دو کو ناظم صاحب نے اپنے جواب میں تسلیم کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اسکی تاویل و توجیہ فرماتے ہیں۔ چونکہ انکا جوابی پمفلٹ شایع ہونے یا کم از کم مجھ تک پہنچنے کے بعد میں علیل ہو گیا۔ اس سبب سے اسکا جواب نہیں لکھ سکا اور اگرچہ ایسی صورت میں کہ آپ جیسے باخبر شخص تک اس امر کی اہمیت کو محسوس نہیں فرماتے کہ بانیان ندوہ کی تجویز اور دستور العمل کے ضابطہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اور ناظم صاحب اسکا اعتراف بھی فرماتے ہیں، آپ اسے کافی تصور فرماتے ہیں کہ انھوں نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ جواب میں ایک پمفلٹ شایع کر دیا، دوسرے ارکین مجلس سے کیا توقع کی جائے۔ حالانکہ اگر آپ خود ناظم صاحب کے جواب پر غور فرماتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ بانیان ندوہ کی تجویز کو بالائے طاق رکھدینے اور دستور العمل کی پابندی سے بے نیاز ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ

کسی مقام کے مسلمان ندوہ کے سالانہ جلسہ کو مدعو کرنے اور اسکے مصارف کی ذمہ داری لینے کو آمادہ نہ ہوے۔

یعنی ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں جو ہمدردی اور دلچسپی ندوۃ العلماء سے ہمارے بزرگوں کی مسلسل جد و جہد کی بدولت پیدا ہوئی تھی اور جسکی بدولت نہ صرف ... کے مختلف شہروں میں بلکہ پٹنہ، کلکتہ، مدراس اور امرتسر تک ... ندوہ کے شاندار اور کامیاب جلسے ہوے تھے اب وہ سب فنا ہو گئی۔

مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ، الکشن کی گرم بازاری وغیرہ نے مسلمانوں کی دوسری علمی و دینی سرگرمیوں پر اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ گذشتہ دو سال سے ندوۃ العلماء ... اور اسلامی ... [illegible] اور علمی و تعلیمی جلسے بھی ہوے اور برابر ہو رہے ہیں۔ اگر نہیں ہو سکا تو ندوہ کا جلسہ عام۔

ناظم صاحب نے بہت سے تعمیری کاموں کا ذکر فرمایا جن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسکی بناء پر ندوہ کا سالانہ جلسہ عام خارج ہوتا۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ ناظم صاحب نے اپنے بھائی مولانا ابو الحسن علی صاحب کے اُن کارناموں کو بھی ندوہ کے تعمیری کام کا جزو قرار دیدیا جو وہ ندوہ سے طویل رخصت کے زمانہ میں اپنی انفرادی حیثیت میں کرتے رہے مگر اُنکے ادارۂ تعلیمات اسلام کا ذکر نہیں کیا جو اُنھوں نے ندوہ کی بانی جماعت کے سرتاج مولوی عبد السلام قدوائی کے ساتھ مل کر قائم کیا ہے۔

مولوی زمان خاں صاحب کی علیحدگی کے سلسلہ میں بھی افسوس ہے کہ ناظم صاحب کا جواب بالکل غیر تسلی بخش ہے۔ مولانا سید سلیمان صاحب کو اگر ڈکٹیٹر بنا کر مجلس منتظمہ نے تمام ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کر لی ہے تو دستور العمل کو تبدیل کرنا چاہیے۔ دستور العمل مروجہ کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جسکی رو سے کسی فرد کو ڈکٹیٹر بنایا جا سکے۔ چونکہ ناظم صاحب نے تجویز کے الفاظ درج نہیں کیے بلکہ اسکا خلاصہ درج کر دیا ہے، اس لیے بحیثیت رکن مجلس انتظامی کے آپ اُس تجویز کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مجلس انتظامیہ کے جن ارکین نے وہ تجویز منظور کی اُنکا بھی یہ منشا نہ تھا کہ دستور العمل معطل کر دیا گیا اور ملازمین دار العلوم محض ایک فرد کی عنایت و کرم پر چھوڑ دیے گئے۔ وہ مطلق العنانہ طور پر جسے چاہیے بغیر جواب حاصل کیے اور بغیر ... لیے ہوے ہر ملازم کو علحدہ کر سکتا ہے۔

میں انشاء اللہ ناظم صاحب کے مراسلہ کا مفصل جواب علحدہ لکھونگا آج حکیم صاحب نے دوا ترک کرادی ہے۔ اور اگرچہ اب میں اتنا توانا ہو گیا ہوں کہ بے تکلف چلتا پھرتا ہوں مگر اول تو ایک ماہ کی معذوری کے دوران میں کام بہت سا جمع ہو گیا، دوسرے ایک ہفتہ سے پھر مجلسی کاموں میں گرفتار ہو گیا ہوں اور ابھی تک زیادہ دماغی محنت کرنے کے لائق نہیں اس لیے فی الحال اسی پر قناعت کرتا ہوں کہ آپ کو توجہ دلاؤں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو مجلسی کاموں سے دلچسپی نہیں لیکن جس ادارہ کی مجلس انتظامی کے آپ رکن ہیں اُسکے متعلق تو آپ کو اپنی ذمہ داری کو محسوس فرمانا چاہیے۔ اور آپ سے اگر نہیں ہو سکتے تو بہتر ہوتا کہ آپ اس ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کر لیتے۔

ندوہ کی رکنیت اگر ندوہ کی خدمت کیلیے نہ ہو تو محض احباب کی خاطر آپ اس ذمہ داری کو کیوں اپنے سر لیے رہیں۔ جن لوگوں کو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ہے اُن سے تو یہ امر بعید از توقع ہے کہ وہ اجتماعی کاموں میں بعض بڑے لوگوں کی شرکت گوارا کریں جو آجکل بہت سے لا مذہب انگریزی تعلیم یافتہ بھی گوارا نہیں کرتے۔

بھی نہیں۔ وہ تو تمامتر انسانی تخیلات اور تخمینی ظنون، قیاسات، تخمینات اوہام کی جولانگاہ، اور محض ثقیل، مرعوب کن مصطلحات کا گورکھ دھندا ہے۔ انکے بڑے سے بڑے دلائل اور خود ان دلائل کے قواعد وبنائی سب انسان ہی کے دماغ کے تراشے ہوئے۔ اور پھر فلاسفہ کا یہی اختلاف خدا کی پناہ! فلاسفۂ یونان کے "افلاک" تمامتر انکی مفروضات: ہئیت کے پیدا کئے تھے۔ انھیں وہ جاندار، صاحب ارادہ ہستیاں سمجھے ہوئے تھے۔ اور گردشِ افلاک کی تاثیرات کے قائل۔ اچھا ہوا کہ مذہب کی مداخلت کے بغیر خود ہئیت جدید ہی نے ان خرافات کی دھجیاں اڑادیں۔ بالفرض وہ نظریات قائم بھی رہتے جب بھی آخر اس مفروضہ پر دلیل ہی کیا تھی کہ افلاک میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا؟

(بقیہ صفحہ ۴)

کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلعم اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورہ سے تجویز کیے۔ مولانا کے نزدیک یہ سنت قرآن ہی سے مستخرج ہے۔ (صفحہ ۲۴۳)

مولانا — نبوت افراد کی فطری رجحان جبلی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اسکے خلاف نہیں ہوتی ہے۔ لہذا ذبح حیوانات سے بچنا نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ نبوت انسانوں کی جبلی استعداد کا انکار نہیں کرتی۔ اور انسان کی جبلی استعداد اسکے خاص احوال سے مبنی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں فطرتاً ذبح حیوانات پسندیدہ نہیں اس لیے اگر کوئی ہندوستانی ذبح حیوانات سے بچے تو اسکا یہ فعل خلاف نبوت نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسانوں کی جو فطرت ہوتی ہے نبوت اسکے خلاف نہیں جاتی۔ نبوت کا کام یہ ہے کہ فطری رجحانات اور انکی جبلی استعدادوں کے مطابق انکے لیے ترقی کی راہیں تبلائے (ص ۲۵۵)

مولانا — مساوات اور انصاف کی عملی شکل اب خلافت راشدہ کی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں تبدیلی ہوگی۔ اسی طرح خلافت راشدہ کے دور میں مساوات اور انصاف کا اصول ایک خاص نہج پر نافذ ہوا۔ اب زندگی بہت کچھ بدل گئی ہے اور اسکے ساتھ زندگی کی ضرورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ اس لیے مساوات اور انصاف کا حلقۂ اثر بھی بہت وسیع ہوگا۔ یعنی مقاصد تو وہی رہیں گے لیکن انکی عملی شکل حالات واسباب کی تبدیلی کی وجہ سے پہلی سی نہ ہوگی (ص ۴۷)

مولانا — اب جو حکومت ہوگی وہ خلافت راشدہ ماضیہ کی طرح نہیں ہو سکتی۔ یہ حکم قرآنی حکمت کے خلاف ہے۔

اسی سلسلہ میں مولانا نے ایک دفعہ قرآنی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ جو زمانہ گزر گیا وہ پھر واپس نہیں آیا کرتا۔ جو پانی بہ جاتا ہے وہ لوٹتا نہیں۔ قرآن پر عمل کرکے خلافت راشدہ کے دور اول میں صحابہ نے جو حکومت بنائی اب بعینہٖ ویسی حکومت نہیں بن سکتی۔ جو لوگ قرآن کو اس طرح سمجھتے ہیں وہ حکمت قرآنی کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے۔ بیشک خلافت راشدہ کی حکومت قرآنی حکومت کا ایک نمونہ ہے لیکن یہ نمونہ بعینہٖ ہر دور میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسکے مبادی اور اصولوں پر قرآنی حکومتوں کے نئے ڈھچر بن سکتے ہیں۔ (ص ۴۷)

صدق — مراسلہ ایک بڑے ذمہ دار قلم سے ہے۔ اس لیے جو اقتباسات اس میں درج ہیں انکی صحت میں تو شک وشبہہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اسکے آگے کیا عاجز بھی کیا کیا جائے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے!

"سجینہ" خلافت راشدہ کے قیام کا خواہشمند ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی خالی نہیں۔ بہرحال اس فتنہ پر توجہ کی ضرورت سب سے پہلے مرکزی جمعیۃ العلماء کو ہے، اور اسکے بعد خود امارت شرعیہ (بہار) کا نمبر ہے۔ اسلامی اخبارات اس خدمت میں صرف معین ہو سکتے ہیں۔

تصحیح

(۱) صدق کے پچھلی اشاعت کا نمبر غلط درج ہوگیا ہے۔ ناظرین کرام بجائے ۴۴ کے اسکو ۴۲ بنالیں۔

(۲) ارشادات اشرفیہ، قسط اول فقرہ میں "احوال باطنی کا حاصل ہو جانا" صحیح ہے نہ کہ "حاصل کرنا"۔

نظم الجواہر

پھر نہ کہنا کوئی خبر نہ ہوئی

کلام الٰہی کے عاشقو۔ دوڑو اور جلد جواہر النظم کی زیارت کرو۔ یہ وہ کتاب ہے جسے قرآن شریف کی انسائیکلو پیڈیا کہنا غلط نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر اس میں ایک مفصل بحث مع حوالجات علما وصحابہ رحمہم اللہ موجود نہ ہو۔ آیات کی شان نزول۔ جائے نزول۔ ناسخ ومنسوخ۔ اختلاف قرأت۔ استخراج مسائل۔ دعا ہائے موثرہ۔ وظائف قرآنی۔ کلام موزون قرآنی مع شرح اوزان وبحور۔ قصص انبیاء کی تفصیل کس جگہ کس پیغمبر کا ذکر ہے۔ رحمت وعذاب کی کتنی آیتیں ہیں۔ ائمہ اربعہ میں کون امام کس آیت یا سورۃ پر کس طرح عامل ہیں۔ اختلاف مذاہب کی تفصیل۔ ضروری آیات کی تفسیریں۔ اسمائے الٰہی کے خاص ذکر۔ غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو اس میں نہ ہو۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ۲۲/۱۸ کے قریب قریب ۱۲۰۰ صفحات پر نہایت پاکیزہ خط میں لکھی ہے۔ تصنیف مولانا ولی اللہ صاحب۔ ہم اسکو طبع کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس دیبا کی زیارت فرماکر خرید فرمائیں تو یقینی آپ کی دنیا وعقبیٰ کا ایک قابل فخر سرمایہ ہوگا۔ قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے بہت مناسب ہوگی۔

پتہ — الف معرفت ایڈیٹر صاحب روزنامہ حق، مرشد آباد بلیس گارگنج۔ لکھنؤ

ہر ہر طرح سے اسلم نوجوان، کالج کا تعلیم یافتہ، ہر طرف سے کانوں اور آنکھوں دونوں کے راستوں سے، اپنے دل و دماغ پر نقش غیر اسلامی و جاہلی تہذیب کے مسلط ہوتے پاتا ہے۔ بیچارہ بھاگ کر جائے تو کدھر جائے؟ من عن صاحب منیلوں۔ اور آخر کن رسالوں، پرچوں، اخباروں سے اپنے علمی و ادبی ذوق کی تسکین دے! ------ آہ کامریڈ!

توبۂ آدم

ایک صاحب موضع ... سے لکھتے ہیں:-

"دریافت یہ کرنا ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے ربنا ظلمنا انفسنا کہاں عرض کیا، زمین پر یا آسمان پر؟ اس آیت سے قبل کی آیت کا پہلا لفظ بلکہ کل آیت اسلوب صراحت توی سے کہ یہ عرض و معروض اور مغفرت جنت ہی میں ہوئی۔ لیکن میرے پاس جو تفسیریں ہیں وہ کچھ اور کہتی ہیں۔ تفسیر قادری (زیر آیت ۲۴) میں ہے کہ دو سو برس کے بعد یہ کلمات عرض کیے۔ بیان السبحان میں ہے کہ مدتوں زمین پر سرگرداں رہنے کے بعد یہ کلمات عرض کیے۔ موضح القرآن زمین یا آسمان کچھ نہیں بتاتی۔"

آپ کا خیال صحیح ہے۔ قادری، بیان السبحان کے بیانات قابل اعتنا نہیں۔ قرآن مجید کی تصریحات خود بھی کہہ رہی ہیں۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت تو نص قطعی کا حکم رکھتی ہے،

وعصیٰ آدم ربہ فغوی۔ ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی، قال اھبطا منھا جمیعا (ع)	اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا، سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر انکے رب نے مقبول کر لیا، سو ان پر رحمت سے توجہ کی اور ہدایت دی (اللہ نے) کہا تم دونوں جنت سے اترو۔

اس میں مقبولیت و قبول توبہ و توفیق ہدایت سب کے بعد کہیں ذکر ہبوط کا آتا ہے۔

سورۂ اعراف کی آیت بھی اسی قدر واضح ہے۔ لغزش کے معاً بعد ہی مکالمہ و مخاطبۂ الٰہی کا ذکر ہے اور ساتھ ہی آدم و حوا کے استغفار کا، اور پھر کہیں اسکے بعد یہ حکم آتا ہے کہ

قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو	تم (یعنی اولاد آدم) ایک دوسرے کے دشمن ہو کر (جنت سے) نیچے اترو۔

قرآن میں تیسری جگہ اس واقعہ کا ذکر سورۂ بقرہ کے رکوع ۴ میں ہے۔ وہاں بھی ترتیب یہی ہے یعنی پہلے قبول توبہ، اسکے بعد حکم ہبوط —— خود آدمؑ کی سیرت پیغمبرانہ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ احساس لغزش ہونے پر فوراً وہیں کے وہیں توبہ و استغفار کریں۔ سیکڑوں برس مزید انکا بھٹکے رہنا، کسی آدم زاد کی بڑی ہی جسارت ہے۔

روایتیں، رطب و یابس ہر قسم کی آپ کو کتب تفسیر میں مل جائیں گی، اور پھر اس قسم کی روایتوں کا بڑا مخزن تو در منثور ہے، جو حقیقۃً ایک قسم کا کشکول ہے۔ مشہور مفسر ابو حیان غرناطی نے صاف لکھ دیا ہے کہ

وامرہ بالھبوط الی الارض بعدان تاب علیہ (بحر المحیط، جلد ۱ ص ۱۶۳)	آدمؑ کو زمین پر اترنے کا حکم توبہ کے بعد ملا تھا۔

مولانا محمد اویس ندوی نگرامی نے اس خیال کی تائید و تصویب میں زرقانی (شرح مواہب) قرطبی (احکام القرآن) اور شعرانی (الیواقیت والجواہر) کے حوالے بھی لکھ کر بھیجے ہیں، لیکن ان سب کی نقل بالکل غیر ضروری ہے۔

فسق کا اعزاز

دہلی سے ایک صدق نواز لکھتے ہیں:-

"صدق ۴۳ میں 'فسق کی عزت' کے سلسلہ میں آپ نے سب نام ہندوؤں ہی کے گنوا دئے ہیں۔ مگر دہلی کی میوزک کانفرنس کا بھی آپ کو علم ہے؟ یہاں کرسی صدارت پر کون تھا؟ نواب صاحب ... جو مسلم یونیورسٹی کے .... ہیں۔ گویا مسلمانوں کی تعلیمی کشتی ہی کے نہیں، بیڑے کے ناخدا۔ اور صرف صدارت ہی نہیں فرمائی، بلکہ بطور خاص عطیہ بھی دیا۔ اور خود مسلم لیگ بینڈ باجوں پر کیپ دیتی ہے۔ مسلم رؤسا میوزک سوسائٹیوں کو عطیات دیتے ہیں۔ اب فرمائیے، مسلم قوم کا کیا حشر ہوگا؟"

بیشک اپنوں کے ہاتھ سے تو اسلام کو اس ساڑھے تیرہ سو برس میں وہ وہ صدمے اٹھانے پڑے ہیں، کہ غیروں اور بیگانوں کے ظلم بھی انکے آگے گرد ہو گئے ہیں۔ اور موسیقی نوازی کی مثال تو پھر بھی ہلکی ہے، خلافت راشدہ کے دور کے معاً بعد سے کون سی شدید سے شدید بدبختی ایسی ہے جو مسلمان ہی امراء و سلاطین کے ہاتھوں امت میں راہ نہیں پا چکی ہے؟

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد!

لیکن امت و امراء امت کے ان ساری بدعتوں اور ظلموں کے باوجود نفس اسلام تو بحمد اللہ ابھی تک محفوظ اور جوں کا توں سالم ہے۔ اور ہر شخص ادنیٰ تامل کے بعد دین کو بدعتوں سے پاک دیکھ سکتا اور سمجھ سکتا ہے۔ برخلاف اسکے دوسروں کے ہاں نفس دین بھی بالکل مختلط ہو گیا ہے، اور صداقتوں کے دانوں کے ساتھ ساتھ غلطیوں اور گمراہیوں کے پورے پورے انبار اصل مذہب میں شامل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ خود یہی راگ، اگنی ہندو مذہب کے اندر بطور خاص عبادت کے سرایت کر گئی ہے، اور معاملہ اشخاص و افراد کی بدکرداریوں تک نہیں رہا ہے۔ --- مسلمان کے عمل میں جیسی بھی لغزش ہوا، فسق نوازی وہ عملی بھی کرنے لگے، فسق کو معزز سمجھ لینے، فسق کو جزو عبادت بنا لینے کی منزل بحمد اللہ ابھی اس سے دور ہے، اور ان شاء اللہ دور ہی رہے گی۔

ایک فارسی تفسیر

مولانا محمد ادریس صاحب ندوی نگرامی، صدق ۵۹ کے ایک شذرہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"صدق کے دونوں پرچے مل گئے۔ تفسیر سے متعلق نوٹ کے سلسلہ میں ایک فارسی تفسیر کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار معروف بہ تفسیر حضرت شاہی، فارسی زبان میں قابل ذکر تفسیر ہے۔ مولانا محمد حسن صاحب امروہی (مولود ۱۲۳۸ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ مفتی صدر الدین صاحب مرحوم اور مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ انکے حالات حضرت جد محترم مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی

خواب کے وقت جناب کی زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا ---- اس جزو کا
جواب :-

"تعبیر اب ظاہر ہو گئی - اصل تو مولانا ہی تھے - میں ایسا
تھا جیسے حشو الفاظ بیت ہوتے ہیں"

تصوف کی کتابوں کا مطالعہ ان دنوں جاری تھا - "صلوٰۃ معکوس" کا لفظ بار بار نظر سے گزرا - اول تو یہ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ "الٹی نماز" آخر عملاً ادا کس طرح کی جاتی ہوگی - دوسرے اسکا ثبوت حدیث و سیر کی کتابوں میں کہیں نظر سے نہ گزرا - خط میں ایک سوال اسی سے متعلق کیا، "فوائد الفواد" (ملفوظات حضرت محبوب الٰہی مرتبہ امیر حسن علاء سجزی) اور قول الجمیل (شاہ ولی اللہ دہلوی) کے حوالے کرکے کہ حضرت کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟ جواب ملا :-

"میں ان تحقیقات کی کیا لیاقت رکھتا ہوں - گو بے تکلفی حاصل ہونے کے اپنے معلومات عرض کردوں - اسکو صلوٰۃ مجازاً کہدیا جاتا ہے - اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے، اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے اور معالجہ کے لیے منقول و ماثور ہونا ضروری نہیں، ہاں منہی عنہ نہ ہونا ضروری ہے سو یہ بھی منہی عنہ نہیں لیکن اسوقت امزجہ اسکے متحمل نہیں ہوسکتے، لہذا مشائخ نے اسکو ترک فرمادیا ہے"

"انتقال و تعلیل کے متعلق کی ہدایت اوپر کے والا نامہ میں مل چکی تھی، اور نہ ملتی، جب بھی اسکی ضرورت اپنے حدود کے اندر، بالکل واضح و عیاں تھی - لیکن یہاں ایک عجیب پیچیدگی حائل تھی - مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا، اور جسکا منصب آمر ہونے کا تھا، وہ فخر و مسرت اپنی ماموریت میں محسوس کر رہا تھا! دیوبند جائیے، تو مولانا اسٹیشن پر پیشوائی کو موجود، چلنے لگیے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ، کھانا کھانے بیٹھیے تو وہ لوٹا لیے ہاتھ دھلانے کو کھڑے ہوئے، پانی مانگیے تو گلاس لیے خود حاضر! تانگہ کا کرایہ وہ اپنے پاس سے دیدیں - ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر لے آئیں، ہوٹل میں کھانا کھائیے، تو بل وہ خود ادا کردیں - سفر میں ساتھ ہو تو بستر وہ کھول کر بچھادیں - غرض یہ کہ ہلکی اور بڑی، چھوٹی بڑی خدمت کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی تھیں، سب پیر یہ مرید کے درجہ پر پہونچ گیا اور جو صاحب امر و ارشاد تھا، وہ چاکری اور خدمتگزاری میں لگا ہوا! ---

دل نے سمجھایا کہ اس مشکل کا حل بھی انھیں "مشکل کشا" سے کرائیے - دوسرا عریضہ باریک خط کے پورے دو صفحوں پر لکھا ہوا، انھیں مشکلات کی تفصیلات سے لبریز اسی ہفتہ کے اندر روانہ ہوگیا -

جواب، دو ہی دن پیچھے دستخط خاص، حسب ذیل موصول ہوا :-

"آخر میں جواب مشورہ کا مورد حق ہے اور مشورہ کے قبل اجمالاً اتنا اور معروض ہے کہ مولانا کا یہ طرز ہم لوگوں کو مخالفین و معترضین کے روبرو افتخار پیش کرنے کے موقع احتجاج کرنے کا ہے کہ تم لوگ علماء پر عموماً اعتراض کیا کرتے ہو، دیکھو حقیقی علماء کے یہ نمونے ہیں - جواب مشورہ - اسکی تدبیریں دو ہیں - ایک کثرت حاضری، کیونکہ طبعاً کثرت مخالطت سے تکلف کم ہوجاتا ہے مگر اس تدبیر کا اثر مدت دراز میں ظاہر ہوگا - دوسری جلدی ہونے والی تدبیر یہ کہ مولانا کی خدمت میں بے تکلف یہ عرض کردیا جائے کہ یہ معمول حاضری سے مانع ہو جائیگا اور حاضری کی ضرورت قابل انکار نہیں ہے اس لیے اس درخواست کو منظور فرمایا جاوے کہ ان تکلفات کو حذف فرمادیا جاوے - مگر یہ سب جب ہے کہ مولانا کا یہ طرز طبعی نہ ہو، ورنہ تبدیل مشکل ہے - اس صورت میں تیسری تدبیر یہ ہے کہ آپ ہی اسکو گوارا فرمالیں - آپ کا بہت ہی کیا ہے - کیونکہ مختلف طبائع کے مختلف مقتضیات ہوتے ہیں - چنانچہ اس احقر کا امر طبعی یہ ہے کہ جس امر میں شبہ بھی ہے کہ دوسرے پر گراں ہوگی، گو وہ خدمت اور تعظیم ہی کیوں نہ ہو، میں اس امر کو اختیار نہیں کرتا - چنانچہ جناب نے مشاہدہ فرمایا ہوگا کہ کوئی امر جو کسی کی آزادی میں مخل ہو نہیں کیا"

ان ہدایتوں پر عمل کہاں تک ہوا؟ اور یہ "نتائج" کہاں تک کامیاب ہوئے؟ اس قسم کے سوالات دل میں جتنے پیدا ہوں، انکے جوابات کا انتظار ان اوراق میں نہ فرمائیے --- "نقوش و تاثرات" کا تعلق صرف حکیم الامت کے واقعات زندگی سے ہے - دوسرے سوالات کیسے ہی دلچسپ دلکش کیوں نہیں، بجائے خود ضروری سہی، لیکن بہرحال اس موضوع سے بے تعلق ہیں!

"نقوش و تاثرات" جن پر آج ۱۵-۱۶ سال کے بعد بھی کہنگی طاری نہیں ہوئی ہے، تو عین اسوقت تو ظاہر ہے کہ بالکل تر و تازہ تھے - تھانہ بھون سے واپسی کے بعد ہی دوست احباب کے سوالات کا تانتا لگ گیا کیا دیکھا؟ کیسا پایا؟ کیا دیکھ کر آئے؟ کیا لیکر آئے؟ --- یہاں جواب میں کسی بخل، کسی تکلف، کسی اخفاء کی کیا ضرورت تھی - آنکھوں نے جو کچھ دیکھا تھا، دل نے جو کچھ پایا تھا، سب الٹا سیدھا، کچا پکا، اگل دیا - مولانا کے فضائل و کمالات کی تعداد اتنے عرصہ کے بعد اب کب یاد رہ گئی ہے؟ تو اسوقت کیا ملی ہوتی - بڑی "کرامت" سمجھ کر اپنا تجربہ و مشاہدہ یہ بیان کر رہا تھا کہ وہ تو صاحب کشف ہیں - دوران گفتگو میں گویا دل کے بھید پڑھ لیے، اور ان باتوں کا جواب دے دیا جو زبان پر آنے بھی نہیں پائی تھیں"۔ آج بحمد اللہ مولانا ہی کی برکت اور صحبت سے یہ حقیقت روشن ہو چکی ہے، کہ ایمان کی پختگی اور تقوے پر استقامت کے سامنے کشف تکوینی یا اشراقیت کی حقیقت ہی کیا ہے - لیکن اس وقت خیال میں یہ گویا عین درویشی بلکہ معراج درویشی تھی!

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ!

شدہ شدہ یہ خبر حضرت کو بھی پہونچ گئی --- لکھنؤ سے تھانہ بھون جانے والوں اور روایت پہونچانے والوں کی کمی نہ تھی --- اور شفقت اس طرف لائی کہ اپنے ایک خادم کو اس جہل سے نکالا جائے - کسی نئے مضمون کو چھیڑنے کی عادت، مکتوبات گرامی میں عام طور سے نہ تھی لیکن یہ صورت خاص تھی - جس مکتوب کا طویل اقتباس اوپر درج ہوچکا ہے، اسی میں ارشاد ہوا :-

"میں نے دو واسطہ کی سند سے سنا کہ جناب کو مجھ پر صاحب کشف

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۴)

("س" علامت سوال کی ہے اور "ج" جواب کی)

س۔ کئی اسلامی انجمنوں اور اداروں کا میں صدر ہوں۔ انکا روپیہ میری تحویل میں رہتا ہے۔ اب انھیں کھیتی یا مکانات یا تجارت میں لگاؤ تو بہت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ اور انتظام برابر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے لامحالہ وہ روپیہ بینک میں رکھنا پڑتا ہے۔ اب اگر اسکا سود لو تو قطعی حرام۔ اور اگر نہ لو تو بینک وہ سود کا روپیہ اپنے عیسائی تبلیغی مشن کو دیدیتی ہے جو اور گناہ۔ تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔

ج۔ بیشک مسلمان جب تک اپنا کوئی بیت المال نہیں قائم کرلیتے، بینک سے معاملت رکھنی کچھ ناگزیر سی ہے۔ بینک کا سود اگرچہ "قطعی حرام" کا درجہ نہیں۔ یہ Redundant Money ہے جو ربا کے حکم میں داخل نہیں۔ تاہم حتی الامکان بچنے کی تدبیر بھی ہے۔ تاہم بہتر صورت یہ ہے کہ اسے وصول کرکے تصدق کردیا جائے۔ اپنے کام میں نہ لگایا جائے۔

س۔ بعض اوقات تہجد کے وقت اٹھنے کے لیے خوف معلوم ہوتا ہے۔ خوف دور کرنے کی سعی کرتا ہوں، مگر خوف رفع نہیں ہوتا۔ للّٰہ دعا کیجیے کہ خوف دور ہو جائے۔

ج۔ یہ خوف کوئی معصیت تو ہے نہیں، ایک امر طبعی و عادی ہے ناخوشگوار قسم کا۔ جو تدبیریں تجربے سے مناسب حال معلوم ہوں انھیں اختیار کیا جائے۔ مثلاً اگر تاریکی اسکی باعث ہو تو روشنی کا انتظام کرلیا جائے۔ اگر تنہائی اسکا باعث ہو تو کسی ساتھی کو اس وقت جگا لینے کی فکر کرلی جائے۔ خود بھی آنکھ کھلتے ہی کلمۂ طیبہ، درود شریف، اور آیات قرآنی کے شروع کردینے کی عادت ڈالی جائے۔ شب کو سوتے وقت اللہ کے حافظ و ناصر حقیقی کے کافی ہونے کا استحضار کرلیا جائے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ خوف کو اپنے کسی عمل پر غالب نہ آنے دیا جائے بلکہ ہر معمول کی پابندی بدستور ایک عرصے تک جاری رہے۔

س۔ مرشدی حضرت ... صاحب قبلہ کی علالت شدید اور دماغی کام سے بالکل معذوری کی خبر نہایت رنج کے ساتھ پڑھی گئی۔ اب میرے لیے کیا مشورہ ارشاد ہوتا ہے۔ خط و کتابت جاری رکھوں یا نہیں؟

ج۔ اطلاع سے مجھے بھی بہت رنج ہوا۔ اللہ صحت و شفا دے۔ سردست اسکے سوا بجز صبر اور خاموشی اور اپنے مرشد کے حق میں دعائے صحت کے اور کوئی چارہ نہیں۔

س۔ آپ کو اس سے قبل بھی اطلاع دے چکا ہوں کہ میرا تبادلہ ترقی کے ... اور یہاں میرا عہدہ ... کا ہے۔

ج۔ ترقی مبارک ... اور دنیوی ترقی کو دینی سرفرازی کا مقدمہ

بنائیے۔

گزارش صرف ایک ہے۔ اپنا مسلمان ہونا کسی حال اور کسی ماحول میں بھی نہ بھولیے۔ انگریز ہر حال میں، ہر جگہ انگریز رہتا ہے، جرمن ہر دم اور ہر لمحہ جرمن رہتا ہے۔ یہ سبق ہمارے ہی ہاں سے ان لوگوں نے سیکھا تھا۔ ضرورت اسکی ہے کہ ہم اس بھولے ہوئے سبق کو پھر سے حاصل کریں۔ میرے دو عزیز تو جج کے عہدوں پر ہیں، بحمداللہ دونوں اپنے حدود کے اندر پختہ مسلمان، اور سرکاری قیود کے اندر دین و ملت کی خدمت میں لگے ہونے والے۔ یہی راہ آپ کے لیے بھی کھلی ہوئی ہے۔ آپ کا محکمہ تو نفع و نقصان دونوں کے پہونچانے پر بہت زیادہ حاوی ہے، اور دیانتہ ہوتا ہے بیشتر غلط ہی رخ پر چل رہا ہے۔ محکمہ کی پالیسی بدل دینا ظاہر ہے کہ آپ کے اختیار میں نہیں۔ تاہم جس عہدہ پر آپ ہیں اسکے بھی اختیارات ایک خاص حد کے اندر اچھے خاصے وسیع ہیں۔ اپنی ذمہ داری محسوس کرکے انھیں اصلاحی رخ پر لگائیے۔

س۔ میرا کیا حال ہوگا؟ پیدائش سے اب تک حرام کھایا۔ حرام سے پلا۔ اب بھی حرام کماتا ہوں، حرام ہی پیتا ہوں۔ والد صاحب ... سے تھے۔ تنخواہ ... سے شروع ہوئی، آخر میں ... تک پہونچے۔ جتنی انکی عمر بھر کی کمائی تھی ہے، آمدنی تو میں نے خرچ ہی کرڈالی۔ مکان کی تعمیر، زمین لینا آخر حرام ہی سے ہوا۔ ترکہ میں دو ہی درہم سہی، مگر بہنوں کا حق تو غصب ہوا۔ بینک سے روپیہ کا سود تو ایا گیا، گو قلیل ہی سہی۔ آخر یہ سب حرام نہیں کھایا تو کیا کھایا۔ اب بھی اسی سے کھا رہا ہوں۔ میرا کیا بنے گا؟

ج۔ خشیت تو اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ برابر اپنے انجام سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اسکی فکر میں لگے رہنا چاہیے۔ اس زمانہ کی آمدنیاں ہندوستان میں حلال ہیں ہی کتنی کم۔ کم و بیش تقریباً سب ہی اسی عذاب میں مبتلا ہیں۔ لیکن فقہاء کی زبان سے سنا ہوا یہ قاعدہ ذہن میں پڑا ہوا ہے کہ شریعت نے مس بالخبث کو اسباب خبث میں شمار نہیں کیا ہے۔ اس لیے جس شے میں خود خبث ہو، اسکا استعمال حرام ہے نہ کہ اس سے مس کردہ چیزوں کا۔ حرام کی کمائی خود اسکے لیے حرام ہے جو کسی عمل حرام کا عامل ہے۔ بلکہ فقہاء نے تو اس تنخواہ کو بھی مباح کہا ہے جو کافر حاکم برضا و رغبت کسی مومن کو دے (یہ قاعدۂ فقہی یاد رہے کہ حکومت کافرہ کو اموال پر استیلاء موجب تملک ہو جاتا ہے)۔ اس تنخواہ سے فائدہ اٹھانے والے یعنی اس شخص کے اہل و عیال، احباب، مہمان وغیرہ تو بہر حال مواخذہ و ذمہ داری سے بری ہیں۔

بینک کا "سود" یا منافع، ربوٰ صریح کے حکم میں نہیں۔ اور اسکا ایک جواب پہلے ہی ذکر آچکا ہے۔ غصب ترکہ کے سلسلہ میں بہنوں سے اگر اپنی مراد ہیں تو اس غصب کا تدارک دلا دو تو ہر وقت اختیار میں ہے۔ باقی اگر والد کی بہنیں مراد ہیں، تو اسکی ذمہ داری والد ہی پر ہے۔

"ہمیں مرنا تھا لیکن تم مرگئے، تم مرگئے جیسکے مرنے کے بعد کتنوں کو مرنا پڑیگا"

اے تم مرگئے" اس شعر کو بولنے والے نظارہ کو تو سب نے دیکھا۔ میں بھی انھیں دیکھنے والوں میں تھا۔ لیکن کہاں تک! تماشہ گاہ کچھ تو ہوگا۔ انھیں وسوسوں میں گھرا ہوا۔ گھر سے کالج آیا۔ انکے نسبتی بھائی انکی تیمارداری کے سلسلے میں ان کو پہچانتا تھا، آبدیدہ میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ "کیا ہے بھائی؟" انھوں نے کاغذ پیش کیا۔ سناٹا چھاگیا۔ قطعاً سناٹا چھاگیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ

صرف بیماری کے زمانے کی تنخواہ رگھوناتھ بنک میں
جمع ہوگئی ہے۔ اسکے برآمد کرنے میں دستگیری کیجیے۔
انکی بیوہ تین بچوں کی ماں کے پاس کھانے کے لیے
بھی کچھ نہیں!!

پندرہ سولہ سال تک سیکڑوں کی تنخواہ اکٹھا ہوا یا سنے ڈالا، اور بنک میں صرف بیماری کے زمانے کی تنخواہ! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے، دل کو تھاما، رگھوناتھ بنک کے نام کچھ لکھ کر دیا۔ ہوش اڑگئے، جب اسکے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نو تعمیر مکان کو وہ اپنی طرف منسوب کرتے تھے وہ دراصل نہ کبھی انکے سرمایہ سے نہیں بنا تھا، کوئی انکے چچا زاد بھائی ہیں۔ انھیں سے لیکر بنوایا تھا۔ کرایہ دیتے تھے۔ وعدہ کیا تھا کہ بچا بچا کر اپنی تنخواہ سے ادا کرتا رہونگا لیکن جسے خدا دوسروں کے بچانے کے لیے پیدا کیا کرتا ہے وہ بھی کچھ بچا سکتا ہے۔ جہاں تک معلوم ہے اب تک مشکل ہی سے کرایہ کے سوا وہ کچھ ادا کرسکے تھے۔ بانکوں ترچھوں کی شکل انھوں نے کبھی نہیں بنائی، فیشن کا شوق اسوقت بھی نہیں ہوا جب اٹھتی جوانیوں میں بہرحال ہر اُس شخص پر یہ شوق سوار ہوتا ہے جو جوانی کے جنون میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ قیمتی کھانوں، قیمتی لباس، قیمتی پوشاک، قیمتی سواریوں میں سے کسی چیز نے انکو اپنی طرف نہیں گھسیٹا، زندگی ہوتا طاقتی، اگر جو ملتا تھا انکے واسطے سے دوسروں کو مسلسل ملتا رہا، خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ چلے گئے، جیسے خالی ہاتھ انکو بھی بہرحال چلنا ہی پڑیگا، جو اپنی مٹھیوں کو بھرے ہوئے جی رہے ہیں۔ دینے کا یہ حال تھا اور لینے کے متعلق میں جانتا ہوں۔ غالباً صرف انھیں کو جانتا ہوں کہ مانگنے کے لیے کبھی زبان تو کیا کھولتے، یہ واقعہ ہے کہ اشارہ ہوا کہ نہ یہ قطعاً کسی زمانہ میں کبھی انھوں نے اسکی شکایت بھی نہیں کی جیسے سب کرتے ہیں کہ امتحان کے پرچوں میں بھی میرا حصہ کیوں نہ رکھا گیا، حالانکہ امتحانات کے اوپر اور نیچے تمام مدارج میں میرا انکا ہمیشہ ساتھ رہا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ جس وقت کے لیے جیتے تھے وہ وقت ان پر آگیا اور جو بھی جی رہے ہیں، ان پر آئیگا، لیکن بڑا فرق ہے ان لوگوں میں جو مرنے کے لیے جیتے ہیں، اور ان میں جو جینے کے لیے جیتے ہیں، لیکن بہرحال انھیں مرنا ہی پڑتا ہے۔

سلام ہو میرے دوست اور رفیق تمہاری زندگی دوسروں کے لیے عبرت ہے آنکھوں کی پتلیاں ان شاہدوں سے کھلیں جو تمہاری تابناک حیات سے تمہارے بعد نکل نکل کر تمہارے جاننے والوں کے دلوں کو جگمگا رہی ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آموزش منزل اور وادی خاموشاں ست
حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

ارشاداتِ اشرفیہ

(از سید غلام رسول صاحب مخلص عوث بخش نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۴)

(۱) سالک کے قلب پر بلا اختیار کسی کیفیت کا غیب سے نازل ہونا حال کہلاتا ہے۔

(۲) تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرنا چشتیت ہے اور تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرنا نقشبندیت ہے۔

(۳) خدا اور رسول کے ہر ہر حکم کی اتباع کرنے والا ولی ہے۔

(۴) حسد، کینہ، تکبر، ریا وغیرہا گناہ باطنی ہے اور نماز کا ترک کرنا، چوری و زنا کرنا، شراب پینا وغیرہا گناہ ظاہر کہلاتا ہے۔

(۵) سالک میں اخلاق حمیدہ اور تعلق مع اللہ کا پیدا کرنا تحلیہ ہے اور سالک کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور تعلق غیر اللہ سے منقطع کرنا تخلیہ، تجلیہ کہلاتا ہے۔

(۶) انوار غیبی کے غلبہ سے ظاہری و باطنی احکام کا امتیاز اٹھ جانا سُکر کہلاتا ہے اور احکام ظاہری و باطنی کا امتیاز عود کرآنا صحو کہلاتا ہے۔

(۷) کسی ایک مرتبہ سلوک میں استقامت و پختگی کا حاصل کرنا مقام ہے۔

(۸) کسی متبع شریعت سے خلاف عادت فعل صادر ہونا کرامت کہلاتا ہے۔

(۹) دین میں کسی ایسی بات کا داخل کرنا جسکی قرآن، حدیث، قیاس مجتہد، اجماع امت گواہی نہ دے وہ بدعت ہے۔

(۱۰) بلا واسطہ اسباب خفی و جلی کسی کافر و فاجر اور مبتدع سے خلاف عادت فعل کا صادر ہونا استدراج کہلاتا ہے اور بواسطہ اسباب خفی صادر ہو تو اسکو سحر، مسمریزم، شعبدہ کہینگے۔

اہل خیر حضرات سے ایک درخواست

مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کے لیے حسب ذیل کتابیں کوئی صاحب خیر وقف کرکے صدقہ جاریہ کا ثواب لیں :-

کتاب	قیمت	جلد
سنن کبریٰ للبیہقی	بقیمت للعہ	دس جلد
تہذیب التہذیب	" [illegible]	بارہ جلد
درر کامنہ لابن حجر	" [illegible]	چار جلد
تذکرۃ الحفاظ ذہبی	" ۱۲	پانچ جلد

شیطان اور شہوات نفسانیہ پیدا کیں تاکہ جو لوگ انکے پیچھے چلیں وہ مورد غضب بنیں اور پھر انبیاء بھیجے تاکہ انکے ارشاد پر چل کے بچ جانے اس طرح صفت عدل پورا ہوا۔

اس پر سوال یہ ہے کہ شہوات وغیرہ مناسبتی امور کو اپنے صفت غضب کے سوال رکھنے کے لیے اگر پیدا کیا ہے تو خود صفت غضب کیوں پیدا ہے؟ جسکے لیے شہوات نفسانیہ کی تکوین کی ضرورت پڑی؟ علاوہ ازیں غضب تو خود بلا وقوع ہوگا نہیں اپنے موقع پر ہوگا۔ یعنی بر اعمالی سرکشی پر اور بد اعمالی و سرکشی شہوات نفسانیہ پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے تو یہ شہوات نفسانیہ کیوں پیدا کیں تاکہ صفت غضب کی حاجت پیدا ہو جائے۔ یہ نہ ہوتا تو شہوات نفسانیہ و ناسبی امور ہی کی تخلیق کی ضرورت کیا ہوتی؟ تو غضب کے لیے شہوات نفسانیہ کی تخلیق نہیں بلکہ شہوات نفسانیہ کی تخلیق پر غضب کی ضرورت ہوتی ہے، تو پھر شہوات کو کیوں پیدا کیا جسکے لیے صفت غضب کو بروئے کار لانا پڑا؟ یا صفات کی فہرست میں اسکو بھی ایک درجہ صفت کا دینا پڑا؟ یہ سوال بالکل مغالطہ آمیز ہے۔ اسکا جواب اسی نظر سے دیا جائے کہ اگر کوئی غیر مذہب والا یہ اعتراضات کرے تو اسکا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟"

سوال بالکل ظاہر ہے کہ محض نیا بنا کے پیش کیا گیا ہے، لیکن غیروں کے ساتھ رواداری اور حسن ظن کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔ مخالفت اگر زور دھمی کے ساتھ ساتھ عقل کی دشمنی سے بھی محروم ہو تو یہ رعدالنا مدرس صاحب کہاں تک اسکی وکالت و نیابت فرماتے جائینگے!—

قابل جواب و قابل خطاب ہونے سے قبل سوال کو بامعنی و غیر مہمل تو بہرحال ہونا چاہیے۔ اور معلوم ہے کہ لفظوں کا محض اکٹھا کر دینا، عبارت کے بامعنی بنا دینے کے مرادف نہیں۔ کوئی شخص اگر اس قسم کے سوالات کی ٹھان لے، کہ ایک کا عدد ایک کیوں ہے، اور دو کا عدد دو کیوں؟ جزو، جزو کیوں ہے، اور کل، کل کیوں؟ مثلث مثلث ہی کیوں رہتا ہے، مربع کیوں نہیں بن جاتا؟ خالق، خالق کیوں ہے، مخلوق کیوں نہیں؟ اور مخلوق، مخلوق کیوں ہے، خالق کیوں نہیں؟ تو اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات کے جوابات ساری دنیا کے عقلاء و حکماء مل کر بھی دے سکتے ہیں؟ —— غرض یہ کہ نہ ہر سوال قابل جواب ہوتا ہے، نہ ہر سائل قابل خطاب۔

سائل کی ساری تقریر کا اب لباب صرف اسقدر ہے کہ مشیت تکوینی کی حکمت کیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں، حکیم مطلق نے جو یہ کارخانہ حکمت قائم کر رکھا ہے، خود اسکی حکمت کیا ہے؟ فرض کیجیے، کہ کوئی توجیہ سائل کی عقل و فہم کے مطابق کچھ بھی آئی، تو کیا خود اس توجیہ پر بعینہ یہی سوال اسی زور و قوت کے ساتھ وارد نہ ہوگا؟ اور پوچھنے والا خود اس توجیہ کی توجیہ پوچھنے میں کچھ بھی تامل محسوس کریگا؟ —— وجود باری کی آخر ہم نے محسوس ہی کیوں کی تھی؟ اسی لیے تو، کہ وہ ہر اخیر سوال کا جواب ہے۔ اور ہر "کیوں" اسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ باقی

سوالات اور جزئی توجیہات کا سلسلہ تو اتنا ہی قائم رکھنے میں ذہن کوئی لذت محسوس کر رہا ہے، تو پھر خدا کا وجود تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ توجیہ یا تلاش حکمت کے تو سیدھے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی جزئی واقعہ کو کسی وسیع تر کلیہ کسی عام تر قانون کے ماتحت لایا جا سکے۔ لیکن خدا تو خود ہی ہر وسیع سے وسیع قانون کا منبع ہے، اسکے کسی فعل کی توجیہ کے لئے کسی وسیع تر کلیہ کسی عام تر قانون کی تلاش کرنا، اسکی خدائی سے صاف اور یکسر انکار کر دینا ہے۔ اور اگر کسی کی منطق میں کوئی سوال صفات و افعال باری تعالیٰ کی حکمتوں سے متعلق جائز ہے تو چاہیے کہ اسی اصول کو خود ذات باری سے متعلق بھی کام میں لایا جائے اور سوالات قائم کئے جائیں کہ سبب کچھ خدا کو پیدا تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔ خدا اپنے آپ کو پیدا کر سکتا ہے یا نہیں؟ خدا خودکشی پر قادر ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس قبیل کے سارے سوالات عقل کے استعمال سے نہیں، بے عقلی کے غلبہ سے پیدا ہوگئے ہیں، اور ان سب کی تہ میں ایک ہی مغالطہ کام کر رہا ہے، یعنی خدا کی جو تعریف فقرہ کا مبتدا بولتے وقت ذہن میں رکھی تھی، خبر لاتے وقت اسی کو ذہن سے نکال دینا! خودکشی، "خود" "تغیر و تبدیل" "پیدا ہو سکنے والا یا حادث ہونا" یہ ساری بنیں ممکنات کی ہیں، اور ظاہر ہے کہ خدا کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ "ممکن" نہیں واجب ہے۔

اصل سوال سارے مغالطوں میں صرف ایک ہی تھا۔ اور اسکا جواب کافی طور پر شافی ہو گیا، یعنی یہی کہ سوال ہی سرے سے مہمل اور سرے سے ایک مغالطہ پر مبنی ہے۔ لیکن مغالطہ ایک ہی اور وہی ایک نہیں بلکہ اس بڑے اور بنیادی مغالطہ کے علاوہ بھی سوال کی عبارت کے اندر سے متعدد اور مغالطے جھانک رہے ہیں۔ نمبروار ملاحظہ ہوں:—

(۱) بدی کی صلاحیت ہی کیوں عطا کی گئی؟ محض نیکی ہی کی صلاحیت پر فرشتوں کی طرح کیوں نہ کفایت کی گئی، درانحالیکہ نیکی ہی محبوب ہے؟

سوال بے معنی ہے۔ صلاحیت جس عمل میں اگر محض نیکی تک محدود رہے، تو اس عمل پر نیکی کا اطلاق ہی کیوں ہونے لگا؟ نیکی کی تو تعریف ہی میں یہ داخل ہے کہ اس راہ سے ہٹنا ممکن ہو، اور پھر انسان ارادہ و اختیار سے کام لیکر نہ ہٹے۔ مشین کے ذریعہ سے کسی فیکٹری میں نیکیاں تیار کراتے رہنا ممکن ہی نہیں۔ جو جانور عقل، تمیز و اختیار سے محروم ہیں، انکے نہ کوئی حسنات ہیں نہ سیئات، نہ گناہ نہ نیکیاں۔ نیکی اور بدی کوئی موجود فی الخارج، مادی مجسم چیزیں نہیں۔ ایک ہی قوت کے طریق استعمال کے دو نام ہیں۔ صحیح طریق استعمال کا نام نیکی، اور غلط طریق کا بدی۔ روشنی اور تاریکی، حسن اور بدصورتی کی طرح ایک کا وجود دوسرے کا مستلزم۔ جب ایک نہیں تو دوسری کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(۲) فرشتوں پر انسان کو قیاس کرنا یہ دوسرا مغالطہ ہے۔ فرشتوں ہی کی سی سیرت و خلقت رکھنا تھی، تو ایک نئی مخلوق "انسان" کے وجود میں لانے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ اس نئی مخلوق کے وجود میں لانے کے معنی ہی یہ تھے، کہ ایک دوسرے قسم کے عالم کی تخلیق مقصود ہے۔

بولشویک حکومت سے سبق

(۱)

(از فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

روس کی موجودہ بولشویکی حکومت یا امت، عربی میں جسکا نام "البلاشفہ" رکھا گیا ہے، مذہب اور دینیات کے متعلق انکی بدنامیاں جتنی پھیلی ہوئی ہیں، انکے اظہار کی تو ضرورت نہیں۔ لیکن ان عیوب مشہورہ کے ساتھ انکے ہنر کی ایک یہ عجیب خبر ہے جسکے پڑھنے کے بعد میں خود متعجب ہوا۔ بے اختیار جی چاہا کہ صدق کی براہ ہی کاسیں اس "اعجوبہ" کو پہنچا دیا جائے۔ حال میں جب اپنے وطن (گیلانی) جا رہا تھا، راستے میں پڑھنے کے لیے "لوتھراپ اسٹوڈارڈ" امریکی کی مشہور کتاب نیو ورلڈ آف اسلام کے عربی ترجمہ حاضر العالم الاسلامی ساتھ رکھ لی تھی، بجائے خود اسٹوڈارڈ کی کتاب وہی "مغربیت" کے پروپگنڈے کی ایک کتاب ہے، لیکن اسی شکل میں جو حال میں دیا جامہ مغربیت نے اختیار کیا ہے۔ حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہمیشہ جسکے بعد عموماً زبان پر جاری ہوا ہے

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب

کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

مسلمانوں کو اسلام کے دشمن نے کچھ نصیحتیں فرمائی ہیں، کچھ نسخے تجویز کیے ہیں، جینے کی راہیں بتائی ہیں، پس پردہ کچھ یہ بھی مقصود ہے لیکن شاید یہی مقصود ہے کہ انکی قوم راکھ میں دبی ہوئی چنگاری سے غافل نہ رہے۔ خیر یہ قصہ تو طویل ہے۔ مجھے اس وقت یہ عرض کرنا ہے کہ عجاج نویہض یہ اس کتاب کے مترجم ہیں، انھوں نے اسلامی دنیا کے مشہور ادیب اور مجاہد ولطل شکیب ارسلان امیر شام سے اس کتاب پر کچھ حواشی بھی لکھوا لئے ہیں۔ یہ حواشی بڑے کام کے ہیں، اور حق یہ ہے کہ شکیب ارسلان نے یہ بڑا کام کیا ہے۔ ساری دنیائے اسلام کی تاریخ کا خلاصہ درج کر دیا ہے۔ ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کا حال بھی بڑی تفصیل سے عربی زبان میں انکے قلم سے محفوظ ہو گیا ہے۔ عربی میں یہ شاید پہلی کتاب ہے جس میں مسلمانان ہند کے ماضی اور حال کی داستان اتنی تفصیل سے درج ہوئی ہو۔ اسی سلسلہ سلسلہ میں انھوں نے روس کے مسلمانوں کا حال بھی مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک موقع پر اپنی چشم دید شہادت روسی مسلمانوں کے متعلق جو انھوں نے قلمبند کی ہے اسی کا ترجمہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر شکیب ارسلان کی ذاتی عینی شہادت نہ ہوتی، تو یہ واقعہ ہے نہ احباب اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بولشویکی حکومت کے متعلق ہم نے جو کچھ سنا ہے یا ہمیں سنایا گیا ہے، اسکے لحاظ سے مشکل ہی سے اسکا اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن امیر کے علمی اور اسلامی رتبہ سے جو واقف ہیں، میرے خیال میں تو اب انکے لیے یہ دشوار ہے کہ اس پر اعتماد نہ کریں۔ بہرحال اب دانتہ تو جو کچھ بھی ہو۔ العلم عند اللہ، شہدوا العہدۃ علی الراوی۔ امیر کا جو بیان ہے میں اسکا لفظی ترجمہ پیش کر دیتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں ۔۔۔

جون ۱۹۲۷ء میں ماسکو بعض مہموں کے سلسلے میں میرا جانا ہوا تھا تو داغستان اور قازان کے ادیب مسلمانوں سے بھی میں نے ملاقات کی۔ میں نے ان لوگوں سے روسی مسلمانوں کا حال پوچھا۔ ان لوگوں نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ خود ماسکو میں چند ہزار تاتاری مسلمان آباد ہیں۔ اس شہر میں مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جامع مسجدیں بھی ہیں۔ یہی حال لینن گراڈ کا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہاں بھی کم، بیش دس ہزار مسلمان آباد ہیں، اور ایک بہترین خوبصورت جامع مسجد وہاں بھی انکی ہے" امیر نے اس بیان کو درج کرنے کے بعد اپنی چشم دید گواہی جو دی ہے، وہ یہ ہے،

ماسکو کی ایک جامع مسجد میں مجھے بھی نماز جمعہ ادا کرنے کا ایک دن موقع ملا۔ اس مسجد میں وہاں کے ایک عالم شیخ عبد الودود فتاح الدین صاحب امامت کرتے ہیں۔ یہی صاحب ماسکو اور پیٹروگراڈ کے مسلمانوں کے قاضی بھی ہیں۔ انکے محکمۂ قضا سے مندرجۂ ذیل صوبوں کا تعلق ہے، یعنی اسلو "تویہ" "یقالو منہ" "الیفانو" جنیفسکی" یہ آخری شہر کارخانوں کا مشہور شہر ہے، جن میں کام کرنے والے زیادہ تر مسلمان ہی ہیں۔ شیخ عبد الودود فتاح الدین صاحب کو عام طور پر یہاں کے لوگ "حضرت عبد الودود" کہتے ہیں۔ اور عہدہ کے لحاظ سے انکو "محتسب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ محتسب کا مطلب انکی اصطلاح میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام دینی معاملات اور تمام مسجدوں کے ائمہ کا جو مارسہ مرجع ہو۔

بہرحال مذکورۂ بالا مقامات کے محتسب یہی شیخ عبد الودود ہیں۔ اور شیخ ممدوح کا تعلق ایک مجلس اعلیٰ سے ہے، جسکا مرکزی مقام شہر اوفا ہے۔ میں نے شیخ عبد الودود سے جب ملاقات کی تو انکو میں نے اچھا عالم اور فاضل آدمی پایا۔ ایسا عالم جو حالات حاضرہ سے پورے طور پر واقف ہو، اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر اسکی نظر ہو۔ ملاقات سے پہلے مجھے انکے اس خطبہ کے سننے کا موقع ملا، جو ہر جمعہ کو وہ اس مسجد میں دیتے ہیں۔ انکا قاعدہ یہ ہے، کہ اصل عربی خطبہ جسے خطیب منبر پر پڑھتا ہے، اس سے پہلے منبر کے بازو میں کھڑے ہو کر وہاں کی مقامی ترکی زبان میں اس ہفتہ کے مناسب حال جو اہم امور مسلمانوں کے ہوتے ہیں، پیش کرتا ہے جب یہ خطبہ ختم ہو جاتا ہے، تب خطیب منبر پر عربی میں حسب قاعدہ خطبہ پڑھتا ہے اور یہ خطبہ عام رسمی خطبہ ہوتا ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق میں نے دیکھا کہ شیخ عبد الودود منبر کے بائیں بازو کھڑے ہوئے، اور ترکی زبان میں تقریر شروع کی۔ آدھ گھنٹہ تک وہ یہ تقریر کرتے رہے۔ انکی ترکی اگرچہ تاتاری ترکی تھی، جو عثمانی ترکوں کی زبان سے مختلف وجوہ سے کچھ اختلاف رکھتی ہے، لیکن میں اس تاتاری ترکی کو قریب قریب سمجھ رہا تھا۔ مجھے انکا طریقۂ بیان اور خطاب کا جو اسلوب تھا، بہت اچھا اور دلنشیں محسوس ہوا۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مسلمانوں کی عصری ضرورتوں سے یہ شخص اچھی طرح واقف ہے۔ جن امور پر مسلمانوں کو متنبہ اور بیدار کرنے کی ضرورت ہے، اس پر وہ لوگوں کو توجہ دلا رہے تھے۔ بہرحال جب انکا ترکی خطبہ ختم ہو گیا تب انکے بھائی منبر پر تشریف لے گئے۔ انھوں نے صحیح عربی میں خطبہ شروع کیا، اسی قسم کی عربی میں بیٹھنے بولنے سے یہاں کے تمام خطیبوں کا طریقہ ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ

عبارت بالکل صحیح پڑھ رہے تھے، الفاظ ٹھیک ٹھیک صحیح عربی مخارج سے وہ ادا کر رہے تھے۔ خالص عرب کے خطیبوں اور ان کے تلفظ میں کسی قسم کا کوئی فرق مجھے محسوس نہ ہوا۔ حتی کہ اسی بنیاد پر میرا گمان یہ ہوا کہ یقیناً مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں اس شخص نے کافی مدت گزاری ہے اسی وجہ سے اتنی فصیح صحیح عربی بولنے کا سلیقہ اس میں پیدا ہو گیا ہے۔ اسی قسم کا سلیقہ جو باضابطہ تجوید و قراءۃ کی مشق کے بعد عرب کے خطیبوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے اس خیال کی وجہ یہ تھی کہ کسی ترک کو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا جو عرب میں گیا ہو اور بغیر ایسی عربی بول سکتا ہو، اور اس قسم کے تلفظ اور لہجے پر اسے قدرت حاصل ہو گئی ہو۔ میں ایسے بہت سے ترک قاریوں کو جانتا ہوں جنھوں نے باضابطہ تجوید کی مشق کی ہے، لیکن جس وقت وہ پڑھنا شروع کرتے ہیں، پہلا لفظ ان کے منہ سے نکلتا ہے اسی سے سننے والوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ عرب نہیں، ترک ہے۔ بیچارے عموماً حاء، عین، ذال وغیرہ حروف کے تلفظ سے ہمیشہ عاجز رہتے ہیں۔ یعنی ان حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنے کی ان میں قدرت پیدا نہیں ہوتی، البتہ عرب میں رہ کر جو قراءۃ سیکھتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا اس وقت نہ تھی، جب مجھے یہ بتایا گیا کہ خطیب جس کا خطبہ میں نے ابھی سنا، یہ شخص ایک دن کے لیے بھی عرب نہیں گیا ہے، بلکہ قازان ہی میں انھوں نے قراءۃ اور تجوید کی مشق کی ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ کوئی منفرد آدمی نہیں ہیں، بلکہ اس ملک میں ایسے قاریوں کی کمی نہیں ہے جو بالکل عربی لہجہ اور عرب کے طرز و طریقے سے قرآن پڑھتے ہیں، حالانکہ ان میں عرب اب تک کوئی نہیں گیا ہے۔

مجھے زیادہ حیرت اس لیے ہوئی کہ عثمانی ترکوں میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگ قراءۃ و تجوید کی مشق کرتے ہیں، قرآن مجید حفظ کرتے ہیں، لیکن باوجود اس کے ان کے لہجہ کی جو خصوصیت ہے وہ بہرحال باقی رہتی ہے

حضرت عبدالودود سے نماز کے بعد میری جب ملاقات ہوئی، تو انھوں نے اپنی قیام گاہ میں جو مسجد کے قریب ہی تھی چائے پر مدعو فرمایا۔ اس موقع پر میں نے حضرت عبدالودود سے دریافت کیا کہ "بالشویک حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کا حال اب روس میں کیا ہے؟ زار کے زمانے میں جو حال تھا اور اب جو کچھ ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟"

میرے اس سوال کے جواب میں حضرت نے اس عہد کی جو بھلائیاں اور برائیاں تھیں، وہ دونوں بیان کیں، لیکن آخر میں انھوں نے فرمایا "باقی دینی آزادی اور مذہبی حریت کے متعلق اگر پوچھتے ہو تو یہ واقعہ ہے کہ اس عہد میں ہم لوگ بڑی فراخی اور کشادگی پاتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بالشویک کو کسی کے دینی عقیدہ سے کوئی بحث ہی نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک روسی ہونے کے لفظ کے بعد پھر کوئی دوسرا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کا دین یا مذہب کیا ہے۔"

حضرت عبدالودود نے بیان کیا کہ "گزشتہ حکومت (زار) کے زمانے میں قانوناً یہ ممنوع تھا کہ کوئی آدمی اسلام قبول کرے۔ لیکن موجودہ حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

انھوں نے کہا کہ "گزشتہ دو سال میں بہت سے لوگ میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔"

امیر شکیب نے اسکے بعد حضرت عبدالودود کے حوالے سے یہ عجیب دلدوز واقعہ نقل کیا ہے، لکھا ہے، کہ شیخ نے کہا "شہر قازان کے اطراف و نواحی میں تقریباً ستر دیہات مسلمانوں کے ایسے تھے، جہاں کے باشندوں کو دو سو سال قریب زمانہ گذرا، زار کی حکومت نے بجبر عیسائی بنا لیا تھا، اور ان کی مسجدیں گرجے بنا لی گئی تھیں۔ حکومت نے پادریوں کو مقرر کر کے ان لوگوں میں بھیجا تھا، لیکن اندرونی طور پر یہ لوگ مسلمان ہی باقی رہے، اگرچہ علانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے تھے، لیکن زار کی حکومت کا جب خاتمہ ہوا، اور بولشویک آئے، تو ان لوگوں نے اپنے اسلام کا کھلا اعلان کر دیا، اور جو مسجدیں گرجے بنا لی گئی تھیں، وہ پھر مسجدوں کی شکل میں واپس آ گئیں۔"

امیر نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت سے جو مسلمانان روس کی دینی تنظیم کا [illegible] جواب میں انھوں نے فرمایا "ماسکو کے زیر اثر قازان، سیبیریا، داغستان، اور ترکستان کے جو علاقے ایسے ہیں جن میں مسلمان آباد ہیں، ان کی ایک مجلس اعلیٰ ہے، جس کا مرکزی مقام شہر اوفا ہے۔ مسلمانوں کی یہ مجلس چار قاضیوں پر مشتمل ہے، جس کی صدارت مفتی اعظم کرتے ہیں۔ ان مفتی اعظم کا اسم گرامی علامہ عالم جان بارودی بن محمد بارودی ہے، ان کا شمار روس کے بڑے علماء میں کیا جاتا ہے، یہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ ہی نے روسی مسلمانوں کے درسی نصاب کی اصلاح فرمائی ہے۔ دراصل روس کے مسلمانوں کو آپ ہی نے بیدار فرمایا۔ زار نے اسی وجہ سے آپ کو سیبیریا کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا تھا، اور زار کی حکومت کے خاتمے تک آپ جلاوطنی کی حالت میں رہے، بالشویک حکومت کے زمانے میں آپ کو آزادی میسر آئی۔ اسی حکومت نے مفتی اعظم کے عہدے پر آپ کا تقرر کیا۔ یہ تو اس مجلس کے صدر کا حال ہے، باقی چار قاضی جو اس مجلس کے ارکان ہیں ان کے نام یہ ہیں، علامہ رضاء الدین بن فخر الدین، یہ فن بلاغت اور تاریخ کے بڑے عالم ہیں۔ دوسرے کا نام کشاف الدین ترجمانی ہے۔ یہ قازان کے پہلے امام تھے۔ تیسرے کا نام عبد الرحمن ہے، یہ شہر اوفا کے امام ہیں۔ چوتھا آدمی جو اس مجلس کا رکن ہے وہ ایک خاتون ہیں، جس کا نام السیدہ "مخلصہ بوبیا" ہے۔ یہ بڑی عالمہ فاضلہ بی بی ہیں۔ بالشویک حکومت نے اصرار کر کے مجلس اعلیٰ کا ان کو رکن بنایا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ عورتیں نوع انسانی کی نصف ہیں، انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ عورتوں کے مخصوص حقوق کی حفاظت کے لیے اس مجلس میں ایک عورت [illegible] رکن کی حیثیت سے رکھا جائے۔"

حضرت عبدالودود نے کہا کہ "اسی کا نام مجلس دینی ہے اور ہر قسم کے شرعی مسائل، دینی امور کو یہی مجلس طے کرتی ہے۔ اس مجلس کے حلقے میں (۹۰) علاقے داخل ہیں۔ ہر ہر علاقے میں [illegible] رہتا ہے۔ امیر شکیب نے ان کا [illegible]

نوعیت کا وہ آدمی ہوتا ہے جیسے شیخ عبدالودود ہیں۔ خلاصہ اس تنظیم کا یہ ہے کہ اس وقت کم تر علاقوں کے جتنے محتسب ہیں، یہ مجلس اعلیٰ کے زیر نگرانی کام کرتے ہیں، اور ہر ہر علاقہ کے محتسب سے اُس علاقہ کی مسجدوں کے اماموں کا تعلق ہوتا ہے۔

یہ تو گویا خاص روس کے مسلمانوں کا حال تھا، امیر نے اسکے بعد شیخ ہی کے حوالے سے بالشویک حکومت کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی تنظیم کی کیفیت ان الفاظ میں نقل کی ہے:۔

"ترکستان میں بھی مسلمانوں کی دینی تنظیم پائی جاتی ہے، یعنی وہاں بھی ایک مفتی اعظم ہے، جسکا مرکز تاشقند ہے۔ اسی طرح قفقاز میں بھی الگ مفتی اعظم ہے، اور قریم کے مسلمانوں کا مفتی الگ ہے۔"

امیر نے لکھا ہے کہ پھر میں نے حضرت عبدالودود سے روس کے مسلمانوں کی مردم شماری کے متعلق سوال کیا، جواب میں انھوں نے یہ تفصیل بتائی:

"قازان، اورنبرگ، اوفا، اور اسکے متعلقات جس میں باشقرد بھی داخل ہے ۵ ملین مسلمان ہیں، قرغیز میں بھی پانچ ہی ملین ہیں، سائبریا کے تاتاری مسلمانوں کی تعداد نصف ملین ہے، اسی طرح ترکستان، تاشقند، سمرقند، خوقند وغیرہ میں ۱۲ ملین مسلمان ہیں"

امیر نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ "قفقاز میں تین ملین سے چار ملین تک مسلمان آباد ہیں یعنی داغستانیوں اور چرکسوں کو ملا کر یہی انکی تعداد بیان کی جاتی ہے۔ اسی طرح آذربائیجان، اور گرجستان کے مسلمانوں کی تعداد تین ملین سمجھی جاتی ہے۔ قریم میں نصف ملین مسلمان پائے جاتے ہیں۔ مل ملاکر ان مسلمانوں کی تعداد جو بالشویکی حکومت کے تحت پائے جاتے ہیں ۳۳ ملین ٹھہرتی ہے"

اس پر لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالودود نے میری موافقت کی۔ اس تذکرہ کو ختم کرکے امیر شکیب نے اسکے بعد مزید اضافہ یہ کیا ہے کہ میں نے حضرت عبدالودود کے علاوہ دوسرے بعض جن میں روسی ڈوما کے ارکان بھی شریک تھے روسی مسلمانوں کی تعداد پوچھی تو انھوں نے ۳۵ ملین بتائی۔ انکے سوا پولینڈ میں بھی ۱۵ ہزار کے قریب مسلمان ہیں جو مختلف دیہاتوں میں آباد ہیں۔ اسی طرح لیٹویا ہے؛ جنگ عظیم کے بعد بالٹک علاقہ کی آزاد ریاست ہوگئی تھی، دس ہزار مسلمان یہاں بھی ہیں۔ انکے بھی وہاں مستقل قریے ہیں۔ اُن قریوں میں وہ اپنی خاص مسجدیں بھی رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عربی زبان سے قطعاً ناواقف ہیں۔ یہ لوگ لیٹویا کی زبان بولتے ہیں یا روسی زبان بولتے ہیں (باقی)

بھوکوں پر رونے والے

آج دنیا میں اگر کسی ملک کے باشندے بھوک سے جاں بلب ہیں اور ہر شخص روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترس رہا ہے، تو دوسری طرف برسراقتدار جماعت کے لطف حیات میں کوئی فرق نہیں۔ چہروں پر وہی رونق، حصول آسائشوں کا وہی نظم، روزمرہ کے پرتکلف معمولات کا وہی حال۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں "حکومت" ذریعہ نہیں بلکہ مقصد حیات بنگئی ہے۔ اور حکومت صرف حکومت کی خاطر کیجا رہی ہے۔

لیکن اسلام کا جو نظام ہے وہ عملی اور مقصدی ہے اور خود اول میں اسکا عملی ظہور برابر ہوتا رہا ہے۔ اسلامی روایات تاریخی حیثیت سے آج بھی سب کے سامنے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب راتوں میں پھر کر بھوکوں کا پتہ لگتا تو انکے لیے خوراک مہیا کرتے۔ اگر کوئی مزدور نہ ملتا تو خود اپنے کندھے پر اٹھاکر غلہ پہونچاتے۔ اگر معلوم ہوجاتا کہ کسی شخص کے گھر میں فاقہ ہے تو اختیار روتے اور دعا کرتے کہ اے خدایا اس معاملہ میں میری گرفت نہ کر۔ مجھے اسکی حالت کا علم نہ تھا۔ جو شخص فاقہ زدوں پر آنسو بہا سکتا ہے وہ بے فکر ہوکر کھانا نہیں کھا سکتا، اور اسکے دسترخوان پر آپ انواع و اقسام کی چیزیں نہ پائینگے۔ یہ تھا اسلام کا نظم حکومت۔ جس نے حکومت کو مقصد نہیں بنایا اور ذریعہ سمجھ کر بھوکوں پر خلیفہ اسلام کو رُلایا۔ (ندائے حرم)

نظم الجواہر

نام سے آپ کو اندازہ نہ ہوگا مگر ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ ایک بہت بسیط نیز مفید کتاب ہے۔ اس میں کیا ہے، اسلیے بس یہی کہدینا کافی ہے کہ یہ قرآن شریف کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جسکے اندر کلام پاک کے تمام متعلقات موجود ہیں۔ کونسی آیت اور سورۃ کب اور کہاں کیوں نازل ہوئی۔ اختلاف قرأت اور تمام قاریوں کے مسالک۔ ناسخ و منسوخ قرآن مجید کے تمام لغات۔ قرآن مجید میں کتنی جگہ کلام موزوں کن بحروں میں۔ کتنے انبیا کا کتنی جگہ نام ہے۔ کتنے قصص ہیں۔ کتنی اشیاء و غائب ہیں۔ کتنے مسائل کن آیات سے استخراج ہوا ہے۔ کس امام کا کیا مذہب ہے۔ اسی قسم کی سیکڑوں چیزیں نہایت عمدہ اور تفصیل سے اس میں درج ہیں۔ خط نہایت پاکیزہ دیدہ زیب۔ کاغذ اعلیٰ سائز ۱۸ × ۲۲ تصنیف مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم۔ یہ غیر مطبوعہ ہے اور قریب قریب ۱۲۰۰ صفحات اسکا حجم ہے۔ ہم اسکو طبع کرنا چاہتے ہیں۔ جو حضرات خریدنا چاہیں وہ خط و کتابت فرمائیں۔ اسکی صرف فہرست بھی ایک کتاب کی برابر ہوسکتی ہے۔

الف۔ معرفت ایڈیٹر صاحب "صدق" لکھنؤ

شیخ شوکت حسین پرنٹر [illegible] پریس لکھنؤ میں طبع کراکے
دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

معجزات موسوی

مولوی سید نجم الحسن صاحب خیرآباد (اودھ)

سیتاپور سے دریافت کرتے ہیں کہ

"قرآن نے موسیٰ علیہ السلام کی جن آیات تسع کا ذکر کیا ہے وہ کونسی ہیں؟"

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کی ان نو نشانیوں یا معجزات کا ذکر کہیں یکجا نہیں آیا ہے۔ انکا مجموعہ نو تک پہونچتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں لفظ تسع آیات بینات صرف ایک جگہ آیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۲ کے بالکل شروع میں۔ لیکن وہاں تفصیل مطلق نہیں۔ دوسرے مقامات سے معجزات ذیل ملتے ہیں:۔

(۱) عصا (عصائے موسوی حضرت کا مشہور ترین معجزہ ہے)
(۲) ید بیضا (دست مبارک کا چمکتا ہوا نکلنا یہ بھی مشہور معجزہ ہے)
(۳) سنین۔ یعنی قحط۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۱۳۰)
(۴) نقص ثمرات۔ یعنی پھلوں اور پیداوار میں نقصان (اعراف۔ آیت ۱۳۰)
(۵) طوفان۔ یعنی بارش وسیلاب کا طوفان (اعراف۔ آیت ۱۳۳)
(۶) جراد۔ یعنی ٹڈی دل (اعراف۔ آیت ۱۳۳)
(۷) قمل۔ یعنی جوئیں یا گیہوں وغیرہ میں گھن (اعراف۔ آیت ۱۳۳)
(۸) ضفادع۔ یعنی مینڈکوں کی کثرت (اعراف آیت ۱۳۳)
(۹) دم۔ یعنی دریا کے پانی کا خون میں تبدیل ہو جانا (اعراف ۱۳۳)

ان آخری چاروں کو قرآن نے مفصلات سے تعبیر کیا ہے۔ توریت کی کتاب خروج کے باب ۷ و ۹ میں ان نو معجزات کا بیان، قرآن مجید سے کسی قدر مختلف، لیکن بڑی تفصیل بلکہ طوالت کے ساتھ آتا ہے۔

مشرقی عورت

"گاندھی جی کی اہلیہ کستورا بائی بحیثیت اتریں ہم سب سے نگین ہیں' اپنی رائے کی بڑی مضبوط اور زبردست تھیں۔ اپنے ارادوں کے اندر وہ گاندھی جی پر غالب آجاتیں۔ گاندھی گھر کا ایک شعبہ تمام تر انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ کھانا وہ خود پکاتیں' اور علاوہ اپنے شوہر اور اپنے پوتوں کے' وہ گاندھی آشرم کی دو سو کی آبادی میں سے کوئی بیس اور آدمیوں کے لیے کھانا روزانہ اپنے ہاتھ سے تیار کرتیں۔ جب ہر جنے کہ وہ بالکل تھکی ماندی ہوتیں' کام دوسروں سے بھی لیتیں۔ لیکن باورچی خانہ کی کم عاصی اصلی اور بیشتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں۔" (بمبئی کرانیکل ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۴ء ملخصاً)

کالج میں پڑھی ہوئی فیشن زدہ لڑکیاں یہ خبر سُن رہی ہیں؟—— ہندوستان بلکہ مشرق کے اتنے نامور لیڈر کی بیوی' نہ تقریریں کرتی ہے' نہ لکچروں کے دورہ پر روانہ ہوتی ہے' نہ کسی آراستہ ڈرائنگ روم کی رونق بنتی ہے' سیدھی باورچی خانہ میں گھسی رہتی ہے' اپنا دن اسی میں تمام کر دیتی ہے۔ خاص خاندان والوں کے علاوہ بیس بیس آدمیوں کا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتی اور کھلاتی رہتی ہے! اس سے نہ اس کو شرم آتی ہے نہ اس میں ذرہ بھر اپنی توہین محسوس کرتی ہے' بلکہ اس پر فخر کرتی ہے اسے اپنا اصلی فریضہ اور منصب سمجھتی ہے' بلکہ گاندھی جی جب اس میں دخل دینے لگے ہیں' تو اس میں ناگواری محسوس کرتی ہے!—— "بی اماں" مرحومہ (محمد علی کی والدہ ماجدہ) کا پایہ اس سے بھی کہیں بلند تر تھا۔ دن بھر خانگی کام کاج کے علاوہ شدت سے نماز کی پابند تھیں' اور رات کا اچھا خاصہ حصہ نوافل' اوراد وغیرہ میں صرف کرتیں۔ اور جب دیکھا کہ دونوں لڑکے خلافت اسلامیہ کی خاطر قید ونظربند ہوگئے' تو کبر سنی کی ناتوانی کے باوجود سرے پیر تک برقع میں ملبوس صرف چہرہ کی ٹکیا سے نقاب ہٹاتے ہوئے تقریر بلکہ دعوت جہاد کے لیے باہر نکل آئیں! تہجد پڑھنے اور نماز پڑھنے کے لیے اول وقت پر اٹھنے کے معمول میں اس کے باوجود بھی فرق نہ پڑا!

ریب اور یقین

"میں مسئلہ کو مہینوں بلکہ برسوں تک برابر سوچتا رہتا ہوں، ننانوے مرتبہ غلطی کرتا ہوں۔ کہیں سویں مرتبہ صحیح نتیجے تک پہونچتا ہوں!"
یہ دنیا کے نامور ترین سائنٹسٹ آئینشائن نے اپنے طرز فکر سے متعلق حال میں کہا! آئینشائن، فلسفہ کا نہیں، سائنس کا امام ہے جسکا شمار عوام کے نزدیک ظنیات میں نہیں، قطعیات میں ہے۔ اور پھر سائنس میں بھی اسکے سب سے زیادہ قطعی اور یقینی شعبہ یعنی ریاضیات اور طبعیات۔ ریاضی کا! ایسی "یقینی" اور مشاہدہ و تجربہ کی چیز ان حسیات کی دنیا میں غریب کا یہ عالم ہے کہ ۹۹ فی صدی، بعض ٹھوکریں کھا کر اور منہ کے بل گر جاتا ہے! اور کہیں ایک فی صدی جا کر کامیاب ہوتا ہے، وہ کامیابی بھی محض اپنے خیال و زعم کے مطابق! — یہی وہ "قطعی" اور "یقینی" علوم و فنون ہیں جنکے نظریات، تخیلات، احتمالات کو مذہب کے مقابلہ میں لایا جاتا، اور انکی میزان میں وحی الٰہی کے حقائق کو تولا جاتا ہے

فسق کا حملہ

"ہندوستان کے مزدوری پیشہ لوگ جب کھیتوں، کھلیانوں میں کام کرتے رہتے ہیں، تو برابر گاتے گنگناتے رہتے ہیں، یہ لوگ جب کارخانوں میں مزدوری کے لیے داخل ہوتے ہیں، تو انھیں محنت تنہا تو کرنا پڑتی ہے۔ ... کا بہترین علاج موسیقی ہے۔ بعد جنگ کے تعمیری کاموں کی جو ... پلان میں ایپلاس کر رہی ہے، اسکے پروگرام کی ایک دفعہ ہندوستان کے نظام حرفتی کی توسیع ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ کارخانوں میں کام کرنے والوں کے لیے راگ اور گانے کا انتظام آئندہ ضرور رکھے۔ بلکہ اسے شروع ابھی سے کر دے۔" (بمبئی کرانیکل۔ ہفتہ وار ۲۶ مارچ ۱۹۴۴ء)

گویا تحریک اب "روشن خیال" ہندوستان کی طرف سے یہ ہو رہی ہے کہ کارخانے بھی آئندہ نشاط خانوں میں تبدیل ہو کر رہیں! اور ہر مل اور فیکٹری، اپنی ساری خشکیوں اور تلخیوں کے باوجود، کسی نہ کسی حد تک، میوزک ہال، یا آپرا ہاؤس بن کر رہے! —— تصویر اور راگ تہذیب جاہلی کے دو سب سے زبردست نقیب جس طرح ہمیشہ رہے ہیں، آج بھی ہیں، اور مسلمان غریب کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اسکی تہذیب پر حملے کن کن غیر متوقع گوشوں سے، کن کن نقابوں کی آڑ سے ہو رہے ہیں!

سارنگی باز سائنٹسٹ

"دنیا کا یہ نامور سائنٹسٹ" ذکر جرمنی کے مشہور عالم استاد سائنس، پروفیسر آئینشٹین کا ہو رہا ہے، جو ایک مدت سے امریکہ میں پناہ گزیں ہے۔ ہاں تو دنیا کا یہ نامور سائنٹسٹ
"جسکی عمر اب ۶۵ سال کی ہے، صبح سویرے سے دوپہر تک اب یونیورسٹی کے ملحق، اپنی لیبوریٹری (تجربہ گاہ) میں کام کرکے اپنے مکان پر آجاتا ہے اور پھر یہاں شام تک کام کرتا ہے۔ اسکی تفریح کی چیز منجملہ دوسرے مشاغل کے، سارنگی (violin) ہے، جس پر وہ فلاں فلاں گتیں بجاتا ہے" (بمبئی کرانیکل، ہفتہ وار، ۵ مارچ ۱۹۴۴ء بحوالہ نیو یارک ٹائمس میگزین)

گویا یہ دنیائے سائنس کے سب سے بڑے زندہ امام سارنگی بجاتے اور سارنگیے بھی ہیں! اور ان سے متعلق یہ اعلان انکے معتقدوں اور شاگردوں سے بلا کسی حجاب کے کیا جا رہا ہے! —— دین توحید اور مسلک تہذیب جدید کے تصورات میں کس درجہ فرق ہے! اللہ اکبر! کوئی مسلمان سنجیدہ عالم معمولی درجہ اور رتبہ کا بھی ہو، اسکے سارنگی نواز ہونے کا خیال بھی کیا جا سکتا ہے؟

1½ لاکھ ہر منٹ!

ایک اخباری اطلاع:— "نئے بجٹ کے مطابق برطانیہ آئندہ سال میں پانچ ہزار دو سو چھیاسی ملین پونڈ صرف کرے گا۔ ایک ملین دس لاکھ کا ہوتا ہے۔ اور پونڈ کی قیمت آجکل سوا تیرہ روپیہ کے قریب ہے۔ یعنی ایک ملین پونڈ روپیہ کی صورت میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ ہوا۔ اس رقم کو ۵۲۸۶ کے ساتھ ضرب دینے کی صورت میں برطانیہ کے ایک سال کے جنگی مصارف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حساب کے مطابق برطانیہ اسوقت ڈیڑھ لاکھ روپیہ فی منٹ یا اکیس کروڑ روپیہ روزانہ جنگ پر صرف کر رہا ہے"
اور یہ 1½ لاکھ روپیہ، ہر روز نہیں، ہر گھنٹہ بھی نہیں، ہر منٹ، صرف برطانیہ صرف کر رہا ہے! جرمنی اور امریکہ اور روس اور جاپان اور فرانس جو کچھ صرف کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ سب اسکے علاوہ ہے!

"صاحب" کی کرامت

مجنوں گورکھپوری کی کتاب ادب اور زندگی سے:—
"واجد علی شاہ ناچ رنگ کے جیسے دلدادہ تھے، سب کو معلوم ہے۔ انکے مصاحبوں میں ایک فرانسیسی تھا، اس نے بادشاہ سلامت کو "آپرا" کی لذت سے واقف کیا۔ آپرا، فرانسیسی ناٹک کی ایک قسم ہے جس میں ناچ گانے کو خاص دخل ہوتا ہے۔ واجد علی شاہ کو یہ چیز بھا گئی، اور انھوں نے اسی نمونے پر امانت سے اندر سبھا تیار کرائی" (صفحہ ۱۴۴)
لیجیے، یہ راز اب کھلا۔ مشرق کا یہ بدنام ترین فرماں روا بھی، غفلت اور فسق کے اس مرتبہ پر آخر ایک "صاحب" ہی کے اثر، مشورہ، اور اغوا سے پہونچا تھا! "صاحب" کی کرامتوں کو کوئی کہاں تک گنے جائیگا!

راگ کی برکتیں

کراچی۔ ۲۲ مارچ۔ فرسٹ ایر کلاس (ایف اے کے سال اول) کے نوجوان طلبا اور طالبات کے چہرے فق ہو گئے جب انھوں نے یہ سنا کہ انکی ایک ہم جماعت ہندو لڑکی نے اپنی خوشی و رضامندی سے ایک اندھے آدمی سے شادی کر لی، جسکی عمر ۳۰ سال سے زیادہ ہے، اور کراچی کے اندھوں کے مدرسہ میں موسیقی کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ لڑکی اسکے رسیلے گلے، شیریں آواز اور پُر اثر طرز ادا سے مسحور ہو گئی۔ اور انھی چیزوں کی خاطر اسکی داسی بن گئی" (خبر)
یہ تو خیر رضامندی کے ساتھ شادی کا معاملہ تھا۔ لیکن خدانخواستہ

بولشویک حکومت سے سبق

نمبر (۲)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

خیر یہ تو الگ قصہ ہے۔ مجھے اسوقت صرف بالشویک حکومت کے متعلق کہنا تھا، کہ گو مذہب اور مذہب دشمنی میں اسکی عام طور پر بہت کچھ شہرت ہے۔ اسی لیے اللہ اور رسول کے دشمنوں کی تمنائیں ان ہی بالشویکوں کے ساتھ آج بندھی ہوئی ہیں۔ دین والوں کو ہمیشہ یہ بولشویکوں اور انکی حکومت کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ شائیب اسلاں کے اس بیان کے بعد ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا۔ اگر آپ کی یہ رپورٹ صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، تو یوں سمجھیے کہ آخری آشیانے پر بھی خدا کے ان دشمنوں کے گویا بجلی ہی گر گئی۔ جس وقت یہ تصور کرینگے، کہ بولشویکوں کا اثر اگر ہمیں بھی گیا، تو ہمارا کیا، مسجدیں تو پھر بھی آبادی رہینگی، خدا کے سامنے سجدے کرتے ہی رہیں گے۔ پیغمبر پر درود بھیجنے والے درود بھیجتے ہی رہینگے۔ پھر ان مسکینوں کے لیے بشویکیت اور اشتراکیت میں لطف ہی کیا باقی رہا۔

کھل پڑا دہی بر کہ تر کا جس میں نام بدھا تھا دلبر تھا

اس کتاب میں آمیر ہی کے نوٹ میں ایک اور چیز بھی نظر آئی۔ جی چاہتا ہے کہ اسے بھی نقل ہی کر دوں، خصوصاً کافی سادہ کیوں چھوڑا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت کھونے کے بعد مسلمانوں میں بیداری کے نام سے جو چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، ان میں پہلی بیداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ مسلمانوں کے ائمہ پر لعنت بھیجنے والوں کی ایک جماعت تیار ہوئی، جب تقلید و عدم تقلید کا فتنہ پھیلا ہوا، تب صوفیہ بیچارے میدان میں لائے گئے، اور جسکے جو جی میں آیا انکو سناتا چلا گیا۔ یہ دور بھی ختم ہوا، اب اسلامی سلاطین و ملوک پر لعنت بھیجنے کا دور آیا ہے۔ اگلوں پر پچھلے لعنت کرینگے، حدیثوں میں قیامت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے، میرے نزدیک تو یہ اسی کا تماشہ ہے جس زمانہ میں اسلام صرف آمین اور رفع الیدین کا نام تھا، تب ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر حملہ کیا گیا، پھر تشخیص کرنے والوں نے مسلمانوں کے مرض کی یہ تشخیص کی کہ صوفیوں نے مسلمانوں کو دنیا سے متنفر کر کے حکومت سے انکو محروم کرا دیا۔ گویا مسلمانوں میں تصوف کا رواج زوال حکومت کا باعث ہوا ہے۔ اب یہ بھی غلط ٹھہرا۔ دنیا کی نئی دلیلوں میں ایک سیاسی تحریک کے نام سے اسلام کی تشریح ہونے لگی۔ گویا کل اسلام صرف سیاست ہے۔ سیاست کا تعلق چونکہ مسلمانوں کے ارباب حکومت سے تھا، اسی لیے لے دے کے بیچارے مسلم بادشاہوں کے پیچھے پڑ گئے، انکی قبریں اکھاڑی جا رہی ہیں، گرسنے والے بارانی پانی کو ترس رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام صرف آمین یا رفع الیدین کا جیسے نام نہ تھا، اسی طرح "سیاست" بھی اسلام کا کل نہیں بلکہ اجزاء و عناصر میں ایک جزو اسکا" خیر، حکومت بھی ہے:

اسکو یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام خدا کا ایک پیغام اسکے بندوں کے نام" بندوں میں حاکم بھی ہیں، محکوم بھی، آزاد بھی ہیں اور غلام بھی، مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، بچے تندرستوں کے لیے بھی اس میں احکام ہیں اور بیماروں بوڑھوں کمزوروں کے لیے بھی، امیروں کے لیے بھی غریبوں کے لیے بھی۔ الغرض خدا کے بندوں کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں خدا کے حکم و فرمان کا سب ہی سے خطاب ہے۔ ان ہی بندوں میں چونکہ بادشاہ اور ارباب حکومت کا طبقہ بھی تھا، اس لیے انکے لیے بھی کچھ احکام کچھ ذمہ داریاں اسلام نے عائد کی ہیں، لیکن اسلام کا وہ بھی ایک جز صرف جز ہے، کل تنہا نہیں ہے۔ پھر جس طرح مسلمانوں کے دوسرے طبقات کا اسلام اس قسم کا اسلام نہیں باقی رہا جیسا کہ صحابہ اور صحابہ کے تربیت یافتوں کا تھا۔ اسی طرح حکمرانوں سے متعلق اسلام کے جو احکام تھے، انکی تعمیل جیسی صحابہ کے زمانے میں کی گئی بعد والوں سے نہ ہو سکی، ملامت کے مستحق اگر ہیں تو ہمارے امیر بھی ہیں غریب بھی ہیں مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں، حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں۔ لیکن چن کے مسلمانوں کے صرف مرحوم حکمرانوں کو طعن و ملامت کا نشانہ بنانا بالکل عجیب ہے، بگڑے تو سب ہی بگڑے تھے ان میں وہ بھی تھے۔ پھر جیسے دوسرے طبقات میں سب ہی کا حال یکساں نہ تھا، ان میں اچھے بھی تھے اور برائی اور بھلائی سے مرکب و مخلوط بھی۔ یہی حال حکومت کرنے والے طبقات کا بھی رہا ہے۔ مجھے تو ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے، جو پہلے تو اسلام کو صرف سیاست اور سیاست کو صرف اسلام ٹھہرا لیتے ہیں۔ پھر اسی بنیاد پر حقیقی اسلام کی عمر کل تیس سال بتاتے ہیں، یعنی خلافت راشدہ کا عہد، خلافت راشدہ کے اس تیس سال میں سے عہد مرتضوی ظاہر ہے کہ خانہ جنگیوں کی نذر ہوا، اسی طرح عہد عثمانی کا آخری حصہ بھی ان ہی خرخشوں میں گزرا۔ گویا اس تیس میں سے بھی بمشکل پندرہ سولہ سال اسلام کی عمر رہ جاتی ہے۔ جو ان لوگوں کے خیال میں کل اسلام ہے۔ پھر اسکے بعد ساری امت مسلمہ اندھی اور بہری بنی رہی، اسوقت تک بنی رہی، جب تک دوسروں نے اسکو اپنا غلام بنا کر بیدار نہیں کیا۔ حکومت و اقبال کے زمانہ میں اسلام کی مسلمانوں سے نکلی رہی۔ وہی نکلی ہوئی روح اب عہد غلامی میں واپس ہوئی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جس مذہب کا یہ حال ہو گیا دنیا کا وہ کوئی کامیاب مذہب قرار پا سکتا ہے اور العیاذ باللہ اسکے داعی اور مبلغ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا کامیاب پیغمبروں میں شمار کیا جا سکتا ہے، "اُفٍّ لکم ولما تفکرون مالکم کیف تحکمون"۔

(باقی آئندہ)

---

(۱) مہتمم شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع ہو کر دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا۔

ادب برائے ....؟

"ادب برائے زندگی" کی رٹ لگانے والے نہ صرف کوتاہ نظر اور کور دماغ ہیں، بلکہ بڑی حد تک غیر منطقی اور بعض کو اس کہنے کی وجہ سے حقیقتاً پاگلوں کی صف میں بٹھائے جانے کے قابل ہیں۔ نہ ادب برائے ادب" صحیح ہے اور نہ ادب برائے زندگی" الفاظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن منشاء ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ "ادب برائے ادب" کہیے تو مقصود صرف ادب رہ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں زندگی کی علت غائی ادب قرار پاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو پھر ادب کی علت غائی تلاش کرنے کا مرحلہ سامنے آئے گا۔ اور کون ہے جو زندگی ہی کو پھر اسکی علت نہ قرار دے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہی "ادب برائے زندگی اور زندگی برائے ادب" اس عمل دور سے کبھی نجات نہ ملیگی۔

ذرا عقل سے کام لیجیے اور غور فرمائیے جیسے علت فاعلی میں ایک ربط و تسلسل پایا جاتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ایک چیز دوسری سے اور دوسری تیسری سے وجود میں آتی ہے، یہاں تک کہ کسی علۃ العلل پہ یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح علت غائی میں تسلسل و ربط پایا جاتا ہے۔ گلاس پانی پینے کے لیے، اور پانی پیاس بجھانے کے لیے، پیاس بجھانا زندہ رہنے کے لیے، اور زندہ رہنا اس اصل غایت کی تکمیل کے لیے جو مقصد تخلیق ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے کہ آفتاب کے وجود کا ایک مقصد ہے، ماہتاب کے وجود کا ایک مقصد ہے، پانی، ہوا، مٹی، غرضکہ دنیا کا ذرہ ذرہ کسی نہ کسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہے، لیکن انسان جو سب سے بہتر مخلوق، سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق بالکل بے ضرورت تو نہیں ہے؟ آپ کی تجدد پسندی اگر اجازت دے تو خدا کے نام سے کام نہ لیجیے لیکن یہ کیا بزدلی ہے کہ یہاں پہونچکر ٹال جائیے۔ عقل انسانی کو اتنے بڑے مسئلہ پر طفل تسلیوں کے ذریعہ خاموش نہیں کیا جا سکتا، کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی پڑیگا۔

نہایت ہی درد کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ سماج غریبوں پر ظلم کر رہا ہے سرمایہ دار مزدوروں کا خون چوس رہے ہیں، دنیا میں جنسی تشدد جاری ہے، عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو اپنی خواہشات نفسانی کے خونی دیوتا کے سامنے بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کون کر رہا ہے، آخر انسان ہی تو کر رہا ہے۔ اگر زندگی اور فراغ بالی بغیر کسی اور بلند مقصد کے خود مقصد ہے، تو یہ سب کیوں نہ ہو، کیوں نہ ایک غریب گر مضبوط طالب علم اپنی فراغ بالی اور مسرت کے لیے کسی وائس پرنسپل کو کرسی سے اتار کر اس سے اپنے گھر کے چھپر بندھوائے؟ اور کیوں نہ پونہ کا ایک غریب مزدور قلم کھینچنے کے کسی منشی کا بنگلہ اپنا بوجھ اٹھا کر آرام کی نیند سوئے؟ کیوں دنیا میں کوئی مقصد رہے جو قوت بخشے کہ انفرادی فراغ بالی اور پُر مسرت زندگی کو اجتماع کی فلاح کے لیے قربان کر دے، آخر اس حماقت سے فائدہ؟

نوجوانو! ہم تم سے درخواست کرتے ہیں، انسانیت کو درندگی اور چوپایگی کے اس ذلیل مقام سے بچاؤ جہاں یہ کم عقل اور دون فطرت "ادب برائے زندگی" پکارنے والے تمہیں لیے جا رہے ہیں۔ وسعت قلب اور وسعت نظر کے ساتھ زندگی اور ادب دونوں کا حقیقی مقصد تلاش کرو — زندہ رہنے کے لیے تمام اسباب مہیا کرو۔ اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کو اپنا خادم بنا لو۔ اس سلسلہ میں ہر رکاوٹ کا مردانہ وار مقابلہ کرو، لیکن اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ ہونے دو کہ اس ساری تگ و دو کا مقصد زندہ رہنا ہے اور زندہ رہنے کا مقصد خود زندگی سے بھی بلند تر کچھ اور ہے۔ ادب کو اپنی زندگی میں خادم کا مقام دو۔ "ادب برائے ادب" کا نعرہ لگا کر اسے مخدوم و مقصود کا مقام نہ دیدو۔ قوم، وطن اور نسل و زبان کی خطرناک تقسیموں کو ختم کر کے سارے جہان کو انسانوں کی ایک ہی بستی سمجھو، ہر انسان کی خدمت کرو، اپنے ادب کو اس رنگ میں ڈھالو کہ جس سے انسان کے ایسے شریف جذبات بیدار ہوں۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ادب یا زندگی کا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت بھی نہیں ہے بلکہ یہ خدمت خود ایک راستہ ہے جسکے ذریعہ مقصد حیات تک پہونچا جا سکتا ہے۔

ادب اور زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اسکا جواب کارل مارکس، ہیگل یا نیٹشے کے ہاں نہیں مل سکتا۔ یہ خود گم کردہ راہ ہیں۔ تمہارے یہ دون فطرت نوحہ خواں جو افسانوں میں جنسی تشدد کے نقشے کھینچکر دوکان کی رونق کا سامان مہیا کرتے ہیں، نہایت درجہ کوتاہ بیں اور نقال ہیں، یہ تمہیں کچھ نہیں بتا سکتے۔ معمولی طور پر اپنی اندرونی اصلاح کے بعد تم پر خود روشن ہو جائیگا۔ یقین کی استواری اچھے اعمال کی پابندی اور وسعت قلب کے ساتھ محبت میدان زندگی میں ہر جگہ تمہارے کام آئیگی۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگی میں ہیں یہی مردوں کی شمشیریں

کیا "کیا لکھا جائے" تو واضح ہو گیا، اس مقصد عالی کو سامنے رکھ کر تمہارا قلم، تمہاری زبان اور تمہارا دماغ تمام تر خالق کائنات کی رضا کے لیے کام کر رہے ہیں، یقین کے استحکام، عمل کی نیکی اور محبت کی وسعت کے لیے لکھو، بولو، اور سوچو۔ اب دوسرا سوال "کیوں لکھا جائے" خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اپنی اندرونی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اندرونی اصلاح کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اگرچہ اس خیال کو بھی صرف مقصد قریب کا مقام حاصل ہے، اسے علت غائی یا آخری و انتہائی مقصد نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن آخری مقصد تک پہونچنے کا راستہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے لکھنے والے اسکے ماتحت کام کریں اور ایسا ادب پیدا کریں جو لوگوں کو اندرونی اصلاح پر آمادہ کر دے۔ اسکے لیے افسانہ، ڈرامہ، نظم، غزل، قطعہ، مثنوی، موجودہ اور آئندہ پیدا ہونے والے تمام اصناف ادب پر قلم فرسائی جائز ہو سکتی ہے۔ (پیام ادب)

مراسلہ

ایک مبارک خواب

(سید عقیل احمد جعفری خیرآبادی کے قلم سے)

مخدومی اکرام سلام علیکم - اسوقت یہ عریضہ اس ضرورت سے لکھ رہا ہوں کہ ۲۲ ربیع الاول شریف کا دن گزرنے کے بعد رات کو میں نے ایک عجیب مبارک اور مقدس خواب دیکھا - میں نے دیکھا کہ ایک وسیع اور چاروں طرف دیواروں سے گھرے ہوئے احاطہ میں فرش بچھا ہوا ہے اور اس پر بہت سے عالم اور بزرگ قسم کے اشخاص جگہ جگہ چار چار چھ چھ کی ٹولی میں بیٹھے ہوئے ہیں — وہ سب آپس میں کبھی کبھی کچھ باتیں بھی کرتے ہیں مگر صرف ادب ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت سرگوشی کے ساتھ —— ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا دربار ہے اسی مجمع میں کسی جگہ شاید وصل صاحب (مرحوم) بھی ہیں — میں بھی اسی متبرک مجمع میں ہوں اور بعض وقت کوئی مجھ سے اور میں بھی کسی سے بات کر لیتا ہوں — دفعتاً سامنے کے گوشہ میں لگے ہوئے دروازہ سے نہ معلوم کس طرح اور کیوں میں ایک دوسرے اندرونی مکان میں داخل ہو گیا —— یہاں داہنے ہاتھ پر ایک کمرہ یا دالان ہے اس میں ایک شخص کچھ اس طرح کا جیسے بڑے آدمیوں کے یہاں اکثر اطلاع کرنے — ملنے - ملاقات کرانے اور وقت مقرر کرنے کے لیے کوئی معزز آدمی ہوتا ہے، موجود ہے - یہ شخص اس لڑکے کے علاوہ ہے جو "یوا سے" یاروں معلوم ہوتا ہے — یہاں پہونچکر نہ جانے کس طرح خود بخود مجھے علم ہوا کہ اندر کمرے میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے ہیں - یہ معلوم ہونے کے بعد اس شخص سے جو پرائیوٹ سکرٹری معلوم ہوتا ہے میں نے مولانا سے ملنے کی خواہش کی - تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا باہر (اسی دوسرے گھر کے صحن کے بنگلے میں) تشریف لائے ہیں اور وضو کر رہے ہیں یا شاید موجود ہیں - اسکے بعد میں پیش ہوا - مصافحہ کرتے ہوئے میں نے دست بوسی کرنا چاہی تو آپ مانع ہوئے اور فرمایا ادب آنکھ اُٹھاؤ — یا آنکھ ملاؤ - فرمایا — میں نے تھرتھراتے ہوئے تعمیل کی اور بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا میں مُرید ہونا چاہتا ہوں - میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی میرے خلاف توقع انتہائی آمادگی کے لہجہ میں منظور فرمایا - ابھی! اسی وقت!! اور فوراً ہاتھ میں ہاتھ لیکر کچھ تلقین فرماتے ہوئے بیعت کر لیا - جیسے ہی میں بیعت ہو چکا اُس لڑکے نے جو اردلی معلوم ہوتا تھا مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا یہ وہی ہیں جنکا آپ نے ابھی جنازہ پڑھا تھا —— یہ سنکر اس شخص نے جو قرینہ سے پرائیوٹ سکرٹری معلوم ہوتا تھا کچھ ایسے الفاظ کے ساتھ جس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ یہ "قبل از معقولات" اسے ناگوار ہوا ہے اس لڑکے کو جھڑک دیا - ساتھ ہی حضرت مولانا نے میری طرف دس نظر سے دیکھا جسکے معنی یہ تھے کہ اسکا کیا مطلب - یہ اجتماع الضدین کیسا (یعنی یہ کہ میں زندہ مجسم سامنے کھڑا ہوں پھر میرے جنازہ کے کیا معنی) میں نے عرض کیا اسکا مطلب میں عرض کروں - چہرہ سے آثار اجازت پاکر میں نے عرض کیا کہ وہ جنازہ میرا نہیں بلکہ میرے گذشتہ گناہوں اور غلطیوں کی زندگی کا تھا —— آپ نے فرمایا "ہاں" یا کوئی اور لفظ یا الفاظ اس قسم کا جو تائید کا مترادف تھا - اور بس آنکھ کھل گئی —— جسوقت آنکھ کھلی ہے فجر کا وقت تھا - میں اُٹھا وضو کیا، نماز پڑھی اور اسوقت سے ایک عجیب سرور و کیف کے عالم میں ہوں -

اس خواب کی اہمیت میرے دل میں اسوقت اور بڑھ جاتی ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں نے مولانا کی زندگی میں ایک عریضہ بھیجا تھا جو میرے پاس اسی لفافہ کی پشت پر اس تحریر کے ساتھ واپس آیا کہ مولانا انتقال فرما گئے -

مشہور ہے مولانا کا اصول تھا کہ بیعت جانچ پڑتال کے بعد مرید کرتے تھے تو دو سال کے اتنے عرصے کے بعد بغیر کسی خیال کے ایک رات دفعتاً میرا یہ خواب دیکھنا اور اس میں اس خصوصیت کے ساتھ مرید ہونا شاید اس کشف سے بھی کچھ تعلق رکھتا ہے کہ میرے دل میں ایک عرصہ سے خانقاہ شریف میں جاکر رہنے، فیض صحبت حاصل کرنے پھر مرید ہونے کی آرزو تھی، جسکو میں حضرت والدہ کی معلوم علالت اور خدمت کی وجہ سے اپنے نفس پر جبر کرکے عمل میں نہ لا سکا -

اس خواب کا ایک یہ پہلو بھی عجیب ہے کہ خواب ہی میں تعبیر بھی مل گئی -

آپ کی عدیم الفرصتی کے پورے احساس کے باوجود میرا جی نہیں مانا کہ آپ کو یہ خواب (جو میں نے بیدار ہوتے ہی غور کر کرکے ایک ایک یاد کرکے لکھ لیا تھا) مفصل نہ لکھوں بلکہ آرزو تو یہ ہے کہ مجھے اپنے —— مولانا کے "خلیفہ" نہ سہی فرع سہی - سے اس خواب کی تعبیر ملے - سنا ہے خواب کی تعبیر دوست یا عالم سے لینا چاہیے تو آپ سے اچھا کون عالم اور آپ سے بڑا میرا کون دوست ہے -

صدق - خواب اپنے ہر جز کے اعتبار سے مبارک اور قابل مبارکباد ہے - نفس بیعت جہاں تک اپنی ارادت کا تعلق ہے کہنا چاہیے کہ اس خواب سے بھی ہو ہی گئی - البتہ جو مقصود بیعت ہے، اُسکے لیے کوئی خواب، خواہ اس سے بھی بہتر و مبارک تر ہو، کافی نہیں - بیعت کی اصل غایت اصلاح نفس ہے - اور یہ مقصد کسی زندہ ہی مصلح سے تعلق قوی رکھنے سے پورا ہو سکتا ہے - حضرت مولانا کی تصانیف و ملفوظات و مواعظ کا طویل و مسلسل مطالعہ بھی ایک حد تک اس مقصد کے حصول میں معین ہو سکتا ہے -

مصلح کے انتخاب میں بھی احتیاط اور دقت نظر کی ضرورت ہے - عقائد و اعمال کے اعتبار سے اسکا اہل حق میں ہونا بہر حال لازمی ہے لیکن اصلاح و تربیت کا بھی اُسے خاص ملکہ ہونا چاہیے - محض زہد و عبادت ہرگز اصلاح و تربیت کے لیے کافی نہیں -

---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکی تائید کی وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر: عبد الماجد

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: (حکیم) عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر کے نام

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلات اس پتہ پر ہو

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

سرفراز قومی پریس، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ: پانچ روپیہ

" ششماہی: ۳ روپیہ

ممالک غیر سے سالانہ: ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ: ۲ر

نمبر ۴۸ | دوشنبہ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء | جلد ۹

سچی باتیں

ایک ہی تاریخ کے اخباروں میں دو خبریں نظر سے گزریں۔ پہلی خبر انگریزی روزنامہ میں پڑھی:۔

"نئی دہلی، یکم اپریل، میجر جنرل ونگیٹ ۲۴ مارچ کو ایک ہوائی حادثہ میں ہلاک ہوگئے۔ وہ ایک طیارہ پر اضلاع برما کی سرحد پر جنگلوں میں پرواز کر رہے تھے۔ انکا طیارہ ہمارے ہی علاقہ میں گرا۔ حادثہ کا سبب اب تک متعین نہیں ہو سکا ہے۔۔ خیال یہ ہے کہ جنرل موصوف ہمارے ہوائی اڈوں کا دورہ کرکے واپس آرہے تھے۔ وہ ایک بڑے امریکی طیارے میں پرواز کر رہے تھے۔ رات کے وقت ایک امریکی طیارہ نے آکر رپورٹ دی کہ ایک پہاڑی پر آگ کے شعلے دکھائی دے رہے ہیں۔ دوسرے دن کئی طیارے جنرل موصوف کی تلاش میں روانہ کیے گئے۔ بڑے عرصے کے بعد اس تباہ شدہ ڈھانچ کا پتہ چلا۔ خیال یہ ہے کہ حادثہ شدید طوفان کے باعث ہوا۔ اور جنرل موصوف ۴ یا ۵ امریکی افسروں اور دو ایک مسافروں کے ہلاک ہوگئے۔"

یہ میجر جنرل ونگیٹ سرحد آسام و برما کی فوج کے نامور ترین سردار اور اس قسم کی جنگ کے بہترین ماہر تھے۔ اس خاص قسم کی جنگ کا کوئی افسر ابھرا ہی نہ تھا۔ اور اسکے کارنامے عجیب مشہور تھے جو بالکل افسانہ کی حد تک پہنچے ہوئے تھے ——— اتنا بڑا اتنا نامور افسر دم کے دم میں نذر آتش ہوگیا! کوئی انسانی تدبیر کوئی اپنی قوت ایک لمحہ کے لیے بھی نہ کام آسکی! پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور بڑے بڑے محققین و مبصرین یہ تک نہیں معلوم کر سکے موت ہوئی کیسے؟ ملک الموت کا روکنا الگ

رہا ——— یہ ہے انسان اور اسکے دعووں کی ساری کائنات! المیہ کی خبر ہے کہ وہ دلو مسافر لندن کے دو مشہور روزناموں کے وقائع نگار تھے اگویا جنکا پیشہ ہی دوسروں کی موت کا مشتہر کرنا تھا، خود انکی موت اس گمنامی اور بے نشانی کے ساتھ ہو کر رہی!)

دوسری خبر ایک اردو روزنامہ میں نظر پڑی:۔

"یکم اپریل۔ لاہور۔ چیف جسٹس شادی لال جنکی عمر ۷۰ سال کی ہو چکی ہے، انتہائی نازک اور آخری حالت میں ہیں۔ ہوش و حواس جواب دے چکے ہیں۔ کل سے آنکھ اور کان دونوں نے اپنے فعل چھوڑ دیے ہیں۔ اب نہ وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے۔"

یہ سر شادی لال اسوقت صوبہ پنجاب کے شاید سب سے بڑے آدمی تھے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہی نہیں رہے ہیں برطانیہ کی پریوی کونسل کے بھی جج رہ چکے ہیں، اور نائٹ ہونے کے علاوہ پی سی بھی ہیں! اس مرتبہ کے ہندوستانی کا اسوقت دو ہی ایک ہونگے! انکی بیکسی اور بے بسی بالکل ادنیٰ سے ادنیٰ اور حقیر سے حقیر انسان کی طرح آپ نے دیکھی سن لی؟ لاہور جیسا شہر، ان جیسا شخص، دوا علاج کی کوئی کوئی تدبیر انکے لیے اٹھا رکھی گئی ہوگی؟ ڈاکٹر اعلیٰ سے اعلیٰ انکے لیے مہیا نہ کیے گئے ہونگے؟ سب مل کر بھی انکی مصیبتوں میں ایک ذرہ کی کمی کر سکے؟ تقدیر کے آگے تدبیر کی کچھ بھی چل سکی؟ ———

"سائنس" کے دعوے، اور "مشین" کے سہارے کیسے بودے کتنے کمزور اور بے حقیقت نکلے! آہ، غافل جاہل، اور اپنے حق میں ظالم انسان!

پرانا وعدہ

ہم کچھ دنوں میں اپنی ہندوستانی رعایا سے بات کو اتنا

نئی کتابیں

(۱) مانڈو (شادی آباد) تصنیف جناب غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ دکن - ترجمہ از مرزا محمد بشیر صاحب ایم اے ضخامت ۲۲۰ صفحے تقطیع ۲۲×۱۸ - قیمت مجلد ے، غیر مجلد ۸، پتہ: انجمن ترقی اردو - دریا گنج دہلی -

مانڈو عرف شادی آباد، مالوہ کا قدیم اور مشہور شہر ہے - اور اب سنٹرل انڈیا کی ریاست دھار میں شامل ہے -

...ست جانے پر بھی اسکی صد ہا عمارتیں اور اُنکے کھنڈر اب بھی قابل دید ہیں - فن تعمیر اور نگاہ عبرت دونوں کے اعتبار سے - یزدانی صاحب آثاریات (آرکیالوجی) کے ایک ممتاز مستند ماہر ہیں - اور یہ کتاب اصلاً انھوں نے ایک فن داں ماہر کی حیثیت سے انگریزی میں لکھی تھی لیکن اُنکے قلم کی شگفتگی نے اس میں عام دلچسپی کا رنگ بھی پوری طرح ابھر دیا ہے - کتاب تین بابوں میں تقسیم ہے - پہلا مختصر باب تمہیدی قسم کا ہے، جغرافی حالات بتاتا ہے - دوسرا باب ۵ سے ۲۲ تک مانڈو کی تاریخ پر - تیسرا اور سب سے طویل باب عمارتوں پر ہے - اور اس میں تقریباً پچاس عمارتوں کا ذکر آگیا ہے -

مترجم نے بھی اپنا کام قابلیت سے انجام دیا ہے - زبان بڑی سلیس رکھی ہے - البتہ ترجمہ میں فارسی کتابوں (تاریخ فرشتہ، ابوالفضل وغیرہ) سے اقتباسات جہاں جہاں آئے ہیں، وہاں ترجمہ ہر جگہ بالالتزام اصل فارسی ہی سے کرنا تھا، نہ کہ انگریزی ترجمہ سے - شروع میں فہرست مضامین اور آخر میں مفصل اشاریہ (انڈکس) موجود ہے - البتہ فہرست مضامین میں باب دوم کے تحت ان عنوانات کے بھی صفحوں کے نمبر دینے ضروری تھے -

کتاب میں عمارتوں کی تصویریں اور نقشے متعدد ہیں - اس لیے قیمت ہرگز گراں نہیں - کاغذ اور سامان طبع کی اس گرانی اور کتاب کی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے قیمت یوں بھی زیادہ نہ تھی - کتاب انجمن ترقی اردو کے قابل فخر مطبوعات میں سے ہے -

(۲) الف لیلہ ولیلہ حصہ ۳ ترجمہ از ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد ایم اے پی ایچ ڈی - ضخامت ۵۵۳ صفحے - قیمت مجلد ۵، غیر مجلد للعہ، پتہ: انجمن ترقی اردو - دریا گنج - دہلی -

الف لیلہ کے ترجمے اردو میں پہلے سے موجود تھے - اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انگریزی سے ترجمہ در ترجمہ ہو کر نہیں آیا ہے بلکہ براہ راست اصل عربی کا ترجمہ ہے، اور ترجمہ میں صحت کا پورا خیال رکھا گیا ہے - اسکے حصہ اول و دوم پر تبصرہ انہی صفحات میں ہو چکا ہے - یہ حصہ ۲۰۲ ویں رات سے لیکر ۴۲۶ ویں رات کا ہے - اور ابھی اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ایسے چھ کم از کم ۵ جلدوں کی ضرورت ہوگی - مترجم مرحوم کا اسی درمیان میں انتقال ہو چکا ہے - لیکن خیال ہے کہ اصل ترجمہ کا مسودہ ان کے پاس محفوظ ہوگا — افسانوی ادبیات کے شیدائیوں کے لیے الف لیلہ جیسی مشہور عالم کتاب کا تعارف کرانا تحصیل حاصل ہے -

(۳) تاویل مصنف - ۶۰ صفحے ۱۸×۲۲ - قیمت ۱۰، دس نسخوں کی ۱۰، (۴) تحریف آریہ - ۶۳ صفحے ۱۸×۲۲ - قیمت ۶، پانچ نسخے ۶، ۱۲ نسخے ۱۰ ہیں -	از مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب - پتہ: دفتر "اہلحدیث" امرتسر

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، جماعت اہلحدیث کے ایک ممتاز فاضل اور اسلام کے مشہور مناظر ہیں - آریوں اور قادیانیوں کا رد انکا موضوع خاص ہے - رسالہ نمبر ۳ میں مرزا صاحب قادیانی کی بعض مشہور کتابوں (براہین احمدیہ، آئینہ کمالات اسلام، حقیقۃ الوحی وغیرہ) کی تنقید اور تجزیہ کرکے یہ دکھایا ہے کہ مرزا صاحب کا پایہ بہ حیثیت مصنف و متکلم کے بہت پست تھا - اور رسالہ نمبر (۴) میں دیانند سرسوتی کی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش کے باب (۱۰) کا مقابلہ دو ایڈیشنوں، ۱۸۷۵ء کے ہندی اور ۱۸۸۴ء کے اردو ایڈیشن سے کرکے دکھایا ہے کہ گوشت خوری جسکا ذکر اصل ستیارتھ پرکاش میں موجود تھا، اُسے بعد کو حذف کر دیا گیا ہے -

دونوں رسالے اپنی اپنی جگہ پر خاصے دلچسپ اور کارآمد ہیں - البتہ دونوں کی ترتیب و تدوین میں مزید توجہ و اہتمام کی ضرورت تھی -

(۵) تنقید شعر العجم - از پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب ضخامت ۴۱۰ صفحے - قیمت مجلد ے، غیر مجلد ۶، پتہ: انجمن ترقی اردو - دریا گنج دہلی -

شعر العجم، مولانا شبلی مرحوم کی ایک مشہور و مقبول کتاب ہے - اس پر حافظ محمود شیرانی صاحب کی مبسوط تنقید بھی علمی حلقوں میں کچھ کم مشہور نہیں - انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالہ اردو میں ۱۹۲۲ء (یعنی مصنف کی وفات سے کوئی آٹھ سال بعد) سے لیکر کئی سال تک قسط وار نکلتی رہی - پھر بھی شاید کتاب کی صرف دو پہلی جلدوں تک ہو پائی، اور اخیر کی جلدوں تک پہونچنے کی نوبت ہی نہ آئی - وہی مبسوط ضخیم، اور کہنا چاہیے کہ اصل تصنیف کے مساوی الحجم تنقید اب نظرثانی اور اضافہ کے بعد کتابی صورت میں شایع ہوئی ہے -

شعر العجم اس میں شک نہیں کہ تاریخ سے زیادہ ادب کی کتاب ہے، اور ایک صاحب ذوق سخن سنج کا کارنامہ ہے - تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ایک تاریخی حیثیت بھی رکھتی ہے - تنقید اُسکے صرف اسی تاریخی پہلو سے تعلق رکھتی ہے، اور اپنے رنگ میں تو وہ گویا ذخیرۂ نقد میں لاجواب اور بے مثال ہے - غلطیاں، لغزشیں، فروگذاشتیں، سہو و نسیان، بشریت کا لازمی جزو ہیں - ان سے مفر نہ کسی بڑے سے بڑے مصنف کو ہے، نہ کسی محقق ناقد کو - نہ شبلی کو نہ شیرانی کو -

(۶) گدھول یا بیداری - از سید ابراہیم صاحب فرید آبادی

۱۰) صفحات ۱۲۰ مع گرد پوش قیمت ۱۲ پتہ :- بک ڈپو انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی -

مصنف کے مزاحیہ اور طنزیہ مضامین کا مجموعہ ہے - عنوانات سودیشی ریڈیو گھر" "گدھوں میں بیداری" "آج کل کا فیشن" وغیرہ ہیں - بعض مضامین میں رشید احمد صدیقی صاحب کے رنگ میں لکھے گئے ہیں اور بعض شوکت تھانوی صاحب کے طرز میں - رشید صاحب کی تلمیحات عموماً بلند اور صرف تعلیم یافتہ طبقہ کے لائق ہوتی ہیں ، لیکن ابو تمیم صاحب کی تلمیحات عام فہم اور عوام پسند ہیں اور بہ مقابلہ تحریری زبان کے روزمرہ کی زبان ہنسی مذاق کے لیے زیادہ موزوں اور برمحل ہے - بعض لفظوں کے استعمال میں قلم کو لغزش ہوگئی ہے - مثلاً (ص ۲۲ پر) رہائش" سکونت کے معنی میں - "سودیشی ریڈیو گھر" مجموعہ کا دلچسپ ترین مضمون ہے - اس طنزیہ رنگ کے مضامین میں "آج کل کا فیشن" تو اصلاحی حیثیت رکھتا ہے - "گدھوں میں بیداری" اور "مرزے کے انجکشن" اور میں سیاسی مسائل مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی حمایت میں طنزیہ پیرایہ میں ادا کیے گئے ہیں - بحیثیت مجموعی مصنف کی اٹھان امید افزا اور انکا مستقبل روشن ہے

(ع - ق)

(۷) پارلیمانی طرز حکومت

از منظور احسن صاحب ہاشمی بی اے ضخامت ۹۶ صفحے - عمدہ کتابت و طباعت - قیمت ۱۲ ار پتہ :- دارالاشاعت سیاسیہ - اشاعت منزل - اردو گلی - حیدرآباد دکن

مقام مسرت ہے کہ دکن کی کارکن جماعت مجلس اتحاد المسلمین نے سیاسی تعلیم کی ضرورت کا اندازہ کرکے ایک شعبہ دارالاشاعت سیاسیہ اس غرض سے قائم کیا ہے

پیش نظر رسالہ اس سلسلہ کی مفید کڑی ہے - موجودہ جنگ ایک حد تک مختلف سیاسی نظریوں کی بھی جنگ ہے ، اس لیے مختلف ملکوں کے آئینوں اور دستوروں کا مطالعہ اور زیادہ ضروری ہوگیا ہے - کتاب معلومات کے لحاظ سے اوسط درجہ سے بہتر ہے - عام اردو داں کے لیے بڑی مدد کا رہا ہے - اس میں برطانیہ ، فرانس ، سوئزرلینڈ اور آسٹریلیا کے نظام ہائے حکومت کو بیان کیا گیا ہے

پہلے باب میں جدید مملکتوں کی تقسیم کا بیان ہے - پارلیمانی اور غیر پارلیمانی ، وفاقی اور فردیہ ، حکومتوں کے فرق کو واضح کیا گیا ہے - عام طور سے مملکت اور حکومت کو مترادف سمجھا جاتا ہے - ان دونوں کے فرق کو بھی بیان کیا گیا ہے - برطانیہ قدیم ترین پارلیمانی جمہوریت ہے قدرۃً اسے زیادہ اہمیت حاصل ہے - کتاب کے ۹ بابوں میں سے چھ بابوں میں برطانیہ کے نظام حکومت کا ذکر کیا گیا ہے - تاج برطانیہ ، وزارت برطانیہ ، دارالعوام اور دارالامرا اور دوسرے شعبوں کے فرائض اور باہمی تعلقات کا مختصر اور ضروری تذکرہ کیا گیا ہے

فرانس ، سوئزرلینڈ اور آسٹریلیا کے نظام ہائے حکومت کو ایک ایک باب میں بیان کیا گیا ہے - ضمیموں میں سیاسی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو اصطلاحات کے سمجھنے میں دقت نہ ہو - آخر میں انگلستان کے بادشاہوں اور وزرائے اعظم کی فہرست بھی دی گئی ہے - کتاب کے شروع میں دو نقشوں کے ذریعہ سے جدید مملکتوں کی تقسیم اور تفریق کو واضح کیا گیا ہے اور پارلیمانی حکومتوں کا اجمالی خاکہ دیا گیا ہے - ہندوستان آئرلینڈ - اور کناڈا کے نظام حکومت کا بھی مختصر تذکرہ موجود ہے -

بحیثیت مجموعی کتاب کی تصنیف و ترتیب دونوں قابل تعریف ہیں چند باتیں اگر دوسرے اڈیشن میں ملحوظ رکھ لی جائیں تو کتاب کا پایہ اور زیادہ بلند ہو جائیگا - پہلی بات یہ ہے کہ زبان کی طرف مزید توجہ رہے تاکہ ترجمہ پن کی جھلک نہ آ جائے - اور اصطلاحات بجائے ناموں کے معروف و مانوس استعمال کی جائیں بعض جگہ انگریزی الفاظ مثلاً Peers بےضرورت آگئے ہیں ان سے احتراز کیا جائے - دو ایک جگہ معلومات ذرا پرانی ہوگئی ہیں مثلاً ہندوستان کی حکومت کے سلسلہ میں لکھا ہے "وزیر ہند کے مشورہ کے لیے 'انڈیا کونسل' قائم ہے" حالانکہ ۳۵ء کے دستور کی رو سے کونسل ختم کر دی گئی ہے - اس کی جگہ ایڈوائزروں نے لے لی ہے - اسپیکر کی کونسل کے اراکین کو بجائے : "ممبروں کے" اراکین ! "ممبر" کہنا صحیح تر ہے - دو علی ! Dear Chair کا جہاں ذکر ہے وہاں اسکی تصریح ضروری تھی کہ یہ طریقہ حکومت کا ۱۹۱۹ء کی اصلاحات

بزرگان لاہور سے !

(از عبدالماجد)

کیا آپ حضرات میں کوئی صاحب ایسے نہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور اخلاص اسلامی کے واسطے خواجہ عبدالوحید صاحب (قادری منزل امپورڈ) سے قرضہ کی وہ رقم واپس دلا سکیں ، جو انھوں نے تقریباً ایک سال ہوا ، صدق ہی کے ذریعہ سے لی تھی ؟ خواجہ صاحب میرے کرم فرما تھے اور انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کے سلسلہ میں انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ، وہ کبھی بھی بھولنے کے قابل نہیں ، لیکن اتنی بڑی رقم پر صبر کر جانا آسان نہیں - کل رقم تین ہزار تھی ، اس میں سے کل ۱۰۲۵ خواجہ صاحب نے پانچ اقساط میں ادا کی ، اور ۲ ہزار سات سو پچاس کی رقم ان پر بدستور باقی ہے - تقاضوں پر تقاضے سب بے اثر ثابت ہوئے - لاہور کے تین صاحب اثر حضرات (جن میں سے ایک صاحب خواجہ صاحب کے محترم بزرگ بھی ہیں) کے ذریعہ سے خانگی کوششیں بھی ہو چکی ہیں - اور اخبار میں خواجہ صاحب کا نام بالکل مجبور ہو کر اور دل کراہت کے ساتھ لایا جا رہا ہے ، کہ اب اسکے بعد کوئی چارہ بجز عدالتی کاروائی کے نہیں رہ جاتا - اور ظاہر ہے کہ ڈگری ہو جانے کے بعد خواجہ صاحب کو سیکڑوں روپیہ کا مزید بار خرچۂ عدالت کا بھی برداشت کرنا ہوگا -

مختلف کتابوں کے مصنف ہیں۔ انشا کا خاص رنگ ہے۔ یہ تو خیر انکی
علمی قابلیت ہے۔ عربی، ترکی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ زبانوں سے اچھی طرح
واقف ہیں اور اسلامی تاریخ کے بھی بڑے ماہر ہیں۔ اصلی جوہر انکا ایمان ہے۔
باوجودیکہ روشن خیال طبقے سے تعلق ہے، لیکن اسلام کو صرف قومی حیثیت
سے نہیں، بلکہ آیندہ زندگی کی نجات کا واحد ذریعہ قرار یقین کرتے ہوئے
پوری قوت سے پھیلانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کا اثر تھا
ادھر حبش کی جنگ جب چھڑی، تو باوجود تنہا شاہ ہے ... جنگ
میں پہنچ گئے، اور اپنے شاہ کے ساتھ جہاد کے مقدس فریضہ میں شرکت
کی۔ ساری زندگی اسی فکر میں بسر ہو رہی ہے کہ

"محمد کا پیغام دنیا میں پہنچا ہو، محمد کا نام بلند ہو"

صلی اللہ علیہ وسلم۔ بڑے بڑے خطرناک حالات سے گزر چکے ہیں۔ آجکل جرمنی
میں ... مقیم ہیں۔

مراسلہ

علیگڈھ کے دوستوں سے

"علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں اسلامی ماحول کو تقویت دینے کی کوشش"

مسلم یونیورسٹی کورٹ کی گذشتہ میٹنگ میں میں نے یونیورسٹی میں
اسلامی ماحول کو تقویت پہونچانے کے لیے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی تھی:-
"علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں زیادہ سے زیادہ اسلامی ماحول پیدا
کرنے کے لیے اور اسکو ایک ایسا معیاری (آئیڈیل) ادارہ بنانے کے
لیے جو مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور قومی ضروریات کو بہتر سے
بہتر طریقہ سے پورا کر سکے، تین اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔
جو یونیورسٹی کے حالات کا بہ غور مطالعہ کر کے مقصد بالا کو حاصل کرنے
کے لیے اور اسکی تکمیل میں جو رکاوٹیں اور دشواریاں ہیں انکو دور کرنے کے
لیے اپنی تجاویز اور سفارشات کورٹ کے آیندہ اجلاس میں پیش کرے"۔
کورٹ نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور تین اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی
مقرر کر دی گئی ہے جسکو اگلے سال کورٹ کی سالانہ میٹنگ میں اپنی رپورٹ
اور تجاویز پیش کرنا ہیں۔ کمیٹی کے ارکین کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) مولوی مسعود الرحمن خاں صاحب شروانی

(۲) ڈاکٹر عبد الجبار خیری

(۳) ظفر احمد صدیقی (مجوز)

جہاں تک کمیٹی کے مقصد کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ ہر مسلمان
کو اس سے اتفاق ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ حالات کے تازیانہ اور سیاسی
شعور کے ارتقا نے مسلمانوں میں اسلامی احساس بیدار کر دیا ہے اور وہ
محسوس کرنے لگے ہیں کہ اسلامی زندگی کی طرف مراجعت ہی میں انکے درد کا
واحد علاج ہے۔
لیکن اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو جو اہمیت حاصل ہے
اس سے کسی صاحب نظر کو انکار نہیں ہو سکتا۔ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی قومی
جسم میں دل و دماغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے
قومی زندگی کے مختلف شعبے سیراب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اگر علیگڈھ مسلم یونیورسٹی
کو صحیح معنی میں اسلامی زندگی، اسلامی اسپرٹ اور اسلامی ماحول کا نمونہ
بنایا جا سکے تو آج بہت سے قومی امراض کا خود بخود ازالہ ہو جائے۔
اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کورٹ نے جو کمیٹی مقرر کی ہے اس کے
ارکین انشاء اللہ پورے غور و فکر کے بعد اپنی تجاویز مرتب کریں گے لیکن مقصد
کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ قوم کے دردمند اور باخبر حضرات اسکی
تکمیل کے لیے جو کوشش کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں اور اس قومی
فریضہ میں کمیٹی کا ہاتھ بٹائیں۔
کمیٹی کے سامنے جو کام ہے اسکے دو پہلو ہیں:-
اول تو یونیورسٹی میں اسلامی ماحول کو تقویت دینے کے لیے
تعمیری تجاویز۔
دوسرے جو موجودہ رکاوٹیں یا تخریبی عناصر ہیں انکے سد باب
کے لیے تجاویز۔
علیگڈھ مسلم یونیورسٹی سے دلچسپی رکھنے والے مسلمان اگر ان پہلوؤں کے
متعلق کوئی مفید تجاویز رکھتے ہوں تو براہ کرم راقم سطور کو ذیل کے
پتہ پر مطلع فرمائیں۔ یہ ایک اہم اسلامی اور قومی خدمت ہوگی جسکے لیے وہ
عند اللہ ماجور ہونگے۔

الداعی الی الخیر ظفر احمد صدیقی ایم۔ اے لکچرر شبلیہ اسلامیہ کالج
الہ آباد۔

صدق - شیخ ظفر احمد صدیقی صاحب علیگڈھ سے فلسفہ میں
ایم اے کرنے کے باوجود ماشاء اللہ تقشف کی حد تک دیندار ہیں۔ انکی
مخلصانہ کوششیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ ضرور بار آور ہونگی۔

"ترقی پسند ادب"

(ملا رموزی کے قلم سے)

ترقی پسند ادب کے "رکن" اور "رکنیہ" کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخصوص
علوم سے کافی حد تک بے بہرہ ہو مگر انگریزی زبان پر کافی عبور ہو، اس لیے
ایسا ترقی پسند شخص کہیں نہ ملیگا جو انگریزی سے ناواقف ہو۔ گویا "ترقی پسند
ادب" کو انگریزی پڑھ کر اس لیے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ پیداوار ہی
ہندوستان کی نہیں یورپ کی ہے اور وہ ہندوستانی ہی نہیں جو خود
موجد ہو نقال نہ ہو۔
ضروری ہے کہ ترقی پسند اور "ترقی پسندہ" طرز معاشرت اور آداب
زندگی میں صرف اپنی کالی رنگت کی حد تک تو ہندوستانی محسوس ہوں اور
زیادہ یورپ زدہ نظر آئیں۔
ضروری ہے کہ ترقی پسند کی عمر عقل کی پختگی سے ادھر ہی تک کی ہو
یعنی چالیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اس سے زیادہ کی عمر کا انسان کسی

لغو تحریک سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ گویا ترقی پسندوں میں بچے زیادہ ہوتے ہیں اور بوڑھے نادار۔ ضروری ہے کہ ترقی پسند شخص اپنی تفریح کا سامان

ترقی پسند اُسکا خریدار اور غلام رہے۔ مثلاً ترقی پسند وہ جس کے گھر میں ریڈیو کی مشین ہو اور وہ روزانہ سینما کا تماشہ دیکھتا ہو۔

ترقی پسند وہ جو روزانہ اخبار گھروں، کتاب گھروں، پارکوں اور شاعروں میں لیڈر کے انداز سے مارا مارا پھرے، اور اپنی "استی" کتخدا "مردہ اول" سے اخباروں کی عبارت اور اخباری اصطلاحات میں تقریباً بحث کرتا رہے اور کسی رسالہ کے اجرائی فکر میں ہو۔

ترقی پسند وہ جو یورپ کی بین الاقوامی چالاکیوں سے کافی حد تک نابلد ہو اور سینما کے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے اپ ٹو ڈیٹ نام و ولدیت و قومیت و سکونت سے واقف ہو۔

ترقی پسند [illegible] وہ کم سونے والا ہو۔ وہ دبلا پتلا زیادہ ہو اور ہندوستانی کانگریس اور لیگ کی وردی پہنے گورو "لفن نقش" سے شاید محسوس ہو۔ اور اگر ان میں کا کوئی مریل سی قسم کا موٹا تازہ بھی ہو تو سمجھو کہ بس وہ ترقی کا "پتہ" ہے جو بیک وقت نیشنلسٹ بھی ہو سکتا ہے اور کمیونسٹ بھی، سوشلسٹ بھی اور "بے عقلسٹ" بھی۔

پس یہ ہندوستان میں چالیس سال سے کم عمر کے ہندوستانی پس نظر آئیں اس سے اتنا اور دریافت فرما لیجیے کہ آپ نے ہندوستان کی آزادی کی خاطر جیل جانے کا بھی کبھی ارادہ کیا [illegible] رشیں و طلسمی تحریکات میں بھی اسے نہ کر سکے۔

اور ہاں بعض ترقی پسندوں کی صورت پر داڑھیوں سے بھی شبہ ہوتی ہے اور انکی اردو فارسی صحیح نہیں ہوتی۔

ضروری ہے کہ ترقی پسند مرد مذہب کا مخالف ہو۔ اور "ترقی پسند" ہو پھر انکی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ہر مذہب سے ناواقف ہو مگر مذہب کی مخالفت ضرور کرے۔ دوسری قسم وہ ہے جو یورپ کے خلاف مذہب عقائد سے واقف ہو اور اسلام سے یکسر نابلد مگر اسلام کے صرف ان اصول کی مخالفت کرے جتنے کہ اس کی سمجھ میں آجائیں۔

ان میں کا ایک گروہ ہے جو ذاتی شعور کو اسلام سمجھے ہوئے ہے مثلاً کسی صاحب کے شعور میں اللہ میاں کا تصور جو مکمل نہ ہو سکا تو انھوں نے اللہ میاں کے خلاف فیصلہ دیدیا۔ گویا اگر انکے ساتھ زبردستی کیجیے تو یہ اتنے اسلام کو باقی رکھنے کی اجازت دینگے جتنا کہ انکا حقیر فقیر اور کمتر سا دماغ سمجھ سکا ہے۔

ضروری ہے کہ ہر کار ہندوستان کا ترقی پسند انسان خود اپنے احوال میں بد شکستہ حال ہو اور اپنی ترقی پسندی سے خود کوئی لاجواب نمونہ نہ بن سکا ہو مگر ترقی پسند ہونے کا دعویدار ہو یعنی زبان و قلم ترقی پسند ہوں اور خود یورپ کی نقل۔ (زمزم)

(بقیہ صفحہ ۳)

اسکے کمالات فن کا حال تو اہل فن جانیں، عامۂ خلق کے حق میں وہ ایک آیۂ رحمت تھا" اور اگر یہ صحیح ہے کہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست

تو وہ یقیناً ایک صاحب طریق صوفی صافی تھا۔ خدائے رحمٰن اعلیٰ قرآن کی تربت پر نور و رحمت کی بارش کرے"

(بقیہ صفحہ ۵)

کی رو سے تھا۔ "ناتسیت" کے اصولوں کی مزید تشریح ضروری ہے اور سوئٹزرلینڈ کے طرز حکومت کا بیان بہت مختصر ہے۔ (م - ۰ - ق)

(۸) پاکستان ایشو (انگریزی) مرتبہ نواب ناظر جنگ [illegible] صفحات مجلد مع گرد پوش - قیمت [illegible] ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور

نظریۂ پاکستان کی روز افزوں اہمیت کو اب دوست مخالف سب ہی تسلیم ہے۔ چنانچہ مضامین و مقالات و بیانات سے گزر کر اب مستقل کتابوں کا سلسلہ بھی اس موضوع پر شروع ہو گیا ہے۔ پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے گو کمزور کڑی۔ اور یہ بھی قدرت کی ایک ستم ظریفی ہے کہ جس ناشر نے "پاکستان: اے نیشن" جیسی مفید کتاب شایع کی تھی وہی آج اس کتاب کو بھی منظر عام پر لا کر اپنی کوششوں پر گویا آپ پانی پھیر رہا ہے۔

لکن کے ڈاکٹر عبد اللطیف کے بیانات اور مراسلات اخبارات میں اس کثرت سے آچکے ہیں، کہ اب تقریباً ہر پڑھے لکھے شخص کو انکے خیالات اور مسلم لیگ کے قائد اعظم سے انکے اختلافات کا علم ہو چکا ہے۔ لہذا تفصیلات میں گئے بغیر یہاں صرف اسقدر کہہ دینا کافی ہے کہ مسئلۂ پاکستان پر اُنھوں نے جناح صاحب اور کانگریسی لیڈروں سے جو خط و کتابت کی تھی وہ سب ان صفحات میں شایع کر دی ہے۔ مندرجات کتاب کی ترتیب اور شروع میں دیباچہ نواب ناظر یار جنگ بہادر کے قلم سے ہے۔ ڈاکٹر لطیف صاحب اصولاً پاکستان کے مخالف نہیں، بلکہ وہ تو اسکے بہت ابتدائی کارکنوں میں سے ہیں۔ البتہ درجۂ حل میں انکا پاکستان مسلم لیگ کے معروف و متعارف پاکستان سے مختلف ہے۔ انھیں اصرار ہے کہ تقسیم کی بنیاد اسلامی آبادی کی اکثریت و غیر اکثریت کے بجائے مختلف تہذیبی منطقے قرار پائیں۔ لیگ کے صدر نے ڈاکٹر صاحب کی کوششوں کو تخریبی قرار دے کر انھیں نظرانداز [illegible] ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب کا بطور انتقام اس ساری مراسلت کو شایع کر دینا کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں۔ بہرحال اس حیثیت سے کہ لیگ کے مخالف نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ پر کیا، اور کہاں تک کہا جا سکتا ہے، کتاب کا مطالعہ مفید ہی ہوگا اور مسائل سیاسیات کے بہت سے سنجیدہ طلبہ کو دعوت غور و فکر دیگا۔ (ح - ا - ق)

شیخ شوکت حسین مینیجر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق، گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون
(ترجمہ) جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچا مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں
ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبد القوی بی اے
مضامین کے لیے خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے
چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد دلیس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ
صدق
نمبر (۲) | دوشنبہ - ۱۴ - جمادی الاول سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۸ - مئی سنہ ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

یونیورسٹی اور قتل

"۱۳-۱۴ مارچ کو رات گئے موتی محل کے پل پر جو واقعہ قتل پیش آیا تھا، اس سے متعلق مزید تحقیقات سے پتہ چلا کہ مقتول یونیورسٹی کا ایک طالب علم - اور مہاکرشن کول تھا - اور قتل کی تہ میں کہا جاتا ہے کہ ایک لڑکی کا ہاتھ ہے جو یونیورسٹی کی طالبہ ہے - کہا جاتا ہے کہ طلبہ کی ایک دوسری پارٹی نے اس لڑکی کے بارے میں ایسے کلمات کہے تھے، جن پر کول نے اس پارٹی کے سرغنہ کو کئی دن قبل ٹھوک دیا تھا - کول قتل اس وقت ہوا جب سنیما سے رات کو ہوسٹل واپس آرہا تھا - ایک یونیورسٹی کا طالب علم اور ایک شخص اور اس وقت تک گرفتار ہو چکے ہیں" (پاینیر، لکھنؤ ۲۵-۱ اپریل سنہ ۴۴ء)

مقدمہ کا فیصلہ بالآخر جو کچھ بھی ہو، حیرت اس پر مطلق نہیں کہ ایسا واقعہ پیش کیسے آیا، حیرت اس پر ہے کہ ایسے واقعات اور زیادہ اور بڑی کثرت سے کیوں نہیں پیش آتے رہتے ہیں! کالجوں اور یونیورسٹیوں کی جو فضا "صاحب" کی لائی ہوئی، مخلوط تعلیم نے جو پیدا کردی ہے، اسکا مقتضا تو یہ تھا کہ قتل اور خون ریزی کے ہنگامے ہر روز برپا ہوتے رہتے، اور ایک آدھ جنازے، شاعری کے مجاز میں نہیں، واقعات و حقائق کی ٹھوس دنیا میں، ہر روز اٹھتے رہتے! — کسی کی کمر میں گلا اپنا فعل کر اسے دریا میں ڈال دیجیے اور پھر بیٹھے کر دیکھنا خود دامن کیچڑ سے بھیگنے نہ پائیں، یہ ستم ظریفی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

تقدیر و تدبیر

ندوی طالب علم کی طرف سے دو موصول ہوا ہے کہ "تقدیر و تدبیر کی تشریح فرمائیے" — مختصر لفظوں میں تقدیر [illegible] مستقبل سے متعلق اندازہ الٰہی کا، اور چونکہ اندازہ [illegible] غلطی کا امکان نہیں اس لیے زیادہ صحیح یہ کہنا ہوگا، کہ تقدیر نام ہے آیندہ سے متعلق علم الٰہی کا، قطعی و یقینی علم الٰہی کا۔ تدبیر اسکے مقابلہ میں بندہ کی اس کوشش کا جو وہ اس نظام کائنات میں اپنے مطلب کے حصول کی کرتا رہتا ہے۔ غالب ہر حال میں ظاہر ہے کہ مشیت تکوینی ہی رہتی ہے، لیکن انسان پر ذمہ داری اسکی حد فہم و بصیرت کے مطابق صرف اسکی سعی یا تدبیر کی ہے۔ اجر سعی محمود پر ہے، اور مواخذہ سعی نامحمود و غلط پر۔

غلط ماحول

"لاہور اور امرتسر کے درمیان آبادی سے بہت دور پنجاب کے ایک بزرگ سردار گوربخش سنگھ نے ڈاکٹر ٹیگور کے شانتی نکیتن آشرم کی طرح ایک درس گاہ پریت نگر کے نام سے قائم کی ہے - جس میں لڑکے اور لڑکیوں کو تعلیم دینے کے علاوہ انکے اخلاق کو بلند رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے - اسی پریت نگر کے سالانہ جلسہ پر دور دور سے لوگ آتے ہیں - دو تین ہفتے ہوئے یہاں سالانہ جلسہ تھا، بہت لوگ شامل ہوئے - چنانچہ اس تعلیمی مجمع میں کالجوں کے کچھ طلبہ بھی پہنچے گئے، جنکی شرافت کے حالات اس انسٹیٹیوشن کے سیکریٹری پریت لڑی میں حسب ذیل شایع ہوئے ہیں:-

"ہم اہل پریت نگر کو ناراض کی گنجایش ہے کہ مہمان لوگ ہماری لڑکیوں اور عورتوں سے اتنا ہتک سلوک کرتے ہیں، اور ہم پھر انہیں ہر سال بلا لیتے ہیں مگر اس سال سے کانفرنس کے کھانے کا پورا انتظام

نئی کتابیں

(بقیہ صدق ص ۱)

(۸) **زندہ روس** ۔ مرتبہ ادارۂ دنیائے ادب لکھنؤ۔ ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت عہ/ پتہ، کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ

اس کتاب میں سوویٹ روس اور وہاں کے ادب تنقید ادب و فنونِ لطیفہ کے متعلق کارآمد و پُر از معلومات مضامین شامل ہیں۔ دو ایک مضامین خالص سیاسی نوعیت کے بھی ہیں۔ یہ مضامین یا تو ہمارے ہمدردانِ روس مثلاً سجاد ظہیر، سبط حسن صاحبان وغیرہم کے لکھے ہوئے ہیں یا روسی اہلِ قلم مثلاً میکسیم گورکی وغیرہم کے مضامین کا ترجمہ ہیں۔ ان میں سے اکثر مضامین موجودہ جنگ کے دوران میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن انکی نوعیت تمامتر پروپیگنڈے کی نہیں، بلکہ ٹھوس چیزیں بھی ملتی ہیں گو وہ بھی اشتراکی نقطۂ نظر سے۔ پہلا مضمون "دورانِ جنگ میں سوویٹ ادب" بہت پُر معلومات ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ علوم بیشتر تعمیری بھی سوویٹ روس کی خاص توجہ ہے۔ وہاں کی حکومت نے نظامی گنجوی کی "مخزن الاسرار" کا ایک نایاب نسخہ شایع کیا ہے اور شاعر موصوف کی ہشت صد سالہ جوبلی سرکاری طور پر منائی گئی ہے۔ ان مضامین کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ موجودہ روس کے متعلق اب تک جو مخالفانہ پروپیگنڈہ ہوتا رہا ہے اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی شامل تھا۔ میکسیم گورکی کے ترجمہ مضمون میں یورپی تہذیب اور وہاں کی عورتوں کی عریانی و نمائش پر ایک خاصی حد تک احتجاج موجود ہے۔

حصۂ نثر کے مضامین کی زبان صاف ہے اور نئے ادب کی معلوم نہیں ہوتی، خال خال نوتراشیدہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ البتہ حصۂ نظم کی دو نظمیں تو تمامتر سنسکرت آمیز ہندی میں ہیں (ع۔ق)

(۹) **سادہ و رنگین افسانے** ۔ از جناب ظفر قریشی۔ ضخامت ۲۲ صفحات۔ قیمت ۸/ پتہ: بدایع اکاڈیمی۔ اردو گلی۔ حیدرآباد دکن۔

یہ بارہ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے جس میں عہد حاضر کی تہذیب و معاشرت کے دلچسپ نقشے کھینچے گئے ہیں۔ البتہ "رنگینیاں" کہیں کہیں "شوخ" زیادہ ہو گئی ہیں، اور "سادگی" کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ انگریزی الفاظ کہیں تو آئے ہیں اور کہیں لائے گئے ہیں۔ اسی طرح انگریزی ادب کی تلمیحات بھی ملتی ہیں مثلاً طبعی "ڈان جان" (ص ۱۰۵) بعض جگہ کی عبارت بھی افسانویت کے لیے ذرا ثقیل سی ہو گئی ہے، مثلاً "آتشِ بجام تفنگی" ۔ افسانوں میں جا بجا مغربی تہذیب پر تنقیدیں موجود ہیں، لیکن بہتر ہوتا اگر وہ اشارے اتنے خفی اور مخفی نہ رہتے ۔ (ع۔ق)

رسید کتب

(۱) **پیامِ خلافت یا دعوتِ مرواج** ۔ بنام سیاسی لیڈران و رہنمایانِ ہند۔ از جناب صدیق دیندار چن بسویشور صاحب۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، خانقاہ سرورِ عالم دار الخلافت حیدرآباد دکن۔

(۲) **ادارۂ ادبیات اُردو** ۔ از خواجہ حمید الدین شاہد صاحب بی اے۔ ۲۰۰ صفحے۔ قیمت ۸/ پتہ، دفتر رسالہ "سب رس" خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن

دکن کے مشہور دائرہ ادبیات کے ۱۹۴۲ء میں مختلف و متنوع کثیر اور قیمتی خدمات زبان و ادب کا مفصل و دلچسپ تذکرہ

(۳) **تذکرۂ اردو مخطوطات** ۔ جلد اول از ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔ تقریباً ۵۰۰ صفحے۔ مجلد۔ خوشنما طباعت اور اچھے کاغذ نقشوں اور تصویروں کے ساتھ، قیمت صہ/ پتہ، دائرۂ ادبیاتِ اردو۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

کتبخانہ ادارۂ ادبیاتِ اردو (دکن) کے ۲۷۵ مخطوطات کا مفصل اور پُر معلومات تذکرہ۔ اس علمی جائزہ میں تفسیر و حدیث سے لیکر قصے کہانیوں تک ۱۱ مختلف علوم و فنون آگئے ہیں۔ تذکرہ ناظرین کے لیے دلچسپ اور یقیناً علم و ادب کے لیے بڑے کام کا ہے۔ اردو میں اس مختلف موضوع کو اس حد تک دلچسپ اور اس پیمانہ پر وسیع و جامع بنا دینے کی غالباً یہ پہلی مثال ہے۔

(۴) **آسان رسمِ خط** ۔ از ڈاکٹر جعفر حسین صاحب ۲۰ صفحے قیمت ۲/ پتہ، حیدرآباد بک ڈپو۔ حیدرآباد دکن۔

"آسانی" کا سیدھا مصنف کے نزدیک یہ ہے کہ آیندہ سے "عمدا" کو "عمدا" "الطاف حسین" کو "التاف حسین"، "نصیحت" کو "نسیحت" "علم" کو "الم"، "عارضی" کو "آرزی" کہا جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔

(۵) **تنویر المصابیح** ۔ از پیرزادہ مولوی پیار الحق صاحب قاسمی قیمت ۲/ مصنف سے گلوالی دروازہ امرتسر سے ملیگا۔

عدد رکعات تراویح سے متعلق مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ایک فتوے کا جواب۔

(۶) **الارشاد الی طریق الرشاد** ۔ از عبد الغفور صابر صاحب۔ ۱۰ صفحے۔ مصنف سے مدرسہ سراج العلوم۔ جھنڈے نگر۔ ڈاکخانہ رام دت گنج، ضلع بستی کے پتہ سے ملیگا۔

مدرسہ جھنڈے نگر کے متعلق ترغیب و تشویق۔

(۷) **داڑھی کی قدر و قیمت** ۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم ۳۲ صفحے قیمت ا/ پتہ: مولوی مسعود الٰہی۔ تاجر کتب۔ قیصر گنج روڈ۔ میرٹھ۔

داڑھی کی شرعی و طبی اہمیت پر ایک قابلِ مطالعہ مقالہ۔

ترقی پسند ادب کی پریشاں خیالی

(از مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے)

پریشان خیالی کی انتہا یہ ہے کہ راشد صاحب ایک نظم کا عنوان قائم کرتے ہیں "انتقام" لیکن نہایت عریاں انداز میں ہوس پرستی کا ایک واقعہ نظم کرتے ہیں اور آخر میں بتاتے ہیں کہ یہ ہوس رانی رہائے وطن کی بے بسی اور بے کسی کا انتقام ہے۔ سبحان اللہ! اگر وطن کی بے بسی کا انتقام اسی طرح لیا جاتا ہے، تو اس سے کون انکار کریگا کہ ملک کا سب سے بڑا اوباش نوجوان سب سے بڑا محب وطن اور قوم پرست ہے!

وائے گر درپس امروز بود فردائے

اب ذرا سوچیے، جو شاعری خیالات کے اعتبار سے اس درجہ دیوالیہ ہو، جسکے الفاظ میں ناہمواری اور نہایت گندی قسم کی سطحیت یا ثقلیت ہو، جسکو گردوپیش میں انسانی جذبات اور احساسات کے شرمناک اور گندے پہلو ہی ہمیشہ نظر آتے ہوں، جسکی نظریں صنفی میلانات اور جنسیاتی ترغیبات کی بھول بھلیوں میں گم ہوکر رہ گئی ہوں اور جو ہر چیز کو پیٹ، روٹی اور بھوک کی ترازو سے تولنے کی عادی ہو، اُس شاعری کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے تئیں حقائق زندگی کی ترجمان کہے اور ایک انقلابی کی حیثیت سے ملک میں اپنا تعارف کرائے۔ اگر فحاشی، عریانی، ہزل گوئی اور یاوہ گوئی ترقی پسند شاعری ہے تو ہم سب کو تسلیم کرنا چاہیے کہ عبید زاکانی، جعفر زٹلی، لکھنؤ کے جان صاحب، بلکہ جناب چرکین بھی دنیا کے سب سے بڑے ترقی پسند شاعر تھے۔ افسوس!

زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا تیرا

اسی ابہام گوئی، پراگندہ خیالی اور یاوہ بیانی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ترقی پسند شاعر ترکیبیں بھی عجیب و غریب اور نہایت مضحکہ انگیز ایجاد کر رہے ہیں۔ مثلاً "رسیلے جرائم" "ڈھلواں سے پھسلتا ہوا شعور" "غم کی تھیا" "زندگی کا پہلا انجان بوسہ" "خوشبوؤں کا تبسم" "افسردگی کی لانت" "مجبور احساس سپردگی" "صدیاں کھا چکنے کے بعد" "گنگا جمنی ٹوٹی تارا بن گئی" "سپارے" "ہار تھک" کے "تھک ہار" کے "تھکن کا نغمہ" "جوئی گیسو کی چھایا" "پھر زنجیر جھنکتی ہی رہ گئی" حالانکہ چھنکنا روپیہ وغیرہ کے لیے آتا ہے "پارہ پارہ تھے مری روح کے تار" حالانکہ تار کے لیے ٹوٹنا آتا ہے، پارہ پارہ ہونا نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔

افسوس ہے فحش و عریاں مضامین پر طبع آزمائی کرتے وقت ترقی پسند شاعروں سے جمالیات کا یہ نکتہ نظرانداز ہو جاتا ہے کہ جمالیاتی نقطۂ نظر سے کسی چیز میں حسن اتنا ہی پیدا ہو سکتا ہے جتنا کہ وہ چیز فطرت اور نیچر سے قریب تر ہوگی۔ فطری عواطف میں حیا کا بھی ایک نمایاں مقام ہے۔ اس بنا پر اگر کوئی مصور فطری حیا کے مناظر کی دلکشی بے حیائی کا رنگ و روغن لے کر کر رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مذہب اور اخلاق کا ہی دشمن نہیں بلکہ خود اپنے آرٹ میں بھی خیانت کار نہیں ہے یا کم از کم خود اپنے فن سے غداری کر رہا ہے۔ کسی بے حیائی کے منظر کو عریاں کرکے یہ تو ہو سکتا ہے کہ چند نوجوانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا جائے لیکن یہ اشتعال وقتی اور ہنگامی ہوگا۔ اور اس سے وہ سکون اور باطنی سرور حاصل نہیں ہو سکتا جو اچھے اور کامیاب آرٹ کا مقصد ہونا چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ جو مکالمۂ حسن و عشق بہ انداز اشارہ و کنایہ ہو اُس میں جو لطف ہوتا ہے وہ اُس وقت باقی نہیں رہتا جبکہ معاملہ رازداری اور پردہ پوشی سے گزر کر صراحت اور پردہ دری تک پہونچ جائے۔

اول تو ترقی پسند شاعر جن جذباتی مسائل پر زور قلم صرف کرتے ہیں اُن مسائل کا آپکے سماجی اور سیاسی مقاصد سے کیا تعلق ہے جنکے لیے آپ انقلاب کا علم ہاتھ میں لیکر نکلے ہیں۔ اگر ن، م، راشد "انتقام" "اجنبی عورت" اور میراجی "ایل میں" اور "اونچا مکان" نہ لکھتے تو ہندوستان کی سیاسی غلامی کی زنجیروں میں اور کتنی زنجیروں کا اضافہ ہو جاتا؟ اور اب ان حضرات نے یہ نظمیں لکھ دی ہیں تو اس سے قوم کے کتنے مسائل حیات کا حل نکل آیا؟

اچھا، اگر کبھی کوئی ایسا مرحلہ پیش آجائے کہ اس نوع کے مسائل کا ذکر ضروری ہی ہو، تو پھر مذہب و اخلاق کا نہیں، بلکہ خود ادب کا مقتضا یہ ہے کہ ان سے ادیب اس طرح پر گزر جائے کہ بیان و اظہار میں کوئی گندگی اور غلاظت نہ پیدا ہو۔ یہی عفت کلام و احتیاط بیان وہ مابہ الامتیاز ہے جو ایک ادیب اور غیر ادیب میں تفریق پیدا کرتی ہے۔ قدیم شاعری میں ایک نہیں اس قسم کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، لیکن میں یہاں اُن کو نقل کرکے سامعین کے ذوق لطیف کو مجروح کرنا پسند نہیں کرتا۔

ان سب چیزوں سے زیادہ مہلک اور خطرناک ترقی پسند شاعروں کا یہ رخ ہے کہ وہ انسان کی روحانی زندگی سے نہ صرف یہ کہ بے اعتنائی برتتے ہیں بلکہ اسکی تحقیر اور تجہیل کرتے ہیں۔ اس بنا پر اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئی نسل کے دماغ جو اس لٹریچر سے اثر پذیر ہونگے وہ مادیات میں پابگل ہو جائینگے اور پھر اُن پر بھی لادینی افکار کی مصیبت میں مبتلا ہو جانے کے باعث وہی مصائب ٹوٹینگے جنکا شکار آجکل یورپ بنا ہوا ہے۔ انسان کی فطرت خدا سے کبھی باغی نہیں ہو سکتی اگر آپ چند خارجی موثرات کے ذریعہ فطرت انسانی کو ایک غیر فطری سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ فطرت کے باغی ہیں۔ اور اس بنا پر قدرت کے اُس انتقام سے نہیں بچ سکتے جو ہمیشہ اس طرح کے باغیوں کے لیے جلد یا بدیر ظہور میں آتا رہتا ہے۔

خدا سے پھیرنا دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں (برہان)

لکھنؤ یونیورسٹی کا ایک نظارہ

(صدق کے وقائع نگار کے قلم سے)

تعلیمی سال کے آغاز پر یونیورسٹی میں آنکھوں نے ایک نیا منظر دیکھا — جی میں آیا کہ اسے سفینۂ ناظرین صدق تک پہنچایا جائے۔ طالبات تو یونیورسٹی میں بہت سی ہیں اور ان میں مسلمان طالبات بھی۔ ایسی مشرقی اور اسلامی حرارت و غیرت رکھنے والی دو مسلمان طالبات کو برقعہ میں دیکھا — برقع اور یونیورسٹی کے حدود کے اندر! باہر کے لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ اس فضا اور ماحول میں یہ چیز کتنی نئی اور کیسی انوکھی اور عجیب و غریب تھی۔

معلوم ہوا کہ ان دونوں نے ایم۔اے انگریزی شعبے میں نام لکھایا ہے۔ ان میں سے ایک یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات کے مقابلہ میں بی۔اے میں فرسٹ پوزیشن پا چکی ہیں۔

یہ دونوں برقعے پہن کر کیا آئیں کہ گویا یونیورسٹی کی ساری آبادی کو ایک مشغلۂ تفریح ہاتھ آ گیا! لونڈوں کا ذکر نہیں، اچھے خاصے سمجھدار اور سنجیدہ لڑکے بھی انھیں میں شامل! جس طرف یہ نکل گئیں، تماشائیوں کا ہجوم ہو گیا۔ آوازے کسے جانے لگے، فقرہ بازیاں ہونے لگیں۔ کوئی "زندہ لاش"، "چلتی پھرتی لاش" کہہ کر پکارتا، کوئی کچھ کہہ کر اپنا دل خوش کرتا۔ صرف ایک دن بعد خبر معلوم ہوئی کہ ان دونوں نے شعبۂ فنون کے غیر مسلم ڈین کی خدمت میں کمرۂ امتحان میں پردے کا انتظام کرنے کی درخواست پیش کی ہے۔ اس خبر کا معلوم ہونا تھا کہ ساری یونیورسٹی میں پھر ایک ہلچل مچ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مضحکہ خیز چیز دنیا بھر سے بڑھ کر ان دونوں بیچاریوں نے کی ہے۔ ہر زبان پر یہی چرچا۔ "ایسا ہی پردہ میں رہنا تھا تو یونیورسٹی میں نام ہی کیوں لکھایا؟ بھلا پھر اس تعلیم سے کیا فائدہ؟" غرض چند روز تک تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یونیورسٹی میں کوئی طوفان آ گیا ہے، ہر طرف سے ان دونوں کا مضحکہ، ہر سمت سے فقرہ بازی اور آوازہ کشی!

غصہ تو شروع ہی سے آ رہا تھا۔ ایک روز ہمت کر کے میں نے اپنے بعض مخصوص مسلمان طلبہ سے کہا کہ آپ سے تو کہیں زیادہ غیرت اسلامی اور حرارت ایمانی کا ثبوت ان آپ کی بہنوں نے دیا۔ ایک آپ ہیں کہ بالکل اپنے کو فراموش کر گئے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ماحول اور فضا کے اس قدر شدید مخالف ہونے کے باوجود کس قدر جرأت و ہمت کے ساتھ شعائر اسلامی پکڑے ہوئے ہیں، اور کس استقلال کے ساتھ آپ لوگوں کے طوفان بے تمیزی کے مظاہرہ کو برداشت کر رہی ہیں! آخر یہ تو بتائیے کہ پردہ اور برقع میں رہ کر کوئی رکاوٹ تعلیم کے راستے میں پیش آ رہی ہے؟ —— اور برقع میں رہ کر انھیں میں سے ایک نے بی۔اے فرسٹ ڈویژن میں کیا اور گولڈ میڈل پایا۔ اگر برقع تعلیم میں حارج ہوتا تو پھر انکو فرسٹ ڈویژن کیسے مل گیا؟ کاش ہم طلبہ اپنی بہنوں سے ہمت اور خودداری کا سبق لیں اور انگریزی تعلیم کی خاطر کم از کم اپنی وضع ملی اور شعائر دینی کو نہ چھوڑ بیٹھیں!

تمسخر اور مضحکہ کے طوفان بے تمیزی نے غیرت پسند روحوں کو ... اور الحمد للہ کہ آخر میں ہار سب کو ماننی پڑی۔ اب سب ان بہنوں کی وقعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ان بیچاریوں کو اسکا کریڈٹ دینا پڑے گا کہ پردہ میں رہ کر بھی پڑھ رہی ہیں۔ ہم سے تو کہیں اچھی یہ ہیں۔

بڑی خوشی ہوتی ہے کہ تجدد اور حریت نسواں کے اس دور میں بھی ایسی اللہ کی بندیاں موجود ہیں اور تجدد کے اس زبردست قلعہ میں کوئی نشانی تو اسلامیت کی نظر آ گئی!

رسائل

بقیہ صدق ...

(۴) ادب لطیف۔ سالنامہ۔ ایڈیٹر احمد ندیم قاسمی اور چودھری برکت علی صاحبان۔ ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: مکتبۂ اردو، لاہور

رسالہ "نئے ادب" کا ترجمان ہے۔ سالنامہ "مقالات"، "منظومات" اور "افسانے" تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ نسبۃً سنجیدہ ترین ہے۔ اثر لکھنوی کا مضمون "انتخاب الانتخاب" اچھے ہیں۔ سالک صاحب کا مضمون "اخباری زبان" اور دوسرے مضامین بھی ہیں۔ احتشام صاحب اور سعادت حسن منٹو صاحب کے مضامین انکے نقطۂ نظر کی توضیح کے اعتبار سے مفید ہیں۔

منظومات کا حصہ بھی غنیمت ہے۔ ۲۵-۲۰ نظموں میں سے دو چار ہوں اچھی کہے جانے کے قابل ہیں۔ دو چار ایسے بھی جو اپنے متن کے ساتھ ایک مستقل شرح کی محتاج۔ فرداً فرداً دیکھیے تو ہر لفظ اردو۔ لیکن شعر بحیثیت مجموعی اردو نہیں کسی اور زبان میں۔

رسالہ کا بدترین حصہ افسانوں کا حصہ ہے۔ "بارہ گھنٹے" میں کھلم کھلا حرام کاری کی دعوت و ترغیب ہے، اور "بو" ... عیاشی ... ادب لطیف سے کہیں زیادہ ادب کثیف کے تحت میں آتے ہیں۔ ... کے احساس ذمہ داری پر تعجب ہے کہ انھوں نے ایسے افسانوں کو خصوصاً "بارہ گھنٹے" کی اشاعت ہی اپنے رسالہ میں کیسے گوارا کی۔ اس فن کے جوابات کرا کر حذف کر دیا جائے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاآباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:-
محمد عبدالروف عباسی مہتمم صدق
مرشدآباد پیلس، گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳
بیرون ہند سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ار

صدق

نمبر ۴	دوشنبہ - ۲۸ - جمادی الاول سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ مئی سنہ ۱۹۴۴ء	جلد ۱۰

تجدد میں قدامت!

"یہ کانفرنس اس بات پر پوری طرح آمادہ ہے کہ ملک کی تمام انجمنیں مزدوروں کے ساتھ مل کر ایسی کوشش کریں کہ مزدور عورتوں کو زچگی کی نازک حالت میں انکو کام سے الگ کرنے کے بجائے پوری تنخواہ کے ساتھ رخصت دی جائے۔ اور رہنے کے لیے جگہ ایسی دی جائے جس میں پانی کا انتظام اور نہانے کی جگہ وغیرہ الگ ہو۔ اور زیادہ دیر کام کرنے والی عورتوں کے لیے ایسے اسٹول بنائے جائیں کہ وہ اس پر بیٹھ کر کام کر سکیں۔"

یہ آل انڈیا ویمنس کانفرنس نے اسی اپریل میں بمبئی میں اپنے سالانہ اجلاس میں اپنی ۲۴ تجویزوں کے سلسلہ میں نمبر۱۴ یا ۱۵ پر پاس کیا۔ اور جیسا کہ ایک ہندو خاتون نے لکھنؤ کے انگریزی ہفت روزہ ہندوستان میں لکھا ہے، بہت ہی جوش وخروش کے ساتھ مرہٹی، انگریزی، گجراتی، ہندوستانی، سب زبانوں میں تقریروں کے بعد! —— گویا ایک طرف دعوے زور وشور کے ساتھ، مرد کے ساتھ مساوات کاملہ کا ہے عورت کو بالکل مرد بنا دینے کا ہے، اور دوسری طرف اسی بلند آہنگی سے اعتراف زچگی کی نازک حالت کا اور دوسرے صنفی امتیازات اور مخصوص صنفی حالات کا ہے، گویا عورت 'دوڑ' میں مرد کے ساتھ ہی دوڑیگی، جیتنے کا انعام پورا وصول کرنا چاہیگی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی پکارتی جائیگی کہ یہ مرد کیسے ظالم و بد ذات ہیں، میری مریض اور کمزور ٹانگوں کا ذرا لحاظ نہیں کرتے، میری وجہ سے راستے میں رُک نہیں جاتے! —— زنانی منطق کا یہ ہو اور کامل نمونہ!

لیکن یہ دو منزلہ کانفرنس کو آخر سوجھی کیا، کہ اتنی "روشن خیالی" کے باوجود عورت کے لیے "زچگی کی نازک حالت" کا اعتراف! تجدد میں

قدامت کا پیوند!

بمبئی کی بپتا!

"فلاں گلی میں طلائی اور جڑاؤ زیوروں کا ایک پورا صندوقچہ محفوظ حالت میں ملا۔ پولیس مالک کی تلاش کر رہی ہے۔"

"فلاں مقام پر ملبہ کے نیچے سے کئی سو ہیرے برآمد ہوئے۔"

"ایک جگہ ملبہ کے نیچے ۵۰ ہزار کے نوٹ ملے ہیں۔ مالک کا ابھی تک پتہ نہیں لگا ہے۔"

یہ بمبئی کے اخباروں کے چند عنوان ہیں، ۱۴، اپریل کے نمونۂ قیامتِ صغریٰ کے بعد۔ نوٹوں کے بنڈلوں، ہیرے جواہرات کے صندوقچوں، طلائی اور جڑاؤ زیوروں کے انبار کی حقیقت آپ نے دیکھ لی؟ مرتے، جلتے، کچلتے، دبتے، پٹتے ہوئے انسانوں میں سے کسی کے یہ کچھ بھی کام آسکے؟ آخرت کا ذکر نہیں، اسی دنیا میں ان قیمتی چیزوں کی قیمت آپ کی نظر کے سامنے آگئی؟ انھیں کی خاطر آدمی اپنا ایمان بیچتا پھرتا، اور انھیں کے پیچھے لگ کر آخرت کو، موت کو، خدا کو بھولا رہتا ہے! بوستان سعدیؒ کی ایک حکایت کا پہلا شعر ہے ؎

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق!

انسان کی بے بسی اور بیچارگی کی ذہنیت صرف شہر دمشق، اور جذبۂ عشق ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ناعقل، خود فراموش، خدا فراموش انسان! تجھے جھنجھوڑنے کے لیے تو یہ جھٹکے بھی بہت ہلکے ہیں!

تجدد کی پسپائی

"روس میں مخلوط تعلیم" کا دستور تھا۔

یعنی لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پاتی تھیں، مگر اب لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ حال میں روس نے یہ طریقہ ترک کر دیا ہے۔ روس کے ماہر تعلیم پروفیسر شوزمر نے اسکی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی کچھ خصوصیات ہیں جو معاشرتی لحاظ سے بڑی قیمت رکھتی ہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ ساتھ تعلیم پانے میں ایک دوسرے پر حاوی ہو جاتی ہیں۔" (کانفرنس گزٹ، علیگڈھ)

روس لاکھ ملحد و زندیق ہو، بہرحال دیکھنے والی آنکھ سوچنے والا دماغ محسوس کرنے والا دل رکھتا ہے۔ سخت تجربوں سے کچھ تو اس نے فائدہ اٹھایا! اتنی ٹھوکریں کھالینے کے بعد آخر تو اسکی آنکھیں کھلیں! ہندوستان کا روس زدہ طبقہ بیچارہ تو آنکھ اور دماغ اور دل سے محروم، صرف کان ہی کان اور حلق ہی حلق رکھتا ہے۔ اسکے پاس تو واحد دلیل اب تک روس کی تقلید رہی ہے۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ یہ سہارا کون سی شکل اختیار کرتا ہے!

آخری نمبر پر!

"نئا نداز منڈپ میں ہزاروں عورتیں جمع تھیں۔ ... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عورتوں کا ایک زبردست سمندر موجیں مار رہا ہے۔ کانفرنس کا کام قریب ۹ دن تک جاری رہا، جسمیں ۲۴ تجویزیں ملک کے فائدے کے لیے پاس ہوئیں، خاص کر عورتوں اور بچوں کے لیے۔" (رہبر۔ بمبئی)

لیکن اس نئا نداز منڈپ کے اندر ہزاہا پڑھی لکھی عورتوں کی پاس کی ہوئی ایک تجویز بھی عورتوں کی اصلاح کے متعلق تھی؟ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں، جو ننگ نسائیت عورتیں، ہندوستان کے چھوٹے بڑے تمام شہروں میں اپنے جسموں کو کرایہ پر چلا رہی ہیں، اپنی عزت، عفت کو پیسوں کے عوض میں، کھلے بندوں فروخت کر رہی ہیں، کوئی آواز اس سے متعلق بلند ہوئی؟ "کوئی تدبیر انکی اصلاح اور زیافت سے متعلق سوچی گئی؟ گویا یہ ضرورت روشن خیالوں کی اس کانفرنس میں پہلے اور دوسرے نمبر پر تو کیا، چوبیسویں اور آخری نمبر پر بھی جگہ نہ پا سکی! لپ اسٹک، کیوٹکس، وغیرہ کی بلا جو ملک پر وبا کی صورت میں نازل ہوئی ہے، اور لکھوکھا روپیہ دیس سے یورپ اور امریکہ کو پہونچاتی رہتی ہے، کیا یہ قابل غور مستحق احتجاج نہ تھی؟— یا سارا زور نصاحت و خطابت، تعزیت و تہنیت کے رزولیوشنوں کے بعد، صرف مردوں پر ملامت و نکتہ چینی ہی پر صرف ہوتا رہا، اور ہوتا رہے گا؟

بدنام قانون طلاق

"الہ آباد - ۱۱ - جنوری - آج ہائیکورٹ میں مسٹر جسٹس بلشن کی عدالت میں مسز ..... آئی سی ایس کلکٹر ..... کا دعوائے طلاق اپنی بیوی کے لیے پیش ہوا - ملزم مسٹر ... آئی سی ایس کلکٹر تھے - مدعی نے کہا کہ "میری شادی اگست ۱۹۲۶ء میں سکاٹلینڈ میں ہوئی - دسمبر ۱۹۳۲ء تک تعلقات اچھے رہے - اسکے بعد ادھر میں اسپتال گیا، ادھر ملزم کی آمد و رفت میرے ہاں شروع ہوئی اور میری بیوی مجھ سے چھن گئی - اگست ۱۹۳۳ء میں وہ مجھے چھوڑ کر چل دی - اور مسوری، نینی تال، الہ آباد، دہلی وغیرہ مختلف مقامات میں ملزم کی آشنا کی حیثیت سے رہی - اب اسکی تفریق مجھ سے کرا دی جائے - میں مختلف ہوٹلوں کے رجسٹر پیش ہوئے، اور شہادتیں ملازموں کی گزریں - عدالت نے درخواست منظور کرکے طلاق دلوا دی -

(خلاصۂ حالات - ایسوشی ایٹڈ پریس)

ہائیکورٹ کے فیصلہ کے بعد، مشہدہ کا عنوان بغیر قانونی مواخذہ کے خوف کے "حرام کار آئی سی ایس" دیا جا سکتا تھا - لیکن مقصود شخصی تعریض کسی درجہ میں بھی نہیں - نتیجے صرف عمومی نکالنے ہیں - تاثرات حسب ذیل بہرحال ایک ذہن سلیم قبول کرتا ہے :-

(۱) شیطانی ترغیبات، یہاں تک کہ حرام کاری جیسی گندگی کے آگے نہ دنیا کا اونچے سے اونچا معزز عہدہ (کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہونا) کام آتا ہے، نہ اونچا سا اونچا امتحان (آئی سی ایس ہونا) - نہ مبادی عہدہ کی غیرت روک تھام کر سکتی ہے - کوئی ہنگامی و اتفاقی جوش بہیمیت نہیں، مہینوں اور برسوں سیہ کاری کا سلسلہ قائم رہتا ہے ——— تقوے اور خوف خدا کی قدر اب جا کر ہوئی -

(۲) بے پردگی، بے حجابی، آزادی کے ساتھ نامحرموں سے میل جول ہی ان تباہ کاریوں کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے - نظر پر، گفتگو پر، ہر ملن محرک پر پہرہ اگر شروع سے قائم رہے، تو اس انجام تک پہونچنے کی نوبت ہی کیوں آئے ——— اسلامی قانون حجاب کی نگاہ دوربی کے معنی اب روشن ہوئے -

(۳) زن و شوہر ایک دوسرے سے بیزار ہو چکے - پھر بھی مسیحی اور فرنگی قانون میں مخلصی کی کوئی سبیل نہیں - شوہر از خود کسی حال میں طلاق دے ہی نہیں سکتا - لازمی ہے کہ پہلے مدتوں خون کے گھونٹ پیتا رہے، جب حرام کاری - قانونی شہادتیں جمع کر لے، اسوقت عدالت میں درخواست دے - عدالتی پیروی کے بعد جب کہیں جا کر ممکن ہے (لازمی اسوقت بھی نہیں) کہ تفریق کا حکم حاصل کرنے میں کامیاب ہو! ——— آہ! اسلام کا بدنام قانون طلاق!

چند اعداد

کلکتہ یونیورسٹی سے متعلق اعداد ذیل معاصر نوائے وقت (لاہور) نے شائع کیے ہیں :-

	غیر مسلم	مسلم	کل
یونیورسٹی کے پروفیسر اور لکچرر	۲۳۰	۱۵	۲۴۵
شعبہ اسلامیات اور اسلامی تاریخ کے پروفیسر اور لکچرر	۳	۴	۷
یونیورسٹی کے دوسرے افسر ۱۰۰ روپیہ سے زیادہ تنخواہ پانیوالے	۱۳۳	×	۱۳۳
یونیورسٹی کے دوسرے افسر	۱۱	×	۱۱
سو روپیہ سے کم مشاہرہ پانیوالے	۱۵۰	۶	۱۵۶
یونیورسٹی پریس کے ملازم	۸۳	۶	۸۹

اعداد خاموش کی گویائی کے بعد لفظ و عبارت کا کوئی تبصرہ یقیناً لاحاصل ہے!

(بقیہ نوٹ بر صفحہ ۷)

مسئلۂ غلامی

مشہور قومی کارکن عبدالوحید خاں صاحب بی اے ال ال بی کا مکتوب اس مسئلہ پر عرصہ ہوا موصول ہوا تھا - جواب کے لیے ایک ندوی فاضل مولوی محمد اویس صاحب نگرامی (رفیق دار المصنفین) کے پاس بھیج دیا گیا تھا اور جواب دونوں درج ذیل ہیں۔ مدیر کے معروضات آخر میں ملیں گے۔

کرمی و محترمی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قرآن کریم میں جنگی قیدیوں کے متعلق جو حکم ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ انکو فدیہ لیکر یا احسان رکھکر چھوڑ دیا جائے - انکو غلام یا کنیز بنا کر سوسائٹی کے افراد یا لشکریوں میں تقسیم کرنے اور انکو پالنے والوں کی ملک بنانے کا کہیں ذکر نہیں ہے - جہاں تک پہلے غلاموں کو آزاد کرنے کا تعلق ہے اسلام نے اسکے لیے ایک تدریجی راستہ اختیار کیا نئی غلامی کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنا لیا جاتا لیکن اگر اس راستہ کو قائم رکھا جاتا تو غلامی کبھی بھی بند نہ ہو سکتی تھی کیونکہ جنگ اور جہاد تو ہر وقت ہوتے رہتے ہیں اور ایسی شکل میں جنگی قیدیوں کا مسلمانوں کے قبضہ میں برابر آتے رہنا ضروری ہے اسی لیے قرآن کریم نے سورہ محمد کی آیات مذکورہ بالا سے اس راستہ کو بھی بند کر دیا لیکن اسکے باوجود بھی صدیوں تک غلامی جاری رہی۔ سلاطین اور امرا کے حرم کنیزوں اور دربار غلاموں سے کیسے بھرے - یہ رسم پھر کس طرح جاری رہی؟ آج بھی علماء کا ایک اچھا خاصہ گروہ اس بات کا قائل ہے کہ غلام اور کنیز آج بھی ہو سکتے ہیں اگر وہ کسی جہاد میں ہاتھ آ جائیں - میں نے اس موضوع پر اب تک جو کچھ پڑھا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ آئندہ کے لیے اسلام نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا ہے - سعید احمد صاحب نے جو کتاب "الرق فی الاسلام" تصنیف کی ہے وہ بھی اس مسئلہ پر تسلی بخش روشنی نہیں ڈالتی - کیا آپ پورے مسئلہ پر نہ سہی صرف جنگی قیدیوں کے مرتبہ و حیثیت پر روشنی ڈال کر میری رہنمائی کر سکتے ہیں۔

میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جنگی قیدیوں کو افراد کی ملک بنایا جا سکتا ہے یا نہیں، اور وہ ان غلاموں کو جنہیں تجارت بنا کر فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ساتھ ہی "او ما ملکت ایمانکم" پر بھی روشنی ڈالیے گا کیا آپ کی رائے میں چار بیویوں کے علاوہ ایک لامحدود تعداد کنیزوں کی رکھی جا سکتی ہے؟ اگر اسکا جواب مجھے جلد مل جائے تو بہت ممنون ہونگا - کیونکہ آجکل اس موضوع پر میں کچھ لکھ رہا ہوں - فقط - والسلام

جواب

کلام مجید سے استنباط مسائل کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کے متعلق بحث و استنباط مقصود ہو اس موضوع سے متعلق تمام آیات پیش نظر ہوں - نیز یہ کہ استنباط کے تمام طرق بھی سامنے ہوں اور ان آیات سے متعلق قول و عمل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اقوال و اعمال صحابہ کرام سے بھی واقفیت ہو - عموماً انھیں شرائط کے فقدان کے باعث غلط فہمی اور خبط مسائل کی صورتیں پیش آتی ہیں۔

استفسار بالا میں مستفسر کو انھیں وجوہ سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے متعلق صرف یہ حکم ہے کہ انکو فدیہ لیکر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے" - حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے - جیسا کہ انشاء اللہ آگے معلوم ہوگا۔

غلامی اور تسری کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے - اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر حیرت ہے کہ ابھی تک شکوک و شبہات کا سیلاب امنڈتا چلا آتا ہے اور بعض مغرب زدہ حلقوں سے اس مسئلہ کے انکار کی جو صدا اٹھی تھی اسکی بازگشت ابھی باقی ہے!

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید سے اسیران جنگ کے متعلق حسب ذیل احکام کا ثبوت ملتا ہے (۱) استرقاق یعنی (۲) قتل (۳) من (۴) فداء - شریعت نے امام کو اختیار دیا ہے کہ وقتی اور مقامی حالات اور مسلمانوں کی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے جو صورت بھی مناسب ہو وہ اختیار کرے!

لوگ عموماً استرقاق کے بارے میں ان آیات پر غور کرتے ہیں جن میں اسیران جنگ کے متعلق دوسرے احکام بتائے گئے ہیں - حالانکہ اسکا تعلق آیت غنیمت سے ہے! ارشاد ہوا

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ (انفال)	اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت میں ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خمس نکالنے کے بعد غنیمت میں غانمین کا حق متعلق ہو جاتا ہے!

غنیمت میں جو چیزیں ہاتھ آتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں (۱) مال و متاع (۲) زمین (۳) آدمی - (بدائع ج ۷ ص ۶)

قاضی ابویعلیٰ حنبلی نے احکام السلطانیہ ص۱۲۵ اور ماوردی نے احکام السلطانیہ ص۱۶۱ میں بجائے تین کے چار قسمیں بتائی ہیں لیکن یہ چوتھی قسم اوپر کی تین قسموں سے الگ نہیں ہے بلکہ انھیں تینوں قسموں میں سے ایک قسم کی تشریح و تفصیل کے سلسلہ میں انھوں نے ایک قسم کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے!

اصطلاح میں تقسیم غنیمت کے بعد جو مال جسکے حصہ میں پڑیگا وہ اسکی ملک ہوگا - اس تقسیم میں اسیران جنگ بھی ہونگے وہ جنکو دیے جائینگے انکے مملوک ہو جائینگے - یہ اصل ہے جواز استرقاق کی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل اس پر شاہد ہے حافظ ابن قیم زاد المعاد (ج ۲ ص ۲۸۵ مطبع نظامی کانپور) میں لکھتے ہیں کہ اسیران جنگ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ حسب مصلحت کبھی ان پر منت فرماتے بعض کو قتل کیا جاتا بعض سے

ــــــ غلام بنانا۔

فدیہ لیا جاتا اور بعض مسلمانوں کے قیدی ہوتے! مستدرک میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا صفی رسول اللہ میں سے تھیں (ج ۲ صفحہ ۱۲۸) صفی رسول اللہ غنیمت کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو حضور کے لیے الگ کرلیا جاتا تھا (۱)

عام اہل علم نے بھی جواز استرقاق کی بنیاد غنیمت ہی پر رکھی ہے

امام ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں کہ امام اگر چاہے تو تمام اسیران جنگ کو غلام بنالے اور خمس کے بعد انکو تقسیم کردے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کو فاتحانہ صورت میں حاصل ہوئے ہیں اس لیے غنیمت ہیں (بدائع ج ۷ صفحہ ۱۱۹) علامہ ابو حیان اندلسی نے بحر المحیط میں غنیمت کے متعلق امام شافعیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ چاہے تو ان اسیران جنگ پر من کرے یا قتل کرے یا انکو غلام بنالے۔ اگر امام انکو غلام بنائیگا تو انکا حکم غنیمت کا ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں الامام فیہم مخیر بین ان یمن او یقتل او یسبی ومن سبی منہم فسبیلہ سبیل الغنیمۃ (بحر المحیط ج ۴ صفحہ ۴۹۵)

اسیران جنگ کے متعلق دوسرا حکم قتل کا ہے۔ یہ اسوقت ہے جبکہ مخالف بار بار نقض عہد کرتا ہو۔ ایسی حالت میں اگر ان پر قابو مل جائے تو انکو قتل کردینا چاہیے یا ایسی سزا دینا چاہیے جو دوسروں کے لیے وجہ عبرت ہو۔ ارشاد ہوا

الذین عاہدت منہم ثم ینقضون عہدہم فی کل مرۃ وہم لا یتقون فاما تثقفنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم لعلہم یذکرون (انفال)	جن سے تونے معاہدہ کیا ہے اُن میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔ سو اگر کبھی تو پاوے اُنکو لڑائی میں تو اُنکو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں اُنکے پچھلے تاکہ اُنکو عبرت ہو۔

غلط فہمی نہ ہو اور اس آیت کو عین میدان جنگ سے متعلق نہ سمجھ لیا جائے۔ محققین کی تصریح ہے کہ یہ حکم کفار پر قابو پالینے کے بعد کا ہے۔ (ابن جریر۔ ج ۱۰ صفحہ ۱۹)

الغرض اگر حالات کا تقاضا ہو کہ اسیران جنگ قتل کردیے جائیں تو اُسکا ماخذ یہی آیت ہے (دیکھو مقدمات ابن رشد مع المدونہ ج اول صفحہ ۲۹۲) اسیران جنگ کے متعلق تیسرا اور چوتھا حکم من وفدا کا ہے۔ اسکا ماخذ سورہ محمد کی یہ آیت ہے

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموہم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارہا (محمد)	سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کرچکو انکو تو مضبوط باندھ لو قید۔ پھر یا احسان رکھو یا معاوضہ لیجیو جبتک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار

(۱) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جب وہ خیبر کی غنیمت کے سلسلہ میں حضور کے پاس پہونچیں تو حضورؐ نے حضرت صفیہ کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہوکر اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کریں۔ انھوں نے دوسری صورت پسند فرمائی (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۳۸)

اسی آیت کے متعلق عموماً لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور لوگوں نے سمجھا ہے کہ اسیران جنگ کے متعلق صرف دو ہی حکم ہیں، یعنی اُن پر احسان کرکے یا فدیہ لے کر انکو چھوڑدیا جائے۔ حالانکہ سمجھنے کی بات تھی کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور من و فداء کی اجازت ہر موقع کے لیے نہیں بلکہ مخصوص حالات میں ہے اور یہ قیدیں خود اس آیت کے اندر موجود ہیں۔

امام شوکانی فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت حسن اور عطاء سے روایت ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ آیت کا مفہوم یوں ہے کہ کفار کی گردنیں ماری جائیں یہاں تک کہ جنگ کا خاتمہ ہوجائے پس جب تم انپر قابو پالو تو انکو مضبوط باندھ لو۔ (ج ۵ صفحہ ۲۹)

مطلب یہ ہوا کہ جب جنگ میں مسلمان بالکل غالب آجائیں مخالفین کی شوکت ختم ہوجائے دوبارہ فتنہ و فساد کا اندیشہ باقی نہ رہے تو انکو گرفتار کرلینا چاہیے اور گرفتار کرلینے کے بعد امام کو اختیار ہے کہ من و فداء میں سے جو صورت مناسب معلوم ہوجائے اسکو اختیار کرے۔ لیکن اگر یہ صورت حال یہ نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ مسلمانوں کو فتح تو ہوگئی ہے مگر ابھی مخالف کی قوت کا خاتمہ نہیں ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ دوبارہ فتنہ و فساد برپا ہوگا تو کیا اسوقت بھی اس آیت سے من و فداء کا حکم نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ جب اس آیت کی شرائط پوری ہونگی تو اسکا حکم بھی نہ جاری ہوگا اور اسوقت بجائے من و فداء کے قتل و استرقاق میں سے جو صورت مناسب ہوگی وہ اختیار کی جائیگی۔ یہی مطلب ہے تفسیر ابی سعود کی اس عبارت کا

والمعنی انہم یقتلون ویوسرون حتی یضع جنس الحرب اوزارہا بان لا یبقی للمشرکین شوکۃ (ج ۵ صفحہ ۹۲)	مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قتل کیے جائیں اور قید کیے جائیں یہاں تک کہ لڑائی کا خاتمہ ہوجائے بایں طور کہ مشرکین کی شوکت باقی نہ رہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر یہ بھی عرض کردیا جائے کہ سورہ محمد کی آیت "من" کے متعلق بعض اہل علم کی رائے ہے کہ من کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ان اسیران جنگ کو بجائے اسکے کہ قتل کیا جائے، اُنکو زندہ رکھا جائے اور غلام بنالیا جائے یا یوں احسان کیا جائے کہ اُنکو زندہ چھوڑدیا جائے اور ان سے جزیہ وغیرہ قبول کرلیا جائے۔ (ملاحظہ ہو بحر المحیط ج ۸ صفحہ ۷۵۔ تفسیرات احمدیہ تفسیر سورہ محمد)

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد انشاء اللہ مسئلہ استرقاق سے متعلق اکثر و بیشتر شبہات زائل ہوجائینگے اور آیات قرآنی نیز اقوال سلف ایک سلک میں منسلک نظر آئینگے! واللعلم عند اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

صدق۔ یہاں دو باتیں بطور ضروری مقدمہ کے ذہن نشین کرلی جائیں، اسکے بعد نفس مسئلہ پر گفتگو آسان ہوجائیگی۔

(۱) بعض انگریزی الفاظ اور اُنکے چلے ہوئے اور مشہور و متداول اردو یا عربی ترجموں کے درمیان **دلالتوں** کے لحاظ سے مطابقت

ہرگز ضروری نہیں، بلکہ بعض اوقات تو دونوں لفظ، بظاہر ایک دوسرے کے ترجمہ، بلحاظ مفہوم و مدلول ایک دوسرے سے زمین و آسمان کی نسبت رکھتے ہیں۔

انگریزی کے نہایت تنگ و محدود مفہوم لفظ GOD (گاڈ) کو اور اُردو کے "اللہ" کی وسعتوں سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ انگریزی کے PROPHET (پرونٹ) میں تخیل صرف خبر دینے والے، غیب داں، یا پیشگوئی کرنے والے کا ہے، بہ خلاف "نبی" کے جس میں تقدس، خدارسی، تقرب، کے پورے اوصاف موجود ہیں۔ انگریزی کے SKY اور HEAVEN دونوں عربی کے "سما" کی وسعتوں کے ادا کرنے کے لیے بالکل ہی ناکافی ہیں۔ انگریزی کے SUBJECT (اصطلاح سیاسیات) میں پورا تخیل پامالی، شکستگی، ذلت کا ہے۔ بخلاف اسکے "رعایا" یا "رعیت" کے مفہوم ہی میں شفقت، ہمدردی، یگانگت، ربوبیت کے عنصر شامل ہیں — مثالیں کہاں تک گنائی جائیں۔

اسی قبیل کا ایک شدید مغالطہ آمیز لفظ انگریزی کا SLAVERY ہے۔ ایک دوسرے لفظ POLYGAMY کی طرح، یہ زباں پر آتے ہی وہ داغ ذہن پر جبر و تشدد، شقاوت، سنگدلی کا جو ذلیل یادوں ساتھ لاتا ہے، حاشا کہ اسلامی اصطلاحات "ملکیت ایمانکم" یا "ارقا" کو اس سے کوئی مناسبت بھی نہیں۔ لیکن اب اسے کیا کیجیے کہ ادھر لفظ "غلامی" کا تلفظ ہوا، اور اُدھر وہ سارے تصورات بھی آگئے جو واقعہ اور تاریخ اور لغت کی بنا پر صرف SLAVERY کے ساتھ وابستہ رہتے تھے! SLAVE کے معنی یہ تھے کہ ایک انسان جو کسی طرح بھی، چوری سے، دھوکے سے، ڈاکے سے، دوسرے انسان کے قبضہ میں آجائے وہ اُس کی جائداد بن جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی جائداد کے بارے میں مالک جائداد مطلق الاختیار ہوتا ہے، وہ اپنی جائداد کے ساتھ جو چاہے کرے، یہاں تک کہ اگر چاہے تو اُسے ضائع کر دے۔ چنانچہ مشرک و جاہلی قوموں میں ایسے ہی مطلق اور بے قید اختیارات مالک کو غلام پر حاصل رہتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض قوموں میں غلام کی جان بھی تمامتر مالک کے ہاتھ میں تھی۔

اسلام کے "غلام" کو اس سارے تخیل سے بھلا کیا نسبت ہے؟ لفظ بے شک مشترک ہے، لیکن آگے؟ بہ لحاظ حقائق اول تو

(۱) غلام ہر طرح نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ لے دے کے جائز شکل صرف حالتِ جنگ کی رکھی۔ پھر جنگ بھی ہر جنگ نہیں، وہ شخص دوسرے مذہب کا ہو، اور اس درجہ معاند اسلام ہو کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے، یعنی انھیں قتل کرنے، انکی بیویوں کو بیوہ اور انکے بچوں کو یتیم بنانے کو آیا ہو۔ اور آخر تک لڑتا رہے، یا بھاگتا ہوا پکڑا جائے۔

(۲) ایسا موذی اور قاتل دشمن بھی جب ہاتھ لگے تو لازم نہیں کہ قتل ہی کر ڈالا جائے۔ بلکہ امام یا امیر حسب مصلحت اُسے کسی مسلمان کے حوالہ کر دیگا، جو اپنی جان کو پوری طرح خطرے میں ڈال کر میدانِ جنگ میں آیا ہے۔ اب یہ مسلمان مجاز، اُسکا مالک ہوگا۔ یعنی اُس سے اپنا کام کاج کرائیگا، اور جب دیکھے گا کہ اُس سے نباہ نہیں ہوتا، تو اسے کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دیگا، لیکن ساتھ ہی

(الف) اُس سے کام اُسکی وسعت و طاقت سے زیادہ ہرگز نہ لیگا۔

(ب) اسکی جان پر کوئی اختیار اسے نہ ہوگا۔

(ج) جبراً اُس سے تبدیل مذہب تک نہ کرائیگا۔

(د) اُسکی بشری ضروریات کا پورا خیال رکھیگا۔ جو خود کھائے گا اُسے کھلائیگا، جو خود پہنے گا، اُسے پہنائیگا۔

(ہ) اُس پر کسی معاملہ میں بھی اگر بیجا سختی کریگا، تو اللہ کے ہاں جوابدہ اور مواخذہ دار ہوگا۔ ان حالات کے بعد یہ "غلامی" رہی یا ایک اجنبی اور غیر اور سابق دشمن کو اپنے اندر جذب کر لینا، اپنے خاندان کا ایک جزو بنا لینا ہوا؟ —— جیسا کہ آج بھی بعض نیک نیت یتیم خانوں اور محتاج خانوں سے یتیموں اور محتاجوں کو اپنے گھر پرورش اور کام کاج کے لیے لے آتے ہیں۔

(۲) مقدمہ کی پہلی بات یہ ہوئی، دوسری بات یہ کہ قرآن مجید سے مسائل کے استنباط کے لیے محض ایک آیت کا مطالعہ کافی نہیں۔ بعض اوقات دوسری آیتوں میں صراحت اُس سے کہیں زائد، بلکہ کبھی کبھی بظاہر اسکے برعکس بھی مل جاتی ہے، اور صراحت نہ بھی ملے، جب بھی کوئی اشارہ، کنایہ، تضمن، غرض دلالت خفی کا کوئی نہ کوئی پہلو اور نکل آتا ہے۔ اسی لیے سارے قرآن کا مطالعہ بھی محض سطحی، و سرسری کافی نہیں۔ تحقیق استنباطات کے لیے بڑی گہری اور باریک بین نظر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ملکہ باقاعدہ مطالعہ کی کہیں ایک طویل مدت اور تقوے کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

خود اسی سورۂ محمدؐ کی آیت میں تصریح صرف اس قدر ہے کہ

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب	جب تم ملو کافروں سے تو (انکی) گردنیں مار چلو۔

اب اگر کوئی ظاہر لفظ کو پکڑ لے، تو لامحالہ اُسے یہ ماننا پڑیگا کہ کوئی مسلمان جب کبھی، جہاں کہیں، جس کسی کافر کو جس حال میں دیکھ پائے، بس وہیں حملہ کر بیٹھے۔ حالانکہ اس قدر اطلاق کے معنی بداہتہً غلط ہیں، اور مفہوم میں قیدیں طرح طرح کی (حالت جنگ کی، اعلان جنگ کے بعد کی، وغیرہ) لگانا پڑینگی۔ یہ محض ایک مثال ہے اس حقیقت کی کہ صحیح نتیجے تک پہونچنے کے لیے محض سرسری مطالعہ کافی نہیں۔

ان مقدمات کے ذہن نشیں ہو جانے کے بعد اب نفس مسئلہ آئیے۔ سلاطین و امراء کے درباروں کے غلاموں سے اور حرم سراؤں کی کنیزوں سے بھر نسم رہنے کی بحث بالکل علٰحدہ ہے۔ ان غیر معصوموں کی جماعت میں تو ظاہر ہے کہ اچھے، بُرے، درمیانی سب ہی قسم کے لوگ، صدہا سال کی مدت میں ہوئے ہیں۔ کسی کے تعامل کا نفس مسئلہ پر کیا اثر۔ افراد امت نے تو تعدد ازدواج، طلاق وغیرہ کتنے ہی مسئلوں کے نفس جواز سے خدا ہی بہتر جانتا ہے کن کن حدود تک فائدہ اٹھائے ہیں

مسئلہ پر اثر انداز تعامل صرف نبی معصوم کا ہو سکتا ہے، یا پھر انکے بعد کسی درجے میں نبی معصوم کے براہِ راست شاگردوں اور صحبت یافتوں کا - اور ان حضرات کے ایک طرف تعامل اور دوسری طرف الفاظ و اقوال دونوں سے ہر ایسے شخص پر، جسے کسی خاص مسلک کی پاسداری نہیں، بلکہ نفس حقیقت کی تلاش ہے، ظاہر ہے کہ نبی و شاگردانِ نبی نے غلامی کو جائز سمجھا ہے —— جائز جملہ ان سے یاد رکھیے، "اسلامی" غلامی کو، اسلامی معاشرہ کے اندر باہر والوں کے جذب کر لینے کو، نہ کہ جاہلی SLAVERY کو

یہ بالکل صحیح ہے کہ جوازِ استرقاق پر کوئی صراحت قرآن مجید کے اندر نہیں ملتی - لیکن یہ بھی اسی قدر صحیح ہے کہ کوئی ممانعت بھی قرآن میں نہیں ملتی - اس صورت میں شارع یا نبی معصوم کے فہم پر اعتماد کرنا لازمی ہے - یقیناً کوئی دلالت ایسی مخفی ہوگی جس پر فرداً انگشت کی نظر نہیں —— ٹھیک اسی طرح جیسے صدہا قرآنی دلالتیں ہیں اگر ان پر عوام کی نظر نہیں پڑتی، صرف مجتہد یا امام فن ہی کی نظر انھیں گرفت میں لا سکی ہے - پیغمبر کے اجتہاد اور استنباط لطیف و خفی کا مرتبہ تو ہر بڑے سے بڑے مجتہد سے کہیں بڑھ کر ہے

لیکن یہاں تو اسی قدر نہیں. قرآن مجید میں نقشہ استرقاق کی برملا اور نہ سہی، لیکن ملکت ایمانکم کی صراحتیں تو ایک نہیں متعدد بار آچکی ہیں اور ملک یمین کے معنی محاورۂ عرب و اصطلاح شریعت میں غلام اور باندی ہی کے ہیں -

خص بملک العبید فی القرآن ملکت ایمانکم (راغب)	قرآنی اصطلاح میں ملکت ایمانکم سے مراد غلام کے مالک ہونے سے ہوتی ہے -

جب قرآن غلاموں اور باندیوں کا ذکر بار بار لاتا ہے، انکے متعلق احکام کا بیان بار بار کرتا ہے، تو اسکے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ رسم اسلام میں بلا شائبۂ کراہت جائز ہے —— اور یہ دوسری دلیل جوازِ استرقاق پر ہوئی - علاوہ فہم نبی معصوم اور تعامل نبی و اصحاب نبی کے -

غلامی جیسی کہ اسلام نے روا رکھی ہے، سرے سے کوئی چیز شرمانے کی ہے ہی نہیں، جو اسکے لیے دور دراز تاویلوں کی فکر کی جائے. کفر و اسلام کی جنگ جب تک جاری ہے، اہل باطل جب تک نہ اسلام قبول کرتے ہیں نہ استسلام، نہ ذمی بنتے ہیں نہ معاہد ہوتے ہیں، بلکہ الٹے اہل حق سے برسرپیکار رہتے ہیں، اور میدان جنگ میں ہزیمت کھاتے ہیں، اور رہتا جب تک تاریک و ناقابل اطمینان ہے، اسکے سوا چارہ نہیں کہ ہار کھائے ہوئے کافر یا تو قتل کر دیے جائیں یا قید کر دیے جائیں. اسلام نے تیسری اور بہترین صورت یہ بتائی کہ بجائے اسٹیٹ (خزانۂ حکومت) پر اتنے آدمیوں کا بار ڈالنے کے افراد امت انھیں آپس میں تقسیم کر لیں، اور انھیں جزو خاندان بنا کر ان انسانوں کو انسان سمجھتے رہ کر ان سے کام اور محنت لیں!

لیکن ایک صورت یہ بھی ہے کہ جنگ کے بعد کفر کی قوت و شوکت بالکل ٹوٹ جائے، کافروں کی تنظیم درہم برہم ہو جائے، آئندہ انکی طرف سے اندیشہ نہ رہے "حتی تضع الحرب اوزارها" اور مسلمان انکا زور توڑ کر انھیں خوب پکڑ دھکڑ چکیں، حتی اذا اثخنتموہم فشدوا الوثاق. تو ایسی حالت میں اسلام انھیں خواہ مخواہ گرفتار یا غلام بنائے رکھنے پر کبھی مصر نہیں - امام کو اختیار رہتا ہے کہ وہ بلا معاوضہ یا بمعاوضہ جیسی بھی مصلحت وقت ہو، ان قیدیوں کو رہا بھی کر دے، فاما منا بعد واما فداء - یہاں ذکر صرف اس صورت حال کا ہے، جب خوب اچھی طرح مار دھاڑ کر لینے کے بعد فضا صاف ہو چکے، مخالفین کا زور ٹوٹ چکے، اور کوئی قریبی خطرہ جنگ کا باقی نہ رہے --- سورۂ محمد کی آیت ٹھیک اسی موقع کے لیے ہے. اب پوری آیت مسلسل پڑھیے

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموہم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها (آیت ۴)	جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو، تو انکی گردنیں مار چلو، یہاں تک کہ جب انکا خوب کشت و خون کر چکو تو انھیں خوب مضبوط باندھ لو. پھر اب چاہے احسان کرو بعد اسکے چاہے معاوضہ لیلو یہاں تک کہ لڑائی کا زور بالکل ٹوٹ جائے

فقہائے محققین نے جو صراحت النص کے علاوہ عبارۃ النص، اشارۃ النص اقتضاء النص وغیرہ استنباط کے متعدد عقلی و فکری طریقوں اور قاعدوں کے قائل ہیں، آیت سے چار چیزیں مستنبط کی ہیں :-

(۱) امام مختار ہے چاہے قتل کرے — کلمۂ اثخنتموہم سے -
(۲) " " قید کر لے یا غلام بنا لے — فشدوا الوثاق سے.
(۳) " " بلا معاوضہ چھوڑ دے — کلمۂ منا سے (بعض حنفیہ کا یہی مسلک ہے)
(۴) " " مسلمان اسیروں کے مبادلہ میں یا معاوضہ نقد لیکر چھوڑ دے — کلمۂ فداء سے.

اور اتنا تو غیر فقیہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں ہر ممکن صورت حال کو منّ (بلا معاوضہ) و فداء (بہ معاوضہ) کے اندر حصر کر دینے کی کوئی دلیل موجود نہیں نہ ایجابی نہ سلبی - حصر کا تعلق صرف ایک خاص صورت حال سے ہے، یعنی کامل رفع فساد سے -

احکام جہاد کا اصل مقصود اور مطمح اہل باطل و اہل باطل کی قوت کا توڑ دینا ہے، اور جب ادھر سے اطمینان ہو جائے تو امام المسلمین کو خواہ مخواہ قتال کی ضرورت نہیں - اب اختیار ہے کہ وہ جو پالیسی چاہے، اختیار کرے. قتل کی ضرورت تو اس کفر کو توڑنے کے لیے ہے. چنانچہ آیۂ مذکور میں بھی حتی تضع الحرب اوزارها کا تعلق ضرب الرقاب سے ہے. درمیان کی عبارت صرف ضمنی ہے - عربی اسلوب بیان میں، تعلق ترکیبی میں اس قسم کا فصل، یا تقدیم و تاخیر، معائب کلام میں سے نہیں، حسن بیان میں داخل ہے - زمخشری جیسے ادیب نے اس ترکیب کو جائز رکھا ہے، اور بعض تابعین سے یہی ترکیب منقول ہے -

لیکن یہ ساری تفسیر و توجیہ بھی اسوقت ہے جب فاما منا سے مراد خواہ مخواہ رہائی ہی سمجھ لی جائے - حالانکہ قرآن اس تصریح سے

ساکت ہے۔ احسان کی ایک صورت جس طرح رہائی ہو سکتی ہے، اسی طرح یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ ان کی جانیں نہ لی جائیں، بلکہ جان بخشی کرکے ان کی غلامی پر کفایت کی جائے۔ اور یہ معنی لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ویجوز ان یراد بالمن ان یمن علیہم بترک القتل ویسترقوا او یمن علیہم فیخلوا لقبولہم الجزیۃ وکونہم من اہل الذمۃ	یہ بھی جائز ہے کہ من (احسان) کے یہ معنی لیے جائیں کہ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ یا تو انہیں غلام بنا لیا جائے اور یا ان سے جزیہ قبول کرکے انہیں ذمی بنا لیا جائے۔

یہ شرح زمخشری جیسے امام ادب و بلاغت کی ہے۔ اور اسی قول کو صاحب بحر المحیط وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اور یہ جو حنفیہ کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے کہ سورۂ محمد کی یہ آیت سورۂ انفال کی آیت

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض	نبی کو نہ چاہیے کہ اسکے گرد قیدیوں کا مجمع رہے۔ جبتک کہ وہ خوب خونریزی نہ کر لے۔

سے "منسوخ" ہو گئی ہے، تو اسکا مطلب صرف اسقدر ہے کہ سورۂ انفال ترتیب اختلاف سورۂ محمد سے بہت بعد کی ہے اور زمانہ نزول کے لحاظ سے قرآن کی آخر ترین سورتوں میں سے ہے اسکی آیت قدرۃً سورۂ محمد کے حکم کو محدود و مخصوص کرنے والی ہے QUALIFY کرنے والی، اسکے اطلاق و عموم پر قیدیں اور شرطیں لگانے والی، اسکا صحیح مقام متعین کرنے والی ہے۔

آخری عرض صرف اسقدر ہے کہ گفتگو یہاں محض جواز غلامی کے باب میں تھی۔ یعنی خاص حالات کے پیش آجانے پر ہمہ گیر شریعت اسلام نے طلاق، تعدد ازدواج، ازدواج صغیرہ وغیرہ کی طرح گنجائش اسکی بھی رکھی ہے۔ محض جواز و گنجائش سے کسی رسم یا دستور کی پسندیدگی یا حوصلہ افزائی ہرگز لازم نہیں آتی، بلکہ غلاموں کے آزاد کرنے پر اسلام نے جس جس طرح ترغیب دلائی ہے، اور جس کثرت سے گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ اُسے بتایا ہے اُس سے تو صاف یہی نظر آتا ہے کہ اسلام کی اصل روح دنیا کو غلاموں سے آزاد ہی دیکھنے کے حق میں ہے۔

پیام یوم اقبال

ذیل کا پیام یوم اقبال (حیدرآباد) کے موقع پر بھیجا گیا:—

"اقبال کا پیام خود شناسی کا ہے۔ خود انکی اصطلاح میں خود شناسی ہی کا دوسرا نام ہے، اور خود شناسی مقدمہ اور زینہ ہے خدا شناسی کا۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے خود کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا۔

اقبال کی خودی خدا سے دور کرنے والی نہیں، خدا تک پہونچانے والی خدا سے ملانے والی ہے۔ اقبال کی تعلیمات کو پھیلانا محض علم و ادب ہی کی خدمت نہیں عبادت ہے۔"

(بقیہ صفحہ ۸)

(۱۸) مدح صحابہؓ۔ از ادارۂ الداعی۔ ۱۴ صفحے۔ پتہ، دار المبلغین پاٹا نالہ۔ لکھنؤ۔

مدح صحابہؓ خود شیعوں کی زبان سے۔ مستند کتابوں سے نثر و نظم کے اقتباسات

(۱۹) پودوں کی کہانی از پروفیسر محمد سعید الدین۔ ۶۴ صفحے

(۲۰) طبیعاتی کائنات۔ از پروفیسر سید محمد علی خاں۔ ۶۸ صفحے قیمت درج نہیں۔ پتہ، ادارۂ ادبیات اردو۔ دفتر سب رس۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

دونوں کتابیں ماہرین فن کے قلم سے ہیں۔ ایک خاصی حد تک سلیس و عام فہم زبان میں۔ پہلی کتاب فن نباتات پر ہے اور دوسری طبیعاتی مسائل پر۔ دوسری میں انگریزی مصطلحات کی مفید فرہنگ بھی درج ہے۔

(۲۱) تذکرۂ دار العلوم از جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب ۱۲۸ صفحے۔ قیمت ؏۔ پتہ، نجیب کمپنی۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

دار العلوم (حیدرآباد دکن) ایک بڑی مشہور و قدیم درسگاہ ہے۔ یہ اسکی ۹۰ سال کی دلچسپ اور جامع تاریخ ہے۔ بہتوں کے پڑھنے کے قابل

(۲۲) مدح کوثر۔ از سہیل اعظم گڈھی۔ ۷×۱۵ صفحے۔ قیمت ۴ر پتہ، معارف پریس، اعظم گڈھ۔

سہیل کی نعتیہ نظم مع مناقب صحابہؓ۔ نظم معنی و ادب دونوں کے اعتبار سے اپنے رنگ میں بہترین ہے، لیکن عوام کے کام کی بالکل نہیں۔ شروع میں مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب کے اشارات اور حواشی کے باوجود بھی عام فہم نہیں۔

(۲۳) خانوادۂ مبشرہ۔ از جناب دنیدار جن سبو میشور صاحب۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، دھرم راج سبھا۔ خانقاہ سرور عالم۔ حیدرآباد دکن

(۲۴) ایک جامع صفات ہستی۔ از جناب مولوی قاری محمد عبید اللہ صاحب۔ ۸ صفحے۔ پتہ، جامعہ دار السلام۔ عمر آباد (صوبہ مدراس)

قاری مولوی محمد یوسف صاحب ریڈیو دہلی کے قاری کے مناقب

تصحیح صدق ۲

انتہائی ندامت ہے کہ صدق ۲ میں اغلاط طبع بکثرت رہ گئے۔ چند موٹی غلطیوں کی تصحیح حسب ذیل ہے۔ ناظرین کرام تصحیح فرمالیں

(۱) شذرہ "تقدیر و تدبیر" کی پہلی سطر میں عبارت "ایک ندوی طالبعلم کی طرف سے" کے بعد بجائے "دو" لفظ "مراسلہ" ہونا چاہیے۔

(۲) صفحہ ۲ پر رسالہ ادب لطیف کے ریویو کے سلسلہ میں آخری پیراگراف کی سطر میں "برترین" کی جگہ "بدترین" ہونا چاہیے۔

(۳) اس ریویو کی آخری سطر بالکل غلط چھپی ہے۔ صحیح عبارت یوں ہے:

"اس قسم کی لغویات کو اگر حذف کر دیا جائے تو پھر پرچہ برا نہیں"

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق، گولہ گنج

کسبِ معاش

انبیائے کرام علیہم السلام نے کوئی نہ کوئی کام کیا ہے۔ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کاشتکاری کرتے تھے۔ حضرت نوح اور حضرت زکریا علیہما السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں، تجارت کی ہے زراعت کرائی ہے۔ اکابر صحابہ بھی کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم تجارت کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مزدوری بھی کی ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط میں تصریح فرمائی ہے کہ کوئی جائز پیشہ سبب ذلت نہیں ہے اور تمام پیشے جواز میں برابر ہیں، اس لیے کسی پیشے یا پیشہ ور کو ذلیل سمجھنا خلاف شریعت ہے۔ کسی جائز پیشے کو ذلیل سمجھنا خلاف عقل بھی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ کسی پیشہ کو اسی وقت تک حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جب تک وہ معمولی درجہ پر ہو، لیکن وہی شخص اسی پیشے سے ترقی کرکے اگر متمول ہو جائے اور اسی چیز کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر کرنے لگے تو وہی لوگ جو اسے اپنی ذلیل آنکھوں سے دیکھا کرتے تھے اسکو عزت کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔

اسکے علاوہ خرید و فروخت دونوں برابر ہیں جب کسی چیز کی خریداری ذلت و عیب کا سبب نہیں ہے تو اسی چیز کی فروخت ذلت کا سبب کیسے ہو جائیگی۔ اس لیے یہ معلوم ہوا کہ کوئی جائز و حلال کام بھی ذلت کا سبب نہیں ہو سکتا۔

کتاب و سنت اور اقوال فقہاء سے یہ ثابت ہے کہ کوئی پیشہ ذلت کا سبب نہیں ہے اور ہر مسلمان پر اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کام کرنا اور کسب معاش کرنا فرض ہے۔ اس لیے کسی انسان کو بیکار رہنا جائز نہیں ہے اور کسی پیشہ کو اختیار کر لینا جسکو وہ اپنے لیے مناسب سمجھے ضروری ہے۔ بیکاری میں ترک فرض کے علاوہ دوسری برائیاں بھی ہیں۔ بیکار رہنے سے انسان بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کاروبار و پیشہ کی مشغولیت اسکو بہت سے گناہوں سے باز رکھتی ہے۔ اسلیے کسی جائز کام کے کرنے میں ادائے فرض اور ترک معاصی دونوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (نقیب)

رسید کتب

(۱) رابنسن کروسو، ۸۶ صفحے - از شجاع احمد صاحب۔ قیمت ۱۰ر
(۲) جنگ کے بعد کیا ہوگا - ۳۲ صفحے " ۳ر
(۳) پڑوسی " " "
(۴) سمندری جہاز ۳۸ " " ۳ر
(۵) دستر خوان ۲۰ " " ۳ر
(۶) جمعو منتر کا دھاگا ۳۲ صفحے از شجاع احمد صاحب قیمت ۴ر
(۷) کھٹی میٹھی زبان ۷۰ " " ۱۰ر
(۸) عیار ۶۳ " " ۸ر
(۹) چھتری فوج ۲۰ " " ۳ر
(۱۰) سادہ زندگی ۴۰ " " ۳ر
(۱۱) کپڑے ۲۴ " " ۳ر

ملنے کا پتہ:- کتاب خانہ انجمن ترقی اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن

یہ سب ریڈیو پر نشر کیے ہوئے ڈرامے یا کہانیاں ہیں۔ آسان زبان ہے، بچوں کے کام کی۔ نمبر (۱) انگریزی کی ایک مشہور و مقبول درسی کتاب کا ایک حصہ، اردو میں اپنایا ہوا ہے۔ سلسلہ عبدالحق اکیڈمی۔

(۱۲) - لالۂ لا اکبر ۸۰ " " ۱۰ر
(۱۳) کارخانہ ۸۲ " فضل الرحمن صاحب ۱۲ر

پتہ حسب بالا - یہ بھی عبدالحق اکاڈمی کی مطبوعات ہیں - ۱۲ کہانیوں کا مجموعہ ہے اور ۱۳ ایک ڈراما

(۱۴) مشاہیر کی بیویاں۔ حصہ اول ۸۰ صفحے طاہرہ و رفعت صاحبان ۱۲ر

پتہ: دارالاشاعت سیاسیہ، مجلس اتحاد المسلمین - حیدرآباد دکن۔ اسٹالن، مسولینی، چرچل وغیرہ مشہور شوہروں کی بیویوں کے حالات

(۱۵) نظام حکومت الٰہیہ - حصہ اول - از علی بہادر خاں صاحب ۱۲۸ صفحے
قیمت اور پتہ کچھ درج نہیں۔ غالباً دفتر اخبار ہلال نو۔ بمبئی سے مل سکے۔
احرار کانفرنس کا نہایت مفصل و مطول خطبۂ صدارت۔ نظام حکومت الٰہی کی تشریح میں اگرچہ گفتگو بکلام کی گنجائش بہت جگہ ہے لیکن بہر حال اس نظام کا نام آ جانا ہی ایک بڑی چیز ہے۔

(۱۶) حالی محب وطن - از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب۔ صدر جامعہ ملیہ - ۴۵ صفحے - مع پیش لفظ از رشید صدیقی صاحب قیمت ۶ر
پتہ، کتاب گھر - دہلی۔

حالی کو محب قوم و ملت کی حیثیت سے سب جانتے ہیں، یہ انکی ہی قلمی تصویر محب ملک و وطن کی حیثیت سے ہے، اور بہت خوب ہے۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب نے ہر ہر پہلو کو خوب سنبھالا ہے۔ کتاب بہت سے نوخیز و عہدیداران حب وطن کی اصلاح خیال کا بھی کام دے سکتی ہے۔

(۷) تصحیح العقائد - از مولانا عبدالحامد صاحب قادری بدایونی - ۵۴ صفحات تقطیع ۱۸ × ۲۲ قیمت ۸ر پتہ، دار التصنیف، مولوی محلہ، بدایوں۔
علم غیب رسول، استمداد اہل قبور، محفل میلاد و قیام، فاتحہ و نیاز وغیرہ، مسائل اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان مدت سے اختلافی چلے آرہے ہیں، ان پر اہل بدایوں و بریلی کے نقطۂ نظر سے تبصرہ۔

دل روز حشر انکا طرفدار ہو گیا
گزرا معاملہ مرا جسکو نہ گواہ ہے!

(باقی ص۴ پر ملاحظہ ہو)

کے لیے ہے اور کسی عادت یا فطرت کی نفی، بعض دفعہ مجرد فعل کی نفی سے زیادہ موثر و بلیغ ہوتی ہے۔ مثلاً "میں نے ظلم نہیں کیا"۔ "ظلم کرنا میرے خمیر ہی میں نہیں"۔ ان میں دوسرا پہلے سے زیادہ زوردار اور پرزور ہے۔

اسلام کا خدا، مذاہب جاہلی کے دیوتاؤں کے برخلاف، شائبۂ ظلم سے بھی بری ہے۔ اسکی تصریح قرآن میں ایک جگہ نہیں بار بار ہے وما اللہ یرید ظلما للعالمین (آل عمران ع ۱۱) ولا تظلمون فتیلا (نساء ع ۱۱) ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (نساء ع ۷) وغیرہا۔

صیغہ مبالغہ کے لانے میں ایک نکتہ تو وہ ہے جسکی جانب صاحب روح المعانی نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تو جو صفت ہے وہ پوری قوت و شدت کے ساتھ ہے۔ قدرت ہے تو کمال کی، علم ہے تو مکمل، حسن و جمال ہے تو بے حد و نہایت۔ اسی طرح صفت ظلم بھی اگر ہوتی، تو درجۂ کمال ہی کی ہوتی۔ اس درجۂ کمال کی نفی کے معنی ہی مطلق نفی کے ہیں۔

دوسرا خفی و لطیف، نکتہ یہ ہے کہ جاہلی قوموں کے بعض دیوتا بڑے شدید ظالم مانے گئے ہیں۔ جنکے حق میں لقب "ظلام" پوری طرح صادق آتا ہے۔ قرآن نے اس صفت کی نفی کرکے اور بعینہ اس لفظ کو لاکر گویا یہ بتا دیا کہ اسلام کے پاک و پاکیزہ خدا کو ان ظلام دیوتاؤں پر قیاس نہ کرنا، وہ ہرگز انکی طرح نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن نے حضرت سلیمانؑ سے نفی کفر کی ہے۔ وما کفر سلیمٰن، یعنی سلیمان ہرگز کافر نہ تھے جیسا کہ تم اہل کتاب نے گڑھ رکھا ہے یا مشرق و مغرب کی طرف رخ پھیرنے کی نیکی سے نفی کی ہے، لیس البر ان تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب۔ یعنی تقدس اور بزرگی ہرگز کسی سمت کے اندر نہیں، نہ سمتِ مشرق میں نہ جہت مغرب میں، جیسا کہ گمراہ قومیں بت پرستی کے شرک میں مبتلا سمجھ رہی ہیں۔ اسی قسم کے اسلوب کلام کی مثالیں قرآن مجید میں دو ایک نہیں، بیسیوں بلکہ شاید سیکڑوں مل جائیں۔

تجدد کا سردار

"اتاترک نے ایک روز دوستوں کے مجمع میں کہا کہ عصمت، مغربیت کا وہ کامیاب مجسمہ ہے، جسکا میں ناکام نمونہ ہوں۔ اور یہی واقعہ بھی ہے۔ ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے ترکوں میں سب سے بڑا مغربی، عصمت ہی ہے"

اصلاح ترکیہ میں عصمت، اتاترک کا دست راست ضرور تھا، لیکن وہ اتاترک کی نجی زندگی کا شریک نہ تھا، رات کے کام، رات کی پارٹیوں اور بہ افراط شراب نوشی سے اسے دلچسپی کبھی نہیں رہی۔ عصمت صرف ہلکی فرنچ شمپین (شراب کی ایک مشہور قسم) پیتا ہے"

(بمبئی کرانیکل۔ سنڈے دار۔ ۳۰ اپریل ۱۹۳۹ء)

یہ سب کچھ کسی دشمن یا معاند نے نہیں، ترکیہ کی جدیدیت کے ایک بڑے حامی و مداح فرنگی الفریڈ جو اکم فشر نے کہا ہے۔ یہی ہے "لازوال سردار" اتاترک کے "اصلاح کردہ" اسلام کا وہ عظیم الشان ترکہ، جسکی دعوت تیرہ سو سال قبل کے اسلام کے ماننے والوں کو دی جا رہی ہے؟

ایک خوفناک اطلاع

دہلی کے ایک مسلمان اخبار سے:۔

"ہمیں لاہور کے اخبار پارس کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے امریکہ کے مشہور فلمی رسالہ فوٹو پلے اینڈ موویز مرز سے یہ خوفناک اطلاع نقل کی ہے کہ ہالی وڈ میں حضور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کو پردۂ فلم پر پیش کرنے کے لیے تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں"

اطلاع اگر خدانخواستہ صحیح ہے، تو بیشک سخت خوفناک ہے۔ لیکن ضرورت سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرنے کی ہے کہ فلم ساز کو آخر کن موثر تدبیروں سے روکا اس ارادہ سے جا سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے رسول اقدسؐ کو پردۂ تصویر پر لانا، کسی ارادہ اور نیت سے بھی جائز نہیں۔ اور مسلمانوں کے جذبات ہرگز اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اصل ضرورت انھیں طاقتور جذبات کو کمپنی مذکور تک پہونچانے کی ہے۔ اور انگریزی پریس ظاہر ہے کہ اس باب میں اردو اخبارات سے کہیں زیادہ کارآمد ہو سکتا ہے۔

پرکاش پکچرز (بمبئی) سے متعلق حال میں یہ خبر انگریزی پرچوں میں نکلی ہے کہ وہ گوتم بدھ پر کوئی تصویر تیار کر رہی ہے، لیکن خود سری گوتم کی، انکے مہاتما اور بودھ ہو جانے کے بعد، کوئی شکل پردے پر نہیں لا رہی ہے۔ بلکہ سنا ہے کہ خود عیسائی فلم ساز کمپنیاں بھی اب حضرت مسیحؑ کی اصل تصویر پردہ پر نہیں لاتیں۔ اگر یہ اطلاعیں صحیح ہیں، تو امریکی فلم ساز کو اس نئی جسارت سے یقیناً نسبۃً آسانی سے باز رکھا جا سکتا ہے۔

ایک نادان دوست

ایک متجدد نواز اقبالی کے قلم سے یوم اقبال کے موقع پر:۔

"اقبال کے ایک پرستار سے حال میں یہ سن کر کہ اقبال درحقیقت مسلمانوں کا شاعر ہے، مجھے اقبال ہی کا ایک شعر یاد آگیا ...... یہ درست کہ جس کسی سے انسان محبت کرتا ہے اُسے محض اپنے لیے مخصوص کر لینا چاہتا ہے۔ لیکن ایسے شاعر کو جس نے اپنی جنم بھومی کے گیت گائے ہیں، اور جس نے اپنے کلام میں ساری دنیا کو خطاب کیا ہے، محض ایک فرقہ کا شاعر کہدینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ اس رجحان کی تہ میں دراصل وہ تنگ نظری کار فرما ہے جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو فرقہ پرستی کی گھاٹی میں گرا دیا ہے"

اقبال غریب کی روح ان نادان دوست صاحب کی داد سے تڑپ کر رہ گئی ہوگی۔ ان متجدد نواز صاحب کے نزدیک بھی گویا "محض مسلمانوں" کا شاعر ہونا کوئی بہت بڑا جرم یا عیب ہے! اور گویا مسلمان ہونا مرادف ہے "فرقہ پرست" اور تنگ نظر ہونے کے!

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ!

اسلام تو نام ہی ایک آئیڈیل (نصب العین) اور بلند ترین و کامل ترین

جامع ترین، شریف ترین نصب العین کا ہے۔ اسکے پیام و دعوت کو کسی مخصوص نسل و قوم، ملک کی طرف منسوب کرنا، اور اسے دوسری نسلی یا وطنی مذہبوں پر قیاس کرنا خوش فہمی کی انتہا ہے!

نظرِ التفات

برطانیہ کے لاٹ پادری ڈاکٹر ولیم ٹمپل کی تقریر ۴ مئی کو لندن میں، ۲ ہزار کے مجمع کے سامنے:۔

"جنگ کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں گوروں کے دلوں میں اپنے کالے بھائیوں کے لیے احترام کا ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا ہے..... آج میں چرچ مشنری سوسائٹی کے ۱۴۵ ویں سالانہ جلسہ کے موقع پر تقریر کر رہا ہوں۔ ہندوستان ہمارا انتظار کر رہا ہے کہ یہ عالمگیر جنگ ختم ہو لے، تو اسکے مخصوص مسائل کے حل کرنے پر پوری توجہ صرف کی جائے۔ یہ انتظار کا زمانہ یقیناً بڑے اضطراب بلکہ بڑی تلخی سے بسر ہو رہا ہے، اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا کی محبت ہی کی انجیل اس تلخی کو دور کر سکتی ہے اور ہندوستان کے باشندوں کو رشتہ وحدت و اخوت میں منسلک کر سکتی ہے۔ ہندوستان کو مسیحیت کے حلقہ میں لانے کا خیال ہم میں سے ہر شخص کے دل میں رہنا چاہیے" (رائٹر)

لاٹ پادری صاحب کا جوش تبلیغ یقیناً لائق داد ہے لیکن ہندوستان غریب تو موصوف کے بقول، ابھی اس انتظار میں ہے کہ جنگ ختم ہو لے، تو ہندوستان کے مخصوص مسائل کے حل کرنے پر پادری صاحب توجہ فرمائیں، مگر مغرب تو عین رزمگاہ اور میدانِ جنگ بنا ہوا ہے، اور پادری صاحب کا عین وطن ہے۔ مسیحیت کی اگر یہی برکتیں ہیں، تو پادری صاحب، ہندوستان کو چھوڑیں، خود اپنے وطن کو اسکی برکتوں سے کیوں نہیں مستفید کرتے ہیں؟ جنگ ختم کیوں نہیں کرا دیتے؟ بلکہ جنگ سرے سے برپا ہی کیوں ہونے دی؟ کیا مغرب کے مخصوص مسائل اپنے حل کے لیے انکی توجہ کے کچھ کم محتاج ہیں، جو وہ ہندوستان ہی کو اپنے التفات کا منتظر بنائے ہوئے ہیں؟

سنیما کی برکت

لکھنؤ سے ایک مراسلہ:۔

"ہم لوگوں کے ہاں عموماً دیہات کے لڑکے نوکری کرتے ہیں جن میں بعض گھر کے پروردہ ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے شروع شروع بہت سیدھے اور بھولے ہوتے ہیں، لیکن کچھ ہی دن بعد چوری اور طرح طرح کی بدکرداریوں پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ہمارے ہاں کا ایک لڑکا جو ابھی نوجوانی کی ابتدائی منزلوں میں تھا، بجلی کے گولے چراتا ہوا پکڑا گیا۔ بلکہ اس نے تو کمال یہ کیا کہ ایک کانسٹبل کو اپنی طرف جھپٹتے دیکھ کر ایک لپ اس پر اس طرح کھینچ مارا کہ وہ اسکے بہت نازک جگہ لگا، وہ کانسٹبل فوراً بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لڑکا بھاگا، گو بعد کو ایک چوکیدار نے پکڑ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسوں کی اصلاح کی کیا صورت اختیار کی جائے"۔

یہ بیچارہ تو "نوکروں" کے طبقہ (ہندو اصطلاح میں "نیچ" ذات) کا نوجوان تھا۔ بڑے بڑے اونچے اور شریف گھرانوں کے لڑکوں، نوجوانوں کا کیا حال ہے؟ شہر کی صحبتوں، اسکولوں کے احول کا لازمی نتیجہ یہی ہے۔ تعجب صرف اس پر ہے کہ "بگڑنے" کے واقعات اور زیادہ کیوں نہیں پیش آتے؟ یا کم از کم یہ کہ اور زیادہ کیوں نہیں کھلتے؟ البتہ خاص واقعہ میں چوری سے بڑھ کر حیرت انگیز سینہ زوری ہے۔ پولیس والے کے نازک حصۂ جسم پر بجلی کا لیپ کھینچ مارنا، طبعی ذہنیت ہندوستانی چور کی نہیں، اصلی ذہنیت تو یہ تھی، کہ وہ کانسٹبل کے قدموں پر گر پڑتا، اور خوشامد و درآمد سے، روپیٹ کر، یا پھر کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑاتا۔ یہ ذہنیت جو ظاہر ہوئی، خالص فرنگی اور امریکی مجرمانہ ذہنیت ہے۔ اور دیہات کے ان پڑھ لڑکے میں اسکا ظہور خاص الخاص برکت سینما کی ہے۔ سینما کے تماشے، اپنی اکثریت کے لحاظ سے تو خاص تربیت گاہیں ہیں ہر قسم کے جرائم کی!——— البتہ دینی اور اخلاقی نقطہ اپنے مدِ مکان تک پیدا کرتے رہنا، یہ فرض جس طرح اولاد کے حق میں والدین کا ہے، اسی طرح نوکروں چاکروں ملازموں کے لیے انکے مالکوں کے ذمہ ہے۔

چائے اور سگرٹ

حیدرآباد کے طبی رسالہ "مجلہ صحت عامہ" کا اقتباس:۔

"دن کا کام شروع کرنے سے پہلے صرف صبح کی چائے پی لینا ایک مذموم عادت ہے جو آخرکار صحت کو کافی نقصان پہونچاتی ہے۔ اس سے بدن کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ اعصاب کے لیے تازیانہ کا کام کرتی ہے اور خود کوئی قوت نہ بخشنے کے باوجود بدن کو مجبور کرتی ہے کہ وہ محفوظ قوت کے ذخیرے سے بھی خرچ کر ڈالے۔ سگرٹ پینے کی عادت اور بھی بدتر ہے۔ یہ دونوں عادتیں تازگی اور چستی کا جھوٹا احساس پیدا کرتی ہیں۔ حقیقی ناشتہ کی عادت ڈالیے"۔

سگرٹ اور بیڑی سے تو حقہ کہیں غنیمت تھا، اور خالص دودھ کے بجائے چائے کا ناشتہ تو "صاحب" کے دور سے قبل ہندوستان میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

آج کا تصوف

بمبئی کے ایک صندل کے جلوس کا نظارہ:

"آج ۵ بجے شام کو محمد علی روڈ سے کسی بزرگ کے صندل کا جلوس گزر رہا تھا جو غالباً میمن محلہ یا مرغی محلہ سے آ رہا تھا۔ اس سے پہلے بہت سے بزرگوں کے صندل کے جلوس دیکھے، لیکن جو چیز آج کے جلوس میں تھی، نہ دیکھی تھی۔ سب سے آگے چادر کا تھال تھا، اسکے پیچھے چند لوگ، اور پھر باجہ تھا اور باجہ کے پیچھے چند سوانگ بھرے لوگ تھے جو زمین پر اچھلتے کودتے یا تھرکتے چل رہے تھے۔ ایک کے سر پر ہیٹ تھا، دوسرے کے چہرہ پر سفید مصنوعی داڑھی اور گھرا یا دوڑا اور تیسرے صاحب ایک خاص وضع میں تھے۔ ان بہروپیوں کے بعد چند آدمی تھے اور چند ہیجڑے ناچتے گاتے چل رہے تھے"۔ (خلافت)

(باقی بر صفحہ)

حکیم الامت:

نقوش و تاثرات

(از عبد الماجد)

(۸)

مکتوب کا ادھورا اور ناتمام شایع ہونا بہت ہی کھلا۔ طبیعت جھنجلائی، جھنجلائی۔ دست بستہ معافیوں اور معذرتوں کے ساتھ، مکتوب گرامی کا دوسرا جزو [illegible] بلا توقف حاضر خدمت ہے:

"گھر میں کی کیفیت قلبی متعلق بالاولاد کی معلوم ہو کر جی دل سے اور بصیرت سے انکو حصول کمال ہونے کی بشارت دینے کو جی چاہتا ہے۔ اول تو اولاد کی محبت موافق سنت کے سبب موجب اجر ہے۔ رہا درجہ افراط کا، وہ بھی خلاف سنت جب ہے کہ اسکے کسی مقتضا پر غیر مشروع پر اختیار سے عمل ہونے لگے۔ اور اگر کوئی مقتضا مشروع ہو یا غیر مشروع ہی ہو مگر اسکا بلا اختیار صدور ہو جاوے تو بالکل قابل ملامت نہیں۔ اور اس مقتضاے غیر مشروع کو اگر روک لیا تو مجاہدہ کا اجر عظیم مزید برآں۔ اور اتصاف بالسنۃ اور مجاہدہ دونوں کا علامات ایمان کامل سے ہونا ظاہر ہے۔

اور اگر نفس محبت کے موزون ہونے کی تحقیق اسوقت انکے جی کو نہ لگے تو کم از کم اتنا تو مان لینا ضروری ہوگا کہ ایسی محبت بلکہ اگر اس سے بھی زائد ہوتی تو مذموم نہیں۔ یعنی شریعت مطہرہ نے اس پر کوئی عتاب نہیں فرمایا، اور ہم جیسے ناتوانوں کیلیے یہی کافی ہے کہ عتاب و عقاب سے بچ جائیں، گو درجات نصیب نہ ہوں۔ اور اس دعوے کی توضیح یہ ہے کہ شریعت میں مواخذہ امور اختیاریہ پر ہے، چنانچہ نص قطعی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اس پر شاہد مبین ہے۔ اور یہ اختیاری نہیں، اس لیے قابل مواخذہ نہیں۔ البتہ طبعی کلفت اور نفسانی تالم اس پر ضرور رہے۔ تو اول تو شریعت نے ایسی کلفتوں کی ذمہ داری نہیں فرمائی، لیکن کسقدر رحمت ہے کہ باوجود ذمہ داری نہ کرنے کے پھر بھی تبرعاً اسکی علاج تدبیر بتلادی۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ سے تعلق قوی کیا جاوے، اس سے سب تعلقات ضعیف ہو جاوینگے۔ اور کلفت کا احتمال ہی نہ رہیگا۔ یعنی کلفت موذیہ نہ رہیگی، ضعیف درجہ کیا رہے، جو مضر نہیں۔ اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے طریق مشہور و معلوم ہیں۔ یہ سب انکو سمجھا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ خود اس استعداد کی برکت سے محبت میں اعتدال پیدا ہو جاویگا۔ اور اگر تقویت تعلق مع الحق کی تدبیر میں لگ گئیں تو بالکل ہی فنا یا ہٹ جائیگا۔"

یہ ایک سطر کا مکتوب تھا، یا ایک مستقل رسالہ معرفت و تصوف؟ کتنی باتیں کام کی اور کتنی گہری حقیقتیں کھول دی ہیں، ان دو ورقی اجزاء کے اندر آگئیں! ——— آج یہ صداقتیں بالکل مسلم نظر آرہی ہیں، ان پر ایمان ہے۔ اُسوقت، آج سے ۱۶ سال قبل، بالکل نئی اور انوکھی باتیں تھیں۔ کان پہلی بار ان اصولی حقائق سے آشنا ہو رہے تھے۔ خوش نصیب تھا وہ مکتوب الیہ جو ان حقائق سے نوازا گیا۔ بدنصیب تھا وہ مخاطب جسے اُسوقت ان علوم کی قدر تو کیا ہوتی، اپنے جہل و نادانی سے معمولی شکریہ ادا کرنے تک کی توفیق نہ ہوئی! ——— علوم کی دولت جو گھر بیٹھے اور آسانی سے مل جاتی ہے، اُسکی قدر دنیا میں کب اور کس کو ہوئی ہے!

مکتوب مبارک کے دو جزو دو سوالوں کے مستقل جوابات ہو چکے۔ اب تیسرا جزو حاضر ہے، عریضہ کے تیسرے سوال کے جواب میں۔ اصل سوالات اگر پیش نظر نہ ہونگے، تو ٹھنڈا پانی بغیر پیاس کے، لذیذ کھانا بغیر بھوک کے رہیگا:—

"خواب نہایت مبارک ہے، اور اثر ہے باہمی مناسبت کا، اور یہ درجہ رجا موثر ہے زیادت مناسبت میں۔ باقی تحقیق سوال کی دوسرے پرچہ پر معروض ہے۔ والسلام۔ اشرف علی۔ از تھانہ بھون۔ ۱۷ ارجب ۴۶ھ"

خط کا کاغذ دونوں طرف بھر چکا تھا۔ اس لیے ضرورت دوسرے پرچہ کی پیش آئی۔ نقل مطابق اصل اُسکی بھی ملاحظہ ہو:—

"(بقیہ مضمون خط) اصل یہ ہے کہ ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است۔ اور ہر گل اپنی جگہ محبوب ہے۔ اور اسکی خوشبو بھی اپنی جگہ مرغوب ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان ست
بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان ست

حضرت مخدوم صاحبؒ پر شکر غالب تھا اور انکے لیے یہی مناسب تھا اور شکر کے بھی آثار ہیں جو انکے نقد وقت تھے، اور حضرت سلطان الاولیاءؒ پر صحو غالب تھا اور انکے لیے یہی مناسب تھا اور صحو کے بھی آثار ہیں جو انکے نصیب حال تھی۔ اب رہ گیا مسئلہ تفاضل کا، سو جیسے حدیث میں ہے لا تفاضلوا بین انبیاء اللہ، اسی طرح اس حدیث کی ایک فرع ہے لا تفاضلوا بین اولیاء اللہ۔ مگر فرق اتنا ہے کہ انبیاء میں تو دلائل وحی کی بنا پر تفاضل کی اجازت ہے، اسکے سوا تفاضل نا جائز ہے۔ اور اولیاء میں سب ہوگا رائے سے ہوگا اس لیے علی الاطلاق نا جائز ہے۔ اور یہ سب تحقیق متعلق اعتقاد اختیاری کے ہے۔ باقی محبت، وہ غیر اختیاری ہے۔ وہ اگر فرضاً مفضول کے ساتھ زیادہ ہو، افضل کے ساتھ کم ہو تب بھی جائز ہے۔"

سن کے اضافہ کے ساتھ، سنہ و سال کے انقلابات کے ساتھ، ذہن و دماغ پر بھی کیسے کیسے دور گزرتے رہتے ہیں! اور جگ بیتی تو رہی الگ، کم سے کم آپ بیتی تو یہی ہے۔ ایک زمانہ الحاد و "عقلیت" و لا مذہبیت کے دور کا تھا۔ پھر تصوف نے مذہب کی

راہ دکھائی - بات کچھ سمجھ میں آئی، کچھ نہ آئی - ٹھنڈی، سبک، خوشگوار، جاں بخش ہوا اپنے ساتھ کچھ خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ، بھی لگا لائی - تصوف آیا تو بدعات تصوف کو بھی ساتھ لیے ہوئے - نور، معوذتین کے پھندے میں - لطیفہ، کثیف کے ہاتھوں ہاتھ دیئے ہوئے! "عقلیت" گئی تو "خوش عقیدگی" آئی - دل دین سے زیادہ "بزرگان دین" سے اٹکا ہوا، اور اہل حال کے ذوق و وجدان کی اہمیت دماغ پر دین کے حقائق اور اصول سے کچھ کم بیٹھی ہوئی نہیں ——— زندگی کے عین اسی دور میں توفیق الٰہی نے رسائی آستانۂ اشرفی پر کرا دی - ندرۂ سوال و جواب زیادہ تر انھیں مباحث پر رہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی گرہیں اسی واسطہ سے دور ہوئیں اور کتنی الجھنیں اسی ذریعہ سے سلجھیں! ——— دریاباد تھانہ بھون کا سفر کچھ ایسا آسان اور مختصر نہیں - ایکسپریس سے بھی ۱۲، ۱۴ گھنٹے لگ جاتے تھے، اور کرایہ بھی اسی مناسبت سے ——— اور شہروں سے ملنے کی مسافت کچھ تھوڑی ہوتی ہے؟ اور کچھ تانہ بھون تو سہارنپور سے بھی کوئی ۳۰ - ۲۵ میل دور آگے! اور آنا جانا بڑی لائن سے نہیں - چھوٹی سے بھی چھوٹی لائن (لائٹ ریلوے) سے طے کرنا! جولائی کے اس پہلے سفر کے بعد دوبارہ بہت مشکل ہی سے ہو رہی تھی حالانکہ شوق روز افزوں تھا اور جی میں یہ تھا کہ اگلی سفر تنہا نہ ہو بلکہ جو رفیق زندگی ہے، وہ رفیق سفر بھی ہو! تائید غیبی دیکھیے کہ عین اسی وقت بھائی صاحب کا تبادلہ یوپی کے مشرقی ضلعوں سے یک بیک سہارنپور ہو گیا! اور اس نے سفر اور قیام کے مرحلہ کو کچھ نہ کچھ آسان تو ضرور ہی بنا دیا! ——— پست ہمتوں کی دستگیریاں کن کن حکمتوں اور تدبیروں سے کی جاتی ہیں، اور بزدلوں کی ہمت افزائیاں کس کس لطف و رحمت سے ہوتی رہتی ہیں!

نومبر کا مہینہ تھا کہ چند ہفتے بعد سفر کی ٹھن گئی - ۱۴ نومبر کے عریضہ میں چند باتیں عرض کیں، حسب معمول طوالت بیانی کے ساتھ - پہلی تو یہ کہ پچھلا افتخار نامہ پا کر دل آپ سے آپ ہو گیا - دوسرے دیار کے ایک اسم بامسمیٰ بزرگ مولانا عابد حسین فتحپوری مرحوم کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر - تیسرے یہ ڈر، کہ کہیں اہل اللہ کی یہ خواہ مخواہ کی شفقت و توجہ اپنی ناقدرشناسی کی بنا پر وجہ عتاب نہ بن جائے، چوتھے مزار حضرت محبوب الٰہی دہلوی پر حاضری کے سلسلہ میں خود انکے مزار اور پھر امیر خسروؒ سے تاثر خاص - پانچویں اس موقع خاص پر مغفرت و فلاح امت کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ چند مخصوص اشخاص کے لیے بھی دعائیں بشمول حضرت مولانا - چھٹے، مخدوم صابر کلیریؒ کے مزار پر حاضری کے وقت تاثر میں بہت کمی، شاید اس لیے کہ عین اس وقت بعض شریعت شکن حرکتوں پر نظر پڑ گئی تھی - ساتویں، چند روز بعد میاں بیوی دونوں کا قصد تھانہ بھون، اور قیام کے لیے مولانا کے ہی اوقات کے خیال سے انھیں کے ایماء پر خانقاہ کا انتخاب، جو

اس وقت ڈپٹی کلکٹر تھے، اور ایک مکان انکا تھانہ بھون میں بھی تھا ——— جواب ہر بات کا نمبروار پڑھیے کہ اسی لیے تو اپنی ہر بات کو یہاں گن دیا ہے:-

محبی و محبوبی دام لطفہم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

کل جمعہ کے سبب جواب کا وقت نہ ملا - معاف فرمایئے گا -

۱- یہ سب آپ کی محبت ہے جسکی میرے دل میں خاص قدر ہے - اور آپ سے خاص محبت ہے - ایک تو آپ کی محبت کے سبب، دوسرے آپ کی بے تکلفی، انکسار و توافق ظاہر و باطن کے سبب، میں اس مذاق کو ڈھونڈھتا ہوں اور کم ملتا ہے - آپ میں پایا اور محبت ہو گئی - آپ پر کوئی احسان نہیں -

۲- میں نے گو انکی زیارت نہیں کی، مگر میں انکو اپنے زمانۂ قیام کانپور سے جانتا ہوں -

۳- ایسا خوف تو لوازم ایمان سے ہے، اور انشاء اللہ آپ نفع بھی اٹھا رہے ہیں - اللہ تعالیٰ ترقی فرماوے - اور جب آپ کا یہ خیال ہے، انشاء اللہ تعالیٰ عمل میں بھی ترقی ہوگی -

۴ (الف) مناسبت کا بھی اثر ہے اور خیال کو بھی دخل ہوتا ہے - مگر ایسا خیال بھی مطلوب ہے -

(ب) میرے خیال میں یہ بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کا اثر ہے، کہ امیر خسروؒ انکے محب و محبوب تھے

۵- در اصل حق محبت عنایت ست ز دوست -

وگرنہ عاشق مسکیں بہ ہیچ خورسند است -

۶- توبہ توبہ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اصلاح فرمائے - یہ بھی سبب مستقل ہے اور فطری مناسبت سے بھی کمی بیشی ہوتی ہے -

۷- (الف) دوہری مسرت ہوئی - اللہ تعالیٰ بخیر لائے -

(ب) اگر آپ میں صرف محبت ہی کی صفت ہوتی تو میں بھی اس تجویز سے موافقت کرتا - لیکن جب خدا تعالیٰ نے دوسری صفت بھی عطا کی ہے، یعنی بے تکلفی، تو اب یہ توافق سے مانع ہے - آپ ایسا پوچھتے ہیں میں تصریح کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کی رفیق زندگی آئیں اور میری اور میری اہلخانہ کے مہمان بنیے - انکو ان سے ملنے کا اشتیاق ہے - باقی اوقات کا قصہ، میرے بزرگوں کی تعلیم ہے کہ بعد مشغولی فرائض کے سب سے اچھا وہ وقت ہے جو احباب کے پاس گزرے - اور فرائض میں بھی اور آپ دونوں شریک ہونگے - پھر حرج اوقات کیسا - اور ڈپٹی صاحب خود ہی مہمان ہونگے، انکو میزبان کون ہونے دیگا؟

بیا بیا دفرود آکہ خانہ خانۂ تست

دوسرے مصرعہ کا شاید غایت تواضع سے آپ تحمل نہ کر سکتے -

والسلام - اشرف علی -

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۷)

س' علامت سوال کی ہے' ج' علامت جواب کی

س۔ آجکل نہ جانے کیوں طبیعت بجھی بجھی سی اور بے کیف رہتی ہے آپ ہی کوئی ترکیب بتائیں جس سے موجودہ اضمحلال اور بے کیفی جاتی رہے۔ مطالعہ کے لیے کچھ کتابیں تجویز فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

ج۔ مطالعہ کے لیے بہتر اور صحیح مشورہ اُسی وقت دیا جا سکتا ہے جب مخاطب کے ذوقِ طبیعت، استعدادِ علمی اور ماحول سے پوری واقفیت ہو لے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں جو ہر مذاق، ہر استعداد کے یکساں مطابق ہو۔

اکثر اور بالعموم امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت (یا انکے ترجموں) اور مولانا تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ تجربہ سے مفید ثابت ہوا ہے۔ لیکن یہ کلیہ ہرگز نہیں ہے۔

کتابوں کے علاوہ بڑا دخل، افسردگی و اضمحلال کے دفع کرنے میں اچھی، پاکیزہ، شگفتہ صحبت اور بیماریوں، کمزوریوں سے دور، اچھی صحت کو بھی ہے۔

عام اور غیر متعین اسباب کے علاوہ اگر کوئی غیر متعین سبب اپنے علم میں ہو، تو اُسکا ازالہ سب تدبیروں پر مقدم ہے۔

س۔ آجکل جیمس کی کتاب VARIETIES OF RELIGIOUS EXPERIENCE پڑھ رہا ہوں۔ اندازِ بیان عالمانہ ہونے کے باوجود عام فہم بھی ہے۔ مثالوں کی کثرت نے کتاب کو اور دلچسپ و آسان بنا دیا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی کتاب کا اثر اچھا پڑا۔ اور میں نے اسکو ایک حد تک صحت بخش ہی پایا۔ کیا اسکا مطالعہ جاری رکھوں؟

ج۔ ضرور جاری رکھیے۔ جیمس کی ہر کتاب ہمارے نوجوان گریجویٹوں کے پڑھنے کے قابل ہے، یہ کتاب اور زائد۔ بس پڑھنے میں خیال اتنا قائم رہے کہ مصنف بہرحال مومن نہیں ہے۔

س۔ مثنوی شریف کی بہترین شرح میرے لیے کون ہو سکتی ہے؟

ج۔ (۱) اُردو میں کلیدِ مثنوی، شروع کا حصہ حکیم الامت کی تصنیف باقی حصہ اُنکے درسِ مثنوی کے لکھائے ہوئے نوٹ اُنکے شاگردوں کے قلم سے۔

(۲) فارسی میں مثنوی کا کانپوری ایڈیشن، ۶ جلدوں میں بہترین حواشی سے آراستہ

س۔ عربی کی تکمیل تک مذہبی مطالعہ اُردو اور فارسی ہی تک محدود رہیگا۔ اُردو یا فارسی میں کون سی تفاسیر مجھے رکھنا چاہیے۔

ج۔ اُردو میں:-

(۱) حکیم الامتؒ کی بیان القرآن، ۱۲ جلدوں میں، (جا بجا مشکل اور بجائے خود تفسیر طلب ہے)

(۲) مولانا عبدالحق دہلوی کی تفسیر حقانی، ۸ جلدوں میں

(۳) مولانا مودودی کی تفہیم القرآن۔

(۴) مولانا شبیر احمد عثمانی کے حاشیے شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن پر۔

فارسی میں کوئی قابلِ دید تفسیر میرے علم میں نہیں۔

س۔ نماز بحمد اللہ کبھی ناغہ نہیں ہوتی۔ ۳-۴ مہینے سے تہجد بھی پڑھنے لگا ہوں۔ لیکن ہفتہ میں دو تین دن ایسے ہوتے ہیں کہ تہجد و فجر کو یکجا کر لینا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی تو وقت کی تنگی کے سبب فجر ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اس میں صرف قوتِ ارادی کا قصور ہے۔ کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ اس کمزوری پر بھی غالب آ سکوں۔

ج۔ نمازِ فرض کا التزام اور تہجد کا اہتمام دونوں مبارک ہوں۔ ضعفِ ہمت کا اصل علاج صرف **صرف ہمت** ہے۔ لیکن جو نماز محض غلبۂ نوم سے قضا ہو جائے، اُس میں تو فرض تک پر ملامت نہیں، چہ جائیکہ تہجد پر۔ بس اسقدر کافی ہے کہ اپنی دالی تدبیروں سے امکان بھر غفلت نہ کرے۔ سویرے سو رہنے کی عادت (تاکہ نیند پچھلے پہر تک پوری ہو جائے) سرِ شام کھانا کھا لینے کی عادت (تاکہ کھانا سوتے وقت تک کچھ تحلیل ہو جائے) شب میں پانی کم پینے کی عادت (تاکہ سوتے ہوئے معدہ پر پانی کا زیادہ بار نہ ہو)، یہ سب تجربہ سے اکثر مفید و معین ثابت ہوئی ہیں۔ گھڑی کا الارم، نیز احتیاطاً چند رکعتیں، نمازِ عشا کے متّابعد، صلوٰۃ اللیل کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

تہجد اور فجر کے جمع کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں۔ بلکہ تجربہ سے تو یہ عادت نمازِ تہجد کو آسان تر اور گوارا تر بنانے والی ثابت ہوئی ہے۔

س۔ بعض جسمانی امراض کی طرح مجھ پر روحانی افسردگی و اضمحلال کے دورے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات بہت جلد جلد اور بعض اوقات وقفوں کے بعد (خلاصۃً)

ج۔ انقباض و انشراح کی ان کیفیتوں کو صوفیہ کی اصطلاح میں قبض و بسط سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ مقصود کیفیات نہیں بلکہ صرف عمل ہے، اور عمل میں بحمد اللہ کوئی فرق نہیں پڑنے پاتا، اس لیے یہ کیفیات کچھ زیادہ قابلِ اعتناء بھی نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہوگا کہ اس بات کو غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ جلد قبض کے دورے پڑنے کے اسباب قریبی کیا ہوتے ہیں۔ اسکے بعد اگر وہ اختیاری ہوں تو اُن سے پرہیز کیا جائے۔

اصولی حیثیت سے ظلماتِ نفس کا بہترین، مجرب ترین علاج اچھی صحبت ہے، یعنی پاکیزہ خیال، باعمل لوگوں کی معیت و رفاقت، کُونُوا مَعَ الصّادِقِین کی تعمیل۔ اس سے اُتر کر مصلحانہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ مثلاً مواعظِ اشرفی۔ یا ایک دوسرے نقطۂ نظر سے مقالاتِ مودودی بھی۔

روس میں عورت

ہندوستان کے تجدد پرستوں کو بڑا ذوق عورتوں کو گھروں سے نکال کر باہر لانے اور جلسوں، جلوسوں، کچہریوں اور کارخانوں میں اپنا ہمدوش بنانے کا ہے۔ ان کا سب سے بڑا سہارا روس کی اشتمالی عورت تھی۔ مگر روس کے اشتمالیوں اور ہندوستان کے تجدد پرستوں میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ نفع و نقصان پر نظر رکھتے ہوئے عمل کر رہے ہیں اور یہ اُنکے محض مقلد بنے ہوئے ہیں ...... طوطے کی طرح یہی رٹ لگاتے رہتے ہیں کہ عورت مرد کے مساوی ہے اس لیے اُسکو ہر جگہ رہنا چاہیے جہاں مرد ہو اور اسکا ہر دائرۂ عمل پر پھیلا ہوا ہو۔ مرد دفتر، کارخانہ اور کان میں کام کرتا ہے اس لیے عورت بھی وہیں کام کرے۔ مرد جلسے کرتا ہے تو عورت بھی جلسوں میں جا کر تقریر کرے۔ مرد کی طرح عورت کی رجمنٹیں بھی ہوں۔ مرد جلوس بنا کر نکلتا ہے تو عورت بھی نکلے! اور اتنا ضرور ہو کہ پہلے اُسکی مزدوری مرد کی مزدوری کے برابر ہو — اور کھانے پکانے کے لیے ہوٹل کھلے رہیں۔ عورت اپنی مساوات کے جنون میں مرد سے ایسی شادی نہ کرے کہ اسکو گھر کے اندر بیٹھنا پڑے۔ اولاد سے بھاگے۔ معاشرہ میں نفس پرستی اور وبائیں پھیلائے اور اگر بچنے کے باوجود حمل کی زحمت میں مبتلا ہی ہونا پڑے تو سرکار زچہ خانے، کھانے اور اولاد کی پرورش کے لیے پرورش گاہیں بھی سرکار بنائے ہوں۔ روس نے اول اول یہی کیا مگر جوں جوں خرابیوں کا تجربہ ہوتا گیا وہ اصلاح سے بھی بے اعتنائی نہیں کر رہا ہے۔

سب سے پہلے اُس نے عورتوں کی رجمنٹیں توڑ دیں۔ پھر ایک طرح کی شادی واجب کر دی۔ اسکے بعد یہ بھی اشتمالیوں پر واضح ہونے لگا کہ سرکاری پرورش گاہوں میں اطفال کی پرورش ویسی نہیں ہوتی جیسی کہ قدیم منزلی زندگی میں ہو سکتی ہے۔ اسلیے اُنھیں پھر گھروں کی طرف واپس بھیجنا چاہیے۔ چنانچہ سنڈے نیوز، الائیڈ نیوز پیپرز اور بی۔ بی۔ سی کے نامہ نگار الگزنڈر ورتھ اپنے ایک مضمون "اسٹریٹ فرام ماسکو" (سیدھے ماسکو سے) میں ہونے والی تبدیلیوں مثلاً گرجا کی نسبت حکومت کی نئی روش کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "دوسری دلچسپ ارتقائی صورتیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ عورت کے دائرۂ عمل کو بجائے وسیع کرنے کے گھٹانے کا رجحان روز افزوں ہے۔ جنگ کے سبب نقصانات کے بعد روسی نسوانیت سے مطالبہ کیا جائیگا اور اسکو تربیت دی جائیگی کہ خانہ دار خاتون اور ماں کی خوبیوں کو ترقی دے۔ زمانۂ جنگ کے نقصانات کی تلافی کے لیے بڑے بڑے خاندان بعد جنگ کے لائحہ عمل کا جزو ہونگے۔"

(سوویٹ یونین نیوز۔ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۴۰)

اور اب ایک اور تازہ اطلاع وہاں سے یہ آئی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا وہاں خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ مشہور سوویٹ ماہر تعلیم پروفیسر سرمراس اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ "مخلوط تعلیم میں معاشری قدر و قیمت کی مردانہ و زنانہ خصلتوں کا کسی قدر اختفاء عمل میں آجاتا ہے"۔

ظاہر ہے کہ وہ اس "اختفا" کو نہ صرف پسند نہیں کرتے بلکہ معاشرہ کے لیے مضر سمجھ رہے ہیں۔ ہمارے مخلوط تعلیم کے سرپرستوں کے لیے اب لمحۂ فکر آگیا ہے! اسلام نے لڑکوں کو لڑکیوں کا اور لڑکیوں کو لڑکوں کا لباس پہننے سے کبھی اسی مقصد سے روکا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ صنفوں کی خصوصیات میں خرابی پڑ جائے۔

غرض اشتمالیوں اور یہاں کے تجدد پرستوں میں یہ فرق اب نمایاں ہوتا جا رہا ہے کہ وہ ایک پُرجوش محقق کی حیثیت سے نئے معاشری تجربوں میں لگ گئے ہیں اور ان پر اپنے خیال کی جتنی غلطیاں واضح ہوتی جا رہی ہیں انکی اصلاح کرتے جا رہے ہیں اور یہ بیچارے مقلد جو نفس ہی کے محصور ہیں احکام اسلامی پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہیں چوکتے۔

کیا تعجب ہے کہ وہ اسی طرح آگے بڑھتے بڑھتے اسلامی پردہ در غیر مخلوط تمدن تک پہنچ جائیں اور یہ کبھی قرآن کی غلط تاویل اور کبھی اسلامی تاریخ کے بے بنیاد حوالوں سے اشتمالیوں کی ابتدائی غلطیوں ہی کو صحیح ثابت کرنے کی کوششوں میں عمریں صرف کر دیں۔ ایک معاصر نے تو اپنے مزاحیہ کالم میں بازیگری کی انتہا ہی کر دی! نہ صرف اسنے یہ کہکر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی تاریخ مردانہ عورتوں سے بھری پڑی ہے۔ حالانکہ ۱۳ سو برس کی اسلامی تاریخ میں جہاں اربوں عورتیں اس جہان میں آئیں اور گزر گئیں۔ شاید سو پچاس ہی مردانہ عورتیں مل سکیں۔ علامہ اقبال کی نظم "حور صحرائی" کا ذکر کر کے یہ غلط اثر لوگوں پر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ علامہ مرحوم عورت کی اس قسم کی آزادی کے حامی تھے۔ جبکہ وہ ہے۔ حالانکہ علامہ صاف طور پر عورت کا مقام گھر بتاتے ہیں اور پردہ کا آپ کو اتنا لحاظ تھا کہ آپ نے جنوبی افریقہ میں ہندوستان کی ایجنٹی اس بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہاں سرکاری تقاریب میں آپ اپنی بیگم کو بے پردہ شریک کرنے کا گناہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۳)

یہ ہے چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا تصوف! —— قرآن، سنت، محدثین و فقہا کے اقوال و فتاوی کو چھوڑیے، صرف اتنا سوچیے کہ حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شیخ جیلانیؒ، خواجہ اجمیریؒ اور محبوب دہلویؒ بھی ان منظروں کو دیکھنے کی تاب لا سکتے تھے؟ ان بدعملی خرافات کو تصوف اسلامی کو کوئی دور کی بھی نسبت ہے؟

مراسلہ

محترمی مسٹر عبد الماجد صاحب

سلام سنت الاسلام۔ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے کچھ حالات قلمبند فرما کر آپ نے اُنکے مسترشدین کو مرہون منت بے پایاں بنایا لیکن افسوس کہ انکے اس کارنامہ کا آپ نے ذکر تک نہ کیا جو عام مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہندوؤں تک کے لیے شمع ہدایت ہے یہ اشارہ وعظ ہے جو اُنھوں نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد گنج مرادآباد میں کہا تھا جس میں اُنھوں نے یہ ثابت فرمانے کی کوشش کی ہے کہ تصوف کوئی چیز نہیں ہے لگے میں کھکھار اٹک گیا کہنے لگے ذکر جاری ہے مولانا فضل الرحمٰن صاحب تارک سنت تھے۔ وغیرہ وغیرہ اگر آپ نے اپنی شستہ رفتہ زبان میں اسکا ذکر کیا ہوتا تو خدا جانے کیا اثر ہوتا اور مولانا مرحوم کی یہ ذرا سی کسقدر سامعہ نواز ہوتی اور کتنے لوگ جو اس جال میں پھنسے ہیں رہائی پاتے اور مولانا مرحوم کو لوگ کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے کیا اُمید کیجائے کہ کسی قریب کی اشاعت میں اس پر روشنی ڈال کر خلق خدا پر مزید احسان کرکے ان عقیدتمندوں کو اظہار کا موقع دیں گے فقط

راقم الحروف عابد حسین

صدق۔ لکھنؤ سے یہ مکتوب جس املا و جس انشا کے ساتھ موصول ہوا، بجنسہ اُسی طرح شائع کیا جا رہا ہے۔

حکیم الامت: اس مضمون کو حضرتؒ کی عام زندگی اور مکمل سوانح سے کیا تعلق؟ وہ تو صرف راقم کے ذاتی علم و تجربہ میں آئے ہوئے حالات و مشاہدات ہیں، جولائی ۱۹۲۸ء سے جولائی ۱۹۴۳ء تک۔ مولانا کی زندگی کے کل آخری ۱۵ سال کے! ۱۹۲۸ء سے ۲۵-۳۰ سال قبل کے کسی وعظ سے انکا تعلق ہی کیا؟

اس سے قطع نظر، کیا ایسا کوئی وعظ مولاناؒ کی زبان سے ممکن بھی ہے؟ "تصوف کوئی چیز نہیں ہے" یہ وہ بتائے جسکی ساری زندگی ہی طریق و تصوف کی بہترین خدمات میں گزری ہے؟ گلے میں کھنکھار اٹکنے کا نام ذکر جاری ہے" یہ وہ کہے جسکی عمر ہی ذکر و شغل کی تعلیم میں بسر ہوئی ہے؟ مولانا گنج مرادآبادی کو "تارک سنت" وہ ٹھہرائے جو اپنی مجلسوں میں اور اپنے وعظوں میں بار بار اور کثرت کے ساتھ، اُنکا ذکر، پوری تعظیم، پورے احترام، پوری عقیدت کے ساتھ بحیثیت ایک عالم ربانی اور درویش کے کرتا رہنے کا خوگر ہو؟

کتاب "بشریٰ"

صدق ۲۲ میں بشریٰ نامے جس کتاب کے مفت دستیاب ہونے کا ذکر تھا، اُسکے سلسلہ میں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ قیمت اصل کتاب کی نہیں لی جاتی - باقی محصول ڈاک کے لیے ۶ پیسہ کا ٹکٹ ناشر کو بھیجنا چاہیے۔

ارشاداتِ اشرفیہ

(از سید غلام رسول صاحب معتمد دعوت الحق ناراین گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۵)

(۱) نفس کو امراض باطنی (یعنی بُرے اخلاق) سے پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

(۲) خوف، رجا، محبت، توکل، رضا، صبر، شکر، تواضع، عقائد صحیحہ وغیرہ اختیار کرنا اعمال باطنی کہلاتے ہیں۔

(۳) دوسرے کی مصلحت (وضرورت) کو اپنی مصلحت (وضرورت) پر ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔

(۴) ہر مسلمان پر عقائد کی تصحیح اور اعمال ظاہری کی اصلاح اور (ظاہری گناہوں کے ترک) کے بعد اعمال باطنی کی اصلاح (اور باطنی گناہوں کا چھوڑنا) بھی فرض ہے۔

(۵) خواب یا بیداری کی حالت میں بلا واسطہ نظر و اکتساب غیبی راز کی باتوں کا قلب میں القاء ہونا الہام و کشف کہلاتا ہے۔

(۶) قبض و بسط کی زیادتی کو ہیبت و اُنس کہتے ہیں۔

(۷) محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت و استغنا کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا اور واردات سالک کا بند ہونا قبض کہلاتا ہے۔

(۸) محبوب کی تجلی جمالی یعنی آثار لطف و تفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت و سرور حاصل ہونا اور واردات سالک کا کھل جانا بسط کہلاتا ہے۔

(۹) کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح صوفیاء میں حال کہلاتا ہے۔

(۱۰) کسی حالت محمودہ کے ورود سے سالک کا بے خود ہو جانا وجد کہلاتا ہے۔

ماہنامہ "ضیا"

یہ اعلیٰ زنانہ ادبی رسالہ دو سال سے برابر پابندی وقت کے ساتھ، اپنی پوری رعنائیوں اور دلآویزیوں کے ساتھ جاری ہے ہر ماہ بہترین معیاری افسانے، غزلیں، نظمیں اور کشیدہ کاری کے نظر فریب نمونے شایع کیے جاتے ہیں - اسکا لحاظ خاص طور پر رکھا جاتا ہے کہ زیادہ تر مضامین خواتین ہی کے لکھے ہوئے ہوں - اسلیے خواتین اسکو بہت پسند کرتی ہیں اور دنیا کی معاون و سرپرست ہیں آپ بھی اسکی خریدار بن جائیے۔

سالانہ چندہ صرف ششماہی ... فی پرچہ

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:-

منیجر ماہنامہ ضیا - مرشدآباد بلڈنگ - گولہ گنج لکھنؤ

نمبر ۸ | دوشنبہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۴۳ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

(ایک حال کے ایم اے کے قلم سے)

اسکول کی زندگی بھی بے فکری اور غیر ذمہ داری کی زندگی ہوتی ہے۔ اس زندگی میں ایسے بیسیوں طالب علموں کا ساتھ رہا جن میں زندہ دلی اور شوخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ابھی اس پر فقرہ کسا، ابھی اس پر پھبتی کہی۔ پورا وقت لغویتوں اور بیہودگیوں میں بسر ہوتا تھا۔ ہنسی مذاق، گانا گنگنانا یہی دلچسپ ترین مشغلے تھے۔ ساتھ ہی حوصلے اتنے بڑھے ہوئے کہ ہر ہر فرد آئی۔ سی۔ ایس ہونے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر بہت گرے تو خیر پی۔ سی۔ ایس سہی۔ سلامت رہیں اسکول کے ڈرامے، کہ انھوں نے کامیاب اداکاری پر تمغے دلائے، اور قدردانوں نے واہ واہ ایسی بڑھ بڑھ کر دی کہ بڑے بڑے فلم اسٹار کچھ اپنے ہمسر ہی سے نظر آنے لگے۔

زمانہ گزرتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی۔ جو کل تک اسکولی لڑکے تھے، اب وہ جوانی کو پہونچ چکے تھے۔ مدت کے بعد اب ان سے پھر ملنے کا اتفاق ہوا تو نقشہ ہی دوسرا نظر آیا۔ نہ وہ امنگیں تھیں اور نہ وہ ولولے۔ نہ وہ شوق باقی رہ گئے اور نہ وہ حوصلے۔ اسکولی زندگی میں ذمہ داری سے بھاگتے تھے، حقائق زندگی کا سامنا کرتے ہوئے جی چراتے تھے، اب ذمہ داریوں کا بوجھ سر پر آ پڑا تھا۔ اپنے کے راتب کے علاوہ بیوی بچوں اور دوسروں کا بھی

فکر ہے، یا اب کہ ہر وقت افسردگی اور پژمردگی چھائی رہنے لگی، اور جان فکروں میں گھلنے لگی۔ جو آئی۔ سی۔ ایس ہونے یا ضلع کے ڈپٹی صاحب اور چھوٹے صاحب بننے کے خواب دیکھ رہے تھے، انھیں کن مصیبتوں کے بعد ۲۰۔ ۲۵ روپیہ ماہوار کے مشاہرہ کی کلرکی ملی، اور دن بھر دفتر کی مزدوری میں سر کھپانا پڑا۔ کمپیٹیشن (مقابلہ) کے امتحانات میں بیٹھنا تو کیا نصیب ہوتا، چند کے سوا اسکولی ساتھیوں میں سے کوئی بی۔ اے تک بھی نہ پہونچ سکا۔

کچھ ایسے بھی تھے جو تعلیمی زندگی کی تازی یا اوسط منزل ہی میں ادھورا چھوڑ کے فلمی زندگی کی طرف لپکے تھے۔ انکی آنکھیں بھی اب ٹھوکریں کھا کے کھلیں۔ بڑا ارمان اپنی اداکاری پر تھا۔ دو ڈھائی سال تک کلکتہ اور بمبئی کی خاک چھانی۔ اسکے بعد اپنی صحیح قیمت کا اندازہ ہوا۔ خوش آوازی، خوبروئی کے کمالات میں دوسرے ان سے بڑھ بڑھ کر باکمال نکلے۔ فلم اور اسٹیج کی ظاہری اور نمائشی زندگی کی اندرونی تلخیوں اور اندرونی سختیوں کا تجربہ اب ہو کر رہا۔ عصمت، اخلاق، انسانیت، اور شرافت کی قربانیاں دے کر یہ عقدہ کھلا کہ فلمی زندگی کے ڈھول بس دور ہی سے سہانے ہوتے ہیں۔ شہرت ناموری کے پیچھے جتنا دوڑے اور اتنا وہ بھاگتی ہی گئی۔ بڑے بڑے تلخ تجربے حاصل کر کے بے نیل مرام وطن واپس آئے۔ اب فلم اور فلمی زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں، اور ان سب ساتھیوں اور ان دوستوں کو کوستے ہیں جنھوں نے لڑکپن میں یہ سبز باغ دکھائے تھے۔ اب خود ہیں اور دفتر کی جان لیوا زندگی کا چکر!

کام کی رفتار

اُردو تفسیر کا ... اول بحمداللہ اندازہ کے مطابق ۲۹ پاروں تک پورا ہو گیا۔ اب بقیہ پارہ ۳۰ انشاءاللہ ایک ماہ کا کام ہے۔ دو چار مہینے کا وقفہ دوسرے کاموں کے لیے نکال کر اسکے بعد اس پر نظرثانی شروع ہوگی، وہ بھی پورا وقت لے گی۔ نظرثانی سرسری ترمیم کا نام نہیں۔ بہت زیادہ اضافے اسی وقت کے لیے اُٹھا رکھے ہیں۔

پارۂ اول البتہ تقریباً تیار ہے اور صاف ہو رہا ہے۔ اور ناشر صاحب نے اگر طلب کیا تو اسی درمیان میں انکے حوالے کر دیا جائیگا۔ اب آگے انکی مستعدی پر ہے۔

امداد اس مد میں پچھلے ماہ میں، رقوم ذیل کی قبول کی گئی

۱- ایک مخلص مقیم پٹنہ و [illegible] (صہ ماہوار کی [illegible] قسطیں ۲۰ روپیہ)
۲- نواب غلام احمد کلامی مدظلہ (میسور) (۵ صہ قسط تک)

موصوف صدق کے پرانے کرم فرما اور اسلامی جنوبی ہند کے مشہور و مخلص قلمی کارکن ہیں۔ عمر انشاءاللہ ۸۰ سال کے قریب ہو چکی ہے۔ اللہ انکے اور مخلص کی عمر، صحت، سعادت میں بیش از بیش برکت عطا فرمائے۔

فسق کی وبا

بمبئی کے روزنامہ خلافت کا اقتباس بمبئی کارپوریشن کے ایک جلسہ کے سلسلہ میں:—

"گزشتہ اجلاس میں لیڈی سپرنٹنڈنٹ مرہٹی گرلز اسکول کا یہ مطالبہ زیر غور آیا تھا کہ بچیوں کو ناچنے کی تعلیم دینے کا بہت زیادہ اصرار ہو رہا ہے۔ اسکے لیے کسی مستقل معلم یا معلمہ کا تقرر منظور کیا جائے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ گانے (موسیقی) کی تعلیم کے لیے اسپشل ٹیچر پہلے سے مقرر ہیں، اور ہندو بچیوں کو گانے کی تعلیم مدت سے دی جا رہی ہے۔ گانا چونکہ بغیر ناچنے کے نامکمل رہتا ہے اس لیے اب ماہر رقص کا بھی تقرر ضروری سمجھا جا رہا ہے۔"

یہ مثال صرف نمونہ کے طور پر نقل ہوئی۔ باقی یہ گانے بجانے بلکہ ناچ تک کو جزو تعلیم بنانے کا مطالبہ تو عام ہوتا جا رہا ہے۔ اور شیطان نے اس راہ سے حملہ پوری قوت اور زور کے ساتھ شروع کر دیا ہے۔ —— تحریک کی ابتدا غیر مسلموں کی طرف سے ہوتی ہے لیکن مسلمان جو ہر چیز میں دوسروں کی تقلید اور اندھا دھند تقلید کے خوگر ہو چکے ہیں، کب تک اسکے اثر سے اپنے کو بچا سکینگے؟ بلکہ بالکل بچے ہوئے اب بھی کب ہیں؟ ناچ گانا تو ہندو تہذیب کا عین جزو ہیں۔ دیوتاؤں نے اسے پسند کیا ہے، خود شرکت کی ہے۔ راگ ایجاد کیے ہیں، معبود اعظم شیوجی مسلسل رقص کناں ہیں۔ اور فرنگی تہذیب میں رقص زن و مرد کی جو اہمیت ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے۔ چکّی کے ان دونوں پاٹوں کے بیچ میں آ کر

مسلمان قوم اپنی انفرادیت و شخصیت کب تک محفوظ رکھ سکتا ہے؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ اس شدید اور صریح فتنہ کے مقابلہ کے لیے مسلمان اپنا ایک متحدہ محاذ قائم کر لیں اور ہر سیاسی مسلک کے لوگ کم از کم اس جزو پر تو ہم آواز ہو جائیں۔ شہری زندگی کی اندرونی حالت کیا سے کیا ہو چکی ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دس برس بعد ہماری شرافت و عزت کی، اس راستے کیا نوبت ہو کر رہیگی!

فسق کا حملہ

"فلم سازی کے نقصان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ چھ چھ، سات سات اور دس دس سال کے معصوم بچے اپنے نفع و نقصان سے بیخبر حالت میں بازاروں اور گلیوں میں "آئے بھی وہ گئے بھی اور افسانہ ہو گیا" وغیرہ عشقیہ گیت گاتے ہیں، اور اگر یہ مبالغہ نہ سمجھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس فلم سازی نے ملک کی آیندہ نسل ہی بالکل تباہ کر دی"۔

یہ رائے ایک غیر مسلم اخبار ریس نے ظاہر کی ہے جسکے نزدیک فلم سازی مطلقاً مذموم نہیں، بلکہ روشن، تاریک، مفید و مضر دونوں دونوں پہلو رکھتی ہے —— واقعات و مشاہدات، تجربات بالکل صحیح ہیں، لیکن آیندہ نسل کی اس ساری "تباہی" کو آخر تباہی ہی کیوں فرض کر لیا جائے؟ یہ علامتیں تو عین ترقی، آرٹ نوازی، جمال دوستی کی ہیں!

ناکافی علاج

دہلی کا ایک مشہور غیر مسلم ہفتہ وار "تعلیم یافتہ غنڈہ ازم" کا ایک تازہ واقعہ درج کرنے کے بعد لکھتا ہے:—

"کسی خاتون سے گندہ مذاق کرنے کی دفعات میں زیادہ سزا نہیں۔ اور عام طور سے کچھ جرمانہ ہو جاتا ہے۔ جو اس تعلیم یافتہ غنڈہ ازم کو ختم کرنے کے لیے کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ پنجاب گورنمنٹ اپنے صوبہ کے اس شرمناک سیاہ دھبّے پر فوراً توجہ دے اور ایک نئے بل کے ذریعہ اس تعلیم یافتہ غنڈہ ازم کا معاوضہ بیدوں کی سزا مقرر کیا جائے اور بید بھی چوکوں اور گزرگاہوں میں لگائے جائیں تاکہ دوسرے اُن طلبا کو عبرت ہو۔ جو خواتین کو ناجائز دق کرنے کو ہی عشقبازی سمجھے ہوئے ہیں۔ اور محبت کو رسوا کرتے ہیں"۔

ایسے کھلے ہوئے بدمعاشوں اور گندہ فطرتوں کے لیے سزا بید اور تازیانہ کی عین مناسب اور تعزیرات اسلامی کے مزاج کے بالکل مطابق ہے، اگرچہ بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسے پیش کرنا خود بڑی ہمت اور مردانگی کا کام ہے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ محض سزا کیسی ہی سخت سہی، جرم کی روک تھام کے لیے کافی بھی ہوگی؟ اسکولوں اور کالجوں کی جب تک یہ آزادیاں اور بیباکیاں قائم رہینگی، بیحیائی اور عریانی جب تک داخل فیشن سمجھی جائینگی، بے حجابی اور آزادانہ خلط ملط کی جب تک داد ملتی رہیگی، "ڈانس" اور "میوزک" جب تک دلیل عزت سمجھے جائینگے، سینما، تھیٹر اور آپیرا جب تک وہاں پر مسلط رہینگے،

کا بیس [illegible] "محاسن" اور "ذیلی" جیسے افسانے جنک
روپ لطیفت کے نوٹے سمجھے جاتے رہیں گے، کوئی بھی عدالتی سزا
کافی ہو سکتی ہے؟ — "قمر دریا" جیسا "تختہ بندی" کے ساتھ "دامن
ترنہ ہونے پائے" کا حکم کہیں بھی نبھ سکتا ہے؟ یہ تو اسلام ہی کا
قانون ہے، جس نے بدی اور بدکاری کے ساتھ ساتھ اسکے اصلی
سرچشموں کو بھی بند کیا ہے!

"ڈائری" اور "نقوش"

"نقوش و تاثرات" مدت کے بعد لکھنے سے

ایک مراسلہ :-

"نقوش و تاثرات کا ہر نمبر جب ختم ہوتا ہے تو عجب کیفیت ہوتی
ہے۔ کچھ اپنی بے بسی پر جھنجلاہٹ اور کچھ ہنسی اور بجز آمیزہ کاشدید
اظہار۔ پچھلے نمبر کے خاتمہ پر تو بہت ہی ہنسی آئی کہ کہاں جا کر چھوڑا
ہے کہ کچھ بتائے نہیں بنتی۔ خیر یہ سلسلہ تو ان شاء اللہ مکمل ہو ہی
جائیگا۔ لیکن ایک بات اسی ضمن میں اور عرض کرنا ہے، وہ یہ کہ
"محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق" کا سلسلہ بھی کچھ کم ضروری نہیں
بلکہ چونکہ اسکے نامکمل ہی رہ جانے کا خدانخواستہ اندیشہ زیادہ ہے،
اس لیے اُدھر توجہ فرمانے کی اور زیادہ ضرورت ہے اور کیوں کہ
ساتھ یہ تو یقینی ہے کہ مطبوعہ و شایع شدہ اوراق کی نظر ثانی بھی
ہو جائیگی"

بیشک دونوں سلسلوں کی تکمیل اپنی اپنی جگہ ضروری ہے۔
حکیم الامت جیسے مخدوم ملت اور مقتدائے دین کی خدمات شریعت و
طریقت کو کسی درجہ میں بھی اپنی بساط کے لائق روشناس کرانا خود
اپنے لیے سرمایہ سعادت و افتخار ہے۔ عظمت، احترام کا حق کسی ادنیٰ سے
ادنیٰ درجہ میں بھی ادا ہو جائے تو زہے نصیب!

ترسے جو اہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں!

اسی طرح دین کے اس دیوانے اور متوالے، اور ملت کے اس عاشق
و شیدائی، چاک گریباں، محمد علیؒ کی تصویر کسی حد تک بھی اگر کاغذ کے
صفحہ پر اُتر سکے، تو کچھ تو حق محبت کا ادا ہو جائے۔ لوگ "ڈائری"
کی داد دیتے دیتے شاعری کی حد تک پہونچ جاتے ہیں، یہ ساری لذت
اور کسک تو خود محمد علیؒ کی محبوبیت کا صدقہ ہے!

جان ڈالی ہے ترے نام نے افسانے میں!

بس ہر مخلص دعا صرف اتنی کرتا رہے کہ اللہ دوسرے ضروری کاموں کے
ساتھ ساتھ ان دونوں ضروری کاموں کے بھی انجام تک پہونچانے کی
فرصت و ہمت نصیب کرے! وقت تو آخر محدود ہی ہے، کن کن
کاموں کے لیے نکالا جا سکتا ہے۔ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس نا چیز
نے اس سن و سال میں، اور وہ بھی دیہات میں بیٹھ کر ایک نئی زبان،
جرمن کی تحصیل شروع کر دی ہے۔ اور بھولی بھالی ہوئی عربی صرف و نحو
... ... وقت نکالا ہے۔ تو پھر بہرحال محدود وقت
فرصت عمر محدود تر!

جگر میں اُٹھے کہ دل میں کہاں کہاں اُٹھے
کسی کا درد محبت عجب عذاب میں ہے!

ایک مردہ دل قوم!

ایک سکھ بزرگ قوم کے قلم سے ہمعصر
"ریاست" (دہلی) میں :-

"جب سے سکھ قوم عالم وجود میں آئی، اس میں طوائفوں،
نقالوں، بھانڈوں، بہروپیوں اور رہس دھاریوں وغیرہ کی ہمیشہ
ہی مخالفت کی گئی، چنانچہ یہ تعجب کے ساتھ سنا جائیگا کہ اس وقت
۵۰ لاکھ کے قریب سکھوں میں ایک بھی پیشہ ور عورت، نقال، بہروپیا
یا راس دھاری نہیں۔ حالانکہ موسیقی کا سکھ ازم کے ساتھ اتنا ہی
تعلق ہے جتنا ایک ہندو کا شاستروں کے ساتھ۔ یعنی کوئی گوردوارہ
ایسا نہیں جہاں صبح ۴ بجے سے ۸ بجے تک سازوں کے ساتھ
گورو صاحبوں کے بھجن نہ گائے جاتے ہوں"۔

لا حول ولا قوۃ! یہ سکھ قوم تو بڑی ہی مردہ دل نکلی، اور رندکردی
اس نے رجعت پسندی کی! ۵۰ لاکھ کی آبادی میں نہ ایک عورت
بیسوا، نہ ایک مرد بھانڈ یا نقال! گویا آرٹ کی کوئی قدر ہی اس
توحید کا عقیدہ، اور چہرہ پر داڑھی رکھنے والی قوم کے دل میں نہیں!
اسے آخر اس ترقی اور ترقی پسندی کے دور میں زندہ رہنے کا کیا
حق ہے!

مسلمان بیسواؤں، مسلمان بھانڈوں، نقالوں، مسلمان ایکٹروں
اور ایکٹرسوں کی پوری آبادی کی آبادی اپنے اندر شامل رکھنے والے
مسلمان اب بھی کچھ شرمائیں گے؟ غیرت محسوس کرینگے؟

فحش لٹریچر کی اشاعت

حکومت پنجاب کے بعض ذمہ دار افسر محسوس کر رہے ہیں کہ
کچھ مدت سے پنجاب میں فحش لٹریچر کی اشاعت روز افزوں ہو رہی
ہے۔ اور اب تک جو انسدادی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ ان سے
کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بعض ہفتہ وار اخبار اس معاملہ
میں خاص طور پر قابل اعتراض ہیں۔ اور اکثر حالات میں اس
قسم کی گندی کتابیں دہلی کے کسی پریس میں چھپ کر لاہور میں فروخت
ہوتی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف فحش نگاری
کا مقدمہ قائم کیا جاتا ہے تو بعض اچھے خاصے معزز آدمی جن میں
ایم۔ ایل۔ اے اور سول سروس کے بعض افسر بھی شامل ہیں، ملزموں کے حق
میں شہادتیں دیتے ہیں کہ اس قسم کے لٹریچر کو "ترقی پسند ادبیات" میں شامل ہیں۔
ایسے حالات میں حکومت کو اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ ادب ترقی پسند ہو یا غیر
ترقی پسند، تحریر و تقریر میں اخلاق کا ایک خاص معیار ہر حالت میں مدنظر رکھنا

(باقی ...)

اصلاحات مسلم یونیورسٹی

[شیخ ظفر احمد صاحب صدیقی ایم اے لکچرار انٹرمیڈیٹ اسلامیہ کالج الٰہ آباد ممبر مسلم یونیورسٹی کورٹ کی تحریک پر حال میں ایک سب کمیٹی یونیورسٹی کورٹ نے طلبہ کی مذہبی اصلاحات سے متعلق بنی ہے - ذیل میں اس کمیٹی کے سوالات مع جوابات درج کیے جاتے ہیں]

س ١ - اسلامی نقطۂ نظر سے آپ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے ماحول میں کیا کمی پاتے ہیں اگر پاتے ہیں تو آپ اس کمی کو دور کرنے کے لیے کوئی عملی تجاویز پیش کرسکتے ہیں -

ج ١ - ماحول میں اسلامیت کی کمی تو یقینی اور بدیہی ہے - بعض اصلاحوں سے صورت حال کسی حد تک یقیناً بہتر بنائی جا سکتی ہے - لیکن جو خرابیاں بنیادوں ہی میں داخل ہیں انکی اصلاح نہ اس کمیٹی کے بس میں ہے اور نہ یہ کمیٹی اسکی مجاز ہے -

س ٢ - کیا آپ کے خیال میں کچھ ایسے اثرات ہیں جو یونیورسٹی میں اسلامی فضا کے قیام میں رکاوٹ ہیں -

ج ٢ - جی ہاں، ایسے موثرات متعدد ہیں، ان میں سے دو اہم موثرات یہ ہیں -

(الف) مختلف مضامین کا اسلامی و دینی نقطۂ نظر سے ناقص و قابل اعتراض کورس (شاعری، ادب، تاریخ وغیرہ کی بہت سی کتابیں اس ذیل میں آ جائینگی -

(ب) اسٹاف کے اکثر ارکان کی غیر اسلامی بلکہ بعض ارکان کی تو مخالف اسلام زندگی

س ٣ - کیا طلبہ کی کثرت ارکان اسلام کی پابند ہے، اگر نہیں تو آپ کے خیال میں اسکی کیا وجہ ہے -

ج ٣ - طلبہ کی اکثریت ارکان اسلام کی پابند نہیں - وجہ بالکل ظاہر ہے یعنی اساتذہ اور یونیورسٹی کے اعلیٰ عہدہ داران کی اکثریت خود ہی کب ارکان اسلام کی پابند ہے ؟ طلبہ وہی رنگ قبول کرتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاتے ہیں -

س ٤ - کیا آپ کے خیال میں طلبہ کی نماز کی حاضری کے لیے جو موجود نظام ہے وہ کافی ہے ؟

ج ٤ - بالکل ناکافی - جب تک اسٹاف خصوصاً اسکے سینیر ممبروں کو نماز کی پابندی لازم نہ کی جائیگی محض طلبہ پر ساری سختیاں بے اثر رہینگی - یہ رائے پوری ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ظاہر کی جا رہی ہے -

س ٥ - کیا آپ کے خیال میں عام طور سے یونیورسٹی کیں تقریباً چار سال گزرنے کے بعد ایک طالب علم علی حیثیت اسلام زیادہ تر نکما ہوتا ہے یا دوسرا

ج ٥ - اگر دوسرا نہیں ہوتا تو نزدیک بھی نہیں جاتا -

س ٦ - کیا آپ کے خیال میں یونیورسٹی کی فضا اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ طلبا کے سامنے پیش کرتی ہے -

ج ٦ - جی نہیں، بالکل نہیں - جب تک دائس چانسلر سے لیکر جملہ تک یونیورسٹی کے عہدہ دار اور فلسفہ، سائینس، تاریخ، انگریزی کے اساتذہ خود اسلامی سیرت و صورت کا نمونہ پیش کریں گے طلبہ اسی طرح بھٹکتے پھرینگے

س ٧ - کیا یونیورسٹی کے نصاب تعلیم میں کوئی ایسی کتابیں ہیں جو مسلمانوں کے عقائد کی تخریب کرنے والی یا اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہیں -

ج ٧ - جی ہاں - برابر ہر سال کسی نہ کسی مضمون میں لغو اور بیہودہ کتابیں رکھی جاتی ہیں - کبھی اردو ادب میں، کبھی انگریزی ادب میں، کبھی تاریخ میں، کبھی کسی اور مضمون میں -

س ٨ - کیا یونیورسٹی کے نصاب دینیات اور تعلیم دینیات کو ہمارے نوجوان طلبہ کی ضروریات کے مطابق بہتر بنانے کے لیے آپ کوئی تجاویز پیش کرسکتے ہیں ؟

ج ٨ - اصلاح نصاب دینیات و تعلیم دینیات تو بجائے خود ایک طویل و مستقل موضوع ہے - یہاں اشارۃً صرف دو باتیں عرض کرنے کی گنجائش ہے -

(الف) نصاب میں برابر اسکا لحاظ رہے کہ وہ عامیوں کے لیے اور بوڑھوں کے لیے نہیں، نوجوانوں اور انگریزی سے متاثر و مرعوب نوجوانوں کے لیے ہے - ان کتابوں کے لکھنے والے چاہے خود کسی پایہ کے محدث و فقیہ نہ ہوں لیکن متکلم ضرور ہوں - اور کتابیں ایک مخصوص و متعین ضرورت کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہوں -

(ب) یہی معیار اساتذۂ دینیات کے لیے ہونا چاہیے - وہ چاہے بڑے عابد و زاہد و تہجد گزار نہ ہوں، لیکن ایسے ضرور ہوں جو اپنی سیرت وکردار کی بنا پر طلبہ پر اپنا اثر قائم کرسکیں، اپنی وقعت پیدا کرسکیں - اور گفتگو بیسویں صدی کی زبان میں کرسکیں - بہرصورت یہ ہمیشہ ملحوظ رہے کہ علیگڈھ، علیگڈھ ہے، دیوبند یا فرنگی محل نہیں ہے -

س ٩ - اسلام کا مفہوم کیا ہے ؟

ج ٩ - ایمان و حسن عمل -

س ١٠ - اسلام کا مقصد کیا ہے ؟

ج ١٠ - بندوں میں عبدیت کا شعور و احساس پیدا کرنا اور انہیں انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی ہر حیثیت سے کامل اور بہترین بندہ بنانا -

س ١١ - اس مقصد کے حصول کا کیا طریقہ ہے ؟

ج ١١ - احکام اسلام پر عمل -

س ١٢ - کیا تشبہ بالکفار والمشرکین سے ایک شخص جرم اسلام کا مرتکب نہیں ہوتا ؟

ج ١٢ - یقیناً غیر مسلموں سے ارادی تشبہ ایک شرعی جرم ہے، البتہ تشبہ کے مدارج مختلف ہیں اور اسی تناسب سے جرم کی اہمیت گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے -

س ١٣ - کیا امورین یونیورسٹی کا ارکان اسلام کی پابندی کا نمونہ

پیش کرنا یونیورسٹی میں اسلامی فضا پیدا کرنے کے لیے معاون ہو سکتا ہے۔
ج ۱۳۔ یقیناً بلکہ یہ تو اشد ضروری ہے اور عین لوازم میں داخل ہے۔
س ۱۴۔ کیا اسلامی اصول و اعمال کے غلبۂ مطلق کے بغیر اسلامی روح پیدا ہو سکتی ہے؟
ج ۱۴۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو احکام شریعت کے نفاذ پر تاکید کی ضرورت ہی کیا تھی۔
س ۱۵۔ کیا اللہ تعالیٰ سے تقوے اور اولی الامر کی اطاعت کی تربیت کے بغیر اسلامی روح پیدا ہو سکتی ہے؟
ج ۱۵۔ تقوے الٰہی تو بہر صورت لازمی ہے۔ البتہ اولوالامر کی تعیین اور اسکی اطاعت کے حدود میں گفتگو کی گنجایش ہے۔
س ۱۶۔ کیا اسلامی صورت و سیرت کے وقار و احترام کے بغیر اسلامی روح پیدا ہو سکتی ہے؟
ج ۱۶۔ ہرگز نہیں۔ البتہ سیرت اسلامی صورت اسلامی پر مقدم ہے
س ۱۷۔ کیا غیر ملکی الفاظ کے بجائے عربی الفاظ کا استعمال اسلامی فضا کی تقویت کا باعث ہو سکتا ہے؟
ج ۱۷۔ ایک حد تک۔
س ۱۸۔ کیا طلبہ اور اسٹاف کی کوئی ایسی جماعت جو اسلامی فضا کی علمبردار ہونے کا ذمہ اٹھائے اور اسکی طرف سے مقصد مطلوبہ کے لیے ایک رسالہ کا اجراء اسلامی فضا کے قیام میں مفید ہو سکتا ہے۔
ج ۱۸۔ ضرور مفید ہوگا بشرطیکہ خود مصلحین ہی کہیں غلط راہ پر نہ پڑ جائیں اور جزئیات میں غلو، انہماک خود بے دانشی اور خلاف حکمت ہے۔

عقیدۂ توحید اور صحت

ہم میں سے ہر شخص آرام و راحت، فرحت و مسرت اور صحتمند زندگی کی تمام برکتوں سے بہرہ ور ہونے کی آرزو رکھتا ہے اور ہر شخص کو اسکے حصہ کے مطابق یہ برکتیں ضرور حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جنکی توجہ اس مبدأ فیاض کی طرف منعطف ہو جسکی طرف سے یہ تمام برکتیں و نعمتیں ہم پر نازل ہوتی ہیں۔ تمام فیوض و برکات کا مبدأ اور منبع خدا کی ذات ہے، جو رحمٰن و رحیم ہے، فیاض و کریم ہے اور جو اپنے نیک بندوں کی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف اسکی حمد و ثنا کے ساتھ کریں اور اسی سے ہر لحظہ رہنمائی اور دستگیری کی توقع رکھیں۔

نہ صرف روحانی ارتقاء کے لیے بلکہ جسمانی صحت اور اپنی قوت عمل کو تر و تازہ رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خدا کی ذات پر ہمارا اعتقاد غیر متزلزل ہو اور ہمیں اچھی طرح معلوم ہو کہ بیماری نا چاری، مصیبت، خوف و دہشت، رنج و غم اور پریشانی کے موقع پر ہم کو ہمدردی، مدد، طاقت اور رہنمائی کے لیے اسی کی بزرگ و برتر ذات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جسمانی تندرستی بڑی حد تک صحت پر منحصر ہوتی ہے۔ روحانی اطمینان کا مطلب ہے خوف اور کشمکش سے چھٹکارا پالینا۔ اور یہ چیز صرف انھیں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے خالق کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور اسکا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ (جریدۂ صحت عامہ)

طلبہ کا شرمناک رویّہ

۳- جون کو پنجاب یونیورسٹی سینیٹ کے اجلاس میں پراکٹروں کے تقرر کے سلسلہ میں ایک قرارداد پیش ہوئی۔

... اس قرارداد پر بحث کے دوران میں معزز اور ذمہ دار حضرات نے نہایت ذمہ دار الفاظ میں لاہور کے کالجوں کے طلبہ کی اخلاقی حالت پر تبصرہ کیا اور لارنس گارڈن اور دوسرے مقامات پر کالجوں کے طلبہ آوارگی اور بداخلاقی کے جو مظاہرے آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ انکا ذکر کیا۔ ایک صاحب نے یہ بھی کہا کہ راتوں کو یہ طلبہ ہوٹلوں میں خوش وقتی کرتے ہیں اور آدھی آدھی رات تک اپنے ہوسٹلوں سے باہر رہتے ہیں۔ انکا یہ رویہ علی العموم نہایت شرمناک ہے۔ انکے والدین انھیں تعلیم و تربیت کے لیے یونیورسٹی کے سپرد کرتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی نے اب تک ان کی تہذیب و درستی اخلاق کے سلسلہ میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔

بحث کے بعد قرارداد منظور ہو گئی۔ لیکن سنڈیکیٹ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ پرنسپلوں کی ایک کمیٹی مقرر کرے جو عملی تدابیر تجویز کرے لیکن ہمارے نزدیک یہ کمیٹیاں بالکل مفید نہیں ہو سکتیں۔ نوجوانوں کی آوارگی اور اخلاق باختگی کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ جب تک انھیں کالجوں میں مذہب و اخلاق کی پابندی کی تعلیم نہ دی جائیگی اور جب تک ایسے اساتذہ مہیا نہ کیے جائیں گے جو نیکی اور شائستگی میں طلبہ کے لیے نمونہ ہوں۔ کوئی تدبیر اور کوئی نگرانی طلبہ کے رویہ کو درست نہیں کر سکتی۔ (از انقلاب)

(بقیہ صفحہ ۸)

اور اپنی نانیوں دادیوں کے قوے کو اپنے اندر برقرار رکھتی ہوتیں تو بغیر خوف انکار یہ کہا جا سکتا تھا کہ اب مرد عورتوں کی جسمانی حیثیت کے مساوی ہی نہیں کمتر ہیں۔ مگر بدقسمتی سے جو ماحول لڑکوں کو بگاڑ رہا ہے لڑکیوں کو بھی بگاڑ رہا ہے۔ نہ لڑکوں کو مذہبی شعائر کا کوئی خیال ہے۔ نہ لڑکیوں کو۔ نوجوان نسل کے زیر تعلیم "فیشنبل" لڑکے مسجد میں اگر کبھی داخل بھی ہوتے ہیں تو صرف حوض کے پانی سے منہ دھو کر صحن مسجد کے زینہ پر لگی ہوئی آرسی میں جیب میں چھپے ہوئے پوڈر، آئینہ اور کنگھی کا استعمال کرکے سنیما جانے کے لیے۔ اور لڑکیوں کا احوال خود ضمیر پر ہے۔ تو لڑکا اپنی قدرتی اور مصنوعی زینتوں کے ساتھ کالجوں میں مردوں کے ہمدوش ہو کر چشم و گوش، نیت و عمل کی لغزشوں پر ابھارتا رہتا

مشورے اور گزارشیں

نمبر (١٩)

(س، علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی)

س۔ پہلے گزارش کی تھی اور اب دوبارہ عرض ہے کہ حضرت تھانویؒ نے تصوف کے مطالعہ کو اس وقت تک منع کیا ہے جب تک انسان علوم عقلیہ و نقلیہ کا ماہر نہ ہو۔ دارالعلوم ... میں معقولات کا تو خیر پورا انتظام ہے مگر معقولات کا حضرت تھانویؒ کے معیار کے مطابق انتظام نہیں ہے۔ فلسفہ کی آخری کتاب میبذی اور منطق کی آخری کتاب قطبی ہے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ براہ کرم میرے اس التباس کو دور فرمائیں۔

ج۔ حکیم الامتؒ کی اصل عبارت تو پیش نظر ہے نہیں، لیکن یقیناً آپؒ نے جس چیز سے ایک وقت خاص تک کے لیے منع فرمایا ہوگا وہ فنِ تصوف ہے، جس میں دقیق مباحث وحدت وجود و وحدت شہود، صحو و سکر، قبض و بسط، تجدد امثال وغیرہ کے آتے رہتے ہیں۔ اور وہ بغیر فلسفہ و کلام وغیرہ میں مہارت کے طے نہیں ہوسکتے۔ اس اصطلاحی فن تصوف سے بالکل الگ سوال اپنی اصلاح باطن کا ہے، اور وہ اصلاح ظاہر کی طرح ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اسکو وقیق سے کل فن سے کچھ تعلق نہیں۔ سراسر عملی چیز ہے۔ اور اسکی تسلیم حکیم الامتؒ رات دن دیا کرتے تھے، عامی و عالم سب کو۔ مثال بالکل طب کی سی ہے۔ ایک تو فن طب ہے۔ اُسکی باقاعدہ تحصیل سے قبل بعض علوم ابتدائی میں مہارت ضروری ہے۔ دوسری چیز ہے اپنی صحت درست رکھنے کے ڈھنگ اور طریقے۔ وہ سب ہی کو سیکھنے لازم ہیں۔

س۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج قرآن شریف کی تلاوت ترجمہ کے ساتھ ختم ہوئی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ تلاوت ترجمہ کے ساتھ کی گئی۔ آئندہ بھی دعا ہے کہ اللہ اپنے فضل سے اور زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ مولانا تھانویؒ کے ترجمہ کی تلاش جاری ہے۔ موجودہ ترجمہ لفظی ہونے کی وجہ سے بے ربط ہوگیا ہے۔ ہم ایسے کم علموں کے لیے ضرورت تفصیل کی ہے۔

ج۔ اللہ مبارک کرے اور مزید ہمت عطا کرے۔ پرانے اُردو ترجموں میں بہترین ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا ہے لیکن ایک تو اُسکی زبان اب بہت پُرانی ہوچکی، دوسرے وہ ہے بالکل لفظی۔ حال کے ترجموں میں بہترین ترجمہ مولانا تھانوی ہی کا ہے۔ اُنکی حمائل آسانی سے دستیاب ہو جائیگی۔

مطالعہ محض ترجمہ کا کافی نہیں، بہت سے مقامات گنجلک رہ جائینگے۔ اُردو تفسیروں میں بھی بہ حیثیت مجموعی مولانا تھانویؒ ہی کی تفسیر بہترین ہے۔ گو ضخیم زیادہ ہے، اور بعض مقامات پر خود ایک مستقل شرح و حاشیہ کی محتاج ہے۔

خود عربی کی بھی اگر بقدر ضرورت تحصیل کا ارادہ کرلیا جائے تو یہ کام تھوڑی ہی سی ہمت سے ہوسکتا ہے۔ عربی زبان اتنی دشوار نہیں، جتنی عام طور سے فرض کرلی گئی ہے۔ چونکہ بہت باقاعدہ منضبط زبان ہے، اس لیے شروع میں محنت قاعدوں کے حفظ کرنے میں پڑتی ہے، اُسکے بعد راستہ صاف ہوجاتا ہے۔ یہ نہیں کہ انگریزی کی برابر محتاجی اہل زبان کی رہے۔ اور اب تو کتابیں عربی سیکھنے کی اردو میں آسان آسان تیار ہوگئی ہیں۔ ایک مستعد گریجویٹ آدھ گھنٹہ روزانہ (یا اس سے بھی کچھ کم) اپنی فرصت کا نکال سکے تو چھ مہینے میں بہت کچھ آسکتا ہے۔

س۔ میری دوکان کا نام راجہ کمپنی ہے، اسی طرح اور بہت سی فرمیں ایسی ہیں کہ ان سے ہندویت یا انگریزیت ظاہر ہوتی ہے۔ ابھی ایک عزیز نے فرمایا کہ تجارتی اداروں کا بھی ایسا نام رکھنا مناسب نہیں ہے، وہ بھی من تشبہ بقوم کی زد میں آسکتے ہیں۔

ج۔ بات اصلاً بالکل صحیح ہے، لیکن یہاں اس اصل کے انطباق میں گفتگو کی گنجائش ہے۔ لفظ "راجہ" کا استعمال غالب بیشک ہندوؤں ہی میں ہے، لیکن یہ سمجھنا ذرا زیادتی ہے کہ یہ لفظ خالص ہندو کا ہے۔ ہمارے صوبہ اودھ میں ایک نہیں متعدد "راجہ" پشتہا پشت سے مسلمان چلے آرہے ہیں، شیخ صدیقی تک ان میں ہیں۔ یہ خطابی راجہ ہیں۔ اور پنجاب میں بہت سے مسلمان خاندانی "راجہ" ہیں۔ اس لیے تشبہ حرام کی حد تک تو یہ نام نہیں پہونچتا، تاہم شبہ تشبہ سے بھی بچنا دلیل مزید احتیاط و تقوے کی ہوگی۔ فان ذالک من عزم الامور۔

(بقیہ صفحہ ٣)

ڈالر کا اور دنیا کی ہر قوم اس قسم کے کسی نہ کسی معیار کی پابند ہے۔ یہ اگلے زمانہ میں بھی بعض شعرا کبھی کبھی فحش نویسی کا مشغلہ اختیار کرلیتے تھے، لیکن ایک تو شاذ و نادر ایسا ہوتا تھا، دوسرے کوئی شاعر، ادیب، نقاد یا پابند اخلاق آدمی تو اُنکی اس حرکت کو نہ پسندیدہ قرار دیتا تھا، نہ اسکو ادب اور آرٹ کی خدمت کا مرتبہ دینے پر آمادہ ہوتا تھا۔ لیکن آج معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ زمانہ قدیم کے بالکل خلاف آج اس قسم کا لٹریچر ہزاروں لاکھوں پرچوں اور کتابوں کی صورت میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں تک کے ہاتھوں میں پہونچتا ہے اور اُنکی جسمانی و اخلاقی ذہنی و نفسیاتی صحت کو برباد کررہا ہے۔ (انقلاب)

ارشادات اشرفیہ

(۶)

(از سید غلام رسول معتمد دعوت الحق - نارائن گوڑہ - حیدرآباد دکن)

(۱) کسی حالت محمودہ کے وارد ہونے سے سالک میں جو تغیر ہو یا کہ سالک خود اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنے کا قصد کرنا تو اجد کہلاتا ہے۔

(۲) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اُس کی یاد سے لذت محسوس ہونا اُس گناہ کی توبہ مقبول نہ ہونے کی علامت ہے۔

(۳) قرآن مجید کی جو تفسیر شرعی اور عربی قواعد کے خلاف ہو وہ تفسیر بالرائے کہلاتی ہے۔

(۴) ایک سلسلہ میں بیعت ہو کر دوسرے سلسلہ کے طریق پر چلنا ممنوع نہیں ہے۔

(۵) گردن جھکا کر چلنا، بات چیت اور معاملات میں سختی نہ کرنا غیظ و غضب میں مغلوب نہ ہونا، انتقام کی فکر میں نہ رہنا وغیرہ خشوع کے ظاہری آثار ہیں۔

(۶) جو شخص تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ نقشبندی ہے اور جو تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ چشتی ہے۔ خواہ کسی سلسلہ میں بیعت ہو۔

(۷) ریاضت و مجاہدہ سے قرب حق اور وصول الی اللہ کی استعداد اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص جذبی تعلق کا پیدا ہو جانا نسبت، سکینہ، نور کہلاتا ہے۔

(۸) تعلیم و اصلاح کی غرض سے مرید کے امراض روحانی پر مطلع ہونے کی سعی کرنا داخل تجسس اور ممنوع نہیں ہے۔

(۹) فساد کی غرض سے کسی کی پوشیدہ بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تجسس ہے۔

(۱۰) بیعت کو شرط نفع یا علت نفع سمجھنا بدعت ہے۔

رسید کتب

(۱) اصطلاحات پیشہ وراں حصہ ۴ ، ۵ و ۶ - از مولوی ظفر الرحمن صاحب دہلوی صفحات ۴۵۹ و ۲۰۰ و ۲۰۰ علی الترتیب تقطیع ۱۸×۲۲ قیمت عہ و ۱۲؍ و عہ علی الترتیب

پتہ، انجمن ترقی اُردو - دریاگنج - دہلی -

قبل کی ۳ جلدوں پر تبصرہ عرصہ ہوا نکل چکا ہے - حصہ ۴ زیورسازی، مرصع کاری، آئینہ سازی، حمامی، باجہ سازی، نقاشی، مصوری، کتابت، طباعت، جلد سازی، ٹاٹل بندی، گاڑیبانی، حمالی، پیراکی، ملاحی وغیرہ کے الفاظ ہیں، حصہ ششم کاشتکاری، باغبانی و بیاکی وغیرہ پر مشتمل ہے - مختلف فنون اور صنعتوں کی اصطلاحات و محاورات کا ایک بے بدل خزانہ ہے - مرتب اور ناشر دونوں کے لیے قابل فخر -

(۴) پودے اور اُنکی زندگی - از اُستاد سعید الدین صاحب صدر شعبۂ نباتات، جامعہ عثمانیہ دکن) صفحات ۱۱۰ تقطیع ۱۸×۲۲ قیمت ۱۲؍ پتہ، انجمن ترقی اُردو - دریاگنج - دہلی -

نباتیات (BOTANY) پر ایک ماہر فن کے قلم سے ایک مفید و قابل قدر رسالہ - تفصیلی تبصرہ کوئی ماہر فن ہی کر سکتا ہے۔

(۵) سرمایہ - از م، م، جوہر صاحب - صفحات ۱۲۸ - مجلد - قیمت درج نہیں - پتہ، مکتبۂ برہان - دہلی - قرول باغ -

سوشلزم (اشتراکیت) کے امام کارل مارکس کی کتاب کیپٹل کا اپنا یا ہوا ترجمہ و خلاصہ - اشتراکی نقطۂ نظر و طرز فکر کا مستند ترجمان -

(۶) ہمارے بینک - از محمد احمد صاحب سبزواری - ایم اے - ۱۵۰ صفحات - قیمت عہ - پتہ، انجمن ترقی اُردو - دریاگنج - دہلی -

موجودہ نظام بینکاری اور کاروباری لین دین پر اُردو میں ایک پُر معلومات، جامع و مفصل کتاب -

(۷) تاریخ امارت - از مولانا عبد الصمد رحمانی صاحب ناظم امارت شرعیہ صوبۂ بہار - صفحات ۱۶۴ - قیمت عہ پتہ، دفتر امارت شرعیہ صوبۂ بہار -

امارت شرعیہ صوبۂ بہار کی مفصل تاریخ و تبصرہ - اور اس سے قبل کی تحریکات اسلامی پر تبصرہ -

---

دارالاشاعت لائبریری

(از قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد - کیمل پور)

صدق کے گرامی قدر ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ دارالاشاعت لائبریری ہی کے لیے پیشکش کی قسط دوم کا ذکر صدق کے لیے پیش کر رہا ہوں -

۱- جناب سید عقیل احمد صاحب جعفری خیرآبادی کتاب پری دنیا دو عدد

۲- جناب حاجی شیر محمد خاں صاحب بی اے شمس آباد تفسیر بیان القرآن (تھانوی) کامل - بیان القرآن (محمد علی لاہوری) کامل - تفسیر حقانی کامل خلاصۃ التفاسیر کامل - تفسیری نوٹ - سیر الصحابہ کامل - سیر الصحابیات - تابعین کامل - مفتاح العلوم (شرح مثنوی، جلد اول) سیرۃ النبی (۳ جلد) نجوم القرآن - شرح صحیح بخاری (انگریزی) از اسد نومسلم -

انکے علاوہ ممدوح نے اپنی تمام کتب کو دارالاشاعت کے لیے ہر وقت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے -

---

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - مرشدآباد دیلیس - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

تہذیب مشرق کا انجام

تعلیم یافتہ لڑکے اور لڑکیوں کی ترقی پذیر بے غیرتی کا افسانہ ایک "قدامت پسند" باپ کی زبانی سنیے جو اخبار دیش سیوک میں شایع ہوا ہے۔ اپنی لڑکی کے متعلق اسکا بیان ہے کہ

"ایک دن میری سیکرٹری نے مجھے ایک ٹکٹ دیا اور بولی آج شام کو میرا ناچ ہوگا آپ دیکھنے آئیے۔ میں یہ الفاظ سن کر بھونچکا رہ گیا اور ڈپٹ کر کہا، تم پیدا ہوتے ہی مر جاتیں تو اچھا ہوتا مجھے ناچ کر بدنام نہ کرو" لڑکی نے جواب دیا "تعصب کے کہنے سے بھینس نہیں مر سکتی، اگر میرا بوجھ نہیں برداشت کر سکتے تو میں ابھی گھر سے چلی جاؤنگی" یہ کہکر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور کتابیں اکٹھی کرنے لگی۔ یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ میں نے ساجت سے کہا کہ جاؤ ناچو، جو چاہتی ہو کرو، لیکن یوں بھاگ کر میری ناک نہ کٹواؤ۔ میں نے نجات حاصل کرنے کے لیے چاہا کہ اسکی شادی کردی جائے۔ جب اس نے سنا تو اپنی ماں سے یہاں تک کہدیا کہ اگر آپ کو شادی کرنی ہے تو جو لڑکا مجھے پسند آئے چن لو۔ اگر شادی میری ہے تو آپ کو قطعی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں، میں اپنا ساتھی خود ہی تلاش کرونگی"۔

یہ ایک معزز گھرانے کی ہندو لڑکی کی "آزاد خیالی" کا ایک نمونہ تھا۔ لیکن ہندو پھر ہندو ہے۔ ایک طرف اسکا مذہب اس قدر کچا ہے کہ نیچ ذات کے ہندو سے مس کرتے ہی ثبت ہو جاتا ہے، دوسری طرف اتنا پختہ ہے کہ خدا کا انکار بھی اُسے ہندو دھرم سے خارج نہیں کرسکتا۔ ایسی قوم جو خدا کو چھوڑ کر بھی اپنی سوسائٹی کا جزو بنی رہے اگر وہ اپنی تہذیب کو خیرباد کہکر مغربی تہذیب کا شکار ہو جائے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ لیکن اسلام سوسائٹی نہیں ہے، وہ ایک مستقل نظام حیات ہے ایک پائدار اور غیر متبدل قانون ہے اور دین و دنیا کا ایک جامع دستور العمل ہے۔ اس میں غیر اسلامیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی، اور اسکی رو سے ایک مسلمان کو اُسی وقت مسلمان کہا جائیگا جب اسکا دل و دماغ اسلامی ہو، اسکے حکومت ہو اور اُس میں ایسی تکوینی اور تعمیری قوتیں ہوں کہ وہ تہذیب کے صالح عناصر کو اسلامی رنگ میں رنگ سکے اور ہر مخالف ماحول کا رخ پھیر کر اپنے آپ کو عصری رجحانات کے پل صراط سے سلامتی کے ساتھ پار لیجا سکے!

لیکن آپ یہ سُن کر حیران ہونگے کہ یہی مسلمان آج ہر سیلاب میں بہنے اور ہر آندھی کے ساتھ اُڑنے کے لیے تیار رہے اور ہمارے رہنما تک اُس گمراہی میں مبتلا ہیں جو ہماری اجتماعی اساس کے لیے ڈائنامیٹ کا حکم رکھتی ہے۔

اگر یہ سچ ہے اور ایک مقامی اخبار کی یہ اطلاع کسی بنیاد پر تا ہے کہ سندھ کے لیگی وزیر اعظم عورتوں اور مردوں کے مشترکہ ناچ میں شریک ہوئے، اور جب اس ناچ کو بند کرنے کی تحریک پیش ہوئی تو آنریبل موصوف نے ممبروں کی اکثریت کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی رائے بھی مخلوط ناچ کے حق میں دی تو ہم اپنے قلب کو کب تک اس دھوکے میں مبتلا رکھیں گے کہ لیگی صوبوں میں اسلامی آئین اخلاق اور اسلامی تہذیب کا احترام کیا جائیگا اور "اپنے لوگ" غیروں کی نسبت اسلام کے لیے زیادہ خطرناک دشمن ثابت نہ ہونگے؟ (از مترجم)

فیشن ایبل طالب علم

جدید وقت کے بموجب رات کے ۹ بجکر ۲ منٹ ہوے تھے ایک مسجد میں جبکہ ہجوم کے آگے ایک دُبلا پتلا نحیف جسم اور سیاہ رنگ کا مگر چست آستینوں اور اونچے کالر کی موجودہ فیشن کی شیروانی پہنا ہوا نوجوان، داڑھی مونچھیں صاف، ننگے سر، سر کے بال پیشانی سے گُدّی کی طرف بے مانگ کے جمائے ہوئے، سائیکل سے اُسوقت اُترتا ہے جبکہ بیمار، بیس بوڑھوں اور ادھیڑ عمر والوں کی نماز عشاء کو ختم ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔ اور کچھ لوگ فرض کے بعد کی سنتیں پڑھ کر اور دو نفل میں مصروف ہیں۔ یہ نوجوان اپنا جوتا اتار کر حوض پر آتا ہے اور بعض مصروف اور نادنمازیوں کی توجہ بے ارادہ اسکی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ وہ غالباً صابن سے جو اسکی جیب میں پڑا ہوا تھا حوض پر ایسی جگہ بیٹھ کر جو کسی قدر تاریکی میں تھی اپنے "ریک" چہرہ کو خوب دیر تک دھوتا ہے، بالوں میں پانی لگاتا اور پھر ذرا دور، ذرا گہری تاریکی میں ہٹ کر اور ادھر ادھر دیکھ کر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سارے "بیوقوف" نمازی اوراد میں مصروف ہیں اور کوئی اُسے دیکھ نہیں رہا ہے، جیب سے کنگھی نکالتا اور سر کے بالوں کو اس احتیاط سے سنوارتا ہے کہ شاید کوئی مشرقی لڑکی بھی اپنے بال بناتے وقت اس احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتی، اور کنگھی جیب میں ڈال کر سائیکل پر بیٹھ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کا راوی نہیں بیان کرسکتا کہ آیا اس نے اپنے سیاہ چہرے کو پوڈر سے سفید کرنے اور "پنجاب کے طلبہ" کی طرح اپنے ہونٹوں کو لپ اسٹک سے سرخ کرنے کی کوشش بھی کی یا نہیں۔ شاہد کا خیال ہے کہ وہ اس طرح صحن، حوض، مسجد و زینۂ مسجد سے لڑکیوں کی طرح بن سنور کر کسی سنیما کو گیا کہ یہ سنیما کے دوسرے شو کے آغاز کا وقت تھا! یہ نوجوان ایک نمونہ ہے آجکل کے ان مسلم نوجوانوں کا جو موجودہ غیر اسلامی ماحول میں پیدا ہو رہے ہیں اور جو اپنے قویٰ کے اعتبار سے اس نوعمری ہی میں اس حال کو پہونچ گئے ہیں کہ انھیں قدیم مشرقی عورت گردن پکڑ کر ہوا میں معلق کرسکتی تھی، اگر آجکل کی لڑکیاں بھی مختلف معاشرتی اخلاقی پابندیوں سے دور ہونے کی وجہ سے مقابلۃً ویسی ہی کمزور نہ ہوگئی ہوتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم حافظ) عبد القوی بی اے

مضامین کے بارہ میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

" ششماہی ۳ ر

بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۱ ر
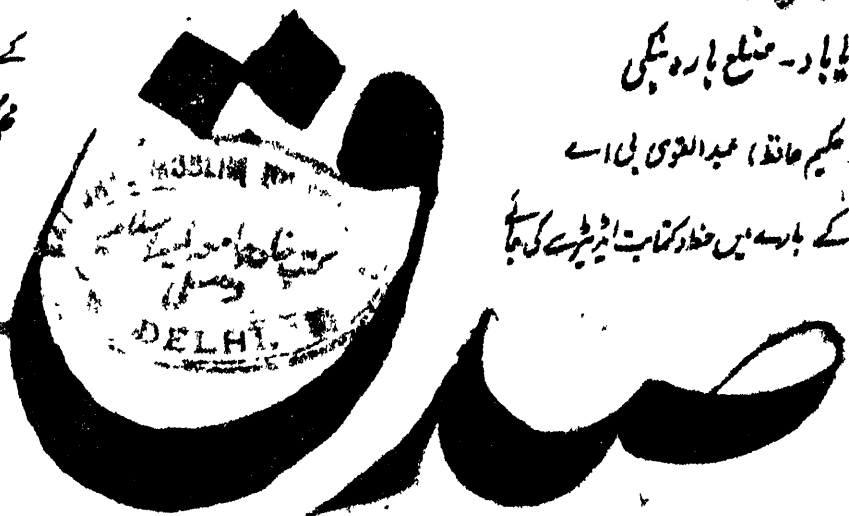
ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۲ | دوشنبہ - ۲۶ - رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۷ ؍ جولائی سنہ ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

یادِ ایام

نمبر (۶)

ایک سال قبل کا زمانہ ہے، سنہ ۱۹۴۳ء، مہینہ بھی جولائی کا، اور تاریخیں بھی یہی وسط ماہ کے قریب کی۔ ملت کی آنکھوں کا تارا، حکیم الامت تھانہ بھون میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ صحت اتنی اچھی کہ دوسروں کے لیے باعث رشک۔ طبیعت احتیاط اور "ڈسپلن" کی اتنی خوگر کہ پرہیزگویا جزو زندگی بن چکا ہے، اور جو اخلاقی، روحانی، دینی حیثیت سے پرہیزگاری کا مجسمہ تھا، وہ طبی اعتبار سے بھی ایک بے نظیر پرہیزگار رہے! ان ساری تدبیروں کے باوجود "وقت موعود" اپنے وقت پر آخر آہی کر رہا۔ جولائی کی ۱۹ ؍ رات کو آفتاب ہند غروب ہو کر رہا۔ ہزارہا ہزار مخلصوں اور خدا جانے کتنے اللہ کے مقبولوں کی دعائیں بے اثر رہیں ——— حکیم مطلق کی حکمتوں کا احاطہ ساری مخلوق مل کر بھی کسی درجہ میں نہیں کر سکتی!

: ہٹ رہے ہیں اُنکے گماں کیسے کیسے!

کیا کیا توقعات اُس ایک ذات سے قائم تھیں! کیسی کیسی امیدیں اس منفرد ہستی سے وابستہ تھیں! شریعت، طریقت، حقیقت کا کیسا اُجالا ہر طرف وہ ایک شمع پھیلائے ہوئے تھی؟ فلاں مسئلہ کی تحقیق مولانا سے کرلی جائیگی، فلاں دشواری کا حل اُسی مشکل کشا سے کرالیا جائے گا۔

سخن آتے رہے درمیاں کیسے کیسے!

تصنیف تالیف کا سلسلہ الگ جاری تھا، وعظ و تقریر کا الگ، مراسلت کا الگ، روزانہ مکالمت کا الگ، اصلاح کا "سستی" ہر ممکن ذریعہ سے جاری تھا۔ فیض کے حدود گویا لامحدود تھے۔ آخر زمانہ میں دائرہ تنگ ضرور ہو گیا تھا، تنگ ہوجانے پر بھی کتنا وسیع تھا! بالکل بند ہو گیا ہوتا، جب بھی نفس وجود کیا کم تھا! انوار اُس چہرہ ہی کے کچھ تھوڑے تھے ——— خیال بار بار یہ ہوتا تھا کہ موت اس تندرست دکھائی جسم کو زیر کرنے کے لیے آخر بہانہ کون سا اختیار کریگی؟ ایسے صحیح، پاکیزہ، مضبوط، توانا جسم کو گھلنے کے لیے بھی ایک مدت چاہیے۔ اور حضرت جیسے احتیاط مجسم بزرگ، مرض کو غلبہ پانے کا موقع ہی کیوں دینے لگے؟

نفس انسانی کیسے کیسے دھوکے دیتا رہتا ہے! آخر وہی منزل پیش آئی، جو اس سے قبل ہر ولی کو، ہر نبی کو پیش آچکی تھی۔ روحانیت کی بساط اُلٹ گئی، اور جنت کا چلا ہوا مسافر دم کے دم میں جنت واپس پہونچ گیا! اب اُس نورانی صورت کا دیدار بجز جنت کے اور کہاں ممکن ہے؟ ——— تفسیر بیان القرآن، بہشتی زیور، مناجات مقبول، تسہیل تربیت السالک، اور سیکڑوں دوسری کتابوں اور وعظوں کے مصنف کے اجر بے حساب کا حساب کوئی لگا سکتا ہے؟ خود حضرت مولانا کو اسکا اندازہ کب ہو سکتا تھا؟ یہ راز تو وہیں جنت میں جا کر کھلا ہوگا، کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی نمازوں کا اور ہر قسم کی عبادتوں کا اجر مولانا کے نامۂ اعمال میں لکھا جا رہا ہے! اوپر سے بھی ثواب پھٹا پڑتا ہے۔ نیچے بھی ثواب اُمڈا پڑتا ہے۔ اس تماشہ نے تو خود مولانا کو دنگ کر دیا ہوگا!— کتنے ہی بزرگوں کی "درگاہوں" اور "مزاروں" پر "عرس" ایک تاریخ معین پر بدعت کے سازوں اور معصیت کے نقاروں پر منایا جاتا ہے۔ توحید و سنت کے اس زبردست علم[illegible] یاد میں، آج ہم بھی کیوں نہ چند لمحے

اپنے مالک و مولا کے حضور میں نذر کریں شاید کہ اس بندہ کے بیشمار احسانات کا یہ اعتراف کسی درجہ میں اور کسی حد تک ہو سکے!

آخری وصیت

قائد ملت، مجاہد وقت، بہادر یار جنگ کی تقریر کا اقتباس (مدرسہ عربیہ نسواں (حیدرآباد) کے معائنہ کے موقع پر):

"عزیز بہنو! مجھے تم سے جو تمنا ہے وہ یہ ہے کہ تم ماں باپ کی اچھی بیٹیاں بنو، بھائیوں کی اچھی بہنیں بنو اور بچوں کی اچھی ماں بنو۔ تمہاری گودوں میں قابل قوم پل کر بڑی ہو گی۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ تم پوری طرح اپنے کو اس لائق بناؤ۔

وہ عورت کیا ہے جس کو گھر سے زیادہ باہر رہنے میں مزہ آئے۔ جلسوں اور جلوسوں میں اکثر وقت کاٹے۔ ایسی تعلیم تعلیم نہ ملنے سے بدتر ہے۔ تعلیم جو تم کو یہاں دی جا رہی ہے بڑی اچھی تعلیم ہے۔ مجھے تمہاری ترقی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ امید کہ تم خوب پڑھو گی اور جو پڑھو گی یاد رکھو گی۔ اس پر عمل بھی کرو گی۔ وہ علم کیا کہ جس پر عمل نہ کیا جائے۔ یاد رکھو میں تمہیں امام شافعیؒ کا ایک مقولہ سناتا ہوں۔ تم اسے یاد کر لو اور ہمیشہ کے لیے یاد رکھو ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی

فاوصانی الی ترک المعاصی

خدا کرے تم اچھی بیٹی، اچھی بہن، اور اچھی بیوی بنو، پھر تو تم ہر قسم کے معاصی ترک کر دو۔ دنگا، بیجا مذاق معاصی میں داخل ہیں، چغلی، ایک دوسرے کی برائی کرنا معاصی میں داخل ہے۔"

قائد کی ماتم کرنے والی قوم، قائد کی اس آخری وصیت کا کچھ بھی پاس کرے گی؟

تھیٹر کا شوق

"جب سے جنگ شروع ہوئی ہے انگلستان میں تھیٹر کا شوق بڑھ گیا ہے ... چنانچہ متعدد تھیٹر کمپنیاں اس وقت اضلاع میں کام کر رہی ہیں ... افسوس ہے کہ میں آسام و برما کے محاذ پر بہت غلط زمانہ میں یعنی شدید برسات کا موسم تھا آیا۔ تاہم ملاقہ امفال میں عین محاصرہ کے زمانہ میں میرے مجرے کئی ایک ہوئے خصوصاً امریکی سپاہ کے سامنے"

یہ برطانیہ کے ایک نامور ایکٹر اور ناٹک نویس نوئیل کاورڈ نے مشرقی محاذ کے دورے کے بعد اپنے چشم دید اثرات سے متعلق ایک بیان کے ضمن میں کہا۔ تھیٹر بینی کی خواہش "صاحب" کے دل میں اس جنگ جہاں سوز نے کچھ بجھائی نہیں، بلکہ اور بڑھا ہی دی ہے —— دماغ ہی سے لگا لپٹا رہنے والا اسلام اپنے اوپر ساری دنیا کو آخر کیوں قیاس کر رہا ہے؟

نشہ کی لعنت

ایسوسی ایٹڈ پریس ایجنسی کی روایت ہے کہ امفال کا محاصرہ جب ٹوٹا ہے تو سپاہ کو سب سے پہلے جو نعمتیں بہم پہنچائی گئیں، وہ وہسکی اور بیر تھیں! غریب محصور سپاہی اتنے دنوں سے صرف آدھا راشن پا رہے تھے، اور وہسکی اور بیر دونوں اس سے غائب تھیں! اسی نیوز ایجنسی نے اپریل میں یہ اطلاع دی تھی کہ انگریزی فوج نے فلاں مقام سے ہٹتے وقت یہ مصیبت بھی برداشت کی کہ اسکاچ وہسکی کی ۶۰ بوتلیں اپنے ہاتھوں برباد کر دی تھیں، اس ڈر سے کہ کہیں جاپانی اس نعمت پر قبضہ نہ پالیں" (ڈان۔ دہلی ۲۰ جولائی ۴۴ء)

یہ ہے آج کے "مہذب" "متمدن" سپاہی کا راشن! امن کے نشاط خانوں میں نہیں، عین موت و حیات کی بازی کے وقت میدان جنگ میں بھی اگر انہیں نان اور فلاں قسم کی شرابیں نہ ملیں، تو گویا انکے ہاں فاقہ کشی ہوئی! اور جب شراب کی بوتل مل جائے تو وہ خوش ہو کہ گویا دشمن کا کوئی ملک ہاتھ آ گیا! —— اسکا نام ہے تہذیب اور شائستگی!

اردو ایڈیٹرس کانفرنس

اس ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو اخبارات کی ایک آل انڈیا مجلس ہونی چاہیے اور اسکے نہ ہونے کے باعث اردو پریس بہت سخت نقصان اٹھا رہا ہے۔ چنانچہ حال میں ۱۲۔ جون سے آرڈیننس کے مطابق اردو کے اخبارات پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اسکا اندازہ اس سے کیجیے کہ صرف دہلی میں ۲۰ کے قریب اردو کے مقتدر اخبارات اور ماہوار رسائل اپنی ضخامت کو صرف ۳۰ فی صدی (یعنی جو انکا بارہ صفحوں پر شائع ہو رہا ہے آیندہ وہ صرف چار صفحہ پر شائع ہو) تک محدود کرنے پر مجبور رہیں۔ چنانچہ کئی ایک دوستوں نے تو بتایا کہ وہ اپنے اخبارات کو بند کرنے کے لیے سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے ہیں اور اگر یہ زندہ بھی رہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ اپنے خریداروں کو ریڈنگ میٹر کیا دیں گے، اور اشتہارات کے لیے جگہ کہاں سے لائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ مجلس قائم ہو تو [illegible] کہاں؟ اور جس صورت میں اسکے عہدوں کی مجموعی تعداد تو صرف پانچ چھ (یعنی صدر، نائب صدر، سکرٹری اور نائب سکرٹری وغیرہ) ہوگی اور ان عہدوں کے امیدوار (آل انڈیا آرگنیزیشن کی صورت میں) دو سو سے کم نہ ہونگے۔ تو اسکا قائم ہونا کیونکر ممکن ہے۔ اور اگر قائم ہو بھی گئی تو جوتیوں میں دال بٹنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ پچھلے چند برس میں ایڈیٹر "ریاست" نے متعدد بار یہ کوشش کی کہ اردو پریس کو آرگنائز کیا جائے اور اسکے متعلق کئی بار میٹنگیں بھی ہوئیں مگر اسکا نتیجہ صرف چائے پارٹیوں تک محدود رہا اور پہلی ہی میٹنگ میں اس آرگنائزیشن کی فاتحہ پڑھ دی گئی۔ کیونکہ اس میں شامل ہونے والے اکثر بزرگ یہ چاہتے تھے کہ عہدے انکے ہاتھ میں ہوں تاکہ ان عہدوں کے ذریعہ یہ حکام سے مل سکیں۔ اور نیز ڈسٹرکٹ بورڈوں پر رعب قائم کریں تاکہ اشتہارات کا انکو فائدہ ہو (ریاست)

سورۂ بقرہ رکوع ۱۷

(سلسلۂ صدق ملاحظہ ہو)

(از عبد الماجد)

۱۴۴ قد نری تقلب وجہک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضہا فول وجہک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوہکم شطرہ وان الذین اوتوا الکتب لیعلمون انہ الحق من ربہم وما اللہ بغافل عما یعملون ۔

بیشک ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کو آسمان کی طرف بار بار اٹھنا، سو ہم ضرور آپ کو متوجہ کر دینگے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں۔ اچھا اب کیجیے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف، اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو اسی کی طرف۔ اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ (حکم) واقعی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے، اور اللہ بے خبر نہیں ان کی کارروائیوں سے۔

(انتظار وحی میں اسے پے بہ پا)

رسول اللہ صلعم کو صحیح مذاق دینی کے ماتحت اسکا یقین تھا کہ اب جب امت بنی اسرائیل سے چھین لی گئی ہے، تو انکا قبلہ بھی قبلۂ امت نہیں رہ سکتا، تحویل قبلہ کا حکم اب آکر رہیگا۔ اور فرشتۂ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی یہاں اسی کیفیت کا بیان ہے۔

حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند کسی مکان سے محدود نہیں تاہم تجلیات خاصہ کو قرآن ہی میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے اس لیے محققین نے لکھا ہے کہ بوقت اضطرار دعا آسمان کی طرف منہ کرنا موجبات قبول میں سے ہے۔ بلکہ اس نسبت علوی سے کمال یقین و تصفیۂ قلب میں اور مدد ملتی ہے۔

قد نری گو صیغۂ مضارع ہے، لیکن مراد ماضی ہے۔ لفظہ مستقبل والمراد بہ الماضی (عکبری)

نری سے اشارہ یہ بھی ہو گیا کہ آپ حیران و مضطر کیوں ہوتے ہیں، ہم نے خوب دیکھ لیا ہے آپ کے تعلق خاطر کو۔ اور اس میں کمال تسکین ہے رسول اللہ صلعم کی۔

فی السماء میں فی الی کے معنی میں ہے۔ فی جہۃ السماء (کشاف) نحو السماء و قبلہا (ابن جریر)

یعنی خانۂ قبلۂ ابراہیمی کی جانب۔ یہ وعدہ ہے تحویل قبلہ کا۔ یہاں بجائے یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دینگے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دیدینگے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ صلعم کی کمال رفعت مراتب اور کمال درجۂ ناز و قبولیت ظاہر ہے۔

۱۴۵ ولئن اتیت الذین اوتوا الکتب بکل آیۃ ما تبعوا قبلتک وما انت بتابع قبلتہم وما بعضہم بتابع قبلۃ بعض ولئن اتبعت اہواءہم من بعد ما جاءک من العلم انک اذا لمن الظلمین

اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب مل چکی ہے ساری ہی نشانیاں لے آئیں (جب بھی) یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کرینگے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں، اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل طریقت سے کہاں جو اصطلاح مقام مرادیت و محبوبیت کی آئی ہے، اسکی اصل یہی آیت ہے۔

کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مرتبہ کا کہ مولیٰ خود طالب رضائے عبد ہو جائے! اسکے آگے کوئی مرتبہ تصور میں بھی نہیں آسکتا ہے

اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے!

فلنولینک کے دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہم آپ کو اسکا والی و حاکم اور اس پر متصرف بنا دیں گے۔ فلنولینک فلنمکننک من استقبالہا من قولہ ولیتہ کذا اذا جعلتہ والیا لہ (مدارک، روح) یعنی وعدہ ہوا تھا تحویل قبلہ کا۔ اب حکم صادر ہو گیا تحویل قبلہ کا۔

الوجہ لفظی معنی چہرہ کے ہیں، لیکن حکم میں مراد جسم کے پھیر لینے سے ہے۔ المراد من الوجہ ہہنا جملۃ بدن الانسان (کبیر) وقد یعبر عن کل الذات بالوجہ (کبیر)

المسجد الحرام یا عزت و حرمت والی مسجد سے مراد مکہ معظمہ کی وہ مسجد اعظم ہے جسکے اندر خانہ کعبہ واقع ہے۔ خانہ کعبہ بہت ہی مختصر عمارت کا نام ہے مدینہ والوں یا اور کہیں کے بھی لوگوں کو اسکی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی۔ اس لیے امت کی سہولت کے لیے نام ایک نسبۃً ایک بہت بڑی عمارت کا لے دیا گیا (مدارک، بیضاوی) محققین کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہی ہے۔ والمراد بہ البیت نفسہ (جصاص) والمراد بہ البیت لانہ تعالیٰ خاطبنا بلغۃ العرب وہی تعبر عن الشیء بما یجاورہ او بما یشتمل الیہ (ابن العربی) وذکر المسجد الحرام دون الکعبۃ دلیل علی ان الواجب مراعاۃ الجہۃ دون العین (مدارک) اور امام مالک سے یہ قول منقول ہے کہ مسجد حرام قبلہ ساری دنیا کی ہے اور خانہ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا (روح)

مسجد حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقش اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ بعد کے خلفاء و سلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے، خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی ([illegible] وفات) کے عہد سے تقریباً قائم ہے۔ ۶۰۰ فٹ۔ متعدد بڑے بڑے عالیشان اور فراخ دالان چاروں طرف، اسکے علاوہ ہیں۔ داخلہ کے ۱۹ دروازے ہیں۔ مینارے ۷ ہیں، اور گنبد گمزیوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق شمالی غربی دست ۵۴۵ فٹ ہے، جنوبی و شرقی ۵۵۳ فٹ، شمالی شرقی ۳۶۰، ارجنوبی

ہیں - اور اگر (کہیں) آپ انکی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں بعد اسکے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو یقیناً آپ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے

د عرض ۴۶۲ فٹ -

شطر سے مراد ہے مسجد حرام کی سمت میں یا اُسکے رُخ پر - نہ کہ عین اُس کے مقابل، کہ اسکی تعیین، دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں شطرہ اے نحوہ وتلقاءہ قالہ ابن عباس وابو العالیۃ ومجاہد والربیع بن انس (جصاص)

فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے - چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے - نماز سے باہر نا صرف اسوقت ممکن ہے جب چہرے کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہو جاتی -

۱۹ه (حالت نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امت محمدی سے ہے۔

ابھی ابھی رسول اللہ صلعم کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجیے - اب حکم عام صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے -

حیث ما کنتم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز انسان کہیں بھی پڑھے درست ہے - کچھ مسجد ہی کی قید نہیں -

۲۰ه علماء واکابر یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیمبر آخر الزماں کا قبلہ وہی ہوگا جو ابراہیم خلیل اللہ کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے - بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔

انہ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویل قبلہ ہے۔

اے التحویل الی الکعبۃ (کشاف) والضمیر للتحویل او للتوجہ (بیضاوی)

من ربھم کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبال کعبہ رسول اللہ کا امر اجتہادی نہیں- تمامتر حکم ربانی ہے -

۲۱ه (یہ جو وہ اخفاء حق و معاندت کی کرتے رہتے ہیں)

۲۲ه یعنی اپنی پیغمبری کے سارے دلائل و معجزات بھی -

الذین اوتوا الکتٰب سے مراد یہود ہیں

۲۳ه (یہ حد ہے اُنکے ضد، عناد و تعصب کی، اس لیے آپ کا انکے اعتراضات کی طرف اعتناء کرنا ہی بیکار ہے)

۲۴ه (اس لیے کہ اہل کتاب کی امت کے خاتمہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے' اور اہل کتاب کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے)

۲۵ه چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکل بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں -

بحمداللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود و نصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے - چنانچہ لکھتے ہیں:- فالیہود تستقبل

بیت المقدس والنصاریٰ مطلع الشمس (مدارک) اور خیر تو غیبی مدد کے شخص ہیں، ابن جریر تو متقدمین میں ہیں' وہ تک اس سے باخبر تھے -

وذلک ان الیہود تستقبل بیت المقدس بصلاتہا وان النصاریٰ تستقبل المشرق (ابن جریر)

۱۷ه (تحویل قبلہ کے باب میں' حالانکہ عصمت نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے)

اہل کتاب کی اتباع تو استرشاد تو مطلقاً ممنوع ہے، لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں انکی اتباع معصیت ہی نہیں کفر ہے -

۱۸ه یعنی علم ثابت بالوحی - قرآنی اصطلاح میں العلم سے مراد یہاں علم حقیقی ہوتا ہے' دنیوی "علوم" کی کوئی صنف نہیں -

فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم صحیح کے باوجود بجائے اُسکے دینی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔

وفی ذلک تحذیر لمن یترک الدلیل بعد انارتہ ویتبع الہوی (مدارک)

۱۹ه اللہ کے قانون میں رُو رعایت کی گنجایش کسی کے لیے نہیں، یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی نہیں - اور نفس فطرت بشری کے لحاظ سے گناہوں کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے' جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ اور بات ہے کہ توفیق الٰہی انکا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے' اور انھیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔

امام رازیؒ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں - ودلت الایۃ علی انہ توجہ الوعید علی العلماء اشد من توجہہ علی غیرہم - (کبیر)

محمد علی: ذاتی ڈائری

(از عبد الماجد)

اطلاع ملی ہے کہ اس کتاب کی مقبولیت کو دیکھ کر کوئی صاحب اسکا دوسرا ایڈیشن شایع کرانے والے ہیں - سب صاحبوں کو اسکی اطلاع دی جاتی ہے کہ کتاب نظر ثانی ' اضافہ ترمیم وتکملہ کے بعد بالکل نئی ہوکر' خاص میرے ہی اہتمام میں شایع ہوگی جب بھی شایع ہو - درمیان میں کوئی صاحب بغیر اجازت صریح ہرگز قصد طبع نہ فرمائیں -

---

تحفۂ خسروی

جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف - حاکم ومحکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و احادیث کے احکام علمائے اسلام وحکمائے یونان کے اقوال کا بہترین مجموعہ - ۷۲ صفحے - ۱۲ کے ٹکٹ آنے پر بھیج دیا جائیگا -

المشتہر محمد نعمی خاں - دریاباد - ضلع بارہ بنکی

بہادر سپاہی

(قائد ملت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی نظر میں)

...... ابھی حیدرآباد آیا۔ لیکن جس حال میں پہونچا، اُسکی خبر اخباروں سے مل چکی ہوگی، "نواب بہادر یار جنگ" "بہادر خاں" بننے کے بعد وہاں چلے گئے، جہاں کچھ بھی بننے کے لیے کوئی واپس نہیں ہوتا۔ چار مہینے ہوئے کسی جلسہ میں جہاں فقیر کی بھی تقریر تھی، نواب مرحوم نے اپنے خطبہ میں بڑے جوش سے کہا تھا "رب احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین" خدا جانے یہ دعا اُن کی زبان سے کس وقت نکلی تھی جس دن وفات ہوئی ہے، سُنا گیا ہے کہ اسکی صبح کو دوبارہ نوابی کے خطاب اور جاگیر سے سرفراز ہونے والے تھے۔ پیشگاہ خسروی سے نوابی کی تجدید ہونے والی تھی، لیکن دوبارہ نواب بننے سے پہلے خدا کا یہ نوابزادہ مسکین بن گیا۔ مجھے علالت میں خبر ملی، جنازے کی شرکت سے محروم رہا۔ اس شخص کی زندگی بڑی عبرتوں کی زندگی تھی۔ جب شروع شروع میں میرا حیدرآباد میں قیام ہوا، ایک معمولی طالب العلم کی حیثیت سے یہ مجھ سے ملنے لگے۔ اُس وقت بالکل نوعمر تھے۔ دنوں میں اس سے واقف ہوا کہ کسی امیر خاندان سے انکا تعلق ہے۔ تقریر کا ذوق ابتدا ہی سے تھا۔ اسی مذاق نے اُن کو مجھ سے مانوس بنا دیا تھا۔ اُس زمانہ میں یہ مدرسہ دار العلوم نامی میں پڑھتے تھے۔ تقریری مقابلوں میں مجھے بلا کر لے جاتے۔ اور اُس مقابلہ میں خود شریک ہوتے۔ سب سے پہلے اول آنے کا طلائی تمغہ انھوں نے حاصل کیا۔ پھر بتدریج پبلک جلسوں میں بھی شریک ہونے لگے۔ جلسوں میں تو انکی شرکت تدریجی تھی۔ لیکن تقریر و خطابت میں انکا ارتقاء بالکل دفعی تھا۔ میں حیران ہو کر رہ گیا۔ جب سکندرآباد کی ایک میلاد کی مجلس میں دیکھا کہ وہ بول رہے ہیں اور کچھ اس طرح بول رہے ہیں کہ غیبی قوت انکے ساتھ کام کر رہی ہے۔ ان کا یہ سلیقہ اچانک اتنا اچھا ہو گیا کہ میں نے اُسی وقت یہ اندازہ کر لیا کہ اب ہندوستان میں اس جوڑ کا شاید کوئی دوسرا خطیب نہیں ہے۔ چند ہی دنوں بعد اسکا امتحان بھی ہوا۔ حیدرآباد سے وہ باہر نکلے۔ اور تین چار سال میں ہندوستان نے یہ مان لیا کہ اردو کے وہ سب سے بڑے خطیب ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خطابت سے زیادہ اُنکی تقریر کی تاثیر میں جہاں تک میں جانتا ہوں اُنکی صداقت اور اخلاص کو دخل تھا۔ وہ پکے مسلمان تھے۔ انکی سیاست بلکہ اُنکی زندگی کا ہر شعبہ صرف مذہب کے محور پر گردش کرتا تھا۔ بڑے بڑے پروگرام انکے سامنے تھے۔ لیکن ؏ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ایک زمانہ میں تبلیغ کا جوش بھی ہوا تھا۔ ایک بڑی تعداد غیر مسلموں کی انکی جد و جہد سے حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی۔ آئندہ بھی اس سلسلہ میں وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔ گذشتہ تعزیت کے موقع پر حیدرآباد کے ایک ہندو لیڈر نے یہ عجیب انکشاف ان کے متعلق کیا کہ اپنے ایک ہندو دوست کو انھوں نے دس ہزار کی رقم دے کر ساہوکار کے پنجہ سے نجات دلائی تھی۔ یہ روپیہ اُنھوں نے بغیر کسی تحریری دستاویز کے اپنے ہندو دوست کو دے دیا تھا۔ قرآن سے انکو خاص شغف تھا۔ خود اس کا درس دیتے تھے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر اقبال کی نظمیں بھی لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ جس دن وفات ہوئی، چند گھنٹے پہلے وہ کلام اقبال کے درس سے فارغ ہوئے تھے۔

مُسلم جماعتیں

گزشتہ چند ہفتوں میں ہندوستان کی اسلامی جماعتوں میں کچھ ایسے آثار نمایاں ہوئے ہیں جنھیں ہم نیم بیداری کی حالت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ہم نے جہاں تک اس حرکت و بیداری کا مطالعہ کیا ہے ہمیں اس میں ایک خاص بات محسوس ہوئی ہے یعنی اسکا آغاز شدید اور سخت نکتہ چینی اور ضرورت سے زیادہ خردہ گیری سے ہوا ہے اور مخالفت کا سارا زور مسلم لیگ کے خلاف استعمال کیا گیا ہے۔ ہم لیگ کے اصول و مبادی اور اُسکے طریق کار سے آج تک مطمئن نہ ہو سکے اور جو شخص مطمئن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے نفس کو دھوکہ دیتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ گفتار کی تلخی اور غیر معتدل نکتہ چینی ایک ایسا انداز فکر ہے جو نہ تو مسلم لیگ کو راہ پر لا سکتا ہے اور نہ اسکے ذریعہ اجتماع عناصر کا کوئی نقشہ تیار ہو سکتا ہے۔

معتدل و محتاط نکتہ چینی بہت سے امراض کا علاج ہے، لیکن اگر اسکے محل اور مقدار کو نظر انداز کر دیا جائے اور اسکی متوازن کیفیت بگاڑ دی جائے تو وہ خود ایک مرض بن جاتی ہے۔ مسلمان ہمیشہ اس مرض کی پرورش کرتے رہے ہیں اور اسے اصلاح حال کا ایک موثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ کہ اسکے ذریعے آج تک کوئی اصلاح نہ ہو سکی کسی جماعت کو تائب ہونے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور کبھی وہ مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہوئے جنکی خاطر اعتدال کی راہ سے انحراف کیا گیا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ شدید اور تلخ نکتہ چینی شدید مخاصمت اور تلخ نتائج پیدا کرتی ہے اور اسکا ردعمل ہمیشہ ضد اور غیر رواداری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

مخالف کی خامیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں اور غلطیوں کو ظاہر کرنا جماعت کے لیے ضروری ہے اور اس میں کسی رواداری کو راہ نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اسکا انحصار صرف حقائق اور واقعات پر ہونا چاہیے۔ دلائل اور شواہد سے مخالف کی گمراہیوں کو الم نشرح کر دو اور سمجھو کہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ لیکن اس میں تلخی اور ناگواری پیدا نہ کرو اور شدت اور سختی سے پرہیز کرو کہ اس انداز سے مخالف میں ضد پیدا ہوگی اور وہ انتقام کے جوش میں زیادہ گمراہ ہو جائیگا۔ شدید نکتہ چینی کا اثر وہی لوگ قبول کرینگے جو پہلے سے ہم نوا اور موافق ہونگے اور جو لوگ موافق نہیں بلکہ مخالف ہیں وہ اس سے متاثر ہرگز نہ ہونگے بلکہ ان میں ضد و تمرد کی مقدار بڑھ جائیگی۔

(باقی پرصفحہ)

وصایائے محمد علیؒ

(۳)

(از محمد ہاشم قدوائی ایم اے)

وہ اسلام میں کسی طبقاتی نظام کے قائل نہ تھے۔ اسلام میں پاپائیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہر مسلمان مذہب کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اسلام میں نہ صرف اتباعِ رسول ہے۔ کوئی دوسرا شخص معصوم نہیں ہے۔ ہر شخص کو اسلام کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ پادریوں، اسقفوں اور راہبوں کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ علاوہ ازیں اسلام میں اس قسم کی کوئی چیز ہے کہ اجتہاد اور تفقہ کا حق مخصوص مذہبی پیشواؤں کو حاصل ہے۔ پاپائیت کے قبیل سے اسلام بالکل ناآشنا ہے۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں وفدِ خلافت کی حیثیت سے سندھو میں برطانوی مدبرین اور ذمہ دار ارکانِ حکومت سے ملے۔ مسئلہ خلافت پر ہندوستانی مسلمانوں کے خیالات سے آگاہ کیا۔ وزیرِ ہند سے ملاقات کے موقع پر خلافت کی اہمیت واضح کی۔ انہوں نے بتایا کہ دنیوی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے اسلامی دنیا کا رہنما اور پیشوا ہوتا ہے۔ اسلام دوسرے مذہبوں کی طرح سے چند مخصوص عقائد کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ زندگی کا الٰہی، مکمل اور جامع ضابطہ ہے۔ مکمل انسانی زندگی بسر کرنے کا اسوہ پیش کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اس سے باہر نہیں۔ نہ قوم پرستی کی کوئی گنجائش ہے۔ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ گورے اور کالے، بڑے اور بوڑھے، کوئی تفریق نہیں۔ مسلمان کا مرنا جینا، کھانا پینا، سونا، اٹھنا سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ مال و دولت جو کچھ ہے سب امانتِ الٰہی کی طرح ہے، یہ سب خوشنودیٔ الٰہی کے لیے خرچ کرنا چاہیے۔ اسلامی اخوت، آزادی، مساوات اور اخوت کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہے۔ اصل اور صحیح جمہوریت اسلام ہی نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ اسلام نے شخصی جائداد کا حق تسلیم کیا ہے مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ اسلام نے یہ نظریہ بھی پیش کیا کہ مال اور سرمایہ خدا کا ہے انسان اس پر صرف ایک امین کی حیثیت سے متصرف ہو سکتا ہے۔ سرمایہ داری کے مفاسد کو ختم کر دیا۔ اہلِ زر کا فرضِ منصبی ہے کہ نادار اور ضرورتمند بھائیوں کی مدد کریں۔ جو ایسا نہ کریگا وہ غضبِ خداوندی کا مستحق ہوگا۔

قرآن کے نظریہ کے مطابق حکومت صرف اللہ کی ہے۔ انسان کا کام اسکی اطاعت کرنا ہے۔ احکامِ اسلام کے خلاف جو بھی حکم دیا جائے اسکی اطاعت نہ کی جائے خواہ حاکم مسلم ہو یا غیر مسلم۔ خلیفہ کی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہیں دیتا۔ اسلام کے قوانین امیر، غریب، چھوٹے بڑے، بلا امتیاز و تفریقِ نسل و عقیدہ، ملک و قوم سب کے لیے ہیں۔ قانون سازی کا حق صرف قادرِ مطلق کو پہونچتا ہے۔ وہ خالقِ کائنات ہے اس سے بڑھکر انسانوں کی فطرت، ہر زمانے کی ضرورت اور عادتوں کا کسے اندازہ ہو سکتا ہے۔ لہذا قانون بنانے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔ اسلام کے یہ قوانین ابدی حقائق ہیں اور ایک شوشے کی ترمیم یا تنسیخ یا ردوبدل کی گنجائش نہیں۔ انسان کا علم، ذہن کیسا ہی ہو بنی نوعِ انسان کی ضرورتوں اور اپنے عہد یا بعد کے زمانے کے مسئلوں کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے بہت ضروری ہوا کہ قانون سازی کا حق صرف خدا کو [illegible]۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو اپنے مذہبی قوانین کے مطابق اپنے مسائل طے کرانے کا حق حاصل ہے۔

حکومتِ الٰہیہ یا اسلامی حکومت میں خدا ہی مقتدرِ اعلیٰ ہے۔ حاکمیت صرف اسی کا حق ہے یہ حاکمیت سب پر بالادست، غیر مشروط اور ناقابلِ تقسیم ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے اسکو قرآن میں یوں ادا فرمایا ہے۔

"اے میرے رفقائے زندان! بھلا کئی جدا جدا آقا بہتر ہیں یا ایک زبردست خدا؟ اس کے سوا تم جنہیں پوجتے ہو کچھ نہیں ہیں مگر نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت بجز اللہ کے کسی کی نہیں ہے اسکا حکم ہے کہ اسکے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے" (سورۂ یوسف)

حاکمیتِ الٰہیہ کا نفاذ: دنیا کے قریب قریب ہر حصے میں نبیوں اور رسولوں نے کیا۔ ہر قوم اور ملک میں نبی بھیجے گئے۔ انھوں نے اسکی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ مسلمان صرف انھیں دنیوی حاکموں کی اطاعت کرتا ہے جو طاعتِ حق میں مخل ثابت نہ ہوں۔ اگر اسکے احکام اور قوانین خدائی قوانین کے متعارض اور مخالف پڑیں تو مسلمان پر انکی مخالفت ازروئے حکمِ قرآن واجب ہو جاتی ہے۔

انسان کا فرضِ اولین طاعتِ الٰہی ہے۔ دنیا کی کوئی قوت اور شخصیت خواہ کتنی ہی قوت والی اور اقتدار والی کیوں نہ ہو ہرگز ہرگز اطاعت اور فرمانبرداری کے قابل نہیں اگر وہ احکامِ خداوندی کو پس پشت ڈالے۔ خدا اور خوشنودیٔ خدا ہر چیز پر غالب ہونا چاہیے۔ ملک و قوم ہو، خاندان ہو، مال ہو، آل اولاد ہو، جان ہو، دنیا کی کوئی چیز ہو، ہر چیز کو خدا کے تابع رہنا چاہیے۔ راہِ خدا میں ان سب کی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔ اسلام کے ضابطۂ حیات نے دستورِ زندگی میں بتا دیا ہے کہ مطلق انسان اختیارات حاصل نہیں۔ جو اس دنیا کی عیش پرستیوں میں پڑکر اپنے فرائض کو بھول جائے اسکا بھولے سے بھی خیال نہ کرے کہ آخرت میں اپنے سب اعمال کی جوابدہی کرنی پڑیگی، اسلام کے نزدیک وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہے۔ مسلمان اس دنیا میں رہ سکتا ہے، دنیوی باتوں میں حصہ لے سکتا ہے،

آپ ان لوگوں کو گالیاں کیوں نہیں دیتے، مجھی پر یہ عنایت کیوں ہے۔ اگر آپ کا یہ طریقِ عمل اتفاقاً ہے تو البتہ مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ خود آپ ہی کا ضمیر کسی وقت آپ کو ملامت کرےگا۔ اگر اس میں کچھ بھی نورِ ایمان باقی ہے۔ کیا اس خط اور مضمون کے چھاپنے کا انتظار کروں۔

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مورخہ ۱۰۔ جولائی سنہ ۴۶ء

جناب نیاز صاحب بے نیاز!

عتاب نامہ موصول ہوا "برہمی و درشتہ گھسوٹ لینے" کی شکایت اُلٹی مجھ سے! کیا خوب! نگار رتے شاید کبھی "مومن نمبر" بھی تو نکالا تھا، معذا معلوم ہے مطلع اُس میں تھا کہ نہیں ؂

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ!
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ!

"شکوہ" اور "ادا" اور "طعنہ" یہ تو سب کچھ یہاں بھی موجود ہیں "عذرِ جفا" کا البتہ پتہ نہیں!

نگار کا لکھوں نہیں، کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں جس طرح، اور جتنی بار بھی چاہے بے تامل اور بلا تکلف، چھُری اور خنجر بھونکتا چلا جائے، لیکن صدق اگر دن کو دن، اور رات کو رات کہدے تو آپ حیران ہنکر فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ظالم لوگ ہیں، مجھ سے مصافحہ، معانقہ، کے بجائے، اپنے زخموں کی مرہم پٹی میں لگ جاتے ہیں!

میری نگاہِ شوق پہ اس درجہ خفگیاں
اور اپنی چشمِ شوخ کو مطلق سزا نہیں!

آخر جو قرآن کو خدا کا کلام نہیں، محمدؐ کی تصنیف قرار دے اُسے بُرا نہ اگر بوجہل وابولہب کا نہیں، تو کیا صدیقؓ وفاروقؓ کا کہا جائےگا

کرکے خون ایک کا جا بیٹھے ہیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ہیں کہ مرے در پہ یہ غوغا کیسا؟

بندہ نواز! پاسِ ایمان نہ سہی پاسِ عہد کی تاکید تو ہر مذہب میں آئی ہے، لا مذہبوں تک کے ہاں ہے۔ کبھی نگار کے اس قول و قرار، سوکند و موثق ہی کا لحاظ کر لیا ہوتا، کہ مذہبی مضامین لکھنے سے تو یہ کرچکا ہوں، مذہب پر نہ لکھنے کا عہد کرچکا ہوں! لیکن نگارخانہ کی تو رونق ہی شاید بار بار عہد و پیمان توڑنے سے ہے۔ اَلَا اِنَّہُمْ لَا اَیْمَانَ لَہُمْ قرآن میں بھی تو آچکا ہے۔

یہ سوال کرتے آپ کو ہنسی نہ آگئی، کہ صدق، صرف نگار ہی پر کیوں توجہ رکھتا ہے، اور دوسروں کو چھوڑے رکھتا ہے؟ صدق کا کونسا نمبر دشمنانِ دین کے جوابات سے خالی ہوتا ہے؟ نگار کو اس نے پکڑا، تو بخشا اس نے کس کو ہے؟ البتہ جُرم جرم، اور مجرم مجرم سب برابر نہیں ہوتے۔ نوعیت اور مدارج کا فرق تو بہرحال ہوتا ہی ہے۔ اور یہ اب تک کیا آپ سے مخفی ہے کہ مرتد کا درجہ شریعتِ اسلام میں کافرِ مطلق سے کتنا بڑھا ہوا ہے؟

یہ ستم ظریفی بھی کچھ کم قابلِ داد نہیں "کہ آپ لوگ مجھے سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ گزارش ہے کہ جناب سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ مجھ بے علم کا ذکر نہیں، جو حقیقۃً اہلِ علم ہیں مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہم، اُن سے جناب نے کب استفادہ کا خیال کیا؟ انہیں کب خاطر میں بھی لائے؟ جن بیچاروں نے از خود کوشش کی، اُنکا حشر نگار کے صفحات میں کیا ہوا؟ مریض نے کس دن اپنے کو مریض سمجھا؟ جس طبیب نے ازراہِ شفقت و ہمدردی علاج کرنا چاہا، مریض نے بڑھ کر اُسکا منہ گھسوٹ لیا یا نہیں؟ جو مریض، طبیب کو احمق، جاہل سمجھے، کوئی طبیب یا کوئی طب، دنیا میں آج تک اُسکا علاج کرسکی ہے؟

عنایت نامہ کا جواب، یہ نیاز نامہ ہوگیا۔ رہا جناب کا مرسلہ جولائی نمبر، سو اُسے حسبِ فرصت مطالعہ کرکے جیسی کارروائی مناسب ہوگی، عمل میں لائی جائیگی۔

آپکے اس لطیفہ سے بھی میں نے پورا لطف لیا، کہ "خدا و رسول کا پوری طرح قائل تو میں ہوں، گمراہ اور توہینِ رسول کرنے والے آپ لوگ خود ہیں"۔ سچ ہے، دُنیا "انا نحن مصلحون" اور "انؤمن کما آمن السفہاء" کہنے والوں سے، خالی نہ پہلے تھی، نہ اب ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

عبدالماجد

(بقیہ صفحہ ۵)

... رہے عوام سو ان کی جماعتی ذہنیت کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ سب کی سنتے ہیں اور سب سے بیزار ہیں۔ ہر اختلافات کا تماشہ دیکھتے ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اگر کسی جماعت سے موافقت ہے تو وقتی ہے، مخالفت ہے تو بے اصول ہے۔ عوام کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ اپنے کسی لیڈر کسی عالم کو خوشحال نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اسی فکر میں گھلے جاتے ہیں کہ فلاں لیڈر کا اپنا مکان ہے اور آرام سے گزر کرتا ہے، ہم نے خود لوگوں سے یہ کہتے سُنا کہ فلاں صاحب کے مکان میں برقی پنکھا چلتا ہے اور فلاں لیڈر نے بھینس پال رکھی ہے۔ یہاں کیا پوچھتے ہو، خوب مزے اُڑاتے ہیں! مسلمان کی ذہنیت یہ ہے کہ اُسکا مولوی اور لیڈر خدا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز نہ ہو، آرام و چین کی زندگی بسر نہ کرے، ہر نعمت بدمعاشوں اور لفنگوں کے لیے ہے۔ مولوی اور لیڈر کا کام یہ ہے کہ چندے چلیں اور زکوٰۃ و صدقات کے لیے مارا مارا پھرے، مُردوں اور زندوں کی روٹیوں پر قناعت کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو لیڈر اور مولوی بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف ہندو بھی ہیں، جو اپنے لیڈروں کو عیش کراتے ہیں۔ جواہرلال نہرو کو اُنکا ایک فرد چیک دے دیتا ہے، اور وہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سارے یورپ کا سفر کرکے واپس آجاتے ہیں۔ کانوں کان خبر نہیں ہوتی کہ کس نے دیا اور کتنا دیا۔ نہ حساب فہمی ہے نہ چندہ خوری کا الزام ہے! (زمزم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر — عبدالماجد
پتہ — دریاباد ضلع بارہ بنکی
مہتمم — عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرتضیٰ آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹۱

صدق

نمبر ۱۴۲ | دوشنبہ - ۹ شعبان المعظم ۱۳۶۳ھ مطابق ۳۱ - جولائی ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

کلام کی رفتار

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قرآن مجید کے اُردو ترجمہ اور تفسیری حاشیے کے سورۂ ۱۱۱ سے فراغت ہوئی۔ یہ مسودہ بہت عجلت سے تیار ہوا ہے، اس پر بھی اس میں تین سال سے اوپر کی مدت صرف ہوئی۔ تکمیل کا اس کے لیے نظرثانی بہت وقت کی طالب ہے۔ کم سے کم دو سال اس میں اور لگینگے۔ لیکن ابتدائی پاروں کی تکمیل اور نظرثانی جوں جوں ہوتی جائیگی، انکی اشاعت اسی درمیان میں ان شاء اللہ شروع ہو جائیگی۔

انگریزی کے ۱۱ پاروں کی اشاعت (تاج کمپنی) غالباً کاغذ کے انتظار میں رکے ہوئے ہیں۔

ایک صاحب کی رقم عطیۃً کی شرکت کی وصول ہوئی تھی، لیکن تھی زکوٰۃ کی، اس لیے واپس کر دی گئی۔ یوں بھی جس رقم کے قبول کرنے میں کسی وجہ سے بھی قلب کو ذرا سی بھی گرانی محسوس ہوتی ہے، اُسکے قبول کرنے سے معذرت کر دی جاتی ہے۔

زمین پر جنت

آر۔ ڈی۔ سی۔ بوڈلی کی نئی کتاب WIND IN SAHARA پر تبصرہ مشہور امریکی مستشرق پروفیسر فلپ ہٹی (پرنسٹن یونیورسٹی) کے قلم سے:۔

اس بارہ مہینے میں امریکی پریسوں نے عرب پر بہت سی کتابیں چھاپ ڈالی ہیں عام ناظرین کے پڑھنے کے لیے۔ ایک، ایک مشنری کے قلم سے ہے، تین اہل علم کے قلم سے ہیں۔ ایک، ایک اخبار نویس کے قلم سے، اور ایک یہی زیر تبصرہ کتاب ایک فوجی کے قلم سے۔ اس کتاب سے متعلق خاص بات یہ ہے کہ اسکا انگریز مصنف پورے سات سال تک خوب عرب بدویوں کے ساتھ گھل مل کر رہا صحرائے اعظم میں، الجیریا سے کوئی چھ سو میل کے فاصلے پر!

بوڈلی نے باتیں بھی خوب دریافت کیں۔ صحرا کے عربوں میں نہ اسے کوئی عصبی امراض کا مریض ملا، نہ کوئی فاتر العقل، نہ کوئی مے نوش۔ اور صحرا کے ٹرچ لشنر نے لیس سے اُسکے سامنے بیان کیا، کہ "میں تو اپنی ساری عمر کہیں اسقدر امن دوست لوگوں کے درمیان نہیں رہا ہوں"۔ یہ لوگ نہ چوری کرتے ہیں، نہ قتل کرتے ہیں نہ کسی اور بڑے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نماز دن میں پانچ بار پڑھتے ہیں، اور کھانا صرف ایک بار کھاتے ہیں۔ پانی انھیں اس ریگستان میں غسل کے لیے تو کیا ملا کرتا، پینے بھر کا بھی مشکل ہی سے ملتا ہے، تاہم یہ صفائی ستھرائی میں بے نظیر ہیں!... یہ خوددار لیکن غیر متمدن لوگ قدیم طرز کے وضعدار شرفاء کا نمونہ ہیں، جنکی نظر میں عزت اور آن، دولت اور کامیابی سے کہیں بڑھ کر اہم تھیں۔

مصنف کہتا ہے کہ جب سے میں ریگستان کے گوشۂ عافیت سے نکل کر تم تہذیب زدہ لوگوں میں پھر سے شامل ہوا ہوں، مجھے بار بار وہ اپنے پرانے ملاقاتی یاد آتے ہیں، اور تمدن کی پیدا کی ہوئی خرابیوں سے وہ محفوظیت یاد آتی ہے۔ اور میں جب تک اُن میں بھی رہا ہوں، یہ چیزیں یاد آتی ہی رہینگی"۔ (اسٹیٹسمین ۱۹- جولائی ۱۹۴۴ء بحوالہ نیویارک ٹائمس)

اللہ اللہ! یہ ذکر عہد صحابہ کا نہیں ہو رہا ہے، دورِ خلافت راشدہ کا نہیں ہو رہا ہے، کوئی معتقد شاعری نہیں کر رہا ہے۔ ایک مخالف ملک ایک مخالف انگریز ادیب، سیاسی اور دینی دونوں مخالفتوں کا جامع، سات سال کے تجربوں کے بعد شہادت شائع کر رہا ہے کہ اس بیسویں صدی میں، اسی زمین کی سطح پر ایک ایسی قوم بھی آباد ہے، جو چوری نہیں کرتی، ڈاکہ نہیں ڈالتی، خون ناحق — اپنا ہاتھ رنگین نہیں کرتی، شراب نہیں پیتی، زنا نہیں کرتی، سود نہیں لیتی دیتی اور پانچ پانچ وقت بجائے کھانے اور چائے اور ناشتہ کے نماز پڑھتی ہے۔ اور کھانے پینے کا شغل دن میں کل ایک بار، گویا صرف قدرتی تقاضہ سے مجبور ہو کر

رکھتی ہے! اور پھر صاف ستھری کتنی! اور حرص اور حب جاہ سے خون کیسی! ——— انسان کے قالب میں یہ فرشتے اب بھی اگر کہیں ملتے ہیں تو بحمد اللہ اسلام ہی کی علمداری میں ملتے ہیں!

لاولدی کی مذمت

لیڈر (الہ آباد، مورخہ ۱۳ر جولائی) وقائع نگار بھی، نیز رہبر دکن کے لندنی وقائع نگار کا بحری تار:-

لندن ۱۰ر جولائی۔ جنگ کی بعض تباہیوں کی تلافی کے لیے روس آبادی میں اضافہ کی ایک بڑی مہم شروع کر رہا ہے۔ سوویٹ حکومت نے اپنے ایک عام فرمان میں مادریت کو ملک کی قومی زندگی میں مقدم ترین قرار دیا ہے۔

بچوں کی ولادت پر اضافہ شدہ رقمیں دی جائینگی۔ اضافہ شدہ رقم ساتویں بچہ کے بجائے جیسا کہ اب عملدرآمد ہے تیسرے بچے کی ولادت سے دی جائیگی۔ بچوں کے لیے کپڑوں اور غذائیوں کی خریداری کی غرض سے والدین کو اب جو الاؤنس دیا جاتا ہے اسکی مقدار تقریباً دگنی کر دی گئی ہے۔ رضاعت کے دوران میں عورتوں کی ملازمت سے رخصت کی مدت کو بھی بڑھا کر گیارہ ہفتے کر دیا گیا ہے۔ غذائی راتب کو زمانہ حمل کے آخری تین مہینوں اور رضاعت کے پہلے چار مہینوں میں دوگنا کر دیا گیا ہے۔

روس میں مادریت کو جو عزت و عظمت عطا کی گئی ہے اسکا اظہار نئے تمغہ جات سے ہوتا ہے۔ "تمغۂ مادریت" اس ماں کو عطا کیے جائیں گے جسکے پانچ یا چھ بچے ہوں۔ "تمغۂ عظمت مادری" سات آٹھ، یا نو بچوں کی ماؤں کو دیا جائیگا۔ "ہیروئن ماں" کا تمغہ دس یا زیادہ بچوں کی ماؤں کے لیے ہوگا۔

آیندہ نہ صرف ان اشخاص سے جنکے کوئی اولاد نہ ہو اپنی آمدنی کا ایک فی صد حصہ چندہ دینے کے لیے کہا جائیگا بلکہ دو بچوں کے والدین کو بھی اپنی آمدنی کا ½ فی صد حصہ چندہ دینا پڑیگا"۔

"روشن خیالی" اور "ترقی پسندی" اب تک تو یہ تھی، کہ لاولدی کے فضائل و مناقب بیان کیے جائیں، اسکی ترغیب دی جائے، پروپگنڈا اسکی حمایت میں ہو، اور اس سب کا خوشنما نام "برتھ کنٹرول" "کنٹراسیپشن" یا ضبط حمل رکھدیا جائے! اور ان ساری تعلیمات کا اصلی سرچشمہ اب تک روس تھا! یہ آخر کیا ہوا کہ وہاں کی ہوا ابھی یک بیک پلٹی، اور مادریت کا اعزاز و احترام ازسرنو قائم ہو گیا! ماں بننا اور بچہ جننا کوئی چیز توہین، ذلت، اور شرمندگی کی نہ رہی، بلکہ پھر سے دلیل عزت اور شرافت کی قرار پانے لگی!

جنگی چالیں

عیسیٰ بھائی ابراہیم صاحب مقام کاری ضلع بھروچ (مغربی ہند) سے صدق ملا کے ایک شذرہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:-

"صدق ملا میں حرب و خداع کی تشریح میں حضرت کا یہ ارشاد کہ "اس سے جنگ میں جواز فریب کا استدلال کرنا حدیث پر بڑی زیادتی کرنا ہے" اسے پڑھ کر رفع شبہ کے لیے لکھتی ہوں کہ کتاب اشاعت اسلام (مطبوعہ از طرف کتبخانہ رحیمیہ، رائے پور ضلع ملتان ۱۹۴۳ء) میں مولانا ... صاحب دیوبندی نے حسب ذیل ارقام فرمایا ہے:-

"... ادھر نعیم ابن مسعود اشجعی جو قبائل مشرکین کا بڑا سرگروہ ممتاز و سربلند شخص تھا، رات کو چھپ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت گھر کر چکی ہے میں مسلمان ہو چکا ہوں، میری قوم ابھی تک بے خبر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات ہے تو جس قدر تیرے ممکن ہو مشرکین میں باہم پھوٹ ڈال کر ان میں اختلافات و بدمزگی پیدا کرا دو۔ نعیم نے عرض کیا کہ اگر اس تدبیر میں مجھکو کوئی امر خلاف واقعہ بھی زبان سے نکالنا پڑے تو جائز ہوگا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، الحرب خدعۃ"۔

اس اقتباس میں تو کسی سند یا ماخذ کا حوالہ درج نہیں، اور گفتگو ماخذ پر اطلاع کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ قصہ سیرۃ ابن ہشام سے لیا ہو۔ وہ حدیث کی نہیں، سیرۃ کی کتاب ہے۔ اور سیرۃ کی روایتوں کا پایہ حدیث کی روایتوں سے بہت کم درجہ کا ہوتا ہے۔ حدیث سیر پر حاکم رہیگی، حدیث کو سیر کا پابند و ماتحت نہیں کیا جائیگا۔ صدق ملا کے شذرہ میں جو گفتگو تھی، وہ حدیث کے نقطۂ نظر سے تھی۔ اسکے معارضہ میں حدیث ہی کو لایا جا سکتا ہے۔ اور جب اس پر مزید غور ہو سکے گا۔

اور اس خاص روایت میں تو ابن ہشام نے کوئی سند متصل کمزور بھی نہیں بیان کی ہے۔ بلکہ محض ابن اسحٰق کا نام لیکر چھوڑ دیا ہے۔ اور آگے فوراً قصہ بیان کر دیا ہے۔ ایسی بے سند روایت پر گفتگو اور بھی نہیں چل سکتی۔

جو جو تصریحات اس اقتباس میں رسول اللہ کی جانب منسوب کی گئی ہیں، اصل روایت میں ان میں سے ایک بھی موجود نہیں، اس میں تو صرف اسقدر ہے،

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انت فینا رجل واحد فخذل عنا ان استطعت فان الحرب خدعۃ (باب غزوۃ الخندق)	رسول اللہ صلعم نے فرمایا، ہمارے گروہ میں تم بس ایک ہی تو ہو، ممکن ہو تو ہم سے کٹ جاؤ۔ لڑائی تو نام ہی دھوکے کا ہے۔

اس میں دروغ گوئی کی اجازت وغیرہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اور آگے نعیمؓ کی جن عملی کارروائیوں کا ذکر ہے، ان میں بھی کہیں صریح دروغگوئی مذکور نہیں۔ صرف ایسی گفتگو درج ہے، جس سے دشمن غلط فہمی میں پڑ سکتا ہے، ورنہ وہ باتیں فی الاصل غلط نہیں۔

اسلام اپنے ایک ہیرو کو متقی دیکھنا چاہتا ہے۔ دروغ گو سے بھی اسی قدر محتاط جسقدر شراب خواری سے۔ یہ تو اصل اور عام قانون ہوا۔ باقی جس طرح بعض حدیثوں سے شدید بیماری کی حالت میں حرام کی

حکیم الامت

نقوش و تاثرات

نمبر (۹)

از عبدالماجد

دن اور تاریخ تو بھلا اب کہاں یاد۔ آخر نومبر یا شروع دسمبر تھا، سنہ وہی ۱۹۲۸ عیسوی تھا، کہ ہم میاں بیوی مع ایک خادم تنا رفیق کے تین آدمیوں کا مختصر سا قافلہ بنائے ہوئے، دن میں کوئی دس بجے کے قریب تھانہ بھون ٹاؤن اسٹیشن پر اترے۔ اسٹیشن ابھی تھانہ بھون نہیں، تھا نہ بھون ٹاؤن تھا۔ اسٹیشن نہیں، اسٹیشن کا دھوکا! —— نہ پلیٹ فارم، نہ بڑی چھوٹی، پکی کچی کسی قسم کی عمارت یا سائبان۔ ایک چٹیل میدان۔ گاڑی چلتے چلتے بس وہاں دم کے دم رک جاتی۔ اسے دھوکا نہیں تو آخر حقیقت کیسے کہیے! —— بات ذرا تفصیل طلب آگئی سمجھ لیجیے تو آگے بڑھیے۔ تھانہ بھون سے جو ریل گزرتی ہے اور اپنی چال ڈھال میں اپنی شان آپ!

اے ہم نفس نزاکت رفتار دیکھنا!

لیکن بہرحال جیسی کچھ ہے ریل تو ہے۔ مولانا کی بڑی تمنا ایک زمانہ میں تھی کہ ریل ادھر سے گزرے۔ تمنا پوری ہوئی اور ریل جاری ہوئی لیکن تھانہ بھون کے نام سے جو اسٹیشن تھا، وہ اصل قصبہ شروع ہوتا ہے کوئی دو میل ادھر ہی! حالانکہ لائن جو گزری وہ مولانا کی خانقاہ اور مسجد سے کل دو فرلانگ پر! عجب پُرحسرت منظر تھا کہ ریل کی طرف سے آنے والے پاس سے گزرتے چلے جاتے، اور اترتے کہیں جا کر دو میل کے بعد! اور وہاں سے جنگل طے کرتے ہوئے خراب و خستہ آستانۂ اشرفی پر حاضر ہو پاتے!

مولاناؒ کو بڑی فکر اب اسکی ہوئی، کہ اسٹیشن کاش قریب تھا۔ اسٹیشن تو تھا، لیکن تکلیف پھر بھی قائم رہی! —— چارہ ہو گیا اور امید ہے کہ پھر بھی فوراً نہیں آ جاتی! —— دعا اور کوشش دونوں اس پر صرف ہونے لگیں کہ دوسرا اسٹیشن، چھوٹے سے چھوٹا سہی، خانقاہ کے محاذ میں بن جائے —— دعا قبول ہوئی۔ اور کیوں نہ قبول ہوتی۔ اللہ نے وہی چاہا جو اسکے ایک مقبول بندہ نے چاہا تھا۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد متقیں

یا یوں کہہ لیجیے کہ مقبول اور اطاعت شعار بندہ پھر وہی چاہنے لگتا ہے۔

یہ بھی جائز، وہ بھی محض بہ قدر ضرورت نکل آتی ہے، شدید ضرورتوں اور مجبوریوں کی حالت میں، جبکہ ایک فرد کی نہیں، امت کے سیکڑوں ہزاروں جانبازوں اور مخلص فدائیوں کی بیک وقت موت و حیات کا سوال پیش ہوتا ہے، اسلام نے اگر اپنے اس قانون میں تھوڑی بہت گنجایش نکال لی ہو، وہ بھی بہ قدر ضرورت، جسے جدید جنگی اصطلاح میں STRATEGY کہہ سکتے ہیں، تو یہ اسلام کے عام قاعدۂ پاکبازی و تقویٰ کے منافی ذرا بھی نہیں۔ قانون بہرحال قانون ہے، اور استثناء بہرحال استثناء۔ دونوں میں صحیح نسبت و توازن بہرصورت قائم رکھنا چاہیے، اور افسوس ہے کہ ہر عالم کا قلم اس باب میں پورا محتاط نہیں۔

شریف رئیس زادی

نواب بہادر یار جنگؒ کی بیوہ بیگم کے ایک دردناک بیان سے اقتباس، یوم وفات کے سلسلہ میں:——

"میرے سرتاج دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے اندر آئے …… اچانک چار بجے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ کپڑے پہن چکے ہیں، اور ہاتھ میں جوتے لیے خاموشی سے باہر نکل جانا چاہتے ہیں۔ مجھے بیدار دیکھا تو فرمایا، ارے آپ بھی اٹھ بیٹھیں۔ سالہا سال سے تم مجھے برابر جوتے پہناتی رہی ہو، آج میرا خیال تھا کہ میں خود ہی پہن لوں"…… ہائے انہیں کیا معلوم کہ ۲۰ سال سے برابر جوتے پہناتی رہی ہوں آج اس خدمت سے محروم ہوں جسکا مجھے صدمہ ہے۔ …… رات کو پونے آٹھ بجے انہوں نے باہر ہی سے پان طلب کیے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میں انکے لیے یہ آخری پان بنا رہی ہوں۔ مجھے اسکا ہمیشہ فخر تھا کہ وہ میرے ہاتھ کے بنے ہوئے پان کے سوا کسی کا پان نہیں کھاتے ہیں —— تھوڑی ہی دیر کے بعد موٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے اوپر سے دیکھا کہ میرے سرتاج جا چکے ہیں"۔

الحمد للہ کہ اس بیسویں صدی کے وسط میں بھی اچھی پڑھی لکھی امیرزادیاں موجود ہیں، جو شوہر کو سرتاج کہتی اور سمجھتی ہیں، اُسکے لیے پان اپنے ہاتھ سے بنانا اپنے لیے باعث فخر جانتی ہیں، اور اُسے جوتا اپنے ہاتھ سے پہناتی رہتی ہیں! اور پیر قائد ملت جیسے مخلص مومن کو تو دنیا میں ایسی ہی عورت ملنی ہی چاہیے۔ الطیبون للطیبات! ۶

طیبات ازکہ؟ برائے طیبین

اُردو کی ایک شاخ

کرسچین سائنس مانیٹر (امریکہ) کے لندنی وقائع نگار کے ایک مراسلہ کا اقتباس، بحوالہ لیڈر (الہ آباد) ۱۹ جولائی ۱۹۴۶ء:—— "برطانوی بحری تجارت کے صیغے میں جنگ سے قبل پوری چوتھائی کی تعداد میں ہندی ملاح تھے، اور اب بھی اتحادیوں کی جنگی مہم میں عنصر غالب انہیں کا ہے —— عموماً ان بحری ملاحوں کی ایک خاص مشترک زبان (لنگوا فرینکا) ہے، جسے "لشکریات" کہتے ہیں اور وہ ہندوستانی ہی کی ایک شکل ہے جس میں انگریزی کے الفاظ بحری سفر اور ملاحیت سے متعلق شامل ہیں"۔ ۶

---

۶ اصل کہ وہ زبان بھی تو اسی طرح مختلف قوموں کے میل جول سے بنی ہے۔ اصل کی شاخ بھی اگر اسی قاعدہ سے وجود میں آ رہی ہے، تو یہ عین مقتضائے طبیعت ہے۔

جو اُس کے ایک ولی کا چاہا ہوا ہوتا ہے - بہرحال قبولیتِ دعا کا جیتا ثمرہ یہ ہوا - گاڑی اُسی مقام پر رُکنے لگی، اور اسی کا نام عارضی اسٹیشن پڑگیا - حضرتؒ کو اس میں اس درجہ دلچسپی تھی، کہ اس عارضی اسٹیشن کو مستقل کرنے کے لیے جو کوششیں ہوئیں، اُن میں برابر عملی حصہ لیا، خود دعائیں، خانقاہ کے ذاکرین و شاغلین سے باضابطہ دعائیں کرائیں، اور ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کے نام خطوط بھیجنے کی جو تحریک خانقاہ ہی سے جاری ہوئی، اُس پر اپنے تصدیقی دستخط ثبت فرمائے! —— دنیاداروں کی راحت رسانی کی کوشش کرنا دینداری کے منافی نہیں، یہ تو عین دین ہے - لیکن دنیا ہے کہ درویشی و طریقت کو جوگ یا زیادہ سے زیادہ استغراق کے مرادف سمجھنے ہی پر مصر ہے!

---

۱۸ - نومبر ۱۹۲۹ء کو یہ عارضی اسٹیشن کھلا - ایک کم نگاہ نے اس کا نام "تھانہ بھون شریف" تجویز کیا تھا - لیکن حضرت نے تنبیہ کے ساتھ اس سے اختلاف کیا - اور "تھانہ بھون ٹاؤن" سے اتفاق کیا - اور چند ہی روز گزرے تھے کہ میاں بیوی کا یہ قافلہ اس اسٹیشن پر وارد ہوا! —— کم ہمتوں کی ہمتیں کیسی کیسی بندھائی جاتی ہیں، اور آرام طلبوں کے لیے کیسے کیسے سامان راحت غیب سے بہم پہنچا دیے جاتے ہیں! —— سواری کا انتظام، ایک خادم خاص کی نگرانی میں مولانا کی طرف سے اسٹیشن پر موجود، کہ آنے والے مسافر کو زحمت کسی قسم کی بھی نہ ہونے پائے! لیکن وہ مسافر کم نصیب اپنے ضعف قلب و ضعف ہمت کو کیا کرے! راستہ بھر دھڑکا یہی لگا رہا کہ دیکھیے ابھی کیا صورت پیش آتی ہے - آنا گو ایک بار پہلے ہو چکا تھا - لیکن اُس وقت مولانا حسین احمد صاحب کی معیت میں تھا، اور صرف چند گھنٹوں کے لیے تھا - ابکی ساری ذمہ داری اپنے ہی اوپر تھی - ذمہ داری اپنی ہی نہیں ساتھ والی صاحبہ کی بھی - اور پھر قیام کی مدت بھی ابکی بجائے چند گھنٹوں کے دو چار دن کی تھی - یا اللہ یہ دن خیریت سے کٹ جائیں یا ایسا نہ ہو کہ اپنی کسی بے تمیزی سے حضرت کو ناراض کر دیا جائے! دعائیں کیں بھی خوب، اور پڑھیں بھی خوب - راستہ دعائیں کرنے اور دعائیں پڑھنے میں کٹ گیا - ریل سے قدم جب اُترے ہیں، تو عجب نہیں کہ جاڑے کے موسم کے باوجود پیشانی پر پسینہ کے قطرے بھی ہوں!

تھانہ کو حضرت کے زنانہ مکان سے بالکل متصل ایک مختصر سے علیحدہ گھر میں اُتار کر حاضری مولانا کی خدمت میں دی - نشست حسب معمول خانقاہ کی سہ دری میں تھی - (کسی کو پہلے نمبر میں چھپا ہوا جغرافیہ اپنے ہی مضمون کا کام آ رہا ہے!) - معمولی مزاج پرسی کے بعد پہلا سوال یہ ہوا کہ قیام کا طریقہ کیا رہے گا؟ آپ یہاں مردانہ مہمان خانہ میں رہیں گے اور گھر میں اسی الگ مکان میں، یہ دونوں کیسا؟ سوال ظاہر ہے کہ بالکل معاملہ سید صاحب سا تھا - لیکن جواب دیتے میں یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی زینہ پر چڑھتا ہے! لڑکپن کا وہ سماں زور آیا، جب اسکول کے نیچے درجوں میں "انسپکٹر" معائنہ کے لیے آتے تھے، اور لڑکے تو لڑکے، ماسٹر بلکہ ہیڈ ماسٹر تک تھرائے ہوتے تھے! کس مشکل سے سارے کھوئے ہوئے حواس جمع کر کے عرض کیا کہ "جیسا ارشاد عالی ہو"! جواب بہ اختصار کے ساتھ نہیں، کیسر لطف و شفقت کے ساتھ ملا "کہ ارشاد یہی ہے کہ آپ اپنی زبان سے ارشاد فرمادیں"! —— لیجیے، امیدوں کا آخری قلعہ بھی مسمار ہو گیا - ہائے اللہ! اب کیا جواب دیا جا سکے!

آپ ان سطور کو پڑھتے جاتے ہیں اور زیر لب مسکراتے جاتے ہیں - خدا نہ کرے کہ آپ کو ایسی بے بسی اور گھبراہٹ کا تجربہ کبھی ہوا ہو! آئندہ کبھی ہو! اللہ کا کرنا دیکھیے، کہ عین اسی گاڑی سے سہارنپور سے مولانا عبداللطیف صاحب (صدر مدرسہ مظاہر علوم) اور مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث بھی وارد ہوئے تھے، اور دونوں صاحب مجلس میں پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے - تو وارد کو اس بے بسی میں دیکھ، نرم دل شیخ الحدیث کو رحم آگیا، اور حضرت سے مخاطب ہو کر بولے کہ "حضرت یہ تو ظاہر ہے کہ دونوں کو الگ رہنے میں بہت زیادہ تنگی" - مشکل آسان ہو گئی - اور بات کی بات میں ختم ہو گئی —— راقم سیاہ کا ضعف ہمت تو ظاہر ہی ہے، لیکن بڑی شخصیت کا رعب اور اسکی ہیبت دل سے نکلتے نکلتے نکلتی ہے - سنی سنا تھا بھی لیا جاتا ہے، لیکن یاد اس کام کی بات کو بھی رکھا جائے!

ہیبتِ حق ست ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

قیام تین دن رہا، کچھ کم یا زائد، واپسی غالباً چوتھے دن ہوئی - مکان کچھ معمولی سا تھا - مادی راحت کے سامان کچھ زیادہ نہ تھے - اسپر بھی وہ لطف و سرور کہ الفاظ سے اسکا اظہار دشوار —— قناعت کی مطمئن غریبانہ زندگی کا کوئی اندازہ ہی اونچے محلوں میں رہنے والے اہل ہوس کو نہیں ہو سکتا! —— مولانا کی مرتب و منظم زندگی کا نظارہ پہلی بار ہوا - حاضری کے اوقات معین و مقرر تھے - چاشت سے لیکر قریب دوپہر تک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے لیے مخصوصین کی حاضری - پھر بعد ظہر سے لیکر عصر تک، کوئی دو گھنٹے کے لیے عام نشست - ایک دن قبل عشا خود بدولت کی تشریف آوری بھی ہوئی - یہ بالکل مخصوص عزت افزائی و کرم فرمائی تھی، کہ شاید باہر سے آنے والے کو کوئی بات نجی میں کہنے کی ہو - مہمانداری حضرت ہی کے ذمہ رہی - عام وارد و صادر خانقاہ میں مقیم ہو کر اپنا خود ہی کوئی انتظام کھانے کا کرتے تھے - یہاں یہ صورت خاص رہی کہ مولانا نے اپنا مہمان بنائے رکھا!

گفتگوئیں کن کن بحثوں پر ہوئیں، سوالات و ملفوظات کیسے کیسے سننے میں آئے، اب سولہ برس کے بعد بھلا کسے یاد - لیکن ایک سوال و جواب کا نقش دل میں خوب بیٹھا ہوا، حافظہ میں ایسا تازہ کہ گویا کل ہی کا واقعہ ہے - شب کی تنہائی میں پوچھنے والے نے اپنی سادہ دلی بلکہ سادہ لوحی سے پوچھ لیا کہ "حضرت کوئی ایسا بھی طریقہ ہے جس سے

اپنا مقام بعد موت معلوم ہو جائے؟ سُنا تو یہ ہے کہ بعض بزرگ اپنے مریدوں کو اُنکے مقام کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں" - جواب میں ارشاد ہوا کہ ایسا ہی سوال میں نے ایک بار اپنی کم عمری میں اپنے اُستاد حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے کر دیا تھا - مولانا نے فرمایا کہ "ابھی تو یہ کرو تو یہ - ایمان چھوڑ کر کفر کی طلب کر رہے ہو، ایمان کے تو معنی یہی ہیں کہ حالت امید و بیم کے درمیان قائم رہے - انجام کی طرف سے یہ لیسوئی کیسی"؟ اور پھر دو گھنٹہ کے وقفہ کے بعد فرمایا "یہ طریقہ محض ظنی و تخمینی ہے - اعتبار کے قابل کوئی بھی نہیں" ——— ارشادات عالی سے زبان نے سکوت تو اسی وقت اختیار کر لیا تھا - دل کو سکون بھی بحمد اللہ ایک عرصہ کے بعد ہو گیا -

---

بچہ کی ولادت کئی مہینوں کے بعد اسی سنہ ۲۲ء کے مارچ (مطابق ماہ رمضان) میں ہوئی تھی اور قدرۃً ماں، دادی، وغیرہ کے دلوں کی کلیاں تو سب کھل گئی تھیں، لیکن امانت چند ہی ہفتوں میں، واپس لے لی گئی تو اب قسم بالقلب کو تو خیر سکین، اس بچی کو دیکھی تمناؤں آرزوؤں کے بعد گود بھرنے میں آئی تھی اور دو ماہ کا تمامتر گذری گئی تھی، صدمہ تو بہت ہی زائد ہوا، اور غم کا بوجھ مہینوں گزر جانے پر بھی بالکل ہلکا نہ ہوا ——— حاضری کا ایک محرکات میں سے ایک چیز یہ بھی تھی -

حاضری کا دوسرا یا شاید تیسرا دن تھا کہ حضرت نے اعلان فرمایا کہ کل مسجد میں وعظ ہے - وعظ مدت ہوئے بہت کم ہو گئے تھے، اور سفر پر باہر جانا تو اب بند ہی ہو چکا تھا، وعظ کا یہ اعلان سُنکر لوگ خوش بہت ہوئے ساتھ ہی کچھ متعجب بھی - وعظ ہوا - دیر تک ہوا - حسب معمول خوب ہوا - موضوع اور عنوان تو اب یاد نہیں (چھپ کر شایع ہو چکا ہے، لیکن اب اس وقت تلاش کی زحمت کون گوارا کرے) - یہ اچھی طرح یاد ہے کہ طبعی غم اور صدموں کا ذکر بار بار آتا تھا، اور طریقہ تسکین و تسلی کے ارشاد ہو رہے تھے ——— وعظ کی غایت، سننے کے بعد یہ کھلی کہ ایک زخمی دل کی تسکین و دلدہی تھی! اللہ اکبر! اپنے مخلصوں کے جذبات کی کیسی رعایت اور کیا دلداری تھی!

واپسی ہوئی تو دل گویا نشہ سے چور - طبیعت فرحت و نشاط سے معمور - معلوم ہوتا تھا کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہے - کولمبس کو امریکہ دریافت ہو گیا ہے یا - میاں بیوی کا ساتھ زندگی بھر کا ہوتا ہے - چولی دامن کا ساتھ ہے - لیکن ایسا ساتھ کم ہی نصیب ہوتا ہے - ایسی رفاقت نصیب ہی سے ہاتھ آتی ہے - دونوں اپنے اپنے ظرف و بساط کے لحاظ سے شاد و بامراد - دونوں اپنی اپنی جگہ مست و سرشار!

پی کے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے!

لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف حسب حال! مصرعہ، اس پر نہ جائیے کہ کس بدنام شاعر کا کہا ہوا، کس بدنام گلے سے نکلا ہوا، کس بدنام گلی میں سُنا ہوا ہے - حسب حال اتنا کہ اجازت ہو تو عرض کرنے کی جی چاہے کہ

پی کے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے!

ارشادات اشرفیہ

(۷)

(از سید غلام رسول صاحب مہتمم مطبع نوبت الحق اردو گوڑہ حیدر آباد دکن)

(۱) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اُسکی یاد سے نفرت محسوس ہو تو اُس گناہ کی توبہ مقبول ہونے کی علامت ہے -

(۲) معانی قلب کی بدولت حقائق و اثرات کا ادراک ہونا فراست ہے - جو کشف کا ایک شعبہ ہے -

(۳) بُرے اخلاق کے نشاء کو ضعیف و مضمحل کرنے اور اچھے اخلاق حاصل کرنے کی کوشش کرنا ریاضت ہے -

(۴) بہت سے ذاکرین کا ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنا ذکر حلقہ کہلاتا ہے -

(۵) مقامات سلوک کی تحصیل یعنی اخلاق کی درستی (اصطلاح صوفیہ میں) سیر الی اللہ کہلاتا ہے جسکی انتہا پر سلوک متعارف ختم ہو جاتا ہے -

(۶) مصلح (یا شیخ) کی اجازت کے بغیر اپنی رائے سے کسی قسم کا مراقبہ وغیرہ کرنے میں بجائے نفع کے مضرت کا قوی اندیشہ ہے -

(۷) مجاہدہ کے چار رکن ہیں (۱) تقلیل طعام مباح (۲) تقلیل کلام مباح (۳) تقلیل منام مباح (۴) تقلیل اختلاط مع الانام مباح -

(۸) مقامات سلوک اور ذکر میں رسوخ و ترقی حاصل کرنا اور حق تعالیٰ کے درمیان جو خصوصیات ہیں اُنکے انکشاف میں دن بدن ترقی ہونا اور اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کا منکشف ہونا سیر فی اللہ ہے - جو لا متناہی ہے -

(۹) کثرت کلام مباح، کثرت طعام مباح، کثرت منام مباح، کثرت اختلاط مع الانام مباح، مقدمات معصیت کہلاتے ہیں -

(۱۰) ایک مرید کے احوال کو دوسرے مرید کے سامنے بیان کرنا اس لیے ناجائز ہے کہ دونوں میں رشک و حسد پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے -

---

اُردو یا رومن رسم الخط

(اُردو کانگریس کا فیصلہ)

.... اسکے بعد ڈاکٹر جعفر حسین صاحب نے ایک ہنگامہ خیز سلسلہ چھیڑ دیا، آپکی تحریک کا مقصد اُردو کی نشر و اشاعت اور اُردو ادب کی توسیع کے لیے رومن رسم الخط کی ترویج تھا - اس تحریک کا پیش ہونا تھا کہ ایوان کی پُرسکون فضا نے طوفانی صورت اختیار کر لی - ایوان کے ہر گوشہ سے مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا بڑی مشکل سے صورت حال پر قابو پایا گیا اور محرک کو وضاحتی تقریر کا موقع دیا گیا - اس تحریک کے مؤید قاضی عبد الغفار صاحب تھے - محرک اور مؤید نے اپنی ساری استدلالی توانائیاں صرف کر دیں اور دھواں دھار تقریروں سے ایوان کو یقین دلایا کہ یہ تحریک اُردو کے دُور رس مفادات کی حامل ہے - لیکن مخالفین کے گروہ نے جنکی نمائندگی پروفیسر ہارون خاں صاحب شروانی، مولوی عبد القدوس صاحب ہاشمی ندوی، خواجہ محمد احمد صاحب کر رہے تھے ایوان کو اس امر پر مجبور

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۲۲)

س علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی

س - کل بتاریخ ۱۴ رجب نکاح ہونا قرار پایا ہے - دعا کیجیے گا - زندگی کی نئی منزل شروع ہوتی ہے - اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے طے فرما دے -

ج - اللہ مبارک کرے - اللھم الّف بینکما - بیوی اگر مرضی کے موافق مل جائے تو اللہ کی ایک بہترین نعمت ہے - اگر خدانخواستہ موافقت نہ ہوئی جب بھی حسن اسلوب کے ساتھ نباہ کر دینے میں صبر کا اجر و مرتبہ تو کہیں جاتا ہی نہیں -

س - عبادات میں جی نہیں لگتا - رغبت میں کمی معلوم ہوتی ہے - اللہ ہی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرے -

ج - ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اُسے خود اس مشقت کا بھی اجر ملتا ہے - اس پر قیاس ہر عبادت کا کیا جا سکتا ہے - بے رغبتی کے باوجود ادائے عبادات، اجر عبادت میں سے کچھ گھٹائیگی نہیں، مجاہدہ کا اجر مزید ان شاء اللہ بڑھا دیگی - ہاں اپنے ارادہ سے غفلت و کوتاہی ہرگز نہ ہونا چاہیے -

س - اب تک کوئی حال مجھ پر طاری نہیں ہوا، اور کچھ دکھائی وغیرہ بھی نہیں دیتا - فی الحقیقت یہ سب مقصود بھی نہیں -

ج - 'حال' سے کوئی غیر معمولی حال مراد نہ لیا جائے - روزمرہ جو کیفیات اچھی بُری، بڑی، چھوٹی، از خود طاری ہوتی رہتی ہیں، یہ سب حال ہی میں داخل ہیں - "دکھائی دینے" سے جو کیفیات مراد ہیں، اُنکی صرف غیر مقصودیت کا جان لینا کافی نہیں، بلکہ انکا انتظار بھی کسی درجہ میں، اور ذہن میں انکی جانب التفات بھی نہ رہنا چاہیے -

س - اب معمول میں اسم ذات اللہ اللہ تین ہزار مرتبہ اور درود شریف ایک مرتبہ دورانہ ہے - مناجات مقبول بھی روزانہ معمول میں ہے - علاوہ تہجد کے عشا کے بعد وتر سے پہلے آٹھ رکعت پڑھ لیتا ہوں -

ج - ماشاء اللہ والحمد للہ - سب بہت مناسب و مبارک ہے - اللہ تعالےٰ استقامت و مزید ترقی عطا کرے - اور آپکے طفیل میں اس نامہ سیاہ کو بھی بہت نصیب کرے -

س - حقوق الزوجین سے متعلق آنجناب سے ہدایات چاہتا ہوں - تاکہ ذمہ داریوں سے باخبر ہو جاؤں -

ج - تفصیلی جواب کے لیے تو بڑا وقت چاہیے - صدق کے پچھلے نمبروں میں کئی بار خطبۂ نکاح چھپ چکے ہیں - اُن پُرانے پرچوں کا مطالعہ مفید ہوگا -

اسوقت دو لفظوں میں صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ میاں بیوی میں چولی دامن کا ساتھ ہے - اتنا ہمہ وقتی ساتھ بالغ ہونے کے بعد کسی اور رشتہ میں نہیں ہوتا - ایک دوسرے کی کمزوریاں بھی قدرۃً بتنی

اُنھوں نے شتہ میں کھلتی ہیں، کسی اور میں نہیں کھلتیں - چشم پوشی اور درگزر کی ضرورت قدم قدم پر پڑیگی - ساتھ ہی اصلاح کی کوشش بھی لازمی ہے -

---

س - رات کے وقت ۱۲ بجے کے قریب ہر جگہ کسی پرندے کے اُڑنے کی آواز آتی ہے - بارہا دیکھنے کی کوشش کی، لیکن نظر نہیں آتا - بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فرشتہ ہوتا ہے -

ج - "ہر جگہ" سے متعلق تو دعوے ہی سرے سے صحیح نہیں - جیسا کہ بالکل ظاہر ہے - البتہ کسی خاص جگہ سے متعلق ممکن ہے یہ تجربہ ہو - احتمالات تو بہت سے ہیں - ممکن ہے آواز کسی اور چیز کی ہو، پرندکی سی صرف معلوم ہوتی ہو - ممکن ہے کوئی پرندہ ہی ہو، مگر نظر نہ آتا ہو - ممکن ہے کہ محض وہم ہی ہو جو جم گیا اور متعدی ہو گیا ہو - اور اس قسم کے سارے احتمالات کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جن کی آواز ہو - فرشتہ کا خیال بہرحال دل سے نکال ڈالیے - فرشتوں کے کاروبار تو ہر لمحہ اور ہر آن جاری رہتے ہیں، لیکن اُنکے نورانی اجسام ہماری سماعت، بصارت و دیگر مادّی حواس کی گرفت سے بالاتر ہیں -

---

قحط کا اثر اخلاق پر

کلکتہ کے اخبارات لکھتے ہیں کہ کلکتہ میں ہزاروں ایسی عورتیں آجکل عام عیاشوں اور فوجی سپاہیوں اور غیر ملکی فوجیوں کی خواہشات نفسانی کا شکار بن رہی ہیں جو کسی زمانہ میں شریف گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں - لیکن قحط نے اُنکو بالکل بے سر و ساماں اور بے خانماں بنا رکھا ہے - ان میں زیادہ تر آس پاس کے اضلاع و دیہات کی جوان لڑکیاں ہیں جنکے ماں باپ بھائی اور شوہر بھوکوں مر گئے یا انھیں چھوڑ کر کسی طرف نکل گئے - حقیقت میں یہ بہت بڑی آفت ہے جو بنگال پر نازل ہو رہی ہے - کچھ مدت کے بعد جنگ ختم ہو جائیگی اور کلکتہ کی آبادی میں جو عارضی اضافہ ہو رہا ہے وہ بھی معدوم ہو جائیگا - ان آوارہ عورتوں کے ہاں حرامی بچے پیدا ہونگے - پھر ان عورتوں اور انکے بچوں کا کیا حشر ہوگا؟ کیا حکومت بنگال کو اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس ہے؟ کیا اُسنے اسکے حل کی کوئی تدبیر سوچی ہے؟ کیا رفاہ عام کی انجمنوں اور خادمانِ قوم کے کارکنوں نے ان عورتوں کو بچانے کا کوئی پروگرام تجویز کیا ہے؟ ہمیں نہایت شرم و ندامت سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان میں کثرت مسلمان عورتوں کی ہے - اور وہی زیادہ غریب و نادار ہیں - کیا بنگال اور ہندوستان کے مسلمان ان مصیبت زدوں کو بچانے کے لیے کوئی قدم اُٹھائیں گے؟ (انقلاب)

شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا -

سینما اور مسلم

نمبر (۱)

سینما کنٹرول بورڈ کے اغراض و مقاصد ہمیں دوسری مرتبہ موصول ہوسے ہیں اور اس مرتبہ سکریٹری صاحب کا سخت تقاضہ ہے کہ ہم اس پر ضرور کچھ لکھیں، انھیں ہم سے بڑی توقعات بھی ہیں۔

اس چھوٹے سے پمفلٹ کو پڑھ کر جو ہمیں بھیجا گیا ہے ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ سینما بورڈ کے اغراض و مقاصد مختصراً یہ ہیں:

(۱) دارالتصاویر کے منیجروں اور مالکوں کو ایسی تصاویر کی اشاعت پر مجبور کرنا جن میں مسلمانوں کی حقیقی تہذیب، تمدن اور انکی خصوصیات کو بہترین طریقہ سے پیش کیا گیا ہو

(۲) دارالتصاویر میں مسلمانوں کو حسب تناسب نشستیں دلانا۔

(۳) سینماؤں میں مسلمان عورتوں کے لیے پردہ کا انتظام کرانا۔

(۴) فلمی صنعت میں اردو زبان کی تخریب کو روکنا۔

پہلی مرتبہ جب یہ پمفلٹ ہمیں ملا تو ہم یہ سوچتے رہے کہ اس پر کیا لکھیں۔ اور بالآخر کچھ نہ لکھ سکے۔ دوسری مرتبہ یہ پھر ہمارے سامنے ہے اور ہم پھر سوچ رہے ہیں۔ مگر اس مرتبہ با آواز بلند۔

اس پمفلٹ میں لکھا ہے "موجودہ زمانہ میں تصویر بینی دنیا کے ہر گوشے میں بہت عام ہو چکی ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اس زمانے میں ہر شخص کو فرداً فرداً تصویر بینی سے باز رکھنا تقریباً ناممکن ہے، تو وجہ کہ اسکے بہتر پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے فائدہ نہ حاصل کیا جائے؟"

اسکے بعد دوسرے ہی پیراگراف میں یہ تحریر ہے "ایک اور زبردست اعتراض جو کہ فلمی صنعت پر عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ تصاویر مخرب اخلاق ہوتی ہیں۔ اعتراض بالکل درست اور مناسب ہے۔ ذرا غور تو فرمایئے کہ ان تصاویر کو کامیاب بنانے والے کون لوگ ہیں؟ اگر آج ہم اور آپ اس بات کا تہیہ کرلیں کہ آیندہ ہر اس تصویر کو جس میں انسانی اخلاق کو خراب کرنے کا شائبہ بھی موجود ہوگا، کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے تو کیا کبھی ایسی مخرب اخلاق تصاویر کامیاب ہوسکتی ہیں؟ اور ناکامی کی صورت میں کیا آیندہ کبھی کسی تصویر ساز کو ایسی بیکار تصاویر کے بنانے کی جرأت ہوسکتی ہے؟ ہر ذی عقل انسان مندرجہ بالا سوالات کا جواب نفی میں دیگا۔ اس لیے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تصویر ساز کو بہتر اور کارآمد تصاویر بنانے پر مجبور کرنا بھی ہمارا اور آپ کا ہی کام ہے"

اس پمفلٹ میں اس واقعہ کا بھی ذکر ہے کہ سینما ہاؤسوں کی آمدنی زیادہ تر مسلمانوں کی جیب سے آتی ہے۔ گویا آبادی میں تعداد کم ہونے کے باوجود سینما دیکھنے والے بمقابلہ ہندوؤں کے مسلمان زیادہ ہیں۔ کسی زمانہ میں تھیٹر سے یورپ میں کیا کام لیا گیا، اور اب فلم سے کیا مفید لیا جارہا ہے

اگر فلم اور تھیٹر کی تاریخ کے وہ مفید پہلو بیان کیے جائیں تو بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ مگر کون چیز مفید اور مضر ہے اسکا تعین بھی تو آسان نہیں۔ ہر قوم کے نزدیک اچھا اور برا وہ ہے جو اسکے نیکی اور بدی کے معیار اور زندگی کے تصورات کے مطابق اور خلاف ہو۔ یورپ قوم پرست ہے اور حصول زر اور زمین کی ہوس کے ساتھ۔ ملک فتح ہوں اور تجارت فروغ پائے اس مقصد کے حاصل کرنے میں اگر ساری قوم کے تمام اخلاقی محاسن کی قربانی کی ضرورت ہو تو منظور ہے ان میں سے جو یہ قربانیاں پیش کرنے کے لیے آگے بڑھینگے انھیں بے تکلف قوم پرست کہا جائیگا۔ انکی یادگاریں قائم ہونگی اور انکے بت بناکر نصب کیے جائیں گے۔ جاسوسی کی تاریخ دیکھیے اپنے ملک اور قوم کی فتح کے لیے صدہا عورتوں نے جاسوسی کی۔ حسن صورت اس مہم میں انکا سب سے زیادہ طاقتور ہتھیار رہا اور عصمت کی قربانی تکمیل مقصد کا آخری ذریعہ۔ انھیں اس بداخلاقی پر ذرا بھی حیا نہیں آئی۔ اور نہ انکی قوم کو بلکہ اس پر یہ نازاں رہی کہ انھوں نے قوم کے لیے عزت و وقار اور ناموس تک قربان کردیا۔

روس نے اشتراکیت کا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر اس نیکی اور بدی کو تباہ کردیا۔ جو اس مقصد کی راہ میں روک معلوم ہوئی۔ حتی کہ اللہ کا جنازہ بناکر دریاے والگا میں دفن کیا۔ لیکن اسوقت جو جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لیے جذبۂ حب وطن مفید معلوم ہوا اور مذہب کے معاملے میں رواداری تو جب یوکرائن کے سپاہی جرمنوں کو دھکیلتے ہوئے یوکرائن میں پہونچے تو وطن کی زمین اور در و دیوار کو سینوں سے لگاکر عاشقانہ وارفتگی کا اظہار کرنے لگے اور حکومت کی طرف سے اعلان عام ہوگیا کہ عبادتگاہیں کھول دی جائیں اور جسکا جی چاہے جس مذہب کی پیروی کرے حکومت مخل نہیں ہے۔ روس کی نظر میں وہ اشتراکیت جو اسوقت وہاں مروج ہے سب سے بڑا مقصد ہے۔ اسکے مقابلہ میں نہ ان اخلاقی قدروں کی قدر ہے جو اسکی ترقی میں حارج ہوں نہ ان کتابی اور مذہبی تصورات کی جو سدراہ ہوں۔ جسوقت جو مقصد قائم ہوگیا ہے وہی سب سے زیادہ محترم اور معزز ہے۔ اسکے لیے اخلاق، تصورات، عقائد، اور زندگی کے تمام نظام بدلے جاسکتے ہیں، اور اسی مقصد کی کامیابی کے لیے لٹریچر، سینما اور تھیٹر استعمال ہوتے ہیں۔ جوہر انسانیت خواہ بالکل سوخت ہو جائے، مگر آج کا مقصد کسی طرح حاصل ہو۔

اسکے مقابلہ میں مسلمان ہیں۔ نہ انکا مقصد حکومت ہے، نہ ملک گیری ہے، نہ زرکشی ہے۔ انکا مقصد اول انسانیت میں جوہر انسانیت کو فروغ دینا ہے اور اسکے ذریعہ سے ان میں عدل قائم کرنا۔ بہت ہی روکھا پھیکا اور بے مزہ سا مقصد ہے مگر یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف ان لوگوں کو جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسکی پوری وسعت میں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں اور انکا دل و دماغ اور پورا وجود نفس کی طغیانیوں میں خس و خاشاک کی طرح

پڑتے رہا ہے مگر سلیم الطبع اور سلیم العقل کہتا ہے کہ کائنات میں سب سے
زیادہ قابل قدر اور قابل احترام وہ خصوصیات جنکی وجہ سے اسکو حیوانوں
پر شرف حاصل ہے اسکو دنیا کے تمام منافع اور نفس کی تمام مرغوبات سے کسی
ایک مقصد کے تابع کرنے سے عمل اور نتائج میں اعدل قائم ہو سکتا ہے۔
اس مقصد کی تکمیل میں فلم اور تھیٹر سے کیونکر مدد ملیگی؟ یہ مسئلہ ہے
جس پر غور کرنا چاہیے۔ اگر اس امر کی تحقیق کی جائے کہ یورپ میں اور
ہندوستان میں کتنی فلم کمپنیاں واقعی کسی جلیل مقصد کے لیے قائم ہوئی ہیں
اور کتنی صرف زرکشی کے لیے تو معلوم ہوگا کہ سو فی صدی زرکشی کے
لیے۔ پھر یہ تحقیقات کی جائے کہ فلم اسٹوری لکھنے والے سب سے
زیادہ کس بات کا خیال رکھتے ہیں؟ افادیت کا یا عوام کے لیے
دیکھنے کی ترغیب کا۔ اور آگے بڑھیے۔ یہ تحقیقات کیجیے کہ ایکٹروں
کے انتخاب میں کس صفت کو ترجیح دی جاتی ہے؟ اخلاقی محاسن
کے ساتھ اخلاص کو یا اس حسن صورت اور چال ڈھال کی دلربائی
کو جسکی وجہ سے لوگوں میں فلم دیکھنے کا شوق پیدا ہو۔ ایکٹرس کے
انتخاب میں پردہ پوشی کو یا جسمانی زینتوں کی نمائش کو، حرکات و
سکنات میں حیا اور وقار کو یا شوخی شنگی اور بےحیائی کو، سب جانتے
ہیں کہ واقعہ کیا ہے، روپیہ خرچ کر کے سینما میں سبق لینے کون جاتا
ہے؟ سب تفریح کے لیے جاتے ہیں اور تفریح ہوتی ہے اچھی
صورتوں سے اچھی آوازوں سے اور ہوسناکانہ حرکات و سکنات
سے۔ نفسانیت کے اپنے کثیف پردوں میں سے وہ کتنی آنکھیں
ہیں جو بلند کردار کا مطالعہ کرتی ہیں کتنے دل ہیں جو حسن عمل کی ترغیب
لیکر آتے ہیں؟ ایک لاکھ میں ایک کم ایک کو دیکھیں جو ان
اچھی صورتوں اور ہوسناکانہ حرکتوں کے خیال میں سوتے ہیں، اور
روزانہ بداعمالیوں کی انہی نئی نئی روشوں کی مشق کرتے ہیں جو وہ
دیکھتے ہیں۔ رہا وہ ایک جو ایسا نہیں ہے اس کا کردار خود اتنا بلند
ہوتا ہے کہ اسکو حسن عمل اور حسن خیال کا سبق لینے کے لیے فلم میں
جانے کی ضرورت نہیں۔ (باقی آیندہ)

دو خواب

(بہادر سپاہی آقا کے دربار میں)

حیدرآباد۔ ۹ر شہریور۔ مجاہد اعظم قائد ملت علیہ الرحمہ کے نمایندہ
جلسۂ تعزیت میں جو ۲۰ شہریور جمعہ کو بمقام زمرد محل حیدرآباد
کے نمایندہ مسلمہ اداروں کی جانب سے باہتمام مجلس اتحاد المسلمین،
جلسۂ ... منعقد ہوا۔ قائد ملت سے متعلق دو خواب سنائے گئے۔ ایک
خواب اورنگ آباد سے مولانا سید شاہ جمال الدین صاحب نبیرۂ حضرت
فخر الاولیاءؒ نے روانہ کیا ہے۔ جس میں لکھتے ہیں کہ اورنگ آباد میں
قائد ملت کی حیات میں یوم حسینی کا جلسہ ہوا تھا۔ اس جلسہ کے تقریباً
پندرہ یوم بعد میرے دماغ میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ قائد ملت
انسانی آدمی ہیں، اسکے قلب کی حالت کو معلوم کیا جاتا ہے۔ قائد ملت
مولوی محمد بہادر خاںؒ کے متعلق متعدد خیالات پیدا ہوگئے۔ اسی روز
رات میں میں نے ایک خواب دیکھا جو حرف بحرف درج ذیل ہے:-
ایک بہت بڑا جلسہ میلاد النبی ہے، جس میں ہزاروں آدمی
موجود ہیں۔ وہاں ایک چبوترہ پر قائد ملت تنظیم قائم کرنے کیلیے کھڑے
ہوئے ہیں۔ میں اُنکے قریب پہونچا اور سلام کیا اور قائد ملت نے
ہاتھ بڑھایا تو اُنکے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر میں نے "عشق محمدیؐ" جلی
خط میں لکھا ہوا دیکھا۔ اسکے بعد ہی میں نے اُنکا ہاتھ پکڑ کر ہتھیلی کا بوسہ
لیا۔ قائد ملت نے فرمایا کہ سید صاحب مجھے آپ کے ہاتھ کا بوسہ لینا
چاہیے، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے
بوسہ نہیں لیا کہ آپ قائد ملت ہیں، نہ اس لیے کہ آپ جاگیردار ہیں،
اور نہ اس لیے کہ آپ کا وقار مسلمانوں میں زیادہ ہے۔ قائد ملت نے
فرمایا کہ پھر کیا سبب ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی ہتھیلی پر "عشق
محمدیؐ" لکھا ہوا دیکھا، اس لیے بوسہ لیا۔ اسکے بعد قائد ملت نے
میرے پیٹ پر سر رکھدیا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھیے۔ میں نے
حسب الحکم سر پر ہاتھ رکھدیا۔ اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی۔
میں نے اس خواب کو قائد ملت کے پاس روانہ کیا تھا۔ قائد
ملت نے یہ جواب عنایت فرمایا تھا کہ آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی
ہے۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیے کہ میرا ہر قول صادق ہی کہلائے۔
پہلا خواب سنانے کے بعد معتمد جلسہ حکیم لئیق احمد صاحب
فائق نعمانی ایڈیٹر صحت عامہ نے کہا کہ اس خواب کی تصدیق ایک
اور خواب سے ہو سکتی ہے۔ جبکہ قائد ملت کے انتقال کے چند روز
بعد حیدرآباد کے ایک بہت بڑے شاعر نے جنکے عاشق رسولؐ
ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے (یعنی حکیم الشعراء حضرت امجد
حیدرآبادی) نے عالم رویا میں دیکھا کہ دربار رسالت آراستہ ہے
حضرت آقائے کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رونق
افروز ہو کر نماز مغرب ادا فرماتے ہیں۔ اسکے بعد آپ ممبر پر تشریف
لاتے ہیں۔ اسوقت دو صحابی ایک نعش لاکر آپ کے سامنے
پیش کرتے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے
ہیں۔ یہ میرے حبیب بہادر خاں کی نعش ہے۔ یہ ایسا تھا ایسا
تھا۔ اسکے اوصاف بیان ہی کر رہے تھے۔ آقائے کائنات اوصاف گنا
ہی رہے تھے کہ آنکھ کھل گئی۔ (رہبر دکن)

بزم ہمدردان صدق

(۱) ایک مخلص قدیم از مغربی ہند عطیہ سالانہ شش ماہہ ...
(۲) ... بیگم صاحبہ از بھوپال ۵۰ ،،
(۳) عبدالرحیم صاحب ... ،،

جزاہم اللہ خیر الجزاء — مہتمم صدق

نمبر ۱۸ | دوشنبہ - ۸ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۸ - اگست سنہ ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

مسلمانوں کی جنتری میں خیر و برکت کا مہینہ آگیا۔ غیبت ہمیشہ ہی ممنوع تھی، اب ممنوع تر ہوگئی۔ جھوٹ، مرفساد، فحش کلامی جائز کسی حال میں بھی نہ تھے، اب ناجائز تر ہوگئے۔ جو چیزیں کھلم کھلا جائز اور زیادہ سے زیادہ لذت کی تھیں، کھانے، پانی، حقہ پان، سب بارہ بارہ اور چودہ چودہ گھنٹے کے لیے حرام قرار پاگئیں۔ اور یہ سلسلہ ایک دو دن نہیں، سارے مہینہ تک جاری رہیگا۔ بہت بوڑھوں اور بالکل بچوں، مریضوں، ناتوانوں کو چھوڑکر باقی سارے مسلمان، بڑے، چھوٹے، عورت، مرد، امیر، غریب، آقا، خادم، رمضان منانے میں شریک ہونگے، اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے حکم سے اپنے نفع کی خاطر، اپنی جسمانی، روحانی، اخلاقی فلاح و اصلاح کے لیے دن دن بھر چھوڑے رہیں گے۔ جانور کھائینگے پیئینگے، جو انسان اپنی روحانی پستیوں کے لحاظ سے جانوروں سے بدتر ہیں وہ کھائینگے پیئینگے ——— مہینہ بھر کے اس لطیف نورانی، سہل مجاہدہ کی نعمت صرف مسلمان کے حصہ میں آئی ہے۔

مسلمان کہیں بھی ہو، روئے زمین کے کسی حصہ پر بھی آباد ہو، افریقہ میں ہو یا آسٹریلیا میں، امریکہ میں ہو یا ہندوستان میں، رمضان کے آتے ہی اسکا روزانہ نظام زندگی بدل جائیگا۔ اور وحدت اسلامی کا نظارہ دنیا، تفرقوں، پارٹیوں، جتھوں میں بٹی ہوئی دنیا ایک بار پھر دیکھ لیگی ——— روزہ کے طبی فائدے کوئی طبیبوں سے، اور اخلاقی نفع، کوئی حکماء اخلاق کی زبان سے سنے۔ اور پھر ایک مستقل

مہینہ کے تقرر کے ساتھ ۳۰ یا ۲۹ دنوں تک ان روزوں کا تسلسل، کہ ان کی عادت پڑ جائے، اور جسم و روح دونوں انکے خوگر ہو کر گیارہ مہینے تک کے لیے ذخیرہ فراہم کرلیں۔ اس نظم کی گہری برکتیں اور اجتماعی مصلحتیں چند سطروں میں کیسے بیان میں آجائیں؟ بارہا اسکے قبل بیان کی جا چکی ہیں۔ اتنا عظیم الشان اصلاحی نظام، انفرادی اور اجتماعی، دونوں حیثیتوں سے عظیم الشان نظام، روزانہ پنج وقتہ نماز ہی کی طرح جسمانی، اخلاقی، روحانی مصلحتوں اور منفعتوں کا جامع نظام، بجز ایک قوم مسلمان کے، اور دنیا کی کس قوم کے نصیب میں آیا ہے؟

حیف ہے کہ اتنی بڑی نعمت ملے، اور ہم اپنی پست ہمتی یا بدنصیبی سے اسے یوں ہی بالا بالا گزر جانے دیں! آب حیات برس رہا ہو، اور ہم بدستور پیاسے رہ جائیں! ——— روزہ رکھنا مشکل ہی کیا ہے۔ شیطان ہی پہلے سے ہیبت بٹھا دے، اور دل میں خواہ مخواہ کے وہم پیدا کردے، تو اسکا کوئی علاج ہی نہیں۔ ورنہ اس میں حقیقۃً دشواری ہی کیا ہے؟ صبح تڑکے تک، فجر طلوع ہوتے تک بے تکلف جو چاہیے، جتنا چاہیے، کھائیے پیجیے، دن میں مزید یاد و تسبیح کرسکیے تو سبحان اللہ، ورنہ کئی گھنٹے سو کر گزار دیجیے، روزہ دار کا سونا بھی تو ایک عبادت ہے (روزہ کی حالت میں اجر ہر منٹ اور ہر لمحہ ہر سانس پر ملتا رہتا ہے) ظہر عصر کی نمازیں باطمینان پڑھیے، گھر کا جائز کام کاج دیکھیے۔ افطار کا انتظار، اور افطاری کا انتظام، دونوں خوشگوار اور پُر لطف مشغلے ہیں۔ ذرا انکا تجربہ کرکے تو دیکھیے اور بس، اتنے میں مغرب کی اذان ہونے لگیگی۔ اُس وقت دیکھیے، اللہ کے حکم سے اللہ کا رزق تناول کرنے میں کیا لطف آتا ہے، الفاظ کے ذریعہ

سورۃ بقرہ رکوع ۱۷

بہ سلسلۂ صدق ۱۶۱ ماقبل

(از عبد الماجد)

(۱۴۹) ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وانہ للحق من ربک وما اللہ بغافل عما تعملون -	اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں اور یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے ارحق ہے - اور اللہ اس سے بیخبر نہیں ، جو تم لوگ کر رہے ہو -
(۱۵۰) ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ لئلا یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا منھم فلا تخشوھم واخشونی ولاتم نعمتی علیکم ولعلکم تھتدون -	اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں ، اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لیا کرو - تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں حجت نہ رہ جائے سوا اُن لوگوں کے جو اُن میں سے ظالم ہیں - سو تم اُن سے نہ ڈرو

---

۲۳۷ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال کعبہ ، سفر و حضر سب کہیں کے لیے ہے - محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں -

بین بھذا الامر انہ فی تساوی الحالین اقامۃ وسفرا فی اذا ما ور استقبال بیت الحرام (بحر)

۲۳۸ یعنی امر ثابت شدہ جس میں اب کسی نسخ و تبدیلی کا امکان نہیں -

ھو الحق اے الثابت الذی لا یعرض لہ نسخ ولا تبدیل (بحر)

انہ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے -

۲۳۹ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تنبیہ اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے -

۲۴۰ الفاظ کی تکرار غالباً تاکید معنی کے لیے ہے - اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے - کررت تاکیدا (بحر) ھو الاکثر المعہود فی لسان العرب وھو ان معاد الجملۃ مرۃ واحدۃ (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کے لیے ہے - یعنی سفر حضر جس حال میں بھی ہوں توجہ کعبہ کی طرف کرنی جائے - اور دوسرا حکم تعمیم مکان کے لیے ہے - یعنی دور و نزدیک ، حاضر غائب ، جہاں کہیں بھی ہوں توجہ کعبہ کی طرف کرنی جائے -

مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں -

۲۴۱ (اے مسلمانو!)

یعنی یہ حکم رسولؐ کے ساتھ مخصوص نہیں - ساری امت پر اسکی تعمیل فرض ہے - یہاں تک یہ حکم استقبال کعبہ کُل ملا کر چھ بار آ چکا ہے - اہل لطائف واسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک خاص اشارہ مقصود ہے ، مثلاً

(۱) پہلی بار سے متعلق حکم وجوب -

(۲) دوسری بار سے تعمیم احوال - یعنی سفر ہو یا حضر -

(۳) تیسری بار سے تعمیم مکان - یعنی نزدیک ہو یا دور ، حاضر ہو یا غائب -

(۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب - یعنی قبلہ رو رہنے کا استحباب -

(۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی - یعنی دل اُسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے -

(۶) چھٹی بار سے تاکید - یعنی رفع احتمال نسخ -

۲۴۳ (مثلاً اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش ، کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبیؐ کا قبلہ ، قبلۂ ابراہیمی ہونا تھا - یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبیؐ دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلۂ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں)

للناس میں الناس سے مراد جملہ مخالفین و معترضین ہیں -

۲۴۴ یعنی رہ ہے وہ کج نظرت معاندین جو اسکے بعد بھی اعتراضات پر اڑے رہیں گے ، سو انکی کچھ پروا ہی نہ کرو -

ان للمعاندین منھم (کشاف) لا حجۃ لاحد علیکم الا الحجۃ الداحضۃ للذین من الیھود وغیرھم (بحر)

الا کو یہاں ابو عبیدہ و مثنوی نے بیان واو کے مرادف قرار دیا ہے - لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے (جصاص)

۲۴۵ (اور نہ انکی کو اس کی کچھ بھی پروا کرو)

فلا تخافوا مطاعنھم فی تبینکم (بحر)

۲۴۶ (اگر میری ہی نافرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے)

۲۴۷ اتمام نعمت کے مفہوم اور بھی ہو سکتے ہیں ، لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ ہے -

ھدایتی ایاکم الی قبلۃ ابراھیم (معالم) واتمام النعمۃ بہدایتھم الیہ من القبلۃ (بحر) لاتم کا عطف لئلا یکون پر ہے - (جلالین)

خانۂ کعبہ کا محل نزول رحمت ، مرکز تجلیات ہونا مسلم ہے - ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلّم - ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعیین قبلہ سے بڑھ کر عبادت اور تکمیل نعمت اور کیا ہوگی -

۲۴۸ (اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقیاں کرتے رہو -)

شریعت اسلامی دنیا کا مکمل ترین ممکن نظام ہے - اور اس مکمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جزو تعیین قبلہ و استقبال کعبہ بھی ہے -

لعلکم میں لعل کے کا مرادف ہے - شک کے لیے نہیں "تاکہ" کے معنی میں ہے -

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پر تھے اُن سے ہدایت ہی کا خطاب کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی

(۱۵۱) كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم آياتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون ۔

بلکہ (صرف) مجھی سے ڈرو^{۵۸۶} تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کردوں^{۵۸۷} اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو^{۵۸۸}۔ (اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا^{۵۸۹} جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے^{۵۹۰} اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے^{۵۹۱} اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے^{۵۹۲}۔

کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔

۵۸۹ کما کا تعلق آیت ما قبل سے ہے۔ یعنی یہ انعام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اسکے قبل ہو چکا ہے۔ کما ارسلنا متعلق باتم اے اتماما کا تماما بارسالنا الرسول (جامع البیان)

۵۹۰ (ہر طرح کے فسق و عصیان اور اخلاقی آلودگیوں سے)

رسول کی حیثیت محض پیام رسان اور مبلغ کی نہیں ہوتی، مزکی (پاک کرنے والے) کی بھی ہوتی ہے۔

رسول کی گوناگوں حیثیتوں پر حاشیہ آیت ۱۲۹ کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

۵۹۱ رسول کی حیثیت معلم اور شارح کی بھی ہوتی ہے۔ لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظا و عبارت تک محدود نہیں رہتے۔ وہ حکمت و دانائی کے سبق روحانیت کے اصول و مسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ یعنی انھیں اپنے سامعین کے رگ و ریشہ میں اتارتا رہتا ہے۔

۵۹۲ وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے ہے۔ اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے اس لیے قدرۃً اسکی باریک بین اور رس اور دقیقہ سنج نگاہ اُن دقیق حقائق تک پہونچ جاتی ہے جو بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں۔ اور رسول کی رسائی عالم حقیقت کی گہرائیوں تک ہو جاتی ہے جو علم و عقل، کشف و اشراق سب سے ماورا ہیں۔ مما لا طريق الى معرفته سوى الوحي (روح) ليكون ارساله صلى الله عليه وسلم نعمة عظيمة ولو لا كان الخلق متحيرين فی امرهم لا يدرون ماذا يصنعون (روح) فلا سبيل الى معرفته الا بالوحي (مدارک)۔

روس کو بچوں کی ضرورت

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان ایسی عورتوں سے شادی کریں جو زیادہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہوں۔ گر مہذب دنیا کے نزدیک یہ مشورہ نہایت ہی شرمناک ہے۔

اب روس سے خبر آئی ہے کہ جرمنی کے بعد وہ بھی اسی شرمناک حرکت کا مرتکب ہونے لگا ہے۔ وہاں جنگ کو کامیاب بنانے کے ساتھ بچے زیادہ پیدا کرو' کا نعرہ بھی لگ رہا ہے تاکہ اس ذریعہ سے جنگ کے جانی نقصانات کی تلافی ہو سکے!

حکومت روس نے تیسرا بچہ پیدا ہوتے ہی عورت کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ حاملہ عورتوں کو گیارہ ہفتہ تک کارخانوں سے چھٹی ملا کرے گی اور حمل کے آخری تین مہینوں اور وضع حمل کے بعد چار مہینوں میں عورت کی خوراک ڈبل کر دی جائیگی۔ پانچ اور چھ بچوں والی عورت کو "مادرانہ تمغہ" دیا جائیگا۔ نو بچوں کی ماں کو "مادرانہ عظمت" کے خطاب سے سرفراز کیا جائیگا اور دس یا اس سے زیادہ بچوں والی عورت کو "مدر ہیروئن" کے خطاب سے نوازا جائیگا۔ جس عورت کے کوئی بچہ نہ ہوگا اس پر اسپشل ٹیکس لگایا جائیگا۔ حتیٰ کہ ایک اور دو بچوں والی ماں کو مجبور کیا جائیگا کہ وہ اپنی آمدنی کا ۵ فی صدی حصہ بطور ٹیکس ادا کریں کہ انھوں نے ایک اور دو بچوں پر ہی معاملہ کیوں ختم کر دیا اور تین بچے کیوں نہ پیدا کیے؟

آپ یہ بھی سن لیں گے کہ چونکہ جنگ میں اتلاف جان کی وجہ سے مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت ہو گئی ہے، اس لیے ایک مرد کئی کئی عورتوں سے شادی کرے اور کئی عورتوں سے بچے پیدا کرکے جنگ کے نقصانات سے ملک کو بچائے! (زمزم)

مبلغ اسلام

بقیہ صدق ص ۱

(جو کاتب کے سہو سے چھوٹ گیا تھا)

سفر پر جا رہی ہیں۔ لیکن مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ درحقیقت اصلاح میوات ہے۔ اس علاقہ کو دیکھ کر ہم اسباب کے بندے سوائے اسکے کہ ششدر اور حیران رہ جائیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ بیشک یہ اللہ کے نام اور اسکے کلام کا اعجاز ہے کہ آج اس میوات میں جہاں نام تک ہندوؤں کے سے رکھے جاتے تھے آج سیکڑوں عالم ہیں، ہزاروں قاری اور حافظ ہیں، اور بیشمار ہیں وہ پاک نفوس جو اصطلاحی معنوں میں خواندہ نہیں ہیں لیکن ایک طرف علم دین کی ضروریات اور مبادیات سے واقف ہیں اور دوسری طرف پوری طرح ان پر عامل، ان لوگوں کو میوات میں سیاں جی کہتے ہیں۔ انکی سادہ زندگی، دین سے شغف، معاملات کی صفائی، حقوق العباد کا خیال اور خدا کا خوف دیکھ کر ذہن یکایک اسلام کے خیر القرون کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت، عقیدت اور شیفتگی دین اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود نے زمین و آسمان نہیں زمین و آسمان میں رحمت و برکت کی فضا قائم کر دی تھی۔ (منشور)

ایک مشاعرہ کا خطبہ صدارت

(مشاعرۂ نظام ادب لکھنؤ منعقدہ ۲- جولائی ۱۹۴۳ء)

(از جناب شوکت تھانوی)

(جو اردو غزل کا میدان کوئی ایک نہیں نہیں، اس وقت اسکے محاذ بیسیوں ہیں۔ اور جسکو حقیقی توفیق نصیب ہو جائے۔ اس میں اپنے مذاق اپنی بساط کے لائق حصہ لے سکتا ہے۔ مشہور و معروف مزاحیہ نگار شوکت تھانوی عجب نہیں کہ عنقریب نیازی شوکت پاشا بن جائیں۔ اور انشاء اللہ ایسا ہو کر رہیگا۔ اللہ جسسے جو کام چاہے لے لے۔ محمد ق ا

معزز اراکین نظام ادب۔ میرے بزرگو اور دوستو،

آپ نے جو اعزاز مجھکو عطا فرمایا ہے اُسکا شکریہ ادا کرنے اور ہم الفاظ ڈھونڈھے نہیں ملتے بجائے اگر میں نقش حیرت بنکر رہ جاؤں تو شاید یہ بیان نگی اس متکلم تقاریر سے زیادہ صداقت پر مبنی ہوگی۔ یہ واقعہ ہے کہ جو قرعۂ فال آپ نے اس دیوانہ کے نام نکالا ہے اُسکے مستحق بہت سے وہ ادبی ہوشمند تھے جن میں سے چند اسی بزم میں نظر آ رہے ہیں اور جنکی موجودگی میں میرا مسند صدارت پر ہونا مجھکو خود عجیب سا نظر آ رہا ہے۔ پھر بھی میں اپنے ان بزرگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں میری جسارت سے زیادہ ان حضرات کی نظر انتخاب کا قصور ہے جو یہ ستم ظریفی کر گزرے اور جنکو غالباً یہ دیکھنے کا شوق تھا کہ ایک مزاح نگار کو کیونکر معقول بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال جہاں تک ہنسنے کا تعلق ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ڈر رہا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی فروگذاشت نہ ہو جائے کہ رونے کے لیے آنسو ڈھونڈھنا پڑیں۔

حضرات! اس نازک دور میں جبکہ ہماری شاعری اور ہمارا ادب واقعی ایک انقلابی گردش کی زد میں آ چکا ہے، اس قسم کی ذمہ داری قبول کرنا صرف اُن مستند ہستیوں کا کام ہو سکتا ہے جو اپنی روایات شعر و ادب کے سینہ سپر بنکر سامنے آئیں اور مخالفانہ حملوں کا دندان شکن جواب دے سکیں۔ اب آپ کی یہ ادبی صحبتیں محض تفریحات نہیں رہیں۔ شعر کی نوعیت اب صرف مشاعروں کی داد و واہ تک محدود نہیں رہی ہے۔ بلکہ آپ کا ادب سیاسی گتھیوں کے ساتھ اُلجھ چکا ہے۔ اب آپ نے شعر کو آپ کے ادب کا مستقبل بنانا پڑا ہے۔ اور اب آپ کو یہی نقشہ جنگ سامنے دنیا کے مقابلے رکھکر دنیا کے سامنے وہ نتائج انتظار پیش کرنا ہیں جو داد حاصل کریں یا نہ کریں مگر آپ کے شعر و ادب کو مستحکم سے مستحکم تر بناتے چلے جائیں تاکہ باد مخالف کے جھونکے ان کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا کر انکی جگہ وہ ادب نہ لے آئیں جسکو دیکھ کر آپ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور جسکو سن کر آپ کی سماعت پناہ مانگنے لگتی ہے مجھے معاف فرمائیں۔ وہ حضرات جو اسی اجتماع میں ترقی پسند ادب کی حمایت اپنے دلوں میں لیے بیٹھے ہونگے اور جنکو میرے الفاظ پر بے دقت کی راگنی کا گمان ہو رہا ہوگا۔ اس لیے کہ اُنکے نزدیک ہمارے اس دور ینی ادب اور ہمارے اس ردیف و قافیہ والی شاعری کا دور گزر چکا ہے اور وہ ببانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ انقلاب کی زد سے ادب اور شعر ہرگز کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتے۔ وہ آزادی کے حامی ہیں، شعر کو ردیف اور قافیہ کے قیود سے آزاد کرانے کا بیڑہ اُٹھا چکے ہیں، ادب کو ادب کے حدود سے باہر نکالنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی وہ اقلیت میں ہیں مگر اکثریت کی مخالفت پر یہ کہکر مسکرا دیتے ہیں کہ ہمیشہ ہر اصلاحی پروگرام کی شدید سے شدید مخالفت ہوئی ہے۔ مگر رفتہ رفتہ مخالفوں ہی نے موافقت کے کلمے پڑھے ہیں۔ جس اصلاحی پروگرام کو لیکر وہ سامنے آئے ہیں اُسکی توضیح و تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور نہ اُسکے نمونے کسی ادبی اجتماع میں سامنے پیش کرنے کی جسارت کی جا سکتی ہے، گو یہ زہر ادب کے جسم میں رفتہ رفتہ پھیل رہا ہے۔ ادبی رسائل ہی کے ذریعہ اس بے ادبی کی اشاعت ہو رہی ہے اور اسکے نشر و اشاعت میں خصوصیت کے ساتھ وہ جماعت پیش پیش ہے جو شعر کے مقررہ اصولوں یا اسکے معینہ ضوابط کے ساتھ شاعر اور ادیب ہونے کی صلاحیت اپنے میں مشکل ہی سے پیدا کر سکتی تھی۔ یہاں مستثنیات سے بحث نہیں لیکن ترقی پسند شعرائے کرام کی اکثریت سے یہ سوال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی قدرت نظم کا کوئی نمونہ غزل کے صرف ایک شعر میں بھی پیش کر سکتے ہیں یا نہیں۔ برعکس اسکے ہمارے روایتی شاعر جس وقت چاہیں جس تعداد میں کہیے وہ یاوہ گوئی کر سکتے ہیں جسکو نہایت فخر کے ساتھ ترقی پسند نظم کا نام دیکر سرخروئی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یہی حال نثر کا بھی ہے۔ اس حقیقت سے انکار کرنا بخل ہوگا کہ ترقی پسند ادیبوں میں سے چند اپنے اندر ٹھوس صلاحیتیں رکھتے ہیں، انکے اسلوب میں انفرادیت ہے، انکی عبارت رنگین، انکا طرز دلپسند اور انکی تحریر ادبی خصوصیت کی حامل ہوتی ہے، یہ اور بات ہے کہ اُن کا اصول ہم سے کچھ مختلف ہے۔ مغربی تعلیم نے اُنکے خیالات کی بشریت پر غلبہ حاصل کر کے اُنکو اردو میں انگریزی لکھنے پر مجبور کر دیا ہے، وہ شبلی اور نذیر احمد کو بھول چکے ہیں اور اُنکے دماغوں میں ہوپامان اور چیخوف رچے ہوئے ہیں۔ خیر وہ تو پھر بھی قابل اصلاح ہیں اسلیے کہ وہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور جب بیدار ہو کر اپنے کو ہندوستانی میں پائیں گے تو صرف ایک انگڑائی انکو اشاین گراڈ سے لکھنؤ یا دلی پہونچا دیگی مگر اُنکے اُن نقالوں کا کیا علاج، جنکی نظر سے نہ روسی لٹریچر گزرا ہے نہ میکسیم گورکی کے متعلق یہ اطلاع ہے کہ یہ کسی شہر کا نام ہے یا کسی آدمی کا مگر روسی طرز کے افسانے لکھنے میں مصروف ہیں کہ جنسی معاملات کو اُجاگر کیا جائے ڈھکی چھپی باتوں کو بے جھجک پیش کیا جائے اور جن باتوں کو اب تک شرمناک کہکر بحث میں لانے سے بچایا گیا ہے۔ ان ہی کو نئے رجحانات اور نئے تقاضوں کے تحت نئے نام دے دے کر بحث میں لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس جنسی گندگی کو ہمارے

ہماری نئی نسل کے نوجوان یقیناً اپنے لیے دعوتِ کیف سمجھیں گے تو پھر لالچ پڑھنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہیگی۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری نئی پود جبکی گھٹی میں یہ لٹریچر ملایا جا رہا ہے۔ علمی دنیا میں آکر ہمارے روایتی شعر و ادب کو خرافات کے علاوہ اور کیا سمجھ سکیگی۔ وہ موضوع جن پر ہم گفتگو تک نہ کرتے تھے۔ اب نظموں کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں۔ یہ نظمیں بجوم مجلوم کرا ادبی مجالس میں پڑھی جاتی ہیں اور کوئی ایک شریف بھی ان شرافت سوز نظموں کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کرتا۔ گندگی سے لبریز عریاں رسالے ادبی رسائل بنا کر شائع ہوتے ہیں جنکے صدہا اشاعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ سب علامتیں ہیں اس وبائی مرض کے عالمگیر ہونے کی اور اگر اب بھی آپ نے منظم طریقہ پر اس وبا کے سدِباب کی طرف توجہ نہ کی تو معاف کیجیے گا آپ زبان کی حفاظت کرتے رہ جائیں گے اور

وزن ایک سرے سے ادب ہی غائب ہو جائیگا۔ ع
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

حضرات معاف فرمایے گا کہ میں نے اس ادبی اجتماع میں ایک ناگوار بحث چھیڑ دی ہے گر یہ بحث یقیناً بے محل نہیں کہی جا سکتی (میں آپ کی اس ادبی انجمن سے یہی توقع لیکر آیا ہوں کہ آپ اس انجمن کا سب سے پہلا مقصد اسی ترقی پسند ادب کی مخالفت کو قرار دینگے۔ آپ کے صوبہ کی مشہور ادبی انجمن ہمارا ادب کا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود بھی آگے بڑھے اور دوسری انجمنوں کے ساتھ اس مہم میں ہاتھ بٹائے۔ میں انجمن نظام ادب کے اربابِ حل و عقد کو متوجہ کرونگا کہ وہ اپنی ہمارا ادب کو اس طرف متوجہ کریں بلکہ دوسری تمام ادبی انجمنوں کو دعوت دیکر اس مخالفت کے خلاف ایک مشترکہ اور متحدہ محاذ قائم کریں۔ ورنہ کچھ دنوں کے بعد نہ یہ شاعرے رہیں گے نہ یہ ادبی محافل، ہر طرف اپنی اپنی پسند کی ترقی ہوگی اور ادب غائب۔

آپ سے اس تضیع اوقات کی معذرت طلب کرنے کے بعد میں مشاعرے کی کارروائی آپ حضرات کی اجازت سے شروع کرتا ہوں۔

انجمن عربی صوبہ متحدہ (الہ آباد)

[ناظم انجمن، پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے (الہ آباد یونیورسٹی کا ایک پُر درد مکتوب، مدیر صدق کے استفسار کے جواب میں]

مخدوم و معظم بندہ — وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

انجمن عربی، بحمد اللہ تعالیٰ، اچھے حال میں ہے۔ ابھی اس نے اپنی زندگی کا آٹھواں سال پورا کیا ہے (۳۰ رجب ۱۳۶۳ھ کو) اس سال (سال ہشتم) کی روداد لکھی ہوئی تیار رکھی ہوئی ہے، مگر کاغذ اور طباعت پر جو سرکار صوبہ نے قدغن اور ممانعت لگا دی ہے اسکے کارن وہ طبع نہ ہو سکیگی۔ سال گذشتہ کی روداد کا ایک (اللہ کرے مجھے صحیح یاد ہو) نسخہ میں نے بھی طور پر آپ کی خدمت میں بھی ارسال کیا تھا۔

اسوقت تک انجمن کی طرف سے یہ چیزیں شائع ہو چکی ہیں:

(مفتاح عربی (بچوں کے لیے جدید اسلوب پر عربی گرامر: یہی میری ناچیز تالیف ہے، اور رسالہ بستان، جسکے ناشر ہیں، لکھی گئی تھی ارباب انجمن ہی کے ایماء عالی پر (تمیت ۶؍) - (۲) پانچ مفعول - ۱؍ (۳) غیر منصرف اسماء ۱؍ (۴) افعال ناقصہ - ۱؍ (۵) ایک سو عامل - ۱؍ (۶) الواب کے خواص - ۱؍ - (۲) تا (۶) مختصر و مفید رسائل ہیں، اور یہ سب رسائل صوبہ بھر کے عربی طالبہ کو (جہاں تک دریافت سے معلوم ہو سکا ہے) بالکل مفت تقسیم ہوتے ہیں۔ سبکا سالانہ اوسط ۹۰۰ ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان رسائل کو طلبہ اور اساتذہ سب نے پسند کیا ہے۔ جو بسبب صاف سادہ اردو میں، اور اپنے مضمون کے ضروریات منضبط پر حاوی ہوتے ہیں۔ یا رسالہ پروفیسر ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب لاہوری (رفیق انجمن ہذا) کا انگریزی رسالہ "ہم عربی کیوں پڑھتے ہیں" بی اے اور ایم اے کے طلبہ کو بمفت تقسیم کیا گیا تھا، اور اب ہر سال بی اے کے سال اول کے طلبہ کو دیا جائیگا تاکہ اسکے فیض کا سلسلہ جاری رہے۔ میں نے اس رسالہ (بحذفِ خفیف) اردو میں ترجمہ کیا ہے، کاتب کو دیکیا ہے، گر طبع کیونکر ہو یہ فکر ہے! واللہ المستعان۔ اسکے علاوہ اسوقت ہمارے پاس تین رسالے اور بھی تیار رکھے ہیں۔ گر طبع کیونکر ہونگے!! ؟

اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے [سال اول (۳۶ء۔۳۷ء) کے تین سو روپے سے بڑھتے بڑھتے] اب سال ہشتم میں پونے سترہ سو روپے تک کے وظائف تقسیم کیے ہیں۔ اب اس سال (حال) میں ممکن ہے کہ یہ رقم اٹھارہ سو ہو جائے۔

سنہ ۳۹ء سے ہر سال ہائی اسکول انٹر، فاضل میں اوّل آنے والوں کو (عربی میں) انجمن لے، اور ۵ر بالترتیب انعامات دیتی ہے۔ اس سب سعی کا اللہ کے لطف و کرم سے یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اس آٹھ سال میں ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے عربی طلبہ کی تعداد ماشاء اللہ (ولا قوۃ الا باللہ) تگنی سے زیادہ ہو گئی ہے۔

ہمارے مستقل معاونین میں جناب نواب صدر یار جنگ بہادر (ماہانہ صہ)، ایجوکیشنل کانفرنس (ماہانہ للعہ) اور اب پارسال سرکار صوبہ (سالانہ پانسو روپیہ) ہیں۔ ابھی کل ہی نواب زادہ صداقت علی خاں صاحب (مظفر پور) نے ۵۰ عطا فرمایا ہے اور وعدہ فرمایا ہے کہ ہر سال یہ رقم انجمن کو عطا ہوتی رہیگی۔ ان بزرگوں کے بعد حضرت دریوزہ گری پر تکیہ کرنا پڑتا ہے۔ لامحالہ ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ چہ خورد بامداد فرزندم: اب کے سال ہم دیکھیں کیونکر دینگے؟!؟ گر اللہ کچھ نہ کچھ بندوبست فرما دیتا ہے جس سے انجمن کی آبرو باقی رہتی ہے۔

رؤساء قوم اگر توجہ فرمائیں تو رؤساء قوم ہی کیوں کہلائیں! لیکن اگر یہ حضرات توجہ فرمائیں (وفقہم اللہ آمین) تو ہمارے مقاصد

ہو اہے -

۳۰ - جون ۱۹۴۴ء تک کے انجمن کے تمام حسابات با مناسبہ طور پر (ایک ایک رسید اور پرچہ کرکے) جانچے جا چکے ہیں - اور الحمد للہ کہ محاسبوں نے سب کچھ اب تک صحیح پایا ہے - چند بزرگوں نے وقتاً فوقتاً انجمن کے دفتر کا مکمل معائنہ بھی فرمایا ہے، اور الحمد للہ کہ انہیں پورا اطمینان ہوا ہے -

اب ۳۰ - جون کو انجمن کے خزانے میں کُل رقم ۱۱-۲-۸-۷۸۴۰ روپیہ موجود تھی، اور یعنی آج ۱۵- اگست کو ۸-۵-۵۲۲۶ روپیہ موجود ہے - الحمد للہ فی الاولیٰ والآخرۃ - اس رقم میں سے صرف ۲۴۵۰ روپیہ وظائف میں ہے - وظائف کے لیے مولفین کا انتخاب عنقریب ہونے والا ہے :

فکر یہ ہے کہ اگر اس میں سے اب ہم نے ۱۸۰۰ روپیہ بانٹ دیا تو باقی رقم اتنی کم رہ جائیگی کہ آئندہ سال اسوقت تک ... ؟ ...... کیا ہوگی ؟

ہم نے شروع ہی سے ایک "مدِ محفوظ" قائم کر دیا تھا - اس میں اب ۸ سال میں جاکر ۱۸۵۰ روپیہ (تقریباً) ہوا ہے - جس انجمن کے ۸ سال کے مدِ محفوظ کا یہ عالم ہو، اُس کا اللہ کے سوا کون والی ہے ؟ ! ؟

حضرت، میں نے بہت طول دیا کلام کو، اور صرف اس وجہ سے کہ ایک ہمدرد پُرسانِ حال ہے - کاش کوئی پرسانِ حال ہی ہو - میری تو کوئی اتنی بھی نہیں سنتا - معتمد، خازن، کلرک، گرداور، مبلغ، خوشامدی، سب کام مجھی کو کرنے پڑتے ہیں - مگر اللہ کا احسان ہے کہ سوا قولنج کے دوروں کے عارضی عوائق کے اور کوئی حرج انجمن کے کام میں اب تک نہیں ہوا - واللہ کہ اللہ کے سوا اور کوئی میرا ہاتھ نہیں بٹاتا - البتہ کبھی کبھی میری بیوی اور بچے کچھ مدد دیدیتے ہیں - مگر میرے لیے اللہ کافی ہے، وافی ہے، اور اسی سے استعانت و استمداد کرتا ہوں :

ایاہ اعبد و ایاہ استعین - والصلوٰۃ الطیبات علی نبیہ رحمۃ للعالمین -

میں اس سمع خراشی اور تضییعِ وقت کے لیے مستعفی ہوں - والسلام خیر الختام -

حقیر محمد نعیم الرحمٰن

مراسلہ

ایک ادبی اجتماع

جناب ماہر القادری صاحب یکم اگست کو بھساول (صوبہ بمبئی) کے مشاعرے میں تشریف لائے تھے - اہلِ ذوق حضرات نے اسوقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کھنڈوہ (سی - پی) میں ۲- اگست کو ادبی پارٹی اجتماع کا انتظام کیا - مقامی و بیرونی ممتاز شعرا کے بعد حضرت ماہر القادری نے اپنے کلام سے سامعین کو بیحد محظوظ فرمایا -

شعر خوانی کے علاوہ ماہر صاحب نے اُردو ادب پر ایک بسیط تقریر فرمائی - آپ نے کہا کہ "صرف اُردو ہی ہندوستان کی مشترکہ قومی زبان اُردو" ہی ہوگی کہ یہ زبان ہندوستان کی تمام اقوام کے خیال و فکر کا سنگم ہے - اُردو کی مخالفت ہندوستان کی آزادی کی مخالفت ہے کوئی وطن دوست اور سچا ہندوستانی اُردو کا مخالف نہیں ہوسکتا -

اُردو رسم الخط کو رومن بنانے اور "ث" "س" "ص" ظ، ز، ذ، وغیرہ حروف کو ایک حرف "س" اور "ز" سے بدلنے کی کوشش ویسی ہے جیسے کوئی آدمی کا ایک پاؤں اور ایک ہاتھ کاٹ کر کہے کہ دو ہاتھ دو پاؤں کی کیا ضرورت ہے، ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے بھی کام چل سکتا ہے - اس قسم کی تمام کوششیں اُردو کے حق میں مہلک اور تباہ کن ہیں - اُردو زبان بہت سے مراحل سے گزرنے کے بعد فطری طور پر آسان، سادہ اور معیاری بن چکی ہے - اب اسکو سوچ سوچ کر آسان بنانے کی کوشش کہ "انتخاب" کو "چناؤ" "محبت" کو "پریم" "پابندی" کو "بندھن" "دل" کو "ہردے" اور "روح" کو "آتما" بولو اور لکھو - تو اسکا مقصد یہ ہوا کہ فطری زبان کو مصنوعی ARTIFICIAL بنا دیا جائے -

حالانکہ کوئی مصنوعی زبان بہت دن تک زندہ نہیں رہ سکتی - جس طرح ہم یورپ میں "اسپرنٹو" کا حشر دیکھ چکے ہیں -"

آخر میں ماہر صاحب نے فرمایا کہ "اُردو زبان کو صحیح اور پاکیزہ ادب کی ضرورت ہے - افسوس ہے کہ ہمارے بعض نادان دوست "بے راہ روی" کو "انقلاب" اور "پستی اور انتشارِ خیال" کو "ترقی" اور "بدمذاقی" کو "جدت" سمجھ رہے ہیں - اس انداز کا تمام "ترقی زدہ" لٹریچر اُردو زبان کو رسوا اور تباہ کر رہا ہے - ہم "مغرب زدہ انشا پردازوں" اور "ناتراشیدہ لونڈوں" کے ہاتھوں میں اُردو زبان کو کھلونا نہیں بننے دینگے -"

عبد المجید خاں - شوق - کھنڈوہ

(بقیہ صفحہ ۳)

تاوقتیکہ کسی دلیل سے اسکی ناپاکی نہ ثابت ہو جائے - الاصل فی الماء الطہارۃ اور محض شک یا وہم سے یقین یا ظنِ غالب کا حکم بدلا نہ جائیگا - الیقین لا یزول بالشک - واٹر ورکس کے وسیع اور بار بار بدلتے ہوئے پانی میں دریا اور سمندر کے پانی کی ہے، جس میں لاتعداد مرے ہوئے جانور اور انسان روز ہی پڑے رہتے ہیں اور محض اسی سے وہ پانی ناپاک نہیں ہو جاتا - تاوقتیکہ مزہ اور رنگ اور بو بھی نہ بدل جائے - فقہ میں ماء کثیر اور ماء جاری کی اصطلاح میں پانی کے ایسے ہی ذخیروں کے لیے ہے - کنوئیں کی نجاست کے احکام پر ایسے پانی کا قیاس درست نہیں -

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک بہت ہی قدیم تالیف)

قرآن، حدیث اور اقوال حکماے یونان سے راعی و رعایا کے تعلقات اور حاکم و محکوم کے معاملات - قیمت میں غیر معمولی رعایت یعنی ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ موصول ہونے پر روانہ کردی جائیگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق و صدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبد القوی (بی اے)
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلیس - گولہ گنج - لکھنؤ

صدق

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ ر
بیرون ہند سے سالانہ آٹھ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۲۰ | دو شنبہ - ۲۲ - رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۱ - ستمبر ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

مشرق کے ایک شہر میں ایک انگریز مقیم ہے - ملازم کو علم ہے کہ سودا جس قدر بھی آیا کریگا، شہر کی فلاں انگریزی دکان سے آیگا - بات ہو گئی - مہینوں کے بعد صاحب نے حساب کی جانچ کی، تو انکی معلوم ہوا کہ مہینہ میں بہت ہوئی ہے، اور وہ بھی کچھ تھوڑی نہیں، اچھی خاصی عظیم پونڈ کی! آقا نے حیرت سے ملازم کی طرف دیکھا - ملازم نے عرض کیا کہ "ایک مہینے سے کما ہم اس انگریزی دکان سے بند کرکے ایک مسلمان دکان سے کھول لیا ہے، یہ کفایت اس سے ہوئی"۔ لیکن میرا حکم تو اسی انگریزی دکان کے لیے تھا"۔ ملازم نے دوبارہ ہمت کرکے کہا "مگر سرکار، اس میں اور اس میں تو عظیم پونڈ کا فرق پڑ جائیگا" آقا نے آخری اور انتقامی لہجہ میں فرمایا "کوئی پرواہ کی بات نہیں۔ عظیم پونڈ ہو یا جو کچھ ہو، سودا آیندہ وہیں سے آئیگا" ——— واقعہ شام کے مشہور لیڈر، امیر شکیب ارسلان نے اپنی تازہ کتاب میں نقل کیا ہے، جو عالم اسلامی کے اسباب زوال پر ہے، اور جسکا ترجمہ OUR DECLINE & ITS CAUSES کے نام سے ابھی لاہور کے مشہور انگریزی ناشر شیخ محمد اشرف کے ہاں سے نکلا ہے!

فلسطین میں عربوں پر جو ظلم یہود کے ہاتھوں ڈھائے جا رہے ہیں، انکی داستان آپ کی نظر سے بارہا گذری ہوگی - اور عجب نہیں کہ آپ کا دل بھی متاثر ہوا ہو - دنیا میں یہود کی آبادی کل دو کروڑ ہے، اور مسلمانوں کی آبادی بلکے تخمینہ کے مطابق ۳۵ کروڑ - اور ان میں سے کوئی ۱۴ کروڑ تو فلسطین ہی کے مضافات و ملحقات، شام، مصر، عراق، حجاز، وغیرہ میں آباد ہیں - چندہ کی ضرورت یہود کو ہوئی اور دم بھر میں یہود فلسطین کے لیے چندہ ۱۰ لاکھ پونڈ کا فراہم ہو گیا! ادھر مسلمانوں سے بھی اپنے بھائیوں کے لیے اپیل شائع کی - جمع شدہ رقم کی میزان آپ سنینگے؟ کل سوا ہزار پونڈ! یعنی یہود کے چندہ سے کئی گنا زائد نہیں، برابر بھی نہیں، بلکہ ایک ہزار کے مقابلہ میں تیرہ! حالانکہ اگر صرف نواح فلسطین ہی کی اسلامی آبادی اس میں شریک ہوتی اور فی کس ایک قرش لیکر شریک ہوتی، جب بھی انکے چندہ کی میزان ۳۵ لاکھ پونڈ تو ہو ہی جاتی! بلکہ سب نہ سہی، سو میں سے دس ہی، صرف ۱۰ فیصدی آبادی اسی حقیر رقم کے ساتھ شریک ہوتی، جب بھی میزان ۳۵ ہزار پونڈ تک تو پہونچ ہی جاتی! ——— یہ واقعات و اعداد بھی امیر موصوف ہی کی کتاب سے ماخوذ ہیں -

---

واقعات انوکھے اور نادر نہیں، اور نہ کسی خاص خطہ یا علاقہ کے ساتھ مخصوص ہیں - پوری ملی سیرت و کردار کے نمونے ہیں، اور عرب و ہندوستان، مصر و چین، ایران و مراقش، سب جگہ کی اسلامی ذہنیت کے ترجمان ہیں - جان دینے، وقت کی ہمت، اور جہاد بالنفس کا ذکر نہیں، ذکر صرف مالی ایثار، جہاد بالمال کا ہے - جس قوم کا معیار اس باب میں اتنا پست ہو چکا ہو، اُسے کیا حق دنیا میں حکومت کرنے کا ہے؟ حکومت کو بھی چھوڑیے، کیا حق دنیا میں عزت و سربلندی، خودداری کے ساتھ رہنے کا ہے؟ کیونکر آخر وہ مقابلہ اُن گوری قوموں کا کر سکتی ہے، جنکے ہاں ذاتی نفع کے کوئی معنی ہی نہیں، جنکے ہاں ہر نفع اور ہر نقصان تمامتر قومی ہی نفع اور قومی ہی نقصان ہے - وہ سودا گراں سے گراں خرید لینگے، لیکن اپنے ہی بھائی کی دکان سے -

پیسہ سے اپنی جیب خالی کرینگے تاکہ اپنی قوم کی جیبیں بھر یں! ایسے شخص سے ایس بے غیرت مسلمان کو کیا نسبت ہے، جو اپنی ترقی کا کمال اور اپنی روشن خیالی کی انتہا یہی سمجھے ہو - کہ زیادہ سے زیادہ غیروں کا فیشن اختیار کرے - زیادہ سے زیادہ دوسروں کی نقالی کر سکے! — لفظی اور قولی ایمان کی برکت اگر کافی ہوتی، تو قرآن مجید عمل صالح کی تاکید سے کیوں بھرا پڑا ہوتا؟ اور صحابہؓ اپنی اخلاقی، عملی برتری کا ثبوت قدم قدم پر کیوں دیتے رہتے ہوتے؟

اقبالؒ کی تعلیم

محمد حسن صاحب بھوپال سے لکھتے ہیں

”آجکل انگریزی کتاب ASPECTS OF IQBAL مطالعہ کر رہا ہوں، جس میں حضرت اقبالؒ کے مختلف پہلوؤں پر مقالے و مضامین جمع کر دیے گئے ہیں .... ایک جگہ مضمون نگار نے اقبال کے انگریزی فلسفیانہ لکچروں سے ذیل کا ٹکڑا نقل کیا ہے .. اور پھر انسان کی تقدیر کے مسئلہ پر بحث ہوئے اقبال کے اشعار ذیل لکھے ہیں :—

گر زیک تقدیر خوں گردد جگر — خواہ از حق حکم تقدیر دگر

تو اگر تقدیر نو خواہی رواست — زانکہ تقدیرات حق لا انتہاست

ارضیاں نقد خودی در باختند — نکتۂ تقدیر را نشناختند

رمز باریکش بحرفے مضمر است — تو اگر دیگر شوی او دیگر است

مجھے یہاں مذہب سے بحث و کلام نہیں۔ میرے سوال کا تعلق صرف اقبال کے فلسفہ اور کلام سے ہے - وہ اپنے لکچرز میں کہتے ہیں کہ خدا نے سب کو بنایا اور انکے ساتھ ساتھ انکی تقدیر بھی بنائی - لیکن اشعار بالا میں انسان کو آزاد و خود مختار ثابت کرتے ہوئے ایک تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر تمھیں ایک تقدیر پسند نہیں تو خود کو بدل لو اور دوسری تقدیر مانگ لو وغیرہ - میں یہ کہتا ہوں کہ خدا قادر مطلق ہے اور ہر چیز کو جانتا بھی ہے۔ انسان کی تقدیر بدلنا بھی اُسکے اختیار میں ہے - تو اقبال جس تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کیا یہ تبدیلی نزد اللہ کی جانی اور مقرر کی ہوئی ایک تقدیر نہیں ہے؟ اگر ہے، تو پھر اقبال کا یہ کہنا کہ انسان خود کو بدل لے تو تقدیر بھی بدل لے - کیا معنی رکھتا ہے - جبکہ یہ تبدیلی بھی خدا ہی کی مقرر کی ہوئی ایک تقدیر ہے! اگر ایسا نہیں تو کیا نعوذ باللہ خدا آنے والی ہر چیز سے آگاہ یا اور اُس پر قادر نہیں ہے“؟

سوال کی شق اول جو آپ نے لکھی ہے، وہی صحیح ہے - اُسی پر قائم رہیے - اور بات بالکل صاف ہے - اقبال ایک جگہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہر ایک کی تقدیر بنا دی ہے - اور دوسری جگہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے میں تبدیلی کر کے اپنی تقدیر بدل سکتا ہے - دونوں تحقیقیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں - اور دونوں کے درمیان تناقض کہیں نہیں -

تقدیر یہاں جزاء اعمال کے معنی میں ہے اور اعمال اگر بدلتے رہینگے تو اُنکی جزا بھی اُسی مناسبت سے بدلتی رہیگی - اقبال صرف یہی کہتے ہیں کہ اعمال تمہارے ہاتھ میں ہیں، جیسے اعمال کرتے رہوگے

اُنھیں کے مطابق حکم ان پر نافذ ہوتا رہیگا، اور قانون مجازات عمل کام کرتا رہیگا - تقدیر، اس معنی کے علاوہ، کوئی ثبت یا دیوتا نہیں، کہ ہر حال اور ہر صورت میں بدستور اٹل رہے - اللہ کی مشیت سارے کائنات پر صرف تکوینی حیثیت سے حاوی ہے۔ بندہ کے ارادہ میں دخل نہیں دیا کرتی ہے ورنہ پھر انسان مجبور محض ہو جائیگا، اور جزا و سزا کے کوئی معنی نہ رہیں - بندہ اپنے افعال کے کسب و اکتساب میں بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے“

شیطانی آزادیاں

”ابھی جب عدالت طلاق کا اجلاس شروع ہوا، ۱۶۹۲ مقدمے فیصل ہونے کو تھے - اور آج عدالت برخاست ہوتے ہی، اس تین ہفتے کی مدت میں ... مقدمے فیصل ہو چکینگے - روزانہ پچاس پچاس مقدموں کے فیصلہ کا اوسط پڑ رہا ہے۔ اس پر بھی توقع نہیں کہ آخر جولائی تک جب یہ اجلاس ختم ہوتا ہے کُل مقدمات ختم ہو سکیں گے! عدالت طلاق کی تاریخ میں ان اعداد نے کثرت و افراط کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔

جولائی کے آخر ہفتوں میں اس عدالت کے آٹھ ججوں میں سے صرف تین لندن میں رہ جائیں گے، اور باقی پانچ اس کام کے لیے اضلاع کے دورہ پر روانہ ہو جائیں گے۔

امسال فیصل شدہ مقدمات طلاق کی تعداد ...۹ تک اب ہو نچی ہے۔ پچھلے سال کُل ...۱۰ طلاقیں دلوائی گئی تھیں، ابھی اندازہ ہے کہ میزان اس سے بھی بڑھ جائیگی“ (ایوننگ اسٹینڈرڈ، لندن ۱۱ جولائی ۱۹۴۶ء)

بدچلنی کی جو دریا جاہلی جنگوں میں، انکے شروع ہونے کے ساتھ ہی مچ پڑتی ہے، یہ طلاقوں کی بھرمار اُسکا صرف ایک قلیل اور نسبۃً ہلکا جزو ہے - سیہ کاریوں کی اصل وسعت اور کیفیت اس سے کہیں بڑھی ہوئی ہے - شیطان کے ہاں شادیانہ بجنے کا عین یہی زمانہ ہوتا ہے۔

ایک شیعہ دوست کا مکتوب

حال میں ایک ادیب ادب نواز شیعہ دوست سے ریل پر ذرا مفصل گفتگو رہی - موضوع ایک ملحد شاعر کے جواب میں ان ادیب صاحب کی تقریر تھی - سُن کر جی خوش ہو گیا۔ توحید اور عبادت پر ہر طرح شائستہ، مدلل، معقول تقریر تھی - بعد کو خط سے عرض کیا گیا کہ ایسی کامیاب کلامی تقریر قلمبند ہو جانا چاہیے اگر شائع عام ہو جائے۔ جواب میں مضمون تو نہ آیا، البتہ جو مکتوب موصول ہوا، وہ خود اس قابل ہے کہ اسے بلا تکلف نذر ناظرین کیا جا سکتا ہے:—

”مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ میں نے توحید و عبادت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ آپ کے سے مذہبیات کے ماہر خصوصی کی نگاہ میں قابل التفات قرار پائے - اسی طرح کی بہت سی باتیں دل میں بھری ہوئی ہیں، لیکن محض مجبوریوں کی بنا پر مجھے اپنے قلم کی جنبشوں کو ادبیات کے دائرے میں محدود رکھنا پڑا ہے - اگر

نئی کتابیں

(۱) **بلقیس اور دیگر افسانے** - از جناب صادق الخیری صاحب ایم اے دہلوی - ضخامت ۱۶۱ صفحات - قیمت عہ پتہ، خاتون کتاب گھر - اردو بازار دہلی

یہ صادق الخیری صاحب دہلوی کے بیس مختصر افسانوں اور ڈراموں کا مجموعہ ہے، جو اس سے قبل ادبی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں - بعض ترجمے ہیں اور بعض طبعزاد - زبان کی دلکشی اور عربیت سے اجتناب ہر افسانہ کی خصوصیت ہے - غیر زبانوں سے جہاں جہاں ترجمہ ہے وہاں بھی ترجمہ پن نمایاں نہیں پایا جاتا - اپنی زبان کی خصوصیات بڑی حد تک قائم رکھی گئی ہیں - حزنیہ افسانے متعدد ہیں، اور انکی عبارت پر کہیں کہیں افسانہ نگار کے مرحوم بزرگوار (مصور غم) کی جھلک نظر آ جاتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں حزنیت سے تاثر بھی پایا جاتا ہے - مصور غم مرحوم کی زباں دانی غالباً "قریب المرگ" (ص ۱۶۵) کی غلط العوام ترکیب کو بھی جائز نہ رکھتی - (ع - ق)

(۲) **شمع فروزاں** - مترجمہ صادق الخیری صاحب ایم اے دہلوی - ضخامت ۱۰۴ صفحات - قیمت عمر پتہ، خاتون کتاب گھر - اردو بازار - دہلی

پرل بک، نامی امریکن خاتون چین کی معاشرتی ومعاشی زندگی پر افسانہ نگاری کے اعتبار سے بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں - اور انکو اس سلسلہ میں نوبل پرائز بھی مل چکا ہے - یہ انکے ایک مختصر ناول کا ترجمہ ہے - جس میں چین کی معاشرتی زندگی کی تصویرکشی کے ساتھ ساتھ نئی روشنی اور پرانی روشنی کے تصادم کو دکھایا گیا ہے مترجم نے ترجمہ میں سلاست شروع سے آخر تک قائم رکھی ہے، اور اس سے بڑھ کر کمال یہ ہے کہ افسانہ پڑھتے وقت چینی ناموں کو چھوڑ کر (جو یقیناً نامانوس معلوم ہوتے ہیں) اور کہیں بھی یہ احساس نہیں ہونے پاتا کہ ہم کسی غیر ملک کے افسانے کو پڑھ رہے ہیں - فاضل مترجم اس سے قبل بھی متعدد غیر زبانوں کے ناولوں کو اردو میں منتقل کر چکے ہیں، لیکن روانی اور سلاست میں یہ انکے پچھلے ناولوں پر فوقیت رکھتا ہے - (ع - ق)

(۳) **سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۳ء** مرتبہ سکرٹری انجمن، ضخامت ۸۸ صفحات - قیمت ۴ر پتہ، انجمن ترقی اردو (ہند) دریاگنج - دہلی -

یہ انجمن ترقی اردو کی ۱۹۴۳ء کی سالانہ کارگزاری کی رپورٹ ہے - "انجمن" ملک کی دیگر ہنگامی انجمنوں کی طرح نہیں، بلکہ مخلص اور سنجیدہ کام کرنے والوں کی ایک جماعت ہے، جو اپنے مشن کی تکمیل میں دل وجان سے مصروف ہے - خوش نصیبی سے اسکو مولوی ڈاکٹر عبدالحق صاحب کا سا کہن سال جوان ہمت سکرٹری ہاتھ آگیا ہے جو ۱۹۱۲ء سے متواتر اردو کی خدمت میں مصروف ہے - اور اس سن وسال میں بھی (جیسا کہ رپورٹ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے) سال کا بیشتر حصہ ایک کے اوپر دوروں میں اردو کی ترقی کے لیے صرف کرتا ہے - فروری میں اگر وہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے کانووکیشن میں شریک اور اردو میں سائنس کی کتابیں لکھوانے کی کوشش میں سرگرم نظر آتا ہے تو مارچ میں بنگال میں اردو کانفرنسوں کی صدارت کرتا، اور بہار اور چھوٹا ناگپور کے دورافتادہ مقاموں میں عیسائی مشنریوں سے مل کر انکے مدارس میں اردو کی ترویج کراتا ہے - مئی میں بھوپال و ٹونک، ستمبر میں اورنگ آباد و حیدرآباد، نومبر میں مالابار و مدراس گھومتا پھرتا ہے -

ہر جگہ اسکے پیش نظر صرف اردو کی خدمت و ترقی ہے - اردو کو مٹانے کی جو منظم کوششیں ہو رہی ہیں، انکے مقابلہ کی سب سے سرگرم کوشش اس ذات سے وابستہ ہے - زیر نظر رپورٹ میں انجمن کی سالانہ کارگزاری کی تفصیل بیان کی گئی ہے - یہ اس قابل ہے کہ ہر بہی خواہ اردو کی نظر سے گزرے اور صرف نظر سے گزرنا ہی کافی نہیں، انجمن کے مفید کاموں میں اسکی مدد کی جائے - انجمن نے ۱۹۴۳ء میں کاغذ کی انتہائی دقتوں کے باوجود پندرہ کتابیں جو ہر لحاظ سے انجمن کی روایات کے مطابق ہیں، شائع کی ہیں ۱۹۴۴ء کا پروگرام بھی اسی کے لگ بھگ بنایا گیا ہے - انجمن کے زیر اہتمام دو رسالے "اردو" اور "سائنس" اور ایک پندرہ روزہ "ہماری زبان" شائع ہوتے ہیں - چھوٹا ناگپور کے علاقہ میں اردو مرکز قائم کیا گیا ہے جس سے وہاں بڑے پیمانہ پر اشاعت اردو ہو رہی ہے - دہلی میں اردو کالج قائم ہے، جو پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات اردو (ادیب، ادیب فاضل وغیرہ) کے لیے طلبہ تیار کراتا ہے - اس کالج کا اوسط کامیابی بہت شاندار رہا ہے - ہندوستان کے مختلف حصوں میں انجمن کی شاخیں قائم ہیں، اور سکرٹری صاحب کے علاوہ انجمن کے سفیر صاحبان اردو کی نشرواشاعت کے لیے برابر دورے کرتے رہتے ہیں - اس قبیل کی جملہ معلومات اس رپورٹ میں درج ملینگی (ع - ق)

(۴) **رپورٹ تیسری کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس** منعقدہ ناگپور، مرتبہ محمد ابراہیم خاں صاحب قنا - سکرٹری مجلس استقبالیہ - ضخامت ۱۴۴ صفحات قیمت ۲ر پتہ انجمن ترقی اردو (ہند) دریاگنج - دہلی -

ناگپور کو کئی سال ہوئے اردو ہندی قضیہ کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور یہیں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس کے سلسلہ میں گاندھی جی اور دیگر ہندی نواز کانگرسیوں کے رویہ سے حامیان اردو کی آنکھیں کھلیں، اور وہ اپنی زبان کے تحفظ کے لیے کمربستہ ہو گئے - اسکے بعد ودیا مندر اسکیم کا سلسلہ چلا اور سی پی کے مسلمانوں کو اردو کے لیے بہت کچھ جدوجہد کرنی پڑی - اس بنا پر یہ شہر بجا طور پر اسکا مستحق تھا کہ یہاں انجمن کا

سالانہ اجلاس منعقد ہو - جنوری ۱۹۴۲ء میں اجلاس کا انعقاد بہت بڑے پیمانہ پر مشہور خادم اردو مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی (ملقب بہ صدر یار جنگ) کی صدارت میں ہوا - رپورٹ میں صدر اجلاس و صدر استقبالیہ کے خطبات اور سکریٹری کی رپورٹ اور اجلاس کی تجاویز، ہر حامی اردو کی نظر سے گزرنے کے قابل ہیں - شروع میں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس کے وقت سے لیکر کانگریسی حکومت کے وزارت چھوڑنے تک اردو والے سلسلہ میں جو کچھ ہنگامے ہوئے سب کی تفصیل (جو پہلے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہے) اس رپورٹ میں درج ہے - بابا سندھیوں کا خط گاندھی جی کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے - اگر سب ہندو اس خیال کے ہو جائیں تو زبان کے مسئلہ میں ہندو مسلمان یقیناً ہمزبان ہو جائیں۔

رسائل و اخبارات

(۱) **تنظیم** - حیدرآباد دکن - قائد ملت نمبر، قیمت ۱۲ر صفحات ۳۲ صفحے۔

اخبارات کی زندگی ہی قائم رہ جانا اس وقت بڑی بات ہے، چہ جائیکہ کسی اخبار کا بڑی ضخامت کے ساتھ خاص نمبر نکلنا! لیکن قائد ملت بہادر خاں کا سانحہ تھا ہی ایسا کہ اسکی یاد قائم رکھنے کے لیے بڑی بڑی زحمتیں گوارا کر لی جائیں - اہل تنظیم کی ہمت قابل داد ہے کہ اس زمانہ میں بھی اتنی صفحات کے پرچہ کا انتظام کر لیا - مضامین عموماً پہلے کے مطبوعہ ہیں، اور صدق کے تعزیتی مضمون سے لیکر صاحب پیام کے تاثرات تک ہر نوع اور ہر سطح کے شامل ہیں - ڈاکٹر رضی الدین صدیقی و غلام دستگیر رشید صاحب کے مضامین پڑھنے کے قابل ہیں، نقلی اور نظم کے ٹکڑے بھی اچھے ہیں - تصویریں بھی متعدد ہیں - البتہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے مضمون کی کمی ایک محسوس ہونے والی بات ہے۔

(۲) **مجلۂ عثمانیہ گلبرگہ** (سہ ماہی) یہ رسالہ عثمانیہ کالج گلبرگہ کی طرف سے نکلتا ہے، اور اسکی زندگی کا دوسرا سال اب شروع ہے - مضامین نثر و نظم جو زیادہ تر طلبہ ہی کے ہیں محنت و سلیقہ سے لئے گئے ہیں - بعض بعض نظموں میں اقبال مرحوم سے تاثر نمایاں ہے جشن قرآن، گلبرگہ کی ثقافتی نمائش، بہادر یار جنگ مرحوم کے حالات پر مضامین خاص طور پر پُر معلومات ہیں - آخری تاریخ انگلستان کے نام سے ایک انگریزی کتاب کا مسلسل ترجمہ بھی قسط وار شائع ہو رہا ہے۔

(۳) **سالنامہ رسالہ مخزن** (میسور) ملنے کا پتہ، بزم اردو و فارسی مہاراجہ کالج - میسور - یہ رسالہ مہاراجہ کالج میسور کی بزم اردو و فارسی کا ترجمان ہے اسکی نگرانی اردو کے سرگرم خادم پروفیسر عبد القادر صاحب سروری صدر شعبہ اردو و فارسی میسور یونیورسٹی کرتے ہیں - اس سالنامہ میں زیادہ تر مضامین رہیں گے اساتذہ، طلبہ اور طالبات کے قلم سے ہیں

ایک مضمون فارسی میں بھی ہے - میسور جیسے اردو ناآشنا مقام سے اردو اور فارسی کی خدمت زیادہ حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی مستحق - میسور کے اردو اداروں پر پروفیسر سروری صاحب کا مضمون [illegible] بہت پُر از معلومات ہے - قدیم میسوری اردو کی نظم کے دو نمونے بھی شائع ہوئے ہیں - "ایران کی جدید شاعری اور شاعر" کے عنوان کا مضمون مختصر ہونے کے ساتھ پُر از معلومات ہے - اور اس میں وہاں کے مشہور مغرب زدہ شاعر پور داؤد (... ہندوستان آئے تھے) کے متعلق دو سطریں عبرت اور دلچسپی سے خالی نہیں :-

"پور داؤد ایران کے نامور وطنی شعرا میں سے ہیں - انکے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر ... انکے کلام میں ملیں گے - یہ اپنے زمانہ کے فردوسی ہیں - اسی انداز کے وطن پرست اور قدامت پرست ایسے کہ ایران کو تعلیمات زردشت ہی کی تلقین دیتے ہیں - اسلام انکی نظر میں ایران کے لیے غیر ضروری ہے" (ص ۵۶)

ص ۱۲ پر "قلم زسانی" غلط محل پر استعمال ہوا ہے، اور ص ۲ پر "ہم جلیس" تو بالکل ہی غلط ہے - ... نے صحیح معنی جتنے کے ہیں، ... "ت" کے نہیں - ایسے تمام موقع سروری صاحب کی نظر ثانی کے محتاج رہ گئے - فردوسی پر جو مضمون ہے، اگرچہ فارسی میں ہے لیکن اردو کی شعر العجم سے اسکے ماخذ سے بہت کچھ ملتے ہیں - "خمریات جوش" کے سلسلہ میں مضمون نگار خاتون کا یہ دعوے کہ جوش کے مقابلہ میں ریاض کی خمریات بہت پھیکی معلوم ہوتی ہیں، بجائے خود شاعرانہ ہے - (ر ، ق)

(۴) - **رسالہ ہمدرد صحت** (اشاعت خاص) موسوم بہ "جنگ اور طب" - پتہ، ہمدرد صحت دہلی - قیمت ۸ر - رسالہ ہمدرد صحت دہلی نے جنگ کی دشواریوں کے باوجود اس سال اپنی "اشاعت خاص" سے محروم نہیں کیا - اور اپنی اس نے موضوع بھی مناسب حال "جنگ اور طب" رکھا - حصہ اول کا پہلا باب "جنگ کے پانچ سال اور علم و فن طب" ... چھوٹے بڑے کل مضامین حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی نگران رسالہ کے قلم سے ہیں - جنکی ترتیب میں محنت و خصوصی کام لیا گیا ہے - باب دوم جس میں علم جراحت کی ترقیات سے بحث ہے - حیدرآباد دکن کے دو ممتاز ارباب فن ڈاکٹر عثمان خاں صاحب اور ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب کے پُر معلومات مضامین پر مشتمل ہے -

حصہ دوم میں امراض اور جنگ، مخدرات زمانۂ جنگ ہیں، خون کا بینک، ہوائی حملے، زہریلی گیس، ریڈ کراس اور اس قسم کے دوسرے اداروں کے متعلق پُر از معلومات مضامین ہیں

حصہ سوم ادبیات جنگ پر مشتمل ہے - اس کے مضمون نگاروں میں ایم - اسلم لاہوری اور سلطان حیدر جوش بھی شامل ہیں

شروع کے دونوں حصوں کے مضامین بڑی حد تک فنی حیثیت

حسن کی رنگینیاں

بمبئی میں ان دنوں صدہا ایسے اینگلو انڈین جو بمبئی بندروں کے انتہا
بیش کام "عمداً" تو کچھ نہیں کرتے مگر رہتے ہیں بڑے ٹھاٹ سے نفیس
مکانات کو نفیس ... سجا ہوا ڈرائنگ روم، بیرا، خانساماں، چوکر
آیا، نوکر سارا کنبہ اپ ٹو ڈیٹ فیشن میں ملبوس، دروازوں پر پڑا ہوا ہے
اور مکان کے سامنے بس ایک دو بیوک کی موٹریں، روز نئی نئی موٹریں!

یہ کس کی حالت ہے؟ اینگلو انڈین اور تھکے ملک کے کریمین کی۔ بمبئی والے کہتے ہیں کہ جس گھر میں ایک بالغ لڑکی ہے سمجھ لیجئے یہی حالت ہے؟۔ کیونکر؟ اسکا جواب اینگلو انڈین اور ہندوستان میں آباد یورپین طبقہ کے صدر مسٹر فرینک انتھنی کی زبان سے سنیے۔ اور سب کچھ سمجھ جائیے وہ لکھتے ہیں:-

انھوں نے ایسوشی ایٹڈ پریس کے نمائندہ سے کہا کہ امریکن فوجیوں کے ہندوستانی لوگوں سے شادیاں کرلینے پر جو پابندی لگائی گئی ہے۔ اسکا سب سے زیادہ اثر اینگلو انڈین اور ہندوستان میں آباد یورپین عورتوں پر خاص طور سے مترتب ہوگا۔ افسوس ہے کہ امریکہ کے فوجی حکام کو اب سے پہلے اس بات کا خیال نہ آیا اور نہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی اپنی پالیسی کی وضاحت کی۔ بہت سی اینگلو انڈین لڑکیوں نے امریکی فوجیوں کے ساتھ دوستی پیدا کرلی ہے اور اس امید میں گہرے تعلقات پیدا کئے تھے کہ اگر ضرورت ہوئی تو شادی کی اجازت مل جائیگی۔ میرے پاس متعدد لڑکیاں کلکتہ میں آئیں اور درخواست کی کہ انکو امریکی فوجیوں سے شادی کا اجازت نامہ منگا دوں۔ اب تو امریکی حکام کے اس اعلان پابندی کے بعد بڑی دشواری پیش آگئی ہے۔ میں ان لڑکیوں کو کیا جواب دوں۔

میری تجویز یہ ہے کہ امریکی فوجیوں کو اینگلو انڈین اور آباد یورپین لڑکیوں سے ملنے جلنے پر سخت پابندی عائد کردی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہونگے کہ امریکی فوجی حکام یہ تو چاہتے ہیں کہ امریکی فوجی ان لڑکیوں سے لطف اندوز تو ہوں، اس کام کیلیے تو وہ اچھی ہیں، لیکن شادی کا ارادہ کیا جائے تو وہ بہت بری ہوجاتی ہیں۔ مجھے اس پابندی کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں لیکن ان لڑکیوں کا خیال ضرور رکھونگا جو امریکی فوجیوں سے تعلقات پیدا کرچکی ہیں۔ خاص بڑے بڑے فوجی مرکزوں میں جب یہ امریکی نوجوان ... تعلقات پیدا کرچکی ہیں۔ خاص بڑے بڑے فوجی مرکزوں ... جب یہ امریکی فوجی مرکزوں میں جب یہ امریکی فوجی اُن سے شادی ... واپس جائیں گے تو اُن بیچاریوں کے ننھے دل پر کیسی بجلی گر جائے گی۔

میں امریکی فوجی حکام سے درخواست کرونگا کہ خدا کے لیے وہ ابھی اعلان کردیں کہ امریکی فوجیوں کو اینگلو انڈین یا بھارتی لڑکیوں سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے تاکہ وہ لڑکیاں اپنے متعلق کوئی فیصلہ کرسکیں جو ابتک اس امید میں مبتلا ہیں کہ جن سے انکے تعلقات گہرے ہوچکے ہیں وہ انکو اپنی بیویاں بنالیں گے، اور جن لڑکیوں کو امریکیوں سے ربط ضبط بڑھانے یا گہرے تعلقات پیدا کرنے کا موقع نہیں مل سکا ہے وہ بھی اپنے مستقبل کا خیال کرکے امریکی ارادوں کی گود سے بچی رہیں۔ (خلافت)

بقیہ ص ۵

ہوسکتے ہیں اور اس لیے طبی اصطلاحات کا اُن میں آنا ناگزیر تھا، لیکن افسوس ہے کہ ترجمہ اصطلاحات میں ہم آہنگی قائم نہیں۔ کہیں تو خالص عربی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں تو کہیں محض انگریزی اصطلاح پر قناعت کی گئی ہے اور کہیں مقبول و مروج اصطلاحات کو چھوڑ کر نئی اور خود تراشیدہ اصطلاحات لائی گئی ہیں۔ لیکن انکے باوجود مضامین اکثر کارآمد ہی ہیں اور اس قابل ہیں کہ حاملین طب انکا بغور مطالعہ کریں۔ حصہ دوم کے بعض مضامین مثلاً خون کا بینک، ہوائی حملے، زہریلی گیسیں وغیرہ ناظرین کے لیے بھی دلچسپ اور انکی معلومات میں اضافہ کرنے والے ہیں۔ بحیثیت مجموعی اس موضوع پر اردو میں اب تک اتنا ذخیرہ کہیں یکجا نہیں ہوا تھا۔ کمی جو کچھ اس مجموعہ میں ہے وہ صرف یہ کہ طب جدید کا یہ قابل قدر ترجمان طب قدیم ہی سے متعلق مضامین سے یکسر خالی ہے! (ع - ق)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) "ملا" عبدالحکیم (دروازہ ملکیاں امرتسر) کیا حرج تھا، اگر سچائی کا خیال، احترام ... میں، کچھ تھوڑا بہت تو رکھ لیا گیا ہوتا؟

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ، پرنٹر شیخ شوکت حسین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں

مدیر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی ۳ روپے

ممالک غیر سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

ٹیلیفون نمبر ۱۲۹۱

صدق

نمبر ۲۱	دوشنبہ - ۶ - شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۵ - ستمبر ۱۹۴۴ء	جلد ۱۰

سچی باتیں

اسٹیٹسمین، ہندوستان میں انگریزوں کا سب سے زیادہ معزز و مشہور روزنامہ ہے۔ ہر اتوار کو ایک مستقل کالم فوجیوں کی معلومات و ہدایت کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں ایک انگریز صحافی لکھتا ہے:-

"غلط فہمی نہ ہو تو میں یہ کہوں کہ دنیا میں اسلام سے زیادہ کسی مذہب کے پیرووں کی نظر میں انکا مذہب زندہ نہیں، اور نہ کسی مذہب کی اس سے بڑھ کر تفصیلی پیروی عملاً کی جاتی ہے۔ نو کروڑ سے زیادہ مسلمان ہندوستان ہی میں آباد ہیں۔ اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ادھر آپ ایک مسلمان سے باتیں کر رہے ہوں، ادھر نماز کا وقت آجائے، اور اسکا رخ قبلہ کی طرف ہو جائے اور وہ اپنی جانماز بچھا، قبلہ رُو ہو کر اپنے خالق کے آگے رکوع و سجود شروع کر دے ——— حکم کی اجتماعی اہمیت کا ذرا اندازہ تو کیجیے۔ ہر روز پانچ پانچ مرتبہ، کروڑوں انسان ہیں کہ ایک ہی وقت ہر نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، ایک ہی طرح کی نماز پڑھتے ہیں، ایک ہی طرف سب کا رخ ہے، ایک ہی قسم کی حرکتیں اپنے اعضا کو دیے رہے ہیں!" (۲۷، اگست ۱۹۴۴ء)

آگے کے سوال جواب صرف اسی انگریز کے قلم سے ہیں:-

"اسلام کا اتنا قوی اثر اپنے پیرووں پر آخر کیسے ہے؟ اسکا راز عجب نہیں کہ مذہب اسلام کی سادگی میں ہو۔ یہ ایک واضح، روشن اور جمہوری مذہب ہے۔ وہم پرستیوں سے بہت دور، اور آج بھی تقریباً بعینہٖ اسی حالت میں ہے جس میں ۱۳۴۴ سال قبل وہ شروع ہوا تھا۔ نہ امیروں کے ساتھ اسکے اندر کوئی رعایت، نہ غریبوں پر اس میں کوئی سختی۔ احکام اسکے جتنے، سب سادہ اور عقل سلیم کے لیے قابل قبول۔ پانچ ارکان اسکے اہم ترین، اور انھیں کے مجموعہ کا نام اسلام۔ یعنی کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے۔ اور آج کل یہی ماہ رمضان چل رہا ہے۔ اس ماہ میں ہر مسلمان طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک ہر روز روزہ رہتا ہے، قرآن کا نزول اس مہینہ میں ہوا تھا، اس لیے یہ خاص طور پر مقدس ہے۔ چھوٹے بچوں اور چند اور مستثنیات کے ماسوا ہر مسلمان پر روزہ رکھنا فرض ہے اور اس فرض کو وہ ادا کرتا ہے۔ بوڑھوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ بجائے خود روزہ رکھنے کے ایک مسکین کو ہر روز مہینہ بھر تک کھانا کھلاتے رہیں، مریضوں اور مسافروں کو روزہ قضا کر کے آیندہ رکھنے کی اجازت ہے۔ یہاں لکھنے کی بات یہ ہے کہ ان رخصتوں سے فائدہ بہت کم اٹھایا جاتا ہے، اور روزہ ہی پر اصرار جاری ہی رہتا ہے۔"

اس سچی اور دلچسپی کے تاثرات کی آخری قسط ملاحظہ ہو:-

"روزہ سے سخت چیز، اس لیے کہ پانی تک بند رہتا ہے۔ غذا صرف افطار کے بعد اور آغاز صوم سے قبل ہی ممکن ہے۔ رمضان کا مہینہ اتفاق سے اکثر شدید گرمی ہی کے موسم میں پڑتا ہے۔ دن دن بھر، اور دن بھی ۱۲ گھنٹے سے بڑا، پانی نہ پینا جس ظرف و تحمل کا ثبوت ہے، ظاہر ہی ہے۔ کان، ناک، آنکھ، زخم سر تک کی دوائیں ممنوع ہیں! روزہ دار کا دن بیا آخری کلام یہ ہوتا ہے:-

اللھم لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت فتقبل منی	اے اللہ میں نے تیری رضا کے لئے روزہ رکھا، اور تجھ پر ایمان لایا، اور تجھ پر توکل کیا اور تیرے ہی دیئے رزق سے افطار کیا۔ اے اللہ اس عمل کو قبول کر۔

"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ" ایک مشہور مصرعہ ہے۔ فرمائیے اس فرنگی مرقع میں آپ کو اپنی تصویر دیکھ کر یہ مصرعہ یاد آیا؟ سوال اصول ونقلیات سے متعلق نہیں، اُمت کے عمل سے متعلق ہے"۔

کام کی رفتار

اُردو ترجمہ وتفسیر کی نظر ثانی کا کام عرصہ ہوا کہ شروع ہوگیا۔ لیکن "نظر ثانی" کا لفظ مفہوم کو پوری طرح ادا کرنے کے لیے کافی نہیں۔ ترمیم لفظی اور جا بجا نہیں ہو رہی ہے، ساری کی ساری عبارت دوسرے کاغذ پر نقل کی جا رہی ہے یہ کثرت اضافہ وترمیم کے ساتھ ضخامت تقریباً ڈیوڑھی ہوئی جا رہی ہے۔ وقت قدرۃً بہت زائد صرف ہو رہا ہے اور کام اس سے کس کچھ ہی کم کرنا پڑ رہا ہے جتنا مسودۂ اول کے وقت پڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ پارۂ اول کا یہ سودہ ثانی ابھی نصف تک بھی نہیں پہونچ سکا ہے" حالانکہ مدت کئی ہفتہ کی ہو چکی ہے۔ بہرحال جو مشیت کو منظور ہے وہ کر رہے گا۔

پارۂ اول کی تکمیل کے معاً بعد ان شاء اللہ پریس کو دے دیا جائیگا۔

پچھلے ہفتہ امداد کی مد میں رقم ذیل قبول ہوئی۔

۹ - ستمبر - ایک قدیم مخلص، از بنگام (علاقۂ بمبئی)

تعزیت مجذوب

پنجاب یونیورسٹی کے ایک بی اے سی اور ایک انجینیرنگ کالج کے سینیر طالب علم، صدق میں رحلت مجذوب پڑھ کر لکھتے ہیں:-

"خسرو اشرف بھی آخر چل بسے۔ اللہ پر اور رحمت میں جگہ دے۔ اپنے مرشد سے ایک سال ہی بعد اب پاکیزہ اشعار کون لکھا کریگا۔ آہ مجذوب! تم ہم انگریزی خوانوں ہی میں سے تو تھے"۔

اسلام کا یہ ایک مستقل فیض بلکہ معجزہ ہے، کہ اسکی نصرت وخدمت کا کام عجب عجب لوگوں سے لیا جاتا ہے، صرف مولویوں ملاؤں دینی درسگاہوں کے تربیت یافتوں ہی سے نہیں خاص الخاص علیگڈھ اور آکسفرڈ اور کیمبرج کے پڑھے ہوؤں سے بھی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کس کی خدمات زیادہ وزن دار ٹھہریں۔ نا زو افتخار کا موقع کسی ادارہ کو بھی نہیں۔ اور خواجہ مرحوم دربار اشرفی میں درجہ تو بیٹک وہی رکھتے تھے، جو محبوب الٰہی نظام الدین دہلویؒ کی مجلس میں امیر خسرو کا تھا۔

سگرٹ نوشی کا مرض

تمباکو نوشی خصوصاً سگرٹ کشی کے نقصانات ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکے ہیں۔ ایک طبی رسالہ کا تازہ بیان اس سلسلہ میں اور ملاحظہ ہو:-

"جدید تحقیقات کی روشنی میں ماہرین صحت نے تمباکو نوشی کی برائی میں بجا طور پر بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن تمباکو نوشی کا ایک سب سے زیادہ خطرناک نتیجہ یہ ہے کہ جسکی طرف ڈاکٹر سی۔ پی۔ سیگارڈ نے توجہ دلائی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص سگرٹ کا کش کھینچتا ہے تو وہ غیر محسوس طور پر ادھورا سانس یا نامکمل سانس لینے کی مشق کرتا ہے اور گھنٹوں اس مشق میں صرف کرتا رہتا ہے ایسی حالت میں اسکے جسم میں آکسیجن کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ پھیپھڑوں کو ہوا پوری مقدار میں نہیں ملتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھیپھڑوں اور قلب کو ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور وہ کام کرنا پڑتا ہے جسکے وہ عادی نہیں تھے۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ سانس لینے کی دقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اس عادت کی وجہ سے پھیپھڑے پوری طرح نہیں پھیلتے تو انکے فعل میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اور بیماری کی حالت میں انکی قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے اور ان میں اجتماع خون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

جب یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ تمباکو نوشوں کے پھیپھڑوں میں اجتماع خون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جو ابتدائی سبب ہے دق کا۔ کئی سال گزر گئے، لندن کے ڈاکٹر راش نے بھی یہ بتا دیا ہے کہ نکوٹین (تمباکو کا جزو موثر) پھیپھڑوں کی قوت مدافعت کو کمزور کرکے انکو مرض دق قبول کرنے کے لیے آمادہ کر دیتا ہے اور دوسرے خطرناک امراض پیدا کر دیتا ہے، ایسی حالت میں ہر شخص کو سنجیدگی سے سمجھ لینا چاہیے کہ تمباکو نوشی کتنی خطرناک چیز ہے۔ اور اسے "خوشبو دار" بے چھوڑ دینا چاہیے، قبل اسکے کہ کوئی خطرناک مرض انھیں اپنا شکار بنالے۔ اور ایسے درجے پر پہونچا دے کہ جہاں دوائیں بھی ناکام رہیں اور تدابیر بھی"۔

(ہمدرد صحت۔ دہلی۔ ستمبر نمبر ۱۹۴۴ء)

"پیام" حسرت

پیام (حیدرآباد) کا تبصرہ صدق ملا صلا کے شذرہ "ایک غیر اصولی بحث" پر۔ ایک حیدرآبادی مخلص کے مرسلہ تراشہ کے حوالے سے:-

"اللہ اور رسول کے احکام کی ترجمانی کا ٹھیکہ اسی لیے تو مفید ہے، کہ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۶ سال کی دولھن کا؛ جو کسی طرح غیر آئینی نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ مولانا کی چھے! اگر وہ یہ سب کچھ نہ لکھتے تب بھی ہمیں معلوم تھا کہ وہ کیا فرمائینگے"۔

بیشک، چوک بڑی سخت ہوگئی۔ معاملہ "نکاح" کا، اور خیال "متعلقہ" صاحب کے حقوق کا رہا نہ انکے "لیلے کے خطوط" کا! فاصلہ تو دادان اور مرادآباد کے درمیان کچھ بھی سہی، لیکن نکاح اور مسائل نکاح کا "ٹھیکہ" تو بہرحال ٹھیکہ! اس میں کسی کی مداخلت برداشت ہی کیسے کی جاسکتی ہے! حق تھا کہ احتجاج کے الفاظ اس سے بھی زیادہ تیز وتند ہوتے!

سورہ بقرہ رکوع ۱۷ و ۱۸

(بہ سلسلۂ صدق ۱۵؍۹ قبل)

(از عبد الماجد)

۱۵۲۔ فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون ۔	سو تم مجھے یاد کرتے رہو، میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا، اور میری شکرگزاری کرتے رہو، اور میری ناشکری نہ کرو۔
۱۵۳۔ یاایہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین ۔	اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا چاہو، بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔
۱۵۴۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، بل احیاء ولکن لا تشعرون ۔	اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو۔ (انہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں البتہ تم ادراک نہیں کرسکتے۔

شہ (طاعت و عبادت کے ذریعہ سے)

بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اسکی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود و مقید نہیں۔ لکھنے پڑھنے، بولتے چالتے، ملنے جلنے، سونے جاگنے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا بھی بندہ کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے ذکر سے مراد لی ہے آیات الٰہی اور انکی عظمت و قدرت کا تفکر و ذکر دبالفکر فی دلائلہ وآیاتہ وقدرتہ وعظمتہ (احکام القرآن) اور اسی کو سارے اذکار سے افضل اور انکی اصل قرار دیا ہے۔ وہو افضل الذکر، سائر وجوہ الذکر مبنیۃ علیہ وتابعۃ لہ (۱۱)

شہ (اپنے لطف و عنایت خاص سے)

اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ اُن پر دنیا و آخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل و کرم کی بارش کرتا رہے۔

فاذکرونی اور اذکرکم میں ضمیر متکلم کو صیغۂ واحد میں لا؟ علامت تخصیص کی ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو اُدھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہیگی۔ اور یہی اصلی ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے اسکا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر و شاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو۔

شہ واشکروا لی توحید، ایمان و اسلام کے حقوق ادا کرتے رہنا بھی اللہ کی شکرگزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔

ولا تکفرون کفر و شرک۔ الحاد و ارتیاب، فسق و بدعت میں لگے رہنا بھی اللہ کی ناشکری اور اُسکی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے۔

شہ یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اُس پر بھروسہ رکھو۔ اُسکے آگے جھکتے رہو گرتے رہو۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پُرقوت ہستی سے تعلق قائم ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ خطرہ کے وقت پولیس کے پہونچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آجانے سے، دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے، شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آجانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی بندھ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا ربط ہر بے ثبات اور ہر ناپائدار سہارے کی جگہ اس مالک حقیقی، و محافظ حقیقی سے قائم ہو جائے، تو انسان بے نیاں کی تسکین خاطر و تقویت قلب کا کیا پوچھنا!

دنیا میں رہ کر زندگی کی کشمکش میں پڑ کر مشکلات و مصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی، اور امت و جماعت کو بھی۔ وہ دستورالعمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیرضروری اور زائد تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کردیا۔

بالصبر صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔

الصبر الامساک فی ضیق (راغب)

اور اصطلاح شریعت میں اسکے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔

الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل والشرع (راغب)

صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُنکے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پہ آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ۔ ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آجاؤ۔

الصبر والصلوٰۃ۔ صبر ایک منفی کیفیت اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ و احتیاط، دوسرے اوامر کا اتباع۔

شہ اللہ کی معیت عام تو کافر و مومن، فاسق و صالح، اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وہو معکم این ما کنتم۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے، جسکے آثار، حفاظت، اعانت و توجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس و استحضار تھا۔ جس نے رسول کریمؐ کے صحابہ کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا ــــ مالک بنا دیا تھا۔ اور

حق یہ ہے کہ اسکے مراقبہ سے بڑھ کر شدہ حال کے لیے کوئی تعزیت نامہ ہے اور نہ جراحت قلب کے لیے کوئی مرہم تسکین - یہی ایک تصور ہے جو اہل ایمان کے لیے ہر ناگوار کو خوشگوار اور تلخ کو شیریں ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے -
دور حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیین نے بھی اس تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے اور تسلیم کی ہے کہ قلب کی اداسی غمگینی افسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس رفیق و دمساز کوئی نہیں - ملاحظہ ہو

PSYCHOLOGY OF RELIGION THOULESS

۲۶ و ۲۷

نیز JAMES کی VARIETIES OF RELIGIOUS EXPERIENCE کے مختلف مقامات -

صبر اپنے وسیع مفہوم میں ایک جامع لفظ ہے - صلوۃ اسی کی ایک ممتاز صورت ہے - معیت الٰہی کی یہ نعمت جب صابرین کو ملیگی تو نمازیوں کو بدرجہ اولیٰ ملیگی - اور اسی لیے اسکی صراحت کی ضرورت نہ ہوگی
ولم یقل مع المصلین لانہ اذا کان مع الصابرین کان مع المصلین من باب اولیٰ لاشتمال الصلاۃ علی الصبر (روح)

[^] (عالم برزخ میں ایک خاص حیات کے ساتھ، اور عام انسانوں کی طرح مردہ نہیں) -

فی سبیل اللہ - یعنی دین حق کی راہ میں مذہب صحیح کی خاطر سے
فی طاعتہ واعلاء کلمتہ (روح)

غزوہ بدر میں جب کچھ مسلمان شہید ہو گئے تو منافقین کفار نے کہنا شروع کیا کہ انھوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انھیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنی میں انھیں مردہ سمجھ رہے ہو اس میں وہ سرے سے مردہ ہی نہیں، بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں -

اصطلاح میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں - برزخی زندگی ایک عام صورت میں تو سب ہی کے لیے ہے - لیکن شہیدوں کو اس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی، آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی -

بقول مفسر تھانوی شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اسکے جسم ظاہری تک بھی پہونچتا ہے کہ اسکا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا - اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے - جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت و امتیاز رکھتے ہیں -
تخصیص الشہداء لاختصاصھم بالقرب من اللہ تعالیٰ ومزید البھجۃ والکرامۃ (بیضاوی)

ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے - لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و روحانی دونوں ہوتی ہے
ذہب کثیر من اہل السلف الی انھا حقیقۃ بالروح والجسد وذہب البعض الی انھا روحانیۃ والمشہور ترجیح القول الاول (روح)

آیت سے یہ قاعدہ دلالۃ النص پر بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال کو صرف کرنے والے اور اسمیں ہوا سے نقصان میں اٹھانے والے یکساں نہیں ہوتے -

حیات شہداء کے معتقد یہود کے بھی بعض فرقے ہو گئے ہیں (جیوش انسائکلو پیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۶۶)

ابن العربی مالکیؒ نے کہا ہے کہ اسی آیت سے تمسک کر کے بعض ائمہ نے شہید کے لیے غسل و نماز جنازہ دونوں غیر ضروری بتائے ہیں کہ انکی تطہیر تو شہادت سے ہو چکی ہے - لیکن امام ابو حنیفہؒ نے نماز جنازہ کو ضروری برقرار رکھا ہے (احکام القرآن)

[^] اس لیے کہ برزخ حواس ناسوتی سے مدرک نہیں ہوتا اور انسان اسکی حیثیت عالم دنیوی کا ادراک اپنے ان ظاہری حواس کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے -

انما ھی امر لا یدرک بالعقل بل بالوحی (بیضاوی) انما من احوال البرزخ التی لا یطلع علیہا ولا طریق للعلم بہا الا بالوحی (روح) لان حیٰوۃ الشہید لا تعلم حسًّا (مدارک) -

ابن کثیر نے ایک حدیث نبوی کو نقل کر کے اور اس سے استناد کر کے لکھا ہے کہ ایسی حیات عام مومنین کو بھی حاصل رہی ہے البتہ شہداء کا ذکر خاص طور پر انکی عظمت و اکرام کے لیے قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے - وفیہ دلالۃ لعموم المومنین ایضاً وان کان الشہداء قد خصصوا بالذکر فی القرآن تشریفاً لھم وتکریماً وتعظیماً -

---

ایک طبی رسالہ سے

الکحل یعنی شراب نہ تو کوئی غذا ہے اور نہ حقیقی معنوں میں کوئی محرک یا مقوی چیز ہے - بلکہ صرف ایک مخدر و مسکر چیز ہے - اسکا استعمال ہاضمہ کو مدد نہیں دیتا بلکہ نقصان پہونچاتا ہے - اور اہم ترین اعضاء کی حیاتیاتی طاقت کم کر دیتا ہے - یہ کسی مرض کی دوا نہیں ہے اور نہ اس سے جانی و مالی نقصان کے سوا کوئی فائدہ ہوتا ہے - ایسی حالت میں سوال یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال کی ضرورت ہی کیا ہے -

تمباکو ایک بہترین کرم کش (کیڑا مارنے والی) چیز ہے اور وسیع پیمانہ پر بعض چیزوں کی ہلاکت کے لیے کام میں لایا جاتا ہے - لیکن جب انسان اسے پینے کے لیے استعمال کرتا ہے تو اسکے ہاضمہ اور قلب اور عمل اعصاب کے بہترین مفادات کو بھی یہ ہلاک کر دیتا ہے - تمباکو پینے میں ذرہ برابر بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ صرف ایک تجارتی دھوکا ہے - اس سے ہضم میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور مدت حیات بھی کم ہو جاتی ہے -

چاء اور قہوہ کو بھی میں "غیر غذائی" چیزوں کی فہرست میں رکھتا ہوں - یہ ایک طرح کی نشہ آور دوائیں ہیں جن میں قلویات کی موجودگی حرکت قلب کو تیز کرتی ہے - خون کے دباؤ (فشار الدم) کو بڑھاتی ہے - بیخوابی پیدا کرتی ہے اعصاب کو مرتعش کرتی ہے - خرابی ہضم کا باعث ہوتی ہے اور انسان کو جلد بوڑھا

ایک بہادر مسلمان کی موت

بہادر خاںؒ

(از مولانا ڈاکٹر سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہٗ)

چار پانچ ہفتے ہوئے، میں ایک گاؤں میں تھا کہ دفعۃً ایک صاحب نے ایک انگریزی اخبار کے حوالہ سے نواب بہادر یار جنگ کی اچانک موت کی اطلاع دی۔ موت ہر وقت آتی ہے، اور ہر وقت آسکتی ہے، تاہم جیسے مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اُنکے مرنے کی خبر کا یقین بھی دفعۃً نہیں آتا۔ انکا ہشاش بشاش متبسم چہرہ، انکا صحیح و تندرست جسم، انکا خوبصورت اور دلکش قد بالا، ہر چیز بجلی کی کوند کی طرح سامنے آئی، اور انکی موت کی خبر کو جھٹلا کر چلی گئی۔ خود جاکر اخبار پڑھا، ورقوں کو اُلٹا پلٹا۔ روایت نے صدق کی، اور صدق نے یقین کی، اور یقین نے آنسوؤں کی صورت اختیار کی۔ اور انا للہ کے ساتھ دل کی گہرائی سے مغفرت کی دعا نکلی۔

مرحوم سے جان پہچان اور بار بار کی ملاقات تو بارہ تیرہ برس سے تھی مگر ابھی اسی سال فروری، مارچ اور وسط اپریل تک حیدرآباد میں دار العلوم ندوہ کے سلسلہ سے تقریباً ان سے روزانہ ہی ملنا جلنا اور ساتھ ساتھ لوگوں کے پاس آنا جانا، اور گھنٹوں بیٹھ کر ہر موضوع پر اظہار خیال کا اور ہر پہلو سے انکے جانچنے اور پرکھنے کا موقع ہاتھ آیا۔ وہ ہر پہلو سے محبوب ہی نظر آئے۔ ارادہ کے پکے، بات کے دھنی، مخلص وفادار، خدا ترس، عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مجاہد اسلام، بہادر مسلمان سپاہی، اور ہر معنی میں سپاہی، بہادر پٹھان اور بہادر مسلمان!

اکثر دیکھا گیا ہے کہ زبان کے تیز ہاتھوں کے کمزور ہوتے ہیں۔ یعنی باتوں کے دھنی، ہاتھوں کے سست ہوتے ہیں، مگر وہ زبان اور ہاتھ دونوں کے تیز تھے۔ اور اسی کا کرشمہ تھا کہ صرف چند سال کے اندر کشمیر کی پہاڑیوں سے لیکر دکن کے کنارے تک پورے ہندوستان پر چھا گئے۔

بارہ تیرہ سال گزرے ہونگے کہ مجھے انکا نام حیدرآباد میں پہلے پہل ایک مدراسی فاضل دوست افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق کے ایک تار میں جسکو کرنول سے انھوں نے حیدرآباد میرے نام بھیجا تھا، نظر آیا۔ اس تار میں مجھے نواب بہادر یار جنگ کے ساتھ کرنول کے ایک جدید مدرسہ کے افتتاح میں بلایا تھا۔ آنکھوں نے تار کی سطروں میں نواب بہادر یار جنگ کا نام پڑھا، دل نے کہا نواب! عیش کا پروردہ! دولت کا آفریدہ! راحت کا خوگر، محراب و منبر سے ناآشنا، وہ قومی و مذہبی مجالس کا ہیرو ہو! میرا قیام میرے عزیز دوستوں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی و مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے گھر میں تھا۔ میں نے اُن سے اپنی حیرت کا اظہار کیا، مولانا گیلانی نے بڑھ کر انکی تحسین کی، اور فرمایا جی ہاں میں انھیں بچپن سے جانتا ہوں، خوب بولتے ہیں، اور بڑی دلنشین تقریر کرتے ہیں، اسکول میں جب پڑھتے تھے، مجھے بلا بلا کر اپنے جلسوں میں لے جاتے تھے، تقریر کے انعامی مقابلوں میں یہ انہیں تمغے اور انعام دیا کرتا تھا، آج کل میلاد کی مجلسوں میں انکی تقریریں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ تھے۔ اور انکے سبب سے میلاد کی محفلوں کی بڑی کثرت اور چہل پہل تھی۔ شستہ اور ممتاز مقررین کی تلاش رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں تازہ وارد نوجوان بہادر خاں کی حوصلہ افزائی پر حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔

اتفاق دیکھیے کہ چند روز بعد مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی صدر اعظم دولت آصفیہ کے یہاں دعوت ہوئی، بہت سے مہمان تھے، کھانے سے فرصت ہوئی، تو ایک خوبصورت سڈول نوجوان شیروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس، بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھا، اور ادب سے ہاتھ ملا کر گویا ہوا، میں خود اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں ہوں آپ کا شاگرد بہادر خاں! آنکھوں نے حیرت سے صورت دیکھی، ناآشنا پایا، تفصیل پوچھی، فرمایا آپ کی کتابوں کو پڑھ کر علم پایا، اور خطبات مدراس کو رٹ کر میلاد کی مجلسوں کو گرمایا۔ ان کی اس تواضع سے دل شرمندہ ہوا، اور انکی اس شرافت سے سننے والے کی گردن جھک گئی۔

انکی یہ تواضع اور خاکساری تنہائیوں ہی میں نہیں، ہزاروں کے مجمع میں اسی طرح ظاہر ہوتی تھی۔ مولانا گیلانی کے ساتھ انکی ممنونیت برملا انکی زبان سے ظاہر ہوتی، مولانا شروانی کی حوصلہ افزائیوں کا اعتراف علیگڈھ یونین کی پہلی تقریر میں خود میرے کانوں نے سنا، دار المصنفین کی کتابوں کے احسانات کی کہانی اسی مارچ میں دار السلام حیدرآباد کے عظیم الشان جلسہ میں سب نے سنی۔

مرحوم کی تقریر میں فصاحت و بلاغت اور بدائع تینوں کے جوہر تھے۔ شاعری وہ نہیں کرتے تھے، مگر انکی نثر شاعری کا نمونہ ہوتی تھی۔ انکی اساس تین چیزیں ہوتی تھیں، اسلامی تاریخ کے معلومات، اقبال کے اشعار، ابو الکلام کے الفاظ، اُنھوں نے اقبال کو بہت پڑھا تھا، اور بہت سمجھ کر پڑھا تھا۔ انکا بیشتر کلام اُنکے حافظہ کے خزانہ میں محفوظ تھا، جسکو وہ اپنی تقریروں میں موقع موقع سے پڑھتے تھے اور حاضرین سے خراج تحسین وصول کرتے تھے۔

علیگڈھ یونیورسٹی یونین سے داد پانا آسان نہیں، یونین میں انکی پہلی تقریر تھی، موضوع حیدرآباد میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت اور دعوائے اقتدار تھا، جب تک وہ تقریر کرتے رہے، تاثیر کا دریا بہتا رہا، اور ہر شخص کو تسکین ہوگئی کہ حیدرآبادی مسلمانوں کا دعوی بالکل صحیح ہے، ایک اچھے مقرر لیڈر کو یہ کہتے سنا کہ انھوں نے اپنے کیس کو بہت خوبی سے پیش کیا، طالب علم [illegible] نے ان پر تحسین و آفریں کے پھول برسائے۔ یہ علیگڈھ میں انکی [illegible] تھی۔

جس زمانہ میں حیدرآباد میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی پہلی شورش ہوئی، اور چند مسلمان کسی ہندو محلہ میں شہید کردیے گئے تھے، تو سارے

بعض جدید عربی تالیفات

(ایک مبصر کے قلم سے)

(۲)

اب اگلی کتاب "حروف اوائل السور" کے متعلق کچھ عرض ہے جسکے متعلق وہ ٹائیٹل پر لکھتے ہیں کہ "یہ افاداتِ تفسیریہ امام سندھی علیہ الرحمۃ کے املاء کے اقتباسات ہیں، جو امام شاہ ولی اللہؒ کے اصول پر مبنی ہیں" اس کتاب کا انتساب کمال اتاترک کے نام پر کیا گیا ہے۔ جس کو "غازی الاسلام، اکبر قائد عسکری سیاسی، اکمل مصلح، ہادی مصلح مہدی عظیم الاسلام، فرد الدنیا واحدھا" کے خطابات سے نوازا ہے۔ پھر اسکی "فتوحاتِ بینہ" کا ذکر ہے۔ اسکے بعد لکھتے ہیں "کل ہذہ الفتوحات البینۃ الجلیلۃ قد فتح اللہ لہ (کمال اتاترک) لیغفر لہ اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر" "ثم اتم اللہ نعمتہ علیہ اذ اسعدلہ منہ کرسی ریاستہ کل الدنیا والوحی، واسعدہ کل القوی العسکریۃ والسیاسیۃ وکل وجہ الارض حول جبانۃ المقدسۃ وہو فی نشئہ۔ وکل ہذہ کانت اثر ایمانہ المخلص واثر جہادہ حق الجہاد فی سبیل اللہ واثر عظیم اجتہادہ فی انجاء امتہ الکریمۃ وفی احیائہا واصلاحہا دینا ودنیا۔ وقد احیاہا حیاۃ بعد ان اماتتہا الخلافۃ العثمانیۃ، واصلحہا اصلاحا دینا ودنیا بعد ان افسدت الخلافۃ العثمانیۃ دینہا ودنیاہا۔ ثم نصرہ اللہ نصرا عزیزا اذ توفاہ ورفعہ الیہ واسکنہ فی جناتہ لدیہ الخ وغیرذٰلک من الصفوات والاباطیل المزخرفۃ"۔

اس کتاب کے سرورق پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب امام سندھی کی خدمت میں پیش کی گئی، تو بہت اہتمام کے ساتھ مطالعہ فرمایا، اور بطور تقریظ یہ شعر تحریر فرمایا ؎

ہذا الکتاب لو یباع بوزنہ
ذہبا لکان البائع مغبونا

لاہور بیت الحکمۃ ۱۰۔ فروری ۱۹۴۲ء السندیۃ۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ "حروفِ مقطعات" کے اعداد حساب ابجد سے نکال کر دورِ اسلام کی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ اور توڑ مروڑ کر ہر جگہ سے خلافت راشدہ، سلطنت بنی امیہ، عباسیہ وغیرہ کا زمانہ متعین کیا گیا ہے۔ مثلاً، سورہ ق میں "ق" کے عدد ۱۰۰ ہیں اور ایک سال کے قرآن کریم کی اصطلاح خاص میں ۱۰۰۰ مہینے ہوتے ہیں کیونکہ قرآن نے ہر سال کے دس ماہ قرار دیے ہیں۔ لہٰذا "ق" سے اشارہ ہے اسلام کے دور اول اور قرن اول کی طرف جو بعثت سے ۸۰ھ تک ختم ہوتا ہے۔ اور یہ قرن النبی اور قرن القرآن ہے۔ کیونکہ اس قرن میں قرآن کے سوا کوئی چیز لکھی نہیں گئی، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کا دور شروع ہوا۔ پھر حدیث کی تدوین ہوئی اور بنو امیہ نے ان ہی سیاسی اغراض کے لیے حدیث کو پہلے مرتبہ میں رکھکر قرآن کو دوسرے مرتبہ پر رکھدیا۔ اسی طرح [illegible] کیا ہے

سلہ یہاں چونکہ یہ بھی لکھا ہے کہ اصل چیز قرآن ہے اور حدیث صرف سیرت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے خلفاء کی، تاکہ انکے مطابق ہم بھی اپنی سیرت کر لیں، یعنی احکام و اخبار میں قابل حجت نہیں۔ اور اس چیز کو دوسری جگہ ذرا واضح طریق سے پیش کیا ہے۔

ص۹۵ پر "حم عسق" میں حم عسق کے عدد ۱۷۸ ہیں جو سنہ ۱۶۵ھ ہوئی اور یہی زمانہ مہدی ہاشمی عباسی کا ہے جو حدیثِ ترمذی کے مطابق مہدی موعود بھی ہے۔ کیونکہ اسی سال مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کو فتح قسطنطنیہ کے لیے بھیجا (اگرچہ فتح نہ ہوسکا اور صلح ہوگئی) اسکے بعد لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی "ازالۃ الخفا" میں اس حدیث مہدی موعود والی کو مہدی عباسی پر ہی محمول کیا ہے (حوالہ درج نہیں کہ کس صفحہ و باب و فصل میں، اور غالباً یہ افتراء محض ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ ق کو ملاکر حم عسق کے عدد ۲۷۸ ہوتے، جو ۲۷۵ھ ہوئی۔ یہ زمانہ معتمد عباسی کا ہے جو آخری خلیفہ عباسی ہے۔

ص۹۸ پر حدیث "ویل للعرب من شر قد اقترب، فتح الیوم من ردم یاجوج" کے معنی بیان کیے ہیں، کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عرب سے حکومت نکل کر فرس اور ترک میں چلی جائیگی، جو عرب کے لیے تو شر اور برا ہے مگر فارس والوں اور ترکوں کے لیے یہ غلبہ اسلام کی فتح و عزت کا نشان ہوگا۔ اسی لیے حضور نے فتح کا لفظ فرمایا ہے۔ اور ردم سے مراد جہت ہے کہ اس طرف کے لوگوں کے ذریعہ اسلام کی فتح ہوگی۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم الآیہ۔ یہ آیت بھی اسی غلبۂ فرس و ترک کی طرف اشارہ ہے۔

ص۱۲۷ پر تفسیر قولہ تعالیٰ "واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون" لکھتے ہیں کہ دابہ سے مراد دابۃ الفاروق یعنی انکا اونٹ ہے، جسکی زمام پکڑکر آپ ایلیا میں داخل ہوئے اور قولہ تکلمہم من باب قول اللہ: وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم۔ ومن باب قول اللہ وشہد علیہم سمعہم وابصارہم

پھر مفسرین کے اقوال نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جو تاویلات دابۃ الارض کی مفسرین نے کی ہیں انکے ذریعہ اس آیۂ کریمہ کی حکیمانہ تفسیر ہو ہی نہیں سکتی ناممکن ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک سوال ہے، وہ یہ کہ موسیٰ جار اللہ صاحب کے استاذ اور امام مولانا سندھی چند سال پیشتر کئی مرتبہ مجالس میں زبانی، اور اپنی آیاتی تفسیر میں بھی (جو جار اللہ صاحب نے ۲۴ سو صفحہ میں بڑے اہتمام سے بزمانۂ قیام مکہ معظمہ لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ ایک حرف اور ایک کلمہ بھی مولانا سندھی کے افاداتِ تفسیر کا فوت نہ ہوا) املاء کرا چکے ہیں کہ یہاں دابۃ الارض سے مراد خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ انھوں نے بیت المقدس کو باتوں باتوں میں فتح کر لیا تھا۔ اور اس طرح تکلمہم کی تفسیر کچھ ٹھیک سی ہوگئی تھی۔ اور مولانا سندھی اس تفسیر کو بیان کرکے کہا کرتے تھے کہ آج یورپ کے عقلاء کو اس قسم کی آیات کے معانی و مطالب سمجھانے کے لیے مجھ سے بہتر کوئی عالم نہیں ہے۔ تو کیا مولانا سندھی نے اپنی اس تفسیر سے رجوع کر لیا، یا شاگرد رشید [illegible]

سلہ مضمون مولانا سندھی کی وفات سے قبل دفتر میں موصول ہوگیا تھا۔ مدیر

خود یہ سوچا ہوگا کہ اس جگہ امام کو تیغ دینا چاہیے" ورنہ ہندوستان کے پرانے اسکول کے مولوی ملا نے کوئی شرنہ کھڑا کر دیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دابۃ الارض بنا کر اسلام اور مسلمانوں کی سخت توہین کی گئی ہے۔ نیز اسی مجموعہ امالی تفسیریہ میرا ہے کہ دوسری جگہ جو لفظ دابۃ الارض قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے، وہاں اس سے مراد حضرت سلیمان علیہ السلام کا "ناخلف فرزند ہے، جسکی وجہ سے حکومت بسلطنت انکے خاندان سے جاتی رہی۔ یہ دو معنی مراد ہیں جو اب تک سارھے تیرہ سو برس تک مفسرین لکھتے رہے اور بقول عبید اللہ صاحب بے سود اپنے اقلام و افکار کو لاکار رہے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ شاگرد رشید نے اس دوسرے دابۃ الارض کی بھی کچھ اصلاح کی یا اسکی ضرورت پیش نہیں آئی۔"

ص۱۵۲ پر ایک فائدہ اودیہ "کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "ضعف" کا لفظ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے، اس کا مفہوم اولی ہر جگہ زمین اور خشکی کو حصہ کر بنایا گیا ہے۔ لہذا اسکے معنی زمین کی سطح کو دو نوں سے مُردوں، بتوں اور انکی قبوروں سے ڈھانک دینے کے ہیں۔ اور ایسے ہی بستیوں کو ویران بنانا بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن خسف کے معنی کسی آیت میں بھی یہ صحیح نہیں ہیں کہ زمین نے انکو اپنے اندر دھنسا لیا تھا یا وہ انکو نگل گئی تھی۔ اور یہ سب لوگوں کے اوہام ہیں، جنکو قصہ گو واعظوں نے بڑھا چڑھا کر بیان کر دیا ہے اور مفسرین نے (سادہ لوحی سے) انکو اپنی تفاسیر میں جگہ دیدی۔

مثلاً پر "اشتقاق ادریس" کے جلی عنوان کے تحت میں لکھا ہے کہ میں نے بنارس میں ایک بڑے برہمن سے ملاقات کی، جسکو قرآن شریف سے بھی شغف و مناسبت تھی۔ اس نے کہا کہ رشی ہماری زبان میں رسول کو کہتے ہیں اور دیورشی بڑے رسول کو۔ پھر اس سے سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ او کے معنی اول کے ہیں۔ یہ سنکر مجھکو بڑی فرحت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ ادریس کے معنی اول الرسل یا رسول اول کے ہوئے۔ اور اسکو میں نے نعمۃ الٰہیہ اور رحمۃ اتفاقیہ شمار کر کے اسکے آگے رہنمائی کے لیے خدا کا شکر ادا کیا۔

الف ۲۰۷/۲۰۸ پر آیت "وعلی الاعراف رجال یعرفون کلاً بسیماھم" کی تفسیر کہ اعراف والے عباسیہ کے زمانہ سے شروع ہوئے، جب سے کہ قرآن کی استعداد و حجیت لوگوں پر ضعیف ہو گئی، کیونکہ اصل عربیت قرآن سے جو براہ راست ان پر ہدایت کا اثر ہو سکتا تھا، وہ جاتا رہا۔ اور اب ترجمہ کے ذریعہ قرآن کو ان تک پہونچایا جانے لگا۔ لہذا جن لوگوں کو بواسطہ ترجمہ یا اسلام کی حقانیت دوسرے ذرایع سے پہونچیگی وہ خود عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، وہ سب اصحاب الاعراف ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا۔ اور یہ سب تفسیر لفظ "بسیماھم" سے مستنبط کی ہے۔

مثلاً پر "الدین الالٰہی فی الہند" کے جلی عنوان سے اکبر کی اس تحریک کو خوب سراہا ہے کہ وہ سب ادیان سے ایک معجون مرکب بنانا چاہتا تھا، اور اس تحریک کو صحیح اسلامی تحریک قرار دینے کی ہر طرح سے توجیہات کی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ

ایک عجیب بات یہ ہے کہ جار اللہ صاحب کمال اتاترک کو ابدی مہدی کہتے ہیں اور محی الدین والملۃ کا خطاب دیتے ہیں، بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کی۔ چنانچہ ص۴ پر مقدمہ میں لکھتے ہیں:—

(وقد جاء بعدہ الاستنفیا، حین عزم علی اعادۃ الخلافۃ سیرتہا الاولیٰ التی کان النبی الکریم اتام الخلافۃ علیہا وھی جماعۃ اجتماعیۃ ھم: "السابقون الاولون من المہاجرین ومن الانصار ومن الذین اتبعوھم باحسان" فاعلن الغاء الخلافۃ الغزویۃ وتبرع لامم الاسلام وضوما توا بحق عظیم وبشرف جلیل کریم، وواضع ہذا ماھیۃ تہدی لامم الاسلام الی احیاء خلافۃ علی منہاج النبوۃ فی صورۃ حسنۃ وسیرۃ راشدۃ —)

ایک شخص پہلے اخلاقی کیرکٹر کی کمزوریاں یعنی فسق و فجور اور عیاشی کو دوست دشمن سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں، انتہا یہ ہے اور دین کے خلاف جہاد کرتا ہے، اول مجلس مقننہ سے پاس کراتا ہے کہ ہماری حکومت لادینی اور لامذہبی ہے، اسکا کوئی مذہب نہیں ہوگا، پھر دینی تعلیم کو اپنے قلمرو میں یکسر ممنوع قرار دیتا ہے۔ پھر وراثت میں مرد و عورت کا حصہ برابر ہونے کا قانون پاس کراتا ہے۔ ایک سے زیادہ شادی کو قانوناً ناجائز کر دیتا ہے۔ حج کے لیے سفر کو ممنوع کرا دیتا ہے کہ اس میں قوم کا روپیہ ضائع ہوگا، حتیٰ کہ حج کے ایام میں مصر کا پاسپورٹ بھی نہیں دیا جاتا۔ بے پردگی کو عورتوں پر قانوناً لازمی کرا دیا ہے۔ گویا صرف خلافت کا الغاء نہیں کرتا بلکہ قرآن کا اسلام کا حج کا، سب ہی چیزوں کا الغاء کر دیتا ہے، پھر بھی موسیٰ جار اللہ صاحب کا دعوےٰ ہے کہ اس نے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم کی۔ یقیناً اسی دیدہ دلیری اور جان بوجھ کر گمراہ کرنے کی سعی جار اللہ صاحب کا ہی حصہ ہے، جنکو کمال اتاترک کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا کافی موقع ملتا رہا ہے، اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن مجھ کو اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر ہے کہ ۱۹۳۸ء میں بزمانہ قیام مکہ معظمہ جب ایک مجلس میں مولانا سندھی سے ٹرکی کی موجودہ نہضت اور اسلام دشمنی کے واقعات کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ "کمال اتاترک" اور اسکے ساتھی کافر تو نہیں ہیں، لیکن میں یہ مانتا ہوں کہ جو نظام ان لوگوں نے اپنے قلمرو میں قائم کیا ہے وہ نظام کفر کا ہے"۔ یہ موثق خبر ہے اور میرا یقین ہے کہ مولانا سندھی کی رائے اب بھی یہی ہوگی۔ لیکن جار اللہ صاحب اپنے استاد و امام کے بھی علی الرغم ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسی "نظام کفر" کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" باور کرانے کی فکر میں ہیں۔ "ممن یہدی من اضل اللہ" ؟!

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق لکھنؤ سے شائع کیا۔

مولانا گیلانی کے تاثرات

(صدق کے بعض شذرات کے سلسلہ میں)

صدق پڑھتے ہوئے چند خیالات آئے۔ اُن کو درج کر دیتا ہوں

(۱) آپ نے فریب جنگ کے عنوان سے جیکسن کا مقولہ نقل کرکے الحرب خدعۃ والی حدیث یاد دلائی ہے ۔ میرا ذہن بھی خواہی مخواہی حدیث کی طرف چلا گیا تھا ۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیثوں میں جو یہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتے تو "وری بغیرہ" یعنی توریہ دوسرے مقام کا فرماتے ۔ "کجا می نمائی کجا می زنی" اس توریہ کا ٹھیک ترجمہ ہے ۔ اور جیکسن بھی دراصل اسی کو کہنا چاہتا ہے ۔ امن سلامتی کا پیغمبر جب جنگ کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اسوقت جنگ کے اسرار سربستہ بھی اُس پر اسی طرح واضح ہوتے ہیں جیسے امن کے رموز و معارف

(۲) "آج کی مساوات" والے عنوان کے ذیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یاد آیا ۔ کہ اندر کھانا بیٹھے کھا رہے تھے ، کسی جگہ کا (گورنر) حاضر ہوا ۔ حکم ہوا کہ اندر بلالو ۔ اُسوقت جَو کی روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ نوش جاں فرما رہے تھے ۔ والی نے کہا کیا گیہوں کی روٹیاں آپ نہیں کھاتے ؟ آپ نے فرمایا کہ گیہوں کہاں ہوتا ہے ۔ بولا آپ کے ممالک محروسہ مصر میں ، شام میں ، عراق میں ، بیسیوں جگہ ۔ ارشاد ہوا کہ کیا اتنا گیہوں ان علاقوں سے فراہم ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان جو میرے علاقہ میں ہے اسکو گیہوں کی روٹی میسر آجائے ۔ بولا اسکی ذمہ داری کون لے سکتا ہے ۔ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کے امیر کو گیہوں کی روٹی کھانے کا حق اسوقت تک کیسے پہونچتا ہے ۔ جب تک کہ کوئی بھی ایسا باقی رہ جائے ، جسے گیہوں کی روٹی نہ ملی ہو ۔ ہندوستان کے ایک لیڈر نے بھی ایک زمانہ میں اعلان کیا تھا کہ جب تک ایک ہندوستانی بھی ایسا باقی ہے جو لنگوٹی باندھنے پر مجبور ہے اُسوقت تک میں تو اپنی لنگوٹی نہیں اُتاروں گا ۔ میں نے سنا تو کہا کرنے والے سب کچھ کرکے جا چکے ہیں ۔ یہی حضرت عمرؓ کا واقعہ یاد آیا ۔

(۳) "مجذوب" آہ مجذوب ، خبر مل چکی تھی ۔ لکھنؤ ہی میں جب اپنی بیماری کے سلسلہ میں مقیم تھا ، زیارت کی سعادت نصیب ہوئی تھی عیادت کے لیے خود تشریف لائے تھے ۔ دیر تک اپنی نظمیں سنا سنا کر رلاتے رہے ۔ ایک شعر ایسا سنایا تھا جو باوجود اتنے سال گزر جانے کے بسا اوقات وہ خود اور اُس شعر کا وہ اثر یاد آجاتا ہے ، جس نے دیر تک تڑپایا تھا ۔ شعر یہ تھا ۔

گرچہ ہے بحرِ محبت بے کراں
کشتیِ دل اس میں ڈالی جائیگی

"ڈالی جائیگی" پر کچھ اس انداز میں انھوں نے زور دیا تھا ، کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ڈبویا جا رہا تھا ۔

انکے چہرے پر تو اشرفی تجلی جھانکتی تھی ۔ یہی وہ لوگ تھے جو شاید یہ سکتے ہوئے چلے گئے

> فدا الّتی الا حبہ
> اشرف علی وحزبہا

مولانا عیسیٰ چلے گئے ۔ اور اب مجذوب کی باری تھی ۔ دیکھیے اب کون جاتا ہے ۔ اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ ۔

بقیہ صفحہ ۵

حیدرآباد میں آگ سی لگ گئی تھی ، ان شہیدوں کا جنازہ لاکھوں مسلمانوں نے بڑی دھوم سے اُٹھایا ، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مجمع کا جوش سارے شہر میں ہندوؤں کو تہ تیغ کیے بغیر ٹھنڈا نہ ہوگا ۔ سرحیدری کی وزارت تھی ، نواب بہادر یار جنگ کو تقریر کی ممانعت تھی ، دم بدم مجمع کا جوش بڑھ رہا تھا ، اور خطرہ سب کے سامنے تھا ، اسوقت اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہٗ کی اعلیٰ سیاست نے اُس شخص کو جان لیا ، جو اس بھڑکتے ہوئے شعلہ پر پانی ڈال سکتا تھا ، مرحوم کہتے تھے کہ میں اپنے گھر میں تھا ، کہ خود اعلیٰحضرت نے مجھسے ٹیلیفون پر ارشاد فرمایا کہ بہادر خاں ! میں تم سے خواہش کرتا ہوں ، کہ تم اس فتنہ کو فرو کرو ۔ عرض کی اعلیٰ حضرت ! یوں نہ فرمائیں بلکہ حکم دیں ، فدوی ہتھیلی پر سر رکھکر ابھی جاتا ہے اور حکم شاہانہ بجا لاتا ہے ۔ چنانچہ وہ تنہا اُس مجمع میں گئے ، اور چند منٹ کی موثر تقریر میں سارا مجمع امن و سکون کے ساتھ منتشر ہو گیا ۔ مسز سروجنی نائیڈو مکان کی چھت سے یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھیں ، انھوں نے بعد کو مرحوم سے کہا کہ میں نے امن و سلامتی کی حالت میں اسٹیج کے لیڈر اور مقرر تو بہت دیکھے ہیں مگر انتقام کی آگ سے مشتعل اور جوش بھرے مجمع کو اس طرح قابو میں لے آنے والا لیڈر ، اور مقرر میں نے آج ہی دیکھا ۔ (باقی آئندہ)

ایک فاحش غلطی ۲۰ میں

(از عبد الماجد)

صدق میں غلطیاں ہوتی ہی رہتی ہیں ، لیکن میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا جب ۲۰ میں ص پر منقولات میں ایک مضمون کا عنوان "حسن کی رنگینیاں" دیکھا ! مضمون دوسرے کا سہی ، لیکن جب صدق میں نقل ہوا ، تو ممکن نہ تھا کہ عنوان میں کوئی شائبہ فسق کی ترغیب ، تشویق یا خوشنودی کا بھی آنے دیتا ۔ صحیح عنوان "فسق کی رنگینیاں" تھا ۔

حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت

خواجہ سجاد حسین صاحب سکریٹری اسکول مذکور کی طرف سے ایک طویل اعلان موصول ہوا ہے کہ اسکول مذکور کا نتیجہ امتحان میٹرک اس سال بہت اچھا رہا ۔ اس خوشی کے سلسلہ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اسکول کے کل اوپر کی درجوں میں فیس ایک ہفتہ معاف کر دی گئی
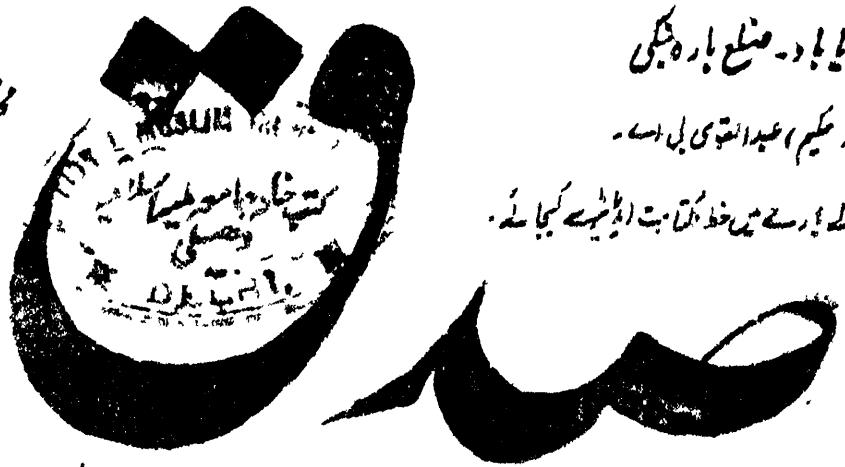
نمبر ۲۳ | دوشنبہ - ۲۰- شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۹ - اکتوبر ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

امرت بازار پتریکا (کلکتہ والہ آباد) تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ہاتھ میں انگریزی کا ایک مشہور، معزز اور بہت قدیم روزنامہ ہے۔ ۲۴ ستمبر کے پرچہ کا اڈیٹوریل مقالہ جلی ٹائپ میں چھپا ہے۔ عنوان ہے THE DIVINE MOTHER یعنی "دیوی ماتا" یا "خدائی ماں" مسلمان غریب تو سمجھے گا بھی نہیں۔ آگے چل کر اصل مضمون کی دو چار سطریں پڑھنے سے شاید کہ عقدہ کچھ حل ہو سکے۔

"زمانہ کی گردش آج پھر دیوی ماتا کی پوجا کا دن لے آئی ہے۔ آج دسہرہ کے دن ہندوؤں کے گھروں میں گھر گھر درگا مائی کی وہ پوجا ہو رہی ہوگی جیکا برابر ہم سب انتظار کر رہے تھے"

اچھا، تو بات اب جا کر کھلی۔ آج درگا دیوی کی پوجا کا خاص الخاص مبارک دن ہے، آج ہندوؤں کے ہاں گھر گھر عید ہے۔ آج اُن دیوی جی کی پوجا کا دن ہے، جو تین بڑے خداؤں میں سے ایک بڑے خدا شیو جی کی بیوی ہیں، وہ آج اپنے پجاریوں کو درشن دینے اور برکت دیتے گھر گھر آئینگی، اور اُنکے جلو میں اُنکی صاحبزادیاں ہونگی، لکشمی جی دھن کی دیوی، اور سرسوتی جی، علم و دانش کی دیوی، اور انکے صاحبزادے ہونگے، کارتک جی، فوج ربانی کے سپہ سالار، اور گنیش جی، فتح اور کامیابی دلانے والے دیوتا!

شرک کی عملداری دنیا میں آپ نے دیکھ لی؟ اسکی حکومت کے رقبہ کی حدود کا کچھ آپ کو اندازہ ہے؟ آپ کے ہموطن، آپ کے عین پڑوسی، لاکھوں نہیں، کروڑہا کروڑ کی تعداد میں، عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ خدا کے ساتھ ساتھ خدائیں بھی ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ مشہور اور پُرجبروت "خدائن" کا نام درگا یا پاربتی یا کالی ہے۔ وہ بڑی زبردست ہیں، بڑی صاحبِ اقتدار ہیں۔ دسہرہ کے دن خصوصیت کے ساتھ پوجا اُنکی ہونا چاہیئے۔ دعائیں اُن سے مانگنا چاہیے۔ مال و دولت کی، صحت و عافیت کی، عزت و جاہ کی، مقدمہ جیتنے کی، امتحان پاس کرنے کی آرزوئیں انکے آگے پیش کرنا چاہیے۔ اولاد دینے والی، بگڑی ہوئی قسمت و بنا دینگی، آخر قادرِ مطلق ہی ہیں! اور یہ عقیدہ رکھنے والے محض عوام اور گنوار نہیں، بڑے بڑے ڈاکٹر، بڑے بڑے بیرسٹر، بڑے بڑے انجنیر، اونچی سے اونچی ڈگریاں رکھنے والے اہلِ علم، بڑی بڑی ریاضت کرنے والے جوگی، سب اسی عقیدہ میں مگن، اس سے شرماتے نہیں، بڑے فخر کے ساتھ اسے اپنے روزناموں میں چھاپتے ہیں، پھیلاتے ہیں، اور دوسروں کو ادھر بلاتے ہیں! ——— سادہ دل مسلمان جب قرآن میں پڑھتا ہے کہ خدا کے اولاد کیسی، اُسکے تو بیوی تک نہیں، تو حیران رہ جاتا ہے کہ ایسی کھلی ہوئی حماقت کی تردید کی کیا ضرورت تھی — حیرانی کچھ تو شاید اب رفع ہوگئی ہو، اور توحید کے پرستار کو نظر آگیا ہو کہ "کھلی ہوئی حماقت" شرک کی بڑی وسیع کی دنیا میں ایسی کھلی ہوئی نہیں!

دو آیتیں

مصدر صاحب خوردمئو سے لکھتے ہیں کہ

"قرآن مجید کی ان دونوں آیتوں کی صورت تطبیق تحریر فرمائی جائے

(۱) وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (شوریٰ- ع ۴)
(۲) ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتٰب من قبل ان نبرأہا- ان ذٰلک علی اللہ یسیر (حدید- ع ۳)

پہلی آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"جو مصیبت بھی تمھیں پہنچتی ہے، وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے سے پہنچتی ہے اور (اللہ) بہتوں سے درگزر کر دیتا ہے۔"

آیت میں خطاب عاقل، بالغ اہل ذنوب سے ہے۔ اور مصیبت سے مراد مصیبت واقعی ہے (مصیبت صوری نہیں جو درحقیقت نعمت ہوتی ہے اور محض آزمائش یا ترقی درجات کے لیے نازل کی جاتی ہے) گنہگاروں کو بتایا گیا ہے کہ تمھیں جو بھی تکلیف پہنچ رہی ہے سب تمھارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور پھر اللہ ہر گناہ (یا ہر گنہگار) کی تو گرفت بھی نہیں کرتا۔ بہتوں سے قانون فضل کے ماتحت درگزر بھی کر جاتا ہے ۔۔۔ آیت کا مقصود قانون عدل کی یاد دہانی اور بندوں میں انکے احساس ذمہ داری کی بیداری ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ ہے:۔

"کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمھاری جانوں میں، مگر یہ کہ سب ایک رجسٹر (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہیں قبل اسکے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔"

اور اسکے متصل ارشاد ہوا ہے،

لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتٰکم	(یہ اطلاع اس لیے دی جاتی ہے) تاکہ جو چیز جاتی رہے اس پر (بہت زیادہ) غم نہ کرو، اور جو چیز اس نے تمھیں دی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

یہاں ذکر علم الٰہی اور مشیت تکوینی کی ہمہ گیری کا ہے۔ بندوں کو بتایا ہے کہ جو نعمت مل جائے اُسے اپنا ذاتی استحقاق نہ سمجھو، اور جو نعمت چھن جائے، اُس میں بھی کوئی مصلحت ہی سمجھو۔ کوئی شے بھی اُسکے علم اور مصالح تکوینی کی گرفت سے باہر نہیں۔

پہلی آیت میں بیان بندہ کی ذمہ داری اور مسئولیت کا ہے۔ اور دوسری میں ذکر مسبب الاسباب کے علم قدیم وازلی کی ہمہ گیری کا۔ دونوں باتیں اپنے موقع پر صحیح اور سچی ہیں۔ اور دونوں کے درمیان کوئی تناقض یا منافات نہیں۔

اوقات عبادت

ضلع کریم نگر دکن سے ایک صاحب کا سوال آیا ہے:۔

"روزہ اور نماز خصوصاً نماز فجر ومغرب کا تعلق طلوع وغروب آفتاب ۔۔۔ کا تعلق بعض ایسے مقامات میں جہاں سورج صرف دو تین گھنٹوں کے لئے طلوع ہو کر غائب ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے مقامات بھی ہیں۔ جہاں سورج مہینوں نہیں دکھائی دیتا یا مہینوں غروب نہیں ہوتا ایسے مقامات کے لئے سحر اور افطار نیز نماز کا کیا حکم ہے؟"

سوال پرانا ہے، اور ایسے دور دراز مقامات سے متعلق ہے، جہاں انسانی آبادی بہت قلیل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو وہاں والوں کے لئے فکر کرنا محض ایک دماغی تعیش ہے۔ عملی ضرورتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال کے جوابات مختلف علماء نے مختلف دیے ہیں۔ روزہ کے لیے تو قرآن پاک میں تصریح ہے کہ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ۔ یعنی جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے، وہ روزہ رکھے۔ اب اگر کہیں وہ مہینہ ہی سرے سے نہیں پایا جاتا، تو وہاں روزہ کی فرضیت ہی از خود ساقط ہو جاتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ، بہرحال زندگی کے عام کاروبار، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، وہاں وقت کے جس معیار سے ہوتے ہیں، اسی معیار کا اعتبار عبادات میں بھی کیا جائیگا۔ عبادت کا جزو عام معاملات زندگی سے الگ نہیں ۔۔۔ جن مسائل میں نص موجود نہیں، وہاں اجتہاد صحیح کی بڑی گنجایش ہے، اور وہاں صاحب علم وتقویٰ مجتہد فن کے جس فتوے پر بھی عمل کر لیا جائیگا، ان شاء اللہ کافی ہو جائیگا۔

انجمن عربی (یو۔پی)

صدق ۱۸ میں انجمن مذکور کے معتمد صاحب کا جو پُر درد مکتوب شایع ہوا تھا، وہ دل والوں کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہا۔ ایک صاحب نے حیدرآباد سے [illegible] کا منی آرڈر بھیج دیا۔ علیگڈھ کی بیگم مزمل اللہ خاں کے ہاں سے تار کا عطیہ مرحمت ہوا۔ اور گجرات، پنجاب، بہار سے کتابوں کی مانگ وی۔پی کے ذریعہ سے کچھ نہ کچھ شروع ہو گئی۔ گویا بہ قول معتمد صاحب انجمن کے،

"ذریعہ ۷-۸ کے ایک ہونہار عربی خواں کے لیے ۱½ برس، یا چار بچوں کے ایک برس کا سرمایہ تعلیم جمع ہو گیا۔"

جن صاحبوں نے اس صداے درد پر فوراً لبیک کہا، وہ بندوں کے شکریہ کے نہیں، پروردگار عالم کے ہاں سے اجر کے متوقع رہیں۔

چونکہ بعض صاحبوں نے منی آرڈر منیجر صدق یا مدیر صدق کے نام روانہ فرمائے ہیں، اس لیے سب کی اطلاع کے لیے ایک بار تصریح سے شایع کیا جاتا ہے کہ انجمن مذکور کا کوئی تعلق دفتر صدق یا مدیر صدق سے نہیں، جن صاحبوں کو جو کچھ بھی بھیجنا ہے، وہ براہ راست انجمن ہی کو بھیجیں اور براہ کرم اس پتہ کو کہیں نوٹ کر لیں:۔

سکرٹری صاحب انجمن عربی (یو۔پی) ۱۷ بیلی روڈ۔ الہ آباد
(BALI ROAD)

تہذیب نو کا نمونہ

"یہ ایک برطانوی ٹامی کا واقعہ ہے جسنے ملکہ کا بوسہ لے لیا۔ یہ کہانی برسلز سے نیوز کرانیکل کے نامہ نگار نے بھیجی ہے جب شاہ لیوپولڈ کو جرمن لے گئے تھے تو مادر شاہ ملکہ الزبتھ نے برسلز چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جب پہلے برطانوی ٹینک شہر میں داخل ہوے تو ملکہ موصوفہ انکو دیکھ رہی تھیں۔ دستہ کھڑا ہوا تو سپاہیوں نے وہی کچھ کرنا شروع کیا جو وہ اپنے فاتحانہ کوچ کے دوران میں فرانس اور بلجیم میں کرتے آئے تھے۔ چنانچہ ایک ٹامی نے "لیکن محل" کے پھاٹک پر ایک عورت کھڑی دیکھ کر اُسے آغوش میں کھینچ کر بوسہ لے لیا۔ اُس عورت نے بھی جوابی بوسہ لیا۔ پاس کھڑی ہوئی خادمہ نے اس سے کہا "بندہ نواز، یہ ملکہ معظمہ ہیں!" اس پر ٹامی نے معذرت خواہی شروع کی تو ملکہ نے مسکراتے ہوے اُس سے ہاتھ ملایا۔" (خلافت)

قرآن مجید میں ایک لفظ فاحشۃ مبینۃ بار بار آیا ہے - اس فحش مبین کی تفسیریں مختلف ہیں - لیکن ان واقعات و شہادات کے ہوتے ہوئے اب زیادہ اختلافات کی گنجایش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟ ـــــ ملکۂ سلطنت تو خیر بہت بڑی چیز ہیں، اُنکے مرتبہ، اعزاز و احترام کا کیا کہنا - باقی مسلمان، زوال یافتہ اور شکستہ دنیا دار مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں، اُنکی خادماؤں اور کنیزوں سے متعلق بھی کچھ کہانیاں ایسی کھلی ہوئی بےحیائیوں کی مشہور ہیں؟ ـــــ جواب صرف ایک ہے - یہ بےحیائیاں جنھیں ہم آپ انتہائی درجہ پر سمجھ رہے ہیں، فرنگی تہذیب میں سرے سے کسی درجہ میں بےحیائیاں ہیں کب؟

چند سوالات

ایک صاحب کے مرسلہ سوالات دکن سے :-

"(۱) روح جسم میں داخل ہونے سے پہلے کہاں رہتی ہے (۲) جسم کی قید سے آزاد ہوکر روح کہاں جاتی ہے؟ (۳) انسان اپنے اعمال کی سزا و جزا کہاں پاتا ہے؟ (۴) حیات بعد الممات کی مد ہے یہ زندگی کہاں ملیگی؟ (۵) اسکا کیا سبب ہے کہ بعض بچے، اندھے، لنگڑے، گونگے پیدا ہوتے ہیں، بعض بچے کچھ ہی لمحے اور کچھ چند سال زندہ رہ کر مرجاتے ہیں - بعض خدا کے نافرمان بندے دولتمند ہوتے ہیں، اور بعض فرماں بردار بندے مفلس و نادار؟"

جوابات نمبروار حسب ذیل ہیں :-

(۱) عالم ارواح میں -

(۲) عالم برزخ میں -

(۳) جنت و دوزخ میں -

(۴) عالم آخرت میں -

(۵) یہ سوال حکمت الٰہی سے متعلق ہے، اور سوالات حکمت کی کوئی انتہا ہو ہی نہیں سکتی - کائنات کے بیشمار واقعات میں سے حکمت ایک ایک جزئی واقعہ کی پوچھی جا سکتی ہے، اور پھر خود اس حکمت کی مصلحت و حکمت کا سوال ہوسکتا ہے، اور یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوسکتا - اس لیے ایسا بےنتیجہ سوال ہی سرے سے غیر حکیمانہ اور غیر معقول ہے -

جو چند مثالیں سوال میں دی گئی ہیں، اُن سب میں علت قریبہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مادی غلطی، بےاحتیاطی، یا بےپروائی ملیگی - یعنی قوانین طبعی میں سے کسی نہ کسی کی خلاف ورزی - اور علت غائی ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصلحت تکوینی ہوگی - مثلاً کسی کے حق میں رفع مراتب، کسی کے لیے کفارۂ ذنوب، کسی کے صبر و شکر، ہمت و حوصلہ کی آزمائش - وقس علیٰ ہذا -

تمباکو نوشوں کے لیے

دکن کے طبی رسالہ صحت عامہ سے :-

" تمباکو کے نقصانات کے مقابلہ میں اسکے فوائد صفر کا درجہ رکھتے ہیں - یہ مشاہدہ ہے کہ حقہ پینے والے بالعموم امراض سینہ میں مبتلا ہوتے ہیں - چنانچہ سکھ حضرات کو ہندو مسلم حضرات کے مقابلہ دمہ کا بہت ہی کم حملہ ہوتا ہے" ....

جدید تحقیقات سے ثابت ہوچکا ہے کہ تمباکو میں ایک سخت قسم کا زہر ہے، جسکو نکوٹین کہتے ہیں - اسکا ایک قطرہ ایک کتے کی ہلاکت کے لیے کافی ہے - ....

تمباکو کی کثرت استعمال سے بلکہ بعض اوقات اسکے اوسط استعمال سے بھی اکثر دماغی امراض مثلاً دردِ سر، دوران سر، ضعف حافظہ، سکتہ، مراق، فالج، بےخوابی، دیوانگی، ضعف بصارت، اندھاپن، تحجر الصوت، کھانسی، سل، کمزوری، خفقان، ضعف باہ، نامردی، اور اسی قسم کے بیشمار امراض پیدا ہوتے ہیں - ایک چشم دید واقعہ ہے کہ طبیہ کالج میں ایک طالب علم سگرٹ نوشی کی کثرت کے باعث مالیخولیا مراقی میں مبتلا ہوکر کالج چھوڑنے پر مجبور ہوگیا تھا -

کچھ مدت کا ذکر ہے کہ ایک مریض کثرت حقہ نوشی کے باعث مرض بےخوابی میں مبتلا ہوگیا - پانچ دفعہ انجکشن کرانے پر بھی اسکی صحت درست نہ ہوئی"

حرمت نہ سہی، تمباکو کی کراہت کے قائل تو ہمارے اکثر علماء بھی نکل آئیں گے - اور حنفی علماء نے تو شاید کراہت کو حرمت کی حد تک پہونچا دیا ہے -

نامبارک تحفہ

" کناڈا کی فوجوں میں شکمی پھوڑے کے واقعات کی کثرت سے متاثر ہوکر "کناڈا میڈیکل ایسوسی ایشن جرنل" کے ایڈیٹر نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ فوج میں شکمی پھوڑے کی زیادتی کے پیش نظر سپاہیوں کے عزیزوں اور دوستوں کو یہ مشورہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہ سگرٹ کے تحفوں کی بھرمار کے بجائے دودھ کی بنی ہوئی چیزیں، فواکہ اور چاکلیٹ وغیرہ بھیجا کریں - کیونکہ کناڈا کی فوج میں شکمی پھوڑا ایک کثیرالوقوع مرض کی حیثیت اختیار کررہا ہے اور اس کے مریض کے لیے سگرٹ ایک نامبارک تحفہ ہے" (صحت عامہ حیدرآباد دکن)

اقتباس ایک طبی رسالہ کا ہے - لیکن اتنا سمجھنے کے لیے تو طبیب ہونے کی مطلق ضرورت نہیں، کہ نامبارک تحفہ کی "نامبارکی" صرف کناڈا کی فوج کے ساتھ مخصوص نہیں - بلکہ ہر سگرٹ نوش کے سوچنے سمجھنے کی ہے -

جرمنی اور تمباکو

"برٹش میڈیکل جرنل" میں ڈاکٹر لے روز جرمنی میں تمباکو کے خلاف سرگرم تحریک کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ اس ملک کے ڈاکٹر بھی اجتماعی طور پر تمباکو نوشی کی وبا کے خلاف مہم کا آغاز کریں اپنے معائنہ کے کمروں میں تمباکو نوشی کے نتائج ضعف اعصاب، بینائی کی خرابی اور دوسرے تباہ کن امراض کی شکل میں ہمیشہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں - موجودہ دور میں سگرٹ پینے کی وبا انتہا کو پہونچ گئی ہے

(بقیہ صفحہ ۵ پر)

رواں، شستہ ہے۔ اور بالواسطہ ترجمہ کی ناہمواری کہیں محسوس نہیں ہوتی۔ اقبال کے خیالات بحمد اللہ بحیثیت مجموعی فکر اسلامی کے ترجمان ہیں۔ لیکن کہیں کہیں ہلکی سی جھلک تجدد کی آگئی ہے۔

(۴) اقبال پر اُردو میں تو اسوقت تک ایک اچھا خاصہ ذخیرہ تیار ہو ہی چکا ہے۔ انگریزی میں بھی متعدد کتابیں، رسالے، مقالے لکھے جاچکے ہیں۔ لیکن اقبال محض شاعر نہ تھے، فلسفی بھی تھے۔ اور شاید یہی یاد دلانے کی غرض سے اور انکی فلسفیت کی یاد برقرار رکھنے کو یہ رسالہ اقبال کے فلسفہ پر علاحدہ ہوکے ایک ڈی لِٹ، ایم اے اور پی ایچ ڈی کے قلم سے شایع ہوا ہے۔ اور فلسفہ کے طلبہ کے کام کا ہے۔
دونوں کتابوں کی ظاہری خوشنمائی کے لیے شیخ محمد اشرف کا نام ہے دینا کافی ہے۔

(۵) مسلمان کی زندگی اور اقبال (۶) اقبال کا فلسفۂ خودی	از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب استاد فلسفہ کلیہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

فاضل مصنف کے رسالوں، مقالوں کا ذکر ان صفحات میں بارہا آچکا ہے۔ نام اور عنوان کچھ بھی رکھیں، ہیر پھیر کر انکا علم فلسفہ، کلام و تصوف قرآنی کا ایک ہی نقطہ نظر ان کے سامنے ہے۔ سلیس زبان میں ... کی جاشنی ... ہوئے ... دونوں رسالوں کا بھی ہے کہ انکا مقصد قریب اقبال کی بعض تعلیمات کی تشریح و تحلیل ہے۔ دونوں رسالے مصنف ہی سے ملینگے، اور ہر ایسے پڑھے لکھے کے پاس رہنے کے قابل ہیں جو اقبال سے دلچسپی رکھتا ہو، یا علمی تصوف اسلامی یا فلسفہ و کلام سے ذوق رکھتا ہو۔ (باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۳)

اور ہم ہر لمحہ اسکے نفع بخش اثرات کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ نہایت دانشمندانہ اقدام ہوگا کہ لوگوں کو متنبہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ اگر ہم ایک واقعہ کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں سگریٹ پینے کی عادت کم کردینی چاہیے یا اسے بالکل ترک کردینا چاہیے۔ جرمنی میں آجکل وسیع پیمانہ پر پروپگنڈے کے ذریعہ سے تنباکو نوشی کے خلاف مہم جاری ہے۔ اخبارات، تھیٹر، سینما اور عام اجتماعات کے مواقع، ہر جگہ تنباکو کے خلاف پروپگنڈہ کا بازار گرم ہے اور اس تحریک کو جرمن حکومت کی پوری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔

(صحت عامہ۔ دکن)

ناظرین کرام صدق کی توسیع اشاعت کا خیال رکھیں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسین پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

(بقیہ صفحہ ۶)

حیدرآباد کے لیڈروں میں اُن سے زیادہ ہر دلعزیز کوئی آدمی نہیں دیکھا جسکا سکہ ہر گروہ کے دل پر یکساں چلتا تھا۔

انکی عربی تعلیم کچھ زیادہ نہ تھی۔ تاہم حج کے موقع پر حجاز میں اور حج کے بعد مصر میں کچھ روز انکا قیام رہا تھا اور اس طرح عربی کی کچھ مہارت بہم پہونچائی تھی اور چونکہ قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا اس لیے قرآن پاک کی آیتوں کے معنی بے تکلف سمجھ رہے تھے اور تفسیروں کی مدد سے قرآن پاک کے سمجھنے کی کوشش بلیغ کرتے رہتے تھے۔ صبح کو نماز کے بعد تقریباً نو بجے تک اپنے قریب کی مسجد میں خود ہی لوگوں کو قرآن پاک کا درس سناتے تھے۔ اور ہفتہ میں ایک دن شام کو انکے ہاں اقبال کی کتابوں کا درس ہوتا تھا۔ اور اقبال کے فلسفہ کی گتھی سلجھائی جاتی۔

مرحوم ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نسل کے سدوزئی پٹھان تھے۔ انکے آباؤ اجداد ہندوستان کے آخری مغل عہد میں جب ہر شمشیر زن قسمت آزما تھا، کچھ حوصلہ مند سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلے ریاست جے پور میں طرح اقامت ڈالی اور راجہ سے کچھ جاگیر پائی۔ اور بعد ازیں حیدرآباد وارد ہوئے اور معتبر عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ اور تیس ہزار کی نسلاً بعد نسلٍ جاگیر پائی۔ مرحوم نے اپنی یہ خاندانی داستان کئی بار سنائی۔ کہا کیا معلوم تھا کہ یہ داستان گوئی بھی چند ہی روز کا مہمان ہے ورنہ اس داستان کا حرف حرف محفوظ رکھا جاتا۔

بہادر نما ایسے آدمی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے انقلاب انگیز ہوتا ہے۔ اسکی ذات سے امت اسلامیہ کو بڑی بڑی امیدیں تھیں، تاہم دکن، بالخصوصیت کے ساتھ دکن کے مسلمانوں کے حق میں اسکا وجود آبحیات کا حکم رکھتا تھا تاہم انسان ناچار رہے۔ اسکی ناچاری کا راز ایسے ہی موقعوں پر کھل جاتا ہے۔ تقدیر کا نوشتہ اور قضا کا حکم ناقابل تغیر ہے۔ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ ۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کو دفعتہ وہ حکم آیا اور بندہ نے لباجون رحمہ ایک لمحہ کے اندر اسکی دعوت پر لبیک کہا، اور اس دنیا سے دون سے مِل بسا۔ اُس پر اللہ تعالیٰ کی صدہا رحمتیں ہوں اور شیاد و ذکیہ غالباً مارچ ۱۹۴۴ء کی کوئی تاریخ تھی، نواب دوست محمد خاں (جاگیردار) کے یہاں دعوت تھی، جو مرحوم کے بڑے دوستوں میں تھے، احباب کا مجمع تھا، گفتگو مذہبی اور علمی تھی۔ مرحوم نے بڑے پر اثر انداز میں کہا، آج قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جب وہ مصر سے نکل کر مدین میں پہونچے ہیں، یہ دعا تلاوت میں آئی رب انی لما انزلت الیّ من خیر فقیر (اے پروردگار! تو میرے لیے بہتری کا جو سامان بھی مہیا فرمائے میں اسکا محتاج ہوں) مرحوم نے اس موثر دعا کے ایک ایک لفظ کو بڑی تاثیر کی حالت میں پڑھا، اور سامعین کے سامنے اسکی تشریح کی۔ خدا اسے بے نیازی یاد رکھو، میں عرض ہے کہ اے بار الہا! آج جب اس دعا کا خواستگار تیرے حضور میں ہے اور تیرے گھر مہمان، تو تو اُسکے لیے وہی فراہم کر جسکا وہ محتاج ہے۔

(معارف)

ایک بہادر مسلمان کی موت

بہادر خاںؒ

(از مولانا ڈاکٹر سید سلیمان صاحب ندوی)

(۲)

مرحوم کی تقریروں کا اصلی میدان مسلم لیگ کے اجلاس اور اتحاد المسلمین حیدرآباد کے جلسے ہوتے تھے۔ مرحوم کا مذاق مذہب آمیز سیاست تھا، اُن پر دینی سیاست کا راز کھل چکا تھا، اور وہ یہی راز سب کو بتانا چاہتے تھے۔ اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا تھا، اسکا یہ رنگ تیز سے تیز تر ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کراچی کے بعد سے لیگ کے خالص دنیاوی سیاسیوں پر انکی تقریر بار ہونے لگی تھی۔

حیدرآباد میں اگر پچھلے چند برسوں کے اندر جب سرسری کی سیاست حیدرآباد کے دستور کی ترکیب و تکمیل میں مصروف تھی۔ نواب بہادر یار جنگ کا وجود نہ ہوتا، تو حیدرآباد کے نظم و نسق کا کچھ اور ہی انداز ہوگیا ہوتا۔ بیرونی ہندو لیڈروں اور دکن کے مرہٹوں نے ریاست کی امن و دوست اور وفادار غیرمسلم رعایا کو بھڑکانے میں کوئی کمی نہیں کی، اور دعوے کیا، کہ مردم شماری کے مطابق ریاست میں دونوں قوموں کے حقوق ملنے جائیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر اس ملک کے مسلمان بالکل خواب غفلت میں تھے اور بجز عیش و آرام اُنکا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ وہاں کے مسلمان جاگیردار جو اس ملک کی بڑی قوت ہیں، محوِ استراحت تھے۔ دکن کے مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ صدیوں سے حکومت کے سر پہ سارا بوجھ رکھکر آرام طلبی اور بے فکری کے عادی ہوگئے ہیں، اس بیکاری سے انکے دست و بازو شل اور قواے عمل معطل ہیں۔ انکا کوئی قومی تخیل اور سیاسی جذبہ زندہ نہیں رہا ہے۔ اور کسی حال میں نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُن کشورستانوں کی یادگار ہیں جنھوں نے اپنے کو بڑی مشکلوں میں ڈال کر دکن کی آصفی حکومت کو قائم کیا تھا۔

مرحوم کا بڑا کارنامہ اسی جذبہ کو زندہ کرنا تھا۔ اُنھوں نے جاگیرداروں کو جھنجھوڑ کر جگایا، اور بتایا کہ اگر اُنھوں نے اُٹھکر اپنی زندگی اور ملک کو اپنی ضرورت کا یقین نہیں دلایا، تو زمانہ کا سیلاب انکے اقتدار کو بہا لیجائیگا۔ عام مسلمانوں کو یہ یاد دلایا کہ یہ ملک تمہارا مفتوحہ اور مقبوضہ ملک ہے، اور تم بحیثیت قوم کے اسکے کشورکشا اور فاتح ہو، اور خانوادۂ آصفی کا سرتاج تمہاری حکومت کا نمائندہ، تمہاری طاقت کا مظہر، تمہاری بادشاہی کا ستون اور تمہاری دینداری کا مرکز ہے۔

[…] نے اپنے اس سیاسی تخیل کی بنا پر تکلیفیں بھی اُٹھائیں، اس […] نا بھی عائد ہوئے اور انکے متعلق غلط فہمیاں بھی پیدا کرائی گئیں، تاہم اُنھوں نے ایثار کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ یہاں تک کہ اپنے خطاب و منصب سے بھی دستبردار ہوگئے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مرحوم کی کوششوں سے دکن کے مسلمانوں نے صدیوں کے آرام کے بعد کروٹ لی، اور اتحاد المسلمین کے زیر سایہ ایک مرکز پر جمع ہوگئے اسکی شاخیں تمام ممالک محروسہ میں قائم ہوگئیں، اسکی آواز نے ملت کی آواز کا رتبہ پایا، اسکے سالانہ اجلاس میں یہ کیف و نقد پچاس ہزار آدمی جمع ہو جاتے تھے۔

مرحوم کا خیال تھا، اور سچا خیال تھا کہ کسی ملک کی سرکاری تعلیم سے قومی روح زندہ نہیں ہوسکتی اس لیے حیدرآباد میں وہ ایک خالص قومی اسلامی درسگاہ قائم کرنا چاہتے تھے، جو دکن میں اسلامی روح پیدا کرے اور جب تک یہ درسگاہ قائم نہ ہو، ایک اسلامی بورڈنگ کی بنا ڈالی جائے، جس میں شہر کے ہر اسکول و کالج کے مسلمان طلبہ اقامت پذیر ہوں، اور وہ بورڈنگ کی تعلیم و تربیت میں رہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے پچھلے ہی سال قومی چندہ سے ایک لاکھ میں حیدرآباد کے گویا وسط میں ایک بہت بڑی عمارت خریدی، جس میں آیندہ تعمیرات کے لیے بہت بڑی وسعت ہے۔ یہی عمارت دار السلام کہلاتی ہے۔ اور یہی ان کے اتحاد المسلمین کا مرکزی دفتر ہے۔ اسی عمارت میں ایک قومی کتب خانہ اور ایک اسلامی دار الاقامہ اور علوم مشرقیہ کی ایک چھوٹی سی درسگاہ قائم کی تھی، اس سال کے شروع میں ادارے قائم ہوے، اور اسکے ظاہر کرنے میں مجھے مسرت ہے کہ اُنکے سیاسی و مذہبی تخیلات کی آبیاری، اور ان اداروں کی سربراہی میں جو گمنام آدمی کام کر رہا ہے، وہ تمامتر دار العلوم ندوۃ العلماء کی پیداوار ہے۔ ندوہ کے لیے یہ شکر کا مقام ہے کہ دین و دنیا کی جامعیت کے ساتھ جب کہیں کوئی کام شروع ہوتا ہے، تو اسکے فرزند اُسکے لیے بہترین اہل ثابت ہوتے ہیں، مولوی عبد القدوس ہاشمی ندوی جو تکمیل کے بعد ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف رہے، مرحوم کی رفاقت کے لیے وہ بہترین رفیق ثابت ہوے اور مرحوم بھی اُنکی کما حقہٗ قدر کرتے تھے۔ بہرحال ان اداروں کی نگرانی انکے سپرد کی، اور اُنھوں نے وہیں قیام اختیار کرلیا۔

اس سال فروری اور مارچ اور نصف اپریل کے چند مہینے ندوہ کی قومی امداد کے سلسلہ میں اُنکے بہت قریب گزرے۔ ہر دوسرے تیسرے اُنکے مکان پر جانا ہوا جب گیا، اُنکو مصروف پایا۔ صبح سے شام تک منتظر مندوں اور ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، ٹیلیفون سامنے ہوتا اور ڈاک دوسری طرف رکھی ہوتی تھی۔ معمولی مسلمان سے لیکر، تاجر، بیوپاری، وکیل، اہل سیاست، اہل شہر اور حکام سب ہی قسم کے اشخاص باری باری آتے اور باتیں کرکے واپس جاتے تھے۔ ملنے جانے اور کہیں آنے جانے کے لیے کئی کئی روز پہلے وقت مقرر ہوتا، اور پھر بھی اُنکا کام پورا نہ ہوتا۔ میں نے

قرآنی عربی کی ترویج

ایک اہم تحریک

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ جامعہ عثمانیہ - دکن)

آج صدق نمبر ۱۸ ملا ہے، اسی کو دیکھ کر خلاف دستور دل میں ایک خیال پھر کاٹنے لگا - جس وقت سے اس مضمون کو پڑھا ہے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسکا خیال آ رہا ہے - اب خواہ یہ خیال کیجیے کہ حاجۃ فی نفس یعقوب کی قضا کر رہا ہوں یا واقعی اسکی تہ میں کوئی واقعہ ہے - چونکہ عادت کے خلاف دل میں آئی ہے اس لیے تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا -

بات یہ ہے کہ مولوی نعیم الرحمن صاحب کی "روداد انجمن عربی صوبہ متحدہ" کی اگرچہ سیدھے سادے الفاظ میں شائع ہوئی ہے، لیکن میں کیا عرض کروں - غالباً یہ یہاں عجیب ہے کہ انجمن کا لفظ جو میرے لیے ایک قسم کی چڑ ہے - لیکن باوجود اسکے اس انجمن کی طرف دل کے رجحان کو غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا پاتا ہوں - شاید اسکی وجہ یہ ہو، کہ لفظ صرف انجمن کا بولا گیا ہے - تفصیل میں جو کہ بتایا گیا ہے کہ مولوی صاحب موصوف خود ہی معتمد، خود ہی خازن کلرک، اگر داور، مبلغ، خوشامدی سب ہی کچھ ہیں - غالباً اسی وحدت و شخصیت نے میرے دل کو کھینچا ہے - اور اسی کے ساتھ یہ بھی باور کرانا چاہتا ہوں کہ گو چند دن میں مردہ آنکھوں دیکھیں بات کے طور پر شریک ہونے کا تو میں نہیں کہتا - لیکن اب جبکہ میری عمر پچاس سال سے متجاوز ہو چکی ہے، باوجود پیشۂ مولویت کے یاد نہیں پڑتا کہ کسی ایسی تحریک کی ابتدا خود کی ہو، جس میں چندے کی اپیل کی گئی ہو - لیکن خلاف دستور آج چندہ بازی کے جواز پر بھی طبیعت مائل ہو گئی ہے -

میں کہنا چاہتا ہوں کہ مولوی نعیم الرحمن صاحب نے اگرچہ کچھ لکھا نہیں ہے لیکن انکا نہ لکھنا ہی اس درد کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے، جو عربی زبان کے متعلق اپنے دل میں وہ رکھتے ہیں، میں پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ عربی زبان اس حیثیت سے کہ کسی زمانہ میں ابوجہل اور ابولہب کی بھی یہی مادری زبان تھی، اور اسی زبان میں ہمارے پیغمبر ہمارے دین، ہمارے خدا کے خلاف تقریریں کی جاتی تھیں، شعر کہے جاتے تھے - الغرض کسی جزیرہ کی مقامی زبان ہونے کی وجہ سے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، میری دلچسپی اس زبان کے ساتھ صرف اس حد تک ہے کہ اس زبان میں ہمارے مالک کا پیغام ہم تک پہونچا ہے - اسی زبان میں اُنھوں نے براہ راست گفتگو کی ہے، جن سے ایک ایک الہام اور باطنی اشارہ پانے کے لیے لوگوں نے گھروں کو چھوڑا ہے زندگی کی نعمتوں کو تیاگا ہے - اسی زبان میں ہمارے محبوب پیغمبر کے ملفوظات طیبہ محفوظ ہیں - انکی سیرت کا ذخیرہ بھی اسی زبان کی کتابوں میں بند ہے، اور اللہ کے کلام رسول کی باتوں سے جو نتائج پیدا ہو سکتے تھے کروڑہا کروڑ دماغوں نے صدیوں میں جا کر اسی زبان انکو محفوظ کیا ہے جسکا نام فقہ تصوف کلام اور کیا کیا بتاؤں کہ کیا کیا ہے - بس میری دلچسپی کا محور عربی زبان کے یہی صفحات ہیں، اور اس حد تک جہاں تک میرا تجربہ ہے کم از کم ان قوموں کے لیے جنکی مادری زبان اسلامی زبانوں (اُردو، فارسی، ترکی) میں سے کوئی ایک ہے - انکے لیے عربی زبان کا یہ حصہ نسبتاً اتنا آسان ہے کہ معمولی توجہ سے اپنی مادری زبان ہی کی مدد سے اس حصہ کو اپنے فہم کے قابو میں لا سکتے ہیں - اسی سہولت کا نتیجہ تھا کہ مکتب خانوں میں تھوڑی بہت شدبد ابتدائی عربی کی بلکہ معرب فارسی کی بھی مسلمانوں کو پہلے زمانہ میں جو حاصل ہو جاتی تھی، وہی اسلامی ادبیات سے استفادہ کی راہ کو ان پر آسان بنا دیتی تھی، رُت بدلنے کے ساتھ ہی تھوڑے دنوں ہی میں باوجود باضابطہ مولوی نہ ہونے کے اس قسم کے مسلمان قرآن بھی سمجھنے لگتے تھے اور کچھ نہ کچھ پیغمبر کے ملفوظات کے مطالب تک انکی رسائی ہو جاتی تھی -

لیکن مکتبی نظام جب سے ٹوٹا ہے، اور اسکولوں کی تعلیم کا رواج ملک میں ہوا ہے، روز بروز مسلمانوں کی ان قرآنی مناسبتوں اور حدیث فہمی کی صلاحیتوں میں کمی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے - میں نے خوب سوچا ہے کہ وہی عربی جو کسی نہ کسی شکل میں اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شریک ہے - اسکے پڑھنے والوں کو عربی ادب میں مہارت پیدا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، لیکن قرآن اور حدیث یا دیگر اسلامی ادبیات کی صلاحیت اس سے بھی پیدا ہو جاتی تھی - لیکن مصیبت یہ ہے کہ بدبخت مسلمانوں سے مدرسوں اور مکتب خانوں کو تو چھڑوا یا ہی گیا تھا، باوجودیکہ اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اختیاری مضمون کی حیثیت سے عربی رکھی گئی ہے، لیکن اس عربی کو بھی انھوں نے لینا چھوڑ دیا ہے - پہلے فارسی لیتے تھے اور میں نے جیسا کہ عرض کیا، یہ فارسی بھی ایسی فارسی تھی جو بتدریج قرآن والی عربی سے مناسبت پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی تھی - لیکن فارسی بھی چھوٹی چلی جا رہی ہے، اُردو کا زور اتنا بڑھا ہے یا بڑھایا جا رہا ہے، کہ لینے والے زیادہ تر اُردو ہی کی ناؤ پر چڑھ چڑھ کر پار ہونے میں سہولت محسوس کرنے لگے ہیں، اور اُردو کے ساتھ بھی چونکہ "شدھ اُردو" کی تحریک اندر اندر اپنا کام کر رہی ہے، جو نتیجۃً قرآن سے دور کرنے والی چیز ہے - ان تمام امور کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کے سرچشمے سے دُور ہوتے جا رہے ہیں - جاہل مسلمان اگر دور تھے یا ہیں تو اس بُعد کی تلافی اس سے ہو جاتی تھی کہ قرآن و حدیث کے جاننے والے بزرگوں سے عقیدت کی قربت وہ رکھتے تھے - نتیجہ کے لحاظ سے انکا ایمان قریب قریب پڑھے لکھے مسلمانوں کے مساوی ہوتا تھا - لیکن یہ جو جاہل مسلمانوں کا ایک گروہ "تعلیم یافتہ" طبقہ کے نام سے پیدا ہوا ہے، اسکا حال عجیب ہے - خود بھی اسلامی دنیا تک

پر دور رہتے ہیں اور جو ان چیزوں سے قریب ہیں ان کے دلوں میں نفرت یہ اعتقادی پیدا کردی گئی ہے۔ بتلایئے کہاں بیچارے ان کے قرب کی راہ باقی ہی کیا رہی۔

معاف! میں نے کیا بکواس شروع کردی۔ کیا کہہ رہا تھا اور کیا لکھنے لگا۔ مطلب میرا یہ ہے کہ کالجوں اور اسکولوں والی عربی خواہ معنی کچھ ہو ممکن ہے کہ مولویانہ عربی کے مقابلہ میں وہ کچھ نہ ہو، لیکن کام چلاؤ "میرے خیال میں ایک حد تک ...... وہ بھی تھی، "کلام چلاؤ" سے مطلب وہی قرآن تھی اور پیغمبر کے ملفوظات کے سمجھنے کی قریبی استعداد تھی بات اس سے بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ چاہے تو اس عربی کی جگہ صرف فارسی ہی تھی اب جب سے اردو کو بھی کالجوں میں جگہ ملی۔ اب اردو حریفوں کے مقابلہ میں دیکھا ہی جا رہا ہے کہ اسکے لینے والوں کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ مستقل علاج اسکا تو وہی ہے جسکا اجمالی ذکر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب نظام تعلیم و تربیت میں کھینچکر بتایا ہے لیکن تدریجی طور سے نہ آ سکے، اگر یہ کوئی امر کٹھن ہے کیا یوں ہی چھوڑ دیا جائے تب اسی خیال سے مجھے آمادہ کیا ہے کہ آپ کے سامنے ادب کے ساتھ اپنا ایک معروضہ پیش کروں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صدق کے ذریعہ سے بحمد اللہ تقریباً پندرہ بیس سال سے مسلمانوں کی علمی و ذہنی خدمت جو آپ کر رہے ہیں وہ تو خیر کر ہی رہے ہیں، لیکن اب ایک پہلے سے "علمی کام" کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بھی اپنے اس صدق کو کیوں نہ بنایئے۔ میری چند تجویزیں ہیں (۱) یعنی تمام اسلامی اسکولوں میں ہر مسلمان بچے کے لیے بجائے اختیاری مضمون کے عربی کے مضمون کو لازمی بنانے کی کوشش کی جائے (۲) اور غیر اسلامی مدارس میں تعلیم پانے والے مسلمان بچوں کے لیے چندہ فراہم کیا جائے۔ "چندہ" کا مسئلہ اگرچہ بہت گندہ ہے لیکن بجائے انجمن کے مولوی نعیم الرحمن صاحب جیسا آدمی "مسلم انجمن" بن کر آپ کو مل گیا ہے، تو اس "چندہ" میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اس چندہ کا مصرف یہ ہو کہ ہر مسلمان طالب العلم جو غیر اسلامی اسکولوں میں عربی لے گا اسی کو اس فنڈ سے امداد دی جائے۔ صدق کے ذریعہ سے چندہ کی اپیل کی جائے اور جمع کیا جائے نعیم الرحمن صاحب کے پاس۔ لیکن اسی شرط کے ساتھ کہ "وہی معتمد وہی خازن وہی کلرک وہی گرداور وہی مبلغ وہی خوشامدی" الغرض انجمن میں جتنے بھانت بھانت قسم کے عہدے ہوتے ہیں سارے عہدے انہی کی ذات میں جمع رہیں۔ وہی لیں وہی دیں۔ مجھے امید ہے کہ صدق ان شاء اللہ اس "علمی کام" میں اگر قدم ڈالیگا تو کچھ نہ کچھ کامیاب ضرور ہوگا۔

میں کیا عرض کروں۔ سنتا ہوں کہ فرنگی حکومت نے اب یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو ہفتہ میں دو گھنٹے دینیات کے لیے دیے جائیں۔ اگر یہ صحیح ہے" تو "دینیات کے نصاب کو ایسا کیوں نہ بنایا جائے کہ مسائل کے چند ابتدائی رسالوں کے بعد سارے دینیات کے لڑکوں کو قرآن و حدیث کی عربی بہ تدریج پڑھائی جائے۔ میرے خیال میں دینیات کا صحیح نصاب وہی ہو سکتا ہے جسکے ذریعہ سے کلمتہ حد تک پڑھنے والے اللہ کے کلام اور رسولؐ کی زندگی و ملفوظات سے قریب ہوں۔ اور یہ بات غیر جاہلی عربی سے حاصل ہو سکتی ہے، جسکا سیکھنا اور سکھانا اردو زبان بولنے والوں کے لیے چنداں دشوار نہیں ہے۔

میں تو خیال کرتا ہوں کہ بجائے اردو کے اگر حامیان اردو حکومت سے عربی کے لزوم کا مطالبہ مدارس و کالجات میں کریں تو اس راہ سے اردو زبان اور اردو کے موجودہ حروف دونوں محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اور مذہبی تعلق کی وجہ سے نہ حکومت کو اسکے ماننے میں عذر کرنا چاہیے اور نہ مسلمانوں کو اس مسئلہ کو آگے بڑھانے میں یہ سوال اٹھانا چاہیے کہ اسکا آخرت میں کیا ثواب ملیگا۔ اور نہ ہندو یہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اردو کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے تمہارا کیا تعلق؟ ہندوستان کی اکثریت جو زبان بولیگی یا جس زبان کو پسند کریگی وہی تم اپنے لیے کیوں پسند نہیں کرتے لیکن عربی کے متعلق وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ بنگالی، گجراتی، سندھی، پنجابی مسلمانوں کو بجائے اردو پڑھنے کی دعوت دینے کے عربی پڑھنے کی دعوت زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔ اور عربی پڑھائی جائے اسکو اس طریقے سے کہ اسکی ابتدا اردو سے کرائی جائے۔ گویا عربی کی ابتدائی کتابیں اردو کی ابتدائی تعلیم سمجھی جائیگی۔ اسی کی ترقی یافتہ شکل آگے کے کلاسوں میں عربی ہوگی۔

ہا! بزرگوں کی اس نعمت کو کتنی بے قدری سے ہم ٹھکرا رہے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسی زبان ہمیں عطا کی تھی جسکے ذریعہ سے ہم چاہیں تو بہت ہی معمولی توجہ سے براہ راست حق تعالیٰ کے مخاطب بن سکتے ہیں۔ میں نے ایک چھوٹی سی کتاب "قرآنی عربی" پر لکھی ہے جو چھپ رہی ہے۔ انشاء اللہ اسکا ایک نسخہ خدمت میں حاضر ہوگا۔ اس مضمون پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مجھے یہ امید ہے کہ اردو بولنے والا آدمی اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد اس عربی کے سمجھنے میں انشاء اللہ کوئی دشواری محسوس نہ کریگا جو قرآن اور حدیث کی عربی ہے۔ بہرحال تہجد کی نماز کے بعد ساڑھے چار بجے اس خط کو لکھ کر ختم کر رہا ہوں۔ رمضان کا مہینہ ہے ہو سکتا ہے کہ شاید کسی مسجد کو فقیر کی یہ صدا پیدا کرے۔ والسلام

---

۵ کیا عرض کیا جائے، صدیوں کے حساب سے جس منزل کو قطع کرنا تھا خدا ہی جانتا ہے کہ اسباب اسکے کیا ہیں کہ مسلمانان ہند اسی منزل کو انچوں کے حساب سے طے کر رہے ہیں۔ یہی حرف کا مسئلہ ہے۔ اگر کتابی حروف نسخ کو مان لیا جائے اور نستعلیق کو صرف لکھنے کی حیثیت سے زندہ رکھا جائے جیسا کہ انگریزی وغیرہ میں بھی ہے کتابوں اور کتابت کے حروف میں کچھ فرق ہے۔ اگر ایسا ہو جائے اور ہونا کیا دشوار ہے تو پڑھانے کے لیے بچوں کو صرف نسخ میں حروف ہی کی کیا ضرورت رہ جائیگی۔ نسخ کی مطبوعہ اردو کی ابتدائی کتابیں گویا عربی حروف شناسی کی کتابیں متصور ہونگی۔ خواندگی کی صلاحیت اردو کی ان ابتدائی کتابوں سے پیدا کرا کے آگے قرآنی عربی میں لڑکوں کو لگا دیا جائے۔ اس سے ٹائپ اور ٹائپ کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا لیکن اتنی معمولی بات بھی ہنوز روز اول

نمبر ۲۰ | دوشنبہ - ذیقعدۃ الکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۶ر نومبر ۱۹۴۳ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

بمبئی یونیورسٹی کے ایک خاص معاملہ کے سلسلہ میں وائس چانسلر کی تازہ تحقیقاتی رپورٹ آپ نے انگریزی اخبارات میں پڑھ لی؟ اس کا ترجمہ اردو اخبارات میں دیکھ لیا؟ نہ سہی۔ خلاصہ یہاں ملاحظہ ہو:

"وائس چانسلر نے میٹرک کے امتحان کی بد لنظمیوں پر جو رپورٹ تیار کی ہے ... بذات خود تحقیقات کر کے رپورٹ تیار کی ہے ... مذکور کو پاس کرانے کے لیے اُسکے نمبروں میں اضافہ کرنے کی ذلیل سازشیں کی گئیں ہیں اور کئی کئی کاغذوں میں غلط اندراجات کیے گئے تھے۔ ان جرائم میں خاص طور پر حصہ مسٹر مذکور کے باپ مسٹر پردر کرنے لیا ہے جو ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ یونیورسٹی سینیٹ میں ہیڈ ماسٹروں کے نمایندے ہیں اور یونیورسٹی کے اکیڈمک کونسل کے بھی ممبر ہیں، رپورٹ کے الفاظ ہیں "مسٹر پردر کرنے اپنے آپ کو کونسل اور سینیٹ دونوں کی ممبری کا نااہل ثابت کیا"۔ رپورٹ کے مطابق، ممتحنوں، ماڈیٹروں، یونیورسٹی کے عہدہ داروں اور کلرکوں کو جرم میں سمیٹنے والی ایک خطرناک سازش تیار کرنے کے ذمہ دار مسٹر پردر کر ہیں۔ انکے علاوہ مسٹر بی، جی، اگر اور پرنسپل مسٹر شکلا نے بھی اپنے کو یونیورسٹی کے امتحان میں ذمہ دارانہ کام کرنے کے ناقابل ثابت کیا ہے۔ اسکے علاوہ مس ڈی، بی، انگلیریا، دیو، پروفیسر اوجھا، پروفیسر لیوے، مسٹر پانڈے، مسٹر کینج، مسٹر سیلا والا، مسٹر ڈیرا اور مسٹر پٹیل پر بھی فریب کاری اور دھوکا دہی کے الزامات عائد ہوئے ہیں"۔

وہ تو خدا بھلا کرے بمبئی یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر کا اور پچھلے تین وائس چانسلروں کا کہ انکی تحریک پر یہ تفتیش و تحقیقات کا قدم اُٹھایا گیا، اور اتنے ماہ تحقیقات انجام ہو کر رہے۔ ورنہ ایسی ہی خیانت بد دیانتی، جعلسازی، کنبہ پروری، دوست نوازی کا دور دورہ کہاں نہیں ہے بجز اسکے حق و تحقیقات کے "مروت" یا "دباؤ" یا لالچ یا خوشامد کی گرم بازاری سے ہندوستان کی کونسی یونیورسٹی بچی ہوئی ہے؟ بس تحقیقات کی دیر ہے مستثنیات کا ذکر نہیں۔ ورنہ عام حالت کسی درسگاہ کی کسی اعلیٰ تعلیم گاہ کی یہ نہیں؟ اور پھر نظر کو یونیورسٹیوں اور کالجوں تک کیوں محدود رکھیے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپل بورڈ، کونسا ملک کا آزاد یا نیم آزاد ادارہ، دیانت و امانت کے اعلیٰ معیار نہیں، اوسط معیار پر بھی پورا اُترتیگا؟ بنام صرف ریاستیں ہیں۔ لیکن خود برٹش انڈیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ اداروں اور محکموں کا کیا حال ہے؟ —— رشوت خواری رذالت پروری کی ان ملک گیر بیماریوں کے ساتھ بھی ہمیں اپنے سے یہ حسن ظن قائم ہے کہ ہم اپنے ملک پر آپ حکومت کریں گے اور کرلے جائیں گے!

مرضی و مشیت

ایک اسکول کے طالب علم کا خط:-

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب خدا نے دو راستے ایک اچھائی اور دوسرا برائی کا بنا دیا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ بغیر خدا کی مرضی کے ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا - تو جو شخص برائیاں کریگا تو اس میں

حج سے آئے ہوئے ابھی دو ہی ڈھائی مہینے ہوئے تھے کہ کمرہ میں سے کچھ چوریاں ہونی شروع ہوئیں، کبھی میز پر سے کچھ پیسے اُٹھ گئے، کبھی دوات چلی گئی۔ گھر کے پڑوس کے دو چھوٹے لڑکے تھے، شبہ ہر پھر کر انھیں پر ہوتا رہا۔ زبانی فہمائشیں دھمکیاں سب بے سود رہیں۔ آخر ایک روز صبح سویرے پھر کچھ رقم اُٹھ گئی۔ غصہ بہت ہی زائد آیا۔ اور کچھ مدت دیتے کے بعد انھیں لڑکوں کو مارنا شروع کر دیا۔ کمرہ زنانخانہ کے کوٹھے پر تھا، خیال بھی نہیں گزرا کہ کوئی بیرونی شخص اس میں آ سکتا ہے۔ لڑکے بے تحاشہ پٹنا شروع ہوئے، کہ عین اسی حالت میں اصل مجرم مع رقم کے گرفتار ہو کر آ گیا۔ محلہ کا ایک لڑکا تھا۔ باہر کے راستے سے سب کی آنکھ بچا کر کمرے میں داخل ہو جاتا تھا! اب سخت ندامت شروع ہوئی، کہ ان بیچاروں پر ناحق ہی اتنی مار پڑی۔ مار تو واپس آ نہیں سکتی۔ اب بجز توبہ و استغفار کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ ندامت اس پہلے اور زیادہ کہ آخر میں وہ دونوں بالکل بے قصور نکلے تھے ——— مار اکیلے کھا گئے۔ اسی دن، اسی وقت (کم ستمبر ۲۹ء) کو مولانا کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ اب تلافی و کفارہ کی صورت کیا ہے؟

جواب آیا اور بالکل حکیم الامت کے شایانِ شان:-

"اگر وہ بالغ ہیں تو اُن سے معاف کرانا ضروری ہے، اور اگر نابالغ ہیں تو کم از کم اُن سے اعترافِ غلطی اور اظہارِ ندامت اور ایک مدتِ معتد بہ تک اُن کی دلجوئی اور اُن سے فرمائشیں پوچھ پوچھ کر پورا کرنا مناسب ہے۔ اور اُن کا قصوروار ہونا اگر اخیر میں ثابت بھی ہو جاتا، تب بھی سیاست کے وقت تو یہ فعل بلا دلیل شرعی ہی ہوتا۔"

جواب کا یہ آخری جزو خاص مولانا ہی کا حصہ تھا۔ توبہ و استغفار کی حد تک تو اور بزرگ بھی جاتے، لیکن تدارک کی عملی تدبیریں، اور پھر اُن میں یہ باریک بینی اور ژرف نگاہی مولانا پر ختم ہو گئی!

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری!

اس عریضہ میں کچھ اور معروضات بھی تھے۔ ایک یہ کہ مولانا کے اُستاد مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے مکتوبات اور مولانا کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات امداد المشتاق پڑھ کر بہت ہی نفع حاصل ہوا۔ ذکر و شغل و آدابِ صوفیہ سے متعلق بہت شبہات از خود دُور ہو گئے۔ اسکا جواب:-

"میرا دل خوش ہوا کہ اپنے بزرگوں کے کلام کا نافع ہونا ایک دانشمند کی شہادت سے ثابت ہوا۔ رب اس سطر کے ایک جزو سے رجوع کرتا ہوں وہ جزو بالکل شروع کا ہے۔ کیونکہ وہ بزرگ ان شاہد کے بھی ہیں۔"

دوسرا معروضہ یہ تھا کہ صبح آنکھ دیر میں کھلنے لگی ہے معمولات رہ جاتے ہیں، اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہو گی۔ جواب باصواب:-

"حدیث میں ہے لا تفریط فی النوم۔ سعدی کا ارشاد ہے؟

ولیکن میفزا ے بر مصطفےٰ

کیا اس سے اس قدر دلگیر ہونا زیادت علی المصطفےٰ نہیں۔"

تیسری گزارش یہ تھی کہ متداول تفسیروں، خصوصاً تفسیری نکتوں میں لگتا ہے، اتنا خود قرآن مجید کی تلاوت میں نہیں لگتا۔ یہ دل کے اندر کا چھپا ہوا چور ہے۔ اس پر ارشاد ہوا:-

"اگر طاعات میں نفس کو بھی لذت ہو تو یہ خوشی کی بات ہے یا شکر کی۔ رہا کمی بیشی، تو یہ امرِ طبعی ہے، اس پر کوئی ملامت نہیں۔"

ہر خط، خط کیا ہوتا تھا ایک مستقل ہدایت نامہ ہوتا تھا۔ مفید بھی لذیذ بھی۔ ہر خط جب تک آ نہ لیتا، برابر اُس میں دل لگا رہتا۔ خطوں میں کشش ہوتی ہی اس بلا کی تھی!

دو معروضے اس عریضہ کے ابھی باقی رہ گئے ہیں۔ ایک یہ تھا کہ بھائی صاحب سہارنپور میں ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ اور جناب سے مل کر حسنِ اخلاق کے گرویدہ ہو کر واپس آئے۔ سرکاری عہدہ دار کے لیے کسی اہل اللہ سے اتنا تعلق بھی بڑی نعمت ہے۔ اب انشاء اللہ آپ کے مواعظ و رسائل کا بھی مطالعہ کرینگے۔ جواب:-

"یہ آپکا حسنِ ظن ہے کہ ایک ناکارہ سے محبت کرتے ہیں۔ میں خود اُنکی سادگی و صفائی کی تعریف کرتا ہوں"

آخری اور ایک لحاظ سے بہت اہم گزارش یہ تھی کہ اگلی بار تھانہ بھون ذرا طویل حاضری اور قیام کا قصد ہے، کوئی مہینہ سوا مہینہ کے لیے، میاں بیوی دونوں کا۔ مکان وغیرہ کا انتظام ابھی از راہِ مسافر نوازی ہم پردیسیوں کے لیے فرما دیا جائے! ——— اللہ ری سادگی اور اللہ ری کمال بے احتیاطی! شیخِ وقت کی قدر اچھی کی! ارشاد و ہدایت، وعظ و تلقین کے ساتھ ساتھ منیجری کے بکھیڑوں کی بھی فرمائش!

جواب آیا:-

"اس مضمون سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ دیر جواب میں مکان تجویز کرنے میں ہوئی۔ بعضے مکان میں نے خود دیکھے۔ میری رائے یہ قرار پائی کہ اسوقت ایک چھوٹا سا مکان جو مدرسہ کا ہے اُس میں فروکش ہو جیے۔ پھر دوسرے مکانات ملاحظہ کر لیجیے جو موافقِ طبیعت کے ہو اُسکا انتظام ہو جائے گا۔ سامان ضروری اپنے گھروں سے فراہم ہو جائیگا۔ صرف ایک فہرست دیدیجیے۔"

میں کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ بڑا ظلم کیا اُن دوستوں اور دشمنوں دونوں نے جو مولانا کو ایک خشک، مردم بیزار، اور تارک الدنیا قسم کا بزرگ اور درویش سمجھے! مولانا بزرگ اور درویش اور ذرا سب کچھ تھے۔ لیکن ان سب سے پہلے، اور ان سب سے بڑھ کر انسان تھے حقیقی انسانیت کا ایک نمونہ۔ بزرگی اور درویشی کے کمالات کو سر

دس اعتراضات

اور

انکے جوابات

نمبر (۱)

بخدمت [illegible] مولانا عبد الماجد صاحب [illegible]

[illegible] گزارش یہ ہے کہ ایک اہل حدیث صاحب نے [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام
[illegible] القاسمیہ [illegible] اس کتاب میں تمام حنفی مذہب کے بزرگوں پر
اعتراضات [illegible] کی گئی ہے مع حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کے [illegible] حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر [illegible] بعض
واقعات کی [illegible] تشویش وتذلیل کی گئی ہے [illegible]
قصہ کی [illegible] حضرت والا نے ایک خواب دیکھا تھا کہ مولانا سید
نذیر حسین صاحب المحدث دہلوی کی [illegible] کو چھپا [illegible]
اور حضرت والا نے اس خواب سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اسکے [illegible] حقیقت
تک [illegible] نہیں ہے [illegible] دور ہو گئے ہے [illegible]
گزارش [illegible] حسب ذیل ہیں امید کہ آپ اسکے متعلق تسلی [illegible]
[illegible] فرمائیں گے اور نیز اگر [illegible] کے خلاف ہو تو آپ اپنے
اخبار [illegible] ان اعتراضات کو شایع کردیں گے۔ ایک سو جلد وہ
لکھتے ہیں کہ ہم نے [illegible] کو مفت تقسیم کرنے کے لیے رکھی ہیں۔
دعا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اسکے جواب میں کوئی کتاب لکھدے تو مجھ
جیسے ناواقفوں کو حقیقت حال معلوم ہو جائے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

اعتراضات یہ ہیں :—

۱ [illegible] بڑی پیرانی صاحبہ کے ماموں کے قتل ہو جانے پر عورتوں کے
رونے کی آواز [illegible] حضرت والا کو خودکشی کے وسوسے آنے لگے
اور ایک صاحب جنکے پاس بندوق تھی [illegible] دیکھ کر تو یہ خواہش پیدا ہونے
لگی کہ میرے کو مار کر اس [illegible] پاک سے آزاد کردے تو بہت اچھا ہو۔
یہ واقعہ [illegible] کا ہے جبکہ حضرت والا تمام کمالات باطنی حاصل کرکے
[illegible] مرشد [illegible] اسکے متعلق اعتراض یہ ہے کہ یہ کیسا
[illegible] کمال ہے [illegible] کے لیے مستعد ہوگئے اور صبر وضبط نہ کیا
اور [illegible] تلقین کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

۲ حضرت [illegible] صاحبہ کے بچے جیتے نہ تھے تو حضرت
[illegible] صاحب [illegible] کے پاس لیکر گئیں کہ
حضرت کے بچے [illegible] جیتے۔ انھوں نے فرمایا کہ علی وعمر کی کشاکش
[illegible] بچے نہیں جیتے [illegible] حضرت علی کے نسب سے تھیں
اور [illegible] حضرت عمر کے خاندان سے تھے۔ اور بچوں کے نام مشترکہ
رکھے جاتے تھے [illegible] جب حضرت والا کے پیدا ہونے پر ان کا نام
اشرف علی اور چھوٹے بھائی کا نام اکبر علی رکھا گیا حضرت علی کی
مناسبت سے، تو دونوں زندہ رہے - یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور
روافض کی تقویت اور حمایت کا اور اہل سنت کی تذلیل کا۔

۳ حضرت والا کے پردادا صاحب برات میں جاتے ہوئے
کہیں راستہ میں قتل ہوگئے، تو رات کو گھر تشریف لائے اور مٹھائی
دی اور کہا اگر کسی سے نہ کہوگے تو روزانہ اسی طرح مٹھائی ملا کریگی
لیکن گھر کی عورتوں نے اس خیال سے کہ بچوں کو روزانہ مٹھائی لاتے
دیکھکر گھر کے مرد شبہہ کریں گے کہ مٹھائی کہاں سے آتی ہے ذکر کردیا۔
تو پھر وہ نہیں آئے۔ یہ عقیدہ بدعتی ہے - دوسروں کو اسکے خلاف
نصیحت کرتے تھے۔

۴ حضرت شاہ غلام رسول رسولنما جنکا مزار کانپور میں ہے -
مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی زیارت اپنے تصرف سے کرادیا کرتے تھے - حضرت فاطمہ وغیرہ
تو [illegible] عالم میں زندگی پوری کرکے چلی گئیں انکو زیارت ہوئی ہیں
دیو بندی مجدد کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی تھے کہ بیداری میں زیارت
کرادیا کرتے تھے - (باقی آیندہ)

طالب جواز جواب باصواب کا امیدوار
(قاری) عبد الرحیم پیش امام مسجد مولوی والی -
صدر بازار متصل باڑہ ہندو راؤ - دہلی

الجواب

(از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہ)

(۱) اس واقعہ میں واردات قتل اور عورتوں کے رونے کی آواز
سے خودکشی کے وسوسے نہیں آئے بلکہ مقتول کی لاش دیکھکر دل پر
چوٹ لگی، عورتوں کے رونے سے یہ اثر اور بڑھا - اس واقعہ سے
قلب متاثر ہوا - اور قلب کا ایسے حادثات سے متاثر ہونا سنت
کے موافق ہے - حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھ کر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا رنجیدہ ہونا حدیث میں مصرح ہے - پھر
ایسی حالت میں ایک وسوسہ دل میں آیا، جو ضعف قلب کی وجہ سے
دل پر اثر انداز ہوا - اس وسوسہ کی وجہ سے خودکشی کے وسوسے آنے لگے
یہ حالت صوفیہ کے نزدیک حالت قبض کہلاتی ہے - اس میں بڑے
بڑے اولیاء کو خودکشی کے وسوسے آئے ہیں، بلکہ انبیاء علیہم السلام
بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کو ایسا وسوسہ آیا ہے - حدیث
صحیح میں موجود ہے کہ اول دفعہ وحی نازل ہوکر قریب تین سال تک
وحی بند رہی (جسکو زمانہ فترۃ وحی کہا جاتا ہے) تو اس مدت میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ پہاڑ پر چڑھ کر وہاں سے اپنے کو
گراکر ہلاک کرنا چاہتے تھے کہ فوراً جبرئیل علیہ السلام سامنے آجاتے،
اور فرماتے یا محمد انک رسول اللہ حقا - انکی اس بات سے آپ کو
قرار آجاتا - مولانا رومی نے مثنوی میں شیخ محمد شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

کا واقعہ نقل فرمایا ہے کہ وہ بھی بعض دفعہ اضطراب باطنی کی وجہ سے اپنے کو پہاڑ پر سے گرا دیتے اور حق تعالیٰ سنبھال لیتے انکو مرنے نہ دیتے حضرت حکیم الامت کو تو خودکشی کا وسوسہ ہی آیا تھا - ارادہ تو کبھی نہیں کیا - ان بزرگ نے تو ارادہ بھی کیا اور اپنے کو پہاڑ پر سے گرا بھی دیا - پھر بھی انکی بزرگی و کمال کو مولانا رحمۃ اللہ درج فرماتے ہیں - اور وسوسہ کے بارے میں تو صحیح حدیث موجود ہے: ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورها ما لم تعمل او تتکلم - اور قرآن سے ثابت ہے کہ وسوسے سے انبیاء علیہم السلام بھی معصوم نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہے - فوسوس الیہ الشیطان قال یا آدم هل ادلک علی شجرۃ الخلد و ملک لا یبلی (سورۂ طٰہٰ) و ما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاته (سورۂ حج) وسوسہ کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر کیا کہ حرام موت کے لیے مستعد ہوگئے تھے ... حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑ کے اوپر سے اپنے کو گرا کر ہلاک کر دینے کا قصد و ارادہ مذکور ہے -

(۳) اس واقعہ میں کسی عقیدہ کا اصلاً ذکر نہیں - یہ مذکور ہے کہ حضرت کی نانی صاحبہ حضرت کی والدہ کو حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی کے پاس لے گئیں - ان حافظ صاحب کا خود بھی نانا صاحب کے یہاں آنا مذکور ہے - نانا صاحب کو ان سے عقیدت تھی ... سے محبت تھی - وہ اکثر خود ہی تھانہ بھون آیا کرتے تھے - ایک دفعہ آئے تو نانی صاحبہ نے اپنی لڑکی کے لیے دعا کی درخواست کی - بزرگوں سے دعا کی درخواست کرنا کون سا حرام ہے؟ آگے ان مجذوب صاحب کا ایک مقولہ مذکور ہے جسکا مطلب مولانا کی والدہ نے سمجھا اور کسی نے نہ سمجھا - اس سے مولانا کی والدہ کی فہم و ذکاوت کا اظہار مقصود ہے کہ اہل اللہ کی باتوں کو خوب سمجھتی تھیں - یہ کونسا جرم ہے - اسکے بعد مجذوب صاحب کا دعا فرمانا اور پیشین گوئی کرنا مذکور ہے کہ دو لڑکے ہونگے ایک کا نام اشرف علی رکھنا وہ میرا ہے - دوسرے کا نام اکبر علی رکھنا وہ تمہارا ہے - اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت کی پیدائش ایک بزرگ کی دعا سے ہوئی ہے جس میں اما بنعمۃ ربک فحدث پر عمل ہے - مقصود تو حضرت اسقدر تھا درمیان میں مجذوب صاحب کے مقولہ اور اسکے مطلب کا بھی ذکر آ گیا ہے مجذوبوں کی باتوں کا شریعت میں جو درجہ ہے وہ حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات و رسائل میں جا بجا موجود ہے - اس لیے عقیدہ کے درجہ میں انکو وہی شمار کر سکتا ہے جو مولانا کے طریق و مسلک سے ناواقف ہے یا قصداً ناواقف بنتا ہو رہا یہ کہ حضرت نے خاص اس واقعہ میں یہ کیوں نہ فرما دیا کہ یہ مجذوب کی بات ہے اسکا التفات نہ کیا جائے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت کی والدہ نے جو مطلب بیان فرمایا جسکی مجذوب صاحب نے بھی تصدیق کی - اس میں کچھ شرعی قباحت نہ تھی - اسکا مضمون یہ تھا کہ باپ کی

اولاد کے نام باپ کے نام کے ہم وزن تھے، عبد الحق، فضل حق وغیرہ آئندہ ان کے خاندان کے وزن پر رکھے جائیں - یہ کشف اس مقام کے متعلق نہ تھا خاص اسی موقع کے متعلق تھا - ممکن ہے یہاں اس تاثیر کی یہ وجہ ہو کہ باپ کے خاندان والوں کو اپنی اولاد کے ناموں کے ساتھ علی کا لانا ناپسند ہو، کیونکہ فاروقی اپنے کو علویوں سے افضل اور انکو کمتر سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو انکی یہ ناپسندیدگی ناپسند ہوئی اس لیے مجذوب کے ذریعہ متنبہ کر دیا گیا کہ اس ناپسندیدگی کو دل سے نکالو جملہ خلفائے اربعہ تمہارے سر کا تاج اور محبوب ہیں، کسی کے نام سے انکار اور ناپسندیدگی اور کشاکشی اچھی نہیں - غرض عمر اور علی کی درمیانی کشاکشی کا یہی مطلب تھا کہ فاروقی اپنی اولاد کے نام میں علی کا لگانا پسند نہیں کرتے - بتلائیے اس میں اہل سنت کے خلاف کونسی بات ہے - کیا اہل سنت حضرت علی کے نام سے کشاکشی کو پسند کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں -

(۴) یہ عقیدہ بریلویوں ہی سے مخصوص کیوں ہو گیا؟ کیا جملہ اہل سنت حیات شہداء کے قائل نہیں؟ اور کیا شہداء کا بعد موت کے زندہ نظر آنا ممکن نہیں؟ علامہ سیوطی نے کتاب شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور میں متعدد واقعات اس قسم کے نقل کیے ہیں جنکو کسی نے بھی بریلویوں کے عقیدہ پر محمول نہیں کیا -

(۵) حضرت سے بیداری میں جو زیارت ہوئی ہے وہ ایک قسم کا کشف ہے - اور کشف کا درجہ مولانا کے مواعظ و ملفوظات وغیرہ میں مذکور ہے - پس نہ اس سے ان بزرگ کا صحابہ سے افضل ہونا لازم آتا ہے نہ صحابہ پر نقص لازم آتا ہے - مولانا کے نزدیک یہ بات قبر رسول اللہ کی بیداری کی زیارت سے بدرجہا افضل ہے - پھر صحابہ کو اسکی کیا ضرورت تھی جبکہ قبر رسول انکے سامنے موجود تھی - (باقی آئندہ)

قرآن مجید کے ترجمے

محکمۂ اطلاعات کے ایک اعلامیہ سے واضح ہے کہ "حکومت سرکار عالی نے حسب فرمان خسروی بلا عربی متن کے قرآن مجید کے اردو ترجمہ یا ترجموں کو ممنوع الداخلہ قرار دیا ہے"

بغیر متن کے اردو ترجموں کا رواج اس عہد کا ایک بڑا فتنہ ہے۔ سابقہ کتب الٰہیہ میں تحریف کا موقع اسی وجہ سے باطلوں کو مل گیا تھا اور اور سب سے بڑا نقصان اس رواج سے یہ پہونچا تھا کہ اصل کتب ہی غائب ہو گئیں اور صرف ترجمے ہی ترجمے رہ گئے اور اس کے سبب معلوم کرنے کا موقع ہی جاتا رہا کہ تحریف کس قدر کیا ہے اور اصل کیا۔ اعلیٰ حضرت ... نے اپنے اس حکم محکم کے ذریعہ سے اس آخری دین کی بڑی خدمت فرمائی - اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت کے امکان سے محفوظ فرما دیا ہے -

(رہبر دکن)

مراسلہ ۔ تقویٰ و مدارج صوفیہ

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ایک خاص تحریک کے حامل ہیں۔ اس تحریک کے دور مخصوص تشکیل نہ جماعت کے مالک ہیں۔ اشارات ترجمان القرآن رمضان ۶۲ھ جلد ۲۳ عدد ۲-۳ کے آخری حصہ میں تقریب اشاعت کے متعلق مولانا کے خیالات نظر سے گزرے۔ کسی اور کی تنقید و تبصرہ اس بارے میں نہیں گزرا۔ میں اپنے خیالات اس بارے میں بھیج رہا ہوں اور امید کہ آپ ان اشارات کا مطالعہ فرماتے ہوئے ان اہم مسائل پر روشنی ڈالیں گے۔ تاکہ ایک بڑے گروہ کے تزکیۂ نفس کے اصول اور اس سے بڑھ کر مدعا کے حقیقی ہونے پر جو اعتراضات پہنچا کیے گئے ہیں وہ عوام کے مغالطہ کا باعث نہ ہوں۔

عالم غیب و شہادت کی بالکل جداگانہ حیثیت پر بحث انتہائی کوشش کے نظرانداز ہونے سے پیدا ہوئی۔ ہو الظاہر و الباطن میں ایک ہی کے تجلیات ہیں۔ عالم غیب میں جو باطن ہے وہ عالم شہادت پر ظاہر ہے۔ لقاء اللہ کے لیے اللہ اور بندے میں آنحضرت خاتم النبیینؐ ہی ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ہونے کا اثبات ہے۔ اور یہی بندہ کو اللہ سے ملانے والا رشتہ ہے۔

مقامات عالیہ کے مدارج جداگانہ ہیں۔ عالم غیب کے تجلیات کشف و الہام مقامات عالیہ میں سے ہیں۔ مقامات صحابہ میں سے کسی بلند مقام پر نہ پہونچ سکتا۔ مقامات عالیہ کشف و الہام کی نفی نہیں کرتے۔ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی اور مراتب عالیہ کا اظہار کرتے ہوئے روحانی ترقی کا انکار ناقابل فہم ہے۔

تقوے کی بحث میں انفرادی و اجتماعی حیثیت کے انتہائی مقامات کو نظرانداز کرتے ہوئے عالمگیر اثرات سے قطع نظر کیا گیا۔ اور عالیہ رجحانات و جذبات آزادی و اجتماعیت سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

(مولوی شاہ) ابو احمد غلام دستگیر (گلبرگہ۔ دکن)

صدق ۔ انھیں مباحث پر مراسلہ نگار کا ایک مفصل مضمون آیندہ اشاعت میں نکلے گا۔

غلط اعتراض

[مراسلہ ذیل "زمزم" لاہور میں شایع ہوا ہے]

"ایک "مبصر" صاحب" "صدق" مورخہ ۲۔ ستمبر ۴۲ء میں علامہ موسیٰ جار اللہ کی ایک عربی تصنیف میں اس فقرے پر کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں اس حدیث مہدی موعود والی کو مہدی عباسی پر محمول کیا ہے"۔ لکھتے ہیں کہ" حوالہ درج نہیں کہ کس صفحہ و باب و فصل میں۔ اور غالباً افتراء محض ہے"۔

"مبصر" صاحب نے جس جسارت سے علامہ جار اللہ پر افترا کا الزام لگایا ہے۔ اس سے "مبصر" صاحب کی دیدہ دلیری اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ازالۃ الخفاء کوئی انسائیکلوپیڈیا برٹینکا نہیں تھا کہ وہ ذرا کوشش کرتے تو اس میں مطلوبہ حوالہ نہ مل جاتا۔ باہم "مبصر" صاحب کی اطلاع کے لیے نگارش ہے کہ راقم الحروف نے دس پندرہ منٹ کی جستجو سے وہ حوالہ نکال لیا ہے۔ چنانچہ حوالہ مقام ازالۃ الخفاء کے ص۱۵۶ پر ہے۔ اگر اخبار میں گنجایش ہوتی۔ تو میں ساری عبارت ہی نقل کر دیتا۔ مگر امید ہے کہ مبصر صاحب خود ہی اسے مطالعہ کر لیں گے۔

کیا اب توقع کی جا سکتی ہے کہ مبصر صاحب "صدق" ہی تسلیم کرکے کہ علامہ موسیٰ جار اللہ نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرف جو بات منسوب کی ہے۔ وہ "افتراء" نہیں ہے اپنے تقویٰ و دیانت کا ثبوت دیں گے؟

بشیر احمد۔ بی۔ اے۔ نمبر کوچہ نقشبند ۲ لاہور

بقر عید اور ممتاز دار الیتامیٰ لکھنؤ

ممتاز دار الیتامیٰ جس نے تقریباً سو بچوں کے خورد و نوش اور تعلیم و صنعت کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے اس گرانی کے زمانہ میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسکی امداد میں امکانی حصہ لے۔

اس یتیم خانہ میں نہ صرف یو۔ پی بلکہ دوسرے صوبوں کے بچے بھی پرورش پاتے ہیں۔ جنکی ترتیب کے لیے پرائمری و صنعتی اسکول ہیں اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر کے اداروں میں بچے بھیجے جاتے ہیں۔ جن کی ہر قسم کی کفالت یتیم خانہ کرتا ہے۔

بیرون لکھنؤ کے مخلص مسلمانوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مقامی طور پر چرم ہائے قربانی جمع کرائیں اور مناسب قیمت پر فروخت کرکے رقم مولوی عبد المجید صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر) آنریری سکریٹری ممتاز دار الیتامیٰ انجمن اصلاح المسلمین لکھنؤ کے نام ارسال فرمائیے۔

نیازمند خلیل احمد عباسی۔ سپرنٹنڈنٹ انجمن

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری اسی ماہ نومبر ۴۲ء میں تمام ہو رہی ہے بہربانی کرکے اپنا چندہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر کو بھیجدیں تاکہ پہلی دسمبر ۴۲ء کو وی پی نہ روانہ کیے جائیں:۔

خریدار ۱۸۹ و ۳۰۵ و ۳۲۰ و ۳۶۴
و ۶۵۴ و ۶۶۶ و ۶۷۴ و ۹۲۲
و ۹۲۶ و ۹۳۰ و ۹۳۶ و ۱۱۴۵
۱۱۷۴ ۱۱۷۸ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں
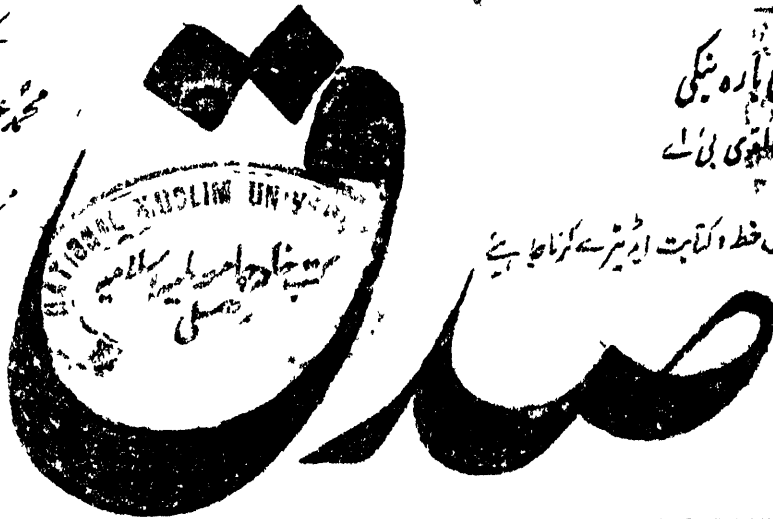
نمبر ۳۴ | دوشنبہ | محرم الحرام ۱۹۶۴ھ مطابق ۸ - جنوری ۱۹۶۵ء عیسوی | جلد ۱۰

سچی باتیں

یورپ کے شمال، بالکل شمال میں روسی لاپستان (لاپ لینڈ) سے کے بحر ابیض میں ایک بندرگاہ ہے کرہان۔ علاقہ تمام تر برفانی۔ قطب شمالی کی نواح۔ ۱۹۱۸ء کا وسط ہے، اور جنگ عظیم ابھی زور وشور سے جاری ہے، کہ ایک برطانوی جہاز ATTENTIVE برطانوی ساحل سے اس بندرگاہ کو روانہ ہوا۔ اور عین اسوقت جنتری میں رمضان کا ماہ مبارک آپڑا۔ اور دنیا کے جس خطہ میں بھی مسلمان آباد ہیں، روزے رکھے جا رہے ہیں۔ برطانیہ کے اس جہاز پر بہت سے مسلمان خلاصی ملازم ہیں۔ بے علم، ان پڑھ، جغرافیہ سے ابجد، تاریخ سے ناآشنا۔ "اقلیم سکندر و دارا نخواندہ ایم" کے پورے مصداق، لیکن بہرحال اسلام کے کلمہ گو۔ بیچاروں نے روزہ رکھ لیا۔ اور اب افطار کے لیے شام کا انتظار شروع ہوا۔ شروع ہوا لیکن ختم ہونے کا نام ہی نہیں آتا۔ شام نہ اب ہوتی ہے نہ جب۔ یا اللہ! یہ دن کتنا بڑا ہو گیا! روز قیامت کی درازی یاد آنے لگی! غریبوں کو کیا خبر تھی کہ جہاز اس علاقہ سے گزر رہا ہے، جہاں نہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اور نہ شام ہوتی ہے!

خبر نہیں تھی، نہ سہی۔ یقین دلانے سے تو یقین آجاتا، نہ آیا۔ کافروں کی بات کا دین کے معاملہ میں اعتبار ہی کیا! اللہ اللہ! کیا پختگی ایمان کی تھی! عہد صحابہ میں نہیں، خود تابعین میں نہیں، اسی بیسویں صدی عیسوی کے ۱۹۱۸ء میں! اور درویشوں اور عالموں کی نہیں، ان پڑھ جہازی خلاصیوں کی! وقت گزرتا گیا، اور ضعف وناتوانی بڑھتی گئی۔ آفتاب نہ آج غروب ہوتا ہے نہ کل! نوبت غشی کی آنے لگی! اور پھر غشی سے بڑھتے بڑھتے ——— آپ روایت کو آخر تک سننے کے لیے تیار ہیں؟ ——— درجہ ہلاکت کا پہونچ گیا۔ اور روزہ دار پر روزہ دار، روزہ کی خوشبو منہ میں لیے ہوئے، جنت کی خوشبو سونگھنے روانہ ہونے لگا! انگریز افسروں کی سمجھ میں کوئی اور تدبیر نہ آئی بجز اسکے کہ جہاز کا رخ مثلاً انگلستان کی طرف پھیر دیا جائے۔ اور جہاز جب برطانی علاقہ میں پہونچ گیا، جہاں آفتاب کا طلوع وغروب معمولی طور پر ہوتا رہتا ہے، جب جاکر روزہ داروں نے افطار کیا، اور بیچاروں کی جانیں بچیں!

روایت کے راوی سر ڈبلو، ٹی، آرنلڈ ہیں۔ (اسلامک فیتھ ص ۳۶۔ لندن) علیگڈھ کے قیام اور سرسید اور مولانا شبلی کی صحبت سے بہت کچھ ہمدرد اسلام ہو چکے تھے۔ لیکن تھے بہرحال مسیحی ہی۔ اس واقعہ کو اپنی کتاب میں اس امر کی شہادت اور مثال میں پیش کیا ہے کہ مسلمان اپنے ارکان دین کی تعمیل میں کتنے پختہ اور مضبوط ہوتے ہیں۔ مثال مسٹر آرنلڈ کو مسلمانوں کی دینی پختگی اور ایمانی جمود کی ملی بھی تو وہی ان پڑھ نچلے خلاصیوں کے طبقہ میں! کاش اسکے اوپر ہی نمونے انھوں نے "تعلیم یافتہ" "علم نواز" علیگڈھ میں دیکھ لیے ہوتے! وہاں کے استادوں میں، وہاں کے طلبہ میں، وہاں کے شعبہ دینیات کے علماء میں! کاش اسکے کوئی ایسے نمونے ہماری آپ کی نظر سے بار بار آپ کے جلسے سے گزرتے رہتے!

غلط فہمی نہ ہو۔ خلاصیوں بیچاروں سے دکھا دیا انکے نقش کو ...

عالم و فاضل ہیں، اُنہی درجہ کے اُردو کے ادیب و انشا پرداز بھی ہیں —
اور عزیز مجذوبی تو اُنکا حصہ ہے۔ خوش نصیب ہے اُنکا وہ معاصر جو اُنکے
سامنے زانوئے ادب تہ کرے!

حال میں چودھری خوشی محمد ناظر مرحوم کی وفات پر جو مضمون انہوں نے
تحریر فرمایا ہے، اُسکی تمہید میں دو چار سطریں "نئے ادیب" پر بھی لکھ گئے
ہیں —— صفحۂ کاغذ پر الفاظ و حروف کے نقش نہیں ہیں، تختۂ
چمن پر ہرے بھرے پھول کھلا دیے ہیں، خوش رنگ و شاداب۔ ارشاد
ہوتا ہے:—

"آجکل کے نئے نرالے ادیب، نئے ادب کے نقیب، یہ سمجھتے ہیں کہ
وہی اپنے زمانہ کے نئے نرالے ہیں۔ حالانکہ نیا اور پرانا ہونا ہمیشہ اس
طرح سے ہوتا آیا ہے، جس طرح جوان اور بوڑھا ہونا۔ اب اگر کوئی آج
کا جوان یہ سمجھے کہ دُنیا میں وہی پہلی مرتبہ جوان ہوا ہے، تو وہ غلطی کرتا
ہے۔ اسی طرح آج کے ادیب و شاعر جو ادب کو زندگی سے وابستہ کرنا
چاہتے ہیں، اگر وہ یہ سمجھیں کہ وہی پہلی دفعہ یہ راگ الاپ رہے ہیں، تو
اُنکے اس خیال کو حماقت کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر پھر کیا کہوں؟"

ادب و انشا کے سیکھنے والے طلبہ کے لیے ایسی عبارتیں نمونہ کا
کام دے سکتی ہیں۔

صاحب "کی فوج

(۱) "ہندوستان میں فرنگی عورتیں اور زیادہ
تعداد میں لائی جائیں، بعض عہدوں کے لیے۔

(۲) فوجیوں کے لیے ریڈیو بڑی تعداد میں مہیا کیے جائیں۔ اور

(۵) بینڈ اور ساز زیادہ تعداد میں منگائے جائیں اور آرٹسٹ
خصوصاً "اسٹار" اور ایب نشاطہ کی بڑی تعداد مہیا رہے

(۸) فلم تیار کرنے والے سامان میں اضافہ کیا جائے۔

(۹) بیر (   ) شراب کی مقدار میں کمی نہ ہونے پائے"

(پانیر۔ ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۳ء)

یہ اُن تجویزوں میں سے چار تجویزیں ہیں، جو لارڈ منسٹر لے سٹہرنتا میں
برطانوی فوجیوں کی فلاح و بہبود سے متعلق پیش کی ہیں، اور جو یقین ہے
کہ منظور ہو کر رہیں گی! —— غریب مشرقی، اور پہلی صدی ہجری کے
فاتح عراق و ایران و شام و مصر مجاہدین کو نظر میں رکھنے والے مسلمان کا
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے!

خلاصۂ مراسلات

(از جانب مدیر)

محمد امین صاحب قیصر سکریٹری آزاد لائبریری مل ٹولہ آگرہ نے
مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر ایک لائبریری و دارالمطالعہ قائم
کیا ہے۔ اور اسکے لیے انہوں نے اپنے مراسلہ میں کتابوں کی
اپیل کی ہے۔

سورۂ بقرہ رکوع ۲۰

(سلسلۂ صدق)

(از عبد الماجد)

۱۶۲- إن في خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار والفلك التي تجري في البحر بما ينفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فاحيا به الارض بعد موتها وبث فيها من كل دابة وتصريف الرياح والسحاب المسخر بين السماء والارض لآيات لقوم يعقلون۔

یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں اُن چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے اللہ نے اُتارا، پھر اس سے زمین کو اسکے مُردہ ہونے کے بعد جلا اُٹھایا، اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب) میں اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں۔[۵۱۵]

---

[۵۱۵] (اللہ کی حکمت و ربوبیت، قدرت، صناعی اور اسکی فردیت کی)۔
زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھکر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، بجائے خود اسکی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی صاحب شعور، صاحب ارادہ، قادر مطلق ہستی انکی صانع و خالق نہ ہو۔ ان سارے مظاہر فطرت کا تسلسل و استمرار، انکی یکرنگی و باقاعدگی، انکا نظم و انضباط، ہر عقل سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ انکے عقب میں ایک ذی اختیار فعال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے —— اُسی عقل سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہر فن اور صناع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے!

اور یہ خلاق ہستیاں اگر بصیغۂ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کیجائیں تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق ان سارے امور کے لیے کافی نہ تھا۔ اس سے اُسکا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کسی کی ربوبیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد و یکتا بھی ماننا پڑیگا۔

خلق السموات والارض۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ نہیں۔ مشرک قوموں نے انہیں معبود مانا ہے، اور صاحب تصرف و حاجت روا دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے انکی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ خلق سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی، سلسلۂ مشتہ کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح، مخلوق ہی ہیں۔ اور آگاہ کر دیا،

وعزیٰ، منات، وغیرہ قسم کے الفاظ سب بے معنی اور مہمل ہیں۔

الّیل والنّہار۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے جنھوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحب ارادہ تصور مان کر انھیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور ان کی پوجا کی ہے۔ یہاں انکے اختلاف (ادل بدل) کا ذکر کرکے یہ بتایا ہے کہ ان کا غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا، زمانہ کے جس بیچارے اجزاء تو خود اپنی حرکت تک پر بھی قادر نہیں۔ قادر مطلق ہی ان میں رات دن الٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔

الفُلک۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہوگئی تھی۔ اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں ایک "انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کرلیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔

فُلک کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لانچیں، ڈریڈناٹ، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض اور کل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہوسکیں، وہ سامان جنگ ہو یا سامان تجارت یا سامان تفریح ہو، ما ینفع الناس (انسان کو فائدہ پہونچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام و مشترک ہے۔ ما ینفع الناس کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی صنع و صنعت کی ہر شکل شئے اس میں آگئی۔

اے بالذی ینفعھم من التجارات و سائر المآرب التی تصلح بھا احوالھم (قرطبی)

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعوے ہے تو اس نمک، مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ما ینفع الناس کا عموم ان سب کو شامل ہے۔

السّماء کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہوچکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لیے عام ہے۔ ما انزل اللہ لاکر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اسی خدائے واحد و حیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔

دابّۃ عام ہے ہر حیوان کے لیے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزو اعظم تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان، وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلی، سانپ، بچھو، وغیرہ کی پوجا برابر ہوا کی ہے۔

زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمایش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی سی چیز ہے تو بھی اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے، تو، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں، اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی، کیسی عظیم الشان کاریگری، کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے!

فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اسکے اور چاند، سورج، اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اسکی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کردی ہے۔ آفتاب سے اسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہونچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دست قدرت اس تک لا رہا ہے؟

آسمان اگر ٹھوس، مادی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا میں محض حد نظر ہیں تو بھی ہر صورت میں انکی وسعت، ساخت، ترکیب، ہیئت انسانی دسترس، انسانی دماغ کی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! گنتی شمار سے باہر ثوابت و سیارے کی حرکت کا انتظام کون قائم کیے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی اور انکے طلوع و غروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظام فلکی کے بے شمار اجزاء و عناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت و صنعت کے کام سے زندہ ہے؟

رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آرہے ہیں؟ گرمی اور سردی اور برسات، ہر موسم میں انکے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ مختلف ملکوں میں انکے طلوع و ظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے۔ جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھانے کے ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں!

بحر زخار، سارے بر اعظموں کو اپنی گرفت میں لیے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چوگنا، اپنی اس ساری عظمت و ہیبت کے باوجود کس طرح مشت خاک انسان کے قبضہ میں آگیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، ان میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر، اوپر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان اسکے بڑے سے بڑے ٹکڑوں کو طے کیے رکھ دیتا ہے! اس میں مد و جزر جب ہوگا، قمری مہینے کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا، ایک مخصوص و متعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اوپر تیرائیگا، اور اسکے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دیگا۔ اسکے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا۔ کنوئیں کے پانی، دریاؤں کے پانی سے مختلف۔ اس طرح کے سیکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند اسے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت نے کر رکھا ہے؟

بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں یا خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا، بخارات کا ایک خاص گرمی پاکر سمندری ذخیرۂ آب سے اٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی لگ کر خاکی و ہوائی اجزاء کا منجمد ہو جانا، انکا بادل کی شکل اختیار کر لینا، ایک خاص درجۂ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا، پھر فلاں فلاں ہوائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا، پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں ایک متعین مدت کے اندر برس پڑنا، اس سے از سر نو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے دور، بول کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی گویا ہوئی شہادت دے رہے ہیں!

پھر حیات نباتی کے علاوہ خود حیات حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے ہر ذی روح جسم میں بیشمار ذرات اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے، انکی ہر ایک

مخصوص ترتیب اور متعین ترکیب ہوتی ہے - ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس کھف میں تغیر اس اجتماع میں انتشار پیدا کردیتی ہے - نظام تغذیہ، نظام تنفس، نظام تناسل، نظام عصبی، وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بیشمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظام اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت اکس کی حکومت کا - فرما ہے ؟

اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ چینی سے کام لیا جائیگا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ گہرا ہوتا جائیگا، جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ و سائنس کا نقطۂ سفر غلط ہوتا ہے، اسکی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علوم مادی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کردیا جائے، تو بجائے الحاد و ارتیاب و تشکک کے، عرفانات و ایقانات حق کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں -

مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے، اور یہی اصل ہے مراقبۂ صوفیہ کی

زندگی کے لیے سفر

(شمس آباد سے دیوبند تک: مولوی محمد زاہد الحسینی صاحب کا مختصر سا سفرنامہ)

دیوبند اپنے روحانی مربی کی کفش بوسی سے مشرف ہوکر واپس آگیا ہوں الحمد اللہ کیا ملا، تحریر سے باہر ہے - اور میں کیا وصول کرسکا وہ بھی ناگفتہ بہ ہے انکی محبت بھی لا انتہا ہے اور میری بدبختی بھی بے نظیر، مگر یہ سعادت ہی کیا کم تھی کہ جناب فیض مآب کا دیدار ہوا - آخر خالق کائنات نے بھی تو سب کچھ نثار کرنے والے کو یہ انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے - عالیجاہ! میرے پاس وہ طاقت نہیں کہ اس سفر کی برکات زیر قلم کروں - میں نے اسکا نام اپنی زبان میں زندگی کے لیے سفر منتخب کیا ہے - امید کہ جناب کو پسند ہوگا -

دیوبند حاضر ہوا - حضرت نے دیدار دیتے ہی فرمایا آپ کو کس نے کہا کہ یہاں آئیں - میرے جیسے گستاخ نے جواب میں خاموشی کب اختیار کرنی تھی فوراً عرض کیا آپ نے!

کھانا ساتھ کھایا اور حضرت مظفر گڈھ پنجاب ڈسٹرکٹ کانفرنس کی صدارت کو تشریف لے گئے - یہ سیہ کار قطب الارشاد کی آرامگاہ کی زیارت کو سہارن پور چلا - مولانا عبید الرحمن صاحب اخص بجاز حضرت عارف تھانوی اور صدر اعلیٰ مظاہر علوم، اتنی رحمت کا ظل - آپ میں بدرجۂ کامل موجود ہے میزبان ہوئے - یہ سیہ کار اور اللہ کی ایسی رحمتیں - اب بھی اگر اس بے حیا کو بدکاریوں سے رکتے ہوئے حیا نہ آئے تو بے حیائی کی بھی حد ہے - وہاں سے سیدھا گنگوہ شریف پہنچا - بجیہیڑہ راستہ میں آیا - در و دیوار اس امر کی شہادت دے رہے تھے کہ سنت نبی علیہ السلام بلکہ کائنات عالم کے لائحۂ عمل کو زندہ کرنے والے اس سرزمین میں گزرے ہیں راستہ میں متعدد جگہوں پر مندر اور بت خانے ملے جو دور سے بالکل ہمارے بعض غیر متشرع فقیروں کے مناظر سے مشابہ تھے -

اس سفر میں ایک خاص مسئلہ حل ہوا ہے کہ علمائے یو - پی کو بدعات کی تردید میں شدت اختیار کرنے پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ علاقہ کی عام ذہنیت تھی[1] - بارک اللّٰہ لہم و شکر اللّٰہ سعیا عیہم -

گنگوہ شریف پہونچا - حضرت حافظ یعقوب صاحب قطب الارشاد کے نواسے اہل الجنة بلہ کے مصداق ہیں اور رانا من المتکلفین کا مظہر ہیں - چائے نوشی کے بعد ایک آدمی ساتھ کردیا - حضرت کے اس حجرہ کی زیارت کی جس میں علم و عرفان کا خزانہ قیام پذیر تھا اور جہاں سے عرب و عجم نے نور حاصل کیا تھا - اس حجرہ کی بنا ۹۴۰ھ کو حضرت ابراہیم لودھی نے حضرت علامہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تیار کیا تھا - پھر قطب الارشاد نے اسے آباد کیا - پھر مزار قطب الارشاد پر حاضر ہوئے - نور و رحمت برس رہی تھی، سادگی اور کمال شان عبدیت ظاہر تھی - اللہم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین یاد آیا - واپسی پر شیخ محبوب الٰہی کا مزار تھا جسکے تعویذ پر یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اسکو ایک ہندو لالہ پرشاد داس انبالوی نے بنوایا تھا - سکان اگر مسلمان ہو تو اسکی مٹی بھی غیروں کے ہاں معظم و مکرم ہوسکتی ہے -

حافظ صاحب نے رات کو گنگوہ رکھا - عجیب ندامت ہوئی - ہاتھ خود دھلائے بلکہ وضو کرتے ہوئے پوایان خود لاکر میرے پاؤں میں رکھ دیے - الغرض رات کو وہاں آرام کیا - صبح کو واپسی سہارن پور ہوئی - وہاں سے دیوبند آیا - حضرت مدنی کی خدمت میں چار دن رہا - اعزاز الملۃ والدین شیخ الادب نے خوب تکلف دعوت دی - دیگر اساتذہ نے عزت نوازی سے مشرف فرمایا - حضرت کے دربار سے تو بہت کچھ ملا دار العلوم کے کتبخانہ سے فائدہ اٹھایا - آخر ۱۸ - ذیقعدہ کو واپس چلا آیا - حالات تو حد سے زیادہ ہیں مگر میری طاقت نہیں کہ لکھ سکوں - اور طبیعت بھی اجازت نہیں دیتی کہ آپ کا قیمتی وقت ضائع کروں - ہو المسک ما کررتہ یتضوع -

---

[1] مضافات سہارنپور کے علاقہ تو پھر بہت غنیمت ہیں - بدعات کا پورا زور اودھ اور اضلاع مشرق میں ہے -

---

بقیہ فہرست خریداران صدق کی فہرست نمبر

وی ۱۲۰۰ - وی ۱۲۰۱ - وی ۱۲۰۳ - وی ۱۲۰۵

وی ۱۲۰۸ - وی ۱۲۱۰ - وی ۱۲۱۱ - وی ۱۳۲۱

وی ۱۳۲۳ - وی ۱۳۲۵ - وی ۱۳۲۶ - وی ۱۳۲۸

وی ۱۳۲۹ -

مہتمم

کتاب العشر والزکوٰۃ پر ایک نظر

(از مولانا شاہ عز الدین صاحب ندوی پھلواروی)

صوبۂ بہار میں ایک ادارہ امارت شرعیہ کے نام سے قائم ہے جسکا دفتر پھلواری شریف میں ہے۔ یہ ادارہ اپنے ذاق و مسلک کے مطابق دین و ملت کی خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔

ادارہ نے موقع بموقع مختلف رسالے اور مضامین زکوٰۃ و عشر سے متعلق شائع کیے ہیں۔ ابھی حال میں اس نے ایک کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" کے نام سے شائع کی ہے، اور زبانی گفتگو میں اظہار رائے کی خواہش کی گئی ہے یا اجازت دی گئی ہے۔ کتاب میں نے از اول تا آخر کئی مرتبہ بغور پڑھی ہے۔ کتاب میں تین ابواب میرے نقطۂ نظر سے زیادہ لائق توجہ ہیں۔ (۱) امام کی ولایت عامہ (۲) مسئلہ اموال باطنہ (۳) مسئلۂ حمایت اسلام

ان تین مباحث پر لائق مصنف نے اپنے زاویۂ نگاہ سے لمبی لمبی بحثیں کی ہیں۔ اور غالباً یہی تین مباحث انکی کتاب کی جان یا شاہکار ہیں۔ لیکن ان تین اہم مسائل پر فاضل مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ خود انکی تشفی کا سامان مہیا کر سکتا ہو لیکن عام علماء اسلام کے نزدیک صد درجہ محل نظر اور تشنۂ دلیل ہے

میں متوکلاً علی اللہ کافی عرصہ سے ایک ایسی کتاب تالیف کر رہا ہوں جو میرے نزدیک حرف آخر کا حکم رکھتی ہو۔ اور پھر اسے علماء اسلام کی خدمت میں اپنی آخری تشفی کے لیے پیش کروں۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

سردست میں کتاب العشر والزکوٰۃ کے دو مسئلوں پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ جن میں ایک کا تعلق فرضیت زکوٰۃ کی تاریخ سے ہے، اور دوسرے کا نقود دسونے چاندی کی زکوٰۃ سے۔

(۱) جناب مصنف نے امام کی ولایت عامہ کے ضمن میں یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ امام کو اخذ زکوٰۃ و عشر کا حق محض ولایت عامہ (جو مصنف کے نزدیک صرف ایک روحانی سیادت کا نام ہے) کی وجہ سے ہے۔ یعنی امام کو زکوٰۃ کی وصولی کا حق اموال زکوٰۃ کی حفاظت و صیانت کے بدلے میں نہیں ہے بلکہ محض شرعی ولایت کی بنا پر ہے۔ یعنی وہ بسبب الحمایت کے متفقہ اصول کی اس چودھویں صدی میں مجتہدانہ تردید فرما جاتے ہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں جہاں مختلف دلیلیں انھوں نے پیش کی ہیں وہاں ایک عجیب و غریب دلیل وہ ہے جسے موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۲ میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں "بسبب الحمایت کا تخیل تاریخی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں"۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک چونکہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی اور سنہ ۲ھ میں مسلمان اپنی جان و مال کی جہت سے مطمئن نہیں تھے، اور انکو امام کی بابت حاصل نہیں تھی، اس لیے حمایت امام کو وصولی زکوٰۃ کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ میں سمجھتا ہوں اسوقت صرف ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتا ہے کہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض نہیں ہوئی ہے اور یہ فاضل مصنف کی ایک تاریخی چوک ہے۔ اسکے بعد یہ مسئلہ از خود واضح ہو جائیگا کہ بسبب الحمایت کے اصول کو اس سے کوئی نقصان پہونچتا بھی ہے یا نہیں۔

اسلام میں دو عبادتیں ایسی ہیں جنکا عہد نبوت سے ثبوت ملتا ہے ایک نماز دوسرے زکوٰۃ۔ اور اسی وجہ سے تقریباً ۳۲ جگہوں میں نماز و زکوٰۃ ایک ساتھ مذکور ہیں، لیکن ہر جگہ زکوٰۃ کے معنی وہ مصطلح شرعی (قانونی زکوٰۃ) نہیں ہیں بلکہ عام خیرات و صدقات ہیں اور یہ عام (غیر قانونی) زکوٰۃ کا لفظ کہیں تو خود لفظ زکوٰۃ کے ساتھ مستعمل ہے کہیں حق و صدقات کے ساتھ۔ قرآن مجید میں جابجا دونوں طریقے موجود ہیں۔ قرآن مجید کی ابتدائی سورتیں مثلاً سورہ مدثر میں: ولا تمنن تستکثر، کسی پر احسان بدلا چاہنے اور تعریف سننے کے لیے مت کرو۔ یہاں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہو رہا عام صدقہ کی تعلیم ہے۔ سورۂ مدثر کے بعد سورۂ مزمل نازل ہوا۔ یہاں بھی اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فرمایا گیا نماز میں قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یہاں بھی صاف انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے۔ پھر سورۂ بلد میں بھی او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ اور بھوک کے دنوں میں رشتہ کے کسی بن باپ کے بچے کو یا خاک میں پڑے ہوئے کسی محتاج کو کھانا کھلانا۔ یہ آیت بھی مکی ہے۔ اس میں بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے۔ سورۂ دہر میں ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا وہ مال کے ضرورتمند ہونے کے باوجود محتاج، یتیم، اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ان مختلف آیتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مختلف انداز میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم ابتداء اسلام سے جاری تھی۔ اب مسلمانوں کے مختلف مکالموں اور ضروریات دین کی تبلیغ میں ملاحظہ فرمائیے تو وہاں بھی یہ زکوٰۃ موجود نظر آئیگی۔ بعثت کے پانچویں سال جب حضرت جعفر طیار سلسلۂ ہجرت حبشہ گئے اور نجاشی نے اسلام کی تعلیم دریافت کی تو انھوں نے احکامات اسلام میں زکوٰۃ کا بھی تذکرہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سنہ بعثت میں وفد عبد القیس کے سامنے منجملہ اوامر و نواہی دین کے زکوٰۃ کا بھی تذکرہ کیا۔ سنہ ۶ بعثت میں نجاشی کے پاس آنحضرت نے نامۂ مبارک بھیجا تو نجاشی نے حضرت ابو سفیان رضی کی موجودگی میں غنیمت جان کر ان سے اسلام کی تعلیم پوچھی تو انھوں نے اور تعلیمات کے ضمن میں زکوٰۃ و صدقہ کا بھی ذکر کیا (اگرچہ وہ خود اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان شواہد سے بھی معلوم ہوا کہ لفظ زکوٰۃ (مشرح اور قانونی طریقۂ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے بھی) استعمال کیا جاتا رہا۔

یہ تو مکی زندگی کا حال تھا۔ جب مدنی زندگی کا آغاز ہوا اور انصار و مہاجرین نے مواخات کی اور کچھ کاروبار کا موقع ملا تو سنہ ۲ھ میں صدقۃ الفطر واجب ہوا اور پھر صدقہ و خیرات کی تعلیم کی تاکید کی جاتی رہی۔ بعض اشخاص کی دریافت پر کہ وہ کیا خیرات کریں،

سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ویسئلونک ماذا ینفقون۔ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خیرات کریں۔ فرما دیجیے کہ ضرورت سے فاضل۔ پھر بقرہ کی متعدد آیتیں اسی مطلب کی نازل ہوئیں۔ مثلاً یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم۔ اے مسلمانو! اپنی کمائی کی اچھی اور پاک چیزیں خیرات کرو۔ اور ومما رزقنٰہم ینفقون اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس سے وہ خیرات کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی مدنی زندگی میں خیرات و صدقات و زکوٰۃ کی مسلسل تعلیم اور تذکرے نے بعض علماء تاریخ و حدیث کو پریشانی میں ڈالا اور لفظ زکوٰۃ کو دیکھ کر انھیں اشتباہ پیدا ہوا اور انھوں نے اسے قانونی زکوٰۃ سمجھ کر سنہ فرضیت میں دھوکا کھایا۔ اسی لیے بعضوں نے سنہ ۲ھ کو فرضیتِ زکوٰۃ کی تاریخ قرار دیا۔ حالانکہ سنہ ۲ھ وجوب صدقۃ الفطر کی تاریخ تھی۔

زکوٰۃ کے سلسلہ کی سب سے آخری شرح اور قانونی آیتیں دو ہیں اور اتفاق سے دونوں سورۂ توبہ (براءت) میں موجود ہیں۔ پہلی انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا الخ۔ اور دوسری خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا۔ پہلی آیت سنہ ۸ھ کے آخر میں نازل ہوئی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی تشکیل فرمائی۔ دوسری خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم الخ قطع نظر اس بحث کے کہ اس سے صرف وہ منافقین مراد ہیں جنھوں نے بعد میں توبہ کر لی تھی یا تمام مسلمان، جمہور مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے ان مسلمانوں کی شان میں ہے جو غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے اور غزوۂ تبوک سنہ ۹ھ میں ہوا۔ الغرض زکوٰۃ قانونی کی فرضیت سنہ ۸ھ میں ہوئی اور اسی آیت انما الصدقات الخ نے اسکے مصارف کی تعیین کی اور باضابطہ اسکی شرح و مقدار و شرائط کا اعلان ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۹ھ کی ابتداء میں بروایت ابن القیم و طبقات ابن سعد عاملین صدقہ کا تقرر فرمایا۔

ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ ودخلت سنۃ تسع بعث المصدقین یاخذون الصدقات من الاعراب[1]۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور سنہ ۹ھ شروع ہوا تو مصدقین کو اعراب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

قال ابن سعد قالوا لما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال المحرم سنۃ تسع بعث المصدقین یصدقون العرب[2]۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم سنہ ۹ھ کا چاند دیکھا تو عربوں سے وصولی صدقات کے لیے مصدقین روانہ کیے۔

تو معلوم ہوا سنہ ۸ھ بعد الفتح سے سنہ ۹ھ تک زکوٰۃ کی آئینی و قانونی تشکیل ہوتی رہی اور بیت المال کا قیام، محصلین کی روانگی اور انکو ہدایات ملتی رہیں۔ اس تشریح کے بعد یہ بات صدور بہ قابل غور ہے کہ اگر زکوٰۃ (شرعی قانونی) سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی تو اس وقت نہ مصارف زکوٰۃ کی آیت بھی نازل نہیں ہوئی تھی نہ عاملین صدقہ کا تقرر ہوا تھا، آخر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۲ھ سے سنہ ۸ھ تک اسکو جمع اور تقسیم کس طرح فرماتے تھے اور اس مدت میں آپ کا کیا عامل رہا جبکہ نہ مصارف زکوٰۃ متعین تھے نہ عاملین کا تقرر ہوا تھا نہ ضابطہ کے طور پر بیت المال ہی تھا اور نہ اسکے مصارف زکوٰۃ متعین تھے۔ اس لیے یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی تھی اور وہ امن اور نظام اسلام کی استواری کا زمانہ نہیں تھا اور آنحضرتؐ قوم کی صیانت و حفاظت پر قادر نہ تھے اس لیے حق وصولی زکوٰۃ کو حمایت و حفاظت کی علت قرار دینا صحیح نہیں، سرے سے ناقابل قبول ہے۔ جبکہ زکوٰۃ (شرعی قانونی) سنہ ۲ھ میں نہیں سنہ ۸ھ میں فرض ہوئی اور سنہ ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا اور اسلام کو مادی طاقت حاصل ہو چکی تھی جسکا صاحب کتاب کو خود اعتراف ہے۔ اس وضاحت کے بعد اب فرضیت زکوٰۃ کی غلط تاریخ کو بنیاد قرار دے کر سبب الحمایت کے مضبوط اور مستحکم مسئلہ کو رد کرنا کسی طرح درست نہیں۔ نیز بسبب الحمایت کے مسئلہ پر علحدہ سے جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس سے اہل علم اندازہ فرمائینگے کہ بسبب الحمایت کے نظریہ وصول کی تردید میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ کتنا وزن رکھتے ہیں اور انکی کیا حیثیت ہے۔

فاضل مولف اگر اس سلسلہ میں سیرۃ النبی جلد پنجم بھی ملاحظہ فرما لیتے تو شاید یہ فرد گذاشت نہ ہوتی۔ اور بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی ہے تو بھی عاملین صدقہ کا تقرر اور مصارف زکوٰۃ اور عاملین کو ہدایتیں یہ سب تو اس سنہ ۹ھ تک عمل میں آئیں جو اسلام کی مادی طاقت کا زمانہ تھا۔ اس لیے زکوٰۃ کی فرضیت کی تاریخ خواہ کچھ ہو بسبب الحمایت کے مسئلہ پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا اور وصولی زکوٰۃ کا حق امام کو صیانت و حمایت قوم کی بنا پر ہوتا جو بہر حال اجماعی مسئلہ ہے اپنی جگہ پر برقرار رہیگا۔ ہمیں امید ہے کہ لائق مصنف اپنے اس خیال پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

(۲) چاندی کا نصاب دو سو درم ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا ذرا دشوار ہے کہ دو سو درم کی ہندوستانی حساب سے کیا مقدار ہوگی۔ کیونکہ درم کی مقدار کو قیراط اور جو وغیرہ سے معلوم کر لینے کے بعد اور پھر تولہ اور ماشہ کی طرف تحویل کرنے میں بھی دقتیں پیش آتی ہیں اسکے لیے ہندوستانی وزن کی جہت سے علماء کا اختلاف رہا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جو درم زکوٰۃ وغیرہ میں معتبر ہے وہ فقہاء کی تصریح کے مطابق دس درم سات مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے دو سو درم ایک سو چالیس مثقال کے برابر ہوئے۔ اور ایک مثقال کا فقہی وزن سو جو کے برابر ہوتا ہے اور سو ہندوستانی جو کا ہندوستانی

[1] زاد المعاد ابن القیم ص[illegible] طبع نظامی کانپور۔
[2] بواسطہ ابن القیم۔

وزن ۴ ماشہ ایک صحیح ۱/۵ رتی ہے۔ اس حساب سے ایک سو چالیس مثقال جو دو سو درم کا ہموزن ہے۔ ہندوستان کے سُناری وزن کے مطابق ۳۶ تولہ ۵ ماشہ قریب چار رتی کے ہوا۔ اور یہی چاندی کا نصاب ہے۔ صاحب کتاب العشر والزکوٰۃ نے اسی رائے کو معتبر قرار دیا ہے اور اوزان زکوٰۃ میں اسی رائے کو احوط بتایا ہے۔ نیز حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ سرخ اور جو کے تقابل سے جو حساب نکالا ہے اس کا حاصل بھی یہی ۳۶ تولے ۵ ماشے قریب ۴ رتی کے ہوتا ہے۔ لائق مصنف اس مقدار کو تو صحیح مانتے ہیں لیکن مولانا عبد الحی صاحب نے جس بنیاد پر اسے صحیح بتایا ہے اُسے تسلیم نہیں کرتے۔ پھر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مقدار بتائی ہے اس سے وہ متفق نہیں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ اس حساب و دقت نظر از رجحان بین کے سلسلہ میں اس اصلی بنیادی بات کی طرف علماء امارت نے توجہ نہیں کی جو اس سلسلہ کی مضبوط کڑی تھی۔

اصل یہ ہے کہ عموماً طور پر جَو سے ہندوستان کے جَو سمجھے گئے اور یہی ہندوستانی سو عدد جَو ایک مثقال کے برابر ہوئے مگر یہ بات ذہن میں نہ رہی کہ فقہاء نے جن سو عدد جَو کو ایک مثقال کے برابر بتایا ہے وہ انکے اپنے ملک کے جَو تھے جو ہندوستان کے جَو سے ڈیڑھ گونہ بڑے ہوتے ہیں اور راقم الحروف نے پنجاب اور بہار کے غلوں کو مقابلہ کرکے وزن و حجم میں کافی چھوٹا بڑا محسوس کیا ہے اسکا بیّن ثبوت کابل اور ہندوستان کے چنے کے تقابل سے ملتا ہے۔ اس لیے سو ہندوستانی جَو کا وزن ۳ ماشہ ایک صحیح ۱/۵ رتی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سو عراقی یا ماوراء النہری جَو بھی ۳ ماشہ ایک صحیح ۱/۵ رتی کے برابر ہو جائیں۔ اس چیز کو سمجھ لینے کے بعد اب اگر ایک کابلی یا عراقی یا ماوراء النہری جو کو ایک ہندوستانی سے ڈیڑھ گونہ بڑا قرار دے کر حساب کیا جائے تو وہ سو جو ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور اس مثقال کا طبی وزن بھی ساڑھے چار ماشہ ہے۔ لہٰذا دو سو درم یعنی ایک سو چالیس مثقال ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی تو سال تمام ہونے پر اسے اسکا چالیسواں حصہ یعنی ایک تولہ ۳ ماشہ چھ رتی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

نصاب کی جہت سے یہ وہ صحیح مقدار ہے جس پر عمل کرنا اور عمل کے لیے پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور اس مقدار سے کم کوئی مقدار صحیح نہیں ہو سکتی اور اب احوط و غیر احوط کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جبکہ سرے سے ۳۶ تولے ۵ پانچ ماشے ۴ رتی مقدار نصاب بن ہی نہیں سکتے۔ اور بالفرض اگر اسے احوط مان بھی لیا جائے تو کیا بساں قوم کو اداسے احوط کی تعلیم دی جا رہی ہے وہاں دوسری صورت میں مسلمانوں کا مال بغیر حق اللہ حاصل کرنے یا صرف کرنے کی وعید کا خطرہ نہیں پیدا ہوتا۔ احتیاط تو اس موقع پر کی جا سکتی ہے جہاں مقدار نصاب میں تھوڑا فرق ہو۔ اور جہاں اتنا کافی تفاوت ہو وہاں احتیاط کے کیا معنی

اس تفصیل کے بعد ۳۶ تولے ۵ ماشے قریب ۴ رتی کو چاندی کا مقدار نصاب قرار دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

اس موقع پر بھی جناب فاضل مصنف سے امید ہے کہ وہ اپنی رائے پر نظرثانی فرمائیں گے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

صدق۔ مضمون، صاحب مضمون کی شخصیت کے احترام میں شایع کر دیا گیا۔ ورنہ فقہ کی ایسی جزئی تدقیقات صدق کے موضوع سے خارج ہیں۔

بیمہ کی شرعی حیثیت

(مولانا مفتی کفایت اللہ کا فتویٰ)

ایک کتاب "بیمہ اور اسلام" مولفہ چودھری محمد لال نظر سے گزری۔ جسے بیمہ کمپنیاں جواز کی صورت میں پیش کرکے لوگوں کا بیمہ کر رہی ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۵۶ پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی کے فتوے کی حذف شدہ عبارت درج کی ہوئی ہے۔ وہو ہذا:۔

"لیکن جو لوگ کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر مباح قرار دیتے ہیں۔ اُنکے لیے بھی گنجایش ہے۔ کیونکہ ہندوستان کا دارالحرب ہونا ہی راجح ہے"۔

اس پر حضرت مولانا موصوف سے درخواست کی گئی کہ آپ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اپنی مفصل رائے سے اطلاع بخشیں۔ چنانچہ حضرت مولانا موصوف کا حسب ذیل جواب آیا۔

"بیمہ کی حقیقت ربا اور قمار سے مرکب ہے۔ اور یہ دونوں حرام ہیں۔ اس لیے بیمہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ میری طرف جو عبارت منسوب کی ہے وہ ایک طویل بحث کے چند فقرے ہیں۔ دارالحرب قمار یا سود کے ذریعہ کفار سے رقم حاصل کر لینے کی تو اباحت ہے۔ مگر بیمہ کمپنیوں میں تو ہزاروں مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور انکی رقم بھی شامل ہوتی ہے۔ اور اس پر سے تمام شرکاء کو خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر انٹرسٹ دیا جاتا ہے۔ تو گویا مسلمان مسلمان سے بھی سود لیتا ہے۔ اس لیے دارالحرب کے مسئلہ سے بیمہ کا جواز مشتبہ ہے۔ دستخط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (ترجم)

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل اصحاب کی میعاد خریداری ماہ جنوری ۱۹۲۵ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ کرم آیندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ یکم فروری ۱۹۲۵ء کو وی پی روانہ ہونگے۔ اس صورت میں ۵ رفی وی پی زائد خرچ ہوگا۔

خریدار نمبر ۲۲۰، نمبر ۳۴۳، نمبر ۵۹۱، نمبر ۵۹۹
نمبر ۶۶۰، نمبر ۶۹۵، نمبر ۷۲۰، نمبر ۷۳۱
نمبر ۷۴۳، نمبر ۷۴۶، نمبر ۹۰۸، نمبر ۹۳۰
نمبر ۱۰۴۶، نمبر ۱۱۹۲، نمبر ۹۶، نمبر ۱۱۹۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

اڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبد القوی - بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

رشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی تین

بیرون ہند سے سالانہ

قیمت فی پرچہ دو آنہ

صدق

نمبر ۳۵ | دوشنبہ | محرم الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

الشہر الحرام بالشہر الحرام - قرآن مجید کی آیت کا ٹکڑا ہے - ذکر حرمت والے مہینوں کا ہے۔ یہ ماہ حرام یا حرمت والے مہینے کیا چیز ہیں؟ — قمری عربی سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحج، وہ تھے جن میں عرب میں، لڑائی اور ہر قسم کی لوٹ مار موقوف رہتی تھی۔ مہینوں کی یہ حرمت، اسلام کی قائم کی ہوئی نہیں، اسلام نے اسے صرف برقرار رکھا تھا۔ دستور یہ جاہلی قبیلوں کا تھا۔ عرب جاہلی کے قبیلے جنگجوئی میں آج تک ضرب المثل چلے آتے ہیں۔ خوب لڑتے، خوب جھگڑتے، خوب لوٹ مار کرتے گویا یہی مشغلۂ زندگی تھا۔ لڑائی چھڑ جاتی، تو برسوں نہ ختم ہوتی۔ یہ قبیلہ اُسکا معاون بن گیا، اُس نے اسکے ساتھ اتحاد کر لیا۔ عمریں، پشتیں جنگ ہی میں گزر جاتیں۔ آج اس نے اُس پر تاخت کی، کل اُس نے اسکا صفایا بول دیا۔ اس سارے ذوقِ خوں ریزی اور جنونِ خوں آشامی کے باوجود، بارہ مہینوں میں پورے چار مہینے صلح و امن کے گزرتے تھے۔ سال کی پوری ایک تہائی چین سے گزرتی۔ جنگ کا کھٹکا نہ رہتا، اور ڈیڑھ ہزار سال کا وحشی و غیر مہذب انسان اطمینان کی نیند سو سکتا۔

ایک جاہلیت، موجبِ صد ننگ و رسوائی، جاہلیت وہ تھی۔ ایک آج کی، بیسویں صدی کی، مہذب ہی نہیں، مہذب ترین قوموں کی ہے! جنگ کا چھٹا سال چل رہا ہے، تلوار، خنجر اور نیزہ درکنار، توپ کے گولوں، بندوق کی گولیوں، ہوائی بمباریوں، بری، بحری، ہوائی ہر قسم کی آتشباریوں کی جنگ کا چھٹا سال چل رہا ہے۔ مہذب جنگ آزماؤں نے بھی اس دوران میں کبھی تعطیل منائی؟ سال میں چار مہینے نہ سہی، ایک مہینہ بھی حرمت والا کبھی انکی جنتری میں آیا؟ مہینہ کا بھی ذکر چھوڑ دیے۔ کسی ایک ہفتہ، کسی ایک دن کا بھی احترام انکی توپوں، اسکے طیاروں، انکی آبدوزوں، نے کیا ہے؟ کرسمس (بڑے دن) کا نعتہ بھی انکے ہاں آیا اور گزر گیا، انکی تقویم کے سالِ نو کے یومِ سعید (نوروز) کا آفتاب بھی انکے سروں پر طلوع ہوا اور غروب ہو گیا۔ ایسٹر کی چھٹیاں بھی انکی کچہریوں اور دفتروں اور مدرسوں میں ہوتی رہیں، ان میں سے کسی کا کچھ بھی اثر انکی آتش افشانیوں پر، انکے آتش فشاں کارخانوں پر، انکی خوں آشام کارروائیوں پر پڑا؟ — اور حال یہ ہے کہ (بجز ایک جاپان اور پھر چین کے) یہ سب کے سب عیسائی ہیں! اپنے کو "شاہِ امن" مسیح کا پرستار بتاتے ہیں وہ اپنی مسیحیت پر فخر کرتے رہتے ہیں!

جاہلیتِ عرب کو جتنا بُرا بھلا چاہے کہہ لیجیے، سمجھ لیجیے۔ لیکن ہر حال وہ نقشِ اول ہی تھی۔ جاہلیتِ فرنگ اسکا ترقی یافتہ، بہت زیادہ، کئی گنا ترقی یافتہ نقشِ ثانی ہے! یہ ترقیاں بھلا اُسے کب نصیب تھیں — عارف و حکیم، اکبر الٰہ آبادی تو اسکے قائل تھے، کہ اپنی بعض "ترقیوں" کے لحاظ سے، شیطان کے لاڈلے تو خود شیطان کو بھی بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں! اسے

اُسے اقرار اغوا ہے یہ اغوا کو چھپاتے ہیں علیہ اللعن ہے شیطان لیکن اُس کا اچھا ہے
بہت مبہم تھا ما معرکہ ثانی ہے اسے اکبر اشارہ ہے کہ یہ شیطان آخر کن سے اچھا ہے

اللھم ارنا الحق حقاً وارنا الباطل باطلاً - اے اللہ ہمیں چیزوں کو اُنکی اصلی حالت

کے ایک اور مجموعہ ثلاثیات اور ایک مشتبہ تفسیر القرآن کے علاوہ ان کی جانب سے ایک اور رسالہ تنویر العینین فی رفع الیدین فی الصلوٰۃ کے نام سے بھی منسوب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ جلد اول صفحہ ۷۸۳ و ۷۸۵)

محمد بن اسمٰعیل البخاری (۸۱۰ء تا ۸۷۰ء) احادیث محمدی کے مشہور ترین مجموعے کے مصنف، بخارا میں ایک ایرانی خاندان میں ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ احادیث کی نقل و جمع و تحقیق میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ پھر انہوں نے تمام عالم اسلامی کی سیاحت مصر سے سمرقند تک کی۔ اور روایت ہے کہ ایک ہزار آدمیوں سے زائد سے انہوں نے تین لاکھ حدیثیں صحیح و موضوع سماعت کیں۔ وہ عقائد میں جمہور پسند تھے، اور عقلیت کے قائل نہ تھے۔ اور احمد بن حنبل کے دوست اور محترم تھے۔ فقہ میں وہ غالباً شافعی تھے۔ ۱۶ سال کی سیاحت کے بعد وہ بخارا واپس آئے، اور جب اپنی صحیح تیار کی

... مستند حدیثوں کا مجموعہ ہے اور ابواب میں اس طرح مرتب کیں کہ بغیر کسی متداول فقہی مسلک کی ماتحتی کے خود ایک مسلک فقہی بن جاتا ہے ۲۵۶ھ میں مضافات سمرقند میں خرتنگ میں حالت جلاوطنی میں وفات پائی۔ صحیح کو مسلمانوں میں قرآن کے بعد ہی ... تقدس حاصل ہے اور ان کا مزار ایک زیارت گاہ ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۴۔ صفحہ ۳۴۲ طبع چہاردہم)

جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ حج کو گئے تو بخارا سے مکہ تک راستہ میں برابر حدیثوں کی سماعت کرتے گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے فن کے مسلم امام ہو گئے۔ انکا حافظہ اور استحضار اس غضب کا تھا کہ انکے معاصرین کو وہ ایک کرامت نظر آتا تھا۔ انکی تربت پر زائرین جوق جوق جمع ہوتے ہیں اور یقین یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں دعائیں کرنے پر قبول ہو جاتی ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۴ صفحہ ۴۱۲ طبع یازدہم)

بخاری نے اپنی صحیح کا نسخہ ۸۷۰ء (۲۵۶ھ) سے قبل ہی شایع کر دیا، اور مسلم نے بھی اپنی صحیح کا، اسکے چند ہی سال بعد یہ دونوں کتابیں بعد کی ساری فقہی کتابوں کا ماخذ بن گئیں۔ اور انہوں نے (اہل سنت کے) مذہب کو ایسی تقویت پہنچا دی، جسکا جواب شیعہ اور معتزلہ دونوں سے نہ بن پڑا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۵)

بخاری اس طبقہ کے اولین شخص ہوئے ہیں جنہوں نے حدیثوں کے مجموعہ کو خوب جانچا اور پرکھا۔ یہ تنقیدی طریقہ بہت مفید ثابت ہوا۔ اور بخاری کی صحیح کا استناد اس وقت سے آج تک مسلم چلا آ رہا ہے۔ حدیثوں کے کچھ مجموعے تو بخاری سے قبل بھی تیار ہو گئے تھے۔ لیکن راویوں پر جرح و تنقید اور اسناد کی تحقیق انکے زمانہ سے چلی۔ بخاری کے ابواب (پیراگراف) اور تراجم (پیراگرافوں کے عنوانات) سے ظاہر ہے کہ وہ فقہ کی مکمل کتاب تیار کر رہے تھے۔ انکی صحیح کی "کتب" میں تقسیم نہیں ترتیب منطقی کے مطابق اور مناسب ہے۔ بہ حیثیت مجموعی انکی کتاب ابتدائی اسلام اور عربی تمدن کے مطالعہ کے لیے ایک اہم ترین ماخذ ہے، خود بخاری کی یہ صحیح نہایت بڑی احتیاط سے نقل ہوئی ہے۔ (ٹوری (TORREY) کا مقدمہ، انتخاب صحیح بخاری SELECTION FROM THE SAHIH of AL BUKHARI) انکی احتیاط اور نقل حدیث صحیح میں شدت اہتمام کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ وہ ہر حدیث کے نقل کرنے سے قبل حق تعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کر لیتے تھے۔" (ہیوز کی ڈکشنری آف اسلام، صفحہ ۴۲)

مشورے اور گزارشیں

(س۔ علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی)

نمبر (۳۱)

س۔ اب میرا قیام شہر ... سے کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر قصبہ ... میں ہے۔ یہ بہت چھوٹا سا مقام ہے۔ یہاں کا سارا ماحول مشنری ہے مسلمانوں کی کوئی آبادی نہیں۔ ہماری آبادی عیسائی ہے۔ عورتوں کا بڑا زور ہے۔ تمام کی تمام نیم عریاں رہتی ہیں۔ شرم و حیا کا نام نہیں۔ اللہ پاک انکے فتنہ سے محفوظ رکھے۔ دعا کیجیے گا۔

ج۔ دعا کر دی۔ بیشک یہ فتنہ سخت ترین فتنوں میں سے ہے۔ خصوصاً جوان عمر والوں کے لیے۔ لیکن ایمان اگر پختہ ہے تو مقابلہ کچھ دشوار بھی نہیں۔ نگاہیں نیچی، دل میں اللہ کی خشیت، بدچلنی، بدنظری کی دنیوی و اخروی خرابیوں کا استحضار۔ بلا ضرورت میل جول سے احتیاط۔ اور سب سے بڑھ کر بے حیائی اور بے عصمتی کی زندگی کی بے رونقی اور تحقیر یہ کافی سے زیادہ سپر کا کام دے سکتی ہیں۔ اکبر کا یہ شعر برابر یاد رہے

اے بتو تم کو تیاؤں سمجھے کیا آتا ہے

سب یہ تمہیں ہیچ سمجھنے میں مزا آتا ہے!

س۔ گنتی کے چند مسلمان ہیں، وہ بھی رسمی مسلمان۔ نہ علم ہے اور نہ مذہب کا کچھ پاس اور احساس۔ خدا کا شکر ہے کہ وہاں کچھ مسلمان نماز کے لیے آ جایا کرتے ہیں۔

ج۔ بس اسی مسجد کو حقیقی معنی میں دینی مرکز بنا کر کام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان بنانے کی سعی حکمت و تدبیر کے ساتھ شروع کر دینی چاہیے۔ اخلاص میں اللہ نے بڑی برکت رکھی ہے۔ دل کا درد اور نیت کا اخلاص علم کی کمی کی تلافی بڑی حد تک کر سکتا ہے۔ دو پختہ مومن بھی کسی بستی میں اگر ہوں، تو دو سو غیر مسلموں پر بھاری ہیں۔ اچھا لٹریچر انہیں چند مسلمانوں کے سامنے بار بار پیش کیا جائے۔ پھر رفتہ رفتہ جب ان میں خود شوق و رغبت پیدا ہو لے تو بڑے سے اچھے مبلغوں کو بلایا جا سکتا ہے۔

س۔ یہاں نہ کوئی عالم دین ہے نہ کوئی محقق۔ کوئی ایک آواز بھی کان میں نہیں پڑتی۔

جب تو اور زیادہ موقع کام کرنے کا، اپنے اخلاق کے ثبوت دینے کا، اور اجر کے حاصل کرنے کا ہے۔ دل تنگ ہونے کے بجائے اس پر تو اور خوش ہونا چاہیے۔

س۔ سارا ماحول عیسائی اور مشنری ہے۔ اللہ پاک اپنا فضل فرمائیں۔ اور ہمیں اپنے دین پر قائم و ثابت رکھیں۔

ج۔ آمین۔ ان شاء اللہ یہ تو ضرور ہی ہوگا۔ لیکن ہمت اتنے ہی پر نہ ختم ہو جانا چاہیے۔ بلکہ بڑھ کر غیر مسلموں میں تبلیغ کرنا چاہیے۔ البتہ زبانی تبلیغ سے کہیں زیادہ موثر عملی تبلیغ ہوگی۔ کاروبار میں تقوے و تدین، معاملات کی صفائی، وعدہ کی سچائی، بے طمعی، قناعت، سادہ زندگی، شراب، جوئے، جھوٹ، وغیرہ کی ہر قسم اور درجے سے احتیاط، اللہ پر بھروسہ، نامحرموں کے لیے زبان اور آنکھ دونوں پر پہرہ، یہ مرد مومن کے وہ بے پناہ ہتھیار ہیں کہ بڑا سے بڑا دشمن بھی انکے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہوگا ——— غیر صالح، فاسقانہ اور جاہلی ماحول میں اسلامی طہارت و تقوے کا اگر کوئی عملی نمونہ چلتا پھرتا نظر آ جائے تو تہذیب جاہلی تو بے اختیار پکار اٹھیگی! [illegible] شیطان میں اپنی اسکیموں کی نفاذ کی عملی قوت ذرا سی بھی نہیں۔ وہ صرف خیال پر اثر ڈال سکتا ہے۔ گندگی کو خوشنما گوبر کو عطر کر کے دکھا سکتا ہے۔ لیکن جسکی نظر حقیقت بیں و حقیقت شناس ہو چکی ہے، اس پر ان شعبدوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے؟

س۔ ان حالات میں مجھے کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے اور کن کن اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ج۔ جواب اوپر کے سوالات کے ضمن میں آ چکا۔

س۔ مجھے فکر ہے کہ یہاں کہیں سے علم دین حاصل کروں اور کن کن کی صحبت میں بیٹھوں۔

ج۔ جتنا علم دین حاصل ہے عمل کے لیے وہ بھی کافی سے زائد ہے۔ اصل ضرورت انہیں اعمال دین میں رسوخ و استقامت کی ہے۔ زندہ صالح و متشرع ہستیاں جہاں نہ میسر آ سکیں، وہاں اصلاحی کتابوں، رسالوں وغیرہ کی صحبت و معیت کافی ہے۔

س۔ لکھنؤ میں اکثر علماء کی صحبت نصیب ہوتی رہتی تھی اور کچھ علم دین حاصل ہوتا رہتا تھا، اب اس سے بالکلیہ محروم ہو گیا ہوں۔

ج۔ جو چیز بے بس اور اختیار کی نہ ہو، اس پر زیادہ حسرت و افسوس کرنا فعل عبث ہے۔

س۔ ایک عرصہ سے تہجد ادا نہ کر سکا۔ بعد عشا کے آٹھ رکعت پڑھ لیتا ہوں۔

ج۔ یہ بھی کافی ہے، اور اتنی توفیق پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ باقی فکر تہجد کی بھی لگی رہے اور جو اسباب اسکے ترک کے ہوئے ہیں، انکے ازالہ کی تدبیروں سے دل غافل نہ ہونے پائے۔

س۔ آج رات ایک خواب دکھائی دیا۔ ایک مجمع تھا، اس میں [illegible] مولوی ... صاحب کی مشابہت کے ایک آدمی تھے۔ اور اکثر خواب میں اسی مشابہت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے کچھ باتیں عمل کے لیے بتائیں اور کہا کہ ان شاء اللہ کامیاب ہو گے۔ وہ باتیں یاد نہیں رہا۔

ج۔ خواب میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی لطیفۂ غیبی، دیکھنے والے کے لیے مانوس و محبوب شکل میں آ کر اسکے دل کو ڈھارس دے جاتا ہے۔ ان مولوی صاحب سے مناسبت و موانست دونوں ظاہر ہیں۔ انہی شکل کا خواب میں نظر آ جاتا اور اس سے تسلی پانا بالکل قدرتی ہے۔ اور یہ بھی مومن کے لیے اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان ہے۔

س۔ آجکل آپ کی کتاب "قصص و مسائل" نامی مطالعہ کر رہا ہوں۔ مذہبی و اخلاقی معلومات کے لیے مجھے کون سی کتاب کا مطالعہ کرنا بہتر ہوگا۔

ج۔ اپنے نفس کی اصلاح، اپنے امراض باطنی کا علاج، اپنے میں اخلاص و خشیت کی تقویت اگر مقصود ہے تو اسکے لیے بہترین کتابیں مولانا تھانویؒ کے سیکڑوں مواعظ اور تربیت السالک وغیرہ کی مجلدات ہیں۔ روزانہ زندگی کے فرائض بھی اس میں آ گئے۔

باقی اگر "روشن خیال" دنیا کی گمراہیوں سے مطلع ہو کر انکا مقابلہ کرنا اور اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی مسائل سے متعلق پختگی حاصل کرنا ہے، تو مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریریں مطالعہ کی جائیں ——— یہ دو نام نمونہ کے طور پر ہیں۔ بصیرت پیدا ہو جانے کے بعد اپنی نگاہ خود اپنے لیے انتخاب کر لیا کریگی۔

س۔ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو فوراً بہت سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کی طرف سے دھیان ہٹ جاتا ہے۔

ج۔ ارادۂ "خضوع" جسکا سوال میں ذکر ہے، اپنی طرف سے انسان بس اتنے ہی کا مکلف ہے۔ اسی کا اہتمام رہے۔ اور دھیان رہے کہ اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔

دنیوی خیالات جو "پیدا ہو جاتے ہیں" انکا مضائقہ نہیں۔ البتہ اپنی طرف سے ہرگز پیدا کیے نہ جائیں۔

بد اخلاق نوجوانوں کا علاج

اس ہفتہ دہلی کے ایک مقامی کالج کی چند لڑکیاں نئی دہلی جا رہی تھیں۔ چار نوجوان طلباء انکے پیچھے ہو لیے، اور انھوں نے لڑکیوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ ان لڑکیوں نے فہمائش کی کہ یہ لڑکے اپنی اس کمینہ حرکت سے باز آئیں۔ مگر اس فہمائش کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر لڑکیوں نے ان لڑکوں کو پکڑ لیا اور کفش کاری شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین لڑکے تو بھاگ گئے۔ ایک کو لوگوں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اور پولیس اب باقی تینوں کی تلاش کر رہی ہے۔

بغیر واقفیت کے راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑنا یا گندہ مذاق کرنا یکسر ایسا غنڈہ پن ہے، جو یقیناً کفش کاری کا مستحق ہیں، بلکہ راہ چلنے والے شرفا کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے حالات میں لڑکیوں کی دامے، درمے، قدمے، یا دستے امداد کریں، اور جب کفش کاری ہو رہی ہو تو اس میں وہ بھی حصہ لیں۔ (ریاست)

فرنگی مورخ کی زبان

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۔ حیدر آباد دکن)

وہابیوں کی تحریک کے متعلق ہنٹر کی کتاب کا حال میں ایک صاحب نے ترجمہ کیا ہے ۔ اس کا کل مطالعہ کر رہا تھا ۔ بیچ بیچ میں بعض عجب باتیں نظر آئیں بے ساختہ جی چاہا کہ ضدوق کی نذر کے لیے ان اقتباسات کو نقل کر دوں ۔ کیا ان اقتباسات کو الگ الگ پیروں پر نقل کروں یا مثلاً یوں نقل کر دوں مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے :-

"ہندوستانی پولیس کا روپیہ بٹورنے کے لیے جھوٹے مقدمات بنا لینا روزمرہ کی بات ہے" (ص۱۲۶)

"پولیس کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹے مقدمات کی تعداد سچے مقدموں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے" (ص۱۳۵)

الغرض برکات حکومت برطانیہ کو گنواتے ہوئے اس قسم کے فقرات بے ساختہ اُنکے قلم سے نکلتے چلے گئے ہیں ۔ بنگال جس پر برٹش راج کا سایۂ ہما پایہ سب سے پہلے پڑا ہے ۔ تہذیب و تمدن و شائستگی کی تعلیم اب سے پہلے ہندوستانی دھقیوں اور بیماروں کو سب سے پہلے اسی صوبہ میں ملی، جسکا نتیجہ یہ ہے

"بنگالی جھوٹے مقدموں کو سچا ثابت کرنے کے خطرناک کام کو سائنس کے درجہ پر لے گئے ہیں" (ص۱۴۵)

لیکن بنگالیوں کی یہ سائنس پیدا کس کی تعلیم سے ہوئی ہے" جھوٹے مقدموں کو سچا ثابت کرنے کے خطرناک کام" ۔ اللہ اللہ ۔ اگر یہ بھی خطرناک کام ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ملک کے تمام وکلاء تمام بیرسٹر جنکے گرامی اسماء اوج ثریا پر جا کر چمکے، وہ سب کے سب اسی خطرناک جرم میں مشغول رہتے ۔

اسی کتاب میں ایک بڑی برکت اپنی حکومت کی ہنٹر صاحب یہ بتاتے ہیں بے جھجک ہو کر لکھتے ہیں :-

"ہمارے اینگلو انڈین اسکولوں سے کوئی نوجوان خواہ ہندو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو" (ص۲۰۲)

قالوا یا ذا القرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض (سدّین یعنے دو پہاڑوں کے بیچ میں رہنے والی قوم نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج زمین میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں) قرآن کی یہ کتنی پرانی ہزارہا سال پیچھے کی بات ہے ۔ لیکن دیکھ رہے ہیں ۔ بیسویں صدی میں اسکا اقرار دوسرے نہیں، وہ خود کر رہے ہیں ۔ فاعترفوا بذنبہم فسحقا لاصحاب السعیر ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پرانے زمانے کے ملّانوں کی تحریر کا طریقہ تھا کہ مخالف کے نام سے گالیاں اور خطاب کر کے دل آزار فقرے استعمال کیا کرتے تھے ۔ لیکن مصنف کتاب جن کے آگے ڈبلو ۔ ڈبلو اور اسکے پیچھے ایل ایل ڈی آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ وغیرہ الفاظ قطار در قطار پرا جمائے آگے پیچھے کھڑے ہیں انکے مہذب قلم کی گلفشانیاں ملاحظہ فرمائی جائیں ۔ وہابی مجاہدین جو سرحد سے کبھی کبھی نکل نکل کر کہا جاتا ہے کہ چھاپے مارا کرتے تھے خدا جانے وہ وہابی ہوتے تھے یا سرحد کے عام پٹھان ہی ہوتے تھے خیر یہ تو الگ بات ہے ۔ لیکن ان ہی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ اس کتاب میں لکھے جاتے ہیں جسکا مصنف یقین رکھتا ہے کہ تاریخی قلق کی وجہ سے مسلمان بھی ضرور اسکو پڑھیں گے ۔

"انھوں نے (سرحدی وہابیوں نے) ایک زہر آلود ہتھیار سے اپنے آپ کو مجروح کیا جسے ایک جھوٹے مذہب نے انکے ہاتھ میں دے دیا تھا" (ص۱۴۱)

یہ ہے زبان کی شیرینی اور تعبیر کی نرمی ۔ اسی پر بس نہیں فرمایا گیا ہے حلاوت ابلتی ہی بڑھتے ہوئے اس نوبت تک پہونچ گئی ہے ۔ قرآن کے مسئلۂ جہاد پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے ڈبلو ۔ ڈبلو ۔ ایل ۔ ایل ۔ ڈی ۔ آئی ۔ سی ۔ ایس صاحب نکتہ نوازیوں کی انتہا کر دیتے ہیں ۔

"لیکن قرآن موجودہ قومی ضرورت کے مطابق تو لکھا نہیں گیا تھا بلکہ عربوں کے جنگجو قبائل کی ان مقامی ضروریات کے مطابق جو اول مظلومانہ ثانیاً قابو یافتہ اور پھر فاتحانہ حیثیت سے پیش آتی رہیں" (ص۱۶۳)

میں نہیں جانتا کہ "قابو یافتہ" انگریزی کے کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے ۔ لیکن یقیناً کوئی لفظ انگریزی کا اس قسم کا ہوگا ۔ بلکہ شاید اسکا مفہوم اس سے زیادہ سخت ہو ۔ یہ شائستگی اور سنجیدگی کے چند نمونے ہیں ۔ امن و رواداری کے قائم کرنے والوں نے اس ملک کے مختلف باشندوں کے درمیان خوشگوار تعلقات جن ذرائع سے پیدا کیے ہیں انکا تو ایک ذخیرہ اس کتاب میں ہے ۔ بیچارے ہندوؤں کو تو جانے دیجیے ۔ انکے ساتھ ظالم مسلمان حکمرانوں نے جو کچھ کیا وہ تو خیر کیا ہو، خود مسلمانوں کا ایک گروہ یعنی شیعہ فرقہ، اس پر ان مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں کیا گزری ۔ ملاحظہ ہو تاریخی معلومات کی وسعت ۔ ڈبلو صاحب لکھتے ہیں،

"اور جس نے (یعنی فرقہ شیعہ نے) متعصب مسلمان حکمرانوں کے ماتحت ایسی ایسی اذیتیں اٹھائیں جو کسی برطانوی حکمراں کے ماتحت کبھی ممکن نہ تھیں" (ص۱۲۶)

کیا شبہہ ہے ۔ بنگال و بہار اڑیسہ کی نظامت، اودھ کی حکومت اور اسکے سوا نیچے سے اوپر تک تا بہ پایہ وزارت عظمیٰ ارتقاء کے مواقع ہندوستان میں بیچارے شیعوں کو متعصب مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں کہاں میسر آئے یہ ساری کرامتیں تو برطانوی حکمرانوں کے ماتحت ہی ظاہر ہوئیں ۔

قلم کی ذمہ داریاں یقیناً زبان کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہوتی ہیں ۔ لیکن جنکے قلم کی ذمہ داریوں کا یہ حال ہو، خدا ہی جانتا ہے کہ انکی زبان کی امانت و دیانت کا کیا حال ہوگا ۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ بحیثیت ایک حاکم قوم کے مسٹر ہنٹر جو چاہتے کہہ سکتے تھے لکھ سکتے ۔ لیکن جب مصنفین کی صف میں اپنے آپ کو وہ شریک کر کے تصنیف کی دنیا سے داد لینا چاہتے ہیں تو یقیناً حق پہونچتا ہے کہ ان سے یہ پوچھا جائے کہ جناب والا کی یہ گوہر ریزیاں آخر کس غزال کی رہین منت ہیں؟

حیات و نزول مسیحؑ

(ایک فرنگی محلی کے قلم سے)

صدق مورخہ ... ذی الحجہ ... میں بہ ذیل "غلط اعتراض کا جواب" مولانا سندھی مرحوم اور اُنکے حامی بشیر احمد صاحب کی لایعنی اور لغو باتوں کے بیان کے سلسلہ میں کسی "مبصر" کے قلم سے جو تحریر شایع ہوئی ہے اُسکے ضمن میں یہ الفاظ "اس میں حیات و نزول مسیح علیہ السلام ایسے قطعی مسئلہ کا" دیکھ کر تعجب ہوا۔ کیونکہ جہاں تک میرا مطالعہ کتب ہے اُسکے لحاظ سے میں نے کسی معتبر عالم کے کلام میں "حیات مسیح" و "نزول مسیح" والے دونوں مسئلوں میں سے کسی مسئلہ کے متعلق یہ تصریح نہیں دیکھی کہ یہ قطعی مسائل میں سے ہیں۔ چنانچہ محترم مولانا محمد شفیع صاحب سے دریافت کرنے پر بھی یہی جواب ملا کہ "یہ مسائل ظنیات میں سے ہیں انکو قطعیات میں سے شمار کرنا بعید از تحقیق ہے"۔ اور خود اپنی نگاہ پر بھی ان مسائل کو قطعیات میں سے شمار کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ کسی دلیل قطعی سے ان دونوں مسئلوں کا ثبوت نظر نہیں آتا۔ قرآن شریف کی کسی قطعی الدلالۃ والی آیت یا کسی قطعی الدلالۃ والی متواتر حدیث سے تو اسکے متعلق کوئی استدلال سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ تو بدلالۃ النص، نہ باشارۃ النص، نہ باقتضاء النص، اور نہ بعبارۃ النص۔ اور ان مسئلوں پر سرے سے "اجماع" ہی ہونا کسی معتبر عالم کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، چہ جائیکہ "اجماع قطعی" جو نقل بھی بطریقۂ قطعیہ ہو۔ حالانکہ کتابوں کے مطالعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کے قطعی ہونے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ اُسکا استدلال طرق مذکورہ میں سے کسی طور پر قرآن یا متواتر حدیث سے ہو یا اُس پر مجتہدین کا اجماع ہو جسکا "مستند" شرعی ہو اور اجماع کی نقل بھی ہم تک بطریقۂ قطعیہ ہوئی ہو۔

بخاری، مسلم، وغیرہ کی ایسی صحیح اور معتبر کتابوں کی بھی تقریباً سب حدیثیں اخبار واحدہ میں شمار ہوئی ہیں اور خبر واحدہ سے جو مسئلہ ثابت ہو اُسے قطعی نہیں کہا جا سکتا۔ قطعیات کا انکار کفر قرار دیا گیا ہے۔ اگر خبر واحد سے ثابت شدہ مسئلہ بھی قطعی سمجھا جائے پھر تو احناف کفر کی زد سے بچ سکتے ہیں اور نہ دیگر مقلدین۔ اس مسئلہ میں دو امر قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ نزول مسیح علیہ السلام والے مسئلہ کے لیے بھی کوئی صحیح مرفوع حدیث (اگرچہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو) ہے؟ اگر ہے تو اُس میں حیات مسیح سے وہی حیات مراد ہے جسے ہم سب حیات اور زندگی کہتے ہیں جسکے لیے کھانا پینا اور پھر اُسکے لوازمات حاجت بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں؟ یا کوئی دوسری حیات۔ پہلی صورت میں جبکہ "کرۂ ارض" سے علٰحدہ قیام مانا جاتا ہے تو پھر کھانے کے انتظام (جو کرۂ ارض سے متعلق ہے) کے بارے میں کیا خیال کیا جائے۔ اگر اسکے متعلق کوئی نیا نظریہ ہو تو پھر مسئلہ اس شق سے خارج ہو کر دوسری شق میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر کرۂ ارض میں قیام سے متعلق کوئی جدید نظریہ ہے تو نظریہ اور بنائے نظریہ سے مطلع ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسری صورت میں (جبکہ حیات سے حیات متبادر مراد نہیں) حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیاء اور شہداء کی حیات برزخی کے مابین فارق کونسی چیز ہوگی اور اس فرق کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی، اور آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے مسیح علیہ السلام پر طبعی موت وارد ہونے کی نفی کی کیا وجہ ہوگی جبکہ اس قسم کی حیات "موت طبعی" کے وارد ہونے کی منافی نہیں۔

دوسرا قابل لحاظ امر یہ ہے کہ آیۂ "بل رفعہ اللّٰہ الیہ" سے سیاق و سباق کے لحاظ سے ظاہراً (خواہ بذریعہ صلیب ہو یا کسی اور طریقے) کی نفی ہوتی ہے۔ "طبعی موت" ہے رفع کے منافی نہیں، اس لیے کہ "بل رفعہ اللّٰہ الیہ" کو طبعی موت کی نفی کے بارے میں قطعی الدلالۃ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح آیۂ "وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الخ" میں "موتہ" کے معنی "اپنی موت" بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی قطعی الدلالۃ نہیں۔ اور آیۂ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الخ" کا ظاہر تو مسیح علیہ السلام کی وفات پا جانے کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

امیدوار ہوں کہ آپ خود یا "مبصر" صاحب اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈال مستفید فرمائیں گے تاکہ اضافۂ علم ہو۔ اور اگر محض زور قلم میں یہ الفاظ تحریر ہو گئے یا "قطعی مسئلہ" سے علماء کی اصطلاح مذکورہ (جو میں سمجھا ہوں) کے علاوہ کوئی دوسری اصطلاح علماء مراد لی گئی ہے تو اُسے واضح کر دیا جائیگا تاکہ میں غلط فہمی میں مبتلا نہ رہوں۔

عقائد کی کتابوں میں جو مسائل ذکر کیے جاتے ہیں اُن میں سے ہر مسئلہ اگرچہ قطعی نہیں ہوا کرتا مگر مناسب ہوگا کہ تعمیم فائدہ کے لیے عقائد کی کسی معتبر اور متداول عربی کتاب کی وہ عبارت بھی پیش کر دی جائے جس میں حیات مسیح علیہ السلام و نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو۔

ضمیمہ۔ میرا پہلا مراسلہ آپ تک پہونچا بھی نہ ہوگا کہ صدق ... مورخہ ۱۴۔ ذی الحجہ ... نظر سے گزرا، اُسکے ... کالم ۲ میں "احادیث نقش" کے عنوان سے "مبصر" صاحب کا جو ذاتی مکتوب آپ نے شایع فرمایا ہے اُس میں یہ عبارت "اور مہدی اعظم جو آخر زمان میں بروئے احادیث صحیحہ متواترہ دجال اعظم کے خروج کے وقت ظاہر ہونگے" بھی تعجب انگیز تھی۔ کیونکہ "مہدی اعظم" کے خروج کے متعلق کوئی ایک بھی حدیث صحیح متواتر اب تک تو نظر سے گزری اور نہ کسی سے سُنی۔ چہ جائیکہ "احادیث صحیحۂ متواترہ"۔ اُن چند حدیثوں میں (جو قلت کی بنا پر انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہیں) جنکے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس مضمون کے متعلق تو غالباً کوئی حدیث نہیں۔

صدق۔ "مبصر" صاحب یا جو صاحب بھی اس موضوع پر مزید اظہار خیال فرمائیں، براہ کرم اختصار کو ضرور ملحوظ رکھیں۔

(باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ طبع کرا کے دفتر "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

مجلس عاشورہ دکن میں

حیدرآباد ۵ - بمقام دیوڑھی نواب فریدوں جنگ مرحوم میں یکم محرم سے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری صدر مجلس علماء دکن "تفسیر سورہ دہر" اور فضائل اہل بیت کرام بیان فرما رہے تھے۔

بندگان اقدس کی تشریف آوری سے قبل ساری ڈیوڑھی سامعین سے معمور ہو چکی تھی - عدم گنجائش کی وجہ سے تمام راستے روک دیے گئے تھے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حضرت اقدس و اعلیٰ مع شہزادہ برار حضرت والا شان ولیعہد بہادر، شہزادہ والا شان نواب معظم جاہ بہادر و دیگر شاہزادگان تشریف فرما ہوئے۔ نواب صدر اعظم بہادر، اراکین حکومت و امرائے سلطنت بھی ہمرکاب تھے۔

"سورۂ دہر" کی آخری آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں سیدنا حسین علیہ السلام کے عزم و استقلال اور واقعہ شہادت کو نہایت اثر انگیز طریقے سے بیان فرمایا۔ پوری مجلس پر رقت طاری تھی۔ آپ نے سیدنا امام ہمام علیہ السلام کی اس وصیت کا ذکر کیا جو سید الشہداء نے خیمہ مبارک سے رخصتی کے وقت اپنی عزیز بہن حضرت بی بی زینب کو فرمائی تھی کہ بہن! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو واویلا نہ کرنا۔ منہ پر طمانچے نہ مارنا، کپڑے نہ نوچنا، صبر و سکون سے کام لینا۔ راضی برضائے الٰہی رہنا۔

موجودہ گرانی اور راشن بندی میں غریبوں کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا - کہ امراء اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالیں تاکہ یہ بے یار و مددگار غریب جو راشن کارڈ ہاتھوں میں لیے ہوئے مارے مارے پھر رہے ہیں، فاقہ کشی کی مصیبتوں سے نجات پا سکیں۔ آپ نے فرمایا، ارشاد رسالت مآب ہے کہ "وہ مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سو رہے"۔ سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی اس محبت و عقیدت کا ذکر فرمایا جو ان صحابۂ کرام کو حضرت حسنین علیہما السلام کے ساتھ تھی۔

آخر میں سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت صدیقؓ جنھوں نے اپنا سب کچھ اپنے مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر دیا یہ اسی کا صلہ اور اسی کی برکت ہے کہ آج تیرہ سو سال کے بعد بھی صدیق اکبرؓ ہی کا لخت جگر سریر آرائے سلطنت اسلامیہ ہے جس کے سامنے عالم اسلامی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس سلطنت کو ہر بلا و آفت سے مامون و مصئون رکھے۔ الٰہی! یہ سلطنت اسلامی نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کی حکومت الٰہیہ کا مرکز بنے۔ سلطان دکن، سلطان عالم اسلامی، "خلیفۃ المسلمین" ہوں۔ آمین آمین کی صداؤں سے ساری فضا گونج رہی تھی۔

تب - اور - اب

سنہ ۱۹۱۹ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۰ء تک (یعنی تحریک خلافت کے زمانہ کا) موجودہ زمانہ کا مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔۔۔۔ صدر سے لیکر ایک رضا کار تک سب محنت، دیانت، خلوص اور شوق کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا تھا کہ ووٹ دینے والوں کے لیے عہدوں کا تقسیم کرنا مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ سب ہی ابتداء اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام کرتے رہتے تھے۔ کسی ایک کو کسی دوسرے پر ترجیح دینی مشکل تھی۔ اور اگر صوبہ کے نمائندہ کسی کو صدر یا سکرٹری کا عہدہ پیش کرتے تھے۔ تو اُسکے چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا تھا! وہ احساس ذمہ داری سے گھبرا کر صرف انکار ہی نہیں کرتا بلکہ منہ چھپا پھرتا تھا۔ بعض وقت تو ایسا بھی ہوتا کہ کسی کو ایک عہدہ پیش کیا جاتا وہ معافی مانگ کر دوسرے کا نام پیش کرتا، تیسرا کوئی نہ کوئی حیلہ نکال کے چوتھے کا نام تجویز کرتا۔ اور اس طرح عہدے مارے مارے پھرتے اور اس کے مستحقین ذمہ داریوں کا خیال کر کے فرائض کا بار گراں اٹھانے سے معذوری ظاہر کرتے! کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ جلسہ ہی میں ایک ممبر کا نام سکرٹری کے عہدہ کے لیے پیش ہو گیا۔ وہ اس طرح چونک اٹھا کہ گویا کسی نے اُس پر بم پھینک دیا ہے - اور پہلے تو نرمی سے معذرت کرنے لگا۔ پھر ذرا سختی سے انکار کرنے لگا اور آخر میں سب کے اصرار سے پریشان ہو کر رو دیتا! — عجیب سین ہوتا - ایک شخص عہدہ کے اعزاز سے انکار کرتا اور سیکڑوں اسکی خوشامد کرتے۔

لیکن جب کسی کے کندھوں پر کسی عہدہ کا بار برغبت یا کراہت ڈال ہی دیا جاتا، تو پھر وہ مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت نہ کرتا! دن دن بھر کھانا نہ ملے، راتوں کو سونا نہ نصیب ہو، باہر کا سفر کرنا ہو، جلسے، جلوس، رضاکاروں کی بھرتی، تقریریں، نوکریوں سے استعفے دلانے، پولیس میں جھک جھک کرنا، گلی گلی مارے مارے پھرنا، تنازعات کے فیصلے کرنا، مستحقین کو مالی امداد پہونچانا، بیکاروں کو روزگار سے لگانا، کھدر کی دکانیں کھلوانا، کھدر پھیری کر کے بکوانا، مسلمانوں سے سودا خریدنے کی ترغیب دینا، مسلمانوں سے بد اخلاقی دور کرنا، عوام کو سیاسی مسائل سمجھانا، شراب خوری سے روکنا، مذہبی احکام کی تلقین و پیروی کرنا، سوت کاتنا، دوسروں کو روئی دے کر سوت کتوانا، سوت خریدنا، کھدر خریدنا، قومی پنچایتیں قائم کرنا، سودیشی چیزوں کی دوکانیں کھلوانا، قید خانہ جانے کی تیاری کرنا، سیاسی قیدیوں کے بال بچوں کا فکر معاش کرنا —— اور آخر میں خود جیل جا کر عبادت اور آرام کرنا

اور اب ؟

(خلافت)

سچی باتیں

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے آج قانون تحفظ ہند کے ماتحت حکم جاری کر دیا ہے کہ شیعہ وسنی کے نزاعی معاملات کے باب میں کوئی پوسٹر یا ہینڈبل ضلع لکھنؤ کے حدود میں تا حکم ثانی شایع نہ ہونے پائے .... حکم کی خلاف ورزی اُن سزاؤں کی مستحق ہوگی جو قانون تحفظ ہند کی دفعہ ۱۲۱ میں درج ہیں" (ہیرلڈ لکھنؤ - ۱۸ - جنوری ۱۹۴۵ء)

حکم امتناعی کی تاریخ اسلامی جنتری میں یکم صفر ہے - ۱۲ ربیع الاول آ رہی ہے نہ - یہ اُسکا استقبال ہو رہا ہے ڈیڑھ مہینہ قبل سے ! ——— مسلمان اس تاریخ کو خوشیاں منایا کرتے تھے، رحمت عالمؐ کی پیدائش اور ظہور کا جشن دھوم دھام سے کیا کرتے تھے - غیروں کو ان محفلوں میں بلا بلا کر تبلیغ کی آواز کسی درجہ میں اُنکے کانوں میں پہونچا دیا کرتے تھے - اب اسکی یہ نوبت آگئی ہے - ایک فریق کی ضد اور ظلم اور دوسرے فریق کی کم فہمی اور بے غوری سے !

عین اسی مبارک تاریخ کو پولیس اور مسلح پولیس کو تیاری کا حکم ملتا ہے - گویا شہر میں کوئی عظیم الشان بلوہ ہونے کو ہے ! چوراہوں اور ناکوں پر پہرے لگ جاتے ہیں - مجسٹریٹوں کی تعیناتی ہو جاتی ہے - ہتکڑیوں کی جھنکار شروع ہو جاتی ہے - لاٹھی چارج ہوتا ہے، گرفتاریاں ہوتی ہیں، جیل کے پھاٹک اور حوالات کے دروازے کھل جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات گولیاں بھی چل جاتی ہیں - بھولے بھالے دین کے فدائیوں کے لاشے خاک اور خون میں تڑپتے ہیں - بچے یتیم ہوتے ہیں، بیویوں کا سہاگ اُجڑتا ہے ——— کیا خوب یہ یادگار منائی جا رہی ہے رحمت عالمؐ کے ظہور و پیدائش کی ! اور آج سے نہیں، کئی سال سے یہی ہونے لگا ہے ! اور ہر آنے والا سال گذرے ہوئے سال پر تقدمت کی مہر استناد لگاتا جا رہا ہے !

عبدالحلیم شرر کے ناول حسن انجلینا کو بچپن میں پڑھ کر حیرت ہوتی تھی کہ پچھلی صدی کے ترک اور ایرانی کیسے نافہم اور ناعاقبت اندیش تھے، کہ گئے تھے حج کو، اور باہم متحد ہو کر ظالم و کافر روسیوں کے خلاف جہاد کرتے، اور کہاں اذان میں خواہ مخواہ خلافت کا قصہ نکال کر لگے آپس ہی میں گولیاں چلانے، ایک دوسرے پر تلوار چلانے ! ——— مشاہدہ نے آنکھیں کھول دیں - سلسلے کے تجربہ نے بتا دیا کہ شرر کے قلم نے افسانہ اور تخیل کی نہیں، تاریخ اور حقیقت کی مصوری کی تھی !

مدح صحابہ کو ایک فریق نے آخر اپنی چڑھ خواہ مخواہ کیوں بنا لیا ہے ؟ اس میں کسی کی ذات کی توہین ہے ؟ کسی کے عقائد پر حملہ، استہزا ہے ؟ اسکا حاصل تو یہی ہے نہ کہ رسولؐ کی صحبت اس درجہ موثر و کمیل تھی، کہ ناقصوں کو کامل بنا دیتی تھی، ناسقوں کو عارفوں کے درجہ پر پہونچا دیتی تھی، اور جو نابیناؤں کی آنکھیں کھول دیتی تھی - یہ تو عین مدح رسولؐ ہوئی یا کچھ اور ؟ تو کیا کسی کلمہ گو کو نعت رسولؐ بھی گراں گزر سکتی ہے ؟ علیؓ اور فاطمہؓ حسنؓ اور حسینؓ، یہ سب بھی آخر صحابی ہی تو تھے - صحبت رسولؐ کے ساتھ بطور فضل مزید کے ذات رسولؐ سے بھی سرافراز اور اصل بنیاد فضیلت اگر قرابت رسولؐ ہوتی، تو چاہیے تھا کہ آج - سید اسی مرتبہ پر ہوتا ره نہیں ہے تو اسی بنا پر کہ صحبت رسولؐ

سے محروم ہے)۔۔۔ کیا کوئی فرق رسول کی قوت تاثیر کا استیلاء غفلت کا، خدانخواستہ منکر ہے؟ حضورؐ کی زبردست اصلاحی تاثیر سے تو انکار یہودی و نصرانی تک نہیں کرسکے ہیں! اَلَیسَ مِنکُم رَجُلٌ رَّشِید؟

وَمَا قَومُ لُوطٍ مِّنکُم بِبَعِید

لندن کے مشہور ہفتہ وار جان بل (۱۹ ستمبر ۴۴ء) میں ایک انگریز توپچی، گنر ایچ گرے، توپخانہ شعبۂ کاب، شام کا مکتوب شائع ہوا ہے:

"موقع مل گیا تو ہم لوگ بحرِ مردہ کے کنارے تک پہونچ گئے۔ میرا یہ دوسرا موقع تھا۔ کئی سپاہیوں نے اس میں غوطہ لگایا۔ میں الگ کھڑا رہا، تو، آہی وہ لوگ اس روغنی پانی سے باہر نکل آئے۔ اس سمندر میں جو تیز نمک اور دوسرے مادے ہیں، ان سے وہ کانپ رہے تھے اور انکا دم گھٹا جا رہا تھا۔ باہر نکل آئے، تو اور کوئی صاف پانی تھا نہیں، جس سے اپنا جسم دوبارہ دھوتے۔ لوگوں نے اپنے تولیوں کو اپنے جسم پر ملا۔ جس سے وہ گندا پانی تو جذب ہوگیا، البتہ انکی جلد پر ایک موٹی پپڑی سی جم گئی!"

خبر کے سلسلہ میں کام کی بات یہ ہے کہ جس بحرِ مردہ (DEAD SEA) کے گندے، پانی اور زہریلے مادے کا ذکر ہے، اسی کا دوسرا نام بحرِ لوط ہے۔ قوم لوطؑ اسی کے اردگرد آباد تھی۔ اور روایتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ اُن بدبختوں کے شہر جہاں الٹ دیے گئے تھے، وہیں ایک چھوٹا سا سمندر بن گیا ہے۔ اور اس سمندر کے پانی میں آج تک شدید سمیت اور تیز بدبو چلی آتی ہے۔ اسکا مفصل ذکر ادارۂ صدق کی تفسیر قرآن کے حاشیوں میں ملیگا۔ سچ کہا ہے اُس نے جس نے فرمایا: وَتَرَکنَا فِیہَا آیَۃً لِّلَّذِینَ یَخَافُونَ العَذَابَ الاَلِیم۔

پُرانی تقریبوں کے نئے رقعے!

"امریکی، انگریز اور ہندوستانی مشاہیر و معززین کے ایک مخلوط مجمع میں کل شام کو لکھنؤ کے ایمبسڈر ہوٹل میں ایسٹ اینڈ ویسٹ فریٹرنٹی (مشرق و مغرب کی برادری) کی شاخ قائم ہوئی۔ حکومت صوبہ کے ایڈوائزر سر ٹرنیٹ سلور صدر تھے۔ شرکاء حاضرین میں سے قابل ذکر سر جارج تھامس (چیف جج) مسٹر ساٹھے (ایڈوائزر) مسٹر بشپ (ایڈوائزر) مسٹر کرسٹی (چیف سکرٹری) جسٹس غلام حسن، خان بہادر نواب حامد حسین، پرنس سلطان حسن مرزا وغیرہ ہیں۔۔۔ مسٹر اور مسز نصیر احمد بیگ ایڈووکیٹ کی طرف سے ایٹ ہوم ہوا۔ جسکا دلچسپ جزو گانے اور ناچ کا پروگرام تھا، جس میں شہر کے باہر والی آرٹسٹ لیڈیوں نے حصہ لیا۔" (پانیر ۲۹۔ جنوری ۴۵ء)

ہندوستانیوں نے شہر کے معزز ہندو مسلمانوں سے ربط ضبط بڑھانے کا، اُنس و یگانگت پیدا کرنے کا یہ نیا نسخہ ناچ گانے کا خوب نکالا!۔۔۔ کون کہتا ہے کہ آج سے ساٹھ ستّر سال قبل کا، شادیوں اور دوسری تقریبوں کے موقع رقعہ کے آخر میں "محفل رقص و سرود" میں شرکت کی درخواست کا طریقہ اب متروک اور فرسودہ ہوچکا ہے؟

بے لطف آزادی

"مدراس، ۱۷۔ جنوری۔ آندھرا دیس کی صوبہ وار زنانہ قومی تعلیمی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے آج مسز نائیڈو نے کہا، کہ۔۔۔ ہمارے ہاں کی عورتوں کو سیاسی، رائے دہی کی حق طلبی پر ہرگز قناعت نہ کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں یہ نعرہ لگانے کی ضرورت ہی نہیں، برابری ہو، مطالبۂ حقوق کا نہ کرو۔ بلکہ اپنے ملکی تمدن کی تعمیر کی راہ میں اپنے شوہروں، اپنے بھائیوں، اور اپنے بیٹوں کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے قدم آگے بڑھاؤ۔" (ایسوسی ایٹڈ پریس)

واہ، ان "روشن خیال" محترم خاتون صاحبہ نے تو دل ہی سرد کر دیا! تُف ہے ایسی "ترقیوں" پر، جو شوہروں اور بھائیوں اور بیٹوں کے دوش بدوش، یعنی بیوی بن کر، بہن بن کر حاصل کی جائیں! یہ تو سب وہی پرانی بیڑیاں پھر سے پیر میں پڑ گئیں! آزادی کا کوئی سا لطف بھی آزادی میں باقی رہا!

نئی اندر سبھا!

ایک مسلمان فوجی افسر کے خط کا اقتباس:۔

"ایک قابل ذکر چیز دل خوش فوجی سبھا یا کنسرٹ پارٹی ہے۔ اس سبھا کا کام نام سے ظاہر ہے۔ ناچنے، گانے، کرتب کرنے، چٹکلے دکھانے سے فوجیوں کا دل بہلتا ہے۔ دل و دماغ تازہ ہو جاتا ہے۔ طبیعت شاد شاد ہو جاتی ہے۔ گھر کی یاد کچھ دیر کے لیے مٹ جاتی ہے۔ جب یہ سب کچھ ہو جائے، سمجھ لیجیے فوجی سبھا کا مقصد حاصل ہوگیا۔ دام وصول ہوگیا، کام بن گیا۔

لڑکیوں کا انتخاب دیکھ بھال کر، ٹھونک بجا کر ہوتا ہے۔ بے حیائی اور عریانی جتنی زیادہ ہو اُتنا ہی اچھا ہے۔ صورت اچھی اور سیرت بری ہو تو سونے پر سہاگا ہے۔ گانے دُکھے دلوں کا درد کم کرتے ہیں۔ کالک افسردہ دلوں میں خوشی اور گدگدی پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہفتہ عشرہ کے بعد بدل بدل کر آیا کرتی ہیں۔ اسی طرح گھومنے اور پردیسیوں کا دل بہلاتے رہنا انکا پیشہ ہے۔ گیت سب ہی زبانوں میں ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستانی زبان کے اور اردو بھی فلمی گیت سب سے زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ یہ تفریح تین چار گھنٹے تک رہتی ہے۔ اور بالکل مفت۔ مصارف کا بار سرکار کے ذمہ۔ انگریزی کنسرٹ بھی قریب قریب اسی معیار کے ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہاں سب کچھ انگریزی میں ہوتا ہے۔"

جی ہاں "مہذب" فوجوں کے لیے تو یہی ساز و سامان، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ بڑھ کر ہوتے ہی ہیں۔ ہر رجمنٹ کے ساتھ ایک اندرسبھا، اور ہر پری فیسر گویا راجہ اندر بنا ہوا! میاں تو جنگ جنگ ہی کے لیے کی جاتی ہے، اور قدرۃً زر، زمین، زن وغیرہ اور بات کے لیے تو کوئی مقصود نظر کے سامنے نہیں ہوتا۔ یہی کیا مسلمانوں کا جہاد ہے! جسکی شرط اولین یہ ہے کہ فی سبیل اللہ ہو، اپنے نفس و متعلقات نفس کے لیے نہیں، اللہ کی راہ میں ہو، اور مسلمان سپاہی کو ہدایت و تاکید

قدم قدم پر اتقوا اللہ (تقویٰ الٰہی اختیار کیے رہو) کو ملتی رہتی ہے۔

کھانے کی میز پر

ایک ہندوستانی افسر کے خط کا اقتباس ملا:

"اس بات کے لکھنے سے بڑی مسرت ہے کہ انگریزی میس (طعام خانہ) میں ہم ہندوستانی افسروں نے اپنی الگ ایک میز ہندوستانی کھانوں کے لیے مخصوص کرالی ہے۔ اس پر ہندوستانی کھانے ہوتے ہیں اور ہندوستانی ہی طرز سے کھلائے جاتے ہیں۔ عجب منظر ہوتا ہے۔ ایک طرف چھری کانٹے کی کھٹ پٹ، پلیٹوں سے پلیٹوں کا لڑنا اور کھڑکھڑانا، اور اسٹیورڈ (کھانا کھلانے والے بیرے) کو بلانے اور ڈانٹنے کی آوازوں سے کمرے کا گونجنا، دوسری طرف سے ہاتھ سے نوالہ کا منہ تک جانا، خاموشی سے کھانے کا میز پر آنا، اور بغیر کسی شور غل کے خاموشی سے ختم ہو جانا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو اب کالے آدمیوں کے کھانے کو حقارت سے نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ان کھانوں پر اب شوق و رغبت کی نظریں پڑنے لگی ہیں۔ اور جب کبھی ان کھانوں کی دعوت دی جاتی ہے، تو بہت ممنونیت کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔ اور کھا کر وہ شکریہ ادا کیا جاتا ہے جس میں آئندہ دعوت کی التجا پوشیدہ ہوتی ہے۔"

بات ہنسی کی اور ذرا خفیف نہیں۔ اپنی خودداری کا احساس اگر پیدا ہو جائے، اور ہر فرنگی چیز سے مرعوبیت اور اس پر فخر کا تسلط دل سے اٹھ جائے، تو وضع، لباس، کھانے پینے، غرض معاشرت کی دنیا میں سوا راج آج حاصل ہو سکتا ہے۔ ضرورت نہ جیل جانے کی، نہ زیادہ کھانے، نہ فاقے کرنے، نہ گولی کھانے کی ہے۔ صرف اپنے میں فہم سلیم کے ساتھ تھوڑی سی ہمت اور خودداری پیدا کر لینے کی ہے۔

اُردو کی ہمہ گیری

"نئی دہلی۔ ۱۰ر جنوری۔ آج سے تین سال قبل اُردو کا جو ابتدائی امتحان فوجیوں کے لیے جاری کیا گیا تھا اسکو ۷۰ ہزار سے زائد برطانوی افسروں نے پاس کرلیا ہے۔ یہ حیثیت ملکی زبان کے۔ برطانوی ہندوستانی فوج کے مختلف عنصروں میں اتحاد پیدا کرنے کی غرض سے اُردو کو ۱۹۴۲ء میں رائج کیا گیا تھا۔ اُردو اب اُن نئے افسروں نے بھی سیکھ لی ہے، جو اس بات میں سب سے پیچھے تھے۔ اور اب اُن میں اتنی قابلیت آگئی ہے کہ اپنا کام چلا سکیں۔" (خبر)

ملک کے ایک خاصے بڑے طبقہ میں اس خبر سے جو کیفیت پھیل گئی ہوگی، کیا اُسکا اندازہ کچھ بہت دشوار ہے؟

براہ کرم

خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۲)

(س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی)

س۔ یہاں اسکول میں پڑھاتا ہوں۔ دوسرے مضامین کے علاوہ حساب بھی پڑھاتا ہوں۔ محکمۂ تعلیم کے مقرر کردہ نصاب میں سود کا حساب پڑھانا لازمی ہے۔ اور یہ بات میرے ذہن میں موجود ہے کہ سود اور اسکے متعلقات کو شریعت نے منع کر دیا ہے۔ تو میں گویا یہ پڑھاتا ہوں گویا مسلمان بچوں کی ایک جماعت کو سود کے کاروبار کے طریقے بتاتا ہوں تو عنداللہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اپنے ساتھ ایک جماعت کو لے ڈوبنے کے جرم میں غرق ہوں۔

ج۔ حساب کی کتابوں میں سود کے جو سوالات درج ہوتے ہیں، اُن میں سود کا صرف نام ہی نام ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقۃً وہ تو صرف **شرح** دریافت کرنے کے ہوتے ہیں، خواہ وہ کسی چیز کی بھی شرح ہو۔ مثلاً یہ سوال کہ اتنی مدت سے اتنی مدت تک کا سود فلاں رقم کا سود فلاں شرح سے کتنا ہوا۔ اس میں صرف نام سود کا آگیا، ورنہ تعلیم اسکے ذریعہ سے سود خواری کی کیا ہوئی؟ اور ترغیب اس سے کسی درجہ میں بھی سودی کاروبار کی کیسے ہوئی؟

شریعت نے جس چیز کو حرام کیا ہے، وہ تو نفس سود ہے اور پھر اسکے متعلقات، یعنی وہ تمام چیزیں جو سود خواری یا سودی کاروبار کی اشاعت میں معین ہوں۔ اور جب یہ نہیں، تو ان شاء اللہ اسکی تعلیم بھی اس وعید میں نہ آئیگی۔ آپ نیت محض شرح حساب کی تعلیم کی کیجیے۔

محض قواعد فن کے لحاظ سے تو اکابر محققین (مثلاً امام رازیؒ) اپنی کتابوں میں رمل، اور موسیقی، اور نجوم اور طلسمات وغیرہ کھلے ہوئے ناجائز فنون کے قواعد لکھ گئے ہیں۔ بلکہ تعلیم سحر کے مطلق صورت میں حرام نہ ہونے پر تو قرآن مجید کی نص موجود ہے۔

البتہ ورع و احتیاط کے لحاظ سے تو مسلمان بچہ کے کان میں سود کی آواز بھی نہ پڑنا چاہیے۔ اور ان اصلاحات کے لیے اُس وقت کا انتظار کیجیے جب کم از کم اس حد تک تو اسلام کی حکومت قائم ہو جائے، کہ مسلمان اپنے مدرسوں کا نصاب تعلیم خود بنا سکیں۔ حساب، جغرافیہ، تاریخ، ادب، فلسفہ، منطق، طبیعیات، سب میں صدہا چیزیں بدلنے کے قابل، اور سب کی تعلیم ٹھیک ایمانی نقطۂ نظر سے دینے کی ضرورت ہے۔

آپ کے مزید اطمینان کے لیے ایک خالص فقہی جواب بعینہٖ اسی سوال کا، وقت کے فقیہ اعظم مولانا تھانویؒ کے قلم سے نکلا ہوا بھی حاضر ہے:

"چونکہ حربی کو حربی سے سود لینے میں کوئی خطاب شرعی متوجہ نہیں ہے

(۷) دوشالہ - از محترمہ آمنہ نازلی (فاضل ادیب) ضخامت ۱۲۰ صفحات - قیمت ۱۲/ پتہ: عصمت بک ڈپو - دہلی

محترمہ آمنہ نازلی دہلی کے نامور زنانہ رسالہ عصمت کی مشاق مضمون نگار ہیں اور ادیب نامور راشد الخیری کے گھر کی چراغ ہیں طبقۂ نسواں کی خدمت اور اصلاح معاشرت انکا خاص موضوع ہے دوشالہ انکے ۱۳ مطبوعہ ڈراموں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے - فنی نقطۂ نگاہ سے ان ڈراموں میں ڈرامائی انداز تو ضرور ملتا ہے لیکن دوسرے ڈرامائی عنصر نہیں پائے جاتے - اس لیے انہیں پہلے ظریفانہ خاکے کہنا ہی زیادہ موزوں ہے - محترمہ نے اپنے نقطۂ نظر سے متوسط مسلمان گھرانوں کے قابل اعتراض پہلوؤں اور اصلاح طلب معاشرتی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے - خاکے بڑی حد تک کامیاب ہیں - کردار نگاری، تصویر جذبات، واقعاتی تسلسل کی بناء پر یہ خاکے جاندار نظر آتے ہیں - اور سلیس انداز بیان اور شستہ ستھری زبان سے شگفتگی اور ادبی چاشنی بھی پیدا کر دی ہے - بڑی بات یہ ہے کہ تجدد اور فرنگیت کے سحر سے یہ مجموعہ بالکل پاک ہے - بحیثیت مجموعی زنانہ تفریحی ادب کی ایک خوشگوار چیز ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ وقت صرف انبساط میں گزار دینے کے قابل - بلکہ شریف گھرانوں کی بچیاں اس سے کچھ نہ کچھ کام کی باتیں بھی سیکھ سکتی ہیں - لیکن موصوفہ معاف فرمائیں، راشد الخیری کی بہو کے قلم سے توقع اس سے زیادہ ادبی اور اصلاحی چیز کی تھی۔

کتاب کی طباعت و کتابت اچھی خاصی نظر فریب ہے، اور دیباچہ محترمہ ڈاکٹر شاہینہ اختر کے قلم سے ہے - (ح - ا - ق)

(۸) دی روڈ ٹو پیس اینڈ پاکستان - (انگریزی) مصنفہ ضیاء الدین احمد صاحب سلیری - چھوٹی تقطیع - عمدہ طباعت، ضخامت ۱۴۷ صفحے - پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب - کشمیری بازار لاہور - قیمت ۴/

مسئلۂ پاکستان کی اہمیت کسی مزید تصریح کی محتاج نہیں - پیش نظر کتاب میں پہلے پاکستان پر بین الملکی یا انٹرنیشنل صورت حال کا جائزہ لیکر تبصرہ کیا گیا ہے اور اسے دنیا کے مستقل محکم اور پائدار امن کے لیے اسکے قیام کو ضروری قرار دیا ہے - مصنف نے دنیا کو نظریاتی ہم آہنگی کی بناء پر مختلف اقتصادی منطقوں میں امن عالم کے قیام کے لیے تقسیم کر دینے کی تجویز پیش کی ہے - اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس صورت سے مختلف قومیں ایک دوسرے سے تعاون کریں گی، جنگ کا انسداد ہو جائیگا، پین اسلامزم یا اخوت اسلامی کی تعبیریں عمل آئیگی کہ پاکستان بھی دوسرے آزاد اسلامی ملکوں کے ساتھ ایک منطقہ یعنی اسلامی منطقہ ہوگا۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مصنف نے پاکستان کے مطالبہ پر بحث کی ہے - اس ضمن میں اسلام کی تعلیمات کی برتری اور تفوق کو دوسرے مذہبوں اور نظاموں علی الخصوص اشتراکیت پر واضح کیا ہے - اور ان اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جو مطالبۂ پاکستان کے محرک ہوئے - پاکستان پر انگریزی حکومت اور ہندوؤں دونوں کی طرف سے جو اعتراضات سیاسی، معاشی و جغرافی پہلوؤں سے کیے جاتے ہیں - مصنف نے انکا جواب انگریز اور امریکی صحافیوں اور مدبروں کی تحریروں کے اقتباسات کے ذریعہ سے دیا ہے، جس سے کتاب میں بجائے تصنیف کے ایک اخباری مضمون کی شان پیدا ہو گئی ہے - حیرت ہے کہ جہاں مصنف نے اسلامی منطقہ تجویز کیا ہے وہاں خلافت کی مخالفت کی ہے، گویا انکے خیال میں عالم اسلام کی فلاح بغیر امیر یا خلیفہ کے بھی ممکن ہے!

بہتر ہوتا کہ کتاب کی نظر ثانی انگریزی کے کسی مستند ادیب سے کرا لی جاتی - تاکہ وہ لغزشیں دور ہو جاتیں جو محض اخباری مضمون نگاروں کی تحریر میں عموماً رہ جاتی ہیں - بہرحال کتاب دلچسپ اور پاکستان کے مخالف و موافق سب کے پڑھنے کے قابل - (م - ہ - ق)

رسید کتب

(۱) مذبحہ نشان کے سوا قربانی کے جانور کا دانت ہونا ضروری ہے - از مولوی عبد الرؤف صاحب - ۱۶ صفحات قیمت ۳/ ملنے کا پتہ - مدرسہ جھنڈے نگر - ڈاکخانہ [illegible] گنج ضلع بستی -

قربانی کے بعض مسائل میں اہلحدیث کی ترجمانی عالمانہ رنگ میں

(۲) مشیر حج - از غلام احمد فرقت بی اے - ۱۱۲ صفحات کتاب غالباً مفت پراونشل حج کمیٹی، کونسل چیمبر لکھنؤ سے مل سکے۔

حج کے مناسک اور سفر حج کے سلسلہ میں ضروری معلومات کا کارآمد مجموعہ

(۳) روداد مدرسہ اسلامیہ محمدیہ و دار الاشاعت اصلاحات اسلامیہ شمس آباد ضلع اٹک (پنجاب) مرتبہ قاضی محمد زاہد الحسینی -

مدرسہ مذکور کی روداد مدرسہ اور دار الاشاعت کی کارگزاریوں کا نقشہ

صدق اور سچ کی جلدیں

میں اپنی یہ جلدیں بضرورت، بہت ہی کم قیمت یعنی دو روپیہ (۲/) فی جلد کے حساب سے فروخت کرنے پر تیار ہوں - جلدیں مکمل - مجلد اور بالکل اچھی حالت میں ہیں - جن صاحب کا دل چاہے خرید لیں -

نوٹ (۱) "صدق" پہلے "سچ" ہی کے نام سے [illegible] تک لکھنؤ سے شائع ہوا -

(۲) محصول ڈاک ذمہ خریدار ہوگا -

محمد صدیق کارکن دفتر صدق - مرشد آباد [illegible] لکھنؤ

مولانا محمد علیؒ

(۱)

(قاضی عبدالغفار صاحب کی پیام کی ایک نشری تقریر حیدرآباد ریڈیو سے)

موسم سرما اور وہ بھی دلی کا موسم سرما اور وقت صبح ۶ بجے۔ شوکت بھائی (یعنی مولانا شوکت علی) چند ماہ پہلے مجھے سرکاری ملازمت سے استعفا دلاکر یہاں لے آئے تھے۔ اب دسمبر ۱۲ء کی اس صبح کو ۶ بجے کلکتہ کی سکونت ترک کرکے پہلی دفعہ دلی آرہے تھے۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور میں پیدل ہی گھر سے بھاگم بھاگ بازار چوک تک پہونچا۔ اسوقت کوئی تانگہ بھی میسر نہ آیا۔ اس لیے ریلوے اسٹیشن تک کا فاصلہ تقریباً ۳ میل بھاگتے بھاگتے طے کیا۔ وہ زمانہ تھا کہ میری عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس لیے دلی میں دسمبر کی کڑکڑاتی سردی میں ایک جوان جسم پر پسینہ کا لطف دوبالا ہوگیا تھا۔ اسوقت تک میں مولانا شوکت علی سے تو خوب واقف تھا، اس لیے کہ میری شادی کے وقت وہ میری سسرال میں (یعنی سر محمد یعقوب مرحوم کے مکان پر) دفعتاً اسوقت تشریف لائے جب میں دولہا بنا بیٹھا تھا۔ اور پہلا کام انھوں نے یہ کیا تھا کہ میرے سامنے سلامی کا جسقدر روپیہ رکھا تھا وہ سب اٹھاکر مسلم یونیورسٹی کے چندہ میں شریک کر لیا تھا! مگر محمد علی کو میں نے ایک دو مرتبہ دور ہی سے دیکھا تھا۔ البتہ اب دسمبر کی اس ٹھنڈی صبح سے میرا انکا وہ رابطہ شروع ہوتا تھا جو انکی زندگی کے غروب آفتاب تک قائم رہا۔

کامریڈ والے محمد علی سے اس قدر قریب آنے کا شوق میری جوانی کو بیتاب کر رہا تھا! اور دلی ریلوے اسٹیشن کے اس پلیٹ فارم پر پہونچا اور ٹرین کی آخری گاڑی سے ایک سرمئی رنگ کا شاندار سوٹ پہنے ہوئے مسٹر محمد علی برآمد ہوئے۔ میری جوانی بھی اس زمانہ میں لباس و فیشن کی ترغیبات سے ہم آغوش تھی۔ اس لیے پہلی چیز جسکا رعب مجھ پر پڑا وہ محمد علی کے لباس کی تراش و زینت تھی۔ آج تک یاد ہے کہ انکے سرمئی سوٹ کے ساتھ انکے جوتے اور موزے بھی سرمئی تھے۔ زندگی کے اس دور میں جوتوں اور موزوں اور رومالوں کی رنگ آمیزی ہم نوجوانوں کی معاشرت کا گویا بہت ہی اہم عنصر تھا۔ علیگڑھ میں ہم اس جامہ زیبی کا سبق پڑھتے تھے اور اسکو اپنی تعلیم و تربیت کا ایک امتیازی نشان سمجھا کرتے تھے۔ زندگی کی یہ کیفیتیں ہمارے لیے اسوقت تک نہ بدلیں جب تک کہ مسٹر محمد علی اپنی عبا اور اسکے ساتھ مولانا محمد علی نہ بن گئے! اس دن صبح کو دلی کے ریلوے اسٹیشن پر جبکہ میں نے اس شخص کو دیکھا جسسے میری زندگی کو سالہا سال کسب سعادت کرنا تھا تو وہ لمحہ صرف اتنی ہی بات تھی کہ پہلی نظر آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ محمد علی کے سوٹ کی تراش اور اسکے ساتھ موزوں اور جوتوں کے رنگ کے ربط پر گئی!

باقی جو کچھ دیکھا تھا وہ بعد میں دیکھا۔ ۲۲ سال کی عمر جسکا ایک حصہ سرکاری ملازمت میں گزرا تھا۔ ابھی اپنی نظر کا زاویہ قائم نہ کرسکی تھی! میں کامریڈ کے مضامین پڑھا کرتا تھا اور ان مضامین کے مطالب سے زیادہ انگریزی زبان پر محمد علی کے قلم کی قدرت کو دیکھا کرتا تھا۔ میرا دل اور میری طرح اس زمانہ کے ہزارہا نوجوانوں کا دل جدید افکار کی وسعتوں اور خیالات کی بلندیوں سے نا آشنا تھا۔ ہمدرد کے شعبۂ ادارت میں جب میں ایک ادنیٰ شاگرد بن کر محمد علی کے سامنے بیٹھا۔ تب کہیں ان چنگاریوں کی گرمی میں نے محسوس کی جو کامریڈ کے جواں سال اور بیباک اڈیٹر کی شخصیت سے نکل کر انکے نوجوان شاگردوں کو اذیت کوش ہونے کی دعوت دیتی تھیں۔

۲۳۔ فروری ۱۹۱۳ء کو ہمدرد کا ایک ورقہ نقیب ہمدرد کے نام سے شایع ہوا تھا۔ اسوقت تک بیروت سے ٹائپ کی کافی مقدار وصول نہ ہوئی تھی۔ اس لیے یکم جون ۱۳ء سے پہلے ہمدرد اپنے پورے حجم کے ساتھ شایع نہ ہوسکا۔ یکم جون ۱۳ء کے بعد سے شعبۂ ادارت کا پورا کام شروع ہوا۔ اور میں نے پہلی دفعہ محمد علی کے مددگار کی حیثیت سے صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ ایک ادنیٰ شاگرد کی حیثیت سے میں نے انکے سامنے زانوے ادب تہ کیا تھا اور جب تک کہ ۱۴ء کی جنگ کا ہنگامہ شروع نہ ہوا اور محمد علی کی اڈیٹرانہ حیثیت قومی سیاست کے کاموں میں منتقل نہ ہوگئی وہ ہمدرد کے شعبۂ ادارت کی نگرانی کرتے رہے۔ یہی زمانہ وہ تھا کہ ایک ایسے استاد کی طرح جو بیک وقت شفیق بھی تھا اور سخت گیر بھی۔ انھوں نے صحافت کے ابتدائی اصول اپنے نوجوان مددگاروں کو سمجھائے۔ طریقۂ کار یہ تھا کہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مضامین لکھوائے جاتے تھے۔ ہر روز شام کو شعبۂ ادارت کے اراکین کی ایک مجلس مشاورت چیف اڈیٹر کے کمرہ میں منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں مرحوم اپنے ہر مددگار کے لیے ایک مضمون تجویز کرتے تھے۔ پھر اس مضمون کے متعلق کتابوں کی ایک فہرست لکھواتے تھے۔ بہت سی کتابیں اپنے کتب خانہ سے نکال کر دیتے تھے۔ انکے خاص خاص ابواب اور صفحات کی نشاندہی کرتے تھے اور بار بار اس اصول کو ذہن نشین کرایا کرتے تھے کہ لکھنے سے پہلے اور لکھنے سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ دس بارہ کتابیں پڑھنے کے بعد ایک اداریہ لکھنا ہوتا تھا۔ میرا پہلا اداریہ ہمدرد کی پہلی جلد کے آٹھویں پرچے میں ۸ جون کو شایع ہوا تھا۔ اسکا عنوان "مصر" تھا۔ یہ اداریہ کئی قسطوں میں شایع ہوا تھا۔ لیکن میں یہ بتاؤں کہ وہ لکھا کس طرح گیا تھا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ فن صحافت میں محمد علی کے شاگرد کس طرح تربیت حاصل کرتے تھے۔ دس بارہ کتابیں مجھے دی گئی تھیں تاکہ میں ان سب کو پڑھ لوں، کچھ نوٹ خود محمد علی نے لکھوائے تھے۔ آٹھ دس دن تک میں لکھنے کی تیاری کرتا رہا۔ پھر جب ایک حصہ لکھ لیا تو مسودہ انکے پاس لایا۔ مجھے یاد ہے کہ چند ہی سطریں پڑھنے کے بعد

اُنھوں نے منھ بنایا اور یہ کہکر مسودہ پھینکدیا کہ "یہ کیا فضولیات گھسیٹ کر لائے ہو"۔ میں کیا کہوں کہ اس دن ایک نام کار نوجوان کی کس قدر دلشکنی ہوئی جسکو اپنے خیال میں بڑا ناز تھا اس بات پر کہ وہ ہمدرد کے ادارتی شعبہ میں بغیر اپنی خواہش کے اصرار کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔ حالانکہ عمر اور تجربہ میں وہ محمد علی کے تمام دوسرے مددگاروں سے کم ہے۔ اگر چیف ایڈیٹر کی رائے میں اسکے پہلے ہی مضمون کا مسودہ فضولیات قرار پایا تو ظاہر ہے کہ اس نوجوان کی خودبینی کو جسقدر بھی صدمہ پہونچا ہو وہ کم ہے۔ بڑی ذلت اور شرمندگی محسوس ہوئی۔ کچھ غصہ بھی آیا مگر اتنی جرأت نہ تھی کہ اس غصہ کا ذرا بھی اظہار کیا جاتا۔ پھر ایک گھنٹے تک اُنکا لکچر سنا پھر بہت کوشش کر کے اُنکے خیالات کے مطابق از سر نو وہ مضمون لکھا پھر بھی وہ ناپسند ہوا مگر اتنا نہیں جتنا کہ پہلی دفعہ۔ ہدایت ہوئی کہ ایک دفعہ پھر لکھو۔ رات بھر بیٹھ کر پھر لکھا۔ اور صبح کو پیش کیا۔ پورا مضمون پڑھا۔ گلے سے لگا لیا تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ پہلے جس قدر اُنکی تنقید سے شرمندہ ہوا تھا اب اُنکی توصیف سے شرمندہ ہوگیا! معلوم ہوا کہ اس استاد کی تلخی میں شہد اور دودھ کی نہریں بھی بہا کرتی ہیں! ہفتوں میرے ان مضامین کی تعریف ہوتی رہی چنانچہ حوصلہ بڑھا اور خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ اب اُن کی بات سمجھ میں آنے لگی۔ اُنکا سا حافظہ یا اُنکی سی ذہانت تو نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس لیے بلا مبالغہ سیکڑوں اور ہزاروں کتابیں اس طرح پڑھنی پڑیں کہ پنسل اور نوٹ بک پاس رکھی ہے۔ کام کی باتیں نوٹ کرتا جاتا ہوں۔ ہر مسئلہ کے متعلق حاصل کردہ معلومات کو ایک علیحدہ فائل میں محفوظ کر دیتا ہوں اور ضرورت کے وقت اس سے کام لیتا ہوں۔ مضمون لکھتا ہوں تو زیادہ کوشش اس بات کی کرتا ہوں کہ وہ معلومات سے پُر ہو اور معلومات بھی ایسی، جو صحیح ہوں! خود محمد علی کو جب کوئی اہم مضمون لکھنا ہوتا تھا تو راتوں رات اس طرح جاگتے تھے کہ انکے بستر پر کتابوں اخباروں اور رسالوں اور تراشوں کا انبار ہوتا تھا۔ اور سرخ پنسل ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ان تیاریوں کے بعد لکھنے بیٹھتے تھے تو اپنے طرز نگارش کے ساتھ اپنی بے پناہ معلومات سے دلائل کی قوت میں اضافہ کرتے تھے۔ انکی دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ ہر مسئلہ کی تفصیلات پر گہری نظر ڈالتے تھے اور بعض اوقات تو میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ بال کی کھال نکال رہے ہیں لیکن بعد کو معلوم ہوتا تھا کہ انہیں چھوٹی چھوٹی تفصیلات ہی سے بڑے بڑے دلائل مستحکم کیے جاتے ہیں!

ہر شریک کار کو انکے خلوص و محبت سے لبریز دل میں جگہ ملتی تھی ظاہری عتاب و غصہ (جو آخر میں اعصابی امراض کی وجہ سے زیادہ ہوگیا تھا) محض عارضی ہوتا تھا۔ ایک دفعہ انھے ایک مضمون کا پروف نہیں لے دیکھا تھا اُس میں کوئی غلطی رہ گئی۔ مزاج برہم ہوگیا۔ دفتر میں آکر مجھ پر برس پڑے۔ میں بھی کچھ ہوسا۔ اُسی وقت اپنا استعفا لکھکر گھر چلا آیا۔ دوسرے دن گت بھائی زبردستی پکڑ کر لے گئے اور میں گیا بھی تو یہ سنکر کہ کل سے محمد علی نے کھانا نہیں کھایا ہے اور بہت مغموم ہیں۔ اُنکے سامنے پہونچا تو شکایت و حکایت تو کجا، لپٹ کر اس طرح رونے لگے کہ مجھ پر ہزاروں گھڑے پانی پڑ گیا۔ میری شکایت ندامت بن گئی اور تو یہ کرنا پڑی کہ اب ایسا نہ ہوگا۔ اپنے شاگردوں اور عقیدتمندوں سے محبت کے جواب میں وہ محبت مانگا کرتے تھے

گریجویٹوں کے لیے قرآنی تعلیم

صوبۂ بنگال کی مسلم لیگ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنی نگرانی میں طالب علموں کی قرآنی تعلیم کی جماعتیں کھولے۔ ان جماعتوں میں درس کے لیے مولانا آزاد سبحانی کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔ صوبائی مسلم لیگ مذکور کے سکرٹری نے اس اقدام کی توجیہ کرتے ہوئے کہا۔

"تعلیم یافتہ نوجوان مذہب سے نا واقفیت کی بنا پر بلا سوچے سمجھے "مارکسزم" کی جانب دوڑے چلے جا رہے ہیں اور اُن میں مذہب سے بے نیازی کے آثار پائے جانے لگے ہیں۔ اسکے انسداد کے لیے اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ انہیں مذہب اسلام اور قرآن مجید کی بصیرت افروز تعلیمات سے واقف کر دیا جائے"۔

بنگال مسلم لیگ نے یہ بڑا اچھا قدم اُٹھایا ہے اور ضرورت ہے کہ اسکی تقلید ہر صوبہ کی مسلم لیگ اور ہر ریاست کی مسلم تنظیم کرے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے ایک ایسا علیحدہ نظام تعلیم بھی تجویز کر رہی ہے جو مسلمانوں کی دینی و دنیوی دونوں ضرورتوں پر حاوی ہو مگر اسکے لیے اُس وقت تک انتظار کی ضرورت ہے جبتک وہ ایسا کرنے کا اختیار نہ حاصل کرلے اور اس دوران میں اندیشہ ہے کہ ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ گمراہ سے گمراہ تر ہو جائیں انکا بچانا بہت ضروری ہے اور یہ ایک اچھی تدبیر ہے کہ طالب علموں اور انڈر گریجویٹوں کے لیے ایسے مدارس کھولدیے جائیں جہاں وہ کاروبار اوقات کے خالی ساعتوں میں شریک ہوکر یہ جاننے اور سمجھنے کا موقع حاصل کریں کہ اسلام کیا ہے اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کو وہ کس طرح منظم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے "قرآنی تعلیم" کے انتظام سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ اگر ہندوستان کے اسلامی جامعات اور اسلامی کالجوں میں بھی اس طرح کی ایک ایک جماعت کھول دی جائے تو بہت ہی مناسب ہے۔ مگر مسلمانوں کو ان جامعات اور کالجوں کے اس سمت میں اقدام کا انتظار بھی نہیں کرنا چاہیے اور اس قسم کی درسگاہیں کھول لینی چاہییں۔ "مارکسیت" بلاشبہ اس زمانہ کا ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔

ہم اور وہ!

ہندوستان کے ہندو ۵۰ سال سے منظم ہیں۔ تحریک خلافت کے زمانے سے انکی تنظیمی قوت بہت زیادہ ترقی کر گئی اور گو ان میں مختلف ناموں سے مختلف جماعتیں بنیں، اور وہ اختلافات طریقۂ کار کی بنا پر بنیں، مگر سب کا مقصد ایک ہے۔ کانگریس اگر برطانیہ کی غلامی سے آزادی حاصل کرکے مسلمانوں کو مغلوب رکھنے کا حوصلہ کرتی ہے تو ہندو مہاسبھا آزادی حاصل کرلینے کے بعد مسلمانوں کو اقلیت کہکر اپنا محکوم بنانا چاہتی ہے۔ یہ ہے سیاسی عقیدہ کا فرق۔ لیکن جہاں تک قومی [illegible] اور معیشت یا ملک کے نام فلاح و بہبود کا تعلق ہے ان میں کوئی اختلاف یا فرق نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان میں اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو انکے اسباب بہت وقتی۔ ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتے اور گندگی اچھالتے ہیں۔ آج ہی مسٹر سرد [illegible] کی تقریر (کلکتہ) آئی ہے۔ جس میں انہوں نے ذمہ دارانہ حیثیت سے کانگریسیوں سے پرزور تائید کی ہے کہ کمیونسٹوں کو کانگریس سے نہ نکالا جائے بلکہ قومی کاموں میں ہر شخص کا تعاون حاصل کیا جائے۔ خواہ وہ مسلم لیگی ہو۔ البتہ کانگریس میں شامل ہوجانے کے بعد اگر کوئی شخص کانگریس کے اصول، مسلک، نصب العین یا مقصد کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اسکے خلاف تادیبی کارروائی کرکے کانگریس سے خارج کیا جا سکتا ہے۔

یہ ہے اس جماعت اور ان لوگوں کی رواداری جنکے نام ہی سے مسلمان بیزار ہوتا ہے۔ چونکہ کانگریس کو اپنی قوت اور اثر و رسوخ پر اعتماد ہے اس لیے اسکو پرواہ نہیں رہتی کہ کون کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور کس مقصد کو سامنے رکھ کر کانگریس میں شامل ہوا ہے۔ وقت آنے پر کھوٹے کھرے کی تمیز ہوجاتی ہے اور جس نے کانگریس احکام کی خلاف ورزی کی یا ذرا بھی سرتابی کی [illegible] دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔

خدمت خلق اور تعمیری کاموں کا خیال آیا، تو یہ سمجھنا مشکل ہوگیا کہ کانگریس کے پاس سرمایہ زیادہ ہے یا ورکرز کی تعداد۔ سوراج فنڈ تو قصۂ ماضی بنگیا۔ ہریجن فنڈ مدت سے جاری ہے اور اس شغل سے جاری ہے کہ اسکی حد معین ہوئی اور نہ کسی کی سمجھ میں آتی۔ گویا یہ ایسا ہمہ وقتی فنڈ ہے جو اسوقت تک جاری رہیگا جب تک ملک میں ایک بھی انسان ایسا باقی ہے جسے محض ذات کی بنا پر اچھوت اور ذلیل سمجھا جا رہا ہو۔ کھادی اور چرخے کی تحریک ۲۵ سال سے اس تنظیم اور سنجیدگی کے ساتھ چل رہی ہے کہ جو لوگ سوت کاتنا "زنانہ کام" سمجھتے ہیں وہ بھی [illegible] نہیں تو ہر ہفتہ میں چند تولہ ہی سوت کات لیتے ہیں۔ اس تحریک سے لاکھوں غریب عورتیں اپنا رزق کما رہی ہیں۔ اور کھادی اب ہمارے وطن خدمت خلق، صاف گوئی، بے خوفی اور مقابلۂ باطل کی علامت بنگئی ہے۔ تعمیری کام کی جو دھن لگی تو ایک حیلہ [illegible] کے سوا لاکھ روپیہ فراہم کرلیے۔ اور اب صرف آنریریم دے کر دو ورکرز کی ایک فوج ایک لاکھ دیہاتوں میں بھیجی جا رہی ہے، جو ہر قسم کے اصلاحی، صنعتی، تعلیمی، اور سیاسی خدمت انجام دیگی۔ ساتھ ہی ساتھ صفائی، حفظان صحت اور مفت علاج و معالجہ کا انتظام بھی کریگی۔ یہ سب سے اہم سوال جنگ کے بعد کا تھا۔ ابھی برطانیہ امریکہ اور [illegible] تعمیر عالم کی اسکیم پر غور ہی کر رہے ہیں اور ادھر ہندوستان میں سیکڑوں کمپنیاں بن گئیں جو صنعتی کارخانے چلائیں گی۔ اور دنیا سے صنعتی میدان میں مقابلہ بھی کریگی۔ انگریزوں نے تجارت کے پردے میں ہندوستان میں حکومت قائم کرلی تھی اب یہ ہندو تجارت ہی کے ذریعہ اس حکومت کو بے اثر اور دنیا سے برابر کا تعلق قائم کریں گے۔ تاجر سامان تیار کرینگے اور کانگریس آزاد تجارت کے حقوق حاصل کریگی۔ اخلاقی اصلاح کا کام کس درجہ دشوار کام ہے۔ لیکن گاندھی جی کی فاقہ کی دھمکی نے وہ کام کیا جو ہزاروں ناصح بھی حل کر نہیں کرسکتے تھے۔ اصول کی پختگی کا یہ حال کہ مہاسبھا پاکستان تسلیم کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں اور کانگریس حکومت کی شرط تسلیم کرنے پر کسی طرح تیار نہیں۔ خواہ اسکے بڑے بڑے لیڈر قید میں سڑ سڑ کے مر جائیں!

یہ اجمالی کیفیت ہے انکی جنکو مسلمان خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ دشمن اور مخالف سمجھ لینے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ دعوت جنگ دینے کے ساتھ ہی کم سے کم انھیں اسلحہ سے اپنے کو مسلح کرلیتے جو دشمن کے پاس ہیں۔ لیکن ہمارا کیا حال ہے؟ یہ نہ پوچھیے

ہم اگر کہیں گے تو شکایت ہوگی

مذکورۂ بالا باتیں ہم میں تلاش کیجیے۔ اور دیانتداری کے ساتھ فیصلہ کیجیے کہ کیا ہم اس قابل رہ گئے ہیں کہ حکومت برطانیہ کانگریس اور مہاسبھا کا یکجائی یا ان میں سے فرداً فرداً کسی کا مقابلہ کرسکیں؟ (ع۔ [illegible] ت)

پرانے مذہبی رسالے

رسائل ذیل کے متفرق نمبر بغرض فروخت موجود ہیں۔ بعض رسالوں کی جلدیں بھی ہیں۔ ایک روپیہ تک قیمت کے رسالے پیشگی ٹکٹ بھیجکر طلب فرمائیں، زیادہ کے خریدار صاحبان بھی ایک چوتھائی قیمت پیشگی ارسال کردیں۔

(۱) برہان (دہلی) ۱۲ر فی پرچہ
(۲) الفرقان (بریلی) "
(۳) الاصلاح (سرائے میر) ۲ر "
(۴) طلوع اسلام (دہلی) ۲ر "

مجلد کی قیمت ۸ر زائد

(مولوی) محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

(شوکت حسین پرنٹر نے منیر پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

باسمہ سبحانہ

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ جانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر۔ عبدالماجد
پتہ۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب۔ (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے متعلق خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی سعے
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍

نمبر ۳ | دوشنبہ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

آپ کو علم ہے کہ اسوقت ملک کی نامور ترین رقاصہ کون ہے؟ —— لاحول ولا قوۃ۔ ہوگی کوئی بیسوا، فاحشہ۔ صدق کے صفحات میں اسکا ذکر کیسا؟

جلدی نہ کیجیے۔ واقعہ یہ نہیں ہے، اور افسوس ہے کہ یہ نہیں ہے۔ نامور ترین رقاصہ کوئی پیشہ ور طائفہ والی نہیں۔ ملک کی ایک بڑی معزز غیر مسلم خاتون ہیں۔ نام کے ساتھ "دیوی" لکھا جاتا ہے۔ جنوبی ہند کے ایک برہمن خاندان کی لڑکی۔ شوہر ایک نامور، معزز، کہنا چاہیے کہ "مقدس" انگریز۔ ہندو تصوف کے مشہور سلسلہ تھیوسافیکل سوسائٹی کے صدر! لاکھوں اگر نہیں، تو ہزارہا ہزار پڑھے لکھوں کے روحانی پیشوا! مسز بیسنٹ کے جانشیں! یہ انکی "بانوئے محترم" ہیں۔ جہاں جاتی ہیں، ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں، اعزاز و اکرام کی مسند پر جگہ پاتی ہیں۔ یہ اُن خاتون اکرم کے کارنامے ہیں۔ ساتھ میں ناچنے والیوں کی ایک ٹولی ہے۔ ہندوستان میں دورہ کر رہی ہیں۔ خود ناچتی ہیں، ان سب کو نچاتی ہیں، مرتبۂ استادی پر فائز ہیں۔ کہیں سری کرشن جی کا روپ بھرتی ہیں، کہیں کوئی اور مقدس سوانگ رچاتی ہیں۔ انگریزی اخبارات انکی تصویروں اور انکے تذکرے سے لبریز۔ لیڈر، بمبئی کرانیکل، امرت بازار پتریکا، جس پرچہ کو اٹھا کر دیکھیے، انکے مناقب، انکے کمالات کی داستان رنگین! —— حرام اور ناجائز ہونا تو خیر بہت دور ہے، ناچ میں جزو عبادت اور علامت تقدس

فتنہ کی اہمیت کی، اسکی وسعت اور پھیلاؤ کا قطعاً آپ کو اندازہ نہیں۔ اسکی جڑیں کہاں کہاں پہونچ چکی ہیں! یہ انگریزی اخبار اور رسالے آپ کے گھروں میں بھی ہزارہا ہزار کی تعداد میں پڑھے جا رہے ہیں، شوق و اشتیاق کے ساتھ اور پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھنے والیاں بھی ہوتی ہیں۔ بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی بے تکلف اسی سیلاب میں بہی چلی جا رہی ہیں۔ اور نام تنہا انگریزی کا پرچوں کا کیوں لیجیے بڑی بڑی اشاعتیں رکھنے والے لاہور اور دہلی کے جو اردو پرچے غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہیں (ملاپ، اور پرتاپ اور تیج اور بندے ماترم اور کون کون) وہ کچھ کم تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں جا رہے ہیں؟ زہر پھیلانے میں وہ کچھ کم ہیں؟ —— یہ ذکر صرف عام اور سنجیدہ اخبارات کا تھا۔ باقی فلمی رسالے جنکا موضوع ہی یہی ہے، اور جو درجنوں اور درجنوں کی تعداد میں بمبئی اور دہلی اور لاہور سے نکل رہے ہیں، انکا کوئی سوال ہی نہیں! —— آپ پر دو طرفہ حملہ ہے۔ ہندو تہذیب اور فرنگی تہذیب دونوں نے متحد ہو کر آپ کو نرغہ میں لے لیا ہے۔ اور یہ طے کر لیا ہے کہ آپ کے بچوں اور بچیوں کو اپنا لینگی، اور آپ کے قائم کیے ہوئے معیار شرافت کو آپ ہی کے ہاتھوں پاش پاش کر کے رہینگی!

۲۲۔ نومبر کا لیڈر اٹھا کر دیکھیے، پکے گانے کے ایک مشہور استاد ... خان کی تصویر نظر آئیگی، اور ایک لمبا مقالہ اس گویئے پر انتہائی والہانہ انداز میں ایک مسلمان خاتون کے قلم سے! —— فسق و فجور سے بچانے والی، ہر معصیت سے روکنے والی چیز دل کی جھجک ہی تو ہے۔ جب تعلیم، تربیت، ماحول نے وہ جھجک توڑ دی

۔۔۔ ہیں! تو ایک دن میں کل تماشائیوں کی تعداد کتنی ہوئی؟ ۔۔۔

اور یہ اُس شہر میں جہاں کے لیے ابھی ابھی اخباروں میں نکلا ہے کہ کپڑے کی گرانی اور نایابی سے تنگ آکر لوگوں نے قبریں کھود کھود کر مُردوں کے کفن اُتارنے شروع کر دیے ہیں!

خوب گزری ہے کہ اِدھر تن ڈھانپنے کو کپڑا موجود نہیں۔ اور اُدھر سنیما کے لیے جیب میں دام بہ افراط ہیں! چوروں نے اس دَور سے قبل کبھی کیوں اتنی شوقینی کی ہوگی! یا یوں کہا جائے کہ شوقین مزاجوں نے اس سے قبل کبھی کیوں اس فن چوری کی مشق بہم پہونچائی ہوگی!

"رُوحانیت" دو ہفتہ میں

ایڈیٹر صاحب ریاست (دہلی) کا تجربہ کئی سال قبل، بمبئی کے ایک ہوٹل میں "روحانیت" کے ایک شعبدہ باز مسٹر محمود سے بےنظیری کے ساتھ:۔

"مسٹر محمود نے میرے ہاتھ میں ایک بالکل کورا کاغذ دیا ... اور مسٹر محمود اپنے سکرٹری (ایک خوبصورت یورپین لڑکی) کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ جانے سے پہلے کہا کہ پنسل سے یہ تین سوالات لکھے ... سوالات کو لکھ کر میں نے کاغذ کو تہ کیا اور مسٹر محمود کو آواز دی کہ آجائیے۔ وہ آکر میز کی دوسری طرف بیٹھ گئے۔ اور منہ سے کچھ پڑھتے رہے۔ پانچ سات منٹ کے بعد آپ نے مجھ سے کہا کہ یہ تہ شدہ کاغذ کو کھولوں۔ میں نے جب کاغذ کھولا تو اس میں ہر سوال کے ساتھ جواب لکھا ہوا تھا .... میں ان جوابات کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کوئی کاغذ لیا۔ خود سوالات لکھے۔ کاغذ میرے ہاتھ میں رہا۔ مسٹر محمود نے مجھ سے چھوئے تک نہیں۔ یہ جوابات کون لکھ گیا .... اگر محمود فی الحقیقت روحانی بزرگ ہیں تو اُنکے پاس یہ خوبصورت لڑکی کیوں۔ ...

میں نے مسٹر محمود کو اپنے ہوٹل میں ڈنر پر آنے کو کہا۔ ایک رات کو وہ آئے۔ کھانے کے ساتھ اُنھوں نے وسکی پی۔ پھر ہم سیر کے لیے موٹر میں گئے .... اب پتہ چلا کہ روحانیت میں اچھا کھانا، قیمتی شراب پینا، یورپین لڑکیاں بہ طور سکرٹری رکھنا، سنیما دیکھنا اور زندگی کو پُرلطف بسر کرنا بھی ممکن ہے .... مسٹر محمود نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ میں پروپیگنڈا اور اشتہارات کے فن سے واقف ہوں، اُنکے ساتھ امریکہ چلوں .... اگر ہم چلو ادھر ہاں ہیں تو روح کے ساتھ کاغذ پر لکھ کر ہم لاکھوں روپیہ پیدا کر لینگے .... انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ روح کاغذ پر روح کے ساتھ لکھنا مجھے دو ہفتے میں سکھا دیں گے۔" (ریاست ۔ ۲۰ جنوری)

ایسی "روحانیت" کے یہ کمالات دیکھ کر ایڈیٹر صاحب کو اتنی حیرانی کیوں ہوئی؟ اسکا صحیح نام روحانیت نہیں، کہانت ہے۔ مصر، یونان وغیرہ ہر قدیم قوم میں کاہنوں کا زور رہ چکا ہے، اور کہانت کے ماہرین اس سے بڑھ بڑھ کر حیرت انگیز نمونے اپنے فن کے کمالات کے دکھاتے رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے بادشاہ، امراء، وزراء اُنکے معتقد رہ چکے ہیں۔ یہ "روحانیت" نہ شراب خواری کے منافی ہے نہ حرام کاری کے نہ کسی اور معصیت کے

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

اس فن کا تعلق صرف اتنی مشقوں سے ہے، اور شاگرد اگر ذہین ہے تو یقیناً چند ہفتوں میں اسے سیکھ سکتا ہے۔ تقویٰ، تزکیہ اخلاق، طہارت قلب، خشیت الٰہی کی ضرورت جس طریق زندگی میں ہے، اُسے ان تکوینی مکاشفوں اور اشراقی مشقوں سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ وہاں مقصود صرف رضائے مولیٰ ہوتا ہے، اور اُسکی راہ صرف طاعت و اطاعت کی ہے۔ ہفتہ دو ہفتہ کے لیے نہیں، ساری عمر کے ایک ایک لمحہ کے لیے ——— نظر کے سامنے معیار صحیح اگر آ گیا ہے، اور دل میں طلب صادق پیدا ہو جائے، ہر چمکتی ہوئی چیز پر سونے کا گمان نہ رہ جائے، تو ذہن کے سامنے کوئی الجھاؤ نہیں باقی رہ سکتا۔

ناول اور سنیما

"ایک غلطی جس میں آجکل کے ناول نویس اور نفسی معالجین بڑی کثرت سے مبتلا ہیں، وہ یہ ہے کہ شہوانی زندگی کو حد سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ فرانس اور انگلستان میں بلکہ امریکہ میں بھی پچھلے تیس سال کے ادبیات کا تعلق (چند مستثنیات کو چھوڑکر) تمامتر بڑے شہروں کے تمدن سے رہا ہے جہاں دولت آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے، اور اسکی مخاطب مردوں سے زیادہ عورتیں ہی ہیں .... سنیما بھی ضرورت سے زیادہ زور عشق و محبت پر دے رہا ہے اور ضرورت سے کم عمل پر"

تنقید، آج کے ناول و سنیما پر یہ تنقید، کسی دقیانوسی مشرقی کی نہیں، فرانس کے نامور ادیب و نقاد ANDRE MAUROIS کی ہے، اور وہ بھی کسی پرانی کتاب میں نہیں، سنہ ۱۹۴۰ء کی چھپی ہوئی ART OF LIVING (صفحہ ۳۰۳) میں!

——— اندھی تقلید کرنے والا اور ٹھیٹھ غلاموں کی ذہنیت رکھنے والا ہندوستانی ناول نویس اپنے کمالات کی داد کسے دے رہا ہے!

اپنوں کی بےخبری

قاہرہ ۔ ۱۰ دسمبر۔ کل عرب خواتین کی کانفرنس کے تیسرے اور آخری اجلاس میں میڈم نقولا شعیب نے جو لبنانی خواتین کے وفد کی رکن ہیں، عورتوں کے لیے مزید سیاسی حقوق طلب کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ عورتیں اب دنیائے فکر و عمل میں زیادہ کام انجام دینا چاہتی ہیں، میڈم مفیدہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ

(۱) بدچلنی پر مردوں اور عورتوں دونوں کو مساوی سزا دینا چاہیے۔

(۲) بیسوائی کا پیشہ قانوناً ممنوع ہونا چاہیے"

(۳) کنواروں پر ٹیکس لگنا چاہیے" (خبر)

موصوفہ نے جو تین مطالبات پیش کیے، ان میں سے دو تو شریعت اسلام کے عین احکام ہی ہیں۔ شریعت نے حرام کاری کی سزا مرد و عورت کے لیے مساوی رکھی ہی ہے، اور بیسوائی کے پیشہ کا تو شریعت کی حکومت میں کوئی نام بھی نہیں لے سکتا۔ رہا تیسرا مطالبہ، تو وہ شریعت ہی کی

دے رہی ہے وہ گوشت کے ایک چیچھڑے کے سوا اور کیا ہے۔ یعنی زبان۔ اس تجربہ کا مشاہدہ جو کر چکا ہے، لاکھوں اور کروڑوں کی شکلوں میں کر چکا ہے، تو اسی تجربہ کردہ مشاہدہ کے آئندہ وقوع میں شک و شبہ بجز جنون کے میں تو اسکو کچھ اور نہیں سمجھتا۔ سورۂ یٰسین میں یہی

الیوم نختم علیٰ افواههم وتکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون۔	آج ہم مہر لگا دیں گے انکے منہ پر اور ہم سے بولیں گے انکے ہاتھ اور گواہی دینگے اُنکے پاؤں اُن کرتوتوں کا جو وہ کرتے تھے

ظاہر ہے کہ سارے کرتوت جو آدمی موجودہ زندگی میں کر رہا ہے، وہ اسی جسد کی ہاتھ پاؤں سے تو کر رہا ہے، یہی تو ان اعمال کے وقت ہمارے ساتھ موجود ہیں۔ قیامت کے دن اگر گواہی میں بھی نہ اٹھائے جائیں تو "شہادت" ان دوسرے نئے ہاتھ پاؤں کی صحیح کیسے ہوگی جو اسوقت ہمارے ساتھ موجود نہیں ہیں۔ شہادت کے لیے مشاہدہ تو پہلی شرط ہے۔ قرآن کے ان ہی نصوص محکمہ کی بنیاد پر ہر مسلمان کا سلفاً عن خلف یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ خاک کے اس تودہ میں ہمارے جسدی اجزاء آج خواہ جس طرح بھی ہل مل کر گم شدہ نظر آتے ہوں لیکن ان ہی اجزاء کو چھان پھٹک کر قدرت برآمد کریگی، اور ہر ایک کے ساتھ اُسکے جسد کے اجزاء بھی جوڑے جائیں گے۔ اسی طرح جیسے آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمین میں شیرینی، ترشی، تلخی، اور خدا جانے کن کن کیفیتوں کی پیدا کرنے والی چیزیں پوشیدہ ہیں۔ مگر آم کے تخم کو گاڑ کر دیکھ رہے ہیں کہ زمین کے جگرے ترشی کا اثر رکھنے والے اجزاء برآمد ہو رہے ہیں۔ گنّے کے درخت شیرینی کو کھینچ رہے ہیں، مرچ کے پودے تلخی کے اجزاء کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے پھلوں میں بھر رہے ہیں۔ جہاں یہ اور اس سے بھی زیادہ دقیق و نازک کام ہو رہا ہو، وہاں! جسد انسانی کے متلاشی اجزاء کو چھان بین کر برآمد کر لینا کیا دشوار ہے۔ خصوصاً علیٰ کل شیء قدیر اور واللہ بکل شیء محیط کے بعد۔

لیکن یہ سب تو قیامت میں ہوگا، جسکا نام قرآن ہی میں "النشأۃ الاخریٰ" ہے۔ فرق اس "النشأۃ الاولیٰ" اور آنے والی النشأۃ الاخریٰ میں اسکے سوا اور کیا ہے، کہ وہی چیزیں جنکا دوبارہ ظہور آئندہ ہمارے سامنے ہونے والا ہے، موجودہ نشأت میں ایک خاص قسم کے اسباب وعلل کے تحت ظاہر ہو رہی ہیں۔ مثلاً انسانی اجساد کی پیدائش اسوقت والدین کے ذریعہ سے ہو رہی ہے، اور آئندہ زندگی میں یہی جسدی پیدائش والدین کے قانون توالد و تناسل کی پابند نہ ہوگی۔ لیکن یہ فرق تو ایک سطحی فرق ہے۔ مرنے کے بعد ہم لوگوں کا پیدا ہوتے چلا جانا، جب بھی حیرت انگیز باقی نہیں رہا، تو پھر اس پیدائش کا ظہور جو آئندہ ہوگا، اس پر تعجب کیوں ہو۔ خود اس زندگی میں پیدائش کے قوانین ہر چیز کے یکساں کہاں ہیں، کوئی انڈوں سے پیدا ہو رہا ہے، کوئی ماں کے پیٹ ہی سے بن بنا کر نکلتا ہے، کوئی تخم سے پیدا ہوتا ہے، کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح، مگر یہ سب پیدائش ہی کی شکلیں۔ جیسے ان شکلوں کے اختلافات کا نفس "پیدائش" کے مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا، اسی طرح آئندہ پیدائش اگر توالد و تناسل کے قانون سے الگ کسی دوسرے قانون کے تحت ہو، تو یہ اچنبھے کی کیا بات ہے۔

نیز میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ قبر سے تعلق تو میت کے جسد کا ہوتا ہے، لیکن جسد انسانی میں بحالت حیات "شعور ذات" کا جو منشا و مرکز ہے، قرآن میں اسکے متعلق "الانفس" کا لفظ بھی فرمایا گیا ہے مثلاً

اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضیٰ علیها الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّی (الزمر)	اللہ ہی ہے جو "الانفس" کو اٹھا لیتا ہے موت کے وقت اور جو نہیں مرا اُس کی موت میں، پھر روک لیتا ہے اسے جسکے لیے فیصلہ موت کا کیا جاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے دوسرے کو مدت مقررہ تک کے لیے،

جس سے معلوم ہوا کہ موت میں کوئی چیز انسانی جسد سے اٹھائی جاتی ہے، یعنی جسد سے اُسکا تعلق منقطع ہو جاتا ہے، نہ ظاہر جسد ہی سے تعلق رہتا ہے اور نہ باطن سے۔ اور نیند میں بھی انقطاعی کیفیت جسد سے نفس کی پیدا ہوتی ہے، مگر اس طور پر کہ صرف ظاہر اعضاء سے تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور بیداری میں پھر یہی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

الغرض جسد سے کسی چیز کا موت کے وقت اُٹھنا قرآن کا ایک بدیہی مسئلہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ وہ چیز جو موت کے وقت اُٹھائی جاتی ہے وہ روک لی جاتی ہے۔ کہاں روک لی جاتی ہے، اور رکنے کے بعد وہ کس حال میں رہتی ہے، قرآن ہی میں ہے کہ جب موت طاری ہونے لگتی ہے، تو اُسوقت آرزو واپسی کی پیدا ہوتی ہے، یعنی

قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت	مرنے والے کہتے ہیں کہ میرے رب ہمیں واپس کیجیے، تاکہ جو چیزیں میں نے چھوڑی ہیں اُن میں عمل صالح کروں

اسی کے بعد ارشاد ہوا ہے

کلا انها کلمة هو قائلها ومن ورائهم برزخ الیٰ یوم یبعثون (المومنون)	قطعاً نہیں، وہ صرف ایک بات ہے جسے کہہ رہا ہے اور انکے آگے برزخ (پردہ) ہے اُس دن تک جب وہ اُٹھائے جائینگے۔

جس سے معلوم ہوا کہ "بعث" یعنی "نشأۃ اخریٰ" سے پہلے "الانفس" اپنے جسد سے اُٹھائے جانے کے بعد جس حال میں رہتے ہیں اُسے علماء برزخ جو کہتے ہیں وہ اسی قرآنی آیت سے ماخوذ ہے۔ باقی برزخی حالت میں "الانفس" پر کیا گذرتی ہے، در حقیقت اسی کے متعلق مجھے عرض کرنا تھا کہ مجھ کو قرآن کی بعض آیتوں مثلاً یہ فرمانے کے بعد، یعنی

حاق بآل فرعون سوء العذاب	اور چھا گیا فرعون والوں پر برا عذاب

(باقی آئندہ)

قائد ملت کا آخری پیام

(از مولوی خیرالدین صاحب وکیل - دبیر پورہ - حیدرآباد دکن)

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم حیدرآباد میں تقریباً ۲۰ سال سے قومی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مگر انکا سب سے پہلا دورہ ۱۳۴۲ف میں اس غرض سے ہوا۔ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ میں عرس حضرت خواجہ منتخب الدین قدس سرہٗ کے بعد مولوی ابو صالح بانی عالمگیر تحریک قرآنی کے ساتھ ضلع اورنگ آباد سے انھوں نے دورہ شروع فرمایا۔ اس دورہ میں اورنگ آباد سے جب وہ پربھنی آئے، تو راقم الحروف بھی انکے ساتھ شریک ہوگیا۔ اور انھوں نے پربھنی کے بعد ناندیڑ و نظام آباد کا دورہ فرمایا۔ اور ہر جگہ تعلیم قرآن بامعنی کے مدارس قائم کرنے کے لیے تقریریں کیں۔ اور اکثر جگہ تعلیم قرآن بامعنی کا انتظام ہوا۔ قوم کے نام یہ انکا پہلا پیام تھا۔ اسکے بعد حیدرآباد کو حقیقی معنی میں ایک اسلامی حکومت دیکھنے کی آرزو اُن کو بھی ہوئی جیسا کہ ہر مسلمان کی آرزو ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے عدل و انصاف کو دیکھے۔ اسکے لیے انھوں نے جب اتحاد المسلمین کے دَورِ جدید کے دستورالعمل کو منظور کرایا تو اب کی سب سے پہلی غرض یہ قائم ہوئی:-

"مسلمانانِ مملکت آصفیہ کو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرنا تاکہ وہ حبل اللہ کو مضبوط تھامیں اور کوشش کرنا کہ ملک میں قرآن کی تعلیم کا حلقہ ہو۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے قائد ملت مرحوم نے ملک کے تمام اضلاع و تعلقات و قصبات میں اور بعض چھوٹے چھوٹے مواضعات میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے دورہ کرکے اپنا یہ پیام پہونچایا۔ اور اکثر مقامات پر درس شبینہ قائم کیے۔ ہر مسلمان اور ہر ایک کارکن کو قائد ملت کی یہ تاکید تھی کہ وہ بعد نماز فجر ہر روز قرآن مجید کی کم از کم تین آیتیں مع ترجمہ پڑھے۔ اور اپنے دورہ میں اپنے اس عمل سے بھی لوگوں کو اسکا سبق دیا۔ جب کبھی علی الصباح اُن سے ملنے کوئی جاتا تو انکو تلاوت بامعنی میں مشغول پاتا۔ اور وہ بلند آواز سے قرأت اور ترجمہ پڑھتے اور حاضرین کو سناتے۔ اور چند سال سے تو یہ معمول ہوگیا تھا کہ اپنے مکان سے قریب کی مسجد میں نماز فجر کے بعد خود درس قرآن دیتے اور دُور دُور سے لوگ آکر انکے اس درس تفسیر میں شریک ہوتے۔

سب سے آخری پیام

مجلس اتحاد المسلمین بنگلہ بینی نے یکم رجب ۱۳۶۳ھ روز جمعہ کو بعد عصر درس تفسیر قرآن و مطالعہ اقبال کا افتتاح قائد ملت مرحوم کے ذمہ رکھا تھا۔ مولوی [illegible] اللہ صاحب صدر حلقہ [illegible] بیرون و اکثر ارکان ضلع اور محلہ کے عام اشخاص حضرت [illegible] والے شاہ صاحب کی خانقاہ میں قائد ملت کے منتظر تھے۔ ۶ ½ بجے پارلیمانی بورڈ کے اجلاس کو دارالسلام میں چھوڑ کر قائد ملت مرحوم اس درس کے افتتاح کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ تعوذ و تسمیہ اور سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت کی تفسیر فرمائی۔ تمہید میں فرمایا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ باشعوری سے قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سعی کرتا رہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ شعور میں آنے سے پہلے ہی میری نانی مرحومہ نے مجھکو قرآن سے شغف پیدا کر دیا تھا۔ جس دن بعد نماز فجر میں تلاوت قرآن نہ کرتا وہ مجھ سے منہ پھیر لیتیں اور فرماتیں کہ آج تم نے ہمارے خدا سے باتیں نہیں کیں اور اُسکے کلام نہیں پڑھا اس لیے ہم تم سے بات نہیں کریں گے۔ انکی اسی تعلیم و تربیت کا مجھ پر یہ اثر ہے۔ اسکے بعد مطالعہ اقبال کے درس کے افتتاح میں اقبال کا صرف یہ ایک شعر پڑھ دیا ہے

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس شعر کی مختصر تشریح فرمائی۔ وقت کم تھا [illegible] اسی وقت مولوی مؤید الدین حسن صاحب معتمد اشاعت تعلیم حیدرآباد کی صاحبزادی کا عقد تھا۔ مجھکو ہمراہ لیکر موصوف کے مکان پر پہونچے۔ راستہ میں فرمایا کہ اقبال نے اپنے کلام میں اکثر جگہ قرآن کے مطالب بیان کیے ہیں اقبال کے کلام سے قرآن پڑھنے اور اسکے سمجھنے کے لیے ایک اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ مرحوم کا قرآن سے متعلق یہ سب سے آخری پیام اور پبلک تقریر تھی۔ ۳ رجب یکشنبہ کی شام درس قرآن کے سلسلہ میں قائد ملت سے مولانا عبدالجبار خان صاحب کی ملاقات کے لیے میں نے اجازت حاصل کی اور اب اجازت سے تقریباً ایک گھنٹہ کے اندر اسلام اور قرآن کا سچا خادم اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔ خدا اسے تعالیٰ اسکے درجات بلند فرمائے۔ پہلے جلسۂ تعزیت دارالسلام میں مولانا مولوی مناظر احسن گیلانی نے فرمایا کہ قائد ملت مرحوم نے ملک میں جگہ جگہ درس قرآن بامعنی جاری کرایا۔ اب ہم اُنکی یادگار میں دکن کی ہر مسجد میں قرآن مجید کی بامعنی تعلیم کا انتظام کریں اور اسکے بعد ہندوستان میں یہ عمل۔ یکم رمضان ۱۳۶۳ھ کو مجلس ملکی نے بھی قرآن کی بامعنی تعلیم کی اپیل کی ہے۔ مسلمانوں سے توقع ہے کہ وہ قائد ملت مرحوم کے اس سب سے پہلے اور سب سے آخری پیغام کو عملی جامہ پہنا کر دین و دنیا کی صلاح و فلاح حاصل کرینگے۔ خصوصاً اتحادی کارکنوں اور ہمدردان قوم کا تو یہ فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے محبوب قائد کے اس پیام کو حرزِ جاں بنائیں۔

مولانا محمد علیؒ

(قاضی عبدالغفار صاحب مدیر پیام کی ایک نشری تقریر۔ حیدرآباد ریڈیو سے)
(۲)

اور اگر ہم اپنی کم فہمی سے انکی شکایت کرتے اور غصہ کو ناروا قرار دے کر خفا ہو جاتے تھے

تو آنکے قلب صافی کی سادگی ایسی تھی کہ وہ خود ہی حیران ہو جاتے تھے کہ یہ میں نے کیا کیا۔ جو کچھ اس بے مثل استاد، اس محبت کرنے والے بھائی اور شفیق دوست سے میں نے سیکھا وہ میری زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ صحافت انکی زندگی کا کوئی واحد مقصد نہ تھا بلکہ وہ تو کسی بہت بڑے مقصد کے لیے محض آلہ کار تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو محمد علی آج ہندوستان میں سب سے بڑے اور کامیاب صحیفہ نگار سمجھے جاتے۔ ہمدرد کے اجراء کے چند ہی روز بعد انکی قومی مصروفیت نے اسکے لیے بڑے بڑے میدان اور خارزار پیدا کر دیے تھے۔ اس لیے صحافت کو وہ اب اپنی نظر میں اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے کہ

مرے دل بستہ بتابی میں ہے اک بوند خوں وہ بھی !

چنانچہ رفتہ رفتہ کامریڈ اور ہمدرد کی ذمہ داریاں بڑی حد تک مجھ پر اور سید جالب مرحوم پر اور کامریڈ کی ذمہ داریاں مرحوم راجہ غلام حسین پر عائد ہو گئیں۔ انکی نظر بندی کے بعد بھی کچھ عرصہ تک میں "ہمدرد" سے وابستہ رہا لیکن بعد میں خود انھیں کے اشارے سے میں نے کلکتہ جا کر وہاں سے روزنامہ "جمہور" جاری کیا۔ اس طرح میں اُن سے دور ہو گیا۔ لیکن بقول استاد مرحوم کے

دل کی فضا میں بُعدِ زمان و مکاں نہیں

میری صحافت کلکتہ میں بھی اپنے استاد کے فیضان سے سرفراز رہی جو کچھ محمد علی سے سیکھا تھا وہی کام آیا۔

انکی صحیفہ نگاری کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر کسی عقیدہ کے اخبار نویسی محض دوکانداری ہے اخبار کا کام رائے عامہ کی رہنمائی کرنا ہے نہ کہ اسکی تقلید۔ وہ اس طریقہ کو معیوب سمجھتے تھے کہ اخبار کے کاروبار کی کامیابی کے لیے اور اخبار کو ہر دلعزیز بنانے کے لیے پڑھنے والوں کے خیالات کی تائید کی جائے۔ اس اصول کی خاطر انھوں نے "ہمدرد" کی عام مقبولیت کو نقصان پہنچنا گوارا کیا۔ لیکن اپنے عقائد کی انفرادیت کو متاثر کر کے کبھی اپنے اخبار کو کامیاب بنانا پسند نہیں کیا۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ اخبار میں اسکے مدیر کی شخصیت کا عکس پوری طرح نمایاں رہے۔ شہرت کے لیے عوام کے رجحانات اور خواہشات کو دیکھ کر اپنے بازار کو جاری رکھنا وہ اپنے عقائد کی توہین قرار دیتے تھے اس بے خود اشتہ... عقائد نے ہر جزو کے ساتھ انکا اخبار بھی بہت سے نشیب و فراز سے گزرتا رہا تا آنکہ حاسدوں کی بدمذاقی ... اسکی ... جنگی۔

تیسری بات جو میں نے اُن سے سیکھی یہ تھی کہ عدم تعاون کی تحریک سے پہلے بحیثیت ایک صحیفہ نگار کے وہ سرکاری حلقوں میں ایک خاص اثر رکھتے تھے اور بعض اوقات اسی وجہ سے انکے مخالفین ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ سرکاری حلقوں کے زیر اثر ہیں۔ ایسے لوگوں سے جیسے کہ مرحوم نواب صاحب رامپور یا مہاراجہ الور یا آغا خاں، مہاراجہ محمود آباد یا سر سید علی امام مرحوم کے تعلقات بظاہر گہرے تھے۔ اور اسوقت تک جبکہ عدم تعاون کی تحریک نے انکو سرکاری حلقوں سے بالکل جدا کر دیا۔ وہ حکومت کے اندرونی حلقوں میں بہت باثر سمجھے جاتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ ان حلقوں میں انکی وقعت محض انکی قابلیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ زیادہ تر اس لیے ہے کہ حکومت یہ جانتی ہے کہ انکا عقیدہ مستحکم ہے اور انکی شخصیت ترغیبات سے بالاتر ہے۔ اسی لیے انکی آواز میں زور تھا اور انکی آواز میں اثر۔ پہلی دفعہ جب نظر بند ہوئے اسوقت تک انکے انکار سے بہت قریب ہو چکا تھا اور سرکاری حلقوں میں انکی گفت و شنید سے واقف رہتا تھا۔ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ حکومتیں ہم جیسے لوگوں کی کمزوریاں تلاش کیا کرتی ہیں لیکن جب کوئی کمزوری ہاتھ نہیں آتی تو وہ ہماری بات کو سننا چاہتی ہیں اور کبھی کبھی انکو متاثر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انکی صحافت کے ابتدائی زمانہ کا سرکاری حلقوں سے کافی اقتدار قائم رہا۔ لیکن بگڑتے تھے وہ اسوقت جبکہ کسی عقیدہ اور اصول کا سوال سامنے آتا تھا۔ اصول اور عقیدہ کے معاملہ میں "ہمدرد" کے اجراء کے بعد انکی پامردی بہت نمایاں ہو چکی تھی اور جہاں کوئی تنقیح پیدا ہوتی تھی تو سرکاری حلقوں میں انکا کوئی بڑے سے بڑا دوست بھی انکو متاثر نہ کر سکتا تھا۔

تیسرے محمد علی میرے بہت محبوب استاد۔ انکی صحیفہ نگاری نے اردو صحافت کا ایک نیا دور شروع کیا تھا اور وہ اردو کی پس ماندہ صحافت میں بعض اہم اصلاحات کے بانی تھے۔ مثلاً ہمدرد پہلا روزنامہ تھا جسکے مضامین کا معیار اس زمانہ کی عام صحافت سے بہت زیادہ بلند تھا۔ بہت سے مشہور شعرا اور ادیبوں کو جو صحافت سے دور رہتے تھے محمد علی کی شخصیت نے پہلی دفعہ ہمدرد کے صفحات پر پیش کیا۔ حالی اور اقبال اور شبلی کی نظمیں اور پریم چند کے افسانے غالباً پہلی دفعہ ایک اردو روزنامہ میں شائع ہوئے۔ طنز اور مزاح نگاری کا ایک ایسا معیار ہمدرد نے قائم کیا جسکا اس سے پہلے اردو صحافت میں کوئی وجود نہ تھا۔ "بسوق" اور محفوظ علی اس فن کے استاد مانے گئے اور آج بھی جو اچھے مزاح نگار یا طنز ... ہیں انھوں نے ہمدرد کی روایات سے بہت کچھ حاصل کیا ہے یہ سب محمد علی کی شخصیت کا کرشمہ تھا اور اسکے شاگرد ... اس ... ذوق ... ہوا تو وہ بھی ...

... ہے۔

میری عمر بھر کی یہ داستان ہے! اسے میں حضرت عبد منت میں
کیا بیان کر سکتا ہوں۔ تاہم ملت محمد علی کے متعلق تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے
لیکن صحیفہ نگار محمد علی کے متعلق ابھی کچھ نہیں لکھا جا سکا۔ اب وہ
اپنے رب کی رحمتوں کے آغوش میں محو خواب ابد ہیں، لیکن ان کی
روایات اب بھی اپنے اندر زندگی کی حرارت رکھتی ہیں۔ جب کبھی
وہ یاد آتے ہیں تو اس عہد رفتہ کے ہیبت سے مردے کروٹیں بدلتے
ہیں۔ ہمارے دلوں میں وہ اب بھی زندہ ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے
کہ وہ مر گئے

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق!
(پیام)

دین فطرت کی کشش

(نومسلم فرنگن کی تقریر)

...... اسکے بعد مسز عارفہ بشیر صاحبہ نے تقریر فرمائی۔ آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ایک عیسائی خاندان کی رکن ہوں ہمارے خاندان میں عیسائیت کا خوب چرچا تھا، لیکن عیسائیت میری روح کی پیاس کو نہ بجھا سکی۔ میرے اندر ایک مذہبی بےچینی تھی۔ جب میں نے ایک مسلمان مبلغ کو دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو، اس نے کہا کہ ہم ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں جو سب قوموں کا خدا ہے، لیکن عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں، حالانکہ اس خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور کوئی شریک نہیں۔ پھر میں نے مسلمانوں کی مسجد میں دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی صف میں نماز پڑھتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھکر بہت تعجب ہوا، کیونکہ عیسائی گرجوں میں یہ مساوات مفقود ہے۔ اسکے بعد میں مسلمان ہوگئی۔ جس دن سے میں مسلمان ہوئی اس دن سے میں اپنی قومیت کو بھول گئی اور مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ میں صرف مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی بین الاقوامی برادری میں شامل ہوں۔ عیسائیت میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ عورت کو گناہ آدم کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ اور طلاق کا حق بھی تھوڑا عرصہ ہوا عورت کو یورپ میں حاصل ہوا۔ عیسائی مذہب میں عورت اور مرد برابر نہیں حقیقی مساوات صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اسکے بعد آپ نے اسلام کے بنیادی اصولوں کا عیسائیت کے اصولوں سے مقابلہ کیا اور ثابت کیا کہ اسلام کہ اسلام عیسائیت پر بہت فوقیت رکھتا ہے۔
(پیغام صلح)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) ... (بجری آباد) (۱) جی نہیں، انگریزی تفسیر کے پارۂ دوم کی ابھی کوئی اطلاع تاج کمپنی سے موصول نہیں۔ مرزہ بدست زندہ (۲) اردو تفسیر کا پارۂ اول بحمداللہ بالکل تیار ہے، لیکن مسودہ کو کوئی مستقل ضمانت کرنے والا دستیاب نہیں ہوا۔ تھوڑا تھوڑا کر کے تاج کمپنی کو بھیجا جا رہا ہے۔ رفتار یقیناً بہت سست، صبر آزما حد تک سست ہے۔ لیکن چارہ نہیں۔ (۳) مضمون حکیم الامت کی نئی قسط نہ نکلنے کی بڑی اور اصلی وجہ پرچہ کی عدم گنجائش ہے۔ باہر کے کرم فرما حضرات خواہ مخواہ صدق سے وہ کام لینا چاہتے ہیں جو دوسرے پرچوں سے بھی نکل سکتا ہے۔ انکی اشکنی کا خیال صدق کی محدود گنجائش کو محدود تر بنائے ہوئے ہے۔

(۲) .... (نرسل۔ دکن) تفسیری قسطوں کا نکلتے رہنا یقیناً بہت ضروری ہے، لیکن دیر کی معذوریاں بھی انہیں پرچہ کے جواب میں ملاحظہ کر لی جائیں۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری اس فروری میں ختم ہو رہی ہے مہربانی کر کے اپنا چندہ ایسے وقت میں بھیجدیں کہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر کو پہونچ جائے۔ ورنہ یکم مارچ ۱۹۴۵ء کو وی پی روانہ ہونگے:۔

خریدار ۲۳۸ و ۴۷۶ و ۴۸۲ و ۶۰۳
و ۶۰۴ و ۹۸۹ و ۱۱۰۰ و ۱۱۰۱
و ۱۱۰۲ و ۱۱۰۳ و ۱۱۰۴ و ۱۱۰۵
و ۱۲۰۶ و ۱۳۲۷ و ۱۳۳۱ و ۱۳۳۲
و ۱۳۳۳ و ۱۳۳۴ و ۱۳۳۵ و ۱۳۳۶
و ۱۳۳۷ و ۱۳۳۸ و ۱۳۳۹ و ۱۳۴۲
و ۱۳۴۴ و ۱۳۴۷ و ۱۳۹۳ و ۱۳۹۷
و ۱۴۱۲ ...

مہتمم صدق لکھنؤ

صدق کے مضمون نگاروں سے

آپ حضرات کی محبت صدق کے ساتھ بالکل مسلّم۔ لیکن شاید دو ایک بات میں آپکے ذہن سے صفحات صدق کی بہت ہی محدود و تنگ گنجائش نکل جاتی ہے۔ آپ کو یقیناً کوئی اندازہ نہیں کہ ہر ہفتہ فرمائشیں کتنا ذخیرہ پہلے سے موجود رہتا ہے اور ادھر آپ کا مضمون موصول ہوا، ادھر دوسری ایک ہفتہ بعد اصرار و تقاضا اسکی اشاعت کا شروع ہو جاتا ہے، یہ صریح ظلم ہے۔ آخر کوئی تو بات ہے کہ ضروری سے ضروری اور اہم تر شذرے ابھی ہفتوں سے اس ہفتہ پر اٹھے رہتے ہیں اور تعداد ہوا ہمارا دہلی، اور لکھنؤ سے آنے والے جو جواب کے لیے مستقل مقالوں کے محتاج ہیں، مہینوں سے پڑے ہوئے ہیں! اور حکیم الامت جیسے اہم مضمون کی قسط کے لیے مہینوں سے گنجائش نہیں نکل پاتی ہے! یہ سب صدق کی تنگدامانی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے

عذاب قبر یا عذاب قریب

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۳)

کچھ قرآنی اشارات اس باب میں بھی قابلِ غور ہیں۔ سورۂ یٰسین میں ہے کہ "النشأۃ الاخریٰ" میں لوگوں کو جب دوبارہ اُٹھایا جائیگا، تو کہیں گے

من بعثنا من مرقدنا ھذا	کس نے اُٹھا یا ہمیں اپنی اس خوابگاہ سے

ظاہر ہے کہ "مرقدنا ھذا" میں مرقد کا لفظ برزخ ہی کی تعبیر ہے۔ مرقد کا ماخذ رقود ہے۔ جسکے معنی نیند کے ہیں۔ نیز حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ بخاری وغیرہ میں ہے کہ مرنے والوں کو کہا جاتا ہے

نم کنومۃ العروس	سو جا جیسے دولہا سوتا ہے

کیا ان الفاظ سے اگر یہ سمجھا جائے کہ "برزخی احساسات" اور نومی احساسات میں کوئی مناسبت ہے، مرقد اور نوم کے الفاظ سے اسکی تائید نہیں ہوتی بلکہ "الانفس" کی توفی کا ذکر جہاں کیا گیا ہے وہاں بھی نوم کا تذکرہ اسی کا مؤید ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے احساسات جو پیدا ہوتے ہیں زندگی میں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک ان چیزوں کے اثر سے احساسات پیدا ہوتے ہیں جن کے وجود کا ہمارے ارادے اور اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً بحالتِ بیداری آفتاب، ماہتاب، زمین، ستاروں، سیاروں کا احساس جو ہم میں پیدا ہوتا رہتا ہے کہ احساسی اثرات پیدا کرنے والے ان موجودات کا وجود ظاہر ہے کہ ہمارے اختیار و ارادہ کا تابع نہیں ہے ہم ہوں یا نہ ہوں یہ ساری چیزیں دنیا میں موجود رہیں گی۔

اسی کے ساتھ بیداری ہی میں ہم آنکھیں بند کرکے جب چیزوں کو اپنے خیال میں پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً حیدرآباد میں بیٹھے بیٹھے کلکتہ کی جب ہم سیر کرتے ہیں یا اسی قسم کی باتوں کو تخیل کے زور سے پیدا کرکے ہم ان سے جو تاثر لیتے ہیں۔ تو کوئی شبہ نہیں کہ احساسی اثر ان سے بھی پیدا ہوتے ہیں، جنکا وجود ہمارے ارادے اور اختیار کا تابع ہے۔ جب تک ہم ان خیالی موجودات کو چاہتے ہیں موجود ہیں۔ جب جی چاہے خیال ہٹا کر انکو معدوم کر سکتے ہیں۔

لیکن تیسری صورت احساسات کی اور بھی ہے جو بحالتِ خواب اور نیند ہم میں پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی خواب میں بھی ہم عموماً آفتاب، ماہتاب، دریا، پہاڑ سب ہی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جن چیزوں سے یہ احساسات ہمارے اندر پیدا ہو رہے ہیں انکے وجود کا مرکز ہم سے باہر نہیں بلکہ ہمارے اندر ہے۔ لیکن باوجود اسکے ہمارے اختیار اور ارادے سے انکا وجود وابستہ نہیں ہے آخر اس پر کون قادر ہے کہ اپنی مرضی اور اپنے ارادہ کے مطابق ہی خواب دیکھے۔ تو خواب کی یہ خصوصیت ٹھہری کہ جن چیزوں سے خواب کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ انکے وجود کا مرکز باہر نہیں بلکہ دیکھنے والے کے اندر ہی ہوتا ہے۔ لیکن انکی پیدائش دیکھنے والے کے اختیار و ارادے کی پابند نہیں ہوتی۔ پس اگر یہ سمجھا جائے ثواب و عذاب کی وہ شکل جسکے وجود کا مرکز احساس کرنے والے سے باہر ہو، یہ تو نشأۃ آخرت کے بعد ہوگا۔

اور "الانفس" کا امساک جس برزخی حال میں رہتا ہے تو اس مرقد اور نومی حالت میں "الانفس" کے سامنے نظارے اقتدہ پیداہ" (اپنے اعمال و افعال) کے پیش تو ہوتے ہیں، اور ان نظارہ کا احساس بھی اسکو ہوتا ہے۔ لیکن جن چیزوں سے یہ نظارے پیدا ہوتے ہیں۔ انکے وجود کا مرکز خود دیکھنے والے کے اندر ہوتا ہے، اسی طور پر نہ ان چیزوں کے وجود اور عدم پر انکے اختیار وارادہ کی قوت کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جن علماء نے برزخ" کو خواب" سے تشبیہ دے کر سمجھانا چاہا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ انکا یہی مطلب ہوگا۔ کہ جیسے خواب کے احساسات جن چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں گو دیکھنے والے کے اندر ہی ان چیزوں کا مرکز ہوتا ہے لیکن ان چیزوں کی پیدائش خواب [illegible] کے ارادے اور اختیار کے تابع

اور پابند نہیں ہوتی۔ پس کہ [illegible] "الانفس" پر اس
اسا کی حال میں گزرتی رہتی ہے [illegible] برزخ" کے نصو
سے ظاہر کیا ہے۔ اور جیسے بیدار [illegible] ہے میں طرح
طرح کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔ [illegible] اعضا دوسری
مثلاً وہ آگ میں جلتا ہوا [illegible] کی
کے اعمال و افعال "برزخ [illegible] بیمار
کر لیتے ہیں۔ مثلاً [illegible]
لیکن ظاہر ہے کہ یہ جو جو [illegible]
اسی طرح گزرتا ہے جیسے جو [illegible]
پر گزرتا ہے۔ جسد دونوں حال میں [illegible] حدیث
میں بھی ہے کہ جن ارواحوں کو برزخ [illegible] ہے۔
لو ان داعداً منہا نفخ فی الارض [illegible] اژدہا بھی
ما انبتت شیئاً ما بقیت الدنیا [illegible] تو رہتی دنیا تک۔
(ترمذی وغیرہ) [illegible] چیز زمین پر نہ اُگے۔

جس سے معلوم ہوا کہ ان واقعات کا تعلق "الارض" زمین سے نہیں ہے مگر جیسے خواب میں "الانفس" کے احساسات کا اثر کبھی کبھی جسد پر بھی طاری ہو جاتا ہے۔ بعضوں کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ کبھی کبھی جسدِ مقبور پر بھی برزخی حالات کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ طبقات ابن سعد میں ایک عجیب قصہ ہے۔ ربعی بن حراش مشہور تابعی کے بھائی ربیع بن حراش کے حال میں لکھا ہے کہ ربیع کا انتقال ہوگیا، انکے بھائی ربعی کو خبر ملی، بھاگے ہوئے پہنچے اور بھائی کی لاش کے سرہانے آکر بیٹھ گئے، اور انکے لیے استغفار وغیرہ دعائیں کرتے رہے۔ کہ اچانک ربعی کیا دیکھتے ہیں، کہ انکے بھائی ربیع جنکی لاش بالکل بے جان پڑی ہوئی تھی، اس لاش سے

کشف عن وجہہ [illegible] چادر جو منہ پر پڑی ہوئی تھی [illegible] سرکا دی

نہیں بلکہ آگے اسکے بعد ہے

و قال السلام علیکم انی قدمت علی ربی بعدکم فلقیت بروح وریحان ورب غیر غضبان وکسانی ثیاب سندس واستبرق	اور کہا کہ "السلام علیکم" (اسکے بعد یہ گفتگو ہوئی) کہ میں اپنے پروردگار کے پاس تم لوگوں کے بعد حاضر ہوا، وہاں میری آؤ بھگت روح اور ریحان سے ہوئی اور

ایک ایسے مالک سے ملاقات ہوئی جو غصہ والا نہیں ہے۔ مجھے میرے مالک نے سندس اور استبرق کے خلعت سے سرفراز فرمایا۔

سب سے زیادہ دلدوز یہ آخری فقرہ ہے

وانی وجدت الامر اہون مما تظنون	اور میں نے تو (وہاں کا معاملہ) اس سے کہیں زیادہ آسان پایا، جتنا تم لوگ خیال کرتے ہو۔

آخر میں یہ کہتے ہوئے کہ

ولکن لا تتکلوا اعلوا فانی قد واعدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القاہ	لیکن اب بول چال مت کرو۔ مجھے اٹھا؛ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ لے کر آیا ہوں کہ جب تک میں حاضر نہ ہو جاؤں اپنی جگہ سے تشریف نہ لے جائیے۔

دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے۔ ایک ہی ہیں۔ لیکن یہ فقرہ اس

تھا، کیونکہ میں نے

سے اسکی اجازت حاصل کی

لوگوں کو خوشخبری سنا دوں۔

اس واقعہ ہیں اُن میں آخری راوی تو خود صحابی ہیں۔ باقی راویوں کے متعلق بھی ہیں یہ کہہ سکا ہیں یعنی سند ابھی روایت ناقابل اعتبار نہیں واقعہ سے جہاں بہت سی دوسری

باتیں معلوم ہوتی ہیں، میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جسد سے "الانفس" کا کلی تعلق جب ٹوٹ جاتا ہے تو اسکے بعد بھی ایک گونہ نسبت اپنے جسد خاص سے "نفس" کہیے یا روح کی باقی رہتی ہے۔ ایسی نسبت جو دوسرے اجساد مرفونہ سے اسے نہیں ہوتی۔ آخر ربیع کی روح تو نکل چکی تھی۔ پھر پلٹ کر جو اسی جسد سے متعلق ہوئی تو گویا یہ دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ انقطاع تعلق کے باوجود بھی کسی نہ کسی قسم کا تعلق جسد کے ساتھ روح کا باقی رہتا ہے۔ اور جب جسد سے تعلق باقی رہتا ہے تو جسد جس قبر میں مدفون ہوتا ہے اُس سے بھی کیوں نسبت اسکی باقی نہ رہیگی۔ اسی لیے تو مقابر پر گزرنے کی صورت میں سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر "الانفس" تک اس سلام کا کوئی اثر نہیں پہونچتا، تو سلام کا فائدہ ہی کیا ہوگا۔ "قلیب بدر" (یعنی جس کنوئیں میں قریش کے مقتولین کی لاشیں ڈال دی گئی تھیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں کی طرف خیال کرکے فرمایا تھا

ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا	تم سے تمہارے خدا نے جو وعدہ کیا تھا کیا اُسے تم نے پایا؟

حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

بہر حال میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ موت سے صرف "اختیار و اقتدار" کا ازالہ ہو جاتا ہے، لیکن احساس کا نہیں۔ اسی لیے عمل کی دنیا موت سے پہلے ہی مرنے کے بعد احساسات سب "الانفس" میں باقی رہتے ہیں، لیکن "اختیار" مسلوب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے عمل کا موقع باقی نہیں رہتا۔

مگر یہ عام مُردوں کے حالات ہیں۔ باقی النبیین والصدیقین والشہداء اسکے متعلق دوسرے تفصیلات ہیں۔ جنکا ذکر انشاء اللہ پھر کبھی۔ سردست انہی ہی گزارشوں پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

صدق۔ مولانا گیلانی مدظلہ کے افادات ہمیشہ ہی قابل قدر ہوتے ہیں، لیکن یہ مقالہ خصوصاً اسکا نصف آخر اور زیادہ قابل قدر و مستحق غور و توجہ ہے۔

ارشاداتِ اشرفیہ

(مرتبہ سید غلام رسول صاحب ادارۂ دعوت الحق اراین گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۱۰)

(۱-) (اللہ تعالیٰ کی) صفات اور آثار صفات کا علم ہونا معرفت علمی کہلاتا ہے اور صفات کے اثر کا مشاہدہ ہونا معرفت یقینی کہلاتا ہے۔

(۲-) عقائد کفریہ کو چھپا کر اسلام و ایمان کا اظہار کرنا نفاق کہلاتا ہے۔

(۳-) ضروری عبادات اداکرنے کے بعد باقی اوقات کو ذکر و فکر میں گزارنے والا قلندر کہلاتا ہے۔

(۴) جس عالم میں دنیا کی حرص و محبت ہو اسکا فتویٰ غیر معتبر ہے۔

(۵) ارادۂ ترک معصیت کے ساتھ معصیت پر دل سے نادم ہونا توبہ ہے۔

(۶) "شیخ" کا (تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفوس کے) فن سے واقف ہونا لوازمات شیخیت سے ہے نہ کہ ولی و متقی ہونا۔

(۷) کسی مرید کو ولی یعنی مقبول بنانا شیخ کے اختیار سے خارج ہے۔

(۸) شیخ اگر (تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق کے) فن سے واقف ہونے کے علاوہ متقی بھی ہو تو اُس کی تعلیم و تربیت میں برکت ہوگی۔

(۹) کسی درویش و شیخ کے پاس اہل دنیا کا زیادہ ہجوم ہونا اُسکے دنیا دار ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۰) غیر لازم چیز کو لازم کر لینے کا نام رسم ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر کے اہتمام سے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپا۔ دفتر صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

تحقیق حیات و نزول مسیحؑ

(از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی)

صدق مورخہ ۱۵۔ جنوری ۱۹۴۸ء صفحہ میں کسی فرنگی محلی[1] کے قلم سے حیات و نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک مدت کے بعد پھر اس بحث کو میدان میں لایا گیا ہے جسے فرقۂ قادیانی کے رد میں مدت ہوئی علماء اسلام نے بخوبی واضح اور روشن کر دیا تھا، اور صاف صاف لفظوں میں دلائل کے ساتھ بتلا دیا گیا تھا کہ حیات مسیح اور نزول مسیح کا مسئلہ تواتر اجماع سے ثابت ہے اور یہ امت کا مسلمہ اجماعی عقیدہ ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ۔ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اکفار الملحدین فی شیٔ من ضروریات الدین۔ از مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ۔ از مولانا محمد ادریس صاحب سلمہٗ کاندھلوی مدرس دار العلوم دیوبند۔ الجواب الفصیح المنکر حیات المسیح۔ از مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی سلمہٗ مدرس سابق جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت۔ الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح از حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ نہ معلوم مضمون نگار نے کون سے محمد شفیع صاحب سے سن لیا کہ یہ مسائل ظنیات میں سے ہیں انکو قطعیات میں شمار کرنا صحیح نہیں"۔ اگر وہ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند سے دریافت کرتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ ان مسائل کو ظنیات میں سے شمار کرنا علم حدیث و تفسیر اور علم عقائد سے بیخبری کا اقرار کرنا ہے۔ چونکہ مدیر صدق نے جواب میں اختصار ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے اس لیے میں اس وقت چند اقوال پر اکتفا کرتا ہوں جن سے حیات مسیح و نزول مسیح کا قطعیات سے ہونا بخوبی واضح ہو جائیگا۔ تفصیل کے لیے رسائل مذکورہ ملاحظہ ہوں۔

اقوال علماء امت کی نقل سے پہلے اس پر بھی تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ علامہ ابن خلدون اور بعض انکے ہم خیال فلسفی علماء نے ظہور مہدی میں تو کچھ کلام کیا ہے مگر حیات و نزول مسیح علیہ السلام کا انھوں نے بھی انکار نہیں کیا۔ ظہور مہدی کا انکار کرنے والے اپنی حجت میں ابن ماجہ کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم۔ کہ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام ہی مہدی ہیں، ان کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ مگر یہ حدیث خود ضعیف ہے۔ اسکی وجہ سے دوسری صحیح احادیث میں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں تاویل نہیں کی جا سکتی جو صراحۃً مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کی جدا جدا شخصیت ثابت کر رہی ہیں۔ بہرحال اس چودھویں صدی سے پہلے علماء امت میں حیات و نزول مسیح کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ جو لوگ ظہور مہدی کا کسی وجہ سے انکار کرتے تھے وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و نزول کے قائل تھے۔ یہ مسئلہ امت کا مسلم اجماعی مسئلہ ہے جسکو ظنیات میں شمار کرنا سخت غلطی ہے"۔ علامہ قرطبی نے تذکرہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں یہ قول بلا نکیر و اختلاف کے نقل فرمایا ہے

قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتہا عن المصطفیٰ صلی اللہ وسلم فی المہدی وانہ من اہل بیتہ وانہ یملأ الارض عدلاً۔ وان عیسیٰ علیہ السلام یخرج فیساعدہ علیٰ قتل الدجال وانہ یؤم ہذہ الامۃ وعیسیٰ خلفہ فی طول من قصتہ وامرہ انتہیٰ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کثرت اور شہرت کے ساتھ درجہ تواتر میں مہدی کے متعلق حدیثیں مروی ہیں کہ وہ اہلبیت سے ہونگے زمین کو عدل سے بھر دینگے عیسیٰ علیہ السلام انکے ... نکلینگے دجال کے ... گے عیسیٰ ... علیہ السلام ... ابن خا... ... یا ...

قال ابن خلدون بفصل فی امر الفاطمی وما یذہب الیہ الناس فی شانہ اعلم ان المشہور بین الکافۃ من اہل الاسلام علیٰ ممر الاعصار انہ لابد فی آخر الزمان من ظہور رجل من اہل البیت یؤید الدین ویظہر العدل ویتبعہ المسلمون ویستولی علی الممالک الاسلامیۃ ویسمی بالمہدی ویکون خروج الدجال وما بعدہ من اشراط الساعۃ الثابتۃ فی الصحیح علیٰ اثرہ وان عیسیٰ ینزل من بعدہ فیقتل الدجال او ینزل معہ فیساعدہ علیٰ قتلہ ویأتم بالمہدی فی صلوتہ الخ

... اسکا ... پر اسکا ... ملا... مہدی ... رعیت ... صحیح احادیث ہیں ... اور یہی اسکے بعد ہوگا عیسیٰ علیہ السلام اسکے (ظہور کے) بعد نازل ہونگے اور دجال کو قتل کرینگے یا اسکے (ظہور کے) ساتھ ساتھ نازل ہونگے اور دجال کے قتل میں مہدی کی مدد کرینگے اور مہدی کے پیچھے نماز پڑھینگے

وقال الفقیہ ابن حجر فی القول المختصر الذی یتعین اعتقادہٗ مادلت علیہ الاحادیث الصحیحۃ من وجود المہدی المنتظر الذی یخرج الدجال وعیسیٰ فی زمانہ ویصلی عیسیٰ خلفہ اھ کتاب الاشراط لاشراط الساعۃ صفحہ ۲۴۲

علامہ ابن حجر قول مختصر میں فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر عقیدہ رکھنا لازم ہے یہ ہے جس پر احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ مہدی منتظر کا وجود ہوگا جنکے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائینگے اور دجال نکلیگا اور عیسیٰ علیہ السلام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

وقال ابن کثیر قد تواترت الاحادیث

محدث ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

---

[1] مضمون نگار کی مراد مولانا محمد شفیع فرنگی محلی، مدرس مدرسہ نظامیہ فرنگی محل سے تھی۔ (صدق)

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انہ اخبر بنزول عیسٰی علیہ السلام
قبل یوم القیامۃ اماما عادلا
وحکما مقسطا اھ وقد صرح
فی تفسیر النساء ایضًا وساق
عدۃ من الاحادیث وقد
اخرج الترمذی فی جامعہ فی
قتل عیسٰی بن مریم الدجال
علی احادیث خمسۃ عشر صحابیا۔
وقد ذکر الحافظ فی الفتح تواتر
نزولہ علیہ السلام عن ابی الحسین
الآبری۔ والمحدث العلامۃ
الشوکانی فی رسالۃ سماہا التوضیح
فی تواتر ما جاء فی ...
... المسیح ...
حدیثا ...
... امام ...
... سا ...
من ... معتزلۃ
من ... سہنا
... لفرد
فی عقیدۃ السفارینی
نسبہ الی ابن حزم فانہ صرح
بتواتر نزولہ فی کتابہ کتاب الملل
وفی العتبیۃ قال مالک بین الناس
قیام مستمعون لاقامۃ الصلوٰۃ فتغشاہم
غمامۃ فاذا عیسٰی قد نزل اھ
ص ۱۰۶ - وفی کتاب الاشاعۃ
للعلامۃ البرزنجی الشافعی ومن ثم
... ومن کذب بالدجال فقد کفر
ومن کذب بالمہدی فقد کفر رواہ
ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار
ابو القاسم السہیلی فی شرح السیر

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
متواتر احادیث میں وارد ہے کہ
آپ نے عیسٰی علیہ السلام کے قیامت سے
پہلے نازل ہونے کی خبر دی ہے کہ وہ امام
عادل اور حکم منصف بنکر تشریف لائینگے۔
ابن کثیر نے سورۃ النساء کی تفسیر میں بھی اسکی
تصریح کی ہے (ج ۱ ص ۵۸۲) اور ترمذی نے اپنی
جامع میں عیسٰی علیہ السلام کے دجال کو
قتل کرنے کی حدیث کا حوالہ پندرہ صحابیوں
پر دیا ہے (گویا پندرہ صحابی اس حدیث
کے راوی ہیں اور تواتر کے لیے یہ عدد
بہت کافی ہے)
حافظ ابن حجر نے نزول عیسٰی علیہ السلام
کا متواتر ہونا ابوالحسین آبری کے
حوالہ سے لکھا ہے (جو بہت بڑے
محدث ہیں) علامہ شوکانی نے اس
باب میں مستقل رسالہ بنام التوضیح
فی تواتر ما جاء فی المنتظر والمسیح لکھا ہے
جس میں نزول عیسٰی علیہ السلام کے
... ۲۹ حدیثیں ذکر کی ہیں۔
... صحیح بھی ہیں حسن بھی اور
صالح بھی اور یہ زیادہ تر مرفوع
ہیں اور آثار کا تو شمار نہیں ہو سکتا۔
مولانا سید انور شاہ عقیدۃ الاسلام
فی حیات عیسٰی علیہ السلام میں
فرماتے ہیں جان لینا چاہیے کہ
جیسا نزول مسیح منقول متواتر ثابت
ہے ویسا ہی اس پر امت کا اجماع
بھی ہو چکا ہے اور معتزلہ کی طرف
جو اختلاف منسوب کیا گیا ہے بے اصل
بے اصل ہے اس میں صرف
ملا حدہ اور اہل فلسفہ نے اختلاف
کیا ہے جیسا عقیدۃ السفارینی میں
اسکی تصریح موجود ہے ایسے
ہی ابن حزم کی طرف بھی خلاف
کی نسبت غلط ہے۔ کتاب الملل
میں ابن حزم نے نزول مسیح کے
تواتر کی تصریح کی ہے۔ اور امام

ص ۱۷۱ - قلت والاخبار الواردۃ ... مالک کے رسالہ عقیدہ میں ہے

فی الدجال فلا تخلو من ذکر نزول
عیسٰی بن مریم علیہما السلام وتکلما
الیا فلا بد ان من کذب بنزولہ
فقد کفر۔ وفی التفسیر المسمی
بالبحر المحیط قال ابن عطیۃ و
اجمعت الامۃ علی ما تضمنہ الحدیث
المتواتر من ان عیسٰی ابن مریم
فی السماء حی وانہ ینزل فی
آخر الزمان۔ ص ۴۷۳ - وفی
تفسیر النہر الماد واجمعت
الامۃ علی ان عیسٰی علیہ السلام
حی فی السماء وینزل الی الارض
ج ۲ ص ۳۴ وفی تفسیر جامع البیان
المطبوع مع تفسیر ابن کثیر ص ۵۲
والاجماع علی انہ حی فی السماء
وینزل ویقتل الدجال و
یؤید الدین اھ
وقال الامام ابوالحسن الاشعری
فی کتاب الابانۃ عن اصول
الدیانۃ ص ۴۶ قال اللہ عز وجل
یا عیسٰی انی متوفیک ورافعک
الیّ وقال تعالیٰ وما قتلوہ وما
صلبوہ ... بل رفعہ اللہ الیہ
واجمعت الامۃ علی ان اللہ
عز وجل رفع عیسٰی الی السماء اھ
وقال الشیخ الاکبر قدس اللہ سرہ
فی الفتوحات المکیۃ (باب ۳)
لا خلاف فی انہ ینزل فی آخر
الزمان اھ ومن کلمۃ اللہ فی
حیات روح اللہ ص ۹

واسطے فرمایا کہ اس حالت میں کہ لوگ
نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے،
انکو ایک بادل گھیر لیگا۔ پس دفعۃ
عیسٰی علیہ السلام نازل ہونگے۔ پس
مالک کی طرف بھی خلاف کی نسبت
غلط ہے۔ علامہ برزنجی کتاب الاشاعۃ
میں فرماتے ہیں کہ اسی (تواتر) یقین کی وجہ
کی وجہ سے وارد ہوا ہے کہ جو دجال کے
آنے کا انکار کرے کافر ہے اور جو مہدی کے
آنے کا انکار کرے کافر ہے۔ اسکو ابوبکر
اسکاف نے فوائد میں اور سہیلی نے شرح
السیر میں بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ
جن احادیث میں خروج دجال کا ذکر ہے
اُن میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث
ہوگی جس میں نزول عیسٰی علیہ السلام اور
اُنکے قاتل دجال ہونے کا ذکر نہ ہو۔ پس
لازم ہے کہ جو نزول عیسٰی علیہ السلام کا
منکر ہو وہ بھی کافر ہو۔ تفسیر بحر محیط میں
ہے کہ ابن عطیہ نے فرمایا امت نے اس
حدیث متواتر کے مضمون پر اجماع کر دیا ہے کہ
عیسٰی علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور
آخر زمانہ میں نازل ہونگے۔ تفسیر النہر الماد
میں ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا
ہے کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں
وہ نازل ہونگے اور دجال کو قتل کرینگے
دین کو قوت دینگے۔ امام ابوالحسن اشعری
کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ میں
فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
اے عیسٰی میں خود تم کو وفات دونگا۔ (کوئی
تم کو قتل نہ کر سکے گا) اور اسوقت تم کو اپنی
طرف اُٹھانے والا ہوں۔ نیز فرمایا ہے کہ یہود نے عیسٰی علیہ السلام کو قتل
نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ اور امت نے اس بات
پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر (زندہ)
اُٹھا لیا ہے۔ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کا
خلاف نہیں کہ عیسٰی علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے
اھ۔

(باقی آئندہ)

نمبر ۴۲ | دوشنبہ ۱۹- ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۵- مارچ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

لکھنؤ کا یوم النبی

آج فروری کی ۲۲- اور ربیع الاول کی ۸ ہے - یوم النبیؐ یا مروّج اصطلاح میں بارہ وفات پیدا ہی چار دن باقی ہیں۔ مسلمان جہاں جہاں بھی آزاد ہیں، صحیح یا غلط، بہرحال اپنے اپنے مسلک و عقیدہ کے لحاظ سے کسی نہ کسی صورت میں اس یوم مبارک کو منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لکھنؤ کا یوم النبیؐ سب سے انوکھا، سب سے نرالا آج سے نہیں کئی سال سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا جو فرمان "واجب الاذعان" نافذ ہوا ہے، اسکا ضروری خلاصہ، ضروری تشریح و حاشیہ کے اضافہ کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہو:-

کوئی مسلمان کسی مسلک یا فرقہ کا ہو، سنّی، شیعہ، وہابی، بدعتی، حنفی، اہل حدیث، قادیانی، لکھنؤ میونسپلٹی کے حدود کے اندر کسی قسم کا جلوس، یہاں تک کہ لاٹھی بھی لیکر نہ نکل سکے گا، اور نہ پانچ مسلمانوں سے زائد کا مجمع کسی سڑک یا پبلک مقام پر ہو سکیگا۔

مسلمان اپنا کسی قسم کا جلوس، قدیم یا جدید نہ نکال سکینگے، اور نہ اپنا کوئی جلسہ کر سکینگے، تاوقتیکہ پولیس کپتان سے اسکا خصوصی اجازت نامہ نہ حاصل کر لیں۔

کوئی ایسے نعرے لگانا جس سے دوسروں کو ناگواری ہو، یا جھنڈے جھنڈیاں، نشانات، لیکر نکلنا، یا اس مفہوم کی تحریریں شائع کرنا، یہ سب قطعاً ممنوع ہے۔ کوئی شخص اگر اپنے گھر کے اندر سے بھی ایسے نعرے لگائیگا، گرفتار کر لیا جائیگا۔ پولیس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ ایسی گرفتاری کیلیے گھروں کے اندر دروازے توڑ کر گھس جائے

لکھنؤ کی قدیم مسلمان آبادی کے تین تھانے چوک، تھانہ وزیرگنج اور تھانہ سعادت گنج میں واقع ہیں۔ ان تینوں علاقوں کے مسلمانوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ عین ۱۲- ربیع الاول (۲۶- فروری) کو کوئی شخص بھی ۶ بجے صبح تڑکے سے لیکر رات کے ۹ بجے تک کسی ... بالکنی یا چھت عام پر نظر نہ آنے پائے، ورنہ گرفتار کر لیا جائیگا۔

اخبارات کے ایڈیٹروں، ناشروں، انجمنوں اور عام اشخاص کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس پندرہ روز میں کوئی بھی ایسی خبر یا ایسا مضمون شائع نہ کریں جس سے اہل سنت اور شیعوں کے درمیان منافرت و بیزاری پیدا ہونے یا نقض امن کے واقع ہونے کا کوئی بھی امکان ہو۔

ان احکام میں سے جو عام ہیں، انکا نفاذ تاریخ اجراء سے دو ہفتے تک رہیگا۔ گویا جس دو ہفتے کی مدت میں سارے مسیحی، سارے مجوس، سارے ہنود، آزاد رہیں گے، مسلمانوں کے ہر فرقہ و مسلک پر ہر نوع کی نقل و حرکت پر یہ پابندیاں عائد رہیں گی، زبانوں پر یوں مہریں لگی رہیں گی، اور پیروں میں گویا یوں بیڑیاں پڑی رہیں گی، عین اسی شہر میں جو مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے، اور عین مسلمانوں ہی کے پیمبر رحمت کے ظہور کے زمانہ یادگار میں! —— سوچیے، ملک نہیں، دنیا کے بھی کسی علاقہ میں، خالص غیر مسلم آبادیوں میں بھی اس شان کے یوم النبیؐ کی نظیر کیوں ملیگی؟ —— ایک فریق کی ضد، رنجش اور دوسرے فریق کی نافہمی و بے تدبیری، دیکھیے کہ آگے کیا کیا دن دکھاتی ہے!

پیامِ یومِ النبیؐ

ذیل کا پیام، اہلِ دیرہ دون کی فرمائش پر، یوم النبیؐ کے موقع پر روانہ کیا گیا۔

یادگار، پیدائش اور خدا معلوم کتنوں کی منائی جا رہی ہیں۔ لیکن حقیقۃً یوم منانے کے قابل تو صرف یوم النبیؐ ہے! اُس ایک ذات کے سوا مخلوق میں آج اور کون ہستی زندہ ہے؟ کسی دوسرے کا نام، کسی دوسرے کا کام، کسی دوسرے کا لایا ہوا پیام آج دنیا میں قائم ہے؟ دائم ہے؟ ہمہ گیر ہے، عالم گیر ہے، کسی دوسرے کا نام، نام الٰہی کے ساتھ ملا ہوا، آج سال کے پورے ۳۶۵ دن بلا ناغہ اور پھر ہر روز ایک نہیں، دن رات میں پانچ پانچ مرتبہ اونچے اونچے مناروں سے فضا میں نشر (براڈ کاسٹ) ہوتا رہتا ہے؟ صرف ہندوستان ہی میں، چین سے، جاپان سے، حبشہ سے، طرابلس سے، ایران سے، افغانستان سے، مصر سے، حجاز سے، شام سے، ٹرکی سے، ترکستان سے، انگلستان سے، فرانس سے، امریکہ سے، آسٹریلیا سے، روئے زمین کے ہر ہر گوشہ سے، ہر ہر اقلیم سے، ہر ہر ملک سے! دخل اس میں نہ مبالغہ کو ہے، نہ خوش عقیدگی کو، سوال صرف واقعہ اور حقیقت کا ہے۔

دنیا منکروں کی دنیا، کس کے لیے ہوئے کلام اور کس کے لائے ہوئے پیام کی طرف از خود، بادلِ ناخواستہ، کھنچتی ہوئی، سمٹتی ہوئی چلی آ رہی ہے؟ دنیا آج سود کی تباہکاریوں سے عاجز آ چکی ہے، اسے حرام قطعی کس نے قرار دیا تھا؟ دنیا آج شراب خواری کے مفاسد سے چیخ اٹھی ہے۔ اسے عملِ شیطانی کس کی شریعت نے قرار دیا تھا؟ فحش کاری کے اثرات سے دنیا آج بلبلا اُٹھی ہے، اس کے لیے شدید ترین تعزیرات کون نافذ کر گیا ہے؟ دنیا آج جن نئے نئے پیدا شدہ پیچیدہ مسائل سے دوچار ہو رہی ہے اور جن کا حل کسی کے سمجھے اور سمجھائے نہیں سوجھتا، ان کا آسان، قدرتی، قطعی علاج بجز اس شفاخانہ کے اور کہاں ملتا ہے؟

سوالات کا جواب ایک بار پھر محض واقعات اور واقفیت کی زبان سے حاصل کیجیے!

مخلوق میں زندۂ جاوید شخصیت اگر کسی کی کہی جا سکتی ہے تو اسی عرب کے اُمی کی — اور "یوم" اگر کسی کا منایا جا سکتا ہے تو حق ہے کہ بس اُسی کا منایا جائے!

"مآخذ القرآن"

نگار، جنوری، فروری کا ڈبل نمبر ۱۲۴ صفحے کی ضخامت کا، اول سے آخر تک، ایک انگریزی پادری ٹسڈل کی انگریزی کتاب برسوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اُردو ترجمہ بھی غالباً اسی زمانہ میں کسی نے "ینابیع الاسلام" کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ خدا معلوم صاحب نگار کو اب کیا ضرورت پیش آئی کہ مدت کے بعد اس گڑے ہوئے فتنہ کو نئے سرے سے بیدار کیا، اور خواہ مخواہ اپنے ناظرین تک ان حق اور تحقیق سے سری "باہوائی" اعتراضات کو پہونچایا۔ غنیمت ہے کہ صاحب نگار جوابات اور تردیدی حاشیے بھی جا بجا دیتے گئے ہیں، تاہم حسب یاد رہے

کا زہر ہے اُسکے ازالہ کے لیے یہ تریاق کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ خود مسلم اہل علم و اہل قلم اس طرف فوراً توجہ کریں، اور مفصل جوابات خود نگار ہی میں شائع کرائیں۔ اچھا ہوا یا بُرا ہوا، بہرحال اب تو وہ زہریلا مواد اُردو میں آ چکا، اب ضرورت تو اسکے اثرات کو باطل کرنے کی ہے — نیاز صاحب کا بیان ہے کہ وہ اپنے اس محشّی ترجمہ "مآخذ القرآن" کے نسخے ۴۰ - ۵۰ علمائے اسلام کی خدمت میں روانہ کر چکے ہیں۔

دورِ جدید کی ایک بہت چلی اور پھیلی ہوئی تلبیس کا مظہر کتاب!

مقالہ کی بلا ضرورت طوالت و درازی بیان ہوتی ہے۔ اصل استدلال کو چھوڑ کر ایک ہی بات کو خوب پھیلا کر، بڑھا کر، اسکی جزئی تفصیلات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ پڑھنے والے کا ذہن اس سے مرعوب ہو جاتا ہے، اور وہ ان تفصیلات میں الجھ کر رہ جاتا ہے، حالانکہ اصل استدلال کو ان جزئیات سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ جواب دینے والا انہیں مغالطات کو کھول کر رکھ دے۔

پادری صاحب کا پہلا اور عظیم ترین مغالطہ یہ ہے کہ دعوٰی انھوں نے "قرآن" کے ماخذوں کے پتہ لگانے کا کیا، لیکن جب کتاب تیار کرنے بیٹھے، تو حوالے بالکل حدیثی روایتوں اور تفسیری افسانوں کے دیتے چلے گئے! یہاں تک کہ اعتراض قرآن مجید پر اور حوالہ عرائس المجالس کا، یا قصص الانبیاء کا! — پادری صاحب کے بالکل اختیار میں تھا کہ قرآن پر اعتراض کرتے وقت وہ حوالہ بخشی جنتری کا، یا کلیات ناسخ کا دے دیتے، ہے کون انھیں روک سکتا تھا!

دوسرا مغالطہ اس سے بھی زیادہ گہرا اور اصولی یہ ہے کہ لکھنے والا قرآن مجید کو بھی شاید کسی یونیورسٹی کا "تحقیقی" مقالہ سمجھ رہا ہے! اور اُسکے خیال میں قرآن مجید کا دعوٰی یہ ہے کہ جو باتیں اُس نے پیش کی ہیں، وہ اس سے قبل کبھی نہیں کہی گئی تھیں، اور قرآن کا ہر بیان اچھوتا اور غیر مسبوق ہے! — قرآن نے آخر یہ دعوٰی کب کیا ہے؟ کہاں کیا ہے؟ قرآن تو اسکے بالکل برعکس یہ کہتا ہے کہ میں وہی کہہ رہا ہوں، جو مجھ سے قبل عیسیٰؑ کہہ چکے ہیں، موسیٰؑ کہہ چکے ہیں، ایوبؑ کہہ چکے ہیں، یعقوبؑ کہہ چکے ہیں، اسمٰعیلؑ کہہ چکے ہیں، ابراہیمؑ کہہ چکے ہیں، نوحؑ کہہ چکے ہیں، دنیا کے ہر ہر گوشہ اور خطہ کے سچے رہبر کہتے آئے ہیں۔ میں تمام پچھلی صداقتوں اور حقیقتوں کا مصدق ہوں، ان پر مُہر تصدیق و استناد لگانے والا ہوں — تو پادری صاحب نے یہ پتہ لگا کر کہ قرآن کے فلاں فلاں بیانات اسرائیلیوں کے فلاں فلاں مقدس صحیفوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ قرآن کی تکذیب تو کسی معنی میں اور کسی حد تک بھی نہیں کی بلکہ ہمیں تو اسکے دعوے کی تائیدی اور تصدیقی شہادتیں بہم پہونچا دی ہیں! اور جو کام خاص مسلمانوں کے کرنے کا تھا، وہ نادانستہ، اور بلا قصد بلکہ خلاف قصد سہی، لیکن بہرحال اُنھیں کے معترض کے قلم سے انجام پا گیا ہے! — دین کی خدمت اللہ نے بارہا شدید معاندوں سے بھی لی ہے!

لیکن قرآن، مصدق ہونے کے ساتھ ہی تمام پچھلی صداقتوں کے

حق میں مہیمن یعنی محافظ یا نگہبان بھی ہے۔ انسان نے جہاں جہاں اور جب جب ان حقائق میں اپنے نفس کی طرف سے آمیزشیں کر لی ہیں، انھیں بھی قرآن مجید نے ذکر کر کے واضح کر دیا ہے۔ اور یہی راز ہے کہ قرآنی بیانات کہیں جزءاً اور کہیں کلیۃً لیکن بہر حال اکثر روایات یہود وغیرہ سے بہت مختلف ہیں۔ اور قرآن تو ایک معیار ہے ہر سابق تحریف و تصحیف کے حق میں ——— پادری صاحب نے ان اختلافات قرآنی بیانات اور روایات سابق کے درمیان دکھا کر عین قرآن کے مہیمن ہونے کی تصدیق کر دی!

شیطان کے حامی

کلکتہ ۲۰ فروری۔ حکومت بنگال کو آخرکار شہر میں حرام کاری کے اڈوں کے بند کرنے کی طرف توجہ ہوئی ہے، اور قانون انسداد بدچلنی کے ماتحت پکڑ دھکڑ کی کارروائیاں شروع ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ۱۹ جنوری تک ۱۲۱ چکلے خلاف قانون قرار پا چکے ہیں جن میں اب تک ۱۳۰۶ عورتیں کام کر رہی تھیں، ان میں سے ۱۱۹۹ ہندوستانی تھیں، ۱۰۳ اینگلو انڈین اور ۱۴ ولایتی۔ ان ۱۲۱ چکلوں میں سے ۴۳ تو باقاعدہ بند ہو چکے ہیں، اور ۱۲ کے خلاف مقدمہ چل رہا ہے۔ اور باقی کا کاروبار عملاً معطل ہو چکا ہے۔" (ایسوسی ایٹڈ پریس)

زمانہ کی روشن خیالیاں اور وقت کی شیطان نوازیاں ملاحظہ ہوں! ملک کے سب سے بڑے شہر میں کھلے خزانے عصمت فروشی کا کاروبار عظیم الشان پیمانہ پر شروع ہو جاتا ہے۔ ہفتوں اور مہینوں نہیں، برسوں تک گورنمنٹ خبر ہی نہیں لیتی۔ اور اب جو چونکتی ہے، تو اُس کے کارندوں کو ایک بہت ہی محدود تعداد کے چکلوں کا پتہ لگتا ہے، انھیں وہ نوٹس دیتی ہے۔ نوٹس کی تعمیل بھی سب نہیں کرتے، کچھ ہی کرتے ہیں! اور بعض کھلم کھلا مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں! ——— شیطان نے شیطنت ہمیشہ کی ہے، لیکن اس دور سے قبل اتنی بہت جرأت، اتنی آزادی، بیباکی اور قانون و آئین کی ایسی پشت پناہی اُسے کب حاصل رہی ہے؟

ادبی پیام

ذیل کا پیام معتمد دارالادب بریلی کے پاس اُنکی فرمائش پر بھیجا گیا۔

ادبی خدمت کا ذوق مبارک ذوق ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ اس سے مقصود ادب کی تعمیر ہو، تخلیق ہو، ادب کی تخریب و رسوائی نہ ہو ——— ادب شریفوں کے گھرانوں میں، زنانی حویلیوں میں بار پانے کے قابل ہو۔ یہ نہ ہو کہ صرف سفلی جذبات کو ابھارنے والا اور ننگوں لچوں کو خوش کرنے والا ہو کر رہ جائے۔

واہیات کی شاعری بہت پرانی ہو چکی، جو کیفیت بھی ایک زمانہ میں ایک طبقہ پیدا اپنا رنگ جما چکی۔ نہ ہو کہ وہی گندی چیزیں اب نئے سانچے میں نظم و نثر دونوں میں پھر ابھرنے لگیں، اور رکاکت کی ہولی دکانیں نئے سرے سے چلنے لگیں ———

آپ کا دارالادب، خدا کرے، ادبی شرافت، شستگی، شائستگی کا قصر معلّی ثابت ہو۔

شوہروں کا قحط

لندن ۲۹ جنوری۔ ہندوستان تو تنہا مستثنیٰ ہے، ورنہ ساری دنیا تو شوہروں کے قحط میں مبتلا ہے۔ برطانیہ میں پانچ عورتوں میں ایک عورت کو بے شوہر ہی رہنا ہے۔ اور یہی حال ساری دنیائے متمدن کا ہے۔ امریکہ تک میں جہاں ایک زمانہ میں شوہروں کی کثرت سمجھی جاتی تھی، سات عورتوں میں ایک عورت کو بے شوہری رہنا ہے۔۔۔۔ امریکہ کے ایک محقق نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ یہاں ۶۰ لاکھ سے لیکر ۸۰ لاکھ تک بالغ عورتوں کی اکثریت مردوں کے مقابلہ میں مستقل طور پر رہا کرے گی۔" (گلوب ایجنسی)

ہنسیے، اب بھی ہنسیے، اگر ہمت باقی ہو شریعت اسلامی کے قانون تعدد ازدواج پر! ——— آہ امیر علی، چراغ علی اور سرسید! کس طرح دب دب کر اور شرما شرما کر اسلام کا حق وکالت ادا کیا ہے، کہ گویا مجرم تو شریعت اسلامی بہر حال ہے، البتہ مخصوص معذوریوں پر لحاظ فرما کر عقلاء فرنگ کی عدالت رحم و کرم سے کام لے!

بعض انگریزی کتابیں

صدق ۲۷ کے مضمون "امام بخاری غیروں کی نظر میں" کے حوالہ سے ایک مولوی صاحب کا سوال:۔

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر دو مختلف انسائیکلوپیڈیا سے آپ نے لکھا ہے۔ کیا یہ دونوں کتابیں دونیا بھی ہیں؟ اور آیا ان کے معلومات روشن خیال حضرات کے لیے قابل تسلیم ہیں یا نہیں؟"

مقالہ میں حوالہ دو کا نہیں، دو سے زائد انگریزی کی مستند کتابوں کا درج تھا۔ کتابیں حسب تفصیل ذیل ہیں:۔

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ ضمیمہ ملا کر پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور اسلامیات سے متعلق فرنگی علماء و فضلاء کی تحقیق کی جامع ہے۔

(۲) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ انڈکس ملا کر ۱۳ طویل عریض، ضخیم مجلدات میں ہے۔ مذاہب عالم کے دینی و اخلاقی مسائل سے متعلق فرنگی علماء و فضلاء کی تحقیقات کا مبسوط بیان ان ہزارہا ہزار صفحات میں آگیا ہے۔

(۳) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ طبع یازدہم ۲۹ طویل عریض، ضخیم مجلدات میں۔ طبع چاردہم اسی طول و عرض و ضخامت کی ۲۴ مجلدات ہیں۔ تاریخ، مذہب، سائنس، جملہ علوم و فنون سے متعلق فرنگی تحقیقات کی ناموس اعظم ہے۔

اس قسم کی جتنی بھی انسائیکلوپیڈیائیں یورپ میں شائع و رائج ہیں، سب مستند اور معتمد علیہ ہی ہیں۔ انکے مقالات ہمیشہ ماہرین فن ہی کے قلم سے ہوتے ہیں، اور پھر ان پر نظر ثانی، مشورہ وغیرہ بھی ماہرین ہی کا ہوتا ہے۔ اور برٹانیکا کی تالیف میں تو ماہرین فن کا شمار صدہا سے اوپر ہے! فرنگستان کے علمی ذخیرے میں ان سے معتبر تر کوئی اور ماخذ یا حوالہ ممکن نہیں۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۲)

س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س ۔ آج عرصے کے بعد نماز فجر صبح وقت پر ادا ہوئی اور دوران نماز میں جناب والا کی برزخ از خود بلا خیال قائم ہوئی اور برابر قائم رہی۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ چشم کرم مجھ پر ہے ۔ لہذا عریضہ نگاری کی ہمت کر رہا ہوں ۔

ج ۔ یہ برزخ خود دیکھنے والے کے خیال اور حسن ظن کے تابع ہوتی ہے ۔ جیسا دیکھا جاتا ہے اس غریب کو تو خبر تک نہیں ہوتی اس لیے جو کچھ بھی نظر آیا، اس سے تو یہ التفات تو کسی طرف سے سے ثابت ہوا نہ کہ ادھر سے ۔

س ۔ ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا ہوں ۔ دوا پرہیز سب قائم ہے ۔ اور یہاں چلے آنے پر مجبور ہوا ہوں ۔ کوئی مجرب دعا پڑھنے کو بتلائیے جس سے مرض کے ازالہ کے ساتھ ضعف بھی دور ہو ۔ میرا عقیدہ تو یہی ہے کہ دوا سے زیادہ قوی الاثر اور سریع التاثیر دعا ہی ہو سکتی ہے ۔

ج ۔ عقیدہ صحیح ہے ۔ کائنات کی ساری تدبیروں میں تو ایک بے بس بندہ اور عاجز انسان کو دی گئی ہیں، موثر ترین حربہ دعا ہی تو ہے یعنی بندہ کا سارے سلسلۂ اسباب و وسائط کو ہٹا کر براہ راست قادر مطلق اور فعال لما یرید کے قدموں پر اپنے کو ڈالی دینا ۔ البتہ دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی دعا کیسی ہی مجرب ہو، قطعی و حکمی ہر حال نہیں ہو سکتی ۔ دعا، دعا ہی رہیگی، یعنی درخواست، التجا، الحاح ۔ منتر کا کام نہیں دے سکتی ، جس سے جس دیوی دیوتا کو چاہا، منتر کا نہ عقیدہ کے مطابق مسخر کر لیا ۔ معاذ اللہ، تسخیر کا حق تعالیٰ کے ہاں کیا کام!

اوست سلطان ہر چہ او خواہد کند!

صوفیۂ عارفین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ دعا نام ہے محبوب و مطلوب حقیقی سے گفتگو کی لذت پانے کا ۔ اور دعا اگر نامقبول ہو گئی، تو اس میں نقصان نہیں، نفع ہی ہے کہ دوبارہ پھر عرض و معروض کی حلاوت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آیا!

از دعا نبود مراد عاشقاں ... جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں

گر کند مقبول او فہو المراد ... با دل و دیدار نقد آیند شاد

ور کند رد لذت آں بیشتر ... ہر تقرب سخن باید دگر

ایک دعا آپ کی تسکین خاطر کے لیے حدیث و دعاؤں کی مقبول و معروف کتاب حصن حصین سے نقل کر کے حاضر ہے ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ ۔ جسم کا جو حصہ مریض ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ پوری بسم اللہ پڑھنے کے بعد سات مرتبہ اس دعا کو پڑھ لیا جائے ۔

س ۔ حسب ارشاد حضرت والا دونوں کے تصور سے آنکھیں نیچی رکھتا ہوں اور نیم عریانی و بے حجابی کی بے وقعتی بھی حسب ارشاد ہر وقت پیش نظر رکھتا ہوں ۔ ان شاء اللہ آنجناب کی ہدایات پر بسر و چشم عمل کروں گا ۔

ج ۔ الحمد للہ ۔ یہی کوشش و ہمت کامیابی و کامرانی کی اول ہے ۔ کچھ روز کی مشق کے بعد زیادہ قصد و اہتمام کی ضرورت نہ رہے گی ۔ عادت طبیعت ثانیہ بن جائیگی ۔

س ۔ الحمد للہ اب کچھ روز سے تہجد کی بھی باقاعدہ ادائی ہو رہی ہے ۔ اور علی الصباح تفریح کے لیے بھی جاتا ہوں ۔

ج ۔ یاد رہ جایا کرے تو اس کم ہمت نابکار کے لیے بھی دعا کر لی جایا کرے ۔

س ۔ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ دل سے یعنی دل ! .... صاحب قبلہ کی ملاقات کے بعد سے مجھ میں ایک طاقت تصور اللہ حافظ کا بیٹھ گیا ہے ۔ اب دلی خوف کچھ کم سا معلوم ہوتا ہے ۔

ج ۔ الحمد للہ ۔ اللہ اس حالت کو ثبات و رسوخ عطا کرے ۔ اہل اللہ کی صحبت میں بڑی برکت ہے ۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اصل شے انسان کی اپنی ہمت اور اپنا عزم اصلاح نفس ہے ۔

س ۔ آج کل ایک ناقابل بیان حالت طاری ہو رہی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم سے نکل رہی ہے ۔ ایک قسم کی پریشانی سی ہوتی ہے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات دوکان پر گاہک سامنے ہوتا ہے، لیکن مذکورۂ بالا حالت کی بنا پر مال بتانے اور گاہک سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا نہ معلوم ایسا کیوں ہوتا ہے ۔ بعض اوقات پریشانی بڑھ کر اور گھبرا کر سونے کا دل ہوتا ہے ۔

ج ۔ سالکین طالبین، خصوصاً ذاکرین شاغلین کو طرح طرح کی کیفیات و تغلبات قبض و بسط کے پیش آتے ہی رہتے ہیں ۔ حکیم الامت کا طریقہ یہ تھا کہ کیفیات و مواجید پر زیادہ توجہ و التفات ہونے ہی نہیں دیتے تھے، اور سالک و طالب کو ہدایت یہی کرتے رہتے تھے کہ بس اپنے کام میں لگے رہو ۔

اور صحیح طریقہ ہے بھی یہی کہ عارضی کیفیات پر زیادہ دھیان نہ دے طاعت و اطاعت میں لگا رہے حقوق اللہ اور بندگان خدا کے ادائے حقوق میں لگا رہے ۔

س ۔ سوالات سود پر معاملے سے متعلق میرے سوال کا جواب صدق میں شایع ہوا ہے، اُسے بغور پڑھ لیا ۔ بیحد تسلی ہوئی ۔ اللہ جزائے خیر دے ۔ آپ نے بہت اچھی طرح سمجھا دیا ۔

کل اتفاقاً میرے ایک راجپوت طالب علم کا انتقال ہو گیا ۔ لڑکا نہایت ذہین، فہیم، خوش اخلاق تھا ۔ اسلامیات کا از حد شائق تھا

دینیات کے گھنٹے میں دینی باتوں کو نہایت دلچسپی سے سنتا اور ان باتوں کو دماغ میں محفوظ رکھتا تھا۔ اسکول میں رہی ایک غیر مسلم تھا۔ عمر ۲۰۔۲۲ سال کی، تاہم بسا اوقات اپنے مسلم ساتھیوں کو اسلامی احکام پر عمل کرنے کی تلقین کرتا۔ تالیف قلب کے لیے وہ ایک دفعہ کہا تو جواب ملا کہ آپ کی ہر بات دل میں اتر جاتی ہے مگر فی الوقت مانع ذاتی مجبوریاں حائل ہیں۔ آج اچانک انتقال کی خبر سن کر سخت صدمہ ہوا، جی چاہتا ہے کہ اسکے لیے دعا کروں اور ایصال ثواب کروں۔ کوئی صورت اس طرح کی اسکے لیے اگر نکل سکے تو ضرور مجھے مطلع فرمائیں۔

ج۔ جس لڑکے کی بابت سوال ہے اسکے لیے ممکن صورتیں تین سی ہیں

(۱) یا یہ کہ وہ غیر مسلم آپ کے علم و یقین میں تھا۔

(۲) یا یہ کہ وہ مسلم آپ کے علم و یقین میں تھا۔ (اور اسکے لیے ضعیف شہادت بھی کافی ہے، مثلاً کل ایک بار بھی توحید و رسالت کی تصدیق۔

(۳) یا یہ کہ آپ کا علم و یقین خود اس بارے میں مذبذب ہے۔

شق اول میں کوئی گنجائش نہیں۔ شق دوم میں راہ بالکل کھلی ہوئی ہے۔ صرف دعاء مغفرت کی ہے۔ شق سوم میں دعا مشروط صورت میں کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ان الفاظ کے ساتھ کہ اے اللہ اگر تیرے علم میں وہ تصدیق کر چکا ہو تو تو اسکے ایمان کو قبول فرما، اور رحمت سے کام لیکر اسکے درجات بلند فرما۔

اسکی کم سنی بھی اسکے حق میں ایک بڑی شفیع ہے کہ ممکن ہے کہ وہ ابھی مکلف ہونے کی عمر تک نہ پہونچا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پر تبلیغ ابھی اس درجہ کی نہ ہوئی ہو، جو اسکے اوپر حجت بن سکے۔

س۔ آپ کی نظر میں [ہندوستان کے ایک بہت بڑے شہر کا نام ہے] کوئی اللہ والا ہو تو بتا دیجیے۔ تاکہ کبھی کبھی اپنے فرصت کے اوقات میں انکے پاس پہونچ کر کچھ فیض حاصل کروں۔

ج۔ اللہ کا نام لینے والے عبادتوں میں محنت کرنے والے تو آپ کو اتنے بڑے شہر میں ایک دو نہیں، سیکڑوں ہزاروں بآسانی مل جائیں گے۔ متقی و پرہیزگار بھی نایاب نہیں۔ البتہ مصلح بہت مشکل ہی سے کوئی مل سکے گا۔ ایک فرد ذات ڈیڑھ دو سال پیشتر تک حکیم الامت تھانوی کی تھی۔ ان کا کوئی صحیح جانشین دکھائی نہیں دیتا۔ مولانا الیاس دہلوی بھی اپنے رنگ میں فرد تھے۔

آپ کے علم و تجربہ میں جو بزرگ آئیں انکا تجربہ کرتے رہیے۔ خود سیاہ بزرگی سے متعلق کوئی مشورہ طلب کیجیے گا تو عرض کر دیا جائیگا۔

مذہبی رسالے

الفرقان (بریلی) کے تازہ اور پرانے پرچے۔ قیمت فی نمبر ۴ر

برہان (دہلی) کے " " ۸ر

محمد نقی خاں۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

تحقیق حیات و نزول مسیح

(از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی)

(۳)

یہ مختصر جواب ہے فرنگی محلی صاحب کے مضمون کا۔ مزید تفصیل کے لیے میرے رسالہ العطر الوردی فی نزول المسیح وظہور المہدی کا انتظار کیا جائے اور رسائل مذکورہ تمہید کا مطالعہ کرایا جائے۔

رہا یہ سوال کہ حیات مسیح علیہ السلام سے مراد کون سی حیات ہے؟ پھر حیات متعارفہ کی صورت میں کھانے پینے اور انکے لوازمات علیہ بول و براز وغیرہ کی بابت اشکال کیا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے آسمان میں زندہ تھے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام زمین سے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد زندہ ہیں۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔ اب فرنگی محلی صاحب خود ہی فیصلہ کر لیں کہ آسمان میں حیات آدم علیہ السلام کس قسم کی تھی۔ یقیناً وہ کھاتے پیتے بھی تھے یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة وکلا منہا رغدا حیث شئتما۔ مگر جنت کی غذا کے لیے بول و براز لوازم عادیہ سے نہیں ہے۔ اخیر میں کہ عرض ہے کہ یہ وہی سوالات ہیں جو قادیانیوں نے کسی زمانہ میں حیات و نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق کیے تھے اور اسکے مفصل جوابات بھی رسائل کثیرہ کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اگر مضمون نگار نے وہ رسائل نہیں دیکھے تو انہیں اب انکا مطالعہ کر لینا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

ضمیمہ میں آپ نے "مہدی اعظم" کے متعلق بھی تواتر احادیث کا انکار فرمایا ہے، اسکا جواب بھی اس تحریر میں مختصراً آ چکا ہے۔ تفصیل کے لیے عربی میں ابراز الوہم المکنون فی کلام ابن خلدون مطبوعہ دمشق ۱۳۴۷ھ اور فتح الباری اور فتح المغیث للحافظ السخاوی اور اللقط المتکاثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ للسیوطی، اور صواعق محرقہ لابن حجر الہیتمی، اور شرح المواہب اللدنیہ للمحدث الزرقانی والاذاعۃ لما کان ویکون بین یدی الساعۃ للامیر القنوجی، والتوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح للشوکانی۔ اور کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ للبرزنجی ملاحظہ کی جائے اور اردو میں ناچیز کے رسالہ العطر الوردی کی طباعت کا انتظار کیا جائے۔

سفارینی اپنے عقیدہ منظومہ کی شرح لوامع الانوار البہیۃ فی عقیدۃ الفرقۃ المرضیۃ میں فرماتے ہیں:

وما اتی فی النص من اشراط فکلہ حق بلا شطاط
(۱) نصوص احادیث میں جو کچھ علامات قیامت مذکور ہیں سب بلا کم و کاست حق ہیں جن میں سے

منہ الامام الخاتم الفصیح محمد المہدی والمسیح
ایک علامت محمد مہدی ہیں اور ایک مسیح علیہ السلام ہیں۔

پھر اسکی شرح میں فرماتے ہیں

قد کثرت بخروجہ الروایات حتی بلغت حد التواتر المعنوی وشاع
خروج مہدی کے متعلق روایات کثرت سے ہیں یہاں تک کہ تواتر معنوی کے درجہ

ذلک بین علماء السنۃ حتی عد من معتقداتہم ... الاحادیث الواردۃ فیہ من طرق جماعۃ من الصحابۃ ... قال بعد ما ذکرہا ومثل ہذا عن الصحابۃ وغیرہم ... متعددۃ وعن التابعین ... مما یفید مجموعہ العلم القطعی فالایمان بخروج المہدی واجب کما ہو مقرر عند اہل العلم فی عقائد اہل السنۃ والجماعۃ اھ

کہ پہونچ گئی ہیں یہ مسئلہ علماء سنت میں شائع ہے یہاں تک کہ انکے عقائد میں شمار ہو گیا ہے۔ پھر صحابہ کی ایک جماعت کے واسطہ سے چند احادیث بیان کرکے فرماتے ہیں کہ مہدی کی خبر ان صحابہ سے بھی مروی ہے اور انکے سوا دوسرے صحابہ سے بھی اور تابعین سے بھی جسکا مجموعہ علم قطعی اور یقینی کا فائدہ دے رہا ہے۔ پس ظہور مہدی پر اعتقاد رکھنا واجب ہے جیسا کہ اہل علم کے نزدیک مقرر ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں بیان ہے۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ جب ظہور مہدی پر اعتقاد رکھنا واجب ہے تو حیات و نزول مسیح پر بدرجۂ اولیٰ اعتقاد رکھنا واجب ہے کیونکہ اسکا ذکر قرآن حکیم میں بھی وارد ہے گو بعض علماء سلف نے ان آیات میں دوسری تاویل بھی کی ہے مگر تواتر احادیث کی بنا پر ان آیات کا نزول مسیح علیہ السلام پر محمول ہونا ہی صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر و تفسیر ابن کثیر وغیرہما۔ مزید تفصیل کے لیے عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام مصنفہ مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دار العلوم دیوبند ملاحظہ کیا جائے

عقائد نسفیہ میں ہے

واخبرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اشراط الساعۃ ای من علاماتہا من خروج الدجال ودابۃ الارض ویاجوج وماجوج ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء وطلوع الشمس من مغربہا فہو حق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت کے متعلق جو خبریں دی ہیں کہ دجال نکلیگا دابۃ الارض نکلیگا یاجوج ماجوج نکلیں گے عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا یہ سب حق ہیں۔

عقائد نسفیہ میں جہاں یہ عقیدہ بیان کیا ہے کہ اول الانبیاء آدم وآخرہم محمد علیہ السلام سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہاں اس شبہہ کا جواب دیتے ہوئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوگا تو آپ آخری نبی نہ ہوئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہوئے، شارح عقائد نسفیہ فرماتے ہیں، فان قیل قد وردت فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ قلنا نعم لکنہ یتابع محمداً صلی اللہ علیہ وسلم لان شریعتہ قد نسخت فلا یکون الیہ وحی ولا نصب الاحکام بل یکون خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم الاصح انہ یصلی بالناس ویؤمہم ویقتدی بہ المہدی لانہ افضل فامامتہ اولیٰ اھ ملخصاً۔ اگر کہا جائے کہ حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کا ... صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونا وارد ہے تو ہم کہتے ہیں ہاں ... مگر وہ ... کے تابع ہوں گے (تو اس سے ختم نبوت پر کوئی اشکال نہیں پڑتا کیونکہ) وہ اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعت کا اتباع کرینگے کیونکہ خود انکی شریعت منسوخ ہو چکی ہے تو انکی طرف اسوقت (مستقل) وحی نازل نہ ہوگی نہ وہ (شریعت محمدیہ سے الگ جدا) احکام مقرر کریں گے۔ پھر صحیح تر یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی لوگوں کو امام بن کر نماز پڑھائیں گے اور مہدی انکی اقتدا کریں گے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں اور افضل کا امام بنانا اولیٰ ہے اھ

البتہ عین نزول کے وقت چونکہ اقامت مہدی علیہ السلام کے لیے ہو چکی ہوگی اور وہ مصلّے پر آگے بڑھ چکے ہوں گے کہ اسی حالت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ نماز امام مہدی حضرت عیسیٰ سے قبل پڑھائیں گے۔ وہ پیچھے ہٹنا بھی چاہیں گے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ اقامت تمہارے واسطے ہوئی ہے اس لیے یہ نماز تم ہی پڑھاؤ۔ اس امت کی یہ بھی اللہ کے یہاں عزت ہے کہ اسکے پیچھے نبی کی نماز ہو جاتی ہے۔ اس نماز کے بعد پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی امام بنیں گے اور مہدی انکی اقتدا کریں گے۔

غرض کتب عقائد میں حیات و نزول مسیح علیہ السلام اور ظہور مہدی کا ذکر صراحۃً موجود ہے۔ ہمارے فرنگی محلی صاحب نے عقائد کی معتبر اور متداول عربی کتاب کی عبارت کا مطالبہ کیا تھا جس میں حیات و نزول مسیح کا ذکر بطور عقیدہ کے بیان ہوا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عقائد نسفیہ اور اسکی شرح بھی ملاحظہ نہیں فرمائی جو ہندوستان کے درس نظامی میں متداول ہے۔ نبراس کا حاشیہ شرح عقائد پر لکھا ہے جسکے ص ۱۳۹ پر اس اشکال کا کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد جزیہ کو موقوف کردیں گے اور کفار سے اسلام کے سوا کچھ قبول نہ کریں گے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ میں جزیہ قبول کرنے کا حکم ہے تو وہ متبع شریعت محمدیہ ہوکر شریعت کے اس حکم کو کیونکر منسوخ کریں گے۔

یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث ہی نے بتادیا کہ جزیہ کی مشروعیت اسوقت ختم ہو جائیگی۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس حدیث ہی کی وجہ سے جزیہ کو منسوخ کرینگے اپنی رائے سے نہیں۔ یا یہ کہ اسوقت جزیہ لینے کی علت باقی نہ رہیگی۔ حکم اپنی علت کے ختم ہونے سے ختم ہو جائیگا۔ اور ص ۱۴۴ پر چار پیغمبروں کے زندہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ قد ذہب العظماء من العلماء الی ان اربعۃ من الانبیاء فی زمرۃ من الاحیاء الخضر والیاس فی الارض وعیسیٰ وادریس علیہما السلام فی السماء اھ بڑے بڑے علماء اس طرف گئے ہیں کہ چار انبیاء بقید حیات ہیں، خضر والیاس زمین میں اور عیسیٰ وادریس علیہما السلام آسمان میں۔ اس پر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ شارح عقائد نسفیہ نے ان چاروں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا ذکر کیوں کیا؟ اذ اقتصر الشارح ذکر عیسیٰ علیہ السلام لان حیاتہ ونزولہ الی الارض ... علیہ قد ثبت باحادیث صحیحۃ بحیث لم یبق فیہ شبہۃ لم یثبتہا ... بخلاف الثلاثۃ الباقیۃ" شارح نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ... اس لیے

اکتفا کیا کہ انکا زندہ ہونا اور نزول کے بعد زمین میں مدت تک رہنا صحیح احادیث سے اس طرح ثابت ہو چکا ہے کہ اس میں شبہہ کی مجال نہیں رہی نہ اس میں کسی نے اختلاف کیا بخلاف تمین انبیاء کے (کہ ان میں علماء کا اختلاف ہے) کیا اب بھی کسی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کا مسئلہ کتب عقائد میں مذکور نہیں، یا یہ مسئلہ قطعیات میں سے نہیں ظنیات میں سے ہے۔ علامہ آلوسی صاف فرما رہے ہیں کہ حیات و نزول مسیح کے بارے میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں اور علماء اسلام میں سے کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔ یہ ان تصریحات کے علاوہ ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ؎

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ وصلی اللہ علی سید نا محمد سید الابرار وعلی آلہ و صحابہ الاخیار وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

بقیہ صفحہ ۳

(۱) اردو۔ غرض بیسیوں انکے ترجمے کتاب۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام انگریزی کے علاوہ جرمن، فرنچ، وغیرہ مغربی زبانوں میں ہے۔ اور اردو میں اسکے ترجمہ کی ہمت پٹنہ کے کئی صاحب کر رہے تھے کہ شاید کر جنگ نے اُنکے حوصلے پست کر دیے۔

(۲) ہیوز (Hughes) کی ڈکشنری آف اسلام ایک ضخیم جلد میں ہے اور وہ بھی فی الجملہ مستند ہی سمجھی جاتی ہے۔

مسلم یونیورسٹی اور سنسکرت

مسلم یونیورسٹی گزٹ میں یہ پڑھ کر یہ معلوم کر کے حیرت آمیز مسرت ہوئی کہ مسلم یونیورسٹی میں سنسکرت کی باضابطہ تعلیم کے علاوہ ایک سنسکرت لٹریری سوسائٹی بھی قائم ہے ۲۵ جنوری کو اسکا جلسہ استاد سنسکرت ایک شاستری پنڈت کی صدارت میں ہوا۔ جس میں بعض ہندو، کالج کے علاوہ یونیورسٹی کے بڑے بڑے مسلمان عہدہ دار وائس چانسلر سے لیکر نیچے تک کے شریک ہوئے۔ جلسہ میں سنسکرت کے مختلف ادبی پہلوؤں پر چار مقالے پڑھے گئے۔ ان میں سے تین ہندو طلبہ کے تھے۔ اور ایک مقالہ ایک مسلمان طالب علم کا۔ آخر میں طلبہ کو مقالات پر انعام تقسیم ہوئے، اور پہلا انعام مسلمان ہی طالب علم کو ملا!

—— غیروں کے علوم و فنون سے واقفیت اور گہری واقفیت تو وقت کی ضروریات میں داخل ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ اسکے مقابلہ میں ہندو یونیورسٹی میں عربی کی تعلیم کا کیا حال ہے!

ایک رسالہ

مولوی عبد الرؤف خاں صاحب تبدیلہ گڑھ سے تحریر فرماتے ہیں:-

"قاضی سلیمان صاحب ڈپٹی سیشن جج پٹیالہ مستفسرات رسائل کے نام سے ایک مسلمان کے ایک خط کے جواب میں رسالہ "استفسارات" لکھ چکے ہیں۔ ایک دنیا اب تک اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر صدق

یہ مفصل شائع ہو جائے تو فائدہ اکثر و عام ہو۔"

رسالۂ مذکور مدیر صدق کے علم میں نہیں۔ مکتوب نگار نے ہمراہ رسالہ کو بھی روانہ فرما دیا ہوتا تو بہت بہتر ہوتا۔ قاضی صاحب یوں تو بڑی سلجھی ہوئی شخصیت رکھنے والے، اور اچھے لکھنے والے تھے۔ صاحب علم بھی، صاحب ایمان بھی۔ صاحب قلم بھی۔ رسالہ دیکھ ہی کر کوئی متعین رائے قائم ہو سکتی ہے۔

جزاہم اللہ خیر الجزاء

صدق کے جن قدردانوں نے ہماری آواز پر لبیک کہکر اسکے لیے نئے خریدار فراہم کرنے کی طرف عملی اقدام کیا ہے انکے اسمائے گرامی بصد شکریہ درج ذیل کیے جاتے ہیں:-

جناب نواب نثار یار جنگ بہادر	حیدرآباد
جناب شیخ احمد حسن صاحب	بھوپال
جناب آئین احمد صاحب	پورنیہ
جناب ابو احمد غلام دستگیر صاحب	حیدرآباد
جناب محمد داؤد صاحب	مظفرنگر
جناب محی الدین منیری صاحب	بمبئی
جناب ایاز علی صاحب	تھانہ

مہتمم صدق لکھنؤ

فحش نویسی کے خلاف مقدمہ

لاہور ۲۰ - فروری آج رائے صاحب لالہ سنت رام اسپیشل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں افسانہ نگار خاتون عصمت چغتائی - سعادت منٹو اور شاہد احمد پبلشر کے خلاف مقدمات زیر دفعہ ۲۹۲ تعزیرات ہند (فحش نویسی) کی سماعت شروع ہو گئی - ملزمان کی گرفتاری کے بعد پولیس نے ضمانت داخل کر دی - تینوں ملزموں کے خلاف علیحدہ علیحدہ مقدمات کی سماعت ہو گی - آج شاہد احمد کے خلاف مقدمہ پیش ہوا تھا - عصمت چغتائی کے خلاف الزام یہ ہے کہ وہ ایک "چوٹیں" کی مصنفہ ہے - اور اسمیں اس نے ایک فحش کہانی "لحاف" لکھی۔ کتاب "دھواں" کے مصنف سعادت حسن منٹو کے خلاف اس کتاب میں دو کہانیاں "دھواں" اور "کالی شلوار" لکھنے کا الزام ہے۔

شاہد احمد کے خلاف مقدمہ میں مسٹر ملک حبیب ناز ایڈیٹر روزنامہ پربھات لاہور نے شہادت دیتے ہوئے کہا، میری رائے میں "لحاف" "دھواں" "کالی شلوار" فحش کہانیاں ہیں - میں اپنے لڑکے یا لڑکی کو کبھی بھی اس قسم کی کہانیاں پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

(انقلاب)

ہماری اپیل اور اسکی صدائے بازگشت

ہم نے ۱۷ فروری کی اشاعت میں "صدق" کے قدردانوں کی خدمت میں "سکہ" زیرِ عنوان جو اپیل شایع کی تھی وہ بحمداللہ بے نتیجہ نہ نکلی، اور اسوقت تک صدق کے قدردانوں میں سے سات حضرات نے آٹھ نئے خریداروں کے نام وی۔پی روانہ کرنے کے لیے بھیجے ہیں روانہ کیے ہیں کہ جنکے نام آج کی اشاعت میں کسی دوسری جگہ ہم شایع کر رہے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں تین خط ہمیں ایسے بھی ملے کہ جن میں صدق کی خرابی طباعت و کتابت کا رونا رویا گیا ہے اور اسی بنا پر اُسے ہفتہ میں دوبار شایع کرنے کی تجویز سے اختلاف کیا گیا ہے۔ جہاں تک اس شکایت کا تعلق ہے ہمیں اپنے جرم کا اعتراف ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ چیز کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ سیرت کو چھوڑ کر صورت کی پرستش کیوں کی جا رہی ہے۔ اسوقت بھی ایک دو نہیں شاید دو ایک درجن ہفتہ وار اخبارات اور ماہوار رسائل ایسے مل جائیں گے جو تصویر دار بھی ہونگے اور کاغذ، طباعت، کتابت وغیرہ رنگینیوں کے اعتبار سے دیدہ زیب بھی۔ لیکن مضامین کے الفاظ اور انکی معنویت میں جب کبھی آپ جانے کی کوشش کریں گے تو آپ کی غیرت اور حمیت کو ایسی ٹھیس پہونچیگی کہ شاید آپ اسے برداشت نہ کر سکیں۔ یہ تو قدردانانِ صدق کو غالباً معلوم ہی ہے کہ دولتِ دنیا سے ادارۂ صدق کا دامن خالی ہے دنیز یہ کہ اسکی آمدنی کا واحد ذریعہ خریداروں سے وصول شدہ چندہ ہے۔ اشتہارات اسے بہت نہیں ہوتے۔ ستونوں تک کی اشاعت میں حضرت مولانا مدظلہ کو یہاں تک احتیاط ہے کہ ابھی تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہوا کہ یہاں کی عدالت دیوانی کا ایک سمن بغرض اشاعت بلا طلب و سوال آگیا تھا۔ میں نے اُسے شایع کرنے سے قبل حضرت مولانا کو اطلاع دی کہ جسکا جواب مجھے یہ ملا کہ "اس سمن کو واپس کر دیجیے اور اسکی اشاعت کے سلسلہ میں سات روپئے کی جو رقم آپ کو عدالت سے ملتی وہ میں اپنے پاس سے بھیج دونگا"۔ اب ارشاد ہو کہ فی زمانہ اتنی احتیاط برتنے والے کتنے اخبارات ہیں۔ اور پھر اخبارات کی بقا، انکی نشو و نما اور انکی اصلاح درستی کی یہ دوسری کونسی صورت ہے۔ ابتداءً صدق ۲۴ پونڈ کے سفید کاغذ پر شایع ہوتا تھا، لیکن جب اُسکی قیمت حد برداشت سے باہر ہو گئی تو اسے گھٹا کر اس کُھردرے معمولی کاغذ پر لانا پڑا۔ ان معترضین صدق کو شاید اسکا علم نہیں کہ ہفتہ وار انمول جواہر پارے پیش کرنے والے صدق کے خریداروں کی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں ہے، اور اسی میں بھی وہ پرچے شامل ہیں جو اخبارات کو تبادلہ میں جاتے ہیں یا جو لوگوں کے نام خیراتی طور پر جاری کیے گئے ہیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر گذشتہ تین سال سے بمبئی کے ایک مخیر اور صاحبِ دل اجر سے متمنی سالانہ خاص رقم سے اسکی [illegible] کا بار اپنے ذمہ نہ لے لیا ہوتا تو یہ پیرہن کاغذی اپنی مسخ شدہ صورت میں بھی اپنے قدردانوں تک نہ پہونچ سکتا۔ اسی طرح مالی حالت کی خرابی کے باعث اسکے کارکن اور اسکے کاتب کو اتنا قلیل معاوضہ پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں یقیناً کوئی دوسرا آدمی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی صدق کے ساتھ محبت ہی انھیں مالی تکالیف میں مبتلا رہنے کے باوجود اُس سے وابستہ کیے ہوئے ہے۔ یہ داستان اتنی تفصیل کے ساتھ ہم پیش نہ کرتے اگر ہمارے محترم احباب اللہ صاحب کاکاخیل نے اس سلسلہ میں اپنی رائے کو پُر وزن بنانے کے لیے یہ نہ لکھا ہوتا کہ "اگر آپ کو اس رائے سے اختلاف ہو تو پرچہ میں اپنی پہلی رائے کے مقابلہ میں اس خیال کو چھاپ کر صدق کے پڑھنے والوں سے رائے طلب فرما کر دیکھ لیں"۔

میں تو اس سلسلہ میں پھر یہی عرض کرونگا کہ لفظ را بگذار معنی را پرست، سیرت کو دیکھیے صورت پر نہ جائیے۔ اُس آئینہ کو دیکھیے کہ جسے لیکر میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں، اس بوسیدہ غلاف کو نہ دیکھیے کہ جس میں رکھکر اُسے میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اُس گرد و غبار کو نہ دیکھیے کہ جو اسکے چہرے پر پڑا ہوا ہے بلکہ اُس روح کو دیکھیے کہ جو اُسکے اندر سے بول رہی ہے۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد۔ اور اگر اس سے بھی آپ کی تسکین نہ ہو تو اسکی مثال اُس سیاہ کاجل کے ٹیکہ سے سمجھ لیجیے کہ جو ماں اپنے بچے کے رُخ پر اُسے نظرِ بد سے بچانے کے لیے لگا دیا کرتی ہے اور پھر اگر یہ تسلیم ہے کہ باعتبار تبلیغ اور باعتبار تعلیمات مذہبی "صدق" اپنا آپ جواب ہے، تو خدارا اسکے لیے ایک خریدار کی فراہمی میں تو بخل نہ کیجیے، کہ یہی ایک ذریعہ اسکی تعلیمات کی توسیع اشاعت کا آپ کے پاس ہے اور اگر آپ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اسے زمانہ کے بلند ترین معیار پر دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر

رست کیشا جانبِ زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر بازوے تو

آخر میں صدق کی کتابت، طباعت اور کاغذ کی خرابیوں کا اعتراف اور حتی الوسع انکی اصلاح کی کوشش کا وعدہ کرتے ہوئے مجھے استاد کہنے کی اجازت دیجیے کہ

منم بہاے بادہ عطا کن کہ مے فروش
سود اگر است ساقی کوثر نبودہ است

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خاکسار محمد عبدالرؤف عباسی۔ مہتمم صدق۔

شیخ شرف حسین پرنٹر شرف حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر اسکے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی تین روپیہ

ممالک غیر سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ار

ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

صدق

نمبر ۴۳ | دوشنبہ - ۲۶ - ربیع الاول ۱۳۶۴ھ سلسلہ سابق ۱۲- مارچ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

توحید کی کشش

"ہندستان کا بڑا حصہ دیکھا ہے، جو قومیں اپنے آپ کو سیاسی طور پر آزاد کہتی تھیں، وہی اپنے ملکوں میں معاشی اور سماجی غلامی کے متعدد عناصر رکھتی ہیں۔ انھیں کے بھائی غلامی کی ان زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں"۔ (رہبر دکن - ۲۵، فروری)

یہ کانگریس کی سابق صدر، اور کانگریس کی موجودہ ورکنگ کمیٹی کی ممبر، مسز نائیڈو نے کہا۔ اور پھر آگے کہا:-

"آپ کو ابھی متعدد باتوں کو، یعنی روایات کو ختم کرنا ہے اور زندگی بخش نئی روایات کو دنیا کے نئے نظام کا جزو بنانا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی روایت انسانوں کا انسان کے مساوی ہونے کا تقدس ہے۔ شخصیتوں اور اخلاقی کمالات کے سوا سارے جھوٹے امتیازات اور پست و بلند کی تفریق مٹا دینی چاہیے۔ اسلامی عقیدہ میں جو چیز مجھے سب سے زیادہ دلکش و جاذب معلوم ہوتی ہے وہ یہ تصور ہے کہ خدا کے سوا کسی انسان کے آگے انسان کا سر نہ جھکنے پائے، اور ہر انسان کو اپنی صلاحیتوں کے بروئے کار لانے کیلیے مساوی مواقع حاصل ہوں ہر انسان چاہے بادشاہ ہو یا غریب، کندھے سے کندھا ملا کر ساری حیثیت سے سربسجود ہو۔ یہ ہے انسان کی عظمت و اخوت جسکا خاص مظاہرہ مسجد میں عبادت کے وقت ہوتا ہے

ہمیں تعصب چھوڑ دینا چاہیے۔ ہندو تمدن اور ہندو مت جسکی طرف میں منسوب ہوں، گو یہ بتانا مشکل ہے کہ میرا کوئی خاص عقیدہ یا مذہب ہے۔ اس خصوصیت کا حامل نہیں۔ اگرچہ اس میں روحانی لطیفوں اور نزاکتوں کے متعدد پہلو ہیں۔ میں بجز خدا کے آگے سر جھکانے کے، انسان کی اس ضد، رقابت محسوس کرتی ہوں کہ جب ایک ہندو برہمن صاحب سے مہاتما جی کی قدمبوسی کرائی جاتی تو مجھے آج نہیں تو

گر، یا اگرچہ اصلی گتنی ہی لطیف، نازک شاعرانہ تاویل کی جائے"۔

——— اور یہ مسز نائیڈو مسلمان نہیں، ہندو ہی ہیں!

۱۱ ہزار سینما!

"نیویارک فوٹو فون (بمبئی) کے منیجنگ ڈائرکٹر مسٹر اکبر فاضل بھائی نے جو بیان انٹرنیشنل بزنس کانفرنس میں بطور نمائندہ کے ہندوستان کی فلم انڈسٹری کی طرف سے شریک ہونے کو آئے ہیں، آج بیان کیا، کہ جنگ کے بعد ہندوستان میں ۸ ہزار نئے سنیما کھلیں گے"۔ (ہمدم - ۱۷، دسمبر ۴۴ء)

شاباش! اب تک کل تین ہی ہزار سینما تو تھے! ذرا ملک کے اس طول و عرض کو خیال کیجیے، اور پھر اس بیسویں صدی میں ان تین ہزار کی تعداد کو! اب پرانے اور نئے ملا کر، کم از کم ۱۱ ہزار تو ہوں! جب تو کچھ بات ہندوستان کی، مہذب ملکوں، متمدن قوموں کے سامنے ہے! ——— اور اب تک سنتے آئے ہیں، پڑھتے آئے ہیں، کہتے آئے ہیں، کہ ہندوستان بھوکا ہے، ننگا ہے، مفلسوں کا ملک ہے، کنگلوں کا دیس ہے، قحط زدوں کا وطن ہے! ——— کیسے سادہ لوح ہیں وہ لوگ جو ان خبروں کے سننے کے لیے آس لگائے رہتے ہیں، کہ غلہ ارزاں ہو گیا، کپڑا ملنے لگا!

ملحد کو جواب

سید عقیل جعفری خیرآبادی اپنے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں۔

"ادھر جوش ملیح آبادی کی کچھ رباعیاں ایک رسالہ میں نظر سے گذریں۔ وہ ایک کے جوابات اس عریضہ میں درج کر رہا ہوں۔ دیکھیے ایک ہی چیز اگر بصیرت اسلامی سے محروم ہو کر دیکھی جائے، تو کیسی نظر آنے لگتی ہے! میں جب جوش کی یہ حرکت دیکھتا ہوں کہ وہ

بصیرت اور ذوق سلیم کا ثبوت دیتا ہے ؎

مادح خورشید مداح خود است
کہ دو چشمم روشن و نامرمدست

آفتاب کو روشن کہنا واپنی ہی صحت بصارت کا اعلان کرنا ہوا۔

اور حالی اور عبدالحق کو بھی اگر آپ "ترقی پسندوں" میں شامل کریں، تو زمین و آسمان گواہ ہیں کہ ہم سب ترقی پسند ہیں اور ترقی پسندی کے حلقہ بگوش!

حالی میں جو سچی تڑپ اپنے مذہب، اپنی ملت، اپنی تہذیب، اپنی معاشرت کی تھی، کاش اُسکا پرتو ہم پر بھی پڑ جاتا!

فحش نویسی کے خلاف مقدمہ

(۲)

لاہور ۲۰ فروری۔ آج ۱۰ بجے صاحب لالہ سنت رام اسپیشل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں عصمت چغتائی کے خلاف فحش نویسی کی بنا پر مقدمہ کی سماعت مزید ہوئی۔ لالہ نانک چند ناز، لالہ لکشمی نرائن ہیڈ کلرک پریس برانچ۔ لالہ ہنسراج منیجر روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ سید ضیاء الدین احمد مترجم پریس برانچ اور مسٹر شاہد احمد دہلوی نے بطور گواہ عصمت چغتائی کے خلاف شہادت دی۔ پانچوں گواہوں نے اپنے بیانات میں اس امر پر زور دیا کہ عصمت چغتائی کی کتاب "چوٹیں" اور "لحاف" نہایت فحش اور عریاں کہانی ہے۔ ایسا لٹریچر مخرب اخلاق ہے۔ مقدمہ کی مزید سماعت ۲۴ مارچ کو ہوگی۔ (اپ س س) (انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ماہ مارچ ۱۹۴۵ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت ختم ماہ سے پہلے پہلے اپنا چندہ بھیجدیں۔ تاکہ یکم اپریل کو وی پی نہ روانہ کیے جائیں۔ (مہتمم صدق)

خریدار نمبر ۴۹۱، نمبر ۶۱۲، نمبر ۶۴۸، نمبر ۶۵۸
نمبر ۹۸۲، نمبر ۹۸۴، نمبر ۱۱۱۱، نمبر ۱۱۶۱
نمبر ۱۲۱۳، نمبر ۱۲۱۶، نمبر ۱۲۱۷، نمبر ۱۲۱۸
نمبر ۱۲۲۲، نمبر ۱۳۴۶، نمبر ۱۳۴۹، نمبر ۱۳۵۳
نمبر ۱۳۵۱، نمبر ۱۳۵۲، ۱۳۵۵، نمبر ۱۳۶۵

ناظرین صدق کو مژدہ

مئی ۱۹۴۵ء سے صدق ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دو مرتبہ شایع ہوگا۔ بشرح چندہ سالانہ ۸؍، ششماہی ۴؍، سہ ماہی ۲؍، فی پرچہ ۲؍ — منیجر صدق

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۴)

ق: علامت سوال کی ہے، ج: علامت جواب کی۔

صدق ۳۰ کے ایک جواب پر ایک مشہور عالم دین کی طرف سے حسب ذیل تعاقب وصول ہوا ہے:—

"کفارہ کی جگہ صرف قضا کا فتوے روزہ ٹوٹنے کی صورت میں اُن خاتون کے متعلق جو آپ نے دیا ہے جنکے شوہر نے ایک ساتھ اپنا اور اُنکا روزہ توڑا، اُس پر مولانا ...... صاحب (ایک اور مشہور عالم) کو سخت اعتراض ہے۔ بلاشبہ مسئلہ نظرثانی کا محتاج ہے۔"

بہت بہتر ہوتا اگر دونوں بزرگوں نے بناء اعتراض کی تفصیل فرمائی ہوتی۔ وہ مکتوب گرامی بمسرت تمام درج کر دیا جاتا۔ اور بالکل ممکن تھا کہ اُسی کے مطابق یہ ماتحت مدیر صدق اپنے جواب میں ترمیم کر دیتا۔

اسوقت تو صرف اسی قدر عرض کر دینا شاید کافی ہو کہ جو اصل اُس جواب میں لکھی گئی تھی، یعنی کفارہ کا صرف قصد و تعمد پر مرتب ہونا، اُسکی صراحت فقہاء کے کلام ہی کو دیکھ کر لکھی گئی تھی۔ اور یوں بھی خود شریعت کے مزاج کا اقتضا یہی تھا۔ فقہاء نے کفارۂ صوم کا جہاں جہاں بھی ذکر کیا ہے، برابر لفظ متعمداً لاتے ہیں۔ اور متعمداً کا امتیاز و تقابل ایک طرف تو ناسیاً (بھول چوک جانے والے) سے ہوتا ہے، اور دوسری طرف مکرہاً (اپنی مرضی کے خلاف دوسرے کے جبر یا زبردستی سے عمل کرنے والا) سے۔ رہا وہ خاص جزئیہ، تو فتاوی قاضی خاں میں یہ صاف درج ہے کہ مرد پر ایسی حالت میں قضا و کفارہ دونوں ہیں (متعمداً کی قید مرد کے لیے بھی ہے) لیکن عورت کے لیے حنفی مذہب میں یہ حکم صرف اُسوقت ہے جب عورت بھی رضامند ہو۔

وعلی المرأۃ مثل ما علی الرجل ان کانت مطاوعۃ عندنا۔ (کتاب الصوم باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)	عورت کے لیے بھی وہی حکم ہے ہمارے (حنفی) مذہب میں جو مرد کا ہے بشرطیکہ عورت رضامند رہی ہو۔

اور امام شافعیؒ سے وجوب کفارہ و عدم وجوب دونوں منقول ہیں۔

وللشافعیؒ فی وجوب الکفارۃ علی المرأۃ قولان فی قول لا تجب وفی قول تجب	شافعیؒ سے عورت پر وجوب کفارہ کے باب میں دونوں قول منقول ہیں، ایک وجوب کا، دوسرا عدم وجوب کا۔

لیکن عورت کی عدم رضا کے باوجود اگر عمل واقع ہو گیا، تو صاف حکم ہے کہ عورت پر صرف قضا ہے، کفارہ نہیں ہے۔

وان کانت المرأۃ مکرہۃ علیہا القضاء دون الکفارۃ	عورت اگر مجبور تھی، تو اسکے لیے صرف قضاء ہے، کفارہ نہیں۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر عورت شروع میں نارضامند تھی اور بعد کو اُسکی رضا شامل ہو گئی جب بھی حکم صرف قضا ہی کا رہیگا، اس لیے

کہ رضا تو اُسکی اب شریک ہوئی جب روزہ فاسد ہو ہی چکا تھا، رضا روزہ توڑنے میں شریک نہ تھی۔

وکذا اذا کانت مکرہۃ فی الابتداء ثم طاوعتہ بعد ذلک فلا کفارۃ علیہا لانہا طاوعتہ بعد فساد الصوم	عورت کے لیے یہی حکم اسوقت بھی رہیگا جب وہ شروع میں مجبور تھی، اور بعد کو اُسکی رضا شامل ہوگئی اس لیے کہ اسکی رضا فساد صوم کے بعد شامل ہوئی۔

اور فتاوے ہندیہ (عالمگیریہ) میں بھی کسی قدر اختصار و تلخیص کے ساتھ اسی عبارت کو دہرا دیا ہے ——— یہ دو حوالے تو اسوقت ہاتھ سے لگ گئے، انکے علاوہ بھی فقہ حنفی ہی کی دوسری کتابوں میں بھی یہی فتوے نظر سے گزرنا اچھی طرح یاد پڑ رہا ہے۔ مثلاً بدائع الصنائع میں بلکہ بحر الرائق میں ایک جزئیہ اس سے بھی بڑھکر یہ درج ہے کہ خود مرد پر بھی کفارہ واجب نہیں رہتا، اگر اُس نے روزہ اپنے قصد و ارادہ سے نہیں بلکہ عورت کے جبر و اکراہ سے توڑا ہو! اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام احمدؒ کے ہاں گنجائش احنفیہ کے ہاں سے بھی زائد ہے (ملاحظہ ہو تبیین شرح کنز)۔

س۔ انجم! دکہ قریب ۱۵ روز ہوئے آنجناب کی خدمت اقدس میں ایک خط ارسال کیا تھا۔ نہ معلوم کیوں خادم ابتک ہدایات سے محروم ہے۔ ہر روز ڈاک دیکھ دیکھ کر مایوس ہونا پڑتا ہے۔

ج۔ تاخیر جواب کی وجہ صرف کثرت کار تھی۔ دوسرے مشاغل سے قطع نظر صرف خطوط ہی کثرت سے لکھنے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات ہجوم مشاغل غیر معمولی ہو جاتا ہے۔

س۔ آجکل لوگوں کے اندر حرام و حلال کا امتیاز مطلق نہیں سود کی کاروبار عام ہوگیا ہے۔ ایسے زمانہ میں کسی کے ہاں دعوت دی جاتی ہے تو اسکو منظور کریں یا کیا کریں۔ اگر اُن سے اُنکے حالات یا دوسروں کے ذریعہ سے پوچھ پاچھ کریں تو بھی مصیبت ہے، بلکہ دشمنی پیدا ہو جانے کا ... یا صحیح نہیں بتلا سکے۔ علاوہ ہر ایک سے ہر دعوت پر پوچھنا پڑیگا۔ یہ بھی تکلیف دہ ہے۔

ج۔ سوال مشکل ہے۔ حرام آمدنی اگر محض سود خواروں تک محدود رہتی جب بھی غنیمت تھا۔ اب تو حرام خوری کی خدا معلوم کتنی شکلیں چل پڑی ہیں، اور جائز و پاک آمدنی شاذ و نادر ہی کسی کی باقی رہ گئی ہے۔ وکیل، بیرسٹر، مختار، ڈاکٹر، حکیم، زمیندار، چھوٹے بڑے ہر قسم کے گورنمنٹ عہدہ دار، ریاستوں کے اہلکار، اکثر تاجر، غرض کس کی آمدنی پاک سمجھی جائے!

جب ابتلا اسقدر عام ہو جائے، تو اب بچنے کی عملی صورت کون اور کیا بتائے؟ کم و بیش ہم سب کے سب اس میں مبتلا ہیں۔ بہرحال جہاں ہمت کھلی ہوئی اور نمایاں مثالیں مل جائیں، وہاں تو حتی الامکان احتیاط کر ہی لی جائے۔ اور جہاں اتنی ہمت نہ پڑ سکے یا خود علائق و تعلقات ہی مقتضی ہوں، وہاں ضعفاء کے لیے تو آخری حربہ دلی ندامت و استغفار کے ذریعہ تدارک کا ہے۔ باقی پورا علاج تو ممکن ہی نہیں جبتک موجودہ کافرانہ ماحول ہی کو سر سے بدل نہ دیا جائے۔

تعلقات اگر گھٹا دیے جائیں اور کسی محدود درجہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی جائے، جب بھی دعوتوں میں بکثرت بلائے جانے میں کمی کسی حد تک تو آ ہی سکتی ہے۔

س۔ یہاں مسلمانوں کا کوئی اچھا ہوٹل نہیں۔ صرف ایک ہے وہ بھی ردی۔ آخر چائے وغیرہ ہندوؤں کے ہوٹل میں پینی پڑتی ہے۔ لیکن اکثر اُنکے ہوٹلوں میں کُتے رہا کرتے ہیں اور وہ اُنکی مالش وغیرہ کیا کرتے ہیں۔ اس سے دل میں کراہت پیدا ہوتی ہے مگر فقہ میں دیکھا ہے کہ بچشم خود دیکھنا شرط ہے۔ ہمیں ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے۔

ج۔ کراہت طبعی تو ایسے منظروں سے پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے۔ یوں بھی غیروں کے کاروبار سے اتنا کھلا ملا رکھنا غیرت دینی و خودداری کے خلاف ہے۔ حرمت فقہی کا اعتقاد رکھے بغیر جہاں تک احتیاط و احتراز ہو سکے بہتر ہی ہے۔

س۔ صدق نمبر ۳۹ باعث شرف ہوا۔ سچی باتوں میں معراج جسمانی کا ذکر پڑھ رہا تھا۔ ایک انگریزی تعلیم یافتہ آکر شریک مطالعہ ہوا۔ معراج بالجسد کا تو وہ بھی قائل معلوم ہوا۔ مگر اُس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ بات مطلق نہیں آتی کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو محض گندم کھانے کی بنا پر جنت سے نکلوا دیا اس وجہ سے کہ گندم کھانے سے رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر رسول اللہ صلعم کو بالجسد جنت میں لے جانا کیسے؟

ج۔ سوال کے اندر تہ بہ تہ مغالطات ہیں۔ اول یہ کہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ گندم ہی کی وجہ سے حضرت آدمؑ کا اخراج جنت سے ہوا ہے؟ قرآن مجید قطعاً اس ذکر سے خاموش ہے۔ دوسرے اسکا کیا ثبوت ہے کہ گندم کا یہ وصف خاص ہی اخراج کا باعث ہوا؟ پھر تیسرا سوال یہ ہے کہ قادر مطلق کے لیے کسی حکمت یا مصلحت سے کسی انسان کو جسد کے ساتھ آسمان پر پہونچا دینے یا جنت کی سیر کرا دینے میں استحالہ یا عدم امکان کیا ہے؟ ضمنی سوالات، انھیں اصل سوالات پر مبنی و متفرع، اور بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں۔

س۔ اسکے علاوہ جنت میں مردوں کو حوریں وغیرہ سب کچھ ملینگی، مگر عورت کو بھی کیا مرد ملیں گے؟

ج۔ قرآن مجید میں تو ایک آیت نہیں، متعدد آیتیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اہل جنت کو نعمتیں، رحمتیں، لذتیں ہر قسم کی ملینگی۔ لہم فیہا ما یشاؤن ولدینا مزید۔ وغیرہا — اور اس عموم کے تحت میں سب کچھ آگیا۔ بچوں کو اُنکے مرغوبات ملینگے بچوں کو اُنکے، مردوں کو اُنکے، عورتوں کو اُنکے۔ غرض ہر سن، ہر مزاج، ہر جنس، ہر مذاق والے اور والی کو اُسکے اُسکے مرغوبات۔ احادیث میں تو یہاں تک تصریح آئی ہے کہ کاشتکار اگر کاشتکاری سے دلچسپی ظاہر کریگا تو اُسکے لیے جنت میں اسکا سامان بھی بہم پہونچا دیا جائیگا۔ نام لیکر تو جنت کی صرف چند نعمتوں کا ذکر اُنکی عمومی و اکثری حیثیت سے کر دیا گیا ہے، ورنہ ساری نعمتوں کی تفصیل بھلا ممکن کیونکر تھی۔

پھر یہ سوال اُلٹ کر خود سائل سے کرنا چاہیے کہ آیا جو خواہشیں مردوں کو ہوتی ہیں، ٹھیک وہی خواہشیں عورتوں کو بھی ہونگی؟

اور لطف ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں قانون ختان کے حکم و مصالح کو بیان کرتے ہوئے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ القلفۃ تجمع فیہا الاوساخ و یتعذر الاستبراء من البول و ینقص لذۃ الجماع۔ اس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امام رازی کے نظریہ کے وہ مخالف ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ قلفہ کی وجہ سے لذۃ الجماع کے نقص کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ حسی ذکاوت بجائے قلفہ کم ہوتی ہے، اور قلفہ کٹ جانے کے بعد اس ذکاوت میں زیادہ شدت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ قلفہ کا اندرونی حصہ چونکہ جلد کے نیچے مستور ہو جاتا ہے، پھیلتا سمٹتا رہتا ہے، اس لیے لذت میں نقص اگر پیدا ہو جائے، تو یہ چنداں بعید نہیں۔ اور ایسی صورت میں حضرت شاہ صاحب کے بیان سے امام رازی کے نظریہ کی تردید پیدا نہیں ہوتی۔

بہرحال میرا اب بھی خیال ہے کہ جسم انسانی کا جو حصہ مکشوف رہتا ہے، اس میں غیر مکشوف حصوں کے اعتبار سے قدرۃً حسی ذکاوت کم ہوتی ہے۔ آپ نمک ہی لے کر مکشوف حصہ پر چھڑکیے، تیز بھی اسکو نہ ہوگی، لیکن کسی مکشوف مقام کے نیچے جو غیر مکشوف حصہ ہے، ذرا کھول کر چھڑک دیجیے، اور حسی ذکاوت کا تماشہ دیکھیے۔ میرے نزدیک امام رازی کے نظریہ کی تردید مشاہدے کی تکذیب ہے۔ والسلام

صدق۔ اب کوئی صاحب اس بحث پر مزید تحریر کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔

مقروض پنڈت مالویہ

پنڈت مالویہ کو ہندوؤں میں جو عزت و وقار حاصل ہے شاید کسی ہندو لیڈر کو آج تک نصیب نہیں ہوا۔ اور ملک کی سیاسی دنیا میں بھی مہاتما گاندھی کو چھوڑ کر شاید ہی کوئی دوسرا لیڈر ہوگا جو آپ سے زیادہ قابل احترام تسلیم کیا جاتا ہو۔ پنڈت جی کے متعلق ایک اخبار میں حالات شائع ہوئے ہیں۔ جن میں آپ کی مالی پوزیشن کے متعلق درج ہے کہ آپ کا جدی مکان اور خاندانی کوٹھی گروی ہیں ....

مرحوم مہاراجہ نابھہ پنڈت جی کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ مہاراجہ دھولپور نے اپنے بھائی (مرحوم مہاراجہ نابھہ) کے خلاف شکایت کی تو پنڈت جی مہاراجہ پر [illegible] ہوگئے۔ مہاراجہ نے پنڈت جی کو کئی خط لکھے اور درخواست کی کہ آپ نابھہ تشریف لائیں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اسکے بعد نابھہ سے آدمی جانے شروع ہوئے۔ مگر پنڈت جی نہ آئے۔ آخر مہاراجہ نے مسٹر مسعود [illegible] اسوقت پرائیویٹ سکریٹری کے دفتر میں اسسٹنٹ تھے، کو بھیجا۔ اور ہدایت کی کہ اس وقت تک پنڈت جی کے مکان کو نہ چھوڑنا جب تک کہ پنڈت جی تشریف نہ لائیں۔ چنانچہ مسٹر مسعود پنڈت جی کو نابھہ لانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور ساتھ لے آئے۔ پنڈت جی جب نابھہ میں پہونچے اور مہاراجہ سے ملنے کے لیے ہیرا محل تشریف لے گئے تو کئی گھنٹے تک مہاراجہ اور پنڈت جی کے درمیان باتیں ہوئیں۔ شام کو پنڈت جی واپس جانے لگے تو مہاراجہ نے سردار گورندیال سنگھ پرائیویٹ سکرٹری کے ہاتھ پنڈت جی کے اخراجات کے لیے دس ہزار روپیہ کے سو سو روپیہ والے ایک سو نوٹ بھیجے۔ مگر پنڈت جی نے [illegible] دیکھے۔ آپ نے یہ روپیہ واپس کر دیے اور کہا کہ جس صورت میں مہاراجہ کی بہن مہاراجہ [illegible] ہیں۔ برہمن کا دھرم ہے کہ وہ مہاراجہ کے گھر کا پانی تک نہ پیئے۔ چنانچہ مہاراجہ نے بہت کوشش کی کہ آپ کسی پبلک فنڈ کے لیے ہی کچھ قبول کریں۔ اور پنڈت جی کی بہت خوشامد کی گئیں۔ مگر پنڈت جی نے کرایہ تک نہ لیا۔ اور واپس تشریف لے گئے۔

پنڈت مالویہ نے ہندو یونیورسٹی اور دوسری انسٹی ٹیوشنوں کے لیے ہندوؤں سے لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ لیا۔ مگر اس کروڑوں روپیہ میں پنڈت جی کی ذات کے لیے ایک پیسہ نہ تھا۔ اور آپ جیسے لائق وکیل، بہترین دماغ کے سیاست داں، اور رشیوں جیسے کیرکٹر برہمن کا سرمایۂ حیات کیا ہے۔ جدی مکان اور کوٹھی بھی بنیوں کے پاس گروی۔ (ریاست)

انجمن عربی صوبہ متحدہ

سال ہشتم ۱۹۴۲-۴۳ء کی کارگزاری کا خلاصہ

۱۔ جون ۱۹۴۲ء میں مجالس انتظامی کی میعاد ختم ہو جانے کے سبب سے اگست ۱۹۴۲ء کے سالانہ جلسے میں نئی مجلس کا انتخاب ہوا۔

۲۔ انجمن کے وظائف سے صوبہ کے ۲۲ مقامات کے ۴۷ طلبہ (درجہ ے تا ل اے) مستفید ہوئے۔ وظائف پر مبلغ ۱۶۶۹ روپیہ صرف کیا گیا۔

۳۔ ۱۹۴۳ء کے عربی کے اول آنے والوں میں حسب ذیل انعامات اور اسناد تقسیم کیے گئے۔ (الف) ہائی اسکول میں: امجد علی، ڈی اے وی اسکول، الہ آباد کو ؎ (بیگم فتح احمد صاحب الہ آباد کا عطیہ) اور دو رسائل عربیہ (ب) انٹرمیڈیٹ میں: شاہ محمد مہدی عطا، گورنمنٹ جوبلی کالج لکھنؤ کو عہ (بیگم حشمت علی صاحبہ الہ آباد کا عطیہ) اور ایک عربی کتاب؛ (ج) فاضل میں: سید غلام رسول شاہ، مدرسہ ناصریہ جونپور کو عہ (غلام قادر صاحب الہ آباد کا عطیہ) اور عربی کتب؛ (د) ماجرہ عبدالستار لکھنؤ کو ہائی اسکول میں عربی میں امتیاز حاصل کرنے پر خاص انعام عہ (بیگم عبدالرحمن صاحبہ الہ آباد کا عطیہ)۔ عربی کتب مولوی سید مقبول احمد صمدانی صاحب الہ آباد کا عطیہ تھیں۔

۴۔ عربی گرامر پر ۹۱۵ عدد رسائل صوبہ کے عربی طلبہ کو مفت تقسیم کیے گئے۔

۵ - صوبہ متحدہ کے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے درجوں کے لیے عربی نصاب کی کتابیں بنا کر اور درجہ ۹ و ۱۰ کے لیے مناسب جدید عربی کتب تجویز کرکے ڈائرکٹر تعلیمات کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

۶ - سلطان پور (اودھ) میں الگ عربی مدرسہ قائم کرنے کی سعی کی گئی۔

۷ - اس سال انجمن کے سرپرست اول نواب صدر یار جنگ بہادر دام اقبالہ کا ماہانہ عطیہ حسب معمول اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ماہانہ عطیہ للعہ حسب سابق جاری رہا۔

۸ - مولوی شریف احمد خاں شروانی صاحب رڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ) نے انجمن کے دفتر کا مفصل معائنہ فرما کر اطمینان کا اظہار فرمایا۔

۹ - جولائی ۱۹۴۴ء میں سید مولوی محمد صاحب کے حسابات کا محاسبہ کرکے حسابات کے درست ہونے کی تصدیق فرمائی۔ ۳۰ جون ۱۹۴۴ء کو سال کے ختم ہونے پر انجمن کے خزانہ میں کچھ اوپر مبلغ ۸۰۲ روپیہ ۲ / ۱۱ پائی موجود تھے۔ باقی تفصیل کے لیے اس سال کی مفصل روداد ملاحظہ ہو جو جنوری گذشتہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔

محمد نعیم الرحمٰن - معتمد و خازن انجمن

صدق کا دورِ جدید

ہم نے اپنی کسی گذشتہ اشاعت میں ہفتہ وار صدق کے ہفتہ میں دو بار کیے جانے کے سلسلہ میں جو اپیل اپنے ناظرین سے کی تھی وہ نصف ملہر بار آور ہوئی اور شرائط اپیل کے ماتحت ہمیں جو سات تائیدی خطوط موصول ہوئے تھے اور جنکا اعلان ہم اپنی اشاعت گذشتہ میں کر چکے ہیں انکے بعد ہی ایک مخیر اور مخلص صدق نواز نے یکمشت ۲۰ خریداروں کا چندہ بھیجنے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا اور اس تحریک کا دلی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم۔ کہ جس پر ہم کارکنان صدق کی طرف سے اُن کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں ان حق پرست نے چونکہ خاص طور پر اپنے نام کے اعلان کی ممانعت کر دی ہے لہذا ہم مجبور ہیں۔ لیکن اتنا پھر بھی ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ وہی بزرگ ہیں کہ جو گذشتہ ۳ سال سے برابر پانچ سو روپیہ سالانہ کی امداد سے صدق کی سرپرستی فرما کر اسکے رشتہ حیات کو قائم کیے ہوئے ہیں۔ اور درحقیقت ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں کہ جن سے ہم ان کی ان سرپرستیوں اور قدردانیوں کا شکریہ ادا کرکے اس فرض سے سبکدوش ہو سکیں۔ اللہ پاک انھیں انکی اولوالعزمیوں کا پورا اجر عطا فرمائے اور ہمیں اسکی توفیق دے کہ ہم صدق کو صحیح اُس بلند معیار پر لا سکیں کہ جس پر وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس گرامی نامہ کے موصول ہونے کے بعد ہمارے لیے اب سوائے اسکے کیا چارہ تھا کہ ہم حضرت مولانا کی خدمت میں یہ ساری روداد پیش کر دیں اور ان سے اسے شرف قبولیت عطا کرنے کی درخواست۔ چنانچہ سہ شنبہ ۲۰ مارچ کو حضرت مولانا مدظلہٗ کی واپسی الہ آباد پر ہمیں اس کا موقع مل گیا اور ہم نے دھڑکتے ہوئے قلب کے ساتھ اپنا جو ہینگے سلسلہ میں یہ کل تائیدی خطوط اُنکے سامنے رکھ دیے۔ جناب مولانا نے ہماری کافی بحث مشکل ابتداءً ہمیں یہ کہکر ساکت کر دیا کہ "جتنا کام میں کر رہا ہوں اس سے زیادہ کے لیے میں وقت نہیں نکال سکتا، ہاں یہ ممکن ہے کہ صدق کے صفحات میں اضافہ کر دیا جائے۔ کہ جس پر ہم نے اُن سے یہ کہا کہ خریداران صدق دراصل آپ کی تحریروں کے شیدائی ہیں نہ کہ اخبار کی ضخامت کے کہ جو دوسروں کے مضامین سے پیدا ہو جائے" غرضکہ یہ بحث اسی طرح دیر تک قائم رہی اور بالآخر بڑی رد و قدح کے بعد یہ طے پایا کہ مئی ۱۹۴۵ء سے ہفتہ وار صدق کو ہفتہ میں دو بار کر دیا جائے۔ اور جناب مولانا صدق کی تیاری میں جس قدر وقت اب صرف کر رہے ہیں اتنا ہی اور وقت بھی صرف کریں۔ میں خوش ہوں کہ قدردانان صدق کے دیرینہ مطالبہ سے مجھے بے نیاز ہونا پڑتا اور آج اس اعلان میں کہ انشاءاللہ مئی ۱۹۴۵ء سے (جب کہ صدق کا سال نو شروع ہوتا ہے) انکا صدق ہفتہ میں دو مرتبہ انکی خدمت میں پہونچتا رہیگا دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔

اب یہ اُنکا کام ہے کہ وہ اسے قائم رکھکر بڑھنے اور ترقی کرنے کے مواقع بہم پہونچائیں۔ اسوقت تک تو میری اپیل کا مخاطب صرف ان لوگوں کی طرف تھا کہ جو صدق کو ہفتہ میں دو مرتبہ دیکھنا چاہتے تھے اور اب میرا روئے سخن صدق کے کل ناظرین کی طرف ہے کہ وہ جس طرح ممکن ہو اپنے حلقہ سے کم از کم ایک خریدار اس اثنا میں مزید مہیا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ صدق جس مشن کو لیکر نکلا ہے اُسے وہ بحسن و خوبی انجام کو پہونچا سکے۔ سالانہ چندہ کے سلسلہ میں بھی جناب مولانا سے میں نے گفتگو کی تھی کہ جسکے لیے انھوں نے یہ فرمایا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ موجودہ چندہ میں بھی کمی کر دی جائے لیکن ظاہر ہے کہ کاغذ اور اخراجات طباعت کی موجودہ گرانی کے زمانے میں ایسا کیونکر ممکن ہے۔ لہذا میں نے طے کیا ہے کہ مئی ۱۹۴۵ء سے اسکا سالانہ چندہ آٹھ روپیہ کر دیا جائیگا۔ اور اب سے جتنے وی۔ پی اسکے نئے یا پرانے خریداروں کے نام روانہ ہونگے وہ اسی شرح کے لحاظ سے ہونگے۔

میں اپنا کام پورا کر چکا اب قدردانان صدق کا یہ کام ہے کہ صدق کی ترقیوں کی راہ میں اس پہلے قدم کا گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کریں اور اسے اُس بلندی پر پہونچا دیں کہ جہاں کھڑے ہو کر وہ ہندوستان کے ۱۰ کروڑ مسلمانوں کے ذریعہ اعلائے کلمۃ الحق کر سکے اور اُس صدائی آواز کو پھر انکے کانوں تک پہونچا سکے کہ جس کی اب صرف ہلکی سی گونج اُن میں باقی رہ گئی ہے

وما علینا الا البلاغ

خاکسار

محمد عبد الرؤف عباسی

مہتمم "صدق" لکھنؤ

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی سے ر

بیرون ہند سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

صدق

نمبر ۴۴ دوشنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۴۵ء جلد ۱۰

سچی باتیں

نیویارک ٹائمز، امریکہ کے مشہور ترین و ممتاز ترین روزناموں میں سے ہے (اور امریکہ کا کون سا روزنامہ متمول نہیں ہے!) ۱۰ دسمبر ۱۹۴۴ء کا پرچہ پیش نظر ہے۔ بڑے لمبے چوڑے صفحوں پر تقریباً پورے چار صفحے جلی عنوان اور متعدد تصویروں کے ساتھ، شہر کے سو محتاج ترین اشخاص کی مالی امداد و اعانت کی اپیل کے لیے وقف ہیں! ناداری کا وجود امریکہ میں بھی ہے! یہ اور بات ہے کہ وہاں کا معیار ہمارے یہاں کے معیار سے بہت مختلف ہے اور ہمارے یہاں کے خوشحال بھی وہاں نادار سمجھے جائیں! —— بہرحال سو اشخاص کے حالات، اور ان میں بوڑھے اور بوڑھیاں اور لڑکے اور لڑکیاں سب شامل ہیں اخفاء نام کے ساتھ شہر کی سات خیراتی انجمنوں کی تصدیق کے بعد درج ہیں، کہ فلاں غریب عورت حاملہ ہے۔ اس کی زچگی کے لیے اتنی اعانت کی ضرورت ہوگی، فلاں بوڑھا مریض بچنے والا نہیں، اس کی عنقریب ہونے والی بیوہ کو آخری علاج نیز تجہیز و تکفین کے لیے اتنی رقم درکار ہوگی۔ وغیرہا۔ ہر شخص کے لیے امدادی رقم کی تعداد دکھائی ہوئی ڈالروں کی رکھی ہے، اور مختلف رقموں کی تعداد ۱۲۶ ڈالر سے لیکر ۲۴۹ ڈالر تک ہے۔ (امریکہ کا ایک ڈالر انگریزی ۴ شلنگ سے کچھ اوپر ہوتا ہے) ہندوستانی سکہ میں موٹا تخمینہ پانچ روپیہ سے لیکر ۴ ہزار روپیہ تک فی کس کا سمجھیے!

امریکی روزنامہ کے صفحات میں صرف ناچ، رنگ، کھیل تماشہ، ریڈیو، ڈراما، سینما، شطرنج، تاش ہی نہیں ہوتا، ان چیزوں کے پہلو بہ پہلو گنجائش خیرات، غریبوں، مریضوں، یتیموں، بیواؤں، کی امداد و دستگیری کے لیے بھی نکلا کرتی ہے۔ اور یہ خاص اخبار اس قسم کی اپیلیں آج سے نہیں، ۳۴ سال قبل سے، ۱۹۱۱ء سے برابر شائع کر رہا ہے۔ اور یہ اس کی ۳۳ویں سالانہ اپیل ہے۔ اور اس ۳۲ سال کی مدت میں اسکے ذریعہ سے کوئی ۴۰ لاکھ ڈالر (ایک کروڑ سے اوپر) کی رقم اہل حاجت تک پہونچ چکی ہے! یہ جو صفحہ اس اپیل کے لیے وقف ہے، اسکے علاوہ اپنے اداریتی حصوں میں اس نے بار بار اس پر توجہ دلائی ہے۔ اور عجب نہیں کہ اس سال کی اپیل بھی پوری طرح کامیاب ہو چکی ہو۔ اور ہزارہا ہزار کی رقم ان ناداروں تک پہونچ چکی ہو —— مقصد گزارش صرف اسقدر ہے کہ امریکی تہذیب، فرنگی تہذیب بھی سرتاسر شیطانی نہیں۔ امریکی فوجیوں، برطانوی فوجیوں کا آج کل سفر میں ساتھ ہو جانا کوئی نادر واقعہ نہیں۔ مختلف اسٹیشنوں پر بہ آسانی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ یہی امریکی اور برطانوی، غریب میلے کچیلے ہندوستانی لڑکوں، اور لڑکیوں کو اپنے قریب بلاتے ہیں، بالطلب انہیں مٹھائیاں اور کھانے پینے کی نمکین چیزیں کھانے کو دیتے ہیں، بوڑھی، بچے دار مسکینہ والیوں کو بلاتے ہیں، انہیں بھی دیتے لیتے رہتے ہیں — دنیا کی کوئی سی بھی تہذیب، بدتر سے بدتر بھی سرتاسر شیطانی نہیں۔ کوئی شر، شر محض نہیں۔ شر و خیر کا امتزاج اس عالم ناسوت کا عام و عالمگیر قانون ہے۔

عرب کی تہذیب جاہلی بھی شر محض نہ تھی۔ خیر کے کچھ عنصر اس میں بھی شامل تھے۔ عربوں کی مہمان نوازی مسلم تھی۔ وعدہ کا، قول و قرار کا پاس ان سے بڑھ کر کس کو تھا؟ فیاضی، سیرچشمی، شجاعت ان کی آج تک ضرب المثل چلی آتی ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ شر پر خیر غالب

ترکیہ

ایک مسیحی مشنری کے نقطۂ خیال سے

(ایک ندوی اصلاحی کے قلم سے)

کوبج صاحب مسٹر ڈی، ٹاٹیس نیا[1] کا ایک مضمون اپریل ۱۹۵۳ء کے مسلم ورلڈ میں شایع ہوا ہے۔ جس میں ممالک اسلامیہ کا مشنری نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ترکی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:-

مشن کا کام اگرچہ ان دشواریوں میں بھی جاری رہا جو ایک عالمگیر جنگ کی حالت میں ناگزیر ہیں، لیکن حسب دستور ترکی حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے کام کو بہت زیادہ نقصان پہونچا۔

ترکی کو موجودہ تمدن میں ڈھالنا اب تک ایک اہم نصب العین ہے لیکن دیہاتی حلقوں میں ابھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ بہرحال ترکی جیسے کہ ایک مضمون نگار نے ایشیاٹک ریویو میں لکھا ہے "اپنے معیار تہذیب کو بلند کرنے کی طرف بڑی شدت سے مائل ہے اور وہ اس سلسلہ میں صحیح اور عملی امداد کا طالب ہے۔ چنانچہ گذشتہ موسم سرما میں انگورہ کے اندر انگریزی کتابوں کی جو نمائش ہوئی تھی (اس میں بہت سی کتابیں تھیں)، جن کا بیشتر حصہ سائنس یا تعلیمی نوعیت پر مشتمل تھا"۔ لیکن یہ حقیقت میں تصویر کا محض ایک پہلو ہے۔ اگرچہ حکومت بحیثیت حکومت مذہبی زندگی اور ضروریات ملک سے بہت ہی سرسری دلچسپی رکھتی ہے لیکن بلاشبہ عوام الناس کو مذہب کے ساتھ حقیقی لگاؤ ہے۔ اور وہ اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ جو بقول ایک مضمون نگار کے اس بات سے بخوبی ظاہر ہے کہ مذہبی تہواروں کے موقعوں پر مسجدیں لوگوں سے بالکل پُر ہو جاتی ہیں۔ یہ مضمون نگار آگے چل کر لکھتا ہے "یہ بہت ضروری ہے کہ ہمارے شہریوں کے لیے روحانی غذا کا سامان کیا جائے۔ جس کے وہ متلاشی ہیں"۔ اسی مضمون نگار نے دسمبر ۱۹۵۲ء کے "وطن" (استنبول) میں لکھا تھا کہ حکومت کو مذہبی اداروں کے ساتھ بے پروائی برتنے کی پالیسی پر پشیمان ہونا چاہیے۔ وہ لکھتا ہے مذہبی رہنمائی کا عہدہ بہت غیر مقبول ہو گیا ہے اس لیے مذہبی پہلو روبزوال پذیر ہے۔ منصب رہنمائی کے لیے جن لوگوں کا انتخاب کیا جاتا ہے انکو مہینے میں صرف [illegible] لیرہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس لیے یہ مضمون نگار دل شکستگی کے ساتھ سوال کرتا ہے کہ "جو لوگ ہمارے روحانی حالات درست رکھنے کے ذمہ دار ہیں ان سے ہم یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اتنی حقیر ماہانہ رقم پر کام کر سکیں گے۔ ضرورت ہے کہ مذہبی تبلیغ کو معقول اور مضبوط حالت تک پہونچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے بلکہ ہماری مسجدیں اور ریڈیو بھی لائق مبلغین کے لیے کھلے رہنے چاہییں جو وقت کی سائنٹفک ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں"۔ (مسلم ورلڈ - بابت اپریل ۱۹۵۳ء)

معلوم نہیں ترکی کی مذہب پرستی کا جو نقشہ اس تبصرہ میں پیش کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا "انی محرمان راز" کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ترکی سے مذہب کا جنازہ نکل گیا ہے اور اسی لیے اس نے موجودہ حیرتناک ترقیاں حاصل کی ہیں۔ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح حالات پیش ہی نہیں کرتا۔ کچھ لوگ جنکے سامنے سیاست ہوتی ہے وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ ترکی کی مذہب سے بغاوت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اور اسکو بیٹھے اس پر سر دھنتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسکی تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور جو مذہب کا دم بھرنے والے ہیں انکے نزدیک چونکہ ترکی میں مذہبی بیداری بڑی خوشناک چیز ہے اس لیے انکو اگر ذرا معمولی سی چیز بھی مل جاتی ہے تو وہ مذہبی ہونے کی حیثیت سے بظاہر تو مسرت کے ساتھ اسے پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ انکے دل کا اضطراب ہوتا ہے جسے وہ "اس اظہار مسرت" کے پردے میں چھپانا چاہتے ہیں۔ بہرحال ہماری دلی خواہش یہی ہے کہ ترکی کو اب بھی اپنی غلطیوں کا احساس ہو اور ہمیں یقین ہے کہ یہ کبھی نہ کبھی ہو کر رہیگا۔ آخر یورپ کی تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک دمک کب تک دل و دماغ کو مسحور رکھ سکیگی، جب خود دانایان فرنگ علی الاعلان اپنی تہذیب و تمدن کو لعنت قرار دینے لگے ہیں تو بیچارے یہ انکے مشرقی شاگرد کب تک اسے رحمت سمجھ کر ڈھوتے پھریں گے۔ خود اسی مضمون نگار نے اپنے مضمون کی ابتدا میں دبے لفظوں میں اسکا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے

"دنیائے اسلام کا وہ حصہ جو یورپ اور مسیحی مغرب کو ادھر عرصہ سے موجودہ تہذیب کا نمونہ سمجھ رہا تھا وہ گذشتہ تیس سال کے واقعات سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔ اس عرصہ میں یورپ میں عیسائیوں کے درمیان جو دو عظیم جنگیں برپا ہوئی ہیں انھوں نے مسلمانوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے"۔

آگے اس نے "جمہوریت" (استنبول) کے ایک مضمون کا اقتباس نقل کیا ہے جو اسکے نزدیک تمام سوچنے والے مسلمانوں کے خیال کا ترجمان ہے:-

"یورپ جو گذشتہ آخری صدیوں میں خیالات، احساسات اور معلومات میں تمام دنیا کا نمونہ بنا رہا ہے وہ اسوقت مادی بحران سے زیادہ ایک روحانی بحران سے دوچار ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرنا ناممکن ہے اس لیے کہ فاتح و مفتوح دونوں قوموں کی طرف سے یہ ذمہ دارانہ صدا بلند ہو رہی ہے کہ تہذیب اپنی موجودہ شکل میں ایک نہایت بوسیدہ نظام ہے ... یورپ میں جو تمام دنیا کا دماغ ہے ایک سخت بحران قائم ہے اور یہ بحران سب سے پہلے روحانی یا اخلاقی ہے۔ وہ تمام .... تباہکاریاں جن سے اسوقت انسانیت دوچار ہے وہ اسی مرض کا نتیجہ ہیں ...."

لہ [1] مشہور مشنری ہیں۔ اسلامیات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ اسلام و قرآن پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (صدق)

سکے علوم سے کچھ استفادہ اپنی کتابوں کے سلسلہ میں کر لیا جائے ——
مصنف کی اصلاح سے قبل اگر تصانیف ہی کی اصلاح ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے —— یہی تاریخ کی ہوئی دو کتابیں ڈاک سے روانہ کر دیں۔ ایک تو ثانیہ ثانیہ یعنی مولانا سید روم کے ملفوظات انگریزی زبان میں، اپنے دیباچہ و مقدمہ کے ساتھ، دوسرے رسالہ تصوف اسلام (طبع ثانی)۔ اور ایک عریضہ بھی لکھ دیا کہ دو تقریریں ہدیے ڈبے ڈبے ارسالِ خدمت ہیں۔ اور ملنے کے بعد ہی ایک جوابی کارڈ بھی رسالہ کے اندر میں ڈال دیا کہ فلاں تاریخ کو حاضر خدمت ہو جاؤنگا۔ جواب اسی کارڈ پر ۱۸- اکتوبر ۲۹ء کا لکھا ہوا حسب ذیل موصول ہوا:-

مکرمی ... السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کے دو ہدیے بشکل نافع کتابوں کے اور محبت نامہ مع کارڈ جوابی پہنچ کر زینت بخش و مسرت افزا ہوئے۔ اسے وقت تو خوش کر دیا اب خوش کر رہی۔

اشتیاق کے ساتھ انتظار رہے۔ اگر ہمت و فرصت ہوئی تو اسٹیشن جدید پر ہونگا ورنہ آدمی حاضر ہوگا۔ کارڈ محض اسی مصلحت سے بھیج دیا کہ خط پہونچنے کا اطمینان ہو جائے۔

دونوں رسالے وقتاً فوقتاً بہ نظر استفادہ متفرق طور پر دیکھتا رہتا ہوں۔ دل خوش ہوتا ہے۔ دوسری کتاب [مراد تصوف اسلام طبع ثانی ہے] میں اتفاقاً دو مقام قابل نظر ثانی نظر پڑے۔ ایک مقام اول میں ایک مقام آخر میں۔

ص۹ پر خانقاہ امدادیہ کا ذکر اکابر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے ہوتے تو یہ ذکر بجا تھا اب تو دو تکلے میں بات کا حاشیہ ہے۔ ص۱۸۶ حدیث مَن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاہلیۃ کے صحاح میں ہونے کی نفی ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ میں مسلم سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اصل مسلم میں بھی آسانی سے نکل آئیگی۔ اگر نظر ثانی فرما کر اگلی بار اشاعت کے موقع پر ان دونوں مقاموں کی تصحیح ہو جائے تو مفید ہو۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ اشرف علی از تھانہ بھون۔ بھائی صاحب سے سلام فرما دیجیے۔"

اس مکتوب پر صرف تین حاشیے ملاحظہ فرمائیے:-

(۱) تصوف اسلام۔ ص۹ کی جس عبارت کا ذکر ہے وہاں دیباچہ میں عرض یہ کیا گیا تھا کہ قدیم محققین صوفیہ کے صحیح اسلامی تصوف کا عملی نمونہ اب بھی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں نظر آ سکتا ہے۔ ظاہر ہے "مولانا اسے" ذکر اشرف" کو کیسے گوارا فرماتے۔

(۲) یہ ضروری [illegible] بالکل صحیح [illegible] ارشاد ہوئی۔

(۳) بھائی صاحب [illegible] کا مکتوب انھیں کے پتے پر موصول ہوا تھا

مولانا کی ذات خود بڑی [illegible] جامع ذات تھی۔ کوئی صرف فقیہ ہوتا ہے اور طریقت سے کورا، کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور

کلام کے مباحث سے ناآشنا۔ یہ حضرت ایک ہی وقت میں صوفی محقق بھی تھے اور متکلم بے بدل بھی۔ رومی عصر بھی اور رازی وقت بھی۔ فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف کے علاوہ کلام قدیم و جدید کے بھی خدا معلوم کتنے مسائل بیان مجلسوں میں، خطوں میں برابر بیان ہوتے رہتے، اور ہم جیسے کتنے بے مایہ ان کم مایہ ہیں سے خوشہ چینی کر کر کے اپنی بات بناتے، اپنی دکان چمکاتے رہے۔

ایک نوجوان عزیز کالجی تعلیم پائے ہوئے اور انگریزی صحبتیں اٹھائے ہوئے۔ مدت سے یہ سوال کر رہے تھے، کہ "دنیا میں بدی کے وجود کی علت کیا ہے"؟ گویا تخلیق کائنات کا راز اور فعلیت خالق کی مصلحت جاننے کے درپے تھے، اور اسکو اکثر نوجوانوں کی طرح عین "روشن خیالی" کا مطالبہ سمجھ رہے تھے۔ انکے مکتوب کی نقل بجنسہ حضرت کی خدمت میں روانہ کر دی اپنے اس عریضہ کے ساتھ کہ

"حضرت، جواب تو اُلٹا سیدھا میں انھیں دے ہی لونگا لیکن حصولِ تبرک اور خود اپنی ہی مزید تشفی کے لیے خدمت والا میں عرض کر رہا ہوں اگر کچھ مختصر اشارات عنایت ہو جائیں تو تفصیل اپنی عبارت میں ان شاء اللہ کر لونگا"

جواب آیا، اور حسب معمول واپسی کی پہلی ہی ڈاک سے آیا — کاغذ کے دونوں رخوں پر لکھا ہوا۔ پہلے پہلا صفحہ ملاحظہ ہو:—

"الجواب - غالباً علت سے مراد حکمت ہے، ورنہ علت تو جو سب حوادث کی ہے اسکی بھی ہے۔ پس اگر واقعی مراد اس سے حکمت ہے تو اس سوال میں ایک دعوٰی ہے، وہ یہ کہ تمام حوادث کی حکمت معلوم ہونا ضروری ہے — کیا اس دعوے پر کوئی دلیل ہے۔ خصوص جاہل غلام اگر عالم آقا کے افعال کی حکمتیں پوچھے۔ کیا سائل صاحب کو عقلاً و طبعاً گوارا ہے کہ ان کے تمام افعال کی مصلحتیں انکا ایک نوکر ان سے پوچھے اور جس فعل کی حکمت اسکو نہ بتلائی جائے، اسکی حکمت کا انکار کر دے۔ کیا آقا کا یہ جواب دینا غیر معقول ہوگا کہ نامعقول تجھکو ہمارے افعال سے کیا بحث۔ جو کام تجھ کو بتلا دیا اور وہ تیرے بس کا بھی ہے تو اسے کیے جا، اور فرق کیا ہے۔ - اشرف علی

اب دوسرا رخ پڑھیے:-

"مکرمی - السلام علیکم - پشت پر جو درج ہے وہ ضابطہ کا جواب ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ نہ سائل کو حکمت پوچھنے کا حق ہے نہ ہم پر حکمت بتلانا واجب ہے۔ اب میں تبرع کے درجہ میں حکمت بتاتا ہوں۔ اہل ظاہر نے حکمت ابتلاء کو بتایا ہے، جیسے کسی نوکر کی وفاداری آزمانے کے لیے۔ یا اگر خود علم ہو تو دوسروں پر بغرض اتمام حجت ظاہر کرنے کے لیے طاقوں میں روپے ڈال دیے جاتے ہیں کہ اس سے بچنا یا نہ بچنا ظاہر یا معلوم ہو جائے۔ اور اہل باطن نے حکمت ظہور اسماء الٰہیہ کو بتایا ہے۔ اگر بدی پیدا نہ کی جاتی اور کوئی اسکا مرتکب نہ ہوتا تو نہ کسی کو سزا ہوتی جس سے ظاہر ہے منتقم

کا ظہور ہوا ہے، اور نہ بعض کو معاف کر دیا جاتا جس سے عفو و غفور و رحیم کا ظہور ہوتا ہے۔ گر دونوں جوابوں پر پھر سوال ہوتا ہے کہ تخلیق شر میں تو یہ حکمت ہوگئی، گر خود اس حکمت یعنی ابتلاء و ظہور اسماء میں کیا حکمت ہے۔ پھر اخیر جواب یہی ہوگا کہ حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں۔ تو اس جواب تبرعا کے بعد بھی جواب مناسبہ کی ضرورت ہوگی۔ اسی واسطے عارفین کا فیصلہ ہے۔ ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

اور فرمایا ؎

زبان تازہ کردن بہ اقرار تو
نینگیختن علت از کار تو

واشاعاس لوصایا والحکم   اشرف علی

درخواست صرف مختصر اشارات کے لیے کی گئی تھی۔ جواب میں اشارات نہیں، تصریحات ارشاد ہوئیں۔ اور وہ بھی مختصر نہیں۔ ضرورت کی حد تک مفصل!

مدت کے بعد ۔۔۔ کی مطول شرح تیج (مرحوم) کے کئی صفحات میں بڑی تفصیل کے ساتھ، ایک مستقل مقالہ کی حیثیت سے تلاش راز کے عنوان سے شائع ہوئی۔ مضمون بڑا معقول ہوا۔ انگریزی خواں طبقوں میں خوب پھیلا، خوب چلا۔ بہتوں کو نفع حاصل ہوا، وا۔ صنعت میں تیج نکالا کر ملتی رہی داد دینے والے بھی بے خبر رہتے چمکتے ہوئے، جگمگاتے ہوئے، بلوری برقی قمقمے کو سب دیکھتے ہیں، کسی کو کیا خبر کہ اندر ہی اندر برقی رو (کرنٹ) کہاں سے آ رہی ہے!

نئی کتابیں

(۱) **قرآنی ادب** - از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ ۸۰ صفحے۔ قیمت ۱۲ ار پتہ: احمد صالح، سنٹرل بک ڈپو، چارکمان، حیدرآباد دکن۔

مولانا گیلانی کی خدمات دینی دائرہ تمدن میں کچھ بھی پر روشن و عیاں ہیں، اور وہ جس کثرت سے اور جس قدر وزنی ہیں، شاید اسی قدر متنوع و گوناگوں بھی ہیں۔ اور اسی سلسلہ کی ایک تازہ قسط پیش نظر رسالہ ہے۔ یہ ۳۲ چھوٹے چھوٹے سبقوں میں منقسم ہے۔

مولانا نے کوشش کی ہے کہ قرآنی عربی کے کل ضروری مبادی ان ۳۲ سبقوں کے اندر آ جائیں۔ یعنی صرف و نحو کے وہ کل مسائل جو قرآن فہمی کے لیے ضروری ہیں ——— دریا کو کوزہ کے اندر بند کرنا یقیناً آسان نہیں، ممکن بھی شاید ہی ہے۔ پھر بھی یہ مخلصانہ و مفید سعی قابل داد و ستائش رہتا ہے۔

کتاب اردو خوانوں اور مبتدیوں کے یقیناً بڑے کام کی ہے۔ قرآن کا پڑھنا، سمجھنا، سیکھنا اس کے بعد یقیناً اس سے آسان تر ہو گیا ہے جتنا اس کے قبل تھا۔ پھر بھی تعلیم و تدریس کے عملی تجربوں کے بعد مولانا کو نظر ثانی کے وقت اس میں خود ہی بہت گنجایش مزید تسہیل و تفصیل و تکمیل کی نظر آئیگی۔ جس طرح بوڑھوں کو بچہ بننا دشوار ہے، منتہی عالموں کے لیے مبتدیوں کے اشکالات کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔

(۲) **مولانا سندھی اور انکے افکار و خیالات پر ایک نظر** - از مولانا مسعود عالم ندوی۔ ضخامت ۲۰ + ۱۶۰ صفحات۔ قیمت ۲ آنہ پتہ: مکتبۂ دین و دانش۔ پٹنہ۔

مولانا سندھی مرحوم کے بعض خیالات کی بوالعجبی اور انکی فکری ایجوبہ زائی سے ادھر چند سال سے مسلمانوں کے سنجیدہ علمی حلقہ میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی، اور شدید ضرورت تھی کہ ان پراگندہ خیالیوں پر ایک مبسوط اور جامع تنقیدی نظر ڈالی جاتی۔ الحمدللہ کہ ایک فرزند ندوہ مولانا مسعود عالم نے اس فرض کفایہ کو اپنے دو معنوی مقالوں کے ذریعہ سے ۔۔۔ میں ادا کیا۔ اور انہیں مقالوں کو اب یکجا کرکے کتابی صورت میں شایع کر دیا ہے۔

مولانا سندھی کے خیالات میں ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں ایک ہی قسم کی نہیں، رنگ رنگ کی تھیں۔ فاضل ناقد کو اسکے لیے بڑے لمبے لمبے سفر کرنے اور بڑے چکر کاٹنے پڑے ہیں۔ بعید از عمت مختلف اور ضمنی بحثیں کتاب میں راہ پا گئی ہیں۔ ضرور نہیں کہ تبصرہ نگار کو ناقد کے ہر ہر جزئی بیان سے بھی اتفاق کلی ہو، لیکن مولانا سندھی کے اصلی موضوع سخن اور مرکزی افکار پر گرفتیں یقیناً بہت صحیح کی گئی ہیں، اور دیدہ وری اور نکتہ رسی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

فاضل جلیل مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے قلم سے تقریباً ۲۵ صفحہ کا مفصل مقدمہ مغز ہی مغز ہے، اور ہر اعتبار سے قابل داد و قابل مطالعہ۔ جن حضرات کو پوری کتاب کے پڑھنے کی فرصت نہ ہو، انکے لیے یہ سلجھا ہوا مقدمہ بھی بالکل کافی ہے۔

(۳) **تنقیدی جائزے** - از سید احتشام حسین صاحب ایم اے صفحات ۲۹۸۔ قیمت ۲؎ ناشر۔ ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن۔

"ترقی پسند ادب" کی حمایت و وکالت میں سید احتشام حسین خاصہ نام پیدا کر چکے ہیں۔ تنقیدی جائزے انکے بارہ مطبوعہ تنقیدی مضامین کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن میں نہ تاریخی ترتیب ہے نہ بظاہر کوئی اور ترتیب۔ اکثر مضامین کا موضوع ترقی پسند ادب اور نئی شاعری ہی کسی نہ کسی عنوان سے ہے۔ احتشام صاحب تنقید ادب میں ایک خاص نقطۂ نظر سے متاثر ہی نہیں مرعوب بھی ہیں، اس لیے انکے مضامین کے اسی مخصوص و محدود نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں جسکے سمجھنے کے لیے پڑھنے والے کو مارکس و فرائڈ کے خیالات اور اصول تنقید سے واقفیت ہو لینی چاہیے۔ ان جائزوں کی افادیت قدرۃً ۔۔۔

تھا جس کا عنصر غیرت کہیں بڑھا ہوا تھا —— انتہا اکبر من نفعہما کا قانون صریح اور منصوص حرام چیزوں تک کے لیے خدا کا بنایا ہوا ابھی ہے اور بتایا ہوا بھی۔ —— تہذیب فرنگ، تہذیب جاہلیت حاضرہ بھی اسی کلیہ کی ایک فرد ہے۔ ظاہری خیر و خوبی کے اجزا یقیناً اس میں شامل ہیں۔ لیکن کوئی نسبت اسکے عناصر شر کو اسکے عناصر خیر سے نہیں۔ اسکے حاشیے اور اسکے نتیجے جو کچھ اور جیسے بھی ہوں، اسکا مرکزی نقطہ توحید نہیں، شرک و الحاد ہے، اسکی منزل مقصود، قرب حق نہیں، رضائے مخلوق ہے اور اسی لیے یہ بحیثیت مجموعی اور بطور ایک نظام (سسٹم) کے انسانیت کے حق میں تریاق نہیں زہر ہے۔ دوا نہیں مرض ہے۔

موت اور اخلاقی موت

ایک ہمعصر نے بنگال کے قحط و افلاس سے پیدا شدہ نتائج سے متعلق اعداد ذیل شائع کیے ہیں:-

۱۔ قحط سے مرنے والے	۳۵ لاکھ
۲۔ محنت کی مستقل بربادیاں	۵۰ لاکھ
۳۔ دیہات کے خاندانوں کی خانماں بربادیاں	۲۰ لاکھ اور ۳۰ لاکھ کے درمیان
۴۔ دیہات میں جائداد و زمین فروخت کر ڈالنے والے	آبادی کا ۱۵ فی صدی حصہ
۵۔ وبائی بیماریوں میں مبتلا ہونے والے	۲ کروڑ اور ۳ کروڑ کے درمیان
۶۔ قحط اور مرض سے ناکارہ و اپاہج ہو جانے والے	۱۱ لاکھ
۷۔ قحط کے اثر سے پیشہ ور بیواؤں میں اضافہ	۴۵ ہزار

اعداد کی فراہمی میں مذہب کا کوئی خانہ الگ نہیں رکھا گیا۔ لیکن تعداد غالب ان بلاکشوں میں یقیناً مسلمانوں ہی کی ہوگی۔ بلائیں کسی انسانی طبقہ پر بھی نازل ہوں، بہر حال قابل عبرت ہیں۔ چہ جائیکہ ان کا شکار مسلمان ہوں! —— یورپ کے کسی خطہ میں اسکا دسواں حصہ بھی ہوا ہوتا، تو غضب کا تہلکہ حکومت کے خلاف ہو گیا ہوتا!

خونِ جگر

محمد یوسف صاحب بنگلہ بی اے، دہلی سے، دہلی کے ایک مسلمان اخبار کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:-

"آج گانے کی کوئی یونیورسٹی بھات کھنڈے نام سے ہے۔ اس کی چانسلری ہز ہائی نس نواب صاحب ...... نے قبول کرلی ہے۔ نواب صاحب موصوف سے متعلق پہلے بھی ایک آدھ خبر اسی قسم کے شعبہ جات کی سرپرستی کی چھپ چکی ہے۔ یہ صرف افسانہ ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں اپنا گلا کاٹنے سے کسی طرح کم نہیں"۔

دوسری خبر یہ ہے کہ کوئی بنگالی صاحب ہیں انھوں نے قحط زدہ علاقہ خصوصاً چٹگاؤں کا دورہ کیا۔ اور انھوں نے چشم دید واقعات قلمبند کیے ہیں۔ وہ یہ کہ اول تو بہت سے گاؤں اور آبادیاں صاف ہی ہوگئی ہیں اور اب جو کچھ گھرانے ہیں وہ صرف جھگیوں کی شکل میں۔ فوجی [illegible] اس قسم کے لوگ عورتوں کی دلالی [illegible] ہیں، پیشہ کرا رہے ہیں۔ اور

یہ سب بلائیں مسلمانوں کے اوپر نازل ہو رہی ہیں! اللہ تیری پناہ! زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ سے زیادہ مسلمانوں کا درد کس کو ہوگا؟ اسوقت مسلم قائد کو جھنجھوڑنے کی ضرورت سب سے زیادہ اہم ہے"۔

مراسلہ نگار کی دردمندی بالکل ظاہر ہے۔ لیکن اپنے حسن ظن سے وہ صدق و بے صدق کے اثر و نفوذ سے متعلق شاید اپنی شاعرانہ تخیل سے کام لیے ہوئے ہیں! اس کمبخت کا اثر اتنا بھی تو نہیں ہے کہ وہ اپنی تحریریں ہر ایک قسم کے ذوق والوں تک پہنچا سکے کہ وہ اسے پڑھ سکیں! دہلی ہی کے ایک نیک دل ہمدرد نے اپنے حضرات کے نام شاید ۲۰ کی تعداد میں صدق کے پرچے جاری کرا رکھے ہیں۔ وہ حضرات جہاں تک معلوم ہوا ہے، پرچہ کھولتے اور پڑھتے تک نہیں! ایسا طبقہ تک رسائی کی صورت ہی آخر کیا ہے؟ عملی اثر پڑنے کا سوال تو بہت بعد کا ہے، پہلے پہنچ تو جائے کسی طرح ہو۔ اور یہاں کے سب دروازے بند ہیں!

"آج کل تو نہیں، لیکن گانے کی تو یہ مشہور درسگاہ خود صوبہ کے گورنر بہادر کی قائم کرائی ہوئی۔ لکھنؤ میں عرصہ سے موجود ہے، اور اب ایک امی "گویے" کے نام پر "یونیورسٹی" بھی بن چکی ہے! یونیورسٹی وہ شخص تو کیا قال اللہ و قال الرسول والا مدرسہ تھا؟ —— اور یہ دوسری قیامت خیز خبر اپنے لیے مقدر ہی تھا کہ اپنی بہنوں کی یوں عزتیں لٹتے عصمتیں تباہ ہوتے، ہم اور آپ جیسے بھائی، لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہونے کے باوجود، کانوں سے سنتے رہیں، آنکھوں سے دیکھتے رہیں، اور صرف خون جگر پی کر رہیں! زمین اگر نہیں پھٹ جاتی اور آسمان اگر نہیں ٹوٹ پڑتا، تو کاش ہم بھائیوں ہی کا احساس غیرت اتنا قوی ہوتا کہ ہمارا ہی جگر پھٹ گیا ہوتا!

ملحد کی تردید

ایک مذہبی درسگاہ کے معلم صاحب کی طرف سے سوال آیا ہے:-

"یہ درست ہے کہ کوئی شے، کرسی، میز، گھڑی وغیرہ عالم محسوس و مشاہد میں خود بخود نہیں ہو رہی ہے۔ اسی طرح اجزائے عالم بھی خود بخود نہیں ہوئے لیکن اس پر آخر کیا دلیل عقلی ہے کہ سورج، چاند، زمین، پہاڑ، دریا، چشمے، ستارے ایک یا چند سلطنتوں نے مل کر دنیا کے لیے کبھی کسی وقت میں نہیں بنایا تھا یا یہ کہ وہ نہیں بنا سکتے تھے۔ بلکہ اسے صرف ایک ایسی برتر ہستی نے بنایا جس کی طاقت تمام سلطنتوں کی مجموعی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔ اور یہی خدا ہے۔ اگر کوئی ملحد دعوی کرے کہ سورج، ستارے، چاند، زمین خود بخود تو نہیں ہوگئے لیکن اسے خدا نے بھی نہیں بنایا ہے، بلکہ جس طرح عجائبات سائنس و اختراعات عالم میں ہزاروں چیزیں ارباب ہنر و اصحاب کمال بناتے ہیں اور سلطنتوں کی پشت پناہی و امداد سے یہ چیزیں تیار ہوتی رہتی ہیں۔ برقی لہر، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ، اسی طرح اہل دنیا کے نفع کے لیے کسی وقت میں ان چیزوں کو

بالخصوص ترک قوم کو جس نے کہ اب نئی زندگی کی امید میں اس قوم اور صرف اسلامیوں کو جدا کر دیا تھا جنکی افادیت ختم ہو چکی تھی۔ یہ اخلاقی انتشار کا سوال ہر چیز سے پہلے حل کرنا چاہیے۔ ہم اپنے کو مغرب کے رنگ میں رنگتے جا رہے ہیں لیکن ہمارا پرانا استاد (مغرب) نئے راستہ کی تلاش میں ہے۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس نے اخلاقی دنیا کا راستہ گم کر دیا ہے..... ایک شخص کو اگر تمام دنیا مل جائے تو اس سے اسکو کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگر اس نے اپنی روح کھو دی"

اس اقتباس کو پڑھ کر بیساختہ یہ مصرعہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے

ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

صدق۔ کم از کم جہاں تک حکومت ترکیہ اور وہاں کے علمی طبقوں کا تعلق ہے، یہ مصرعہ ابھی بہت قبل از وقت ہے۔

ہمارے مشغلے

لاہور کے مشہور اسلامی محلہ مسلم گنج میں ایک مسلمان کہلانے والے شخص کے ہاں ذی الحجہ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو فرزند ارجمند پیدا ہوا۔ اس تقریب سعید پر مسرت و انبساط کا عظیم الشان مظاہرہ کیا گیا، آتش بازی چھوڑی گئی، شادیانے لگائے گئے۔ سخت اور خشک سردی کے باوجود رقص و سرود کی محفل ساری رات گرم رہی۔ قبرستان کے ملنے فرزندان توحید کا ہجوم داد عیش دیتا رہا۔ مسلمانوں کے شکم کی بے دردی سے تواضع انواع و اقسام کے اطعمہ و اشربہ سے کی گئی۔ میلاد بعد کو ایک جلوس کی صورت میں حضرت سید علی ہجویریؒ کے مزار پر پہنچایا گیا اور چڑھاوے چڑھائے گئے۔ ان تمام رسوم پر کئی ہزار روپے خرچ ہوگئے مگر قدرت خدا کی کہ بچہ کو تیسرے دن نمونیہ ہوا اور وہ زندہ نہ رہ سکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چند مسلم دہریوں کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت جمع ہوگئی اسکا صحیح مصرف متعین کرنے کے لیے چند دہریوں اور انکے رشتہ داروں کی مجلس عالیہ منعقد ہوئی جس میں غیر معمولی دماغ سوزی کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ عاشورہ کی رات کو طمطراق کے ساتھ تعزیہ کا جلوس نکالا جائے۔ [illegible] "اگلا پچھلا ریکارڈ توڑ کر رکھ دیا جائے" چنانچہ غیر معمولی انہماک و اہتمام سے [illegible] آتش بازی تیار کرائی گئی اور بستی کی چوک پر [illegible] نذر آتش کی گئی۔ کمانی کو آگ لگنے کی یہ کیفیت کئی دو گھنٹہ [illegible] رہی۔ تماشائیوں نے دل کھول کر داد دی اور [illegible] محنت کش طبقہ [illegible] اسی طرح ضائع ہوگئی۔

ایک بہت بڑا [illegible] زمیندار [illegible] مالک تھا چل بسا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسکا بیٹا ساری جائداد اور املاک پر قابض ہوگیا۔ بہنوں نے بھائی سے حصہ مانگا اور اللہ عزوجل کے قانون میراث کا حوالہ پیش کیا۔ بھائی نے کہا برادری کا دستور تمہیں محروم الارث قرار دے چکا ہے۔ لڑکی نے کہا تم مسلمان ہو خدا کا خوف کرو۔ بھائی نے جواب دیا میں مجبور ہوں۔ معاملہ پنچایت میں آیا۔ بڑے چودھری صاحب نے بیانات قلمبند کیے اور اعلان کیا کہ شریعت اسلامیہ نے زرعی زمین کی تقسیم کے متعلق کوئی قانون نافذ نہیں کیا۔ مقدمہ عدالت میں دائر ہوا۔ جب جج کے سامنے بھائی نے قسم کھا کر کہا کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔ اس نے اعلان کیا کہ میں دستور کا پابند ہوں شریعت کا پابند نہیں۔ بہن کا دعویٰ خارج ہو گیا۔ مگر بھائی کا ایمان اعلانیہ کفر کے باوجود صحیح و سلامت رہا۔ بیسا بچہ [illegible] اس نعمت عظیم کی خوشی میں محفل میلاد منعقد کرا رہا ہے۔

اجمیر شریف میں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی دھوم دھام تھی۔ دور دور سے لوگ چلے آ رہے تھے "غلام تو محتاج ناز تو" کی کیفیت واضح تھی۔ آدھی رات کے وقت ایک قافلہ آگرہ کی طرف سے آنے والی ٹرین سے اترا۔ انہوں نے ایک عظیم الشان جلوس مرتب کیا۔ باجہ گاجہ، گیس کی روشنی اور سب سامان درست ہوا۔ ایک ستی گاڑی پر ہارمونیم اور طبلہ رکھا گیا۔ بجانے والے قرینے سے بیٹھ گئے ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکا جو غالباً زندگی کی تیرہویں بہاریں دیکھ رہا ہوگا، گاڑی کے ساتھ ساتھ تھا اور طبلہ کی تھاپ اور ہارمونیم کے سُر کے ساتھ داؤدی لحن سے گا رہا تھا۔ بڑے بڑے امیر کبیر تعلقہ دار ساتھ تھے اور سر دُھن رہے تھے۔ لڑکا ننگے پاؤں اور ننگے سر تھا۔ معلوم ہوا کہ ننھے میاں کسی بڑے تعلقہ دار کے لخت جگر ہیں۔ راجہ صاحب کی اولاد بچپن میں نذر اجل ہو جایا کرتی تھی۔ اس بچہ کی ولادت پر حضور نے منت مانی کہ اسے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کرونگا۔ اسے گانا سکھایا جائیگا جب اسے اچھی خاصی مہارت ہو جائیگی تو جلوس کے ساتھ عرس میں شرکت کی جائیگی۔ یہ مظاہرہ ایفائے نذر کے سلسلہ میں ہو رہا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ اس منت کے ابتدائی مراحل پر دو ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔

یہ ہیں وہ شاندار سرگرمیاں جن پر متوسط اور متمول طبقوں کے مسلمان "دل کھول کر" روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں مسرفین کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، لیکن جلسۂ عام میں جب کوئی لیڈر ایسے اجتماع کو خطاب کرتے وقت جس میں ایسے سخی بھی موجود ہوں "بھائیو اور دوستو" کہکر خطاب کرتا ہے تو فرط حیرت سے فاضل مقرر کا منہ تکتا رہ جاتا ہوں۔ (ایمان - پٹی)

کروروں کی رشوت

دو ہفتے ہوئے دہلی کی رشوت کے متعلق ہم کچھ حالات بتا چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں کلکتہ سے ایک واقف دوست لکھتے ہیں کہ وہاں کی حالت بھی دہلی سے کم نہیں۔ چنانچہ دلچسپ واقعہ ہے۔ ایک بلڈنگ نیلام ہونے والی تھی۔ وہاں کے ایک منسٹر نے اس

بلڈنگ کو خریدنا چاہا - اور نیلام کی بولی ہوئی تو اُس منسٹر کے کارندہ نے دس لاکھ کی بولی دی - اس دس لاکھ کی بولی کے بعد دوسرے ایک شخص نے یک لخت بارہ لاکھ روپیہ کی بولی دے دی - منسٹر کے کارندوں کو حیرت ہوئی کہ بارہ لاکھ روپیہ کی بولی دینے والا کوئی اور ڈی یا صاحب جائداد مشہور آدمی نہیں - بارہ لاکھ روپیہ کی رقم بہت ہوتی ہے پتہ تو لگایا جائے کہ یہ کون نیا ممن شخص ہے جس نے دس لاکھ سے ایک لخت بارہ لاکھ روپیہ کہہ دیا - چنانچہ منسٹر کے کارندوں نے پتہ لگایا کہ بولی کس کے لیے دی جا رہی ہے - تو معلوم ہوا کہ ایک بنگالی آئی - سی - ایس آرہا ہے جو پاس کے مہاجرین کے کیمپ کے انچارج تھے - منسٹر نے یہ معاملہ سی آئی - ڈی کو تحقیقات کے لیے بھیج دیا - تحقیقات ہوئی تو پتہ چلا کہ اس بنگالی آئی سی ایس کا دس بارہ لاکھ روپیہ تو بنک میں جمع ہے - دس بارہ لاکھ کا تو بنک نام ہے - اور پانچ چھ کوٹھیاں پہلے خریدی جا چکی ہیں - چنانچہ یہ آئی سی - ایس معطل کر دیا گیا - اور اب اس پر تغلب کا مقدمہ چلانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں - یہ تو واقعہ صرف اس ایک افسر کے متعلق ہے جو منسٹر کے گریڈ کا تھا اور جو اڑھائی ہزار روپیہ سے زیادہ تنخواہ پاتا تھا - ایسے واقعات دو چار دس نہیں سینکڑوں ہیں - اور اسوقت تک کروڑوں روپیہ رشوت اور تغلب کے ذریعہ لوگوں کی جیب میں جا چکا ہے - (ریاست)

(بقیہ صفحہ ۵)

[illegible] رجحان ہو کر رہ گئی ہے

احتشام صاحب نے ایک سرگرم وکیل کی حیثیت سے ترقی پسند ادب کو دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے - انھوں نے نوجوانوں کے جذبات سے بھی اپیل کی ہے اور بار بار نئے رجحانات کو قطعیت کے ساتھ پیش کیا ہے اور کہیں کہیں استدلال و منطق کو بھی کام میں لائے ہیں - انکی مارکسیت کا اثر اسلوب تحریر سے بھی نمایاں ہے اور لازمی طور پر انکی عبارت کچھ خشک سی ہو گئی ہے - پڑھنے سے کوئی دیرپا ادبی مسرت بلکہ کوئی فرحت و شگفتگی مشکل ہی سے حاصل ہوتی ہے -

احتشام صاحب کی تنقیدیں ہر قرینہ [illegible] تنقید کی طرح [illegible] البتہ ان کی [illegible] سے محروم ہیں - نئی اور اکثر نامانوس اصطلاحوں اور مغربی [illegible] افراد سے [illegible] اقتباسات [illegible] اپنا مافی الضمیر بھی شاید وضاحت سے پیش نہیں کر سکے ہیں - بعض جگہ یہ دھوکا ہونے لگتا ہے کہ احتشام صاحب نظیر اکبرآبادی، میر حسن دہلوی، چکبست لکھنوی کے شعر و ادب پر کچھ فرما رہے ہیں یا کسی علمی انجمن کے سامنے ابعد الطبیعیات کے کسی بحث پر کوئی مقالہ سنا رہے ہیں!

بہر حال کتاب ایک خاص قسم کے طرز ادب کی ترجمانی کی سنجیدہ و مخلصانہ کوشش ہے - اور جو لوگ ترقی پسندی کی تحریک کو خود اس تحریک کے کسی وکیل و علمبردار کی زبانی سمجھنا چاہتے ہیں انھیں یقیناً اس کتاب کے مطالعہ سے مدد مل جائیگی -

کتاب کا بہترین مضمون فانی بدایونی مرحوم پر ہے - کاش مصنف کا عام رنگ بیان یہی ہوتا! (ح - ا - ق)

"صدق" کے ایک اسیر نواز مخلص

دہلی کے ایک مخیر و عالی ہمت تاجر کو جو "صدق" کے ساتھ انتہائی خلوص رکھتے ہیں، سال گذشتہ سے [illegible] بیس خریداروں کا چندہ اپنے پاس سے اس ہدایت کے ساتھ بھیجکر رہے ہیں کہ اس سے "بیس" امراء و دولتمند صاحبان حیثیت و استطاعت کے نام پرچے جاری کر دیے جائیں - چنانچہ سال گذشتہ و سال [illegible] انکی تعمیل کر دی گئی، اور دہلی کے تاجروں، خود وزراء و اعلیٰ ارکین حکومت کے نام پرچے جاری کر دئے گئے - ہمارے مخلص نے غالباً یہ اس لیے کیا تھا کہ اس طرح پر "صدق" کی آواز ان کانوں میں پہنچ جائیگی کہ جن میں دنیاوی قہقہوں چہچہوں کی گونج شبانہ روز بھرا کرتی ہے اور ممکن ہے کہ ایک سال تک مفت پرچہ پڑھنے کے بعد اسکی خریداری کی طرف متوجہ ہو سکیں - لیکن اسوقت تک اُن حضرات میں سے کوئی ایک بھی اسکی خریداری کے لیے مائل نہ ہوا - کہیں سے نا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسکو پڑھنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی - انا للہ

ادارہ "صدق" ہفتہ میں دو مرتبہ شایع ہونے کے اعلان کے بعد منتظر ہے کہ اپنے ان مخلص کے رشحات کرم کی بارش اسکے اوپر اب کس شکل میں ہوتی ہے - "اسیر نوازی" تو ہو چکی اب "غریب پروری" باقی ہے -

مہتمم "صدق"

بزم ہمدردان صدق

کرمی - السلام علیکم - یہ معلوم کر کے بہت ہی افسوس ہوا کہ آپنے ہمدردان صدق کی خدمت میں جو اپیل پیش کیا تھا وہ بے نتیجہ نکلی - مسلمانوں کو دینی باتوں سے اتنی بے رغبتی کیوں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے - اتنا مفید اخبار اور اسکے خریدار اتنے کم - بہت ہی تعجب کی بات ہے - سچی بات تو یہ ہے کہ اس پایہ کا اخبار ہندوستان بھر میں شاید ہی نکلتا ہو - آپ نے جس تحریک کو اٹھایا ہے خدا کرے وہ کامیاب ہو - ہمت ہار کر ہرگز اسکو نہ چھوڑیے - مجھے امید ہے کہ اس کلمۃ الحق کے بلند کرنیوالے اخبار کی حق رسی ضرور کریگا - اور اگر دو مددگار ہو جائے تو بہت کافی ہے - میں اپنے وعدہ کے مطابق آج پھر چھ نئے خریدار مہیا کر کے انکے پتے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں - میرا یہ خط ملتے ہی آپ انکے نام تازہ اخبار وی - پی کر دیجیے، وصول کر لینگے - والسلام علیکم - احقر محی الدین قیصری

۱۲ - مارچ [illegible]

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ جانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو - محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" شداد آباد بلڈنگ، گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی

بیرون ہند سے سالانہ شلنگ

قیمت فی پرچہ

صدق

ٹیلیفون نمبر ۱۴۹

نمبر ۴۵ | دوشنبہ - ۱۱ - ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶ - مارچ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

لکھنؤ - ۱۱ - مارچ - یہ آپ دیکھ رہے ہیں، کہ ہزاروں ہزار مخلوق دریائے گومتی کے کنارے، گویا لمحات کی طرف کہاں چلی جارہی ہے؟ بوڑھے، بچے، جوان، عوام، خواص، امیر، غریب، مرد، عورت سبھی - لیکن سب کے سب ہندو - کوئی میلہ ہے؟ کوئی نہان ہے؟ کوئی تیرتھ یاترا ہے؟ --- وہ دیکھیے نہ، سامنے دو عظیم الشان شامیانے یا پنڈال سجے ہوئے ہیں، اور درگا کوٹھی سے لیکر کتنی دور تک دونوں طرف جھونپڑوں کی قطار، پچاسوں کی تعداد میں نظر آرہی ہے! ایک منڈپ میں کونو تو جگہ مقدس آگ روشن ہے، ہر صبح سے سہ پہر تک جلتی رہتی ہے - اور ان مقدس چولھوں میں سیروں نہیں، منوں کی مقدار میں غلہ اور گھی برابر ڈالا جارہا ہے! پنڈت اور پروہت بھی تو کیسے کیسے، اور متھرا، بندرابن، کاشی، ہردوار، پریاگ کہاں کہاں سے جمع ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انھیں کی تعداد کوئی ڈیڑھ ہزار کی ہے؟ اشلوک ہیں کہ برابر پڑھے اور منتر ہیں کہ برابر جپے جارہے ہیں! اور سب کے سرگروہ "تقدس مآب" جگت گرو شنکر اچاریہ مہاراج ہیں - ہمالہ پہاڑ کی چوٹیوں سے، جیوتری مٹھ، بدری آشرم سے، خاص اسی تقریب کے لیے آئے ہیں! اور دوسرے منڈپ میں ہزارہا زائروں اور تماشائیوں کا مجمع ہے۔ ایسے ایسے پنڈتوں کے درشن، اور ایسے ایسے شاستریوں کے اُپدیش، روز روز نصیب کب ہوتے ہیں؟

"یہ یگیہ" "نہیں، مہا یگیہ ہے" اسکا پورا نام ملکش مہا چنڈی مہا یگیہ ہے - یہ ایک چنڈی دیوی کی پوجا ہے کہ دیوی جی اب بندوں پر رحم کر کے اس جنگ عظیم کو بند کرائیں - انسانوں کے ہاتھ سے انسانوں کی اس بے مثال و بے نظیر خوں ریزی کو ختم کرائیں۔ یہ وہی مشہور و معروف دیوی ہیں، جنکے اور بھی نام نامی ہیں - درگا، کالی، بھوانی وغیرہ - یہ بڑی پرقوت ماتا ہیں، انکے بڑے بڑے ہاتھ ہیں، انکے ہاتھ میں سب کچھ ہے - آخر شیوجی (ہندو تثلیث کے تیسرے عنصر اعظم، اور فنا و ہلاکت کے دیوتا) کی منظور نظر اور بیوی ہیں - دس دن تک جب انکی پوجا پاٹ اور انکے نام پر ہون کرنے میں بے حساب اناج، غلہ، روپیہ اٹھا کر پھونک دیا جائیگا تو انہیں کہاں تک رحم نہ آئیگا، اور انکا ارشاد پہنچتے ہی دنیا میں امن و صلح کی حکومت پھر سے قائم ہو جائیگی! ---- آپ یہ اعتقادی کی منطق سن رہے ہیں، لبوں پر مسکراہٹ آئے جاتی ہے، لیکن خدا نخواستہ اگر ہم آپ بھی بجائے مسلمان کے کسی ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے ہوتے۔ تو آج ہمارے آپ کے بھی یہی عقیدے ہوتے یا نہیں جو لکھے پڑھے لکھے، قابل فاضل ہندوؤں کے ہیں؟

جاہلی مذہبوں میں اصلی زور انسان کی اپنی اندرونی اصلاح پر، اصلاح نفس پر، فرد و جماعت کی صالحیت پر نہیں، بلکہ جنتر منتر اشلوکوں کی خارجی قوت پر ہے، کہ فلاں عمل اگر اتنی تعداد میں اتنی بار اتنے لوگ پڑھ ڈالیں، تو بڑے سے بڑے قہار و جبار دیوی دیوتا بھی موکلوں اور جنات کی طرح مسخر ہو جائیں گے، اپنے پجاریوں کے آگے جھک جانے پر مجبور ہو جائینگے ---- سوچیے اور بار بار سوچیے کہ کہیں آپ کے قدم بھی، نادانستہ سہی، خدا نخواستہ غیروں ہی کے نقش قدم پر تو نہیں پڑ رہے ہیں، اور کہیں آپ کے عملے، وظیفے، آپکی نذر و نیاز، آپ کے عرس اور فاتحے بھی تو یہی روش نہیں اختیار کرتے جارہے ہیں؟

کام کی رفتار

پارۂ دوم کی اُردو کی تفسیر کی نظرثانی بحمداللہ ختم ہوگئی ۔ پریس میں جانے کے قابل مسودہ کی صفائی کا مرحلہ بھی کچھ ایسا آسان نہیں ۔ اچھا خاصہ وقت ابھی اس میں لگیگا ۔ چار ہفتہ کا وقفہ ، دوسرے متفرق کاموں کے لیے الگ رکھا گیا ہے ۔ اسکے بعد انشاء اللہ پارۂ سوم کا کام شروع ہوگا ۔ پارۂ اول کی نظرثانی مدت ہوئی ختم ہو چکی تھی ۔ پورا مسودہ صاف ہو کر پریس میں اب تک نہیں پہنچ پایا ہے ۔ اس تاخیر میں قصور پریس والوں کا مطلق نہیں تاخیر کی ذمہ داری تمامتر مصنف ہی پر ہے ۔

انگریزی کے پارۂ دوم کی ذمہ داری البتہ ناشر ہی پر ہے ۔ خدا معلوم کیا اسباب پیش آئے جنکی بنا پر وہ اتنی مدت کے بعد بھی اسے شایع نہیں کر سکے ہیں ۔ خریداروں کا اضطراب بالکل قدرتی ہے لیکن تقاضہ کے خطوط مصنف کے نام لکھنے بالکل لا حاصل ہیں ۔ جن صاحبوں کو بھی لکھنا ہے براہِ کرم ناشر یعنی تاج کمپنی لاہور ہی کو تحریر فرمائیں ۔

”مخلص قدیم مقیم پشاور“ برابر اپنی رقم اعانت ماہوار بھیجے چلے جا رہے ہیں، اور خوش دلی کے ساتھ انکی یہ مخلصانہ امداد قبول ہو رہی ہے اس مہینے انکی اڑتالیسویں قسط پہونچ گئی، گویا پورے چار سال ہو چکے ۔

ایک حیدرآبادی بزرگ کی وفات

حضرت مولوی حاجی محمد حسین صاحب حیدرآبادی اس دور کے خاص بزرگوں میں سے تھے ۔ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں، اور قرب الٰہی کے راستے بیشمار رہتے ہیں، یہ ضرور نہیں کہ سب بزرگ ایک ہی معیار پر ہوں اور ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوں، یہ حضرت بھی ایک خاص رنگ و کیفیت اور ایک خاص طریق سلوک کے مالک تھے توحید وجودی کا غلبہ شدت سے تھا، اور آیات قرآنی تو گویا نوک زباں تھیں ۔ توحید پر تقریر کرنے پر آتے، تو گھنٹوں مسلسل اور بے تکان کیا کرتے ۔ ظاہر بالکل دنیاداروں کی طرح رہتے سہتے ۔ مدت دراز ہوئی، غالباً ۱۹۲۲ء میں ابتدائی نیاز مولوی حاجی شاہ محمد الیاس برنی ایم اے کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا ۔ پھر مولانا گیلانی کے واسطہ سے نیازمندی بڑھتی رہی ۔ اور بار ہا توحید سے متعلق خوب خوب معارف و نکات سننے میں آئے اب مولانا گیلانی کے مکتوب سے یہ سُن کر دل کو دھچکا لگا کہ ۸ ۔ مارچ ۱۹۴۵ء پنجشنبہ کو عصر کے وقت سفر آخرت پر روانہ ہوگئے! اناللہ ۔ حیدرآباد میں بہتوں کی (خصوصاً انگریزی تعلیم یافتوں کی) زندگی مولانا کی وجہ سے درست ہوگئی تھی ۔ مدیر صدق کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کی خاص طور پر بہت افزائی کرتے ۔ ۱۹۴۴ء کی رقم اپنی جیب خاص سے مرحمت فرمائی تھی ۔ اور اگر لینے والے کی طرف سے شدید عذر نہ ہو گیا ہوتا ، تو کئی سو کی اور رقم اپنے مخلصوں سے دلوا رہے تھے اللہ لمبند سے بلند مراتب نصیب کرے ۔

مولانا گیلانی کا مکتوب بجنسہ نذر ناظرین ہے:

”کیا عرض کروں ، بڑا حادثہ گزر گیا ۔ آپ تو غائبانہ ملے بھی تھے ۔ یعنی حضرت مولانا محمد حسین صاحب قبلہ حیدرآبادی کا ۸ ۔ مارچ روز پنجشنبہ ۱۹۴۵ء عصر کے وقت انتقال ہو گیا ۔ یوں تو وہ بیمار سالہا سال سے تھے اور بسا اوقات ہم لوگوں کو مایوسی ہو جاتی تھی لیکن ادھر کچھ دن سے بہت اچھے تھے صرف آنکھوں میں پانی آ گیا تھا ۔ ڈاکٹروں نے قدح کا مشورہ دیا تھا ۔ قدح کے لیے شفا خانہ عثمانیہ میں داخل بھی ہوگئے تھے ۔ لیکن اطباء عیون کی کانفرنس کی وجہ سے بات ملتوی ہو گئی ۔ سفر پر جیسے کہ پہلے آتے کہ اگر زندہ رہا تو پھر آؤنگا ۔ جمعرات کے دن اچھے خاصے اُٹھے ۔

”سہ روزہ صدق“

(از عبد الماجد)

منیجر صاحب صدق کے اصرار اور بعض ناظرین صدق کی تاکید و اصرار سے اسے دوبارہ سہ روزہ کر ڈال دینا چاہتے ہیں، جسکے لیے میں کسی طرح امادہ نہیں ۔ سب سے بڑا اور قوی مانع کم فرصتی ہے ۔

تفسیر قرآن کی مشغولیت نے دوسرے مشاغل کے لیے گنجایش ہی کہاں باقی رکھی ہے عمر عزیز کا حصہ تھوڑا بہت جتنا بھی باقی رہ گیا ہے، جی یہی چاہتا ہے کہ اسکا ایک ایک لمحہ اسکی نذر کر دیا جائے ؎

قلا فیہ اندیشم و دلدارستن گویم سندلیش جز دیدارستن

اس پر بھی بے غیرتی کر کے تصنیف و تالیف کے دوسرے دوسرے کام بھی اپنے ذمے لیے ہوئے ہوں ۔ بہ کثرت خطوط و استفسارات کے روزانہ جوابات انکے علاوہ پبلک جلسوں کی صدارت کیا معنی شرکت بھی اب کئی سال سے یکقلم موقوف ہے اس پر بھی دعوت نامے برابر موصول ہوتے رہتے ہیں، اور انکے لیے معذرت نامے برابر لکھنے ہی پڑتے ہیں ———— حقیقۃً دارہی خدا معلوم کن مشکلوں سے نکل پاتا ہے یہ جا بجکہ سہ روزہ! صدق اخبار سے کہیں زیادہ ایک رسالہ ہے ۔ سہ روزہ ہونے کی صورت میں قدرۃً توقعات اسکی اخباریت سے متعلق قائم ہونگی ۔ ان توقعات کا پورا کرنا قطعاً میرے بس سے باہر ہے ۔ ہر مائیہ ادنا تو اپنی نگرانی میں ایک روزنامہ ہمدرد مرحوم سے انا ہو انکلوا دیتا، وہ ایک الگ چیز تھی ۔

ہر حال اتنا تو ناظرین منیجر صاحب کے اعلان سے سمجھ چکے ہیں، کہ وقت یہ خادم اسی قدر دے سکیگا جتنا ہفتہ وار کے لیے دیتا رہتا ہے ۔ اور اب ناظرین کرام لے براہِ راست بھی سُن لیں، آگے منیجر صاحب کو اختیار ہے کہ وہ اُسکے ہی ذخیرہ کو شایع جس صورت میں چاہیں کریں ناظرین کم از کم اتنا تو ضرور خیال رکھیں، کہ اس جدید زیر تجویز انتظام کو عارضی اور تجربی سمجھیں اور احتمال ضرور رکھیں کہ اگر یہ نہ ہو سکا، تو پھر اُسی قدیم انتظام کی طرف واپسی ہوگی ۔

حسب دستور وہی ایک تقریر جسے وہ میرے علم میں پچیس سال سے مسلسل کر رہے تھے یعنی کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ کی تشریح۔ اسی پر تقریر فرماتے رہے۔ تین بجے کے قریب ظہر کی نماز پڑھی، کھانا تناول فرمایا جو چند لقموں سے صرف گفتگو تھی، اور لیٹ گئے۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ کے بعد بیدار ہوئے دل میں درد محسوس ہوا، پانی مانگا۔ شاید چند گھونٹ فرو ہوئے کہ فرمایا "بابا میرا آخری وقت ہے" اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ" اسکا تین دفعہ بالجہر اعادہ فرمایا، دیکھا گیا، اب وہ اس دنیا میں موجود نہ تھے۔ میرے علم میں مسلسل ۲۵ سال سے جو بات کہ وہ ہر لحظہ منتظر رہتے تھے وہی وقت آ گیا۔ انا للہ۔ کیا عرض کروں کہ مجھے ان سے کیا کیا ملا۔ میں دار العلوم دیوبند کے دینی ماحول سے اچانک بہانگ ماڈرن ایک ایسے ماحول میں آ گیا تھا جہاں تعزیر ترقی بعنا یا گریڈ، تلطیف کے سوا کوئی دوسرا ذکر نہ تھا۔ لیکن الرحمن الرحیم کے اس فضل کا شکر کن الفاظ میں ادا کروں کہ حیدرآباد پہنچنے کے ساتھ ہی مجھے شفقت کے ایسے آغوش میں ڈال دیا گیا۔ جس نے میرے ایمان کی نہ صرف حفاظت ہی فرمائی بلکہ اپنے نزدیک تو یہی سمجھے بیٹھا ہوں کہ مجھے اس راہ میں بہت کچھ مل گیا۔ اور میں کہاں تھا اور پچیس سال کی اس درویش بابا کی صحبت و سوقات نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا۔ مغفور نے ہمیشہ اپنے کو ایک معمولی دنیادار انسان کی حیثیت سے رکھا۔ زمانہ تک دہلی اسٹیٹ میں جج اور مجسٹریٹی کے فرائض انجام دیتے رہے، لیکن چند دیوانوں کو انھوں نے پہچان لیا تھا یا دیوانوں نے انکو پہچانا تھا۔ ان ہی کے ساتھ وہ بھی بیٹھے رہے اور یہ دیوانے بھی ان ہی کے ساتھ بیٹھے رہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ۔ ڈی۔ بھی آج ہند میں ایک ہیں۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت کے قدموں میں اگر نہ پہنچا یا جاتا تو استفادہ بالقرآن کے ایک پہلو سے قطعاً ناآشنا رہتا۔ موقع ملا، تو آئندہ صدق میں حضرت والا کے ارشادات کو مرتب کر کے بھیجتا رہونگا۔ آپ سے دعائے مغفرت کا طالب ہوں۔ عجب آدمی تھے۔ حضرت تھانوی کے بعد یہ دوسری چوٹ ہے۔ ایک زخم اچھا بھی ہونے نہ پایا تھا کہ دوسرا لگا۔ ویفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید۔

توحید، تثلیث کے دیس میں

"کل جو ہز مجسٹی شاہ انگلستان بہ نفس نفیس لندن میں نئی جامع مسجد اور اسلامی کلچرل (سنٹر) کے موقع پر گئے اس سے کروڑوں مسلمانوں کے دل ضرور مسرور ہوئے ہوں گے، جنھیں اسکا علم ہے کہ برطانوی دولت عامہ وہ سب سے بڑی اسلامی آبادی ہے جو اسلام کی تاریخ آغاز سے اب تک موجود رہ سکی ہے۔ ہز مجسٹی کی رعایا میں مسیحیوں سے زیادہ شمار مسلموں کا ہے! اور لندن میں مسلم آبادی جو دہلی دار السلطنت سے زیادہ ہے۔ شہر لندن میں دو چھوٹی مسجدیں اب بھی موجود ہیں، اور ایک بڑی عبادت گاہ اسکے مضافات یعنی ووکنگ میں ہے، اور برطانیہ کے دوسرے شہروں میں بھی مسجدیں ہیں، تاہم اب تک لندن کے شایان شان کوئی جامع مسجد موجود نہ تھی۔

اب یہ ضرورت بھی پوری ہوتی جا رہی ہے اور اسکے پورا کرنے میں دولت عامہ کے اندر کے مسلمان بھی شریک عمل ہو رہے ہیں اور باہر کے بھی۔ ۱۹۴۰ء میں جو کمیٹی اس مسجد کی تعمیر کے لیے قائم ہوئی، اسکے کام میں بڑا دخل سابق صدر، سفیر مصر اور دوسرے اسلامی ملکوں کے نمائندوں کو ہے، اور سلطنت کے مسلم عمائدین کو اور لارڈ لامنگٹن جیسے مسلم دوست برطانویوں کو۔ گورنمنٹ بہت موزوں جگہ دے کر اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت دے چکی ہے۔ یہ ریجنٹ پارک کے قریب ہی ہے۔ مسجد تو ظاہر ہے کہ ہمیں جنگ کے بعد ہی تعمیر ہو سکیگی۔ لیکن کلچرل سنٹر (تمدنی مرکز) اسی وقت سے کھل گیا ہے۔ اور مسجد کے نقشے تیار ہو چکے ہیں امید ہے کہ عنقریب لندن میں اسلامی عبادت و تہذیب کے لیے اسکے شایان شان عمارت تیار ہو جائیگی"۔ (ٹائمز۔ لندن۔ ۲۳۔ نومبر ۱۹۴۴ء)

یہ برطانیہ کے سب سے زیادہ معزز روزنامہ ٹائمس نے اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں کہا — اللہ جس سے جو کام جس زمانہ میں چاہے لے لے۔ دین کی خدمت وہ جس طرح دین کے پرستاروں سے لیتا رہتا ہے، اس پر بھی قادر ہے کہ وہی کام بجائے دینی بلکہ دین کے دشمنوں سے بھی لیلے۔ برطانیہ کے پیش نظر اپنی جو بھی مصلحتیں ہوں، بہرحال توحید کا ایک بڑا مرکز عین تثلیث، مادیت اور بیدینی کے وسط میں قائم ہوا جا رہا ہے۔

وحدت یا کثرت

ایک مولوی صاحب کا مراسلہ:—

"اگر کوئی ملحد یہ کہے کہ مواد عالم اور سورج، چاند، تارے، خود بخود اسی طرح ہو گئے جس طرح تمہارے نزدیک خدا خود بخود ہے اور جس طرح کسی موثر و خالق کا خدا محتاج نہیں۔ اسی طرح یہ مواد عالم بھی قدیم ہیں، اور اپنے وجود میں کسی موثر کے محتاج نہیں ہیں۔ اسکا جواب صاف اور سیدھا مرحمت ہو جو عامی کی سمجھ میں بھی آ جائے"۔

مغالطہ بہت پرانا ہے۔ اسوقت سے چلا آتا ہے جب سے دہریت کا وجود دنیا میں قائم ہے۔ لیکن اسقدر فرسودہ ہو چکا ہے کہ اب کسی کو اسکے پیش کرنے کی ہمت ہی مشکل سے ہوتی ہے۔ سوال کا حل صرف اسقدر ہے کہ ممکنات یا مخلوقات میں بھی وہی صفات کیوں نہ فرض کر لیے جائیں جو واجب یا خالق میں تسلیم کیے گئے ہیں؟ —— عالم اور موجودات عالم (بڑی سے بڑی ہوں یا چھوٹی سے چھوٹی) کا تغیر پذیر ہونا، گھٹنا، بڑھنا، متاثر ہونا، غرض یہ کہ انکا حادث ہونا، فانی ہونا، تو براہ راست مشاہدہ کی بھی چیز ہے، اور دلیل عقلی سے بھی ثابت۔ اب گنتی ہوئی بات کونسی۔ ان بیشمار موجودات میں سے ایک ایک ذرہ کا اپنی اپنی جگہ خود آفریدہ ہونا، اپنا ایک مستقل و غیر فانی وجود رکھنا، اپنے کو بیشمار قوانین طبیعی و میکانکی کا پابند رکھنا، زمان و مکان کی بیشمار قیود کو اپنے اوپر عائد رکھنا، ہر موجود کا شعور، قدرت و ارادہ سے متصف ہونا، کائنات میں حسن و جمال، اور باہم نظم و ارتباط قائم رکھنا، اور معلول ہونے کے لحاظ سے ایک لا متناہی سلسلۂ اسباب میں شامل رہنا!

یا اسکے برعکس یہ سمجھنا کہ یہ سارے متفرق موجودات کسی ایک اچھے وجود پر ختم ہو جاتے ہیں، جو سب کی اصل ہے، اور تمام صفات کمال اسی جمال کا جانب ہے؟ ایک "عامی" خود فیصلہ کرلے کہ دونوں شقوں میں سے اسکی عقل کو کونسی شق زیادہ قرین قیاس ہے؟ أأرباب متفرقون خیر أم اللہ الواحد القہار؟

جدید سائنس کے تو سارے نظریات کا خلاصہ یہی ہے استقرار کرکے جزئیات کو کلیات کے، اور وسیع کلیات کو وسیع تر کلیات کے تحت میں لانا۔ اور یہ سارا ذہنی خلفشار اور فکری بیقراری برابر اسوقت تک جاری رہیگی جب تک سارے کلیات کو ایک اعم الاعلات کے ماتحت نہ لے آیا جائیگا۔ یعنی کثرتوں کو وحدت کے پردے میں گم نہ کردیا جائیگا۔

نیا "مزار اقدس"

(انقرہ - ۹ - اکتوبر ۱۹۴۴ء ۲ بجے سہ پہر [illegible] کا تار) شہر انقرہ سے باہر اور اسکے بالکل متصل ایک پہاڑی پر آج وزیر اعظم سراج اوغلو نے اتاترک آنجہانی کے مقبرہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ مقبرہ کے اوپر ایک عظیم الشان عمارت بھی تیار ہوگی اور اس ساری عمارت میں ۵۰ لاکھ ترکی پونڈ یعنی ۱۰ لاکھ انگریزی پونڈ صرف ہونگے۔" ([illegible]۔ ۱۰ - اکتوبر ۴۴ء)

کون کہتا ہے کہ بڑے بڑے گنبدوں اور قبوں والے مقبرے قبر پرستوں اور اہل بدعت کا حصہ ہیں؟ اہل تجدد کا قدم ان ایک ایک کروڑ روپیہ کی لاگت کے مزارات کی قدردانی میں حال و قال والوں سے کچھ بھی پیچھے ہے؟

"روشن خیال" مسلمان لڑکی

"یوں تو جہاز میں ہر تیسرے روز ناچ ہوتا تھا، لیکن رات جو ناچ ہوا اُس میں ہمارے درجہ کی ایک مسلمان دوشیزہ ایک نوجوان انگریز کے ساتھ ناچی۔ خدا جانے ہم کب تک ہر یورپی چیز کو نعوذ باللہ باعث نجات سمجھتے رہیں گے۔ بجائے اسکے کہ یورپ کی اچھی عادتوں اور خصلتوں کو اختیار کریں، وہاں کی اصول پسندی، حب وطن، پابندی وقت، صفائی ستھرائی وغیرہ ایسی صفات کو اختیار کریں، ہم اپنا تمدن اور اپنی تہذیب چھوڑتے جاتے ہیں، اور جن خصلتوں سے یورپ آج اس حالت کو پہنچا ہے ...... ایسی خصلتوں کو آنکھ بند کرکے اختیار کیے جارہے ہیں ...... جہاز میں کم از کم ۲۵ - ۳۰ ہندوستانی بیبیاں تھیں، ان سب میں یہ مسلمان لڑکی ہی رہ گئی تھی کہ ایک یورپی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اور اسکا ہاتھ اپنی کمر میں لپٹا کر ناچتی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

یہ علیگڈھ کے ایک ایم اے اور جامعہ عثمانیہ کے استاد تاریخ و سیاسیات نے اپنے سفرنامہ میں لکھا۔ (یورپ جنگ سے پہلے۔ از پروفیسر محمد ہارون خاں شروانی صفحہ ۲۱۲ - ۲۱۳) اس مشاہدہ کو بیسیوں سال گزر چکے۔ اس چار چھ سال کے عرصہ میں تو دنیا نے ترقی کے اور بہت سے قدم طے کرلیے، اور اسی نسبت سے مسلمان "تعلیم یافتہ" لڑکی بھی اب اور آگے بڑھ چکی ہے!

توحید کا پیام طب کی زبان سے

ذیل کا پیام [illegible] کی انجمن طبیہ کی فرمائش پر اُسکے سالانہ اجلاس کانپور کے موقع پر آخر فروری میں روانہ کیا گیا:-

ایک عامی کی گزارش اگر اہل فن کے مجمع میں قابل سماعت ہوسکتی ہے، تو عرض ہے کہ اپنی انجمن سے فن کی کسی گہری اور ٹھوس سنجیدہ خدمت کا کام بھی لیجیے۔

نام آپ کی طب کا "یونانی" اب تک چلا آتا ہے --- حالانکہ صدیوں سے اوپر کا زمانہ ہوچکا ہے کہ یونان سے آپ کے فن کا کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے۔ اسکا پتہ چلائیے اور اصطلاحاً تحقیق کیجیے، کہ یونان کے کس کس زمانہ کے، اور کن کن اطباء سے آپ نے کیا کیا لیا۔ اور پھر اسکے بعد شام، عرب، عراق، خوارزم، ایران اور پھر آخر میں خود ہندوستان کے اطباء نے اس ذخیرہ پر کیا کیا اضافہ کس کس زمانہ میں کیا۔ اور یونان کے سرمایہ میں کیا کیا کاٹ چھانٹ کی۔ کیا کیا ترمیمات اور اضافے کیے۔ یہ ساری تحقیق بڑی دلچسپ بھی ہوگی اور بہت مفید بھی۔

یہ نسخوں پر ہوالشافی کا دستور قطعاً مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ جالینوس وغیرہ یونانی اطباء کا مذہب تو شرک تھا۔ وہ مشہور دیوتا اسقلیپیوس کی لڑکی ہائجیا کے پجاری تھے۔ اُسی کو صحت کی دیوی مانتے تھے۔ انگریزی کا لفظ ہائجین (علم حفظان صحت) اسی دیوی کی جانب منسوب ہے۔ مسلمان اطباء نے فن کو مشرکوں سے لیا، لیکن فوراً اُسے اپنا لیا۔ ہوالشافی سے شروع کرنے کی عادت ڈال کر، انہوں نے شرک کے ہر پہلو کی نفی کردی۔ یہ بھی بتا دیا کہ شفا دینے والے ہم نہیں ہیں، کوئی اور ہی ہے۔ یہ بھی جتا دیا کہ شفا بخشی کی قوت دواؤں میں نہیں، دوائیں تو خود ہی کسی مشیت کی محکوم ہیں۔ اور یہ بھی گویا کہہ دیا کہ وہ شفا بخشنے والی ذات کوئی دیوی دیوتا نہیں، ہر مخلوق سے ماورا ایک ہستی مطلق ہے۔ یہ ساری تعلیمات ایک ذرا سے اشارے میں آگئیں۔

اسی طرح کے بیسیوں نہیں، پچاسوں بلکہ سیکڑوں دوسرے دلچسپ و مفید مباحث ہیں۔ علم و فن سے ذوق و مناسبت رکھنے والے اطباء اس طرف توجہ کرکے دیکھیں تو۔

ایک مظلوم مصنف

ایک ممتاز شیعہ عالم مولوی سید علی نقی لکھنوی (اُستاد لکھنؤ یونیورسٹی) ناظم ادارہ حسینی، مصنف "شہید انسانیت" کا خطاب اپنے فرقہ کے خواص و عوام اور اپنی جماعت کے اخبارات سے سرفراز [illegible] ہے۔

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

نئی کتابیں

(۱) **تفسیر سورۂ قیامہ** – از مولانا فراہیؒ۔ مترجم مولوی امین احسن صاحب اصلاحی۔ ۸۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ:– دائرۂ حمیدیہ۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر۔ ضلع اعظم گڈھ۔

اس دور میں قرآن مجید کی خدمت کی سعادت جن خوش نصیبوں کے حصہ میں آئی، مولانا حمید الدین فراہیؒ کو اُن میں ایک درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ قرآن سے متعلق مولانا کی تمام مؤلفات عربی میں ہیں۔ افادۂ عام کی نیت سے مولانا کے لائق شاگرد مولوی امین احسن صاحب اصلاحی عرصہ سے اس ذخیرہ کو اردو میں منتقل کر رہے ہیں۔ تفسیر سورۂ قیامہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ترجمہ بہت اچھا، دلچسپ اور شگفتہ ہے۔

آیات قرآنیہ سے متعلق مولانا کی جو تشریحات ہوتی ہیں اُنکی حیثیت زیادہ تر تفسیری لطائف و نکات کی ہوتی ہے۔ جن سے عموماً اہل علم ہی متمتع اندوز ہو سکتے ہیں۔ تفسیر سورۂ قیامہ بھی انہیں لطائف کا ایک مخزن ہے۔ بالخصوص نفس لوامہ کے معنوی ربط پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس تحریر کا ماحصل ہے۔

جو لوگ نظم آیات کے قائل ہیں اُنکے نزدیک اس سورہ کی آیت لا تحرک بہ لسانک الخ کا ماقبل و مابعد سے ربط مشکلات قرآن میں سے ہے۔ مصنف نے اس سلسلہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے انشاء اللہ ایک طبقہ کو اس سے تسلی و تشفی ہو جائیگی گو تبصرہ نگار کیلئے بھی یہ مشکل اپنی جگہ پر باقی ہے۔

اس سورہ کی پوری تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر پر طبیعت بار بار رُکی، وہ آیت یہ ہے "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ"۔ بجز معتزلہ کے تمام مفسرین نے اس آیت سے یہ مراد لیا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان دیدار خداوندی کی نعمت سے سرفراز ہونگے، لیکن مصنف نے یہاں "نظر" کو انتظار کے معنی میں لیا ہے، اور قرآن مجید سے اسکی نظیریں پیش کی ہیں کہ نظر بمعنی انتظار بھی آتا ہے۔ لیکن یہ استشہاد خود محل نظر ہے (ملاحظہ ہو روح المعانی جزو ۲۹ صفحہ ۱۴۵) اور اگر بعض اہل تفسیر کی رائے کے مطابق نظر کو انتظار کے معنی ہی میں تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی الی ربہا ناظرۃ سے مسئلہ رویت باری پر استدلال کرنے والوں کو اس زمرہ میں شامل کرنا جنکیلئے حکم ہوا ہے اور جو لغت عرب اور اسالیب کلام سے بیخبر ہیں بڑی جرأت ہے۔ صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کا ذکر نہیں، بعض آثار میں خود نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے رویت باری تعالیٰ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اسی استشہاد میں اسی آیت کو تلاوت فرمایا۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی جزو ۲۹ صفحہ ۱۴۵، طبری جزو ۲۹ صفحہ ۱۰۴)

مترجم نے اس آیت کا ترجمہ غالباً مصنفؒ کے مذاق کو پیش نظر رکھکر فرمایا ہے۔ ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں "اپنے پروردگار کی رحمت کے منتظر (صفحہ ۶)"۔ مناسب تھا کہ لفظ "رحمت" کو قوسین میں درج فرمایا جاتا، تاکہ الفاظ قرآن کے ترجمہ اور مصنف و مترجم کے مذاق کے درمیان فرق و امتیاز باقی رہتا!

(م - ا - ن)

(۲) **ذکر جمیل** – از جناب ماہر القادری۔ ۱۲۴ صفحے۔ قیمت [illegible]۔ پتہ: نفیس اکیڈمی۔ حیدرآباد دکن۔

ماہر قادری صاحب کا کلام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انکا کلام یوں بھی اچھا اور پڑھنے کے قابل ہوتا ہے اور پھر یہ تو نعتیہ نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ تمام تر دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا۔ بعض نظموں کے عنوانات اور مضامین بالکل تاریخی ہیں۔ اور کلام بحیثیت مجموعی ایسا ہی ہے، جیسا ایک بیسویں صدی عیسوی کے مومن شاعر کے قلم سے ادا ہونا چاہیے۔ ایسا ہے کہ بعض فقرے اور منظومات کے بعض بعض شعر مؤثر و دلگداز بھی ہیں۔ البتہ کہیں کہیں جوش عقیدت، احتیاط اور بیدار دیباچہ کے باوجود ہوش ضم پر غالب آگیا ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ، جلد، سب ایک سے ہے غلطنامہ کے باوجود پسندیدہ ہیں۔

(۳) **اقبال نامہ و مکاتیب اقبال**۔ حصہ اول۔ از شیخ عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے (علیگ) (مسلم یونیورسٹی) ضخامت ۵۰۰ صفحات مجلد۔ قیمت [illegible] پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار۔ لاہور

یہ حضرت اقبالؒ کے ۲۶۸ خطوط کا مجموعہ ہے، جو اپنی عمر کے مختلف حصوں میں اُنھوں نے اپنے ۵۴ دوستوں، بزرگوں، خوردوں، رفیقوں کے نام وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ اقبال کے ہزارہا ہزار خطوط کا یہ ایک بہت ہی چھوٹا حصہ ہے۔ تاہم یہ بھی بہت ہے۔ جن حضرات کے نام یہ خطوط ہیں، اُن میں قابل ذکر نام مولانا سید سلیمان ندوی، نواب مسعود جنگ بہادر، مولانا حبیب الرحمن شروانی (صدر یار جنگ بہادر) پروفیسر الیاس برنی، مولانا شوکت علی کے ہیں۔ چند خطوط مدیر صدق کے نام کے بھی ہیں۔

متعدد خطوط انگریزی زبان میں تھے، اُنکے صرف ترجمے درج ہوئے ہیں۔ خطوط کا تعلق چونکہ عمر کے مختلف حصوں سے اور زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے، قدرۃً اُن میں یکسانیت اور ہم رنگی نہیں۔ اسکی توقع و تلاش ہی ایسے مجموعہ میں بے محل ہے۔ پڑھنے والوں کا مذاق اگر سلیم ہے اور طبیعت میں توازن و اعتدال اگر قائم ہے، تو ہر فانی خط کے سمجھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہر بڑے سے بڑے انسان پر بھی خدا معلوم کتنے دور گزرتے رہتے ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ عام معتقدوں کا گروہ عقیدت میں غلو کرکے اپنے ہر معظم و بزرگ کو گویا پیمبر کے مرتبہ پر رکھ دیتا ہے اور اُسے بشریت کے ہر عنصر سے ادراک رکھنے پر اصرار کرنے لگتا ہے۔ ایسے غالیوں کے سامنے جب اُنکے سارے جزئیات زندگی آنے لگتے ہیں، تو لیقیناً اُنکے جذبات کو دھکا لگتا ہے۔ اس بدمذاقی اور بے امتیازی کا کوئی علاج کسی کے ہاتھ میں نہیں —— یوں ۱۸۹۹ء کے طالب علم اقبال اور ۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء کے نوجوان اقبال کو ۱۹۳۷ء کے پختہ مغز حضرت علامہ اقبال سے ظاہر ہے کہ کیا مناسبت ہو سکتی ہے! لیکن اندھی عقیدت بچے اور بوڑھے میں کوئی

مراسلہ — مسلموں کی نامسلمی

محترم المقام۔ السلام علیکم

لکھنؤ کے تفریح گاہ حضرت گنج عیسائیوں تو بہت سے ہیں بیکری — آرہا ... ایک بیکری ... مقبول ہے۔ ایمبسڈر۔ اس بیکری کی ملکیت کا شرف کسی ہندو یا عیسائی کو نہیں حاصل، بلکہ یہ بیکری ... مرزا کا — یہاں کاک ٹیل، ڈانس ہوتے ہیں — رمضان اس ایمبسڈر میں کاک ٹیل پارٹیاں کرتے ہیں — کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ یہاں رقص و سرود کی محفل نہ گرم ہوتی ہو — رقص کے وقت جو بینڈ بجاتا ہے — آپ جانتے ہیں اسکی تنخواہ کیا ہے؟ ... تین ہزار روپے مہینہ — جی ہاں دو تین سو روپے ماہانہ نہیں تین ہزار روپے — بینڈ بجانے والا ہندوستانی نہیں، روسی ہے — اور یہ تنخواہ پاتا ہے ایک مسلمان کی جیب سے تین ہزار روپے۔ — اتنی تنخواہ تو چیف کورٹ کے جج کی ہوتی ہے!

یہ تو تمہید — کام کی بات یہ ہے

اخبار پاینیر رقمطراز ہے کہ ۱۱ مارچ کو اسی ایمبسڈر میں کالج کے طلباء نے آخری سال کے طلباء کو الوداعی پارٹی دی — کسی کرسچین کالج کے طلباء نے نہیں — کسی ہندو کالج کے طلباء نے نہیں — اسلامیہ کالج لکھنؤ کے طلباء نے .... کاک ٹیل پارٹی نہ سہی — ٹی پارٹی ہی سہی — مگر ایک ایسی جگہ پر جہاں لحم خنزیر کے لوتھڑوں اور شراب کی بوتلوں کے سوا کسی اور شے کو جگہ بھی نہ ملتی ہو تو ہاں ایک مسلمان کھانا کیسے گوارا کر لیتا ہے — شرکاء میں طلباء کے علاوہ کالج کا اسٹاف مولوی عبدالحی صاحب پرنسپل کی معیت میں موجود تھا۔

جانے دیجیے ان لوگوں کو یہ اعلیٰ تعلیم حاصل کیے ہیں مغرب پرست ہیں کیا جانتے ہیں آپ کہ اس بزم میں اور کون صاحب شریک تھے؟

علماء فرنگی محل کے چشم و چراغ حضرت مولانا قیام الدین (عبدالباری) رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ عبد اقبال — حضرت ... جمال الدین (عبدالوہاب) فرنگی محلی صوبہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر — مسلمانوں کے لیڈر — کیوں نہ ہو یہ عالم ہیں — نائب رسول ہیں — انھوں نے کسی یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی — اس گھر میں پلے ہیں جہاں علم و فضل، تقوے و زہد کی بارش ہوتی تھی — یہ اپنے آپ کو عالم کہلانے کے مستحق ہیں، جب انھی کو ... کے افعال سے عار نہیں — تو مغرب پرستوں کو کیا عار — انکے یہاں تو تہذیب و اخلاق نام ہے انھی ...

شرکاء ... دوسرا نام ہے — صوبہ مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری نواب سید اعزاز رسول کی بیگم کا — آپ بھی مردوں کے دوش بدوش پارٹی میں شریک تھیں — موصوفہ کو مسلم خواتین کی نیابت کا شرف حاصل ہے!

اسی ایمبسڈر میں ایک انجمن کلا مندر کے نام سے قائم ہے جس کا مقصد ہے خواتین کو رقص و سرود کی تعلیم کی ترغیب دینا — اسکی صدارت کا شرف موصوفہ ہی کو حاصل ہے جو اودھ کے ایک سید زادہ کی بیگم ہیں —

یہ تھے قلبی تاثرات جو صفحۂ قرطاس پر آگئے — آپ تک بھیج رہا ہوں — فقط۔ والسلام — ثناء الدین ابوالحسن

امیر منزل۔ نذر باغ لکھنؤ

صدق — ایمبسڈر والے مدیر صدق کے ہم مذہب ہی نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر شرمناک بات مدیر صدق کے لیے یہ ہے کہ وہ اسکے ہم وطن بھی ہیں!

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم!

کس کس چیز پر رویا جائے!

لیکن اسلامیہ کالج والوں پر محض ناپسند کرنے کی بنا پر اتنی سخت گرفت صحیح نہیں۔ محض اس جگہ کا استعمال کرنا زیادہ قابل ملامت نہیں، جب تک خود بھی کسی عمل فسق میں انکی شرکت نہ ثابت ہو جائے

(بقیہ صفحہ ۷)

ضروری سمجھتا ہو اور شاید یہی وجہ بھی ہے جو "معارف جمیل" میں سجاد نے اپنے بعد آنے والے ان ننگے ادیبوں کی بلا ارادہ ترجمانی کی ہے جو جوش شباب میں عریاں ادب کو اظہار حقیقت کے پردے میں چھپا کر اپنے ذاتی ولولہ کو اس طرح عام کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خود نشانہ ملامت بنیں یا نہ بنیں لیکن فریق ثانی غیر محسوس طریقے پر "لذت" کا شکار ہو جائے — اور یوں مضمون نگار کا یہ قول صادق آجائے کہ

"ابتدائے محبت میں انسان خود اپنے کو دھوکا دیتا ہے اسکی انتہا یہ ہے کہ دوسرے بھی اس دھوکہ میں آجاتے ہیں"

"عورت" کے متعلق سجاد نے اتنا لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے حضرت علامہ اقبال نے انھیں مضامین کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ

"ہمارے ادب لطیف پر عورت سوار ہے"

"قرۃ العین" ایرانی کی حمایت کرتے ہوئے مذہب و اخلاق بلکہ شریعت و مشیت تک پر جو ریمارک سجاد مرحوم کر گئے ہیں، عجیب لطف ہے کہ اسی مضمون میں اسی قلمی جہاد کے دوران میں اس اعتراض کا کہ

"خدا نے اپنے ایک مظہر لطیف کا اس بیدردی سے پامال کرنا کیسے گوارا کر لیا"

جواب بھی اتنا ہی مکمل اور مدلل انھیں کی زبان سے نکل گیا ہے — یہ کہ

"وہ نسوانیت کی نیرنگیوں اور حسن و شباب کے حقائق کو لایعنی مشاغل پر رائیگاں کر رہی تھی"

کاش لینے اس غیر ارادی جواب پر اپنی زندگی ہی میں وہ ایک نظر ثانی کر لیتے۔ اگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد دبلیس۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ: پانچ روپیہ
ششماہی: ۳ر
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۱۲۹)

صدق

نمبر ۴۶ | دوشنبہ ۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲ - اپریل ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

فلاں شاعر اور فلاں ادیب نے فلاں فلم کمپنی کے فلاں تماشے کیلیے جو گانے اور مکالمات تیار کیے، اسکے معاوضہ میں انھیں ۱۲ ہزار کی رقم وصول ہوئی! —— اُردو کا غریب شاعر اور غریب ادیب، اور ۱۲ ہزار کی رقم!

اس حوصلہ کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے!

فلاں فلم کمپنی کے فلاں ڈائرکٹر کو ماہوار مشاہرہ ۵ ہزار کا مل رہا ہے! فلاں بائی صاحبہ یا فلاں مس صاحبہ کو فلاں تصویر میں ہیروئن کا پارٹ کرنے پر ایک لاکھ روپیہ مل گیا!

فلاں تصویر لکھنؤ میں ۲۵ ہفتوں سے چل رہی ہے، اور فلاں تماشا کلکتہ میں پچیسواں ہفتہ ہے! مالک کو آمدنی ابتک ۱۸ لاکھ کی ہوچکی ہے!

—— معلوم نہیں آپ فلمی رسالوں، پرچوں کا دیکھنا، چھونا، پڑھنا جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز، بہرحال آپ کی اطلاع، واقفیت معلومات کے لیے یہ چند خبریں انھیں رسالوں سے لیکر نمونہ کے طور پر درج کردی گئی ہیں!

اور اب یہ اشتہار، جو فلمی رسالوں سے قطع نظر بڑے بڑے موقر انگریزی روزناموں میں نکل رہا ہے، بہت نمایاں جگہ پر، اور دو کالمی سرخی کے ساتھ:—

"۵۰ ہزار روپیہ

۵۰ ہزار نقد کی رقم کی پیشکش

... فلم کمپنی کی طرف سے اُن تین نوجوان حسین جسین نازک اندام لڑکیوں میں سے ہر ایک کی خدمت میں

نئے تماشہ ... میں اعلیٰ زنانہ پارٹ اداکرنے کے معاوضہ میں!

درخواست اپنی تازہ تصویر کے ساتھ فوراً بھیجیے

ساری مراسلت صیغۂ راز میں رہیگی"

فرمائیے، اس قسم کی خبروں اور اس قسم کے اشتہاروں کے بعد کتنوں کا تقوےٰ، کتنوں کا پائے عزم و استقلال اپنی جگہ پر قائم رہیگا؟ کتنیوں کی عزت، شرافت، عصمت اپنے میں تزلزل، تذبذب، ضعف، جنبش نہ محسوس کریگی! —— کالج کی لڑکیوں کی ذہنیت اور ماحول کو پیش نظر رکھ کر جائزہ، اچھے اچھے شریف خاندانوں اور اونچی اونچی ناک رکھنے والوں کی لے ڈالیے!

شیطان کی سادگی و پُرکاری ملاحظہ ہو، اور ہوسکے تو اسکی داد دیجیے۔ اشتہار میں ذکر نہ گانے کا، نہ ناچنے کا، نہ ہزاروں لاکھوں کے سامنے بولتی چالتی، چلتی پھرتی تصویر کے بعض حصوں کو عریاں اور نیم عریاں حالت میں لانے کا، نہ اسکا کہ ایکٹرس کو اپنی متحرک تصویر تیار کرانے میں جسمانی تعب و مشقت اور پابندیوں کی کن کن دشوار گزار منزلوں سے کتنے تک گزرتے رہنا پڑتا ہے! ان حقیقتوں کا ذکر نہ جلی نہ خفی، نہ تصریحاً نہ اشارۃً، نہ تفصیل نہ اجمال! —— شہرت کو منظوری کیسے کر پڑھنے والے یا پڑھنے والی کا ذہن بھی کسی اور طرف جانے! —— تفریح

درتصریح صرف۔ محمد نیاز کی ذم کی! ہندسوں میں بھی عبارت یہاں بھی۔ جلی بھی خفی بھی! اور کیا! معلا، معلا! خولصورت، خوشنا، جاذب و جاذب نظر" اعلیٰ! "نادر ہارٹ"! —— شیطان اس درجہ قبل کب اپنے ایجنٹوں کے کارناموں پر اتنا خوش، اتنا نازاں ہوا ہوگا! اپنے گن شنتوں کی کارگزاریوں پر کب تالیاں بجا بجا کر اتنا اچھلا کودا ہوگا!

جوش و موش

عقیل جعفری خیرآبادی صاحب، صدق مورخہ ۲۳ شنذرہ "ملحد کو جواب" کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

"آپ کے ایک ہی مبارک اور لطیف و بلیغ فقرہ نے میرے خلوص کی پوری داد دیدی۔ لیکن میں نے تو انھیں پندرہ رباعیوں کا نہیں، بلکہ جوش کی پوری پوری الحادی نظموں کا جواب اسی رنگ میں لکھا ہے افسوس یہ ہے کہ اپنے سے تو ممکن نہیں، اور نا ہو سکے لیکر حیدرآباد تک کوئی ناشر شایع کرنے پر آمادہ نہیں۔ اور صدق کی سخیف ضخامت اسکی متحمل نہ ہو سکیگی، دو رباعیاں اس سلسلہ کی جناب کے ملاحظہ کے لیے اور تحریر کرتا ہوں۔

رباعی جوش	جوابی رباعی
(۱) اے نوع بشر عقدہ کشائے فردا	اے جوش زمانہ ہے نماے فردا
اے مشعل محراب سرائے فردا	پیکو! دگزشتہ کو بجائے فردا
مردانہ قدم اٹھا سوئے اوج کمال	بندہ عقانہ بھول اپنی حقیقی تاریخ
اے بندۂ امروز خدائے فردا	اے بندۂ امروز خدائے فردا!
(۲) قدرت غیظ و غضب میں آئی گیا کیا	امید خدائی کی بر آئی کیا کیا
کی عقل نے انگشت نمائی کیا کیا	فطرت نے کی راہنمائی کیا کیا
مذہب گرجنے لگا جب آئین حیات	اسلام نے کہا نے لگا جب شمع حیات
انسان کی سرشت مسکرائی کیا کیا	دوزخ کی سرشت تلملائی کیا کیا"

عقیل مشہور شاعر ریاض خیرآبادی کے نواسے ہیں، اور سرزمین شعر و ادب (ریاض، مضطر، وسیم، کوثر وغیرہ کے وطن) خیرآباد میں پلے اور بڑھے ہیں، اس لیے انکا کلام، مضمون معنی سے قطع نظر، شعری و ادبی اعتبار سے بھی، جوش کے الحادی کلام سے قدرۃً کچھ گھٹ کر نہیں، عجب نہیں کچھ بڑھ ہی کر ہو۔ اس لیے حیرت ہے کہ انکے اس جوابی مجموعہ کلام کی اشاعت میں کوئی بھی مسلمان ناشر تردد و تامل سے کام لے۔ لاہور، حیدرآباد، دہلی وغیرہ میں اچھے اور حوصلہ مند مسلمان ناشر ایک نہیں، ماشاءاللہ متعدد موجود ہیں، انھیں تو خود بڑھ کر ایسے دلچسپ و شگفتہ مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لینا چاہیے۔ شعر و ادب اور دین دونوں کی یہ بیک وقت جامع خدمت ہوگی —— اور نام "جوش و موش" سے بڑھ کر لطیف و بلیغ اور ہو کیا سکتا ہے؟

دین کی نصرت

ایک ندوی عزیز، نگار کے جنوری و فروری و مارچ نمبروں کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں

"مشکل کی پوری کتاب تدلیس و تلبیس کا پشتارہ ہے۔ پہلے ایک مضمون عمومی تبصرہ کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ اس میں یہ دکھاؤنگا کہ نفس تصنیف تصنیفی حیثیت سے بہت ناکام ہے۔ اسی کے ضمن میں ان شاءاللہ اسکے مضمون کی تردید بھی اچھی خاصی آجائیگی۔ نیاز صاحب کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھر علماء سے برسرپیکار ہونا چاہتے ہیں۔ اگر مناسب ہو تو انکو اس سے متنبہ فرمائیں۔ حالانکہ وہ کرچکے اس کا جو انکا بھی جا چکا"

اسی طرح بمبئی سے ایک خط ایک انگریزی تعلیم یافتہ کی طرف سے اس مضمون کا موصول ہوا تھا کہ دیکھیے نگار نے پھر شرارت شروع کر دی۔ خواہ مخواہ ایک سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کر دیا۔ مسلم پریس کو توجہ دلائیے کہ ستیارتھ پرکاش کی طرح اس فتنہ انگیز مضمون کی اشاعت بند کرائے۔

کتاب مآخذ القرآن کی بیتی سے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے، بالکل صحیح ہے۔ کتاب واقعی یوں ہی سی ہے، اور محققانہ و فاضلانہ کسی معنی میں بھی نہیں۔ لیکن اسکے شایع ہو چکنے کے بعد اب نیاز صاحب کی نیت اور محرکات عمل پر بحث کرنا بالکل عبث ہے۔ اب تدبیر و علاج صرف یہ ہے کہ اسکے مکمل و شافی جوابات لکھے جائیں اور خود نگار ہی میں شایع کر دیے جائیں۔ ایک ایک مغالطہ، ایک ایک غلط بیانی کی پردہ دری تفصیل سے کی جائے۔ حملہ کی زد براہ راست مذہب پر ہے، دفاع بھی اللہ و رسول کے دین ہی کی طرف سے ہونا چاہیے۔ —— رہا علماء سے سلسلۂ پیکار، تو اسکی فکر ہم کو آپ کو کیا۔ کیا مولوی صاحبان کو آپ نے انکے اپنے معاملہ میں کچھ ایسا کمزور یا مجہول بے زبان سمجھ رکھا ہے؟ وہ قطعاً ہماری آپ کی نصرت کے محتاج نہیں!

نیا قانون غنیمت

انگریزی ہی اخبارات کے واسطہ سے یہ تفصیلات ہندوستان پہونچی ہیں :-

"جب مارشل اسٹالن اپنی فوج کے کسی جرنیل کے اعزاز میں دعوت کرتے ہیں تو نہایت ہی عمدہ قسم کے کھانے سونے کی پلیٹوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ دعوتیں کریملین میں ہوتی ہیں، اور دس بجے شب سے شروع ہو کر قریب صبح تک جاری رہتی ہیں۔ ان دعوتوں میں شمپین (شراب کی ایک اعلیٰ قسم) خوب استعمال میں آتی ہے۔ اور روس کے بہترین و لذیذ ترین اور قیمتی کھانے پیش ہوتے رہتے ہیں۔ جسکے اعزاز میں یہ دعوت ہوتی ہے وہ اسے عمر بھر نہیں بھولتا۔ دعوت کے بعد جنرل روسی فوجی کلب (جسکا شمار دنیا کے بہترین کلبوں میں ہے) میں چلا جاتا ہے۔ اسکا ایک حصہ عورتوں کے لیے وقف ہے۔ اور ہر روسی افسر کے لیے اس میں ایک یا دو کمرے مقرر ہیں۔

فوجی تھیئٹر میں ہر جرنیل کے لیے اسکی سیٹ مخصوص اور محفوظ رہتی ہے اور اس پر ایک سنہرا نشان بنا رہتا ہے۔ روسی فوج کے [illegible]

سپہ سالار مارشل وروشیلوف بڑے اچھے رقاص ہیں۔ جب وہ ناچتے ہیں تو ہمارا مجمع مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن گرافٹ کے سپہ سالار مارشل کمالات میں بڑے رنگیلے افسر ہیں۔ انکی انگلیاں جواہرات سے بھری رہتی ہیں۔ وہ انگوٹھیوں کے بڑے شوقین ہیں۔ انکے استعمال کے لیے خاص تیل اصفہانی روس سے آتا ہے۔

ہر روسی مارشل کو ۳ سو سے لیکر ۵۰۰ پونڈ ماہوار تک تنخواہ ملتی ہے اور ہر جنرل کو ۲۰۰ پونڈ ماہوار۔ حکومت انکے مکانات کا کرایہ، ٹیکس اور دوسرے اخراجات خود ادا کرتی ہے۔"

یہ باتیں اگر صحیح ہیں، تو اس اشتراکیت (سوشلزم) اس اشتمالیت (کمیونزم) سے آخر زردار سرمایہ دار سلطنتیں اتنی ڈری ہوئی سہمی ہوئی کیوں ہیں؟ یہ تو عین وہی چیز نکلی اپنی خوب جانی بوجھی پہچانی ہوئی! —— ناموں اور اصطلاحوں کے بدل دینے سے کیا کہیں حقائق اشیاء بھی بدل جایا کرتے ہیں! —— منطق مانترو کا نیا قانون ہیئت!

عقیدۂ نزول مسیح

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی صدق ۲۲، وسط کالم ۲ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:-

"جو پنسل سے لکھی ہوئی کسی نامعلوم عالم کی چند سطریں شایع کی گئی ہیں، حیرت انگیز امر ہے کہ ایسے مسئلہ میں جہاں اس امر کی تحقیق کئے کہ کاتب کون ہے، کس درجہ کا ہے، مسلمانوں کے سامنے اسکا قول شایع کر دیا جائے۔ بھلا اُن سے کوئی پوچھے کہ مسئلہ حیات و نزول مسیح کی بابت یہ کہنا کہ عام مسلمانوں کو اسکا دین اسلام سے ہونا معلوم نہیں۔ ان عوام سے کون مراد ہیں، یا وہ جو علماء سے ملتے رہتے ہیں اور کچھ دین سے تعلق رکھتے ہیں، یا جو دین سے سروکار ہی نہیں رکھتے۔ پہلی قسم کے عوام سب اس سے واقف ہیں۔ اور دوسری قسم کے عوام تو کلمہ اور نماز کو بھی دین اسلام میں نہیں جانتے۔ ملکانے اور میواتی ہمارے سامنے ہیں۔ میں نے علماء کے اقوال تفصیل سے آپ کے سامنے رکھدیے ہیں جس میں تصریح ہے کہ یہ مسئلہ عقائد اہل سنت میں معروف و مشہور ہے۔"

نفس مسئلہ کا جواب تو اُن عالم صاحب کے ذمہ ہے جنکی وہ تحریر تھی۔ البتہ دو ایک باتیں صدق سے بھی سُن لینے کی ہیں:-

(۱) اُن عالم صاحب کا نام تحریر میں درج نہ تھا، لیکن مدیر صدق کو علم تھا کہ وہ وقت کے ایک مستند و ممتاز اہل علم میں سے ہیں۔ اور اُن بیچارہ نے خود اتنی احتیاط برت لی تھی کہ اس خاص جزو کو اردو میں لکھا بھی نہ تھا۔ صرف خواص کے سمجھنے کے لیے عربی میں ادا کیا تھا۔ اُردو میں تو اُسے خود مولانا لائے ہیں —— یوں بھی یہ ذرا مشکل بات ہے۔ کہ جو بیان ضمناً بھی صدق میں آنے سے پہلے انکی منظوری مولانا یا انکے ہم خیالوں سے حاصل کر لی جایا کرے۔

(۲) مولانا کا یہ حسن ظن یا سوء ظن بہت ہی زیادہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔ کہ جو مسلمان حیات و نزول مسیح کے عقیدہ کو نماز اور کلمہ کی طرح جزو دین نہیں جانتے، وہ دین سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے۔ اور انکا شمار ملکانوں اور میواتیوں کی قسم کے مسلمانوں میں ہے! —— گفتگو اس مسئلہ کے حق ہونے نہ ہونے میں نہیں۔ کلمہ و نماز کی طرح اسکے جزو دین ہونے میں ہے۔ اور اس پر دلیل کا کام علماء کے اقوال نہیں دے سکتے۔ صرف کتاب مبین کے نصوص دے سکتے ہیں، یا پھر نبی معصوم کا قول صریح، قطعی۔ اُن سے پہنچا ہوا۔

ایک فقہی تحقیق

عورت کے افساد صوم کے کفارہ کے سلسلہ میں صدق کے دو نمبروں میں مشورے اور گزارشوں کے ذیل میں گفتگو آ چکی ہے۔ اور ۲۳ میں فقہی حوالے بھی خاصی تفصیل سے نقل ہو چکے ہیں۔ اب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا مراسلہ ذیل اس سے متعلق موصول ہوا ہے:-

"مسئلہ کفارۂ صوم میں مطاوعت بمقابلہ اکراہ کے ہے۔ اور اکراہ کے معنی زبردستی کے ہیں۔ جسکی تفصیل فقہاء نے اصول میں کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو نور الانوار باب الاکراہ۔ پس عورت کا محض رضامند ہونا اسکے کفارہ کو ساقط نہ کریگا جب تک اکراہ اور زبردستی کی تحقیق نہ ہو۔ اس لیے مسئلہ میں تنقیح کرنا چاہیے کہ خاتون مذکورہ نے اپنے شوہر کو صرف زبان سے منع کہنے پر اکتفا کیا تھا یا اس حد تک رکتی رہی کہ اسکی طرف سے زبردستی کا تحقق ہو گیا۔ صورت اولیٰ میں دونوں پر کفارہ لازم ہے۔ صورت ثانیہ میں عورت پر صرف قضا ہے اور مرد پر کفارہ و قضا دونوں۔"

مولانا کا شکریہ، کہ انھوں نے ٹھیٹھ فقہی جواب سے مطلع فرمایا! جملہ حالات پر نظر کرکے اب تک جو صدق میں لکھا جا چکا ہے، مدیر صدق کو اپنی جگہ پر اپنی فہم و بصیرت کے لحاظ سے اطمینان ہے کہ کافی اور صحیح ہے۔ تاہم بہتر ہوا کہ یہ خالص فقیہانہ پہلو بھی نظر کے سامنے آ گیا۔ ایک دو مراسلے اور بھی اسی سلسلہ میں آئے ہوئے ہیں۔ لیکن انکی اشاعت غیر ضروری ہے۔ اور نہ آیندہ کوئی صاحب مزید زحمت فرمائیں۔

ایک بات اور اس سلسلہ میں کان میں پڑی رہے تو اچھا ہے۔ مدیر صدق خود بہت ناقص قسم کا مقلد واقع ہوا ہے۔ خالص فقیہانہ فتوے نہ وہ دیتا ہے، نہ اُسے اسکا منصب حاصل ہے اور نہ کوئی اس غرض سے اُس سے سوال کرتا ہے۔ بہت بڑے مرکز افتاء ماشاء اللہ دہلی، لکھنؤ، دیوبند، سہارنپور وغیرہ میں اب بھی قائم ہیں۔

نئی کتابیں

(۱) مقالاتِ محمد علی - مرتبہ مولوی سید رئیس احمد جعفری ندوی حصہ دوم، ۳۰۰ صفحے - مجلد مع گردپوش و تصویر مولانا - قیمت عہ پتہ :- ادارۂ اشاعت اردو - حیدرآباد دکن -

حصۂ اول پر تبصرہ صدق نمبر ... جلد ۹ (جنوری ۱۹۴۳ء) میں نکل چکا ہے - شکر ہے کہ حصۂ دوم کی بھی طبع و اشاعت کی نوبت آگئی -

اس جلد میں کوئی ۲۰ مضمون ہیں، چھ بابوں کے اندر تقسیم کیے ہوئے - یہ تحریریں سب کی سب "ہمدرد" سے منقول ہیں - لیکن جو مضمون محمد علی نے خاص اپنے قلم سے لکھے ہیں، انکی شان نمایاں رہتی ہے - انکے ذرا تعداد میں کم ہے - باقی مضامین یا تو محمد علی کی کسی تقریر کا ملخص خلاصہ ہیں، اور یا محمد علی کے کسی انگریزی بیان کا ملخص ترجمہ - بہرحال اس جلد کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے ناگزیر ہے جو ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک کی اسلامی و ہندی سیاسیات کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں - بعض بڑی دلچسپ حقیقتیں ان صفحات میں نظر آتی ہیں، مثلاً

"یہ حقیقت ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہیگی کہ سب سے جلیل القدر ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا ... ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دوروں کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے - حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے پہلے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کیے - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کانگریس کی روح رواں تحریک خلافت و مجلس خلافت تھی۔"

(ص ۱۰۱)

اسی طرح جب شروع ۱۹۲۹ء میں مریض و زار و نزار محمد علی آرام لینے کے لیے ہندوستان سے باہر یورپ میں تھے، اور مسلمان بہ حیثیت قوم ۱۹۲۸ء کی نہرو رپورٹ سے بیزاری ظاہر کر رہے تھے، عین اس حال میں کہ کانگریس جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ سے اسکی موافقت و تائید میں پروپیگنڈا کر رہی تھی، جواہر لال نہرو جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اعلان شائع کیا، کہ افسوس اور حیرت ہے کہ کانگریسی جلوسوں کے مخالفت کرنے والوں میں ایک سابق صدر کانگریس مولانا محمد علی بھی ہیں - مولانا محمد علی کو اب تاب کہاں تھی - اپنی علالت کے باوجود یورپ ہی سے انگریزی اخبارات میں بیان شائع کیا، کہ جن صاحب کو میں نے ہی اپنی صدارت کانگریس کے زمانہ میں کانگریس کا سکرٹری مقرر کیا تھا، وہ آج مجھ سابق صدر کے طرز عمل پر حیرت کر رہے ہیں، وہ دوسرے سابق صدر مالوی جی کے طرز عمل کو بھول گئے، جنھوں نے فلاں اور فلاں موقعوں پر ترک موالات کی، عدم تشدد کی، ہندو مسلم اتحاد کی، اچھوت ادھار غرض کانگریس کے ایک ایک فیصلہ کی مخالفت کر دکھائی - اور انھیں ایک اور سابق صدر یعنی اپنے والد ماجد (موتی لال نہرو) بھی نہ یاد آئے، جنھوں نے داخلۂ کونسل سے متعلق کلکتہ کانگریس اور کمیٹی کے دو دو ہرے فیصلوں کی مخالفت کی، اور وہ دونوں سابق صدر بھی انھیں بھولے رہے، جن میں سے ایک (موتی لال نہرو) نے اس کانگریس کے فیصلہ ہندو مسلم اتحاد کے خلاف نہرو رپورٹ مرتب کی، اور دوسرے (ڈاکٹر انصاری) نے اسے قبول کر لیا! اور وہ ہندو اور مسلم صدر کانگریس بھی انھیں نہ یاد پڑے، جو کانگریس کے فیصلہ ترک شراب نوشی کی عملی مخالفت ہر شب کیا کرتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ

(ص ۱۰۲ الخ)

ہر مضمون کے شروع میں مرتب (رئیس جعفری) صاحب کے قلم سے ایک مختصر تمہیدی نوٹ ہے - مگر سب سے زیادہ دلچسپ انکی مفصل تمہید ہے، جو پوری کتاب کے شروع میں ہے، اور جس میں انھوں نے محمد علیؒ کو ایک نئے فن جرح و تعدیل اور نئے اسماء الرجال کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا ہے -

قیمت عہ شاید کسی کو گراں معلوم ہو، لیکن کاغذ و سامان طباعت کی موجودہ گرانیوں اور دشواریوں کے مقابلہ میں کچھ بھی گراں نہیں -

(۲) نگارشاتِ محمد علی - از مولوی سید رئیس احمد جعفری ندوی - حصۂ اول ۳۰۰ صفحے - قیمت عہ پتہ : ادارۂ اشاعت اردو - حیدرآباد دکن -

مقالات محمد علی کے مرتب اور سیرت محمد علی کے مؤلف مولوی سید رئیس احمد جعفری، جامعی تو بہت بعد کو ہوئے، ندوی بہت پہلے تھے - محمد علی کی ذات اور کارناموں سے انھیں جو شغف و انہماک ہے، اسکے لحاظ سے انھیں بلا تامل "محمد علیات" کا ماہر کہنا چاہیے - انکے اسی جذبۂ عقیدت نے مقالات کے بعد، اسی طرز و انداز پر اب یہ نگارشات کی جلد اول مرتب کرائی ہے - اور جلد دوم بھی غالباً صبح و شام میں نکل ہی رہی ہوگی - جلد تین بابوں پر شامل ہے - باب اول ارض پاک ہے، اسکے تحت میں ۱۹۲۵ء و ۱۹۲۶ء کے افسوسناک واقعات حجاز اور وفد خلافت کی مفصل رپورٹ، موتمر اسلامی کے اجلاس اول پر تبصرہ وغیرہ درج ہیں، باب دوم کا عنوان کانگریس اور مسلمان ہے، اور اسکے ذیل میں مجلس خلافت کی مجلس عمل کے (۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں) پیش کیے ہوئے انگریزی بیان کا ترجمہ درج ہے - یہ مفصل بیان تمامتر محمد علیؒ کا لکھا ہوا تھا - تیسرے باب حرف آخر کے تحت میں ایک مضمون مولانا شوکت علی مرحوم کے قلم سے محمد علی کے آخری کام پر ہے - اور اسکے بعد وزیر اعظم برطانیہ کے نام محمد علی کے لکھے مشہور و مفصل انگریزی مکتوب کا ترجمہ ہے - ترجمے بہرحال ترجمے ہیں - اصل جاندار حصہ وہ ہے جو محمد علی کے اپنے قلم سے اردو میں نکلا ہے - اس جلد میں مرتب کی تحریریں بھی درمیان درمیان میں اچھی خاصی شامل ہیں - یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ علی برادران سے متعلق ایک چلی ہوئی عام غلط فہمی میں فاضل مرتب تک شریک ہیں - دوسروں کی طرح وہ بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ ۱۹۱۹ء میں "سوامی" شردھانند سے جامع مسجد دہلی کے کٹہرے میں مسلمانوں نے

تقریر کرائی تھی ان میں علی برادران بھی تھے (صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹)۔ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ علی برادران اُس وقت جیل میں تھے۔ انھیں عزیزوں کو اسکی خبر تک نہیں۔ اور شوکت علی تو شاید مستحسن گوارا کرہی لیتے، لیکن محمد علی ہرگز اسے روا نہ رکھتے۔

کتاب کے شروع میں ۱۰ صفحے کا دیباچہ خفیبانہ مصنف مرتب کے قلم سے خوب ہے۔ محمد علی کی شخصیت اور کارناموں دونوں کے سمجھنے کے لیے مقالات کی طرف تاریخ و مشاہدات کا مطالعہ بھی ضروری ہے

(۳) **کلید معرفت** — از منیژہ بانو کاؤس جی۔ ۲۰۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ غالباً مصنفہ کے پاس سے ۱۲۸، باغ عامہ، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکے۔

اوستا مجوسیوں یا دین زرتشت کے ماننے والوں کا مشہور صحیفہ مقدس ہے۔ اردو خواں اب تک صرف اسکے نام ہی سے واقف تھے۔ پیش نظر رسالہ میں اُسکی منتخب دعاؤں کا خلاصہ آگیا ہے۔ اور اس طرح اردو خواں شاید پہلی بار اوستا کے توحیدی و تمجیدی مضامین سے روشناس ہوسکے ہیں۔ ان دعاؤں کی زبان صاف، سادہ، سلیس، اور بڑی حد تک صحیح ہے۔ —— دکن کی ایک پارسی خاتون کے قلم سے اتنی شستہ اردو یقیناً قابل داد ہے

۱۴ - ۱۵ صفحہ کی ان دعاؤں کے بعد ۶ - ۷ صفحوں میں مختلف پارسی علماء اور پیشوایان مجوس کے قلم سے سہل و سلیس فارسی میں مناجاتیں ہیں۔ عام طور پر نظم کی بندشیں سست ہیں، تاہم دوچار شعر ایسے بھی ہیں کہ اُن پر پہلی نظر میں گمان ہوتا ہے کہ کہیں سعدی کی بوستاں یا نظامی و جامی کی مناجاتوں سے بعینہٖ اُٹھا کر تو یہاں نہیں رکھ دیے گئے ہیں۔

شروع میں ۶ صفحے کا "تعارف" مرتب خاتون کی طرف سے سلجھی ہوئی زبان میں ہے جس میں مجوسیت کو ایک دین توحید اور جناب زرتشت کو ایک پیمبر برحق کی حیثیت سے پیش کرنے کی دلچسپ اور مستحق تبریک کوشش کی گئی ہے۔

کتاب "بہ قامت کہتر ہونے کے ساتھ یقیناً "بہ قیمت بہتر" ہے۔ اردو کے سرمایۂ مذہبیات میں ایک خوش آیند اضافہ۔ اور مصنفہ کی مخلصانہ کوشش ہر ہمت افزائی کے قابل ہے۔

(۴) **اُردو اور اسکا رسم الخط** — از مسعود حسن ریاض اہرری صاحب۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ:- دفتر نئی اردو، الٰہ آباد۔ (یو۔ پی)

"نئے ادب" اور "ترقی پسندی" کے بعد "نئی اردو"! اس نئی اردو کا خلاصہ یہ ہے کہ اُردو رسم الخط کو مٹا کر اسکے بجائے رومن رسم الخط اختیار کرلیا جائے! دعوے پہ دلیل یہ کہ اتاترک بھی ترکیہ میں قانون و حکومت کی رو سے کرچکے ہیں! رسالہ اول سے آخر تک مغالطوں اور صرف ظاہر فریب نظریوں کا مجموعہ ہے۔ جنکی تردید اور مفصل پردہ دری کے لیے خود ایک اسی حجم کے رسالہ کی ضرورت ہے! —— اور افسوس ہے کہ یہ سب ایک مسلمان اور بظاہر اردو کے دست دعوا خواہ کے نام سے!

(۵) **اسلام اور سود** — از ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے پی ایچ ڈی۔ ۲۴۸ صفحے۔ مجلد۔ قیمت ۳ روپیہ، ادارۂ معاشیات فاطمہ منزل، حمایت نگر، حیدرآباد دکن۔

سرورق پر کتاب اور مصنف کا نام دیکھ کر معاً خیال یہ گزرتا ہے کہ کوشش جواز سود کی کی گئی ہوگی، اور نصوص میں خواہ مخواہ کھینچ تان کرکے گنجایش سود یا کم از کم تجارتی سود کے لیے ضرور ہی نکال لی گئی ہوگی۔ لیکن فوراً ہی بعد نظر اس پر پڑ جاتی ہے کہ مقدمہ مولانا گیلانی مدظلہ کے قلم سے ہے۔ اور اس لیے کم از کم وہ بدگمانی تو ضرور کم ہو جاتی ہے۔ اور پھر آگے بڑھ کر مولانا کے مقدمہ کے مطالعہ اور اصل کتاب پر سرسری نظر کے بعد تو رہی سہی بدگمانی بھی ایک حیرت انگیز خوشگواری میں بدل کر رہتی ہے۔ کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سود کسی مرض کا علاج ہونا، اور ترقی تہذیب و تمدن کے لیے اسکا ناگزیر ہونا تو الگ رہا، خود ایک مستقل معاشی و معاشیاتی جرم ہے، اور قرآن مجید نے جو حرمت سود کے باب میں اتنی شدت برتی ہے، اور رسول اسلام کے ارشاد اور عمر فاروقؓ نے جو سود کے ساتھ ساتھ مماثل معاملات کے بھی ترک کا جو حکم دیا ہے یہ عین حکمت اور عدل و اعتدال اور انسانیت کے حق میں سراسر خیر و مصلحت ہی ہے! —— یہ تحقیق ایک "صاحب" دیدہ اور "ولایت" رسیدہ، ماہر فن و عثمانیہ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ معاشیات، اور حکومت آصفیہ کے مشیر معاشی کے قلم سے ہے!

مصنف کے دیباچہ اور مولانا کے مقدمہ کے بعد کتاب چھ ابواب میں تقسیم ہے :-

(۱) سود کے مغربی نظریے - (۲) سود کا اسلامی نظریہ - (۳) سود اور ربو (۴) اسلام اور بینک کاری (۵) معاشرت پر ربو کے اثرات (۶) معین شرح کے قرضوں کے بُرے اثرات

گنجایش نہیں، ورنہ کتاب کے متعدد اقتباسات درج کرنے کے قابل تھے۔ کتاب بہرحال فن ہی کی ہے صاحب فن کے قلم سے۔ اس لیے قدرۃً اتنی عام فہم نہیں کہ عوام کے پوری طرح سمجھ میں آ جائے۔ اصطلاحات کی شرح اگر کردی جاتی تو بہتر ہوتا۔ بعض اور پہلو بھی نظرثانی کے محتاج ہیں۔ بحیثیت مجموعی کتاب اب بھی بہت قابل قدر ہے۔ اور یقیناً اسکی مستحق ہے کہ فاضل مصنف اسکے ایڈیشن انگریزی بلکہ ممکن ہو تو فرنچ اور جرمن زبانوں میں بھی شائع کریں۔ اور اگر اسکا عربی و ترکی ترجمہ بھی ہوسکے تو عجب نہیں کہ مصر و ترکیہ وغیرہ میں بہت سے تجدد زدہ دماغوں کی اصلاح ہو جائے!

"صدق" کی فائل

'صدق' کی سال گزشتہ کی فائل تیار ہے۔ جن صاحب کو ضرورت ہو فی الفور دفتر صدق سے طلب فرمالیں قیمت فی فائل ۸ع محصول ڈاک اسکے علاوہ۔ مہتمم

شذرات

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ)

عبداللہ یوسف علی صاحب مترجم و مفسر قرآن کی ایک کتاب الہ آباد اکاڈمی کی شائع کردہ "انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ" اتفاقاً حال ہی میں اس پر نظر پڑ گئی۔ بعض باتیں اس میں عجیب نظر آئیں۔ صدق کے لیے مرسل ہیں۔

(۱)

انھوں نے ہدایہ کے انگریزی ترجمہ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ ۱۷۹۱ء میں دو انگریز فاضلوں، جیمز اینڈرسن اور چارلس ہاملٹن نے براہ راست عربی سے بھی نہیں بلکہ ہدایہ کے فارسی ترجمہ سے ۱۷ سال میں ترجمہ کیا۔ عبداللہ صاحب نے لکھا ہے کہ خود فارسی ترجمہ میں چونکہ نقائص تھے اس لیے انگریزی میں بھی کافی کوتاہیاں رہ گئی ہیں۔ خیر یہ تو ترجمہ کا قصہ ہوا، آگے انھیں عبداللہ یوسف علی صاحب نے اپنا ایک مشاہدہ یہ بیان کیا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی باڈلین لائبریری میں اسی ترجمہ جیسے "سلطنتِ ہدایہ" کہتے ہیں اسکے ایک نسخہ پر نظر پڑی جس پر مشہور آتش بیان مقرر ایڈمنڈ برک کے ہاتھ سے لکھے ہوئے یہ الفاظ تھے

"اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے"

"ایسا فلسفۂ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں۔" (ص ۶۲)

اسی کتاب سے معلوم ہوا کہ عالمگیری کا مکمل ترجمہ ابھی انگریزی میں نہیں ہوا ہے، لیکن اس پر بھی مشہور کرنے والے یہی مشہور کرتے رہتے ہیں کہ یورپ والوں نے کس چیز کی تحقیق نہیں کی ہے، ہر چیز کو وہ کھنگال چکے ہیں۔ یہی کھنگال ہے کہ ہدایہ کا بھی ترجمہ کیا تو ایسا ناقص۔ اور معمولی مشہور کتاب عالمگیری بھی ابھی تک ان لوگوں کے سامنے نہیں ہے جو باوجود عربی نہ جاننے کے انگریزی زبان ہی میں اسلامی قانون کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دعوے سب کا یہی ہے کہ سب کچھ دیکھا جا چکا ہے۔ ملا اور اسکے علم پر تنقید جب فرمائی جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک حرف ناقد صاحب کی نظر سے اس ذخیرۂ علم کا گزر چکا ہے۔ جسکے جاننے والے کو ملا کہتے ہیں۔

(۲)

اس زمانہ کے جدید فتنوں میں ایک فتنہ "مومن برادری" اور انکی فرضی تحقیر و توہین کا اٹھایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض جاہلی طبیعت رکھنے والے مسلمانوں سے کبھی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہو جس سے قوم کی تحقیر کا پہلو پیدا ہو، لیکن جہاں تک خود اسلام کا تعلق ہے، اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لیے کسی حیثیت سے کسی مسلمان کی تحقیر محض اس لیے کہ وہ کسی خاص نسل سے ہے، اگر کفر نہیں ہے تو "جاہلیت" ہونے میں اسکے کیا شبہ ہے۔

صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ یا ابن الامۃ (باندی کے بچے) کہدیا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ بات پہونچی، تو ابوذر بلائے گئے اور دیکھا گیا کہ نبوت کبریٰ کی زبان مبارک پر غیظ و غضب کے ساتھ

انک امرؤ فیک جاہلیۃ — تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت ہے

کے الفاظ جاری ہیں۔ حضرت ابوذر جس خاص مزاج کے آدمی تھے، عرض کرنے لگے کہ اسلام لانے کے بعد بھی یا رسول اللہ مجھ میں جاہلیت ہے۔ فرمایا ہاں! (او کما قال)

بہرحال اسی عبداللہ یوسف علی کی کتاب میں بولٹ کے جو یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں، یعنی کمپنی بہادر جو باوجود کمپنی ہونے کے بہادر بھی بن گئی تھی۔ اسکی بہادری کے مظاہر کو گنواتے ہوئے بولٹ لکھتا ہے

"ملک کے کاریگر اور دستکار ایک ناقابل ادراک ظلم و ستم کے شکار ہیں، درحقیقت کمپنی نے انھیں اپنا زرخرید غلام سمجھ لیا ہے"....

اس تمہید کے بعد الفاظ قابل غور ہیں، وہی بولٹ لکھتا ہے

"غریب جولاہوں پر طرح طرح کے بے شمار طریقوں سے ظلم کیا جاتا ہے اور اس ظلم کا آلہ کار کمپنی کے نمایندے اور گماشتے ہیں۔ ان بیکسوں پر جرمانے کیے جاتے ہیں، انھیں قید کی سزائیں دی جاتی ہیں، انھیں کوڑے لگوائے جاتے ہیں، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ ان سے جبراً تمسک لکھوا لیے جاتے ہیں۔" (ص [illegible])

دیکھا آپ نے "کہ کردہ کہ یافت" وہ تو وہی بات ہوئی کہ گناہ کریں عیسائی اور صلیب دی جائے (العیاذ باللہ) حضرت مسیح علیہ السلام کو۔ کیا کس نے اور پکڑے جا رہے ہیں کون۔ اصل یہ ہے کہ انتقام ہی تو بجائے خود وہ تھی ہی، اب اس تباہی کو ارادہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی دوسری تباہیوں کا ذریعہ بنایا جائے۔ حکومت کی جانب سے اسی بنگال و بہار میں جہاں کمپنی بہادر کے زمانے میں یہ سب کچھ گزرا، اب اس طبقہ کی خاص سرپرستی کا نظم کیا جا رہا ہے۔ عشرہ اردو کا نظارہ

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب
کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ

محشر خیال

ایک پرانی کتاب پر نیا تبصرہ

(۲)

(از جناب عقیل جعفری خیرآبادی)

ایک اور جگہ خامہ فرسائی کی گئی ہے:-

"مذہب حسن میں معصوم اور غیر معصوم کا امتیاز تمام مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ حرکات نگاہیں کتنے ہی مذموم و ممنوع ہوں شرع حسن میں مستحسن قرار دیے جا چکے ہیں —— جیسے آپ اتفاقاً کہتے ہیں

حقیقتاً وہ ایک جرم ہے جس سے خیالات میں ایک مجرمانہ بزدلی
پیدا ہو جاتی ہے - جوان مصلح کو دیکھ کر ہر خوش مذاق انسان کو عبرت
حاصل کرنا چاہیے "

سوال یہ ہے کہ ان فقروں میں سے مذہبی اصطلاحوں کو بدل کر
اگر انکی جگہ وطن پرستی، آزادی پسندی اور بالشویزم وغیرہ کی ان
نئی وضع اصطلاحوں کو جنکے ماتحت آج بڑے سے بڑا لامذہب بھی
تعمیر و بہتری کی کوشش کرتا ہے ہیولی رکھ دیا جائے تو کیا یہ وہی جرم
نہ ہوگا جسکو ہم ازم اور سیاست کے خلاف سمجھتے ہیں - اور نوجوان
بھی پیش پیش ہیں اور جنکی پاداش ہر زمانے میں پھانسی کا تختہ ہے
پھر یہ جہالت اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ انسانی آئین تو ذہن
کی عظمت کی جائے اور الہی شریعت و طریقت کا یوں مضحکہ اڑے!

معتبر خیال کے مقدمہ نگار صاحب اس خیال سے اتفاق کرتے
ہوئے مضمون حقیقت عریاں

سجاد کے طرز تحریر کا سب سے اچھا نمونہ ہے - اس میں
خیالات صاف اور واضح، منطقی استدلال الجھا اور
مختصر اور انداز بیان ہیرے کے مانند ترشا ہوا ہے "

ہم اس رائے پر اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ تخلیق کائنات اور بہ ہستی
کے حل کا ایک طریقہ تو وہ ہے جسے جہل نے "علم الاصنام" کا
خطاب دے رکھا ہے اور دوسرا طریقہ وہ ہے جو "علم" کے نام
سے سائنس کی گود میں ابھی پرورش پا رہا ہے "حقیقت عریاں"
معنا پہلے طریقہ کی دوسری شکل اور لفظا دوسرے طریقہ کا نقش ثانی ہے
پہلے کی اور ہے، کی - جہل کی اور علم کی اور سائنس کی خدا اور
خدائی کے متعلق تمام تحقیقات ذہن اور دماغ کو اس سے زیادہ
فائدہ نہیں پہنچاتی کہ الجھن میں کچھ اور اضافہ ہو جائے ———
آفرینش اور طریق آفرینش کی ہر توجیہ کو ایک دوسرا "کیوں" پھر
ایک نئی تاویل کا محتاج بنا دیتا ہے - البتہ اگر خدا کو "مالک" مان کر
قرآن کی تلاوت کی جائے تو نہ صرف یہ تسکین حاصل ہو جاتی
ہے - بلکہ یہ پُرپیچ مسائل بھی حقایق کی طرح واضح ہو کر رہتے ہیں
——— افسوس حقیقت آفتاب کے مانند سامنے جلوہ گر ہے،
لیکن ہم ہیں کہ آنکھیں بند کیے اندھیرا اندھیرا پکار رہے ہیں۔

"گدیوشی"[1] کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

حقیقت میں سجاد کی لامذہبیت کا اعلان حقیقت عریاں ہی سے
نہیں بلکہ اس "دعا" سے ہوتا ہے جو شوخی تحریر کے پردے میں شومی
تقدیر کا نقلا ہر ایک نقش کا مجرا ہے۔
یہ دعا خاصی طویل ہے - لیکن چونکہ آگے چل کر اس سے ایک
فائدہ اٹھانا ہے - اس لیے بغیر صبر سے ہاتھ اٹھائے اسے
ایک دفعہ سن ضرور لیجیے

"بعض ناکام دعائیں مقبول سے برگزیدہ تر ہے - کوششوں میں
عظمت انسانی مضمر ہے لیکن دعا انانیت کا اعلان شکست ہے -
جسکے ذریعہ سے انسانی مجبوریوں کا راز فرشتوں پر بھی منکشف ہو جاتا
ہے - جو کسی طرح اس انکشاف کے اہل نہیں ——— دست بہ
دعا ہو کر انسان تضاد قدر کے سامنے اپنی بے بسی اور ناچارگی
کا اعتراف کرتا ہے ——— انسانی رسوائیوں کا ذمہ دار آدم کی
نافرمانیاں نہیں بلکہ وہ بیتاب بیاں ہیں جنہوں نے آنکو دعا کی ترغیب
دی تھی ——— آدم استقلال کے ساتھ اگر اپنی سرتابیوں پر قائم
رہتے تو فرشتے بھی انکی عظمت تسلیم کر لیتے اور شیطان بھی قائل
ہو جاتا - یہ صحیح ہے کہ خدا نے آدم کی گریہ وزاری سے متاثر
ہو کر انکی لغزشوں کو نظر انداز کر دیا لیکن اس کے نتائج دنیا والوں
کے لیے قابل فخر ہرگز نہیں ——— ایک خوددار انسان اس
شکست کو جو خود اس کی جدوجہد کا نتیجہ ہو اس فتح سے بہتر سمجھتا
ہے جو ارباب تضاد قدر کی امداد سے اسے حاصل ہو سکے -
شیطان آج انسان کی انھیں کامیابیوں پر ہنستا ہے انسان کی
سب دعائیں اگر مقبول ہو جائیں اسکی شخصیت برباد ہو جائے -
جس ہستی کو خدا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے اسکی دعائیں ہمیشہ
ناکام رکھتا ہے صرف اس غرض سے کہ اسکی ناچاری خودداری
اور خودداری کو برباد نہ کر سکے - اسکے علاوہ عبادت کی مشترک
طریقوں سے اکثر دعائیں جنکے نتائج خطرناک ہو جاتے ہیں ارباب
حل و عقد جب دیکھتے ہیں کہ انسان بے مایہ ناچار ہو گیا انکا
ذوق تفریح ابھر آتا ہے - وہ انسانی بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتے
ہیں - اکثر دعا کرنے والے کو وہ اس طرح مایوس کر دیتے ہیں کہ
وہ ہمیشہ کے لیے دعاؤں سے خائف ہو جاتا ہے پھر اسکی دستگیری
کے لیے نہ کوششیں باقی رہتی ہیں اور نہ دعائیں ——— خدا کے
فرشتے اسکی ناچارگی پر مسرور ہوتے ہیں اور محض انتقاماً انھیں
وہ دن یاد آ جاتا ہے جب انسان کو ان پر نیابت الہی کے لیے
ترجیح دی گئی تھی - انسان کی دیرینہ عظمت اسکی متقاضی ہے کہ
محض فرشتوں کی ضد میں وہ دعا سے باز رہے"

"رعنائی خیال" کے ماتحت جس بیباکی سے اظہار خیال
کیا گیا ہے یوں تو اسکی اہمیت ان اشعار سے زیادہ نہیں جو
ہمارے بہت سے غالب جیسے آزاد نہیں بلکہ مومن جیسے "مجاہد"
شاعروں کے دواوین میں بھرے پڑے ہیں - البتہ یہ سوال کہ
نثر میں اس قسم کے بے قید اظہار خیال پر کیوں کفر کے فتوے لگنے
لگتے ہیں جب نظم میں انھیں خیالات کی بڑے بڑے متشرع
منہ سے لے کر داد دیتے ہیں، بلکہ ہمت افزائی کرتے ہیں
رہا ہے - میرے خیال میں اس سوال کا ایک ہی جواب ہے
کہ وہاں صرف "قال" تھا اور وہ بھی رعنائی خیال کی حد تک -
اور یہاں "حال" ہے اور وہ بھی مستقبل کی بے پناہ انتہا تک!

[1] گدیوشی (بروزن انجیلی) سجاد مرحوم کا وطن گدیہ (ضلع بارہ بنکی)

آزادی، الحاد اور اس جاہلی انسانیت کا جسکی ابتدا تشکیک اور انتہا خود پرستی ہے یہ نمونہ مندرجہ بالا "دعا" ہے آپنے دیکھا اب ایک مسلمان کی تعین آئے انسان کی دعا سنیئے جو عزازلیت اور ملکوتیت دونوں کا اعتدال اور اصلاح ہے — میں نے وہ پوری دعا اس لیے پیش کی تھی تاکہ یہ مقابلہ کی میری دعا زیادہ لطف دے سکے —

"سعی مسلسل دعاے نامقبول کا خمیازہ ہے۔ کوشش اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان خود مختار نہیں ہے لیکن دعا خدا اور انسان کے درمیان وہ رشتہ ہے جسنے فرشتوں پر اسکا مرتبہ واضح کر دیا۔ اس فرشتہ پر بھی جو کسی طرح انسان کی عظمت کا قائل ہونے پر تیار نہیں تھا۔ بہت یہ دعا ہو لمحہ کار کنان قضا و قدر کے سامنے اپنے اور خدا کے ازلی تعلق کو اور مستحکم کرتا ہے۔ انسانی معراج کی ذمہ دار آدم کا سجدہ نہیں بلکہ وہ فطرت صحیحہ ہے جس نے اسے پہلے پہلے دعا کی ترغیب دی تھی — آدم استغفار کے ساتھ بندگی کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خلیفہ ارض و سماء بنے اور انکا حریف مردود ابدی ہوا۔

یہ سچ ہے کہ آدم سے لغزش ہوئی لیکن توبہ سے نہ صرف یہ لغزش نظر انداز کر دی گئی بلکہ ابن آدم کو تمام کائنات پر بلاشرکت غیرے حق حکمرانی بھی بخشدیا گیا۔ ابو البشر نے اس اطاعت کو جو انکے ایمان کا نتیجہ تھی اس عبادت سے بہتر سمجھا جس میں معلم الملکوت کی امداد یعنی شیطان کا احسان شامل تھا — انھوں نے ایک خدا کو معبود مانکر ساری خدائی کو اپنے قدموں پر جھکا لیا — ابن آدم آج آدم کی اس انجام بینی پر فخر کرتا ہے۔

انسان کی سب دعائیں اگر مقبول ہو جائیں تو آفرینش کا مقصد برباد ہو جائے۔ بعض اوقات جس بندہ کو خدا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے اسکی دعاؤں کی قبولیت کا رخ بدل دیتا ہے۔ صرف اس غرض سے کہ اسکا فانی مفاد اسکے باقی مراتب میں کمی نہ کر دے — اسکے علاوہ انسان کی نادانی سے اکثر دعاؤں کے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ارباب قضا و قدر جب دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی دعاؤں کی مقبولیت سے مغرور ہو چلا ہے تو انکا ذوق اعتدال ابھر آتا ہے اور وہ انسان کی عارضی کامیابی کا تماشہ دیکھنے کے بجائے خدا کے حکم سے کبھی کبھی دعا کرنے والے کو اس طرح مایوس کر دیتے ہیں کہ انسان کا جذبۂ الحاح و زاری پھر عود کر آتا ہے۔ فرشتے یہ دیکھ کر شرم سے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ انکو وہ دن یاد آ جاتا ہے جب انسان کو ان پر نیابت الٰہی کے لیے ترجیح دی گئی تھی۔

انسان کی اولیں عظمت اسکی متقاضی ہے کہ فرشتوں پر اپنی افضلیت کی یادگار میں وہ دعا سے کبھی غافل نہ رہے۔ (باقی آیندہ)

ناظرین صدق کو مژدہ

مئی ۱۹۴۵ء سے صدق ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہوگا شرح چندہ :- سالانہ شے ششماہی شہ سہ ماہی شے

منیجر صدق

صدق

کے اس دعوے میں اگر صداقت کا کوئی خفیف سا بھی شائبہ ہے کہ ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

تو آپ کا بحیثیت ایک حق پرست اور صدق دوست مرد مومن کے یہ فرض ہے کہ آپ "دنیا کے نقارخانہ" میں اس "طوطی" کی آواز کی گونج پیدا کرنے میں اسکی مدد کیجیے۔

کیا آپ نے اپنے اس فرض کو ادا کیا ہے؟
کیا آپ اپنے اس فرض کو ادا کر رہے ہیں؟
اگر نہیں، تو ؎

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

الداعی الی الخیر مہتمم صدق لکھنؤ

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریداروں کی میعاد ماہ اپریل ۱۹۴۵ء میں تمام ہو رہی ہے براہ عنایت اپنا سالانہ چندہ آٹھ روپیہ یا ششماہی مبلغ پانچ روپیہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر کو روانہ فرما دیں۔ یا اگر آیندہ خریداری منظور نہ ہو تو دفتر کو مطلع کر دیں۔ اگر چندہ نہ آیا اور اطلاع بھی نہ آئی تو یکم مئی کو سب صاحبوں کی خدمت میں وی پی سالانہ شے یا ششماہی عہ کے حساب سے روانہ ہونگے۔

خریدار نمبر ۲ و نمبر ۶ و نمبر ۹ و نمبر ۱۶
و نمبر ۲۷ و نمبر ۳۱ و نمبر ۴۶ و نمبر ۵۶
و نمبر ۸۷ و نمبر ۳۴ و نمبر ۹۴ و نمبر ۱۴۶
و نمبر ۲۶۰ و نمبر ۳۵۵ و نمبر ۴۷۹ و نمبر ۵۰۹
و نمبر ۹۹۱ و نمبر ۹۹۷ و نمبر ۱۱۶۴ و نمبر ۱۲۲۹
و نمبر ۱۲۳۲ و نمبر ۱۲۳۳ و نمبر ۱۲۳۵ و نمبر ۱۲۳۶
و نمبر ۱۲۳۰ و نمبر ۱۲۳۸ و نمبر ۱۲۳۹ و نمبر ۱۲۵۷
و نمبر ۱۲۶۰ و نمبر ۱۳۲۶ و نمبر ۱۳۳۲ -

مہتمم صدق لکھنؤ

جو محبوب موضوعِ گفتگو تھا، وہ تھا آنحضرت کا! تھا ابھی بھی رہبر تھا، اور حال بھی ہیں۔ [illegible] سکتے ہیں کہ آخری وقت ذوق کی نبض پھر ابھر آتی جب نام ان کا لیا گیا، تا آنکہ [illegible]

روزہ پر ایک سوال

ایک نوجوان گریجویٹ کا ایک سوال آیا ہے:

"ایک مدت سے [illegible] ایک سوال پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ بار بار [illegible] کے قلم سے بھی، کہ قرآن کریم ہر مکان و ہر زمان کے [illegible] احکام کا حامل ہے۔ قرآن کریم میں روزہ کے متعلق [illegible] خط سیاہ خط سے متمیز ہونے لگے تو کھانا بند کردو۔ [illegible] بعض مقامات ایسے بھی ہیں [illegible] جو لوگ [illegible] شمال! [illegible] وہ کس طرح اس حکم پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں؟

[illegible] جانتا ہوں کہ جواب [illegible] میری [illegible] اور [illegible] تحریر [illegible] کہ اپنے جاہلانہ سوال پر کم از کم مورد عتاب نہ ٹھہرایا جاؤں۔ سوال صرف طمانیت قلب کے لیے کر رہا ہوں۔"

سوال پر "مورد عتاب" ہونا کیا معنی؟ [illegible] زیادہ سے زیادہ [illegible] سوال یا استفتاء، بھی کوئی غصہ کی ناگواری کی اشتعال کی چیز کسی درجہ میں ہے؟ طنز و تعریض، ناگواری و انقباض کا موقع تو صرف معاندانہ، طنزیہ سوالات پر ہوتا ہے، جو چھیڑ اور تمسخر ہی کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

آیت جس میں سحری کا وقت بتایا گیا ہے، اس کا تعلق روزہ سے ہے اور براہ راست ماہ رمضان کے روزوں سے۔ لیکن خود رمضان کے روزے [illegible] فرض ہوں گے؟ وہاں جہاں ماہ رمضان کا تحقق ہو سکے۔ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ (تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پالے اُسے چاہیے کہ مہینہ بھر روزہ رکھے) اس باب میں ناطق ہے۔ پس جہاں کہیں ماہ رمضان ہی سرے سے نہ پایا جائیگا جہاں رمضان کا چاند سرے سے طلوع ہی نہ ہو، وہاں روزہ کی فرضیت ہی نہ عائد ہوگی۔ اور جو مسائل اسکے اوپر مبنی ہیں، مثلاً سحری و افطار، اُنکی بابت کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا! —— اور یہ بات تو قرآن کے مصنف کی ہمہ بینی و ہمہ دانی کے ثبوت مزید میں پیش ہوگی، کہ اُس نے احکام رمضان پر [illegible] ہوئے الفاظ میں ایسے مقامات کی گنجائش رکھ لی، جہاں رمضان کا وجود ہی سرے سے نہ پایا جائے!

اور اس [illegible] کی ضرورت بھی اُسوقت پیش آئیگی، جب پہلے قطبین اور اُنکے [illegible] انسانی آبادی اور مسلم آبادی کا وجود ثابت ہو لے۔

بعض علماء نے اپنا مسلک یہ ظاہر کیا ہے کہ ایسے مقامات پر مشتبہ دن اور مشتبہ رات میں روشنی اور تاریکی کی کمی و بیشی کے مطابق اپنے کاروبار اور جاگنے کے اوقات کے حساب سے، دن کے دن رات کا اندازہ کرلے [illegible] اسی اندازہ سے [illegible]

[illegible] ہے

قرآن احکام کے ماتحت [illegible] مطلب صرف اسقدر ہے کہ جو [illegible] اور کلیے [illegible] ہیں، وہ عمومی اور اکثری حیثیت رکھتے ہیں، اور انھیں کی روشنی میں غیر معمولی اور شاذ حالات کے لیے بھی جزئیات وضع کیے جا سکتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں احکام انسان کی صرف دو ہی صنفوں، مرد و عورت سے متعلق ہیں، تیسری درمیانی صنف کا ذکر ہی نہیں، اور اسی طرح کی اور بیسیوں بلکہ پچاسوں مثالیں ہیں۔

پچھلی صدی کے قحط

پچھلی صدی عیسوی میں ہندوستان جیسے زراعتی و زرخیز ملک کے اندر جتنے قحط پڑے، اور اُن سے جتنے انسان تخمینی طور پر نذر اجل ہوئے، اُنکے اعداد ڈاکٹر انور اقبال قریشی کی تازہ تالیف "ہندوستان کی آبادی" سے ماخوذ و منقول حسب ذیل ہیں:

۱۸۰۰ سے ۱۸۲۵ تک ۵ قحط پڑے، اور ۱۰ لاکھ نفوس نذر اجل ہوئے
۱۸۲۵ سے ۱۸۵۰ تک ۲ " " ۴ لاکھ "
۱۸۵۰ سے ۱۸۷۵ تک ۶ " " ۵۰ لاکھ "
۱۸۷۵ سے ۱۹۰۰ تک ۱۸ " " ۲ کروڑ ۶۰ لاکھ "

(کتاب مذکور ص ۱۲۹)

قحط کی تمام تر روک تھام تو بیشک انسان کے بس میں نہیں لیکن حکمرانوں کا اپنے کو رعایا کی سطح پر لے آنا تو بالکل اختیاری چیز ہے۔ پھر انیسویں صدی کے حکمرانوں میں کتنوں نے قحط کے زمانہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید کی؟ کتنے حضرت یوسف صدیقؑ کی روش پر چلے؟

بے غیرتی کا کمال

ایوننگ اسٹینڈرڈ (لندن) کا شمار برطانیہ کے معزز روزناموں میں ہے۔ ۱۹- جنوری ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں صفحہ ۳ پر داہنی طرف اوپر کے حصہ میں ایک دو کالمی باتصویر خبر ہے۔ عنوان ہے "دولہن کا بوسہ"۔ نیچے تصویر میں ایک جوان مرد ایک جوان عورت کے منہ پر پیار کر رہا ہے۔ اور ایک دوسرا جوان پاس ہی کھڑا ہوا ہنس رہا ہے، خوش ہو رہا ہے۔

مشرقیت اور اسلامیت اسکی کب روادار ہو سکتی ہے کہ میاں بیوی یوں علانیہ بوس و کنار کریں، لیکن خیر اس منظر کی عادی تو اب آنکھیں صاحب کے بڑے بڑے شہروں میں، اور خصوصاً بڑے بڑے اسٹیشنوں پر [illegible] کے بعد، ایک حد تک ہو چکی ہیں۔ اور عنوان کی تصریح ذہن کو خود اس طرف آمادہ کر چکی ہے کہ دولہن کے مقابل دولہا ہوگا۔ لیکن مغربیت کا اصل کمال، اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ جو مرد اپنا ایک ہاتھ عورت کے شانہ پر اور اپنا منہ اسکے منہ پر رکھے ہوئے ہے وہ اسکا شوہر نہیں، شوہر کا ایک دوست ہے! اور تازہ بیاہے ہوئے شوہر صاحب اُسکے پاس الگ کھڑے ہوئے صرف ہنس رہے ہیں، خوش ہو رہے ہیں! —— یہ سب تصریح تصویر کے نیچے [illegible]

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۵)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س — اول مرتبہ دوران نماز میں جناب والا کی برزخ اُس وقت قائم ہوئی کہ جب جناب کی طرف بالکل خیال نہ تھا۔ اسکے بعد سے باوجود کوشش کے یہ صورت کسی طرح نہیں پیدا ہوئی۔ یعنی میں نماز کے بہت پہلے سے آپ کا خیال دل میں پیدا کرتا ہوں — حتیٰ کہ پہ الٰہی مجاہدیں پڑھتا ہوں، تب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، لیکن اسکے باوجود نہ تو نماز میں اب وہ حضور قلب ہے جو اُس دن اتفاقاً ہوا تھا اور نہ جناب کی برزخ قائم ہوتی ہے۔ اگر وہ قول جناب کے میرا خیال وحسن ظن تھا، تو اب کیوں بے تاثیر ہوگیا؟ دوسرے یہ خیال ہے کہ خیال میں اتنی قوت کہاں سے آئی کہ نماز میں وہ حضور قلب پیدا ہو جو دو عمر میں نہیں ہوا تھا۔

ج — کیفیات، وجد، حال کا پیدا ہونا اگر تمامتر اختیار کے اندر آجائے، تو انہیں کیفیت، وجد، حال کہا ہی کیوں جائے؟ اکثر تو یہ تمامتر اختیار سے باہر، اور کمتر اپنے جزو اعظم و اصل کے لحاظ سے، تمامتر اختیار سے باہر ہوتی ہیں — خواب سے بہت ملتی جلتی ہوئی، اور اس لیے نہ اسکے وارد ہو جانے پر کوئی اجر، اور قرب الٰہی میں ترقی ہے، اور نہ ان سے محروم ہو جانے پر کوئی عتاب اور اندیشۂ تنزل و انحطاط ہے — یہ واردات و کیفیات محمود و مستحسن ہیں، مگر انکی مثال بھی بس خوش آیند و دل خوش کن خواب کی سی ہے، کہ بس تھوڑی دیر کے لیے جی خوش ہوگیا اور حقیقت و ثبات کچھ بھی نہیں! —— خواب بہتر سے بہتر بھی ہوں، جنت میں لیجانے، اور قرب الٰہی کے لیے کافی نہیں — اور بدتر سے بھی بدتر اگر ہوں، تو اُن پر کوئی مواخذہ نہیں۔

یہ تمامتر حق تعالیٰ کی رحمت ہے — ورنہ قلب انسانی میں نہایت خفی و دقیق، دور دراز اثرات کے ماتحت جو تقلبات و تصرفات ہوا کرتے ہیں کہ عالم خیال میں کبھی اعلیٰ علیین کی سیر ہو رہی ہے اور کبھی اسفل سافلین کی، اُن پر اگر کہیں عذاب و ثواب مرتب ہوا کرتے تو انسان تو کہیں کا بھی نہ رہتا — اور نظام کائنات میں ایک فتنۂ عظیم برپا ہو جاتا۔

تصدق کی تحریر پڑھنے تک مضائقہ نہیں۔ لیکن نماز میں قصداً کسی کا تمثل سامنے لانے کی کوشش ہرگز ہرگز صحیح طریق عمل نہیں۔ بہتر سے بہتر صالحین و ابرار کے بھی برزخ قائم کرنے میں مفاسد زیادہ ہیں اور مصالح کم، چہ جائیکہ ایسی شخصیت کا تصور جو خود ہی گنہگار ہے۔ یہ خیال تو اس قابل ہے کہ لاحول پڑھ کر اسے ذہن سے نکالا جائے نہ یہ کہ ذوق و شوق کے ساتھ اسکی ہمت افزائی کی جائے۔

س — اب یہ کیا کروں کہ وہی صورت پیدا ہو اور نماز میں وہ ہو،

لذت نصیب ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہوئی تو میرے لیے نماز کی گنتی دوا دارو کی بھی دشوار ہو جائیگی (یہ جملہ میں نے یوں گوشگزار کر دیا کہ طبیب سے مرض کی جزوی تفصیلات بتا دینا ضروری ہے) کیونکہ میری اُفتاد طبیعت ہی یوں ہے۔

ج — بندہ صرف نماز پڑھنے کا مکلف ہے، نماز باللذت کا مکلف نہیں۔ مقصود و مطلوب صرف نماز ہے، جس طرح بھی بن پڑے۔

ہاں تمنا و شوق کی چیز نماز کی لذت بھی ہے، اور اسکا اہتمام اگر رکھا جائے تو نماز میں حلاوت محسوس ہونے لگے، اور یہ یقیناً ایک بڑی نعمت ہے۔ لیکن اسکے شرائط دوسرے ہیں۔ عام زندگی میں طہارت و تقویٰ، معاصی سے اجتناب، لایعنی اور حضور قلب میں مخل ہونے والی صحبتوں اور مشغلوں سے کنارہ کشی، نماز کی فرضیت کا عمیق احساس، وغیرہا۔ بہرحال اسے کسی کے نقش اور برزخ سے تعلق نہیں، اور کسی پست اور گندی شخصیت سے تو اور بھی نہیں، ہزار بار نہیں۔

س — کوئی شخص حضرت حاجی امداد اللہؒ کے ایک خلیفہ سے بیعت تھا، اگر اب حضرت مولانا تھانویؒ کے کسی خلیفہ سے تجدید بیعت کرنا چاہتا ہے، تو کر سکتا ہے؟

ج — تجدید بیعت میں غرض صحیح کے ساتھ، تو شیخ کی زندگی میں بھی مضائقہ نہیں، چہ جائیکہ وفات کے بعد۔ بیعت محض ایک رسم ہے۔ اصل مقصود استفادہ ہے۔

س — یعنی جن سے بیعت ہوا تھا، انہوں نے دو وظیفے تسبیح بتائی تھی لیکن بدقسمتی کہ اب تک کسی روز اس پر عمل کی توفیق نہ ہوئی تو کیا اسکے علاوہ کوئی مختصر تسبیح پڑھ سکتا ہوں، اگر اجازت ہو تو کوئی تسبیح بتلائی جائے۔

ج — سوال اپنے شیخ ہی سے کرنا چاہیے، یا پھر انکے جانشین سے۔ باقی عام جواب یہ ہے کہ قرب حق کسی خاص ذکر یا خاص شغل پر موقوف نہیں۔ یہ دواؤں کی طرح مشائخ کے صرف تجربہ کی چیزیں ہیں — البتہ مریض کے حق میں رائے صائب اُسکے معالج ہی کی ہو سکتی ہے نہ کہ خود مریض کی۔

س — ریڈیو پر قرآن مجید کا محض لہجہ کی غرض سے سننا اور سنانا کیسا ہے

ج — موجودہ حالات اور ماحول میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ تبلیغی مصالح کے اعتبار سے بہتر ہی ہے۔ تاہم دوسرے پہلو بھی بالکل نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

س — میں جب ایف۔ اے میں پڑھتا تھا، تو نیت کی تھی کہ اگر بی۔ اے ہوگیا تو قرآن مجید حفظ کرونگا۔ خدا نے کامیابی عطا کی۔ چنانچہ حسب نیت کوئی ۲ ماہ سے میں نے حفظ قرآن کا کام شروع کر رکھا ہے، اور تقریباً ۱ پارہ حفظ کر چکا ہوں۔ آپ سے التجا ہے کہ تکمیل کے لیے دعا فرمائیں۔

ج — دعا تو خیر دل سے نکل رہی ہے۔ لیکن [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

صدق

عبدالماجد دریاباد ضلع بارہ بنکی

حکیم عبدالقوی بی اے

چندہ اور انتظامی امور

کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ ؎
" ششماہی ؎
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۴۰ دوشنبہ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - اپریل ۱۹۴۵ء جلد ۱۰

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

کلیاتِ اکبر، حصہ اول، اگر موجود ہو، تو سامنے کھول لیجیے۔ طبع چہارم (۱۹۱۳ء) کے صفحہ ۲۰۸ و صفحہ ۲۰۹ پر ایک فارسی قطعہ تاریخ تعزیت ملیگا۔ (اکبر کبھی کبھی فارسی بھی کہہ لیا کرتے تھے) وفات کسی نوعمر و نوتمیز حسینہ خاتون کی ہوئی تھی۔

آں نونہال خوبی او دو ہفتہ سن در نوبہار عمرش رفت از فنا ہستی

باقی اشعروں میں بھی ذکر اسی مرحومہ کے حسن وجمال کا اور محبوبیت کا ہے سلسلے سے

تاریخ فوت گفتم در مصنفے عجیبے بوٹا بروں شد اکبر از گرد باغ ہستی

بوٹا نام تھا ـــــ کلیات میں سرسری اچٹتی نظر بار اس قطعہ پر پڑی تھی، ابکی جو الہ آباد جانا ہوا، تو مزار اکبر پر جاکر، اکبر کے خاندانی قبرستان میں چل پھر کر یہ راز بھی حل ہو کر رہا۔

نگاہ آج سے ستر سال قبل کی طرف پھینکیے۔ نظر کے سامنے اسوقت کا مسلمانی تمدن، اور کھاتے پیتے مسلمان گھروں کی معاشرت لے آیئے۔ بعد کے ممتاز شاعر، حکیم اور عارف حضرت اکبر، اسوقت کے محض ایک کامیاب وکیل سید اکبر حسین ہیں۔ مستِ شباب۔ سال ولادت ۱۸۴۵ء تھا۔ ۱۸۷۵ء میں تیس ہی سال کے تو ہوے۔ لغزشوں سے معصوم کیے محفوظ وروں میں اچھے اچھے عابدین صالحین کو نہیں، اور معصوم و محفوظ ذات تو صرف حضرات انبیاء کی ہوئی ہے۔ تو یہ بیچارے تو ایک شان عمر زندہ تعلقات رکھنے والے وکیل ہی تھے۔ شہر میں ایک بالکل کمسن چھوکری، کچھ ۱۲، ۱۲½ سال کی عمر کی لڑکی، صورت شکل میں بہت ممتاز، بوٹا ہرنی "رشک حسینان جہاں" فسق اور عصمت فروشی کی دکان پر لاکر بٹھا دی جاتی ہے۔ نظر سید اکبر حسین سے چار ہوتی ہے۔ اور نفس نفس کی جانب کھنچتا ہے ـــــ اب آگے دیکھیے۔ شیطان کس طرح ڈھکیلتا ہے اور خیر الماکرین کی حکمت و مشیت کدھر لے جانا چاہتی ہے! ـــــ عین اسی کمسنی کی بہار اور تندرستی کے شباب میں شیطان کی سیلیہ بیمار پڑتی ہے، اور رشتہ رخ دنیا سے آخرت کی جانب پھر جاتا ہے، اور جو قدم ہولناک گڑھے کی طرف اٹھ رہے تھے، وہ یک بیک جنت کی گل و گلزار شاہراہ پر پڑنے لگتے ہیں!

مریضہ کو موت کا یقین ہو جاتا ہے، اور اب مسلمان گھرانے کی پیدائش اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ درخواست نکاح کی کرتی ہے۔ اور عین مرض الموت کے بستر پر، جب نفس کی لذتوں کا کوئی لگاؤ نکاح میں بھی باقی نہیں رہ جاتا، سید اور سید زادہ اپنی زوجیت میں باقاعدہ لاتا ہے۔ شہر کے ایک چشتی بزرگ کے ہاتھ پر کمسن دلہن توبہ کرتی ہے، بیعت کرتی ہے، اور گناہوں سے دھل دھلا، پاک و صاف، کلمۂ توحید پڑھتی ہوئی جولائی ۱۸۷۵ء (مطابق شوال ۱۲۹۲ھ) کو جنت کے سفر پر روانہ ہو جاتی ہے! ـــــ قبر پر طویل کتبہ ہے، اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور کلمۂ شہادت اور آیۂ کریمہ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذی الجلال والاکرام کے بعد یہ تصریح بھی درج ہے کہ

برکلمۂ توحید جاں بحق تسلیم کرد | توحید کا کلمہ پڑھتے ہوے جان دی

اللہ اللہ ـــــ ساری ریاضتیں اور سارے مجاہدے اسی دن اور اسی وقت کے لیے تو ہوتے ہی ہیں! جس بندہ اور جس بندی کو وہ جس مرتبہ پر چاہیں پہونچا دیں! کسی کے بھی ایمان کی تحقیر کا حق کسی کو حاصل نہیں!

کلام کی رفتار

انگریزی پارۂ دوم کی طباعت کے بعد بمبئی پریس کی قانونی موت، مدتوں کے بعد جاکر ہوئی۔ پچھلے ہفتہ پروف صحت مزید کے لیے موصول ہوئے، دیکھ کر واپس کر دیے گئے۔ اس سے تو امید قوی ہو گئی کہ انشاء اللہ دوسرے پارہ کی اشاعت میں اب زیادہ تاخیر نہ ہوگی، گو بہتر تو یہ تھا کہ اس پارہ کے ساتھ کم از کم دو ایک پارے تو اور شائع ہو جاتے، کہ کچھ تو تلافی مافات ہو جاتی۔

اردو تفسیر کے پارۂ اول کا صاف شدہ مسودہ بحمد اللہ سب پورا پریس کو جا چکا۔ وہ لوگ چاہیں تو اس پارہ کو اب بلا توقف شائع کر سکتے ہیں۔

پارۂ دوم کا مسودہ نظر ثانی کے بعد اب صاف ہو رہا ہے —— "نظر ثانی کے بعد" کا لفظ پوری طرح صحیح ہوتا اگر اس کا امکان ہوتا کہ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سارا وقت اسی مشغلہ کی نذر کر دیا جاتا! البتہ قابلیت تو اپنے بس کی چیز تھی، لیکن وقت تو بہرحال پورے کا پورا وقف کیا جا سکتا تھا۔ اللہ کا کلام کسی بڑے شاعر کا کلام نہیں، رب العالمین کا کلام ہے۔ ادنیٰ اور خفیف سی بھی بے توجہی یا کم توجہی کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مشاغل کی [illegible] غیرت حق کو نہیں ہو سکتی۔ بندہ کے قلب و دماغ پر معانی و مطالب سے متعلق مُہر لگ جاتی ہے۔

پارۂ سوم پر نظر ثانی کا سلسلہ اسی ہفتہ سے شروع ہوا ہے۔

سلسلۂ امداد ذیل کی رقمیں قبول کی گئیں:—

۸ - اپریل - ایک مخلص (از دہلی) عہ/

" (از پشاور) صہ/

اکابر پرستی کا مرض

ایک محترم و فاضل بزرگ مکاتیب اقبال کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:—

"آجکل مکاتیب اقبال پڑھ رہا ہوں، آپ کے نام بھی چند خطوط ہیں۔ یہ فقرہ اُنکا بہت پسند آیا کہ آپ سے دلی مناسبت ہے۔ مولانا سید سلیمان کے نام خطوط البتہ عجیب ہیں۔ میرے دل پر تو اُنکا اچھا اثر نہ ہوا۔ اسلامی علوم کے متعلق میں انکو اتنا کورا نہیں سمجھتا تھا۔ اچھا ہوا کہ اُنھوں نے نثر میں نہ لکھا۔ جو کچھ لکھا شاعری میں لکھا۔ خطوط کو پڑھکر مجھے تو یہی کہنا پڑا کہ جیسے جانے وہ خدا جانے کیا لکھ ڈالتے اور عوام پر اُنکا جو اثر تھا اُسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس مصیبت کو ٹالتے ٹالتے مشکل ہو جاتی۔ بہرحال مسلمانوں کو فائدہ اُنکے صرف پہلو (شاعری) ہی سے پہنچا۔ اور نثر کا پہلو ظاہر نہ ہو سکا۔ ان خطوط کے مطالعہ سے یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی کہ جدید تعلیم یافتوں کے لیے اسلامی علوم سے صحیح واقفیت کتنی ضروری ہے۔"

ارشاد صحیح ہے۔ لیکن مصیبت کی جڑیں بہت گہری اور بہت دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اول تو ہر شخص کی ہر چیز چھاپ ڈالنے کا دستور ہی سرتاسر غلط اور مفسدہ انگیز ہے۔ یہ مرتبہ تو صرف نبی معصوم کے لیے مخصوص رہنا چاہیے۔ وہی ایک "وما ینطق عن الہویٰ" کا مصداق تھا اور اُسی کا ہر قول اور ہر عمل لغزش و خطا کے احتمال سے محفوظ ہے ورنہ کسی بڑے سے بڑے عالم، حکیم، عارف کے منہ سے نکلا ہوا ہر بول اور قلم سے ٹپکا ہوا ہر لفظ قابل استناد و احتجاج نہیں ہو سکتا۔ تحریر و تقریر کا کچھ حصہ ہی انتخاب کے بعد قابل اشاعت ہو سکتا ہے۔ اور بے تکلفی کی گفتگوؤں اور نجی کے خطوط میں تو احتیاط کی ضرورت اشد ہوتی ہے۔ عمر کے مختلف حصوں، علم و تجربہ کی مختلف منزلوں میں ایک ہی ذہن میں مختلف جذبات و خیالات کے ماتحت کیا کیا حالت ہر انسان کی ہوتی رہتی ہے، اور اُسکے دل و دماغ دونوں تقلبات و تلونات کا درحقیقت ایک عجائب خانہ ہوتے ہیں۔ بزرگوں، حکیموں، عارفوں کے ہاں یہ چیزیں نسبتہً کم اور بہت کم ہوتی ہیں، پھر بھی اچھی خاصی ہوتی ہیں۔

پڑھنے والوں کو اپنا مذاق خاص طور پر سُدھارنا چاہیے۔ اور غلو و افراط عقیدت سے اپنے کو خاص طور پر روکنا چاہیے۔ اقبال کے فضل و کمال، شہرت و عظمت کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ وہ بال جبریل، ارمغان حجاز، جاوید نامہ، ضرب کلیم وغیرہ لکھ گئے۔ جزئیات فقہ کی تلاش بھی اُنکے اوراق میں کیوں کی جائے؟ مولانائے رومی کے شرف و عظمت کے یادگار قیامت تک رہنے کے لیے اُنکی لاجواب مثنوی کافی ہے۔ اب اسکی توقع رکھنا ہی بڑی زیادتی ہے کہ اُنکے ان ۲۶-۲۷ ہزار شعروں میں نہ کوئی بات عقائد نسفی اور شرح فقہ اکبر سے الگ ہوا اور نہ کہیں کوئی جزئیہ کنز و قدوری کے احکام سے ذرا ہٹا ہوا ہو! —— خطا، عیب، کوتاہی سے مبرا و منزہ ذات صرف انبیاء کی ہوتی ہے۔ زبان سے یہ سب کچھ کہہ دیتے ہیں، لیکن جہاں کسی سے عقیدت پیدا ہوئی، بس اُسکے متعلق یہ خیال عملاً ذہن سے بالکل نکل ہی جاتا ہے اور توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ "اکابر پرستی" بھی ذہن کا ایک جزو بنجاتی ہے!

بندہ اور خدا

دکن سے ایک گریجویٹ، صدق میں بعض ملحد کے جوابات پڑھ کر لکھتے ہیں:—

"اسوقت میرے بھی ایک بڑے صبر آزما شبہہ کا ازالہ ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ دنیا میں آکر حوادث سے بغیر گزارہ نہیں۔ لیکن بعض حوادث اتنے شدید و ہولناک ہیں کہ انکے برداشت کی تاب اپنے میں نہیں پاتا۔ البتہ اُن میں مبتلا ہوئے بغیر بھی اُنکی ہولناکی کو محسوس ضرور کرتا ہوں۔ اور جب خود اُن میں نہیں مبتلا ہونا چاہتا تو کبھی دشمن کو بھی اُن میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا۔ دعا کے اثر کا پوری طرح قائل ہوں، بلکہ میری بعض دعائیں تو ایسی قبول ہوئی ہیں کہ اُنکے تصور سے اب بھی حیرت ہوتی ہے۔ لیکن میرے قلب کا یہ [illegible] محض ایک طویل عرصہ تک میری دعاؤں میں حائل ہوتا رہا۔ اور اب بھی کبھی کبھی ہوتا رہتا ہے؟

نئی کتابیں

المنبہات - از علامہ ابن حجر مکی (عربی) ۱۵ صفحات قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عہ، پتہ:- اقبال اکیڈمی ظفر منزل - تاجپورہ لاہور۔

کتاب کا پورا نام المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد ہے - عربی کی ایک مشہور و مستند اول درسی کتاب ہے - زبان بہت سادہ و سلیس ہے، اور باتیں سب کام کی ہیں - حکیمانہ اقوال، اور بعض میں بہت سی احادیث نبوی بھی آگئی ہیں - کتاب ثنائی ثلاثی وغیرہ نو بابوں میں تقسیم ہے - اور ہر باب میں دو دو، اور تین تین، اور چار چار، یہاں تک کہ دس دس تک، باہمی ملتی سب چیزیں بیان کی گئی ہیں - جو لوگ قرآن مجید اور احادیث نبوی کو اصل عربی میں سمجھنا چاہتے ہیں، اور ابھی بالکل مبتدی ہیں وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں - چونکہ یہ مشکّل چھپی ہے، یعنی اس پر سب اعراب لگے ہیں، اسکا پڑھ لینا بالکل آسان ہے - اور اس سے ابتدائی خاصی استعداد قرآنی اور حدیثی عربی کی پڑھ جائیگی - کتابت طباعت، سب صاف و خوشنما ہے۔

(۳) نظام تعلیم و تربیت - از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی جلد اول، ۲۶×۲۰ تقطیع، ضخامت ۳۸۶ صفحات قیمت مجلد عہ، غیر مجلد للعہ، پتہ کتاب پر درج نہیں، لیکن ہے یہ:- ندوۃ المصنفین - قرول باغ، دہلی -

کتاب کا پورا نام ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ہے - اور امید ہے کہ اس سے کتاب کا موضوع واضح ہو گیا ہوگا - لیکن ہے کہ یہ مولانا گیلانی کی کسی کتاب پر تبصرہ کرنا ہے بہت دشوار اور تبصرہ تو خیر بڑی چیز ہے، یہی بتانا آسان نہیں کہ موضوع کیا ہے اور کتاب کے اندر ہے کیا کیا! حد یہ ہے کہ فاضل مصنف نے ۵۰-۴ صفحہ کے ایک مختصر سے مضمون کے ارادہ سے قلم اٹھایا، ہوتے ہوتے مضمون نہیں، پوری کتاب تیار ہوگئی سات آٹھ سو صفحہ کی ضخامت کی! پھر انداز بیان ایسا ہے اور البیلا کہ تبصرہ نگار غریب بار بار ترتیب و تحلیل کا ارادہ کرتا ہے، اور بار بار خود مضمون کی دلاویزی میں گم ہو کر کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے! دھارے کی رَو اس زور کی ہے، کہ اُس میں بہتا چلا جاتا ہے، اور ہاتھ پیر مارنے کا بھی ہوش نہیں باقی رہ جاتا! —— "روشنی طبع" اور کسی کے حق میں "بلا" ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، مولانا کے حق میں تو انکی غیر معمولی ذہانت و برجستگی اور انکے قلم کی بے تکان روانی یقیناً کچھ "بلا" سی ہوکر رہی ہے!

بہر حال سرورق پر تصریح ہے کہ اس کتاب میں "نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے زمانہ سے لیکر آجتک ۷۰۰ برس کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کیا رہا ہے - اس کے ساتھ جگہ جگہ اہم اور معرکۃ الآرا مباحث آگئے ہیں"

اور ناشر صاحب نے اپنے تمہیر عنوان کے مختصر لفظوں میں کتاب کا تعارف یوں کرایا ہے:- "مولانا موصوف نے نہایت جامعیت اور تفصیل سے اپنے مخصوص طرز انشا میں یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں شروع سے لیکر اب تک مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کیا رہا ہے - نصاب تعلیم میں کن کن علوم و فنون کا درس شامل ہوتا تھا - طریق تعلیم کیا تھا، طلبا کے قیام و طعام کا کیا انتظام ہوتا تھا، اساتذہ اور طلبہ کے آپس کے تعلقات کس نوعیت کے ہوتے تھے، عام لوگ اور امراء و اعیان ملک ان طلبا کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے - پھر تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کا بھی کتنا اہتمام ہوتا تھا - غرض یہ کہ تعلیم و تعلم سے متعلق بحث کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنہ رہ گیا ہو - اور جس پر مصنف نے سیر حاصل کلام نہ کیا ہو - بے شبہ اردو لٹریچر میں یہ پہلی کتاب ہے، جس میں اس جامعیت سے ہمارے گذشتہ نظام تعلیم و تربیت پر بحث کی گئی ہے"

یہ دو بڑے سہارے مل گئے، تیسرا سہارا خود حضرت مصنف علام کا بیان ہے - دیباچہ میں فرماتے ہیں:-

"مقصد میرا صرف عہد ماضی کے تعلیمی نظام کا ایک سرسری خاکہ پیش کرنا تھا، لیکن واقعات کو درج کرتے ہوئے بیچ بیچ میں خیالات بھی پیچیدہ ہو ہو کر ادھر ادھر بھٹکتے چلے گئے ہیں - اسی لیے اب اس کتاب کی حیثیت نہ کسی تجویزی مضمون کی باقی رہی نہ کسی تحقیقی مقالہ کی ...... ایک تو یوں ہی میرا دماغ کچھ غیر مربوط سا نظر آتا ہے - اسی کے ساتھ پندرہ بیس دن میں نئی ترتیب آسان بھی نہ تھی، اب جو کچھ ہے پیشکش ہے - دل صدپارہ کی چند ٹوٹی ہوئی قاشیں ہیں، شاید کہ انکا بھی کوئی خریدار نکل آئے"

خریدار کوئی ایک نہیں، یقیناً سیکڑوں ہزار نکل آئیں گے، اور وہ سب کے سب خوش قسمت ہی ہونگے - بدنصیب وہ ہوگا جو خریداری سے محروم رہیگا —— دعوت میں مہمان کو کھانا جب اتنا لذیذ مل گیا کہ وہ ہونٹ چاٹتا رہ گیا، اور پیٹ بھر گیا لیکن نیت نہ بھری، تو پھر اُسے اس سے کیا بحث کہ کھانے کا نام وہ نہ جان سکا، یا اُسکی قسم متعین کرکے اندر نہ رکھ سکا!

مصنف کو تو جو کچھ کہنا تھا، خدا معلوم وہ ان تقریباً ۸۰۰ صفحوں کے اندر کہہ بھی سکے یا نہیں، لیکن بہر حال انکے ہاتھوں اردو میں ایک عجیب و غریب علمی کشکول یا زنبیل تیار ہوگئی، جسکے اندر معقول، منقول، مذہب، تاریخ، تعلیم، ادب، تصوف، کلام، سب ہی کے جلوے موجود ہیں، اور کتاب عوام و خواص دونوں میں اور مختلف المذاق طبقوں میں مقبول ہونے اور پڑھے جانے کے لائق ہے ——

سنا ہے کہ بعض مجذوبوں کی بڑ اور غیر مربوط کلمات میں بھی تاثیر، کشش، دلآویزی غضب کی ہوتی ہے، اور کلام کی باتیں سب کو اپنے اپنے ظرف و استعداد کے مطابق مل جاتی ہیں،

آیندہ ایڈیشن میں اگر مصنف مدظلہ کے کوئی شاگرد یا مخلص اتنا کام اور کردیں تو کتاب کی حیثیت افادی میں چار چاند لگ جائیں کہ جا بجا فارسی عربی جو غیر مترجم رہ گئی ہیں، انکے ترجمے اردو میں درج کر دیں، اور کتاب کو بابوں اور فصلوں میں اور زیادہ تقسیم کرکے انکی فہرست شروع میں دیدیں۔

(۴) حقیقت شرک۔ از مولانا امین احسن اصلاحی۔ ۱۵۰ صفحے قیمت عہ پتہ:۔ دائرۂ حمیدیہ۔ فرول باغ دہلی۔

اسلام کی کسی ایک ہی سب سے بڑی خصوصیت متعین کرنے پر کوئی اگر کوئی مُصر ہو، تو وہ شرک کا کامل استیصال ہی ہو سکتی ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمان اس اہم عقیدہ و ایمان کے باوجود انکی تفصیلات خصوصاً عملی تفصیلات کی طرف سے یکسر غافل ہیں۔ صرف ایک لفظ 'شرک' تو پکڑے ہوئے ہیں، باقی آگے اعتراضیہ ہی نہیں کرتے کہ یہ آخر ہے کیا چیز؟ اسکے معنی و مفہوم کیا ہیں؟ اور اسکا عملی ظہور کن کن صورتوں میں ہوتا ہے؟ مولانا امین احسن نے اس اہم اور ضروری موضوع پر قلم اٹھایا، اور بڑی حد تک تحقیق و تفصیل دونوں کے ساتھ اسکے لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔ حقیقت شرک، اقسام شرک، مشرکین کا شرک، اہل کتاب کا شرک، منافقین کا شرک، وغیرہا ان عنوانات کے ماتحت انھوں نے بہت کچھ لکھ ڈالا ہے۔ خصوصاً فرنگی نظریات شرک کے مقابلہ میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہاں تو انکی سنجیدگی فکر و حسن استدلال کی داد بیساختہ دینی پڑتی ہے البتہ جہاں انھوں نے اقسام شرک کو موجودہ مسلمانوں پر چسپاں کرنا چاہا ہے وہاں اُن تک کا قلم محتاط و متوازن نہیں رہا ہے، اور نادانستہ سہی، غلو اور مبالغہ کا رنگ اس میں پیدا ہوگیا ہے۔ کہیں کہیں انگریزی کے الفاظ بھی بے ضرورت آگئے ہیں۔

کتاب اپنے اکثر و بیشتر مباحث کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔

(۴) ہندوستان کی آبادی۔ از ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی۔ ۳۰۰ صفحے۔ مجلد۔ قیمت ے۔ پتہ:۔ ادارۂ معاشیات۔ فاطمہ منزل۔ حمایت نگر حیدرآباد دکن۔

کتاب فن کی کتاب ہے، ایک ماہر فن کے قلم سے۔ اور مخاطب اصلی صرف طلبۂ فن ہیں۔ تبصرہ کا حق تو کوئی صاحب فن ہی ادا کرسکتا ہے۔ ایک عامی کے نقطۂ نظر سے کتاب دلچسپ بھی ہے اور معاشیات کی متعدد بحثوں سے متعلق سبق آموز و بصیرت افروز بھی۔ اور یہ سب کچھ مصطلحات کے باوجود بھی۔ ابواب کے عنوانات حسب ذیل ہیں:—

(۱) آبادی کے قدیم نظریے (۲) مالتھس کا نظریۂ آبادی (۳) متوازن آبادی کا نظریہ (۴) ہندوستان کی آبادی (۵) ۱۹۴۱ء کی مردم شماری (۶) آبادی اور خوراک (۷) کیا ہندوستان کثیر آباد ملک ہے؟

کتاب کے خاتمہ پر ملک میں بچے کم پیدا کرو کی مہم شروع ہونے کا جو شور ہو گیا ہے، اور جسکا نور ہے "ضبط تولید" کے مرکز قائم کرنے کی جو سفارش کی گئی ہے یہ مصنف اسلام اور سود کے اسلامی نظم سے بہت ہی خلاف توقع اور تعجب انگیز ہے۔ خدا کرے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آنے تک مصنف خود اس خیال سے رجوع کریں۔

(۵) اخبار مجموعہ۔ مترجم مولوی محمد زکی صاحب ساٹھ ۱۳۸ صفحے۔ تقطیع ۲۲×۱۸ قیمت مجلد ۳ ؏ غیر مجلد ۲ ؏ پتہ:۔ انجمن ترقی اردو، دریا گنج۔ دہلی۔

اسلامی اندلس کی تاریخ پر اردو میں یہ کتاب عرصہ کے بعد آئی ہے۔ اصل کتاب عربی میں تھی۔ مصنف کا نام نامعلوم، لیکن کتاب بجائے خود اچھی ہے، اور بڑی حد تک جامع۔ یہ اسی کا سلجھا ہوا ترجمہ ہے۔ اور انجمن ترقی اردو کے خصوصی مطبوعات مفیدہ میں شمار ہونے کے قابل۔

قابل مترجم نے ترجمہ کے متن کے علاوہ بھی بہت کچھ کردیا ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ کتاب کو ایڈیٹ کرنے کا حق ادا کردیا ہے۔ شروع میں ایک مفصل مقدمہ کے علاوہ، جو بجائے خود ایک دلچسپ مقالہ تاریخ اندلس پر ہے۔ آخر میں بکثرت تاریخی اور جغرافی حاشیے بھی متن کتاب پر دیے ہیں۔ اور نقشہ اور شجرہ ان پر مستزاد۔ فہرست میں حوالہ اشاریہ (انڈکس) کا بھی ہے۔ لیکن جو نسخہ تبصرہ کے لئے موصول ہوا ہے، اس میں تو اشاریہ موجود نہیں۔

زبان کتاب میں نظر ثانی کی کسر کہیں کہیں رہ گئی ہے۔ مثلاً پر "تعقب" کے بجائے "تعاقب" ہونا چاہیے اور "موخر" کے بجائے صرف "آخر"۔

(۶) اسلام، دی رلیجن آف ہیومینیٹی (انگریزی) از مولوی محمد علی ایم اے۔ امیر جماعت احمدیہ۔ مع دیباچہ از لارڈ ہیڈلی۔ ۲۶ صفحے۔ قیمت ۴ر

(۷) نمبر (۶) کا مرہٹی ترجمہ۔ دونوں کا پتہ:۔ مولوی محمد انعام الحق صاحب۔ محلہ اعظم پورہ، ملک پیٹھ، حیدرآباد دکن۔

مولوی محمد علی صاحب احمدی۔ انگریزی زبان میں اسلام کے مشہور و کہنہ مشق مبلغ ہیں۔ اور یہ مختصر سی کتاب انکی شہرت و مرتبہ تجربہ کے عین مطابق ہے۔ خصوصیات اسلام، وجود باری، توحید، رسالت، معاد، ملائکہ، نماز، روزہ، حقوق اللہ، اخلاق و آداب وغیرہ تقریباً ہر اہم و ضروری عنوان پر اختلافی مسائل کو چھیڑے بغیر اس مقالہ میں جامع و مانع گفتگو آگئی ہے۔

انگریزی رسالہ کی تصنیف کو اب عرصہ ہوچکا ہے۔ یہ اس کا پانچواں ایڈیشن ہے۔ احمدی مشن میں انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں کے علاوہ اب ہندوستان کی بھی دوسری زبانوں ہندی، گورمکھی، تلنگی وغیرہ میں بھی کام شروع کردیا ہے۔ اور یہ مرہٹی ترجمہ بھی

اجداد محمد علیؒ

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

..... اس وقت خط لکھنے کا خیال بھی نہ تھا۔ لیکن ایک ضرورت سے "تذکرہ کاملان رامپور" نامی کتاب پر نظر پڑ گئی۔ ایک ایسی چیز اس میں نظر آئی کہ بے ساختہ آپ یاد آئے۔ جب تک آپ کو لکھ نہ بھیجوں گا، دماغ میں خواہ مخواہ شورش رہیگی۔ بات کچھ نہیں ہے، مولانا محمد علی نور اللہ مرقدہٗ کے جد امجد علی بخش خاں کے تذکرہ میں جہاں اور باتیں لکھی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے فتنۂ ہند میں نواب رامپور کی طرف سے انھوں برٹش گورنمنٹ اور انگریزی حکام کی بڑی مدد کی۔ بریلی کا کمشنر نینی تال میں چلا گیا، الگزینڈر نام تھا، لکھا ہے کہ مولانا محمد علی کے دادا علی بخش خاں ہی تھے جس زمانہ میں دہلی، لکھنؤ، مراد آباد، نجیب آباد، بجنور، میرٹھ اور بریلی کی روزانہ خبریں نینی تال بھیجنے کا نظم کیا تھا، وہی نینی تال روپیہ روانہ کرتے تھے۔ اور راز کے ساتھ سب کاروبار کو انجام دیتے تھے۔ حتیٰ کہ الگزینڈر صاحب کا کتا بریلی میں چھوٹ گیا، صاحب بہادر اس کتے کے لیے غدر کے اس ہنگامہ میں بھی بے چین تھے۔ خاں صاحب کو لکھا، اور کتا بھی نینی تال پہونچا دیا گیا۔ خیر۔ اس سلسلہ کی دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی علی بخش خاں رامپور سے اشرفیاں لے کر خود نینی تال پہونچانے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں نواب بریلی والے جو خود باغی تھے، انکی باغی فوج کا سامنا ہو گیا۔ لکھا ہے کہ مغرب کے بعد کا وقت تھا یقین تھا کہ باغیوں کی نظر پڑی اور قتل ہوئے۔ بہت پریشان ہوئے۔ اس وقت عجب ترکیب انکو سوجھی، گھوڑے کی پشت سے اچک کر ایک درخت کی شاخ سے لپٹ گئے اور اسی کو پکڑ کر درخت کی کسی گنجان اور بلند شاخ پر جا کر چھپ گئے۔ گھوڑا بھاگ کر گھر پہنچ گیا، اور مولانا محمد علی مرحوم کے ان ہی دادا صاحب نے رات بھر اسی درخت پر بسیرا لیا۔ باغی آگے نکل گئے تب جان میں جان آئی۔ اور صبح کو پھر نینی تال اپنے ایک سپاہی کے گھوڑے پر بالآخر پہونچ ہی گئے۔ اشرفیاں پہونچا ہی دیں۔

میں اس کتاب میں جس وقت اس واقعہ کو پڑھ رہا تھا، خیال گزرا کہ قدرت کا یہ کیسا عجیب تماشا تھا، نہ جانے مولانا محمد علی مرحوم اس وقت تک اپنے دادا صاحب ہی کے صلب میں تھے یا ان سے الگ ہو چکے تھے، جو وقت درخت پر بیٹھے ہوئے حکومت برطانیہ کی بہی خواہی کا حق ادا کر رہے تھے؟

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی میں دلیری اور شجاعت کے جذبات موروثی تھے، صرف ان جذبات کے استعمال کا رخ بدل گیا تھا۔ اسی خاندان کے ایک رکن حافظ مبارک علی بھی تھے جو مولانا محمد علی کے چچا تھے۔ انکے حالات میں لکھا ہے کہ نواب کلب علی خاں مرحوم کے سفر حج میں ساتھ تھے۔ صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ جب واپس آئے تو میں نے دریافت کیا کہ خانہ کعبہ میں آپ نے کیا دعا مانگی؟ جو جواب انکو ملا وہی سننے کے قابل ہے، یعنیہ انکے الفاظ میں "کوئی اور خیال ہی نہیں آیا، صرف شہادت کی دعا مانگی"۔ دیکھا آپ نے، مولانا محمد علی کے اندر ایمان کا جو زور تھا، وہ بھی کہاں سے انکے اندر منتقل ہوا تھا، کعبہ کی دعا، ردنہیں ہوتی، اسکا ثبوت حافظ مبارک علی مرحوم کی یہ دعا بھی ہے۔ لکھا ہے کہ جنرل اعظم الدین خاں پر جب بدمعاشوں نے بندوق سے فیر کیا، اس وقت حافظ مبارک علی صاحب پیدل گھر کو جا رہے تھے۔ آواز سن کر پلٹے اور بدمعاشوں کا گھونسا انھیں پر ٹوٹ پڑا۔ تلوار پیچھے سے مل کر انکا خاتمہ کر دیا۔ لکھا ہے گردن پر اسے نام جیسا کے ساتھ الجھی ہوئی تھی، اور جو دعا کعبہ میں کی گئی تھی وہ یوں پوری ہوئی۔ "حافظ شہید" انکی شہادت کی تاریخ نکلی۔ اسی خاندان کی دلیری اور قوت قلب کا ایک واقعہ اسی کتاب میں یہ نقل کیا ہے، کہ مولانا محمد علی صاحب کے چچا زاد بھائی عظمت علی خاں عظمت جو بیگم محمد علی کے والد ماجد تھے اور اسی طرح مولانا کے خسر، ادھر ریاست اندور میں بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز تھے، ان ہی کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ریاست اندور کے ایک مقام سنادوشاہی میں ایک شخص شیر لے کر آیا، وہ پنجرے میں شیر کے ساتھ بند ہو کر لڑتا تھا، اور اسی کا تماشا دکھاتا تھا۔ تماشا دکھانے لگا۔ عظمت علی خاں کرسی پر بیٹھے تھے، اتفاقاً شیر بگڑا۔ اور خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ پنجرے سے باہر نکل پڑا۔ تماشبینوں میں تو بھگدڑ مچ گئی، ہر ایک بھاگا جا رہا تھا، لیکن عظمت علی خاں کرسی پر اطمینان سے بیٹھے رہے، اور طرفہ ماجرا یہ ہوا کہ شیر پنجرے سے نکل کر انکی کرسی کے آگے بیٹھ گیا، لیکن انکے چہرے پر شکن بھی نہ پڑی" بیگم محمد علی شیر سے نہ ڈرنے والے باپ کی بیٹی ہیں۔ والعلم الیل

کذالک تنشاء البنیۃ بوھر فہا ؎
وحسن نبات الارض من کرم البذر

بے پردگی کی وبا

ایک اخبار لکھتا ہے کہ کراچی میں مسلمان عورتوں کا جلسہ ہوا جسکی صدارت ایک خاتون مسماۃ عالم بیگم نے کی۔ مسماۃ مذکورہ نے عورتوں کی آزادی کے مسئلہ پر بہت زور شور کی تقریر فرمائی اور مسلمان عورتوں کی بیماری کا ذمہ دار پردے کو بتایا۔ آپ نے تنک کر کہا "کیا ہم چوری کا مال ہیں کہ ہم کو چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ عورت کو سر سے پاؤں تک پارسل بنا دیا جاتا ہے، جسکی وجہ سے ہم بیماریوں شکار ہو جاتی ہیں۔ آج ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ اس لعنت کو ختم کر پھینکیں گے۔" اس پر چند عورتوں نے پردہ شکنی کی مخالفت کی، لیکن باقی سب عورتوں نے برقعے اتار دیے، اور ایک پردہ توڑ تحریک جاری کی گئی۔
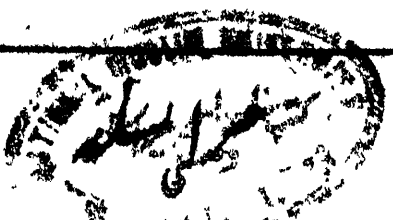
"یہ وہ اُٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں" معلوم نہیں اس خبر میں صحت کس قدر ہے۔ اگر یہ خالص عورتوں کا جلسہ تھا، تو اس میں برقعے اتار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر پردہ شکن عورتوں کو برقعے اتارنے ہی تھے تو بیچ بازار میں پہنچ کر اتارتیں کھڑکیاں تڑ پھوڑنے سے کیا حاصل؟

ہمیں اس برقع پھاڑنی پر اعتراض نہیں۔ اگر برقع کے بعد یہ ایسے دوسرے کپڑے بھی اتار پھینکیں، جب بھی ہمیں عرض کا حق نہ تھا۔ جب انکے باپ اور بھائی اور شوہر ہی اعتراض نہ کرینگے تو غیر کیا تھے۔ لیکن ان جوشیلی آزادی پسند عورتوں کی یہ بات ہم نہ ماننے سکے ہم تیار نہیں ہیں، کہ عورت پردے میں ضرور ہی جاہل رہتی ہے، یا اس کی صحت ضرور ہی خراب ہو جاتی ہے۔

دنیا کی مسلمان قوموں میں عورتیں ہمیشہ پردہ ہی کرتی رہیں۔ اور آج بھی مغربی پنجاب۔ صوبۂ سرحد۔ افغانستان کی عورتیں پردے کی سخت پابند ہیں۔ لیکن یہ مائیں وہ ہیں، جو شیر جنتی ہیں افغان اور سرحدی پٹھان اور مغربی پنجاب کے مسلمان کی شجاعت سے کون انکار کر سکتا ہے بلکہ ان علاقوں کی پردہ دار مسلمان خواتین کی ثابت قدمی۔ بہادری قربانی۔ اور حق پرستی بھی مسلم ہے۔ انکا مقابلہ شہروں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں سے کرو، جن کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ اور جن میں مائیں اپنے جوان بیٹوں کے سامنے پاوڈر کریم اور سرخی استعمال کرکے اپنے ڈھلتے ہوئے حسن کی گُند چھری کو تیز کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہیں۔ جیسی مائیں ویسے بچے۔ یہ مائیں شیر نہیں، بلکہ بزدل اور غلام جنتی ہیں۔ اور کسی بڑا ایٹر ہوا تو جج یا مجسٹریٹ ہو گیا۔ لیکن ماں بھی ہیجڑی اور بیٹا بھی دق۔ جیسے تپ دق کے مریض ہوں۔

تعلیم نسواں کی ضرورت مسلم۔ حریت نسواں بالکل صحیح۔ لیکن جس آزادی کے لیے ہماری بعض نیم تعلیم یافتہ شوقین عورتیں مری جاتی ہیں۔ وہ بعض دوسری قوموں کو جہنم واصل کر رہی ہے اور کرتی رہیگی۔

عورت کی حریت کیا ہے؟ اُسکے حقوق کیا ہیں؟ حق نفقہ۔ حق خلع۔ حق وراثت۔ حق جائداد وغیرہ۔ اصل چیز یہ ہے جو مسلمان عورت کو حاصل ہے۔ لیکن بعض نادان عورتیں حق و حریت کا طول عرض اسی کو سمجھتی ہیں کہ انھیں اپنے سر، سینہ، اور عارض و گیسو کا نظارہ عام کر دینے کا حق دے دیا جائے۔ (انقلاب)

ناظرین صدق کو مژدہ

مئی ۱۹۵۳ء سے صدق ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دوبار شایع ہوگا۔ خرچ چندہ سالانہ ششماہی بہ حساب ... فی پرچہ ...

منیجر صدق

محترم المقام۔ السلام علیکم۔ ایک مراسلہ ارسال خدمت کیا تھا۔ جسکو آپ نے "مسلموں کی ناسمجھی" کا عنوان دے کر صدق میں شایع فرمایا ہے۔ لیکن آخر میں آپ کی چند سطروں نے نفس مضمون پر پانی پھیر دیا ہے۔ اسی لیے یہ عریضہ ارسال کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مجھے بالذات کسی فرد یا ادارہ کی اہانت مقصود نہیں۔ بلکہ سوال اطمینان نفس کے لیے کر رہا ہوں۔

جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ طلباء کی اتنی سخت گرفت صحیح نہیں جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی عمل فسق کے مرتکب ہوئے ہیں۔ صرف جلسہ ہی نہیں بلکہ ٹی پارٹی بھی ہوئی تھی۔

"کسی مسلمان کا ایسی جگہ پر کھانا پینا جہاں بالاعلان شراب نوشی ہوتی ہو جائز ہے یا نہیں — جبکہ یہ یقین ہو کہ ان برتنوں کو بدست شرابیوں نے بھی استعمال کیا ہے — نیز جبکہ یہ بھی احتمال ہو کہ یہ برتن لحم خنزیر کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہونگے۔

یہاں بحث کو طول دینا یا صدق کے صفحات کو ضایع کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ اگر آپ اس سوال کا شافی جواب صدق میں شایع فرما دینگے تو میرے خیال میں بہت سے لوگوں کی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی فقط والسلام۔ ثناء الدین (ابو الحسن) امیر منزل، نظر باغ لکھنؤ

صدق۔ استفتاء اگر سانچے میں ڈھلا ہوا فقہی جواب مقصود ہے تو اسکے لیے لکھنؤ، دہلی، دیوبند، سہارنپور، وغیرہ میں جو دار الافتاء ہیں، اُنکے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ صدق کی راہ تو کچھ الگ تھلگ ہی ہے۔

سوال جن زور دار الفاظ میں مرتب کرکے پیش کیا گیا ہے ایسے ہی الفاظ میں خدا معلوم کتنے سوالات مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً خود صدق ہی سے متعلق سوال یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایسے اخبار کا پڑھنا اور خریدنا اور اُسکی مدد کرنا کہاں تک جائز ہے، جسکے ذریعہ کی آمدنی اکل حلال کے حکم میں داخل نہ ہو، اور جسکے خریداروں کے بھی بیشتر حصہ کی آمدنیاں نا جائز و مشتبہ ہوں؟ وقس علیٰ ہذا

اس دور فتن و ظلمات میں، جبکہ یہی بہت ہے کہ پڑھے لکھے مسلمان شراب پینے پلانے اور حرام کھانے سے بچے رہیں۔ ان سوالات کو زیادہ آگے چلانا کہ جہاں شراب بھی پی جاتی ہے، وہاں مسلمانوں نے بیٹھ کر چائے کیوں پی؟ اور جہاں حرام جانور بھی کھانے جاتے ہیں، وہاں کیک اور پیسٹری کیوں کھائی گئی؟ کچھ اچھا احساس تو ازن نہیں ہے۔ حلت، حرمت کا تعلق احتمالات سے نہیں، رویت و شہادت سے ہے۔

(مسلم پریس پرنٹنگ پریس لکھنؤ باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر)

اعداد شائع ہوئے ہیں کہ انھوں نے گویا کو ایک لاکھ کی تعداد میں مہیا کر دینے کی تیاریاں کی تھیں اور ۴۰ ہزار کاپیوں کے وعدے بھی ہو چکے ہیں۔ لیکن مسلمان؟ مسلمان اپنی خبر لیں۔ ان کی بیٹیں، انکی جمعیتیں اور انکے ادارے بتائیں کہ وہ قرآن مجید کس تعداد میں فراہم کر رہے ہیں؟ فراہمی الگ رہی، مسلمان اخبارات تو اس اپیل کا ذکر کرنا بھی شاید ضروری نہ سمجھیں۔

ملے دست کے وہی لاہوری" بدنام" جماعت احمدیہ حسب معمول آگے بڑھی ہے۔ انکے امیر نے اپنے اخبار میں" قرآن کریم کو افواج میں پہونچانے کی ضرورت" پر ایک زبردست اپیل شائع کی، اور اپنی جماعت کو توجہ دلائی کہ وہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے ذریعہ سے ایک منظم و باقاعدہ صورت میں قرآن کریم کی حمائل مترجم کی ایک ہزار کاپیاں فوج میں بھجوائیں

"قرآن کریم مفت تو محض ثواب کے لیے مسلمان تقسیم کرتے ہی رہتے ہیں، لیکن اگر ہم اسوقت کوئی ایک ہزار کاپی حمائل شریف مترجم کی بھجوا سکیں تو ایک بڑا بھاری خدمت اسلام کا کام ہوگا۔ ان لوگوں کو جنھیں حمائل شریف پہونچیگی، یہ موقعہ ہوگا کہ وہ قرآن کریم کی نہ صرف تلاوت کریں، بلکہ اسکو سمجھ کر اسکا مطالعہ کریں اور اسکے مفہوم سے آگاہ ہو کر اپنے آپ کو بہترین فرزند اسلام بنا سکیں۔ حمائل شریف مترجم کی قیمت سوا تین روپے"

اور پیغام صلح ہی کی اطلاع ہے کہ ایک ہزار میں سے ڈھائی سو کاپیوں کا انتظام اسوقت تک ہو چکا ہے۔ ——— کیا کروڑوں کی تعداد رکھنے والے اہل سنت اس میدان میں بھی رشک و سابقت نہ کر سکیں گے؟

مسیحی شرک

۱۸- اپریل کو پاپائے روم کا جو فرمان مسیحی دنیا کے سواد اعظم یعنی کیتھولک فرقہ کے نام شائع ہوا ہے، اسکے شروع کا یہ فقرہ مسلمانوں کے لیے قابل غور ہے:-

"ہم صدق دل کے ساتھ شافع برحق اور مادر مقدس سے دعا کرتا ہے کہ اس جنگ کے بعد جو امن قائم ہو، وہ صدق و اخلاص پر مبنی ہو"

دعا انتہائی اضطراب کے لمحہ میں بھی ہوتی ہے تو قادر مطلق سے نہیں، بلکہ" شافع برحق" (حضرت مسیحؑ) اور" مادر مقدس" (حضرت مریمؑ) سے! اور یہ عقیدہ کروڑوں مہذب اور تعلیم یافتہ انسانوں کا ہے! ——— مسلمان کو دین توحید کی اب بھی کچھ قدر ہوگی؟

نماز جماعت

اسٹیٹسمین (۱۹ راپریل) کے ایک مقالہ کا عنوان ہے" قطار بندی"، اس میں قطار بندی کے فوائد گناتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس جنگ نے [illegible] برطانیہ کو خوب عادی ہوا ہے، اور یہ جمہوریت کی روح کے پھیلانے میں خاص طور پر مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اور یہ منظر [illegible]

"امیر کبیر ایک ڈاکیہ کے ساتھ صف بصف کھڑا ہے اور سنیما کا مشہور ایکٹر ایک بھنگی کے ساتھ"

اللہ اکبر! یہ امیر و غریب کے، شاہ و گدا کے، دوش بدوش شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی قدر یورپ کے دل میں اب جا کر اس ہولناک ترین جنگ نے پیدا کی ہے! ——— مسلمان غریب تو اس نظارہ کو تیرہ سو سال سے اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی مسجد میں دیکھتا چلا آرہا ہے!

رنگ دار چہرے

انگریزی کے ایک زنانہ اور فیشن ایبل طبقہ میں پڑھے جانے والے پرچہ سے:-

"روزانہ سوتے وقت اپنے چہرہ اور گردن پر ایک اچھے قسم کی ٹھنڈی کریم کی مالش کیجیے، جس میں روغن زیتون یا روغن بادام یا اسی قسم کے کسی روغن کی آمیزش ہو۔ دس منٹ تک اسے یوں ہی رہنے دیجیے۔ اسکے بعد اسے ملائم تولیہ یا ایک جھلی سے اسکو خوب صاف کر ڈالیے۔ پھر ایک چربی دار صابن سے چہرہ اور گردن کو دھو ڈالیے۔ اب پاؤڈر استعمال کیجیے، اور اسے چکنا نے کے لیے اچھے قسم کا لیپ لگائیے" "کریم" اور" صابن" اور" پاؤڈر" اور" لیپ" اور" لپ اسٹک" اور" روژ" اور خدا جانے اسی طرح کی کس کس نام کی ہلاکت کا مجموعہ کا نام جدید و ترقی یافتہ عورت ہے! ——— جدید عورت یا ایک چلتا پھرتا مکمل سنگار خانہ!

کہتے ہیں کہ قدیم وحشی و مردم خور قبیلوں میں سردار قبیلہ کی جو عورت ہوتی تھی، وہ بھی اپنے جسم کو خوب گدوایا اور چہرہ کو طرح طرح کے رنگوں سے قوس قزح بنائے رکھتی تھی ——— کیا فرق ہے اس" وحشت" اور اس" ترقی" میں؟

"ہڑونگیاں"

مشہور رہبر نسواں شیخ عبد اللہ صاحب کی ایک تازہ تقریر" در وصف خود می گوید" کا اقتباس:-

"سرسید مدارس میں لڑکیوں کو تعلیم دلانے کے خلاف تھے، اور انکے اکثر ہمعصر بھی انکے ہم خیال تھے۔ ..... سرسید جیسے بڑے ریفارمر نے بھی ہمارے اس خیال کی مخالفت کی۔ دوسرے بزرگ جو اسوقت شریک محفل تھے، ان میں سے مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے فرمایا کہ میاں کیا کہتے ہو، مدرسہ بناؤ گے پڑھ کر ہڑونگیاں ہو جائیں گی"!

نذیر احمد دہلوی کے ادب و انشا کا تو ایک زمانہ قائل تھا۔ انکی فراست ایمانی کا علم آج ہوا! پچاس سال قبل کس صفائی سے مستقبل کو دیکھ لیا تھا! اور پھر سارے مفہوم کی تعبیر کے لیے صرف ایک لفظ "ہڑونگیاں"! ——— ظالم آخر اہل زبان تھا! کتنا جامع اور بلیغ اور لطیف لفظ بول گیا ہے!

اور پھر یہ بھی شیخ صاحب ہی کے بیان سے کھلا کہ انکی جاہلانہ اور پھیلائی ہوئی تعلیم کے مخالف محض لاملا نے نہیں سرسید اور نذیر احمد اور انکے سارے [illegible]

[illegible]

نئی کتابیں

(۱) **اسلام کا نظام حکومت** - از مولانا حامد الانصاری غازی صاحب۔ ضخامت ۶۰۰ صفحات۔ تقطیع ۲۰×۲۶۔ قیمت غیر مجلد ۔۔ مجلد ۔۔ پتہ:- ندوۃ المصنفین، قرول باغ، دہلی۔

موضوع کی اہمیت بالکل ظاہر و روشن ہے۔ حقیقۃً اس پر تو آج سے بہت قبل کتابیں تیار ہو جانی تھیں، منظم و مکمل۔ بہرحال غنیمت ہے کہ اب کہیں ایک ایسی کتاب وجود میں آ گئی۔

یہ ضخیم و مطول کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ جسے تمہید ہی سمجھنا چاہئیے ص ۲۲۴ تک آیا ہے۔ اس میں دنیا کی عام حکومتوں کی اجمالی تاریخ، مختلف سیاسی نظامہائے حکومت کی قسمیں، انبیاء سابقین کی سلطنتوں کے خاکے، اور عہد محمدی اور دور خلافت راشدہ پر مختصر تبصرے شامل ہیں۔

دوسرا حصہ ص ۲۲۶ سے ختم کتاب تک اصلی اسلامی نظام حکومت پر ہے، قانونی تشریحات و نظائر کے ساتھ۔ اور یہی گویا اصل موضوع کلام ہے۔ اور ضمناً مختلف سیاسی نظریات، سلطنت یا ریاست کے مختلف آئینی و دستوری پہلوؤں پر بھی گفتگو تفصیل کے ساتھ آ گئی ہے۔

نام سے خیال ہو سکتا تھا کہ کوئی مختصر سا رسالہ ہوگا، لیکن مصنف کی بسیار گوئی اور زور قلم نے کتابچہ کو ایک ضخیم کتاب بنا دیا ہے۔ طرز تحریر ہے شگفتہ، البتہ اس میں سادگی و متانت پر صحافتی رنگینی اور خطابت غالب ہے۔ انداز بیان کا عام نمونہ یہ ہے:-

"(عنوان: خلافت ابراہیمؑ) حضرت ابراہیم اپنے شرف و مجد کے اعتبار سے تاریخ کی جلیل القدر اور جلیل الشان ہستی ہیں۔ ..... قرآن مجید کی نظر تحقیق سے دیکھیے تو حضرت ابراہیم کے نام کی عظمت ذہن و فکر کے آزاد گوشوں پر مسلط ہو جاتی ہے، اور دل کی رگوں کا خون بائیں سمت سے دائیں سمت حرکت کرنے لگتا ہے گویا تمام مسافت کو طے کر کے منزل کو پا لیتی ہیں۔ دل کو دلپسند گوہر مقصود مل جاتا ہے اور دماغ اجتماعی زندگی کی سطح بلند پر حکومت و سلطنت کے تقرب الہیہ سے ربط پیدا کر لیتا ہے۔" (ص ۱۱۱)

انبیاء و سابقین کے دستور خلافت کا جو غیر دینی مطالعہ کیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر و نافع تر یہ ہوتا کہ عہد رسالت اور دور خلفائے راشدین کے نظام حکومت کی تفصیلات دیدی جاتیں۔

نظام حکومت اسلامی کے متعین کرنے میں بہت کچھ گفتگو کی گنجائش متعدد اور مختلف پہلوؤں سے ہے۔ مصنف کی تلاش و جانفشانی قابل داد ہے کہ جامعیت کی کوشش میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ ان کی کتاب نے کم از کم زمین تو بہت اچھی تیار کر دی ہے۔ اس میں ترمیم و تنسیخ، اضافہ جتنے بھی ہوتے رہیں۔ اردو میں ایک مبسوط تحریر اہل علم کے سامنے آ تو گئی۔

کتابت و طباعت کی حیثیت مجموعی سے کام کی تو ایسی زیادہ نہیں، لیکن اہل علم کے لئے یقیناً بہت کارآمد ہے۔ اس کا شمار ندوۃ المصنفین کی بہترین و مفید ترین مطبوعات میں ہونے کے قابل ہے۔

(۲) **لکھنؤ کا دبستان شاعری** - از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ایم اے، پی ایچ ڈی، ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی۔ ضخامت ۶۱۲ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶۔ قیمت ؂ ۔ پتہ: شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ جسکے پیش کرنے پر مقالہ نگار کو مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ اور بالکل بجا ملی ڈگری بار ہا اس سے پست تر مقالوں پر مل گئی ہے۔ یہ مقالہ اس عام سطح سے کہیں بہتر و بلند تر اور کہیں بڑھ کر فاضلانہ و ناقدانہ ہے۔

علم و فن کی ترقی کے معنی ہی یہ سمجھے گئے ہیں، کہ تنقید و تبصرہ میں تنوع اور جزئیات تک کی تدقیق بڑھتی جائے۔ اور اسکی بہترین مثال یہ کتاب ہے۔ نام مقالہ کا، اور درحقیقت ایک ضخیم کتاب طویل و عریض ہونے کے ساتھ ہی ایک حد تک عمیق بھی!

"لکھنویت" کا نام پڑھے لکھے کے کان میں پڑ چکا ہے۔ اور لکھنوی شاعری بھی سب کی زبانوں پر ہے۔ لیکن یہ سوال اگر کیا جائے کہ لکھنویت ہے کیا شے؟ اور لکھنوی شاعری آخر کن چیزوں میں غیر لکھنوی شاعری سے الگ ہے؟ تو اچھے اچھوں سے جواب نہ بن پڑے۔ ابو اللیث صاحب کی کتاب انہیں سوالات کا ایک بڑا مفصل جواب ہے۔ اور ضمنی سوالات (کچھ متعلق اور کچھ غیر متعلق) بہت سے اپنی طرف سے پیدا کر کے انکے جوابات کی بھی کوشش کرتے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ لکھنؤ کی شاعری کے عیب و ہنر کا جائزہ بھی اپنے معیار و مذاق کے ماتحت لیتے گئے ہیں۔ شروع میں اودھ کی مختصر تاریخ اور لکھنؤ کے مذہب و معاشرت پر ایک نظر ناگزیر تھی۔ اسکے بعد شاعری اور شاعروں دونوں پر تبصرہ شروع ہوا ہے۔ اور کہیں کہیں نوبت بال کی کھال نکالنے کی آ گئی ہے۔ خان آرزو اور سودا، میر حسن، میر تقی میر سے لیکر یہ سلسلہ حسرت موہانی، اثر لکھنوی اور آرزو لکھنوی پر ختم ہوا ہے۔

اتنے طویل و ضخیم مقالوں میں رطب و یابس دونوں کا ملنا، اور کلام کے ایک حصہ کا حشو ہونا، بعض عبارتوں کا بے ضرورت ہونا ذرا بھی خلاف توقع نہیں۔ بعض بعض الفاظ کی صحت استعمال بھی نظر ثانی کی محتاج ہے، مثلاً "جوہات"، "رسومات"، "ماتیانہ" وغیرہ ——— "اگرچہ" "چنانچہ" کی تکرار کہیں کہیں سلاست بیان میں مخل ہو گئی ہے۔ اور فقروں کی ترکیب اور ترتیب میں کہیں کہیں انگریزیت کا اثر بھی نمایاں ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی لکھنؤ کی بزم سخن کا ظلم حسین محشر، مرزا رسوا اور معیار پارٹی کے نقیب ابر کے بغیر کچھ سونی سونی سی نظر آئی۔ نقد کلام سے بھی اتفاق رائے ہر جگہ ممکن نہیں۔ س ع ارقد: ق